اللہ کی تلوار

خالد بن الولید



میجر جنرل آغا ابراہیم اکرم

اللہ کی تلوار

اللہ کی تلوار

خالد بن الولیدؓ

(حالاتِ زندگی اور جنگی کارنامے)

تصنیف

میجر جنرل آغا ابراہیم اکرم

ترجمہ

عزیز ہمدانی۔ شہیر نیازی



نیشنل بُک فاؤنڈیشن

کراچی ــــ اسلام آباد ــــ لاہور ــــ پشاور ــــ کوئٹہ



اشاعت اول ۱۹۷۵ء
تعداد .... تین ہزار



ناشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن
پریس ٹرسٹ ہاؤس، آئی، آئی چندریگر روڈ، کراچی
طابع: انجمن پریس، نشتر روڈ، کراچی

انگہ کے نام ——!

پیش لفظ

مسلمانوں کی تاریخ عظیم فوجی کارناموں اور فنِ حرب کے شاندار مظاہروں سے بھری پڑی ہے۔ تاریخِ جنگ میں نہ تو ایسی لڑائیوں کی مثال ملتی ہے جو اسلامی جنگوں سے زیادہ خیرہ کُن اور فیصلہ کُن ہوں اور نہ ہی ایسے سپہ سالاروں کی جن کی شجاعت اور مہارت اسلام کے باصلاحیت جرنیلوں کا مقابلہ کر سکے!
اسلامی ثقافت میں تلوار کو ہمیشہ ایک باوقار مقام حاصل رہا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام کی فوجی تاریخ کے بارے میں آج کی دُنیا بہت کم جانتی ہے۔ ایسی کوئی تصنیف نہیں ملتی جس کو کسی تربیت یافتہ فوجی نے باضابطہ تحقیق اور میدانِ جنگ کے غائر مشاہدے کے بعد لکھا ہو۔ فی الحقیقت کبھی تحقیق ہی نہیں کی گئی اور ایک خلا سا رہ گیا۔

اوائل ۱۹۶۲ء میں جب میں اسٹاف کالج کوئٹہ کا چیف انسٹرکٹر تھا، مجھے اِس کمی کا احساس ہوا۔ فوجی تاریخ سے ہمیشہ گہرا شغف رکھنے والے طالب علم اور اسٹاف کالج میں اِس مضمون کے معلّم کی حیثیت سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ شاید دیگر مسلم فوجیوں کی بہ نسبت تاریخی مواد کی اِس کمی کو میں بطریقِ احسن

پورا کر سکوں۔ مسلمانوں کی مکمل فوجی تاریخ کے لئے تو سینکڑوں جلدیں درکار ہوں گی لیکن کہیں نہ کہیں سے ابتدا تو کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کا بیڑہ اٹھا لیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ابتدا سے شروع کروں گا اور ان معرکوں کا ذکر کروں گا جن میں خالدؓ بن الولیدؓ نے حصّہ لیا۔

میں نے دیکھا کہ اسلام کی ابتدائی جنگوں کے سلسلے میں کافی مواد موجود ہے، لیکن یہ سارے کا سارا عربی میں ہے۔ اوّل تو ابتدائی مسلمان مورخین میں سے تمام کی تصانیف کے تراجم نہیں ہوئے اور جن کے ہوئے بھی وہ اکثر غلط اور بعض دفعہ تو سراسر بد دیانتی سے کئے گئے تھے۔ اس قسم کی تحقیق کے لئے اُس زبان کا جاننا ضروری ہے جس میں اصل واقعات لکھے گئے ہوں۔ چنانچہ میں نے عربی زبان سیکھی۔

بعد ازاں میں نے ابتدائی مؤرخین کی ایک فہرست تیار کی لیکن اس میں سے اُن تمام مسلمان اور عیسائی مؤرخین کو خارج کر دیا جو دسویں صدی عیسوی کے بعد گزرے۔ چونکہ بعد میں آنے والوں نے تمام معلومات ابتدائی مورخین ہی سے حاصل کیں، میں نے صرف ابتدائی ماخذوں پر توجہ دی تاکہ متاخرین کی ذاتی رائے اور قیاس آرائی کسی طرح بھی اثر انداز نہ ہونے پائے۔ فہرست کی تیاری تو نسبتاً آسان تھی لیکن اصل مسئلہ ان کتابوں کا حصول تھا کیونکہ یہ پاکستان میں دستیاب نہیں تھیں اور عرب ممالک میں ان کی قیمت کافی تھی۔ اس معاملے میں میرے بعض

احباب نے میری مدد کی اور اِس منصوبے میں اپنے اشتراک کے طور پر بڑی کشادہ دلی سے یہ کتابیں بہم پہنچائیں۔ میرے یہ احباب جو سارے ہی کوئٹہ میں میرے طالب علم رہ چکے ہیں وہ یہ ہیں: اُردن کے بریگیڈیر ماجد حاج حسن۔ پاکستان کے بریگیڈیر حبیب اللہ بابر اور سعودی عرب کے میجر نائف عون شراف اور میجر عبدالعزیز الشیخ۔ اِس طرح ابتدائی اسلامی تاریخی کتب کی ایک بہترین لائبریری میرے ہاتھ آئی اور اِس مواد کے حصول کے بعد میری تحقیق کا آغاز ہوا۔

سب سے بڑی مشکل جو اِس نوعیت کے تحقیقی کام میں کسی تحقیق کرنے والے ادیب کو پیش آتی ہے وہ جغرافیائی مواد کا فقدان ہے۔ جغرافیہ چونکہ فوجی حکمتِ عملی کی ایک طبعی بنیاد ہوتا ہے اِس لئے جب تک کہ اُس وقت کے صحیح جغرافیائی حالات کا علم نہ ہو، کوئی بھی فوجی تاریخ مرتّب نہیں کی جاسکتی۔ خوش قسمتی سے میرے پاس ابتدائی اسلامی دور کے دو بہترین جغرافیائی ماخذ ابن رُستا کی "العلاق النّفیسہ" اور یعقوبی کی "البلدان" موجود تھے جن میں اُس وقت کے طبعی و سیاسی جغرافیہ کا خاصی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اِن کتابوں کی وجہ سے مجھے زمین کی طبعی ساخت کا اندازہ لگانے اور اکثر ایسی جگہوں کا محل وقوع معلوم کرنے میں بڑی مدد ملی جو اب معدوم ہو چکی ہیں۔ مجھے اِس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کئی ہفتے پورے انہماک سے کام کرنا پڑا اور وہ نقشے تیار ہوئے جو اِس

کتاب میں شامل ہیں۔

نقشوں کی اس جستجو میں اُردن کے بریگیڈیئر ماجد حاج حسن اور پاکستان کے بریگیڈیئر حبیب اللہ بابر سے بھی مدد ملی۔ اور آخر میں جغرافیائی مواد کے سلسلے میں عراق کے اس اٹلس سے بھی بڑی مدد ملی جسے بغداد کے ڈاکٹر احمد سوسّہ نے تیار کیا ہے جو تحقیق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور جس کی وسعت صرف عراق تک ہی محدود نہیں۔

گو کہ اسلامی دور کی پہلی چند صدیوں میں تاریخی ادب کی تقریباً ساری ہی قد آور شخصیّتیں مسلمان تھیں (جیسا کہ اور دیگر اصنافِ ادب کی تھیں) لیکن میں چند قدیم مغربی ادیبوں کو بھی ضرور پڑھنا چاہتا تھا تاکہ اُن واقعات پر اُن کا طرزِ بیان جان سکوں بالخصوص شام پر مسلمانوں کے قبضے سے متعلق واقعات کے بارے میں۔ مجھے دو بازنطینی مورخوں نِسفورس (Nicephorus) اور تھیو فینیز (Theophanes) کا پتہ چلانے میں کامیابی ہوئی جو آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی عیسوی کے اوائل سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے ان کی تحریروں کے ترجمے اُن زبانوں میں حاصل نہ کر سکا جنہیں میں جانتا ہوں۔ چنانچہ مغربی نقطۂ نظر کے جاننے کے لئے میں نے مشہور مورّخ ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) پر انحصار کرنا مناسب سمجھا جس کی کتاب (The Decline and Fall of the Roman Empire) مسلمانوں کے خلاف تعصّب

سے قطع نظر بلاشبہ تاریخ نویسی میں ایک معرکتہ الآرا اضافہ ہے۔ گو کہ اس میں صرف سرسری ساذکر ملتا ہے لیکن دیگر قابلِ انحصار مغربی تاریخی ادب کی غیر موجودگی میں مجھے اسی پر اکتفا کرنا پڑا۔

باوجودیکہ میں نے دسویں صدی عیسوی کے بعد کی لکھی ہوئی تمام کتابوں سے پہلے بیان کردہ وجوہات کی بنا پر احتراز کیا" لیکن بعض بعد کے لکھنے والوں کا بھی مطالعہ کیا تاکہ جغرافیائی معلومات کے سلسلے میں وہ سارا مواد جمع کرسکوں جو اس کتاب کی صحتِ معلومات کا ضامن ہو۔ میں نے بارھویں اور تیرھویں صدی کے عالم یاقوت کی کتاب "موجم البلدان" سے کافی استفادہ حاصل کیا۔ بیسویں صدی کی جغرافیہ کی کتابوں میں جس کتاب سے مجھے سب سے زیادہ مدد ملی وہ ہے چیکوسلواکیہ کے الواموسل (Alois Musil) کی کتاب "The Middle Euphrates"۔ موسل نے بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے دہے میں عراق اور شام کا تفصیلی دورہ کیا اور دریائے فرات کی رہگزر کے تمام علاقے کا بغور جغرافیائی مطالعہ کیا تھا۔

کتابوں کے مطالعے سے فارغ ہونے اور پہلے مسوّدہ کے تیار کرلینے کے بعد میں نے فوج سے چھٹی لی اور اوائل اگست ۱۹۶۸ء میں پاکستان سے روانہ ہوا۔ سب سے پہلے میں نے کچھ وقت یورپ میں گزارا جس کا زیادہ تر حصّہ لندن کے برٹش میوزیم میں بازنطینی سلطنت کے خلاف مسلمانوں کے معرکوں کے بارے

میں کتابیں تلاش کرنے میں گزرا۔ مجھے قدیم مغربی ادیبوں کی کتابوں کا کوئی انگریزی ترجمہ نہ مل سکا لیکن بعض کار آمد حوالے برٹش میوزیم کی لائبریری سے مل گئے۔

اگست کے آخر میں بیروت پہنچا اور خالد بن الولیدؓ کے جنگی میدانوں کا دورہ شروع کیا، جہاں مجھے ان زمینوں اور جگہوں کو دیکھنا تھا جہاں سے خالدؓ کا لشکر گزرا، جہاں خالدؓ نے لڑائیاں لڑیں اور جہاں کی ریت پر خالدؓ کے دشمنوں کا خون ندی نالوں کی طرح بہا تھا۔ لبنان میں میرے لئے "ابوالقدس" کا پتہ چلانے کے علاوہ کوئی اور کام نہ تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے خالدؓ نے مسلمانوں کے ایک گھرے ہوئے دستے کو بچا کر نکالا تھا۔ اس جگہ کا پتہ چلانے کے بعد میں بذریعہ سڑک شام روانہ ہو گیا۔

میں نے شام میں ہر اُس شہر میں قیام کیا جس کو خالدؓ نے فتح کیا تھا مثلاً دمشق، حمص (Emessa)، تدمر (Tadmur) حلب (Aleppo) اور ہر اُس جگہ کو دیکھا جہاں خالدؓ نے اپنی جنگیں لڑیں۔ ساتھ ہی اُن باقی تمام جگہوں کے صحیح محل وقوع کا پتہ چلایا جن کا ذکر اِس کتاب کے حصہ چہارم میں آیا ہے۔ دمشق میں میں نے قلعے کی دیواریں دیکھیں جن کے نشانات اب بھی باقی ہیں سوائے مغربی حصہ کے جہاں سے یہ بالکل مٹ گئے ہیں۔ میں نے وہ چھ دروازے بھی دیکھے جنہیں آج بھی خالدؓ ہی کے زمانے کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے لیکن قلعے کا اندرونی حصہ

بالکل بدل چکا ہے۔ دمشق میں قیام کے دوران مجھے قومی عجائب گھر کی شاندار عمارت میں جانے اور حوالے کی چند ایسی اہم کتابوں کے مطالعے کا موقع ملا جو میری ذاتی لائبریری میں موجود نہیں تھیں۔

حمص میں میں نے خالد بن الولیدؓ کی مسجد کی زیارت کا مقدس فریضہ ادا کیا۔ یہ میرے لئے انتہائی وفورِ جذبات کا موقع تھا جب میں آقائے حرب کی قبر کے پائنتی کھڑا تھا ــــ یہ وہ شخصیت تھی جس کے بارے میں گزشتہ چار سال سے میں سوچتا رہا تھا، پڑھتا رہا تھا اور لکھتا رہا تھا۔ میں ایک گھنٹے تک خالدؓ کے مقبرے سے متصل مسجد میں خاموش بیٹھا رہا۔ پھر میں اٹھا اور میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ سے دعا کی کہ وہ آج کے مسلمانوں کو بھی ویسی ہی فتوحات نصیب کرے جیسی کہ اُس نے خالدؓ کو عطا کی تھیں گو کہ آج کے مسلمان اس کے کم ہی حقدار ہیں۔

شام میں قیام کے دنوں میں دلچسپ ترین دن وہ تھا جب میں نے "قنسرین" (Qinassareen) یعنی قدیم "چالسس" (Chalcis) کو ڈھونڈ نکالا جسے خالدؓ نے فتح کیا تھا اور جہاں انہوں نے فوج کی آخری بار کمان کی تھی۔ حلب میں کئی لوگوں نے قنسرین کے بارے میں سن رکھا تھا اور وہ جانتے تھے کہ وہ ان کے شہر کے قریب ہی کہیں واقع ہے۔ اس کے علاوہ آثارِ قدیمہ کے نقشوں میں بھی قدیم کھنڈرات کے طور پر اس کی نشاندہی کی گئی تھی لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کس خاص

مقام پر واقع ہے اور وہاں تک رسائی کیسے ہو؟ اِس لئے کہ کسی کو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ کبھی کوئی قِنسّرین کو دیکھنے بھی آیا تھا! میں نے ٹیکسی لی اور خوش قسمتی سے شہر میں ایک بَدّو سے ملاقات ہو گئی (جسے میں نے کوئی سادہ دیہاتی سمجھا) جو قِنسّرین سے دو میل کے فاصلے پر رہتا تھا اور حلب میں کسی کام سے آیا ہوا تھا۔ وہ اِس شرط پر میرے ساتھ ہو لیا کہ اگر میں اُسے اُس کے گاؤں تک لے چلوں تو وہ مجھے قِنسّرین کا راستہ سمجھا دے گا۔ حلب سے ۱۴ میل جنوب مغرب کی جانب زربہ تک سڑک اچھی تھی لیکن یہاں سے بَدّو کے کہنے پر سڑک سے مڑ کر ایک دیہاتی کچے راستہ پر ہو لئے تو تھوڑی دیر بعد راستہ اِس قدر خراب ہو گیا کہ گاڑی بمشکل چل سکتی تھی۔ پانچ میل اِسی طرح چلنے کے بعد اِس بَدّو کا گاؤں آ گیا اور اُس نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا کہ پہاڑی کا چکّر کاٹتے ہوئے آگے جائیں تو قِنسّرین آجائے گا۔ ڈرائیور اور میں برابر پہاڑی کا چکر کاٹتے ہوئے چلتے رہے اور نہ صرف یہ کہ ہم نے قِنسّرین کا پتہ لگا لیا بلکہ دوبارہ اُسی سڑک پر آنکلے جسے چند میل پیچھے ہم نے چھوڑا تھا۔ قِنسّرین نام کی کوئی بستی تو اب باقی نہیں لیکن اُس جگہ کا ہم نے پتہ لگا لیا جو اِسی سڑک پر واقع ہے اور سیدھے وہاں تک پہنچا جا سکتا ہے۔ لیکن چالاک بَدّو نے ہمیں یہ چکر دار راستہ اِس لئے بتایا کہ وہ خود اپنے گاؤں تک گاڑی میں جا سکے۔ خیر بے چارہ بَدّو ایک خوش مزاج آدمی تھا اور اُس نے میری اتنی مدد کی کہ قِنسّرین سے دو میل قریب تک لے

آیا یہاں اطراف کے دیہات میں تو ہر کوئی قنسرین کے محلِ وقوع سے واقف تھا لیکن حلب میں کوئی نہیں جانتا تھا۔

شام کے جنگی میدانوں میں سب سے اہم یرموک کا سفر تھا۔ خطِ متارکہ جنگ سے قریب ہونے کے باعث یہ ایک ممنوعہ علاقہ ہے اور غیر ملکیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں لیکن ہمارے سفیر جناب اے۔اے شیخ کی وساطت سے حکومتِ شام نے ہر اُس علاقے میں جانے کی اجازت دے دی جسے میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ شامی فوج نے اُن علاقوں کو پار کرنے کے لئے سواری اور ایک رہبر افسر کا بھی انتظام کر دیا جو اس علاقے سے بخوبی واقف تھا اور ایک بے مثال رہنما ثابت ہوا اِس طرح مجھے گھنٹوں نقشے اور قطب نما کی مدد سے اِن مشہور جنگی میدانوں کا تفصیلی جائزہ لینے کا موقع ملا۔ میں نے اُس جگہ کو گاڑی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک عبور کیا جو کبھی لڑائی کا میدان رہ چکا تھا اور زمین کے نشیب و فراز کا کئی زاویوں سے جائزہ لیا اور یرموک کی گھاٹی کا شمالی کنارے سے بہ نظر غائر مطالعہ کیا۔ میں "وادی الرّقاد" نہ دیکھ سکا کیونکہ یہ عین خطِ متارکہ جنگ پر ہے۔ لیکن شجرہ نام کے ایک گاؤں سے جو اس کھائی سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، میں نے اُس جگہ کا بخوبی نظارہ کیا جہاں اس جنگ (یرموک) کا آخری خونی معرکہ طے پایا تھا۔

یرموک سے موٹر گاڑی میں اپنے رہبر افسر کے ساتھ بصرہ پہنچا اور وہاں کا مشہور قلعہ دیکھا۔ بصرے کے باہر زمین کا معائنہ کیا اور وہاں سے دمشق واپس آگیا۔

میں نے شام میں جو خوبصورتی اور تاریخ سے مالامال ہے کُل دو ہفتے گزارے۔ یہاں میرا سفر ہمارے سفیر اور ہمارے سیکرٹری جناب فضل رحیم کی مدد و تعاون کے باعث نہایت ہی دلچسپ اور آسان رہا۔ ۱۳ ستمبر کو میں بذریعہ ٹیکسی عمان روانہ ہوا۔ اُردن پہنچ کر مجھے پتہ چلا (اور اس سے مجھے کوئی حیرت بھی نہیں ہوئی) کہ اُردن میں پاکستانی کوئی اجنبی شخصیت نہیں۔ حقیقت میں پاکستان کے باہر دنیا کے کسی بھی ملک میں پاکستانی کو اُردن سے زیادہ اپنائیت کا احساس نہیں ہوتا جہاں کے لوگوں کی پاکستانیوں سے محبّت اور مہمان نوازی دل پر اثر کرنے والی اور ناقابلِ فراموش ہے۔ اُردن میں مَیں نے اُردنی فوج کے مہمان کی حیثیت سے قیام کیا اور جو کچھ میں نے دیکھنا چاہا، اس کے لئے تمام سہولتیں بہم پہنچائی گئیں جس کے لئے میں چیف آف دی جنرل اسٹاف جنرل عامر خماش کا بے حد ممنون ہوں۔ اور میں اپنے پرانے شاگرد اور دوست بریگیڈیر ماجد حاج حسن کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے سارے پروگرام کی ذمہ داری اپنے مضبوط کاندھوں پر لی اور اس کو بطریقِ احسن کامیاب اختتام تک پہنچایا۔

میں نے پورا ایک دن دریائے یرموک کے جنوب کی جانب سے جنگِ یرموک کے میدان کی چھان بین میں گزارا۔ یہ میرے اُس جائزہ کا تتمّہ تھا جو اس سے قبل میں نے شام کی جانب سے لیا تھا۔ میں فحل گیا اور وادیٔ اُردن کا وہ علاقہ دیکھا جہاں فحل کی لڑائی لڑی گئی تھی۔ میں گاڑی میں موئتہ تک گیا اور اُس جگہ پر سے پیدل چل کر گزرا جو کہ موئتہ کی جنگ کی جائے وقوع تھی اور اب جس کے وسط میں ایک خوبصورت نئی مسجد زیرِ تعمیر ہے۔ عجیب بات یہ کہ یہاں کئی لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے

جنگِ موتہ کا عالم خواب میں نظارہ کیا ہے۔ مسلمان فوجیوں کو چلتے پھرتے اور ہتھیاروں کو ٹکراتے دیکھا ہے! خود میری دو ایسے آدمیوں سے ملاقات ہوئی جنہوں نے بتایا کہ انہوں نے یہ سماں دیکھا ہے۔ وہ تین مسلمان سپہ سالار جو اس جنگ میں شہید ہوئے مزار کے مقام پر دفن ہیں جو یہاں سے دو میل دور واقع ہے۔ میں نے وہاں حاضری دی اور ہر ایک کی قبر پہ فاتحہ پڑھی۔

میرا اُردن کا دورہ ۱۱؍ستمبر ۱۹۶۸ء کو ختم ہوا اور میں بیروت کے راستے پر بغداد پرواز کر گیا۔ میرے ساتھ دل کو گرمانے والی یادیں تھیں جو ایک چھوٹے لیکن انتہائی کشادہ دل لوگوں کے ملک سے وابستہ ہیں۔

بغداد پہنچ کر پتہ چلا کہ میرے عراق کے دورے کے تمام انتظامات پہلے ہی سے مکمل کر لئے گئے ہیں اور یہ سب ہمارے ملٹری اتاشی کرنل ایچ۔ ایم آئی امین کی پیش بینی کا نتیجہ تھا۔ حکومتِ عراق نے میرے اسلامی فتوحات کے بارے میں لکھنے کے منصوبے کا مثبت اور برادرانہ انداز میں خیر مقدم کیا تھا اور وزیرِ ثقافت جناب عبداللہ السّلوم نے ہدایات جاری کر دی تھیں کہ عراق میں جو کچھ بھی میں دیکھنا چاہوں اُس کے لئے تمام سہولتیں مہیّا کی جائیں۔ یہ سرکاری اعانت میرے لئے کس قدر قیمتی تھی اس کا میں اندازہ نہیں لگا سکتا۔ مجھے سواری اور ایک رہبر افسر ڈاکٹر محمد باقر الحسینی کی خدمات دی گئیں جو ایک اچھے رہبر اور ساتھی ثابت ہوئے۔

سب سے پہلے میں نے بغداد میوزم کی لائبریری میں ایک ہفتہ مطالعہ میں اور عراق کے مشہور عالموں مثلاً ڈاکٹر صالح احمد العلی، ڈاکٹر احمد سوسا (جن کے اٹلس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں) اور جناب فوّاد صفر سے تبادلۂ خیالات کرنے میں گزارا۔ یہ بات چیت تاریخی اور جغرافیائی پہلوؤں پر ہوتی رہی اور اس

سے مجھے بڑی مدد ملی۔ لیکن عراق میں جنگی میدانوں کا پتہ لگانا میرے لئے شام اور اُردن کی بہ نسبت بہت زیادہ مشکل ثابت ہوا کیونکہ اُن ممالک میں خالدؓ نے بڑے شہروں یا معروف میدانوں میں جنگیں لڑی تھیں جو آج تک دیکھنے والوں کے لئے موجود ہیں لیکن عراق کی جنگیں چھوٹے شہروں میں ہوئی تھیں جن کا اب کوئی وجود نہیں۔ علاوہ ازیں دریائے دجلہ اور فرات نے غیر مستقل مزاج عورتوں کا سا رویہ اختیار کر کے اتنی بار اپنا راستہ بدلا کہ جہاں جہاں سے یہ گزرے اُس علاقہ کے جغرافیہ ہی کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس وجہ سے ان دریاؤں کے کنارے پر واقع مقامات کا صحیح محلِ وقوع معلوم کرنا خاصا کٹھن کام بن جاتا ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے کافی کچھ پا لیا۔ میں نے پہلے بغداد اور پھر کوفہ کو مرکز بنا کر کئی دنوں تک دورہ کیا اور سینکڑوں میل صحرا اور ریتیلے ٹیلوں پر گاڑی میں سفر کیا۔ میں نے خالدؓ کی جنگوں کے تقریباً سارے ہی میدانوں کا پتہ لگا لیا اور اُن جگہوں پر گیا سوائے اُن مقامات کے جہاں خالدؓ نے "عین التمر" کی فتح کے بعد جنگیں لڑیں کیونکہ یہ جگہیں اب باقی نہیں ہیں اور ان کے صحیح محلِ وقوع کا تعین ممکن نہیں۔ یہاں سے میں بصرہ گیا اور مزار (موجودہ الازہر)، اُبلاّ اور حُفیرؔ کے مقامات دیکھے جن کا اب کوئی نشان بھی باقی نہیں۔

اس کے ساتھ ہی عراق میں میرا ڈھائی ہفتہ کا قیام اختتام کو پہنچا جسے کرنل امین نے اپنی خاطر مدارات سے اور زیادہ دلچسپ اور آرام دِہ بنا دیا تھا۔ ۸ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو میں سڑک کے ذریعہ کویت روانہ ہوا۔

کویت میں معمولی سا کام تھا۔ میں نے کاظمہ کا پتہ چلایا اور وہاں گیا۔ یہاں خالدؓ کی ایرانیوں سے پہلی جنگ ہوئی تھی (اب کاظمہ کا زیادہ حصّہ باقی نہیں) عراق سے یہاں پہنچنے کے دو دن بعد میں واپس پاکستان

لوٹ آیا۔ مشرقِ وسطیٰ میں چھ ہفتے سے کچھ زیادہ عرصے میں بذریعہ ٹرک میں نے لگ بھگ ۴۰۰۰ میل کا سفر طے کیا۔

چار ماہ تک تو میں اپنے پڑاؤ پر ہی رہا اور خالدؓ کے عراق اور شام کے معرکوں کو اپنے سفر کے دوران حاصل کی ہوئی معلومات کی روشنی میں دوبارہ قلمبند کرتا رہا۔ اس کے بعد اوائل فروری ۱۹۶۹ء میں ایک بار پھر صحرا کا رُخ کیا تا کہ پچھلے سفر کے دوران جو کچھ رہ گیا تھا اُس کو مکمل کر لیا جائے۔ ۴ر فروری کو ہوائی جہاز سے جدّہ پہنچنے پر ہمارے ملٹری اتاشی کرنل نورالحق اور سعودی عرب کی شاہی فوج کے نمائندوں نے ہوائی اڈہ پر میرا استقبال کیا۔ کرنل نورالحق نے سعودی حکومت کو میری آمد اور اس کی غرض و غایت کے بارے میں مطلع کر دیا تھا اور روائتی عرب مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت نے مجھے اپنا مہمان بننے کی دعوت دی۔ میں نے بخوشی یہ دعوت قبول کر لی اور یہ میرے لئے بڑی مددگار ثابت ہوئی کیونکہ بغیر سرکاری مدد کے سعودی عرب کے وسیع و عریض علاقوں کا تفصیلی دورہ میرے لئے ممکن نہ ہوتا۔ فی الحقیقت جیسے جیسے ریتیلے راستوں اور لق و دق صحرا میں میرا سفر آگے بڑھتا گیا، اتنا ہی میرے سعودی حکومت اور خصوصاً فوج کے احسانات کے احساس میں بھی اضافہ ہوتا گیا کیونکہ بغیر ان کی مدد کے ان جنگی میدانوں کا اس قدر تفصیلی جائزہ میں ہرگز نہیں لے سکتا تھا۔

میرے سفر کے تمام انتظامات فوج نے کئے تھے اور مجھے ایک رہبر افسر کپتان عبدالرحمٰن الحمّاد کی خدمات بھی حاصل تھیں جو ایک ذہین نوجوان تھے اور میرے اس ملک میں پانچ ہفتے کے قیام کے دوران ہم رکاب اور

ساتھی رہے۔

یہاں پہنچنے کے فوراً بعد میں نے مکّے میں عمرہ کیا اور ہوائی جہاز سے ریاض پہنچا۔ میں نے پہلے عرب کے شمالی حصّے میں جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہاں مجھے بڑے وسیع علاقے میں سفر کرنا تھا اور میں نے سوچا کہ پہلے اس سے فارغ ہو لوں تو بہتر ہو گا تاکہ بعد میں میرے لئے صرف مکّے اور مدینے کے علاقے کی آسان اور نسبتاً زیادہ مشہور جنگیں باقی رہ جائیں۔ اس طرح میں پہلے اُن جگہوں کو دیکھوں گا جہاں خالدؓ کی مرتدوں سے لڑائیاں ہوئیں جن کا ذکر اس کتاب کے حصّہ دوئم میں کیا گیا ہے۔

میں نے ریاض میں تین دن قیام کیا اور اس دوران ایک پوری صبح یمامہ کے میدانِ جنگ کا جائزہ لینے میں گزاری اور پھر وہاں سے بذریعہ سڑک بُریدہ روانہ ہوا۔ اس جگہ کو مستقر بنا کر گاڑی سے نباج (موجودہ بنقیّہ) اور بطاح گیا۔ ۱۲ فروری کو بذریعہ ہوائی جہاز حائل پہنچا تو یہاں شدّت کی سردی دیکھ کر تعجّب ہوا۔ یہاں میں نے تین دن قیام کیا (جن کا زیادہ تر حصّہ گاڑی میں اِدھر سے اُدھر صحرائی سفر کرنے میں گزرا) اور کئی ایسے مقامات دیکھے جہاں خالدؓ کی مرتدوں سے جنگیں ہوئی تھیں۔ جس قسم کی جنگی نوعیّت کی چھان بین کا کام میں نے لے رکھّا تھا اس کی مشکلات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ثمیرہ اور غمرہ کے دیکھنے کے لئے جو ایک دوسرے سے قریب واقع ہیں مجھے گاڑی کے ذریعے حائل سے پورا دو سو میل کا صحرائی اور اَڑتنگ سفر کرنا پڑا اور دس طویل گھنٹے گرد اور مٹّی میں گزارنے پڑے۔ پھر مقامات کے محلِ وقوع کا پتہ لگانا یوں مزید دشوار بن گیا تھا کہ میرے پاس کام کرنے کے لئے ۱:۱۰ لاکھ کے پیمانے

سے بہتر نقشہ نہیں تھا۔

۱۵ فروری کو میں بذریعہ ہوائی جہاز ریاض واپس آیا اور دوسرے دن جدّہ لوٹ گیا۔ اب میرے دورے کا دوسرا حصّہ شروع ہوا جس میں مکّے کا علاقہ شامل تھا۔ ۱۷ فروری کو میں ایک دن اور رات کے لئے طائف تک گیا اور اُس مسجد کو دیکھا جہاں طائف کے محاصرے کے وقت مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ مجھے کسی قسم کے کھنڈرات کا کوئی نشان نہ ملا جس سے طائف کے قلعے کی نشاندہی ہوتی، لیکن میں نے چند ایسے مقامات دیکھ لئے جن کا تعلّق اُس راستے سے تھا جس سے پیغمبرِ اسلامؐ طائف گئے تھے۔ یہاں سے میں جدّہ واپس آیا اور طائف چھوڑتے ہوئے مجھے افسوس ہوا کیونکہ یہ بہت ہی پُرفضا اور خوشگوار ٹھنڈک والی جگہ ہے۔

میں نے جنگِ حنین کے مقام پر ایک دن گزارا اور یہ خاصہ طویل دن تھا۔ نقشہ میں اس مقام تک ایک سڑک وادیٔ حنین سے گزرتی ہوئی دکھائی گئی ہے اور موجودہ شاہراہ کے بننے سے قبل یہی اصل سڑک تھی جو مکّے سے طائف کو جاتی تھی۔ مگر اب یہ سڑک استعمال میں نہیں آتی اور حالیہ بارشوں نے اسے اور بھی خراب کر دیا ہے، اس لئے مجھے اکثر وادی کے ریتیلے اور پتھریلے خطوں سے گاڑی گزارنی پڑتی تھی اور اگر میرے پاس "لینڈ روور" کی بجائے کوئی اور گاڑی ہوتی تو میں کبھی بھی وادی کو عبور نہ کر سکتا۔ خوش قسمتی سے میں کامیاب رہا اور اس وادی کا اچھی طرح معائنہ کر سکا جس میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔

اس کے بعد میں نے ایک دن خود مکّے کی چھان بین میں گزارا تاکہ

فتحِ مکّہ کے معرکے کے نقشے کو زمین پر منطبق کر سکوں۔ اسلام کے اولین ایّام کی بہ نسبت مکّہ اب بے انتہا پھیل چکا ہے اور رسولِ اکرمؐ کے زمانے میں شہر کی جو حدود تھیں ان کا حتمی تعیّن ممکن نہیں۔ لیکن اس کے باوجود جو مقامات اُس زمانے میں موجود تھے وہ اب بھی موجود ہیں اور میں نے اُن تمام مقامات کو دیکھا۔ میں کُدا کی پہاڑی پر بھی چڑھا جو کعبے سے دو میل جنوب کی جانب واقع ہے، جہاں سے میں نے جنوبی علاقوں کا خوب اچھی طرح نظارہ کیا۔ بلکہ میں نے اِس سارے منظر کا ایک خاکہ بھی بنانے کی کوشش کی لیکن یہ سارا علاقہ اس قدر پہاڑیوں سے گھِرا ہوا ہے کہ یہ میری فنکارانہ صلاحیت کے بس سے باہر تھا اور میں نے بغیر پہاڑیوں کے ایک سیدھا سا نقشہ بنانے پر ہی اکتفا کیا۔ میری رہبری کے لئے مجھے اس خِطّے کی جغرافیائی خصوصیّات کا حامل بڑے پیمانے کا کوئی نقشہ نہیں ملا اور اس لئے میں یہ کہوں گا کہ اس کتاب کے تمام نقشوں میں اِس نقشہ (نمبر ۵) سے میں بالکل مطمئن نہیں ہوں۔ شاید مجھ سے بہتر نقشہ سازی کی صلاحیّتیں رکھنے والا کوئی اور ادیب پیدل فوج کے ایک سپاہی کی اِس کاوش میں کچھ اضافہ کر سکے۔

اِس طرح سفر کا دوسرا حصّہ (یعنی مکّے کا علاقہ) بھی اختتام کو پہنچا اور اب حج کرنے کا وقت تھا۔ چنانچہ فروری کے آخر میں سعودی حکومت کے مہمان کی حیثیت سے میں نے فریضۂ حج ادا کیا جو ہر مومن کی عزیز ترین آرزو ہوتی ہے۔ اِس فرض کی ادائیگی کے بعد ۲ مارچ کو میں مدینہ روانہ ہوا تاکہ مسلمانوں کے جنگی میدانوں کے میرے دورے کا آخری حصّہ پورا ہو۔

مدینے میں میں نے اُحد اور خندق کی جنگوں کا تنقیدی جائزہ لیا۔ یہ جنگیں چونکہ کافی مشہور ہیں اور ان کا تفصیلاً ذکر قلمبند کیا گیا ہے، اِس لئے زمین پر ان کا محلِ وقوع معلوم کرنا بڑا ہی آسان تھا۔ میں نے گرد و پیش کی پہاڑیوں وغیرہ کے کچھ مناظر بنائے جو اس کتاب کے نقشوں میں دئے گئے ہیں اور میں مدینے سے ۷۰ میل کے فاصلے پر ابرق کے مقام پر گیا جہاں حضرت ابوبکرؓ نے مرتدوں کی سرکوبی کی تھی، جس کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ میرے دورے کے اِس حصّے کا انتظام میجر محمد عبد الحمید اسد نے کیا تھا اور میری رہبری کے لئے بہترین رہبر اور ایک اعلیٰ پائے کے عالم اور مشہور مورّخ شیخ ابراہیم بن علی العیّاشی میرے ساتھ تھے جن کی قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی تاریخ و جغرافیہ سے واقفیّت پر میں عش عش کر اُٹھا۔

مدینے میں میں ۵ دن قیام کرنے کے بعد جدّہ واپس آیا جہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز ۱۱ مارچ ۱۹۶۹ء کو پاکستان واپس لوٹا۔ سعودی عرب سے لوٹتے وقت میرا دِل گہرے تشکّر کے جذبات سے لبریز تھا اُس تعاون اور مدد کے لئے جو اس عظیم صحرائی حکومت اور اس کی فوج نے میرے ساتھ کیا اور اس خاطر داری کے لئے جو ہر اُس عرب نے میرے ساتھ روا رکھی جس سے واسطہ پڑا۔ میں خاص طور پر وزیر دفاع ہِز رائل ہائی نیس شہزادہ سلطان بن عبد العزیز کا ممنون ہوں جن کی مہربانی سے سرکاری مہمان بننے کی وجہ سے وہ سب کچھ ممکن ہو سکا جو بصورتِ دیگر ایک کارِ ناممکن ہوتا۔

پاکستان پہنچ کر عرب کے سفر کی تھکان جب اُتر گئی تو میں نے

خالدؓ بن الولید کی جنگوں کے میدانوں کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض کرنا شروع کیا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اِس دورے کا کام میں نے تن تنہا کس طرح کر لیا کیونکہ یہ کافی بڑا منصوبہ تھا۔ میں خدا تعالیٰ کی مدد کا دل سے شکر گزار ہوں کہ اُس نے اس منصوبے کو کامیاب بنایا۔ گو مجھے وقت، دوڑ دھوپ اور روپے پیسے کی شکل میں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی، لیکن میں خوش تھا کہ میں نے تنہا یہ کام کیا اور کسی رحمدل انسان کی بخشش کے سہارے یہ کام نہ کرنا پڑا (اور نہ ہی حقیقت میں کسی نے امداد کی پیشکش کی تھی)۔ یہ کام میری طرف سے اسلام کی خدمت اور اسلامی ادب میں میرے حِصّے کے اضافہ اور بحیثیت مومن کے ایک کارِ عبادت کے طور پر تھا۔

مجھے مسوّدہ کے دوبارہ لکھنے میں کئی مہینے لگے اور اکتوبر ۱۹۶۹ء میں نظرِ ثانی شدہ نسخہ پریس کو بھیجا جا رہا ہے۔ ابتدائی مواد کے جمع کرنے سے لے کر چھپائی کے لئے کتاب کی آخری تیاری تک سارے منصوبے پر پانچ سال سے زیادہ کا عرصہ لگا۔

یہ ایک تاریخ کی اور بالخصوص مسلم فوجی تاریخ کی کتاب ہے جو تاریخ کے ایک عظیم الشان سپاہی خالدؓ بن الولید کی زندگی اور جنگی معرکوں سے متعلق ہے۔ ایک ایسے ہیرو کی داستان جو نہیں جانتا تھا کہ فوجی شکست کسے کہتے ہیں۔ ایک اناڑی اور ساتھ ہی ساتھ پیشہ ور سپاہی دونوں پر مطلب واضح کرنے کے لئے میں نے فنّی اصطلاحات سے گریز کیا ہے اور سادہ اندازِ بیان اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔

اِس کتاب میں درج شدہ بہت سی باتوں کا عام طور پر لوگوں

کو علم نہیں لیکن ہر ایک واقعہ اور پسِ منظر تاریخی اعتبار سے درست ہے۔ ہر پیشقدمی، ہر ایک سورما کی لڑائی، ہر ضرب۔ اور ہر ایک بیان قدیم مورخوں کی تحریروں سے لیا گیا ہے۔ حالات و واقعات کی ترجمانی میں اور خصوصاً جنگوں کے بیان میں بعض اوقات مجھے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا پڑا۔ لیکن میں نے حتی الامکان حقیقتِ واقعہ کا ساتھ دیا ہے۔

میں نے جنگوں کے ذکر اور حالات کے بیان کرنے میں جو اسلام کے اُن تاریخ ساز دنوں میں پیش آئے، اسلام کے دشمنوں کی اُن باتوں کی تعریف کی ہے جس کے وہ مستحق تھے (اور ایسا اکثر کیا ہے) اور میں نے مسلمانوں کی غلطیوں کی بھی نشاندہی کی ہے (گرچہ یہ بہت کم تھیں)۔

قدیم تحریروں میں تمام واقعات تو دیئے گئے ہیں لیکن ان میں کئی متضاد بیانات کی وجہ سے خاصی پراگندگی سی ہے۔ قدیم مورخین نے بڑی ایمانداری سے ہر واقعے پر جتنی بھی روائتیں موجود تھیں، چاہے وہ ایک دوسرے کی ضد ہی کیوں نہ ہوں، نقل کر دی ہیں اور یہ لکھ کر قاری کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب"! اس قسم کی افراتفری شام کے معرکوں کے سلسلے میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے اور نتیجتاً قاری کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ معرکہ حقیقت میں کس طرح سر ہوا اور وہ واقعات کی تاریخ وار ترتیب کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

میں نے اس پراگندگی کو دور کرنے کے لئے صرف وہ روایت نقل کی ہے جو درست اور سمجھ میں آنے والی نظر آئی۔ میں نے وقائع نگاروں کی اختلافی آرا سے کتاب میں حاشیوں کی بھرمار کرنے کی بجائے حاشیہ میں صرف ان تاریخی ماخذوں کا حوالہ دیا ہے، جن سے کوئی مکالمہ یا بیان

نقل کیا گیا ہے۔ یہ حاشیئے عام قاری کے بجائے صرف تحقیقی کام کرنیوالوں کے حوالہ جاتی کام کے لئے ہیں۔ اگر نفسِ مضمون کا مزید مطالعہ مقصود نہ ہو تو ایک عام قاری انہیں نظرانداز کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اہم اور متنازعہ اختلافات پر اِس کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ میں مختصر اندراجات دے دیئے گئے ہیں جو زیادہ جستجو رکھنے والے قاریوں کے لئے کارآمد ثابت ہوں گے۔

بعض جنگیں خاص طور پر وہ جن کا ذکر اِس کتاب کے نصف آخر میں آیا ہے، واقعات کو از سرِ نو جوڑ کر بیان کی گئی ہیں لیکن میرا بیان اُن شواہد اور صاف اشارات پر مبنی ہے جو قدیم مورخین نے چھوڑے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قدیم مورخین نے فوجوں کی ترتیب اور جنگی چالوں کا تجزیہ کرنے کی بالکل کوشش نہیں کی لیکن میں نے بحیثیت ایک سپاہی اور مورخ کے ایسا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر جنگ کے ذکر کے ساتھ فوجی نقل وحرکت کا فلسفہ اور اُس کا جو تجزیہ دیا گیا ہے اُس کا اضافہ میں نے اپنی طرف سے کیا ہے لیکن تمام واقعات جو میں نے بیان کئے ہیں، اُن کا تعلق تاریخ سے ہے۔ یہ سارے تاریخ کے دمکتے ہوئے پھول ہیں لیکن انہیں پرو کر ہار میں نے گوندھا ہے۔

کتاب کا حصہ اوّل جس میں حضورِ اکرمؐ کے زمانے میں لڑی گئی جنگوں کا ذکر ہے، ہو سکتا ہے کہ پڑھنے والے کو خالدؓ کی بجائے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی سوانح نظر آئے لیکن اس سے مفر نہیں! حضورِ اکرمؐ کے زمانے میں جو واقعات عرب میں رونما ہوئے خواہ ان کی نوعیت مذہبی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی یا فوجی کچھ بھی رہی ہو

ان پر رسول اللہؐ کا اس قدر ہمہ گیر اثر تھا کہ کوئی بھی لکھنے والا ان واقعات کے بیان میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ باصفات اور اُس نئے پیغام کے عظیم اثر و نفوذ کو خاطر میں لائے بغیر نہیں رہ سکتا جو وہ خدا کے آخری نبیؐ کی صورت میں اس دنیا میں لے کر آئے۔

اِس کے علاوہ رسول اللہؐ کے زمانے کی جنگوں کا مطالعہ ہر اُس طالب علم کے لئے ضروری ہے جو اوائلِ اسلام میں فنِ حرب کے ارتقاء کو مدینہ کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے لے کر معرکۂ یرموک میں خالدؓ کی پیچیدہ جنگی چالوں تک جاننا چاہتا ہے۔

میں نے اِن صفحات میں ایسے بہت سے لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اِس منصوبے کے پورا کرنے میں میری مدد کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور کئی لوگوں نے میری مختلف طریقوں سے مدد کی لیکن جگہ کی تنگی کے باعث ان سب کا ذکر ممکن نہیں مگر میں اپنی بیوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے نقشے اتارے اور میرے مسوّدہ کو جانچا۔ اور میں اپنے پرسنل اسسٹنٹ نائب صوبیدار عبدالستّار شاد کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مسوّدہ ٹائپ کیا۔

اور آخر میں —— اس کتاب کا مقصد خالدؓ بن الولید کے حالاتِ زندگی اور ان کے جنگی کارناموں سے دُنیا کو روشناس کرانا ہے۔ اگر یہ کتاب اس مقصد کے حصول میں کامیاب رہی ہے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اور اگر نہیں، تو بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اکتوبر ۱۹۶۹ء
راولپنڈی۔ پاکستان

آغا ابراہیم اکرم

عربی ناموں کے متعلق

عربی ناموں کی ترتیب کے بارے میں مختصراً تشریح سے قاری کو بات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ نام کس طرح آبائی رشتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی پتہ چل جائے گا کہ ایک ہی شخص کو کئی مختلف ناموں سے کیوں یاد کیا جاتا ہے۔

ایک عرب آدمی کو تین ناموں سے یاد کیا جاتا تھا (اور یہ طریقہ اب بھی کئی عرب معاشروں میں رائج ہے)۔ ایک اُس کا ذاتی نام ہوتا تھا مثلاً طلحہؓ دوسرا اس شخص کے باپ کا نام مثلاً عبداللہ اور اس صورت میں وہ ابنِ یا بن عبداللہ یعنی عبداللہ کا بیٹا کہلاتا تھا۔ اور تیسرا اُس شخص کے بیٹے کا نام ہوتا تھا۔ مثلاً زیدؓ اور اس صورت میں وہ ابوزیدؓ یعنی زیدؓ کا باپ کہلاتا تھا۔ اِس طرح سے اُس شخص کو طلحہ، ابنِ عبداللہ یا ابوزیدؓ کہا جاتا تھا جس میں سے نام لینے کا تیسرا طریقہ سب سے زیادہ باعزت سمجھا جاتا تھا۔ قواعد کی بعض صورتوں میں "ابو" کو "ابی" بھی لکھا جاتا ہے اور یہ دونوں اِس کتاب میں استعمال کئے گئے ہیں۔

چونکہ باپ کو بیٹے کے نام کی نسبت سے بھی پکارا جاتا ہے اس لئے بعض دفعہ بیٹے کا نام کچھ اِس طرح کا ہوگا: "طلحہ بن ابی عثمانؓ" یعنی عثمانؓ کے باپ کا بیٹا طلحہؓ (عثمانؓ یہاں طلحہ کے بھائی کا نام ہوا)۔ بعض دفعہ ایک آدمی کا نام طلحہ بن ابی طلحہ بھی ہو سکتا ہے جس کا لغوی ترجمہ ہوگا طلحہ کے باپ کا بیٹا طلحہ! انگریزی یا اردو میں تو یہ عجیب سا لگتا ہے لیکن عربی میں یہ عام ہے اور فی الحقیقت بڑا پیارا لگتا ہے۔

یہی قاعدہ عورتوں پر بھی صادق آتا ہے۔ ایک لڑکی جس کا نام اسمہؓ ہے، اُس کو اسمہ بنت عبداللہؓ یعنی عبداللہ کی بیٹی پکارا جائے گا اور ماں بننے پر اپنے بیٹے یا بیٹی کی ماں کے نام سے یاد کی جائے گی مثلاً اُمِ زیدؓ یعنی زیدؓ کی ماں۔

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

حصّہ اوّل

عہدِ نبوی میں

۱

لڑکپن

خالد اور لمبے لڑکے نے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ اکھاڑے میں گردش کرنے لگے، دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے پر جمی تھیں، دونوں ایک دوسرے پر جھپٹنے کا موقع ڈھونڈ رہے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے داؤ پیچ سے بچنے کے لئے چوکنے تھے۔ ان کی آنکھوں میں عداوت نہیں تھی۔ پُرجوش مسابقت اور کامیابی کے پختہ عزم کی جھلک تھی۔ اور خالد خاص طور پر محتاط تھا، کیونکہ لمبا لڑکا چپ دست تھا اور اس لئے اسے وہ فوقیت حاصل تھی جو مقابلے میں کھبّوں کو اپنے حریفوں پر حاصل ہوتی ہے۔

عرب لڑکوں میں کُشتی ایک مقبول مشغلہ تھا، اور ان کے درمیان آئے دن اس کے مقابلے ہوتے رہتے تھے۔ اِن مقابلوں میں کوئی دشمنی نہیں ہوتی، یہ ایک کھیل تھا، اور لڑکوں کو مردانگی کی ایک خوبی کے طور پر کشتی کی تربیت دی جاتی تھی۔ لیکن یہ دو لڑکے سب سے زیادہ طاقتور اور اپنے ہم عمر لڑکوں کے قائد تھے۔ اس لحاظ سے ان کی کشتی دو بڑے پہلوانوں کے درمیان سرداری کا مقابلہ تھا۔ ان لڑکوں کا جوڑ بھی خوب تھا۔ وہ تقریباً ہم عمر اور نوخیز تھے۔ دونوں اونچے قد اور چھریرے بدن کے تھے، اور ان کے عرق آلود جسم جب دھوپ میں چمکے تو ان کے کندھوں اور بازوؤں کی تازہ ابھری ہوئی مچھلیوں میں تھرتھری سی پیدا ہونے لگی۔ لمبا لڑکا قد میں کوئی انچ بھر خالد سے اونچا تھا۔ اور اِن دونوں کے چہروں میں اتنی مشابہت تھی کہ بارہا ایک پر دوسرے کا گمان ہونے لگتا تھا۔

خالد نے لمبے لڑکے کو پچھاڑ دیا، لیکن یہ ایک معمولی پچھاڑ نہیں تھی جب لمبا لڑکا گرا تو کسی چیز کے ٹوٹنے کی تڑاق سے آواز آئی، اور لمحے بھر کے بعد مڑی ہوئی ٹانگ سے ظاہر ہوا کہ اس کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ زخمی لڑکا بے حس و حرکت زمین پر پڑا تھا، اور خالد کی خوف زدہ نگاہیں اپنے دوست اور بھانجے کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر مرکوز تھیں۔ (لمبے لڑکے کی ماں، حنتمہ بنت ہشام بن المغیرہ، خالد کی چچیری بہن تھی۔)

کچھ عرصے میں چوٹ کا علاج ہو گیا اور لمبے لڑکے کی ٹانگ پھر صحیح اور مضبوط ہو گئی۔ وہ پھر کشتی لڑنے لگا اور اس کا شمار چوٹی کے پہلوانوں میں ہو گیا۔ اور ان دونوں لڑکوں میں دوستی قائم رہی۔ لیکن باوجودیکہ دونوں فطرتاً ذہین، طاقتور اور دلیر تھے، دونوں میں تحمل اور مروت کا مادہ کم تھا۔ وہ تقریباً ہر کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

قارئین کو اس لمبے لڑکے کا خاکہ ذہن میں رکھنا چاہیئے، کیونکہ خالد کی افتادہ زندگی میں اسے اہم کردار ادا کرنا تھا۔ وہ الخطاب کا بیٹا تھا، اور اس کا اپنا نام عمر تھا۔



خالد کو ولادت کے بعد جلد ہی اپنی ماں سے جدا کر لیا گیا، جیسا کہ قریش کے کھاتے پیتے گھرانوں کا دستور تھا، اور اسے صحرا میں ایک بدو قبیلے کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہاں اس کی پرورش کے لئے ایک رضاعی ماں تلاش کی گئی۔ صحرا کی کھلی خشک اور صاف ہواؤں میں، اس حیرت انگیز طاقت اور قابل رشک صحت کی بنیادیں استوار ہو گئیں جس نے خالد کا عمر بھر ساتھ دیا۔ یوں نظر آتا ہے کہ صحرا خالد کو راس آ گیا تھا، اور وہ اس ماحول میں گھل مل گیا تھا۔ اس نے شیر خوارگی سے بچپن کے آغاز تک کا زمانہ صحرائی عربوں کی صحبت میں گزارا، اور جب وہ پانچ چھ برس کی عمر کو پہنچا تو اپنے ماں باپ کے پاس مکہ واپس آ گیا۔

بچپن میں کبھی اس پر چیچک کا حملہ ہوا تھا، مگر وہ ہلکا سا حملہ تھا اور اس نے خالد کے چہرے پر چند داغوں کے علاوہ اسے اور کوئی گزند نہیں پہنچایا تھا۔ بہرحال ان داغوں کی وجہ سے خالد کی مردانہ

وجاہت میں کمی نہیں آئی۔ اور اسی وجاہت نے آئندہ عرب کی حسیناؤں کو بہت مضطرب کیا اور کسی حد تک خود اُسے بھی۔

اب وہ بچے سے لڑکا بن چکا تھا، اور جب اُس نے لڑکپن میں قدم رکھا تو اسے انتہائی فخر کے ساتھ اس حقیقت کا احساس ہوا کہ وہ ایک سردار کا بیٹا ہے۔ اس کا باپ الولید، بنو مخزوم کا سردار تھا، اور بنو مخزوم کا شمار قریش کے معزز ترین خاندانوں میں ہوتا تھا۔ الولید کو مکے میں الوحید (یکتا)[1] بھی کہا جاتا تھا۔ خالد کی تربیت اب اس کے باپ نے خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس نے اپنے بیٹے میں عرب مردانگی کی تمام خصوصیات — جرأت، جنگی مہارت، جفاکشی اور سخاوت — پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، اور اس مقصد میں اسے حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ الولید کو اپنے خاندان اور اسلاف پر بہت ناز تھا، اور اس نے خالد کو بتایا کہ وہ ہے:

خالد
بن الولید
بن المغیرہ
بن عبداللہ
بن عمر
بن مخزوم (جس سے خاندان موسوم تھا)
بن یقظہ
بن مرہ
بن کعب
بن لوئی

---

[1] اصفہانی: جلد ۱۵، صہ ۱۱

بن غالب

بن فہر

بن مالک

بن النضر

بن کنانہ

بن خزیمہ

بن مدرکہ

بن الیاس

بن مضر

بن نزار

بن معد

بن عدنان

بن اُدّ

بن مقوّم

بن ناحور

بن تیراح

بن یعرب

بن یشجب

بن نابت

بن اسمٰعیل (جو اہلِ عرب کے مورثِ اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں)

بن ابراہیم (پیغمبر)

بن آذر

بن ناحور

بن ساروغ (یا۔ اسرغ)

بن ارغو

بن فالخ

بن عیبر

بن شالخ

بن ارفخشد

بن سام

بن نوح (پیغمبر)

بن لمک

بن متوشلخ

بن ادریس (پیغمبر)

بن یرد

بن مہلائل

بن قینان

بن انوش

بن شیث

بن آدم (ابوالبشر)

مکے میں آباد ہونے والے عظیم قبیلہ قریش نے اپنے بڑے خاندانوں کے لیے حقوق اور ذمہ داریوں کی تقسیم کر رکھی تھی۔ بنو ہاشم، بنو عبدالدار (بنو امیہ جس کی ایک شاخ تھی) اور بنو مخزوم، قریش کے تین نمایاں خاندان تھے۔ موخر الذکر کے سپرد جنگی معاملات تھے۔ یہ خاندان گھوڑے پالتا اور سدھاتا تھا، جن پر سوار ہو کر قریش جنگ کرنے جاتے تھے۔ مہمات کی تیاری اور سامان کی فراہمی کے انتظامات بھی انہی کے سپرد تھے، اور یہ خاندان جنگ میں قریش کے دستوں کی قیادت کے لیے افسر بھی مہیا کرتا تھا۔ بنو مخزوم کے اس منصبی فرض نے ایک خاص ماحول پیدا کر دیا تھا، جس میں خالد کو جوان ہونا تھا۔

وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ اسے گھڑسواری کی تربیت دی گئی۔ اسے ایک مخزومی کی حیثیت سے کامل شہسوار بننا تھا، اور اس نے جلد ہی فنِ شہسواری میں کمال حاصل کر لیا۔ لیکن سدھائے ہوئے گھوڑوں کو زیر کر لینا کافی نہیں تھا۔ اسے ہر طرح کے گھوڑوں پر سواری کرنے کے قابل بننا تھا۔ اُسے نو عمر، منہ زور بچھیرے دیئے جاتے تھے، جنھیں سدھا کر پوری طرح مطیع کر کے جنگی گھوڑے بنانا ہوتا تھا۔ مطیع بنو مخزوم عرب کے بہترین شہسواروں میں گنے جاتے تھے، اور خالد کا شمار بنو مخزوم کے بہترین شہسواروں میں ہونے لگا تھا۔ مزید برآں، کوئی بھی عرب محض گھوڑوں کو زیر کرنے کی بنا پر ایک اچھا شہسوار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اونٹ کے معاملے میں بھی اتنا ہی ماہر ہونا پڑتا تھا، کیونکہ یہ دونوں جانور عرب جنگ کے لیے ناگزیر تھے۔ گھوڑا جنگ کے لئے کارآمد تھا اور اونٹ طویل جنگی مسافت طے کرنے کے لیے، جس کے دوران گھوڑے کوتل رہتے تھے۔

شہسواری کے ساتھ، خالد نے لڑائی کے گُر بھی سیکھے۔ اس نے تمام ہتھیاروں، نیزے، برچھی کمان اور تلوار کو استعمال کرنا سیکھا۔ یوں تو اس نے تمام ہتھیاروں سے کام لینے میں مہارت حاصل کر لی تھی، لیکن جن ہتھیاروں کی طرف اس کا فطری میلان نظر آتا ہے، ان میں سے ایک تو نیزہ تھا، جسے سوار حملہ کرتے ہوئے استعمال کرتا تھا، اور دوسری تلوار تھی، جسے سوار اور پیادہ سپاہی دست بدست مقابلوں میں استعمال کرتے تھے۔ اہلِ عرب تلوار کو شجاعت کا ہتھیار سمجھتے تھے، کیونکہ یہ آدمی

کو اپنے مدِّمقابل کے قریب لے آتی تھی۔ اور تلوار کی لڑائی میں اس کے زندہ رہنے کا دار و مدار اس کی طاقت اور مہارت پر ہوتا تھا، نہ کہ اپنے حریف سے محفوظ حد تک دور رہنے پر۔

جب خالدؔ بلوغ کو پہنچا تو اس کا قد اونچا نکل آیا۔ وہ چھ فٹ سے اوپر تھا۔ اس کے شانے کشادہ ہو گئے، اس کا سینہ پھیل گیا، اور اس کے بھرپور تنیلے کسرتی بدن کے پٹھوں میں سختی پیدا ہو گئی۔ اس کے چہرے پر سیاہ گھنی داڑھی نکل آئی۔ اپنے مضبوط و موزوں جسم، موثر شخصیت، سواری میں کمال اور ہتھیاروں میں مہارت کی بدولت وہ مکے میں جلد مقبول ہو گیا اور ہر جگہ اس کی تعریف ہونے لگی۔ ایک پہلوان کی حیثیت سے، اپنی کامل مہارت اور غیر معمولی طاقت کی بنا پر وہ بام عروج پر پہنچ گیا۔

عربوں کے کنبے بہت بڑے ہوتے تھے کیونکہ اولاد بڑھانے کے لئے گھر کے سربراہ کی متعدد بیویاں ہوتی تھیں۔ الولیدؔ چھ بھائیوں میں سے ایک تھا۔ ممکن ہے ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو، لیکن تاریخ میں صرف چھ کے نام ملتے ہیں، اور الولید کی اولاد، ہماری معلومات کے مطابق پانچ بیٹوں اور دو بیٹیوں پر مشتمل تھی۔ بیٹوں کے نام تھے، خالدؔ، ولید (اپنے باپ کا ہم نام)، ہشام، عمارہؔ اور عبدشمسؔ۔ بیٹیوں کے نام فاختہؔ اور فاطمہ تھے۔

الولیدؔ ایک دولتمند آدمی تھا۔ چنانچہ خالدؔ کو معاش کے لئے کام نہیں کرنا پڑتا تھا، اور وہ اپنی تمام تر توجہ سواری اور لڑائی کے ہنر سیکھنے پر مرکوز کر سکتا تھا۔ اس امیرانہ پس منظر کے باعث خالدؔ روپے پیسے کے معاملے میں بے پروا ہوتا گیا۔ اس کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ روپیہ پانی کی طرح بہاتا ہے اور ضرورت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتا ہے۔ اس کشادہ دلی نے اسے ایک روز شدید پریشانی میں مبتلا کرنا تھا۔

الولیدؔ ایک امیر آدمی تھا لیکن قریش حیرت انگیز طور پر جمہوریت پسند تھے، اور ہر شخص سے توقع کی جاتی تھی کہ کوئی نہ کوئی کام کرے ــ خواہ اجرت کے لئے، خواہ محض معاشرے کا ایک کارآمد

فرد بننے کے لئے۔ اور الولید، جو بے شمار ملازموں کو اجرت اور تنخواہ دیتا تھا، خود بھی کام کرتا تھا۔ وہ فرصت کے اوقات میں لُہار[1] اور قصائی[2] کے فرائض سرانجام دیتا اور اپنے قبیلے کے لئے جانور ذبح کرتا تھا۔ وہ ایک تاجر بھی تھا اور دوسرے خاندان کے اشتراک سے تجارتی قافلے منظم کرتا اور انھیں سوداگری کے لئے ہمسایہ ممالک کو بھیجتا تھا۔ خالد نے کئی بار تجارتی قافلوں کے ہمراہ شام کا سفر کیا اور روما کے خوشنما صوبے کے بڑے بڑے تجارتی شہر دیکھے۔ یہاں اس کی غسان کے عیسائی عربوں، مدائن کے پارسیوں، مصر کے قبطیوں اور بزنطینی سلطنت کے رومیوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔

خالد کے بہت سے دوست تھے جن کی معیت میں وہ گھڑ سواری کرتا اور شکار کھیلتا جس طرح اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا کرتا۔ یہ لوگ جب ان مشغلوں میں منہمک نہیں ہوتے تھے، تو پھر شعر و سخن، انساب خوانی اور مے نوشی کی محفلیں جماتے تھے۔ ان میں سے بعض احباب کو خالد کی زندگی اور اس قصے میں اہم کردار ادا کرنا تھا، اور اس ضمن میں حضرت عمر کے علاوہ عمرو بن العاص اور ابو الحکم خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ موخر الذکر کا ذاتی نام عمرو بن ہشام بن المغیرہ تھا، مگر اسے بعد میں ایک اور نام بھی ملنا تھا: ابو جہل۔ وہ خالد کا بڑا چچیرا بھائی تھا۔ اور انہی احباب میں ابو الحکم کا بیٹا عکرمہ بھی تھا جو خالد کا چہیتا بھتیجا اور جگری دوست تھا۔

الولید اپنے بیٹوں کا صرف باپ اور مشیر ہی نہیں، ان کا فوجی معلم بھی تھا۔ اور اسی سے خالد نے فن حرب کا ابتدائی درس لیا۔ اس نے سیکھا کہ ریگستان میں تیزی سے نقل و حرکت کیسے کی جاتی ہے، دشمنوں کی آبادی کے نزدیک کیسے پہنچا جاتا ہے، اس پر حملہ کیسے کیا جاتا ہے۔ وہ دشمن کو بے خبری کے عالم میں جا لینے، خلاف توقع اس پر یکایک حملہ کرنے اور بھاگتے ہوئے منتشر دشمن کا تعاقب کرنے کی اہمیت سے آگاہ ہوا۔ اساسی طور پر یہ قبائلی جنگ تھی، لیکن اہل عرب مستعدی، نقل و حرکت کی صلاحیت اور ناگہانی حملوں کی قدر و قیمت سے بخوبی واقف تھے، اور قبائلی جنگ کی بنیاد

---

[1] ابن قتیبہ: صفحہ ۵۷۵ [2] ابن رُستہ صفحہ ۲۱۵

زیادہ تر جارحانہ چالوں پر ہوتی تھی۔

خالد جوان ہوا تو جنگ اس کا نصب العین بن گئی، اور یہ نصب العین جلد ہی جنون کی حد تک جا پہنچا۔ خالد کے خیالات جنگی خیالات تھے اور اس کی امنگیں فتح کی امنگیں تھیں۔ اس کے باطنی تقاضوں میں تشدّد پسندی تھی اور اس کا پورا نفسی نظام سپاہیانہ تھا۔ وہ بڑی بڑی جنگیں لڑنے اور عظیم فتوحات حاصل کرنے کے خواب دیکھتا تھا۔ میرِ میدان ہمیشہ خود ہوتا۔ چاروں طرف اس کی تعریفیں ہوتیں۔ سب اسے مرحبا کہتے تھے۔ اس نے پورے یقین سے جنگ و جدل کا تہیّہ کیا۔ اس نے اپنے آپ کو فتح کی بشارت دی، اور اس نے اپنے آپ کو بے پناہ کشت و خون کا یقین دلایا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ خالد بن الولید کے بارے میں تقدیر نے بھی بہت حد تک یہی منصوبے بنا رکھے تھے۔

۲

نیا دین

ایک مصروف عرب، اپنے خیالوں میں ڈوبا ہوا، رات کو مکّے کی گلیوں میں گھوما کرتا تھا۔ وہ شخص، جو دولت مند نہیں تھا، مگر بنو ہاشم کے ایک معزز خاندان کا فرد تھا۔ وہ اوسط قد و قامت کا نہایت حسین و جمیل انسان تھا۔ اس کا سینہ چوڑا اور شانے مضبوط تھے اور اس کے سر کے بال کانوں سے ذرا نیچے تک پہنچ کر بل کھاتے کاکلوں میں ختم ہوتے تھے۔ اس کی لمبی لمبی پلکوں والی بڑی سیاہ آنکھوں میں فکر و غم کی جھلک تھی۔

عرب معاشرت کے بہت سے پہلو اس کے لئے باعثِ اذیت تھے۔ اسے اپنے اِرد گِرد ہر جگہ انحطاط کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ غریبوں اور بے سہاروں کے ساتھ ناانصافیوں کی صورت میں، بلا ضرورت قتل و غارت کی صورت میں، عورتوں کے ساتھ پالتو جانوروں کے سے برتاؤ کی صورت میں۔ وہ جب کبھی بچیوں کے زندہ مدفون ہونے کی خبر سنتا تو اُس کی روح تڑپ اٹھتی تھی۔

عرب کے بعض قبیلوں میں کم سن بچیوں کو مارنے کی وحشیانہ رسم جاری تھی۔ باپ اپنی بچّی کو بالعموم پانچ چھ سال کی عمر تک اچھی طرح پرورش پانے دیتا۔ پھر وہ اسے سیر کے بہانے، کسی تقریب کے شایاں لباس پہنا کر، قصبے یا بستی سے باہر اس مقام پر لے جاتا تھا جہاں اس کے لئے پہلے ہی سے قبر تیار ہوتی تھی۔ وہ بچی کو اس قبر کے کنارے کھڑا کر دیتا اور وہ معصوم اپنے انجام سے بالکل بے خبر اور اس وہم میں خوش کہ اس کا باپ اسے سیر و تفریح کے لئے لایا ہے، پرشوق نگاہوں

سے باپ کی طرف دیکھتی، اور تماشہ شروع ہونے کا بے تابی سے انتظار کرتی۔ پھر اس کا باپ اُسے دھکا دے کر قبر میں گرا دیتا، اور جونہی وہ چیخ کر اسے مدد کے لئے پکارتی، وہ اس کے اوپر زور زور سے بھاری پتھر گرا کر اس کے نازک جسم کو کچل ڈالتا۔ جب مظلوم بچی کا زخموں سے چُور چُور بدن بے حس و حرکت ہو جاتا، تو وہ قبر کو مٹی سے بھر دیتا اور گھر لوٹ آتا۔ بعض اوقات وہ اپنے کئے پر شیخی بھی بگھارا کرتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ عرب میں یہ رسم زیادہ عام نہیں تھی۔ مکے کے مشہور خاندانوں — بنو ہاشم بنو امیہ اور بنو مخزوم — سے متعلق دختر کشی کی ایک مثال بھی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ یہ رواج صرف چند بدو قبیلوں، بلکہ صرف چند خاندانوں تک محدود تھا۔ بلکہ اس گھناؤنے رواج کا شاذ و نادر اظہار بھی اس دور کے نسبتاً ذہین اور نیک عربوں کو دہشت زدہ اور بیزار کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔

اور پھر مکے کے بُت تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کعبے کو خانۂ خدا کے طور پر تعمیر کیا تھا، لیکن اس مقام کو لکڑی اور پتھر کے بتوں سے آلودہ کر دیا گیا تھا۔ ان بتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے عرب اُن کے نام پر قربانیاں دیا کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دیوتا خفا ہو کر نقصان اور خوش ہو کر فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کعبے کے اندر اور گرد و نواح میں ۳۶۰ بُت تھے۔ جن میں سے ھبل، عزیٰ اور لات کی سب سے زیادہ پرستش ہوتی تھی۔ ھبل، فخرِ معبدِ عرب، ان دیوتاؤں میں سب سے بڑا تھا اور اسے سرخ عقیق سے تراشا گیا تھا۔ جب اہلِ مکہ نے ھبل کو شام سے درآمد کیا تھا تو اس کا دایاں ہاتھ نہیں تھا چنانچہ انہوں نے سونے کا ایک نیا ہاتھ تیار کر کے اس کے بازو سے جوڑ دیا تھا۔

عربوں کے مذہب میں شرک اور معبودِ حقیقی، اللہ پر ایمان کی ایک عجیب آمیزش تھی۔ وہ اللہ کو خالق و مالک مانتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی دیوی دیوتاؤں کو اللہ کے بیٹے بیٹیاں قرار دے کر ان پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ ان کے ذہن میں الوہیت سے متعلق ایک ایسی آسمانی مجلسِ شوریٰ کا تصور تھا جس کا صدر اللہ تعالیٰ اور جس کے ارکان دوسرے معبود تھے، جن میں سے ہر ایک، اللہ کا ماتحت ہونے کے باوجود

فوق الفطرت قوتوں کا مالک تھا۔ اہل عرب ھبل یا کسی اور دیوی دیوتا کی قسم کھاتے تھے اور اللہ کی قسم بھی۔ وہ اپنے بیٹوں کا نام عبدالعزیٰ (عزہ کا بندہ) رکھتے اور عبداللہ (اللہ کا بندہ) بھی۔

یہ کہنا خلافِ حقیقت ہوگا کہ اس دور کے عرب تمدن میں برائیاں ہی برائیاں تھیں۔ ان کی معاشرت میں عظمت و مردانگی کے بھی بہت سے پہلو تھے۔ عرب کردار میں بعض ایسی خوبیاں تھیں جو آج کے دور میں قابلِ رشک ہیں۔ جرأت، مہمان نوازی اور ذاتی و قبائلی وقار کا پاس۔ ان کے اندر انتقام جوئی کا عنصر بھی تھا، جو سنگین خاندانی عداوتوں کی صورتوں میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہتا تھا، لیکن ایسے معاشرے میں جہاں قوانین پر عمل درآمد کرنے کے لئے کسی مرکزی حکومت کا وجود نہیں تھا، انتقام جوئی قابلِ فہم بھی تھی اور ضروری بھی۔ قبائلی اور ذاتی سطح کی شدید انتقام پسندی لاقانونیت کے تدارک اور امن کے قیام کا واحد ذریعہ تھی۔

عرب تہذیب و تمدن میں جو عیب تھے وہ اخلاق اور مذہب کے میدانوں میں تھے۔ اور ان میں عربوں کی زندگی پستی کے آخری مراحل تک پہنچ چکی تھی۔ یہ دور تاریخ میں اسی لئے تو زمانۂ جاہلیت کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں عربوں کے اعمال جاہلانہ اعمال تھے۔ اُن کے عقائد جاہلانہ عقائد تھے۔ چنانچہ جاہلیت محض ایک دور نہیں تھا بلکہ ایک ہمہ گیر طریق ماند و بود تھا۔

وہ عرب، جس کا ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے، ہر سال ایک مہینہ کے لئے "مکے" کے قریب ہی ایک پہاڑی غار میں خلوت گزیں ہونے لگا۔ اس غار میں اس کا وقت مراقبے اور سوچنے میں گزرتا تھا اور وہ منتظر رہتا تھا ـــ یہ جانے بغیر کہ کس بات کا منتظر ہے۔ پھر ایک روز جب وہ غار کے اندر مراقبے میں تھا، اسے معاً کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، نہ اس کو کوئی نظر آیا نہ اس نے کسی کی آہٹ سنی، تاہم اس کو محسوس ہوا کہ کوئی وہاں ہے۔ پھر کسی آواز نے کہا "پڑھ!"

غیب سے اس آواز کے ظہور سے گھبرا کر اس عرب نے پوچھا: "میں کیا پڑھوں ؟" اس دفعہ آواز نے زور سے کہا "پڑھ!"۔ اُس عرب نے پھر پوچھا "میں کیا پڑھوں ؟" اس بار آواز نے

ہیبت ناک لہجے میں کڑک کر کہا "پڑھ!" پھر اس نے نسبتاً نرم لہجے میں کہنا شروع کیا:

پڑھ! اپنے رب کے نام کے ساتھ، جس نے (ہر شئے کو) پیدا کیا،

(جس نے) انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

پڑھ: اور یہ تیرا بہت کرم کرنے والا رب ہی ہے،

جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا،

(جس نے) انسان کو وہ کچھ سکھایا۔ جو کچھ وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔[1]

یہ اگست ۶۱۰ء کے ایک سوموار کا واقعہ ہے۔ دنیا میں بہت بڑا تغیر آنے والا تھا، کیونکہ محمدؐ پر پہلی وحی نازل ہو چکی تھی۔ ایک نیا دین معرض وجود میں آچکا تھا۔

جب آنحضرتؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی، خالد کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔[2]



نبی کریمؐ جبرئیل (علیہ السلام) کے ذریعے ہدایت حاصل کرتے، تین برس تک خاموش رہے بعد ازاں آپ کو دین حق کی اشاعت کا حکم ہوا اور آپ نے اس کا آغاز اپنے کنبے اور خاندان سے کیا۔ آپ کے اقربا میں سے اکثر نے آپ کی تعلیم سے نفرت کا اظہار کیا اور نئے دین کا مذاق اڑایا۔

ایک دن نبی کریمؐ نے اپنے قریبی عزیزوں کو اپنے ہاں دعوت پر بلانے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح سب کو یکجا کرنے کا موقع بھی مل سکتا تھا اور ایک ایسی فضا بھی پیدا ہو سکتی تھی جس میں وہ سب آپ کی باتیں توجہ سے سنتے۔ مقررہ وقت پر کھانا دستر خوان پر چنا گیا اور مہمانوں نے سیر ہو کر کھایا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ حاضرین سے مخاطب ہوئے اور کہا "اے بنی عبدالمطلب! اللہ کی قسم عرب بھر میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہوگا جو اس سے بہتر کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا ہو جو میں لایا ہوں،

---

[1] قرآن: ۹۶: ۱-۵

[2] خالد کی عمر سے متعلق مزید معلومات کے لئے "ضمیمہ ب" کا نوٹ ۱ دیکھئے۔

میں تمہارے سامنے دنیا و عقبیٰ کی بہترین چیز پیش کرتا ہوں۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں۔ کون اس کام میں میری مدد کرے گا اور میرا بھائی اور قائمقام بنے گا؟"

پورے مجمع پر سکوت چھا گیا۔ کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ کون آپ کی تائید میں کھڑا ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک دبلا پتلا، چھوٹے قد کا نوخیز لڑکا اچھل کر اپنی باریک سی آواز میں بولا: "یارسول اللہؐ میں آپ کا مددگار بنوں گا!"

مہمانوں کو اس وقت یہ منظر بہت مضحکہ خیز لگا۔ وہ بے تمیز اور نفرت آمیز قہقہے لگاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور وہاں سے چلنے لگے۔ لیکن اس لڑکے پر اس ناشائستگی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ فوراً نبی کریمؐ نے اسے محبت سے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور اعلان کیا "یہ میرا بھائی اور میرا قائمقام ہے" [1] وہ لڑکا آنحضرتؐ کا چچیرا بھائی تھا ـــ علیؓ ابن ابوطالب ـ آنحضرتؐ کے ہاتھوں اسلام قبول کرنے والوں میں یہ پہلے مرد تھے۔ [2]

رفتہ رفتہ پیغامِ حق پھیلنے لگا، اور چند آدمی، جن میں سے بیشتر نوجوان یا غریب اور بے آسرا تھے، مسلمان ہو گئے۔ ان کی تعداد کم تھی مگر ان کے حوصلے بلند تھے۔ اب نبی کریمؐ کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہو گیا قریش کے اہانت آمیز اور دل آزار برتاؤ کے باوجود آپؐ گلی کوچوں کے موڑوں پر اور بازاروں میں لوگوں سے خطاب کرتے رہے اور انھیں جہنم کی آگ سے ڈراتے رہے۔ آپؐ ان کے لکڑی اور پتھر سے بنے ہوئے بتوں کی ہنسی اڑاتے اور انھیں خدائے برحق کی عبادت کی دعوت دیتے تھے جب آپؐ کی سرگرمیاں بڑھیں تو قریش کی مخالفت بھی اور زیادہ شدید ہو گئی۔ آپؐ کی مخالفت میں چار آدمی پیش پیش تھے۔ ابوسفیان (جس کا ذاتی نام صخر بن حرب تھا، اور جو بنو امیہ کا سردار تھا)، الولید (خالد کا باپ)، ابولہب (آنحضرتؐ کا چچا) اور ابوالحکم۔ اول الذکر اور موخر الذکر کے

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۳ و ابن سعد: جلد ۱، صفحہ ۱۷۱

[2] ابن ہشام: جلد ۱، صفحہ ۲۴۵ و طبری: جلد ۲ صفحہ ۵۶ و مسعودی: مروج، جلد ۲ صفحہ ۲۸۳

بارے میں ہمیں آگے چل کر بہت کچھ معلوم ہو گا۔

ابوسفیان اور الولید باوقار اور باعزت آدمی تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی مخالفت کرتے ہوئے۔ وہ اپنے آپ کو اتنا نہیں گراتے تھے کہ تشدد اور بدکلامی پر اتر آتے۔ الولید کا ابتدائی ردِ عمل ایک ایسے شخص کا ردِ عمل تھا جس کے وقار کو ٹھیس لگی ہو۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبوت محمدؐ کو سونپی جائے" وہ بھڑک اٹھا" اور مجھے، قریش کے سب سے بڑے سردار اور بزرگ کو کچھ بھی نہ ملے؛ ——— اور پھر ثقیف کا سردار، ابو مسعود ہے۔ یقیناً ہم دونوں اپنے اپنے قصبے کے سب سے بڑے سردار ہیں[1]۔" یہ بزرگ ایک خاص دنیا میں رہتا تھا۔ جہاں ہر چیز نسلی و طبقاتی عظمت کے گرد گھومتی تھی۔ بلاشبہ وہ نبی کریمؐ کے معاملے میں ناانصافی سے کام لے رہا تھا، کیونکہ آنحضرتؐ کا شجرہ نسب چھ پشت اوپر اسی کے خاندان سے جا ملتا تھا، اور آپؐ کا خاندان اس کے خاندان سے کم معزز نہیں تھا۔ فی الحقیقت نبی کریمؐ کا خاندان مکے کے ہر خاندان سے زیادہ ممتاز تھا۔ آپؐ کے دادا عبدالمطلب، تمام قبیلۂ قریش کے سردار مانے جاتے تھے۔

ابنِ ہشام کے قول کے مطابق، الولید کے متذکرہ بالا بیان کے سلسلے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی تھی:

اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دو (مشہور) بستیوں کے کسی بڑے آدمی
پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ (۴۳ : ۳۱)

یہاں دو (مشہور) بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے۔ اور ایک دوسری وحی کے بارے میں بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں الولید کی طرف اشارہ ہے، جو، جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان کیا گیا ہے، الوحید (یکتا) کے لقب سے مشہور تھا:

چھوڑ دو مجھے، اور اس کو، جسے میں نے الوحید (یکتا) پیدا کیا؛
اور اس کو کثرت سے مال دیا؛ اور پاس رہنے والے بیٹے

---

[1] ابنِ ہشام: جلد ۱، صفحہ ۳۶۱

(عطا کئے) ؛ اور اس کے لئے (ہر طرح کا سامان) خوب مہیا کر دیا،
پھر بھی وہ اس کی طمع رکھتا ہے کہ میں (اسے) اور زیادہ دوں۔
ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ میں عنقریب اُسے
دوزخ کے پہاڑ پر بجبر چڑھاؤں گا۔ (یعنی اسے سخت عذاب میں
مبتلا کروں گا)۔۔۔ پھر (اس نے) دیکھا۔ پھر اس نے تیوری چڑھائی
اور بیزاری کا اظہار کیا؛ پھر (اس نے) پیٹھ پھیر لی اور تکبّر سے
کہا: یہ تو وہی اگلے وقتوں کا جادو ہے؛ یہ تو بس آدمی ہی کا
کلام ہے۔ میں اسے جلد ہی دوزخ میں داخل کر دوں گا۔
(۷۴: ۱۱-۱۷ و ۲۱-۲۶)۔

ان سربرآوردہ مخالفین میں ابوالحکم — خالد کا چچیرا بھائی اور دوست — سب سے زیادہ ظالم اور کینہ پرور تھا۔ اس کی شدید مخالفت کی بنا پر مسلمانوں نے اسے ابوجہل (جاہل آدمی) کا لقب دیدیا تھا اور اسی لقب سے نوعِ انسانی نے اس کو یاد رکھا ہے۔ اس چھوٹے سے بھینگے، جفاکش اور سخت جان آدمی کی شخصیت پر ایک معاصر نے یوں لکھا ہے: "ایک آدمی جس کا چہرہ آہنی نگاہ آہنی اور زبان آہنی"۔[۱] ابوجہل کبھی فراموش نہیں کر سکا تھا کہ نوعمری کے زمانے میں محمدؐ نے اسے کُشتی کے ایک سخت مقابلے میں بری طرح گرایا تھا اور اس کے گھٹنے میں گہرا زخم آیا تھا، جس کا نشان مرتے دم تک قائم رہا۔[۲]

قریش کے ان نمایاں افراد اور بعض دوسرے اشخاص کو جب معلوم ہو گیا کہ پیغمبرِ اسلام پر نہ دھمکی نہ ترغیب سے قابو پایا جا سکتا ہے تو انہوں نے آنحضرتؐ کے چچا، بنو ہاشم کے معمّر و محترم سردار ابوطالب

---

[۱] واقدی: مغازی، صفحہ ۲ و ابن رستہ: صفحہ ۲۲۳

[۲] طبری: جلد ۲، صفحہ ۱۵۵

کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ اگر قبیلے اور خاندان کے اتحاد کا شدید احساس آڑے نہ آتا تو انہوں نے آنحضرت کو شہید کر دیا ہوتا۔ آپؐ کی شہادت کے نتیجے میں بنو ہاشم ان کے جانی دشمن بن جاتے، اور آپؐ کی موت کا بدلہ لینے کے لئے یقیناً آپؐ کے قاتل یا اس کے خاندان کے کسی فرد کو ٹھکانے لگا دیتے۔

اب قریش کا وفد ابو طالب کے پاس آیا۔ وفد نے کہا "اے ابو طالب آپ ہمارے راہنما ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ معزز ہیں۔ آپ سے پوشیدہ نہیں کہ آپ کا بھتیجا ہمارے مذہب کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے۔ وہ ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ وہ ہمارے اور ہمارے آباؤ اجداد کے عقائد کو بدنام کرتا ہے۔ آپ ہمارے ہم عقیدہ ہیں۔ یا تو آپ محمدؐ کو ان کی سرگرمیوں سے باز رکھیں یا ہمیں اجازت دیں کہ ہم جس طرح چاہیں اس سے نمٹ لیں"۔[1]

ابو طالب ارکانِ وفد کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، ان سے کہا کہ وہ معاملے کی تحقیقات کریں گے، اور پھر انہیں خوش خلقی کے ساتھ رخصت کر دیا لیکن آنحضرتؐ کو قریش کی گفتگو سے آگاہ کرنے کے علاوہ، ابو طالب نے آپ کو نئے دین کی اشاعت سے روکنے کے لئے کوئی کارروائی نہ کی۔ ابو طالب شاعر تھے۔ جب کبھی کوئی اس قسم کا واقعہ رونما ہوتا، تو وہ ایک طویل نظم کہتے اور اپنی ساری ذہنی پریشانیاں اس میں سمو دیتے تھے۔

الولید کے گھر میں آنحضرتؐ کی سرگرمیاں مقبول ترین موضوعِ گفتگو بن گئی تھیں۔ شام کے وقت الولید اپنے بیٹوں اور دوسرے قرابت داروں کی محفل میں دن بھر کے واقعات اور اسلامی تحریک کو روکنے کے لئے قریش کی کوششوں کا مفصل تذکرہ کیا کرتا تھا۔ خالد اور اس کے بھائی اپنے والد کی زبانی ابو طالب کے پاس جانے والے پہلے وفد کی مکمل روئداد سن چکے تھے۔ کچھ ہفتوں کے بعد انہوں نے اپنے والد سے ابو طالب کے پاس جانے والے دوسرے وفد کے بارے میں سنا جو پہلے وفد سے زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کی تبلیغی سرگرمیاں بدستور جاری تھیں۔

[1] ابن ہشام: جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ و ابنِ سعد صفحہ ۱۸۶

اب الولید نے ایک جرأت مندانہ قدم اٹھایا۔ اس نے محمدؐ کے بدلے میں اپنا بیٹا، عمارہ، ابوطالب کو پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ عمارہ، ایک سجیلا جوان تھا جس میں مردوں اور عورتوں دونوں کو جوانی کی تمام خوبیاں اور آن بان نظر آتی تھیں۔ قریش کا ایک وفد عمارہ کو ساتھ لے کر ابوطالب کے پاس آیا۔ "اے ابوطالب!" مندوبین نے کہا۔ "عمارہ بن الولید حاضر ہے۔ یہ جوان قریش میں سب سے زیادہ مہذب اور وجاہت و شرافت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ آپ اسے اپنا بیٹا سمجھئے۔ یہ آپ کا ہاتھ بٹائے گا۔ اور بیٹے کی طرح آپ کا فرمانبردار رہے گا۔ اس کے عوض آپ اپنا بھتیجا ہمیں دید یجئے۔ وہ بھتیجا جو آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد کے عقیدے کا مخالف ہو چکا ہے اور جس نے قبیلے میں پھوٹ پیدا کر دی ہے۔ ہم اُسے قتل کریں گے ۔ کیا یہ انصاف نہیں ہے. آدمی کے بدلے آدمی ہے"

ابوطالب کو یہ پیش کش سخت ناگوار گزری۔ "میں اسے انصاف نہیں سمجھتا۔" انہوں نے جواب دیا۔ "آپ مجھے اپنا بیٹا پرورش اور تربیت کے لئے دیتے ہیں، جبکہ میرا بیٹا قتل کے لئے مانگتے ہیں۔ اللہ کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"[۱] یہ سفارت بھی ناکام ہو گئی۔ خدا جانے اس سفارت کی ناکامی کا عمارہ پر کیا اثر ہوا۔ اسے افسوس ہوا یا جان میں جان آئی۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوئی امید نہیں رہی کہ وہ نبی کریمؐ کو منع کریں۔ جبکہ وہ خود آنحضرتؐ کو باز رکھنے سے پہلے ہی مایوس ہو چکے تھے، تو انہوں نے طے کیا کہ آنحضرتؐ اور آپ کے پیروکاروں پر عرصۂ حیات اس قدر تنگ کر دیا جائے کہ انہیں قریش کے سامنے سر جھکائے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آئے۔ انہوں نے مکے کے آوارہ لوگوں کو نبی کریمؐ کے پیچھے لگا دیا۔ آپؐ جس طرف سے گزرتے، یہ غنڈے آپ پر آوازے کستے۔ آپ کا مذاق اُڑاتے آپؐ پر مٹی پھینکتے اور آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے۔ یہ آپؐ کے گھر میں غلاظت پھینکتے،

---

[۱] ابن ہشام جلد ۱، صفحہ ۲۶۷ - ابن سعد: صفحہ ۱۸۶

اور اس فعل میں ابولہب اور ابو جہل بھی ان کے شریک ہوتے۔ یہ بدسلوکی جلد ہی اور شدت اختیار کرنے والی تھی۔

✤

جب مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کی مہم نے زور پکڑا تو ایذا رسانی کے طور طریقوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ایک شخص کو انوکھی بات سوجھی کہ وہ آنحضرتؐ کو کشتی لڑنے کی دعوت دیکر آپؐ کو نقصان پہنچائے اور ایک عام مقابلے میں آپؐ کی تحقیر کرے۔ یہ شخص، جس کا نام رکانہ بن عبد یزید تھا، آنحضرتؐ کا ایک کافر چچا تھا۔ یہ ایک نامور پہلوان تھا اور اسے اپنی طاقت اور مہارت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اُسے ابھی تک مکے کے کسی آدمی نے بھی نہیں پچھاڑا تھا۔ "میرے بھتیجے!" اس نے آنحضرتؐ سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم دلیر مرد ہو۔ اور یہ بھی یقین ہے کہ تم دروغ گو نہیں ہو۔ آؤ، میرے ساتھ کشتی لڑو۔ اگر تم نے مجھے گرا لیا تو میں تمہیں ایک سچا نبی تسلیم کروں گا۔" وہ آنحضرتؐ کو اہل مکہ کی نگاہوں سے گرانے کے لئے یہ نرالی ترکیب سوچ کر ہی جی میں خوش تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یا تو محمدؐ انکار کر کے خفیف ہونگے اور یا دعوت قبول کر کے عمر بھر کے لئے مات کھا جائیں گے۔ لیکن یہ اس کا خیال خام تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ اور جب مقابلہ ہوا تو اسے تین بار زمین پر پٹخا! لیکن وہ بے اصول شخص اپنے وعدے سے مکر گیا۔[1]

خود نبی کریمؐ جسمانی اذیتوں سے ایک حد تک محفوظ تھے، کچھ تو اپنے خاندان کی پشت پناہی کے باعث اور کچھ اس وجہ سے کہ آپؐ لڑائی میں منہ توڑ جواب دینے کی ہمت رکھتے تھے۔ لیکن کچھ اور مسلمان ناگفتہ بہ حالت میں تھے۔ وہ، جن کا تعلق اعلیٰ خاندانوں سے نہیں تھا۔ یا جو جسمانی لحاظ سے کمزور تھے۔ یہ لوگ غلاموں اور کنیزوں پر مشتمل تھے۔ ایک دفعہ ایک کنیز کے مسلمان ہو جانے سے

---

[1] ابن ہشام کا قول ہے (جلد ۱، صفحہ ۳۹۰) کہ خود نبی کریمؐ نے رکانہ کو مقابلے کی دعوت دی تھی، لیکن ہم نے ابن الاثیر کا قول بیان کیا ہے، کیونکہ اس واقعہ کا اس طرح ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔

عمر اس قدر مشتعل ہوئے تھے انہوں نے اس لڑکی کو پیٹنا شروع کر دیا اور اس بے چاری کو مارتے مارتے بالآخر اتنا تھک گئے کہ اس سے زیادہ زدوکوب کرنے کی ان میں سکت ہی نہیں رہی۔ ملحوظ رہے کہ عمر بہت طاقتور انسان تھے۔

بہت سے مسلمان مردوں اور عورتوں کو قریش نے ایذائیں پہنچائیں۔ ان مظلوم مسلمانوں میں، جنہیں تاریخ نے ہمیشہ درخشندہ الفاظ میں یاد کیا ہے سب سے زیادہ مشہور بلالؓ بن حمامہ تھے۔ وہ اونچے قد کے، دبلے پتلے، حبشی غلام تھے جنھیں ان کا مالک، امیہ بن خلف، شدید اذیت میں مبتلا رکھتا تھا۔ سہ پہر کو عرب کے موسم گرما کی تپش میں جب سورج ہر چیز کو بھون دیتا تھا، بلالؓ کو تپتی ریت پر لٹا دیا جاتا اور ان کے سینے پر ایک وزنی سل رکھ کر انہیں جلتی دھوپ میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ان کا مالک بار بار ان کے پاس آتا، ان کے کرب زدہ چہرے، ان کے خشک ہونٹوں اور ان کی سوجی ہوئی زبان کو دیکھتا، اور ان سے کہتا "محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دے اور دوبارہ لات وعزیٰ کی بندگی اختیار کر لے۔" لیکن بلالؓ کا ایمان غیر متزلزل رہا۔ بلالؓ کو بے طرح اذیت دیتے وقت امیہ بن خلف نہیں جانتا تھا کہ ایک روز جنگِ بدر میں وہ خود اور ان کا بیٹا اپنے سابق غلام کا سامنا کریں گے، اور بلالؓ ان دونوں کو قتل کر دیں گے۔

بلالؓ اور کئی دوسرے زیرِ اذیت غلاموں کو حضرت ابوبکرؓ نے، جو ایک مالدار آدمی تھے، خرید لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو جونہی خبر ملتی کہ کسی مسلمان غلام کو ستایا جا رہا ہے، وہ اسے اس کے مالک سے خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔

ان ایذا رسانیوں کے باوجود نبی کریمؐ اپنے دشمنوں سے نرمی اور رحمدلی کے ساتھ پیش آتے رہے۔ آپؐ دعا کیا کرتے تھے: "یا اللہ عمر اور ابوالحکم کو میرے ساتھ شریک کر۔" جہاں تک حضرت عمرؓ کا تعلق تھا، آپؐ کی دعا مستجاب ہوئی اور وہ اسلام قبول کر کے چالیسویں مسلمان بن گئے۔[1] لیکن ابوجہل

[1] یہ درجہ ابن قتیبہ نے معین کیا ہے (صفحہ ۱۸۰)۔ تاہم طبری نے حضرت عمرؓ کو ۶۷ واں مسلمان قرار دیا ہے۔

بدستور کافر رہا اور کافر ہی مرا۔

۶۱۹ء میں پہلی وحی کے دس سال بعد ابو طالب وفات پا گئے[1]۔ اب آنحضرتؐ کے لئے حالات نازک تر ہو گئے۔ قریش کا عناد بڑھ گیا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو خطروں نے گھیر لیا۔ آنحضرتؐ کے چند وفادار ساتھی آپؐ کے گرد موجود رہتے تھے، جنہیں تبلیغ کرنے کا سلسلہ آپؐ نے بدستور جاری رکھا۔ اور اسی حلقے میں وہ ۱۰ صحابہ بھی تھے، جنہیں آپؐ کا خصوصی قرب حاصل تھا۔ انھیں عشرۂ مبشرہ کہا جانے لگا تھا، اور یہ جب تک زندہ رہے مسلمان انھیں غیر معمولی احترام اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے رہے[2]۔

آنحضرتؐ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ ناقابلِ برداشت حالات کا پامردی سے مقابلہ کرتے ہوئے مکے میں مقیم رہے۔ پھر مدینے (جسے اس زمانے میں یثرب کہتے تھے) کے چند افراد کی آپؐ سے ملاقات ہوئی، اور وہ مسلمان ہو گئے۔ جب ان نومسلموں کو اس خطرے کا علم ہوا، جو آپؐ کو درپیش تھا تو انہوں نے آپؐ کو دعوت دی کہ آپؐ ان بستیوں کی طرف ہجرت کر کے انھیں کے ساتھ آباد ہو جائیں۔ اس دعوت کے ساتھ ہی اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ہجرت کی اجازت مل گئی، اور نبی کریمؐ نے ان میں سے بیشتر کو مدینے بھیج دیا۔

ستمبر ۶۲۲ء میں قریش نے بالآخر مصمّم ارادہ کر لیا کہ آنحضرتؐ کو قتل کر دیا جائے۔ نبی کریمؐ رات کو، قتل کے مجوزہ وقت سے پیشتر، گھر سے نکلے اور حضرت ابوبکرؓ، ایک غلام اور ایک راہنما کی معیت میں یثرب کی جانب ہجرت کر گئے۔ جب آپؐ بخیر و عافیت یثرب پہنچ گئے تو مدینہ (جس نام سے اب اس مقام کو مشہور ہونا تھا) دینِ اسلام کا مرکز اور نئی اسلامی مملکت کا

---

[1] دس سال کی مدت کا تعین قمری سال کی رو سے، جو شمسی سال سے اوسطاً گیارہ دن چھوٹا ہے، کیا گیا ہے۔

[2] ان ۱۰ صحابہ کے ناموں کے لئے، ضمیمہ ب کا نوٹ ۲ دیکھئے۔

دارالحکومت بن گیا۔ اذیت کا دور ختم ہو چکا تھا۔

☆

نبی کریمؐ کی مکّے سے روانگی کے تین ماہ بعد، الولیدؔ نے اپنے بیٹوں کو بستر مرگ پر بلایا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی موت قریب ہے۔ "میرے بیٹو!" اس نے کہا۔ "میں تمہیں تین کاموں کی وصیت کرتا ہوں۔ دیکھو، انھیں انجام دینے میں کوتاہی نہ کرنا۔ پہلا کام بنو خزاعہ سے میری خونی عداوت سے متعلق ہے۔ یاد رکھو کہ تمہیں ان سے بدلہ لینا ہے۔ بخدا مجھے علم ہے کہ وہ مجرم نہیں ہیں، لیکن مجھے خدشہ ہے کہ آج کے بعد لوگ تمہیں ملامت کریں گے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ قبیلہ ثقیف کے ذمّے میری سود کی رقم واجب الادا ہے۔ یاد رکھو کہ تمہیں یہ رقم وصول کرنی ہے۔ تیسرا کام یہ ہے کہ میں ابو اُزیہر سے معاوضہ لینے یا اُسے قتل کرنے کا مستحق ہوں۔" اس شخص نے الولیدؔ کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی، اور پھر اسے باپ کے گھر واپس بھیجے بغیر اس سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔

ان وصیتوں کے بعد الولیدؔ فوت ہو گیا۔ اسے ایک عظیم سردار، ایک محترم بزرگ اور قریش کے ایک مایۂ ناز فرزند کے شایان شان (۶۲۲ء) کے ساتھ دفن کیا گیا تھا۔

پہلا مسئلہ بلا دقت حل ہو گیا۔ خزاعہ نے قصاص ادا کر دیا اور یہ معاملہ بغیر کسی شورش کے ختم ہو گیا۔ دوسرا مسئلہ کئی سال تک زیر غور رہا اور پھر اسے بلا تصفیہ بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ تیسرے مسئلے، یعنی الولیدؔ کے داماد کے ساتھ تنازعے کے ضمن میں خالدؔ کے بھائی، ہشام نے فیصلہ کیا کہ وہ ابو اُزیہر کے خون سے کمتر کسی چیز پر قانع نہیں ہو گا۔ چنانچہ ایک برس سے زیادہ انتظار کرنے کے بعد اسے موقع مل گیا اور اس نے ابو اُزیہر کو قتل کر دیا۔ یہ معاملہ بہت بگڑ گیا اور دونوں خاندانوں کے درمیان مزید خونریزی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ لیکن ابوسفیان نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی اور مزید خون خرابہ نہ ہوا۔

اپنے باپ کی وفات کے بعد، خالد مکے میں امن وسکون سے رہتے ہوئے اپنی دولت کے سہارے خوش گوار زندگی کا لطف اٹھاتا رہا۔ اس نے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام اور ایک عظیم شہر، بصرہ، کا سفر بھی کیا تھا۔ وہی بصرہ، جسے کئی سال کے بعد اس کی ایک فوجی منزلِ مقصود بننا تھا۔

ہمیں یہ تو معلوم نہیں ہے کہ اس وقت خالد کی بیویاں کتنی تھیں اور اس کی اولاد کی تعداد کیا تھی، لیکن اس کے دو بیٹوں کے بارے میں علم ہے: بڑے بیٹے کا نام سلیمان اور چھوٹے کا عبدالرحمٰن تھا۔ موخر الذکر الولید کی وفات سے تقریباً چھ سال قبل پیدا ہوا تھا، اور جوان ہو کر اس نے شام میں ایک سالار کی حیثیت سے شہرت حاصل کی تھی۔ لیکن دستورِ عرب کے مطابق خالد کی کنیت سلیمان کے نام پر تھی۔ چنانچہ اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا: خالد، اس کا ذاتی نام، ابن الولید، یعنی الولید کا بیٹا، اور ابو سلیمان، یعنی سلیمان کا باپ۔

۳

جنگ احد

قافلے کی فلسطین سے واپسی پر مکّے کا ہر شخص مسرور تھا۔ مدینے کے نزدیک ساحلی سڑک پر سفر کرتے ہوئے، یہ قافلہ چند روز کے لئے شدید خطرے میں گھر گیا اور تقریباً مسلمانوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ یہ صرف ابوسفیان، سالار قافلہ، کی ہنرمندی اور قیادت ہی تھی جس نے قافلے کو گرفتار ہونے سے بچا لیا تھا۔ یہ قافلہ ۱۰۰۰ اونٹوں پر مشتمل تھا، اور یہ ۵۰،۰۰۰ دینار کی مالیت کا سامان لے کر فلسطین گیا تھا جس پر ابوسفیان نے سو فیصد منافع حاصل کیا تھا۔ چونکہ اس تجارتی قافلے میں مکّے کے ہر قابلِ ذکر خاندان نے سرمایہ لگایا تھا، اس لئے اس کی اتنے کثیر منافع کے ساتھ واپسی تمام مکّے کے لئے باعثِ مسرت تھی۔

ایک طرف اہلِ مکّہ ناچنے گانے میں مشغول تھے، اور تاجر اپنے اپنے حصّہ منافع کے انتظار میں ہتھیلیاں کھجلا رہے تھے، اور دوسری طرف قریش کے تباہ حال اور شکست خوردہ لشکر نے بادلِ ناخواستہ مکّے کا سفر اختیار کیا۔ یہ لشکر ابوسفیان کے بلاوے پر بڑے جوش و خروش کے ساتھ گیا تھا جب ابوسفیان نے مسلمانوں کی طرف سے پہلے پہل خطرہ محسوس کیا اور امداد کے لئے کہلا بھیجا تھا۔ بہرحال، اس سے پیشتر کہ لشکر قریش کوئی فوجی کارروائی شروع کرتا، ابوسفیان نے قافلے کو خطرے سے نکال لیا تھا۔ اور قریش کو کہلا بھیجا تھا کہ چونکہ مصیبت ٹل گئی ہے اس لئے وہ لوگ واپس چلے جائیں۔ لیکن ابوجہل نے، جس کے ہاتھ میں اس لشکر کی قیادت تھی، یہ بات سُنی اَن سُنی کردی۔ وہ اپنی زندگی کے گزشتہ ۱۵ سال پیغمبر اسلام کی شدید مخالفت میں صرف

کرچکا تھا، اور اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے۔ چنانچہ اس نے واپس جانے کے بجائے یہ عجلت مسلمانوں سے جنگ چھیڑ دی تھی۔

اب یہ مغرور لشکر زک اٹھا کر اور ذلیل ہو کر واپس آرہا تھا۔

لشکرِ قریش ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس کا قاصد ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر مکے روانہ ہوا۔ جونہی وہ اس قصبے کے مضافات میں داخل ہوا، اس نے اپنی قمیص پھاڑ دی، اور "المیہ" کا اعلان کرتے ہوئے، بلند آواز میں آہ و زاری کی۔ اہل مکہ جنگ کے حالات معلوم کرنے کے لئے فوراً اس کے گرد جمع ہو گئے۔ لوگ اپنے اپنے عزیز و اقارب کے بارے میں پوچھتے اور وہ ان کا انجام بتاتا۔ اس مجمع میں ابوسفیان اور اس کی بیوی ہند بھی موجود تھے۔

ہند نے اس قاصد کی زبانی اپنے عزیزوں کی موت کا حال سنا ــــ اپنے والد، عتبہ، حضرت علیؓ اور آنحضرتؐ کے چچا، حمزہؓ کے ہاتھوں قتل ہونے کا حال، اپنے چچا، شیبہ کے حمزہؓ کے ہاتھوں قتل ہونے کا حال، اپنے بھائی، ولید، کے حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہونے، اور اپنے بیٹے، حنظلہ، کے حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارے جانے کا حال۔ ہند نے حمزہؓ اور علیؓ کو برا بھلا کہا اور بدلہ لینے کی قسم کھائی۔

مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے مابین جنگ بدر پہلی بڑی ٹکر تھی ــ.... مشرکین کے شدید حملے کے سامنے ۳۱۳ مسلمانوں کی مختصر سی جماعت چٹان کی طرح کھڑی ہو گئی۔ ایک دو گھنٹے کی شدید جنگ کے بعد مسلمانوں نے لشکرِ قریش کو درہم برہم کر دیا، اور قریش ابتری کے عالم میں میدانِ جنگ سے بھاگ آئے۔ قریش کے چوٹی کے آدمی اس لڑائی میں مارے گئے یا گرفتار کر لئے گئے۔

مسلمانوں کے ہاتھوں ۷۰ کفار مارے گئے اور اتنی ہی تعداد میں گرفتار ہوئے تھے، جب کہ کفار کے ہاتھوں صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے تھے۔ مقتولین میں سے ۱۷ افراد کا تعلق بنو مخزوم سے تھا، جن میں سے بیشتر خالد کے چچیرے بھائی یا بھتیجے تھے۔ ابوجہل مارا گیا تھا۔ ولید، خالد کا بھائی گرفتار ہو گیا تھا۔

جب قاصد نے مقتولین اوران کے قاتلوں کے ناموں کا اعلان کیا تو قریش نے اس تسلسل پر غور کیا، جس کے ساتھ علیؓ اور حمزہؓ کے ناموں کا بار بار ذکر ہوا حضرت علیؓ نے تن تنہا ۱۸ آدمیوں کو قتل کیا تھا اور چار اور آدمیوں کے قتل میں شریک ہوئے تھے۔ حمزہؓ نے چار آدمیوں کو قتل کیا تھا اور چار اور آدمیوں کے قتل میں حضرت علیؓ کے حصہ دار بنے تھے۔ چنانچہ اس سوگوار اجتماع کی کارروائی پر علیؓ کا نام چھا گیا۔



دو روز کے بعد ابوسفیان نے قریش کے تمام سرداروں کی ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی۔ ان سرداروں میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کا کوئی نہ کوئی عزیز جنگ بدر میں مارا نہیں گیا تھا۔ بعضوں کے باپ مارے گئے تھے، بعضوں کے بیٹے اور بعضوں کے بھائی۔ اس مجلس میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ، فرزند ابوجہل، نے سب سے زیادہ واویلا کیا۔

عکرمہ کو خاموش کرانا سب سے زیادہ مشکل تھا۔ اس کے باپ کو میدانِ بدر میں لشکر قریش کی قیادت کا امتیاز حاصل تھا اور وہ اسی جنگ میں مارا گیا تھا۔ بیٹے کو اس حقیقت سے قدرے تشفی حاصل ہوتی تھی کہ میدانِ بدر میں ایک مسلمان کو اس کے باپ نے، اور ایک اور مسلمان کو خود اس نے قتل کیا تھا۔ مزید برآں، اس نے اس شخص پر حملہ کر کے، جس نے اس کے باپ کے مہلک زخم لگایا تھا، اس کا بازو کاٹ ڈالا تھا۔ لیکن بایں ہمہ اس کی آتشِ انتقام کو بجھانے کے لئے یہ کافی نہیں تھا۔ وہ مُصر تھا کہ شُرفائے قریش کی حیثیت سے وہ بدلہ لینے کے پابند تھے۔

"اور مجھے اپنے بیٹے، حنظلہ، کے قتل کا غم ہے۔" ابوسفیان نے کہا۔ "میرا جوشِ انتقام تم سے کم نہیں ہے۔ محمدؐ کے خلاف ایک زوردار مہم تیار کرنے اور بھیجنے کے معاملے میں مَیں پہل کروں گا۔"[1]

اس مجلس مشاورت میں سبھی شرکاء نے انتقام لینے کا عہد کیا کہ اب کے کوئی بھی پیچھے

---

[1] واقدی: مغازی، صفحہ ۱۵۶-۱۵۷

نہیں رہے گا، ایک ایسی مہم تیار کی جائے گی کہ اس جیسی مہم مکے میں اس سے پہلے کبھی جمع نہ ہوئی ہو اور دوسرے مقامی قبائل کو بھی اس مہم میں شریک ہوتے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے میں حصہ دار بننے کی دعوت دی جائے گی تجارتی قافلے کا تمام تر منافع، جو ۵۰۰۰۰ دینار بنتا ہے، اس مہم کے اخراجات پر صرف کیا جائے گا۔ ابوسفیان کو متفقہ طور پر لشکرِ قریش کا سالار مقرر کیا گیا تھا۔

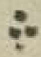
اب ابوسفیان نے دو فیصلے کئے، جن میں سے پہلا فیصلہ کم و بیش سبھی نے تسلیم کر لیا۔ یہ اس ضمن میں تھا کہ جنگِ بدر کے مقتولین کی یاد میں نہ تو گریہ وزاری کی جائے اور نہ ہی کسی اور رنگ میں ان کا سوگ منایا جائے۔ اس حکم کے پس پشت یہ خیال تھا کہ آنسوؤں سے ان کے دلوں کی تلخی دھل جائے گی، اور یہ کہ اس تلخی کو اس وقت تک موجود رہنا چاہیئے۔ جب تک کہ مسلمانوں سے انتقام نہیں لے لیا جاتا بہرحال، جن کے لئے غم کا بوجھ ناقابلِ برداشت تھا، وہ چھپ چھپ کر رو دیئے۔

دوسرا فیصلہ ان قیدیوں کے بارے میں تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے۔ ابوسفیان نے قیدیوں کی رہائی کے لئے تمام کوششوں کی ممانعت کر دی، اس خدشے سے کہ اگر یہ کوششیں جلد شروع کر دی گئیں تو ہو سکتا ہے کہ مسلمان فدیہ بڑھا دیں۔ لیکن اس فیصلے پر ہر ایک نے عمل نہ کیا۔ ابھی دو دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک شخص اپنے باپ کا فدیہ ادا کرنے کے لئے چپکے سے رات کے وقت مکے سے کھسک گیا۔ اور جب اس بات کا دوسروں کو علم ہوا تو انہوں نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے عزیز و اقارب کو رہا کرا لائے۔ چنانچہ ابوسفیان کو اپنا یہ فیصلہ کالعدم قرار دینا پڑا۔

شرحِ فدیہ یکساں نہیں تھی۔ فدیہ ادا کرنے والوں کی حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ۴۰۰۰ درہم سے ۱۰۰۰ درہم تک اس کے مختلف درجے مقرر کر دیئے گئے۔ چند قیدیوں نے جو زرِ سنگاری

ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، مگر تھے لکھے پڑھے، مسلمان بچوں کی ایک خاص تعداد کو لکھنا پڑھنا سکھا کر رہائی حاصل کی۔ بعض نادار قیدیوں کو آنحضرتؐ نے اس یقین دہانی کی بنا پر کہ آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف کبھی ہتھیار نہیں اٹھائیں گے، فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا۔

جو لوگ قیدیوں کی رہائی سے متعلق گفت و شنید کرنے گئے تھے، ان میں عکرمہ، خالد (جو حجاز میں موجود نہ ہونے کے باعث جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکا تھا) اور خالد کا بھائی ہشام، بھی شامل تھے۔ خالد اور ہشام نے اپنے بھائی ولید کو رہا کرانے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب ہشام نے سُنا کہ انہیں بطور فدیہ ۴۰۰۰ درہم ادا کرنے پڑیں گے تو وہ مول تول کرنے لگا، لیکن خالد نے اسے ڈانٹ دیا۔ ولید کی رہائی کے لئے ۴۰۰۰ درہم کی مطلوبہ رقم پوری کی پوری ادا کرنے کے بعد تینوں بھائی مدینے سے روانہ ہوئے اور رات گزارنے کے لئے انہوں نے مدینے سے چند میل دور ذی الحلیفہ کے قیام پر پڑاؤ کیا۔ یہاں، رات کے کسی وقت، ولید خیمے سے کھسک آیا، واپس مدینہ پہنچا، اور آنحضرتؐ کے پاس آکر مسلمان ہو گیا۔ ایمان لانے کے بعد ولید ایک متقی مسلمان ثابت ہوئے اور آنحضرتؐ کے بہت چہیتے بن گئے۔ اور نیا دین قبول کرنے کے باوجود، خالد کے ساتھ ان کے تعلقات ہمیشہ کی طرح پُرتپاک اور محبّت آمیز رہے۔



قریش کے اس مشاورتی اجلاس میں جہاں اہم ترین موضوع بحث انتقام تھا، انہیں معاشی بقا کے مسئلے نے بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارا۔ قریش کے شام اور فلسطین جانے والے قافلوں کی بڑی گزرگاہ وہ ساحلی سڑک تھی جو جنگ بدر کے بعد ان پر بند ہو چکی تھی۔ نومبر میں صفوان بن امیہ نے مزید تجارت کی ضرورت محسوس کی اور ایک تجارتی قافلے کو ایک دوسرے راستے سے جو اس کے خیال میں ایک محفوظ راستہ ثابت ہو سکتا تھا، شام روانہ کیا۔ یہ قافلہ مکّے سے عراق جانے والی سڑک پر گامزن ہوا اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد،

صفوان کے خیال کے مطابق مدینے سے محفوظ حد تک ہٹ کر گزرتے ہوئے، شمال مغرب کی طرف مڑ گیا۔ لیکن نبی کریمؐ کو اس قافلے کے بارے میں علم ہوگیا اور آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو ۱۰۰ آدمی دیکر اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ زیدؓ قافلے کو گرفتار کرلائے۔

چنانچہ صفوان نے ابوسفیان سے ملاقات کی، اور دونوں سردار متفق ہوگئے کہ چونکہ قریش کی اقتصادی بہبود اور خوش حالی کا دارومدار شام کے ساتھ ان کی منفعت بخش تجارت پر ہے، اس لئے مسلمانوں کو جتنی جلدی کچلا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ عکرمہ بھی بے تاب تھا اور جلدی کرنے پر زور دیتا تھا۔ تاہم ابوسفیان ایک دانا اور جہاندیدہ سردار کی حیثیت سے جانتا تھا کہ مہم کی تیاری اور اونٹ، گھوڑے اور ہتھیار خریدنے پر وقت لگے گا۔ اس نے حتی المقدور کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔

اب مہم کی تیاریاں صحیح ہنج پر شروع ہوگئیں۔ جب یہ تیاریاں جاری تھیں تو ایک مشکوک کردار کا آدمی ابوسفیان کے پاس ایک تجویز لے کر آیا۔ یہ شخص مدینے کا باشندہ، 'ابو عامر' تھا۔ اسے نبی کریمؐ کی مدینے میں آمد ناگوار گزری تھی، اور اسے اس بات کا بھی صدمہ تھا کہ اس کے قبیلے، 'اوس'، کے افراد لگاتار مسلمان رہے تھے۔ چنانچہ وہ مدینے سے چلا آیا تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہاں محمدؐ کا اقتدار قائم ہے وہ لوٹ کر مدینے نہیں جائے گا۔ وہ مکے میں قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا۔ ماضی میں لوگ ابو عامر کو راہب کہا کرتے تھے، مگر آنحضرتؐ نے اسے فاسق کا عرفی نام دیا تھا۔ چنانچہ مسلمان اسے ابو عامر فاسق کہنے لگے تھے۔[1]

"میرے قبیلے کے ۵۰ آدمی میرے ساتھ ہیں۔" اس نے ابوسفیان سے کہا۔ "مجھے اپنے قبیلے اوس میں بہت اثرورسوخ حاصل ہے۔ میری تجویز ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے قبیلۂ اوس کے مسلمانوں کو مخاطب کرنے کی اجازت دی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ محمدؐ کا ساتھ چھوڑ کر میری طرف آجائیں گے۔"[2]

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲ صفحہ ۶۷

[2] واقدی: مغازی، صفحہ ۱۶۱

ابوسفیان نے یہ تجویز بخوشی منظور کر لی۔ قبیلۂ اوس مدینے کے دو بڑے قبیلوں میں سے ایک تھا اور مسلمانوں کی ایک تہائی فوج اسی قبیلے کے افراد پر مشتمل تھی۔

پڑوسی قبائل کے ساتھ گفت وشنید شروع کر دی گئی، اور کنانہ اور ثقیف کی طرف سے بھاری امدادی دستے پہنچ گئے۔ مارچ ۶۲۵ء کا آغاز تھا کہ مہم میں حصہ لینے والے لوگ مکے میں جمع ہونے لگے۔ اس موقع پر عباسؓ، نبی کریمؐ کے چچا، نے آنحضرتؐ کو ان تیاریوں سے آگاہ کرنے کے لئے، جو آپؐ کے خلاف کی جا رہی تھیں، مکے سے ایک خط لکھا۔

مارچ کے دوسرے ہفتے میں قریش ۳۰۰۰ سپاہ کے ساتھ، جن میں ۷۰۰ آدمی زرہ پوش تھے، مکے سے روانہ ہوئے۔ ان کے پاس ۳۰۰۰ اونٹ اور ۲۰۰ گھوڑے تھے۔ قریش کی ۱۵ محمل نشین عورتیں بھی فوج کے ہمراہ تھیں، جن کے ذمے یہ کام تھا کہ قریش کو جنگ بدر میں مارے جانے والے ساتھیوں کی یاد دلاتی رہیں اور ان کے حوصلے بڑھاتی رہیں۔ ان خواتین میں ہند بھی موجود تھی، جو ان کی قیادت کر رہی تھی، اور ظاہر ہے کہ وہی اس منصب کی حقدار تھی۔ دیگر قابل ذکر عورتیں تھیں عکرمہ کی بیوی، عمرو بن العاص کی بیوی اور خالد بن ولید کی بہن۔ عورتوں کے اس گروہ میں عمرہ بنت علقمہ بھی تھی، جس کے بارے میں آگے چل کر مزید معلوم ہوگا۔ اور کچھ گانے والیاں بھی تھیں، جنہوں نے دف اور ڈھول اٹھا رکھے تھے۔

جب مہم مدینے کی جانب روانہ ہوئی تو قریش کے ایک سردار، جبیرؓ بن مطعم، نے اپنے غلام سے، جو وحشی بن حرب کے نام سے مشہور تھا، کہا "اگر تم محمدؐ کے چچا، حمزہؓ کو، جس کے ہاتھوں میرا چچا جنگ بدر میں مارا گیا تھا، قتل کر دکھاؤ تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔"[1] وحشی اس امید افزائی سے بہت خوش ہوا۔ وہ ایک لحیم شحیم، سیاہ فام، حبشی غلام تھا جو لڑائی میں ہمیشہ اپنے وطن افریقہ کے بنے ہوئے نیزے سے کام لیتا تھا۔ اس ہتھیار کے استعمال میں اسے مہارت حاصل تھی اور

[1] ابن ہشام: جلد ۲ صفحہ ۶۱-۶۲۔

اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد، وحشی کو ایک محمل بردار اونٹ اپنے قریب آتا دکھائی دیا محمل میں سے ہند نے جھانک کر دیکھا اور وحشی سے مخاطب ہوئی۔ "اے ابو دسمہ! میرا کلیجہ ٹھنڈا کر اور انعام لے۔" اس نے وحشی سے وعدہ کیا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر کے اس کے باپ کے قتل کا انتقام لے گا تو وہ اپنے تمام زیور، جو اس نے پہن رکھے تھے اتار کر وحشی کو دیدیگی۔

وحشی نے ہند کے زیورات ــ اس کے ہار، اس کی چوڑیوں، اس کی پازیبوں، اور اس کی انگوٹھیوں ــ کی طرف للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ یہ تمام چیزیں بہت قیمتی دکھائی دیتی تھیں اور ان کے حصول کی توقع میں اس کی نگاہیں چمک اُٹھیں۔

❖

نبی کریمؐ کو عباسؓ کے ذریعے قریش کی مکّے سے روانگی سے قبل ہی ان کی تیاریوں کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ جب قریش راستے میں تھے تب بھی آنحضرتؐ کو دوست قبائل کی وساطت سے ان کے سفر کی خبریں برابر موصول ہوتی رہیں۔ ۲۰ مارچ کو قریش مدینے کے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے وہاں سے چند میل دور، کوہ اُحد کی غربی جانب، ایک نخلستان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اسی روز نبی کریمؐ نے قریش کا جائزہ لینے کے لئے دو مخبر بھیجے، اور یہ مخبر ان کی صحیح تعداد معلوم کر لائے۔

۲۱ مارچ کو آنحضرتؐ ۱۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ، جن میں ۱۰۰ آدمی زرہ پوش تھے، مدینے سے روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے تھے، جن میں سے ایک گھوڑا آنحضرتؐ کا تھا۔ اسلامی فوج نے رات گزارنے کے لئے مدینے سے شمال کی طرف ایک میل سے قدرے زیادہ فاصلے پر واقع ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی پہاڑی شیخین کے قریب پڑاؤ کیا۔

اگلی صبح، کوچ کرنے سے پیشتر، منافقین نے، جن کی تعداد ۳۰۰ تھی اور جن کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا، اس بہانے نبی کریمؐ کا ساتھ چھوڑ دیا کہ مدینے سے باہر نکل کر قریش کا مقابلہ کرنے میں کامیابی کا

کوئی امکان نہیں، اور وہ کسی ایسے مقابلے میں حصہ نہیں لیں گے جس میں انہیں اپنی شکست یقینی نظر آتی ہو. منافقین واپس مدینے چلے گئے. اب نبی کریمؐ کے ساتھ ۷۰۰ آدمی رہ گئے، اور آپ نے اسی تعداد کے ساتھ پڑاؤ سے کوچ کیا. درحقیقت آنحضرتؐ نہیں چاہتے تھے کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کی جائے. آپؐ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کو اپنے قصبے میں قریش کی آمد کا منتظر رہ کر مدینے ہی میں جنگ کرنی چاہیئے. لیکن مسلمانوں کی اکثریت کا اصرار تھا کہ قریش کا مقابلہ مدینے سے باہر نکل کر کیا جائے. چنانچہ آنحضرتؐ، مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے، قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے مدینے سے باہر آ گئے تھے لیکن اگرچہ نبی کریمؐ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کرنے جا رہے تھے، تاہم آپؐ نے فیصلہ کیا کہ آپ اپنی پسند کا محاذ قائم کریں گے. آپؐ اُحد کے دامن میں آ گئے اور فوج کو لڑائی کے لئے صف آرا کیا.

اُحد خاصا بڑا پہاڑ ہے جو مدینے سے چار میل دُور شمال کی طرف واقع ہے (مدینے کے اس مقام سے جہاں مسجد نبوی ہے) اور سطح زمین سے ۱۰۰۰ فٹ بلند ہے. پورا پہاڑ پانچ میل لمبا ہے. اُحد کے غربی حصے میں، پہاڑ کی ایک بڑی سی نوک سیدھی زمین تک پہنچتی ہے، اور مدینے کی طرف سے دیکھیں تو اس نوک کی داہنی جانب ایک وادی بتدریج اوپر اٹھتی ہے، اور جب وہ اس نوک سے تقریباً ۱۰۰۰ فٹ دور ایک تنگ گھاٹی میں سمٹتی ہے تو بلند ہوتی ہوئی دور تک چلی جاتی ہے. اس گھاٹی سے آگے یہ وادی معدوم ہو جاتی ہے، کیونکہ پہاڑ کی چوٹی کی بڑی ڈھلان سامنے آ جاتی ہے. اس وادی کے دہانے پر، جہاں پہاڑ کی نوک زمین سے متصل ہے، آنحضرتؐ نے اپنی فوج کو صف آرا کیا. وادی آپؐ کے عقب میں تھی، آپؐ نے مسلمانوں کو ۱۰۰۰ گز لمبے محاذ پر باہم پیوستہ صورت میں منظم کیا. آپ نے میمنہ کو پہاڑ کی نوک کے ساتھ اور میسرہ کو عینین نام کی ایک چھوٹی سی پہاڑی کے ساتھ، جو ۴۰ فٹ اونچی اور ۵۰۰ فٹ لمبی ہے، کھڑا کیا. مسلمانوں کا میمنہ محفوظ تھا، لیکن میسرہ کو عینین کی دوسری جانب سے نقصان پہنچایا جا سکتا تھا. چنانچہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے، آنحضرتؐ نے ۵۰ تیر اندازوں کو عینین پر متعین کیا. وہاں سے یہ تیر انداز ان گزرگاہوں کو زیر تسلط رکھ سکتے تھے

جن کے ذریعے قریش، مسلمانوں کے عقب میں، باقاعدہ جنگی چالوں سے کام لے سکتے تھے۔ ان تیراندازوں کو، جو عبداللہؓ بن جبیر کے زیرکمان تھے، نبی کریمؐ نے یہ ہدایات دی تھیں: "اپنے تیروں کو دشمن کے رسالے کے خلاف استعمال کرو۔ اس رسالے کو ہمارے عقب سے دور رکھو۔ جب تک تم اپنے مقام پر جم کر کھڑے رہوگے ہمارا عقب محفوظ رہے گا۔ خواہ کچھ بھی ہو، تمہیں یہ مقام ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ تم اگر ہمیں کامیاب ہوتے دیکھو تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا، اور اگر ہمیں ناکام ہوتے دیکھو تو ہماری مدد کے لئے مت آنا۔"[1] تیراندازوں کے اس دستے کے لئے احکام بہت واضح تھے۔ چونکہ جنگی نقطۂ نگاہ سے عینین ایک اہم پہاڑی تھی اور اسے گردونواح کے قریبی رقبے پر فوقیت حاصل تھی، اس لئے اس امر کا اطمینان کرنا لازمی تھا کہ یہ پہاڑی قریش کے قبضے میں نہیں جائے گی۔

مسلمانوں کے پیچھے ۱۴ عورتیں کھڑی تھیں، جن کا کام یہ تھا کہ پیاسوں کو پانی پلائیں، زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھالے جائیں اور ان کی مرہم پٹی کریں۔ ان خواتین میں حضرت فاطمہؓ، نبی کریمؐ کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی زوجہ، بھی موجود تھیں۔ خود آنحضرتؐ اپنی فوج کے میسرہ میں تھے۔

مسلمانوں کی تقسیم و ترتیب اس مناسبت سے کی گئی تھی کہ جنگ اگلی صفوں کے درمیان ہو۔ اور یہ تقسیم و ترتیب حیرت انگیز تدبّر کا نتیجہ تھی۔ اس نے مسلمانوں کو خود اپنے ذرائع قوت ـ جرأت اور جنگی مہارت ـ کو کماحقہٗ بروئے کار لانے کی صلاحیت بخشی۔ اس کی بدولت مسلمان ان خطرات سے بھی محفوظ ہوگئے جو انھیں قریش کی عددی طاقت اور رسالے ـ تیزرفتاری سے حرکت کرنے والی فوج، جس سے مسلمان محروم تھے ـ کی قوت کے باعث درپیش تھے۔ کھلی جنگ ابوسفیان کے لئے سُودمند ہوتی، جس میں وہ رسالے کے ذریعے مسلمان فوج کے بازوؤں اور عقب پر اپنے منصوبوں کے مطابق حملہ آور ہوسکتا اور ان کے خلاف زیادہ سے زیادہ طاقت بروئے کار لاسکتا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ نے ابوسفیان کے مفادات کو خاک میں ملادیا، اور اسے مجبور کردیا کہ وہ ایک ایسے محدود محاذ پر جنگ کرے

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۶۵-۶۶۔ واقدی: مغازی صفحہ ۱۷۵

جہاں اس کی عددی برتری اور اس کے رسالے کی افادیت محدود ہو کر رہ جائے. یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ مسلمانوں کا رخ فی الواقعہ مدینے کی طرف تھا اور ان کی پُشت اُحد کی جانب تھی. چنانچہ قریش کے لئے مدینے جانے والی سڑک کھلی تھی.

اب قریش حرکت میں آئے. انہوں نے پہاڑ کی متذکرہ نوک کے جنوب میں ایک میل دور اپنا جنگی پڑاؤ قائم کیا اور یہاں سے ابوسفیان اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھا اور مسلمانوں کے بالمقابل صف آرا کیا. اس نے پیادہ فوج کے بڑے حصے کو قلب میں رکھا اور رسالے سے میمنہ اور میسرہ کی تشکیل کی. میمنہ پر خالدؓ اور میسرہ پر عکرمہ تھا، اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس ۱۰۰، ۱۰۰ سواروں کا ایک ایک دستہ تھا. عمروؓ بن العاص کو پورے رسالے کا سالار مقرر کیا گیا تھا. لیکن اس کا زیادہ تر کام باہمی ربط قائم رکھنا تھا. ابوسفیان نے ابتدائی کارروائی کے لئے اگلی صف کے سامنے ۱۰۰ تیرانداز متعین کئے. قریش کا علم طلحہ بن ابوطلحہ کے ہاتھ میں تھا، جو میدانِ بدر سے زندہ بچ آنے والوں میں سے تھا. قریش صف بستہ ہوئے تو ان کی پیٹھ مدینے کی جانب تھی اور ان کا رُخ مسلمانوں اور اُحد کی طرف تھا. درحقیقت وہ اسلامی فوج اور مدینے میں اس فوج کے مرکزی پڑاؤ کے درمیان کھڑے تھے. (دونوں فوجوں کی ترتیب معلوم کرنے کے لئے نقشہ نمبر ۱ دیکھئے).

قریش کے مرکزی حصے کے پیچھے ہی ان کی عورتیں کھڑی تھیں. جنگ شروع ہونے سے پیشتر ان عورتوں نے، ہند کی قیادت میں، قریش کے سامنے، انھیں جنگِ بدر میں مارے جانے والوں کی یاد دلاتے ہوئے آگے پیچھے گشت لگائے. بعد ازاں، اس سے قبل کہ وہ عورتیں فوج کے عقب میں اپنے مقام پر واپس جاتیں، ہند کی صاف اور زوردار آواز بلند ہوئی، جب اُس نے گایا:

اے عبدالدار کے بیٹو!
ہمارے گھروں کے محافظو!
ہم دخترانِ شب ہیں
ہم تکیوں کے درمیان جنبش کرتے ہیں

نہایت لطافت و ملاحت سے
اگر تم آگے بڑھے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گے،
اگر تم پسپا ہوئے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔
ایک بے مہر جدائی کے ساتھ یہ[1]

سنیچر، ۲۲ مارچ ۶۲۵ء (۷ شوال ۳ھ) کی صبح تھی۔ جنگ بدر کے ٹھیک ایک سال اور ایک ہفتے بعد[2] دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف بستہ کھڑے تھے، ۷۰۰ مسلمان ۳۰۰۰ کفار کے مقابلے میں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ابوسفیان آنحضرتؐ کے خلاف ایک سپہ سالار کی حیثیت سے میدان میں آیا تھا، تاہم اس کے ساتھ قابل نائبین تھے اور اسے فتح کا یقین تھا۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کے سامنے قرآن کے یہ الفاظ دہرائے: "اللہ ہمارے لئے کافی ہے، اور وہ کیا ہی اچھا نگہبان ہے۔"[3] اور انہوں نے اللہ کے فیصلے کا انتظار کیا۔



دونوں فوجوں کی صف بندی کے بعد سب سے پہلا واقعہ یہ ہوا کہ فاسق نے قبیلہ اوس کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ شخص اپنے ۵۰ پیروکاروں اور قریش کے غلاموں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ قریش کی اگلی صف سے آگے بڑھا۔ یہ قبیلہ اوس کے سامنے آیا اور اس نے کہا "اے گروہِ اوس! میں ابو عامر ہوں، تم مجھے جانتے ہی ہو!" اوس کے آدمیوں نے یک زبان ہو کر کہا "او فاسق، ہم تجھ سے بیزار ہیں!" اس کے بعد پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی، جو قبیلہ اوس کے آدمیوں نے بڑے مزے کے ساتھ فاسق اور اس کے ساتھیوں پر کی، اور یہ ٹولی قریش کی صفوں کو چیرتی ہوئی تیزی سے پیچھے ہٹ آئی۔ قریش کے

---

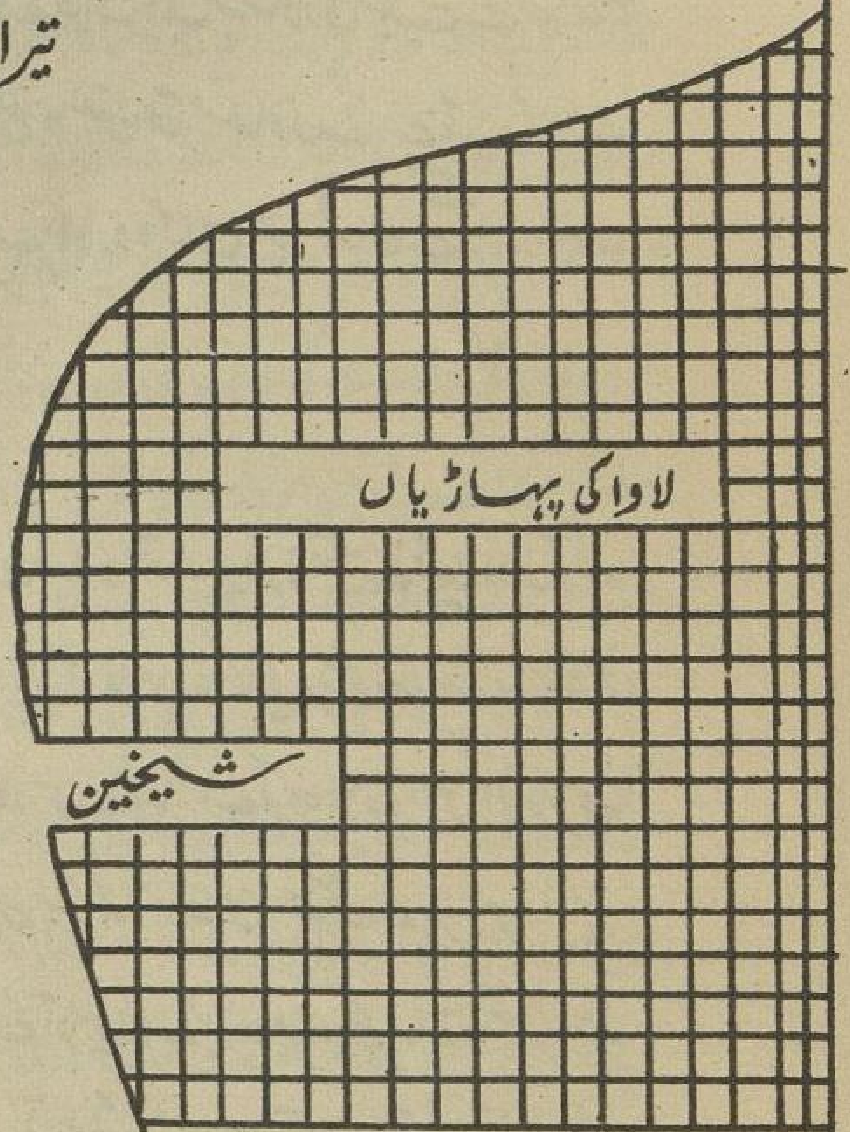
[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۶۸۔ واقدی: مغازی صفحہ ۱۷۶

[2] بعض مورخین نے جنگِ اُحد کی تاریخ اس سے اس ہفتہ بعد کی بتائی ہے لیکن غالباً پہلے کی تاریخ مقابلتہً زیادہ صحیح ہے

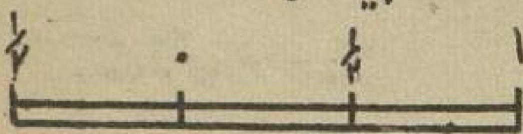
[3] قرآن: ۳: ۱۷۳۔

نقشہ نمبر ۱ جنگ احد (۱)









چہروں پر تضحیک کے آثار دیکھتے ہوئے فاسق نے پیغمبرانہ انداز اختیار کیا اور کہا "میرے بعد میرے لوگ نقصان اٹھائیں گے۔"[1] لیکن قریش متاثر نہ ہوئے۔

فاسق کی جھڑپ کے بعد، دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی۔ یہ ایک طرح سے آرٹلری کا باہمی مقابلہ تھا۔ مسلمان تیر انداز، جو یا تو ایک جتھے کی صورت میں عینین پر تھے یا مسلمانوں کی اگلی صف میں بکھرے ہوئے تھے، قریش کے ۱۰۰ تیر اندازوں کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ کئی باڑیں ماری گئیں۔ قریش کے تیر اندازوں کی حفاظت میں خالد نے مسلمانوں کے میسرہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنے دستے کے ساتھ پیش قدمی کی، لیکن مسلمان تیر اندازوں کے بے خطا نشانوں کے باعث اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ جب تیر اندازوں کا مقابلہ ختم ہوا تو میدانِ جنگ میں خواتینِ قریش کا گانا پھر سنائی دیا: "ہم رات کی بیٹیاں ہیں....."

فاسق کا اگلا مرحلہ طرفین کے چوٹی کے جنگجوؤں کی دست بدست جنگ کا مرحلہ تھا۔ طلحہ، علمبردارِ قریش، نے اگلی صف سے باہر نکل کر آواز دی "میں طلحہ بن ابو طلحہ ہوں۔ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟"[2] اس کے مبارزطلبی پر حضرت علیؓ لپک کر آئے اور اس سے قبل کہ طلحہ ایک وار بھی کر سکتا، انہوں نے اسے اپنی تلوار کی ضرب سے زمین پر گرا دیا۔ طلحہ صرف زخمی ہوا تھا، اور جونہی حضرت علیؓ نے تلوار بلند کی کہ اس پر دوبارہ وار کریں۔ اس نے رحم کی درخواست کی۔ حضرت علیؓ فوراً واپس پلٹ آئے، تاہم بعد میں جب جنگ ہوئی تو زخمی طلحہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ طلحہ کے زخمی ہونے پر ایک اور کافر نے آگے بڑھ کر جھنڈا اٹھا لیا۔ یہ آدمی حمزہؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ جب حمزہؓ نے اسے قتل کیا تو وحشی نے، جو قریش کی صفوں کے پیچھے کھڑا تھا، انھیں دیکھ لیا۔ وحشی چپکے چپکے دائیں جانب کھسکنے لگا، تاکہ ایک طرف سے حمزہؓ کے قریب پہنچ جائے۔ حمزہؓ کو شتر مرغ کے ایک بڑے سے پر کے ذریعے،

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۶۷۔ ابن سعد صفحہ ۵۴۳

[2] واقدی: مغازی، صفحہ ۱۷۶

جو انہوں نے اپنے عمامے میں لگا رکھا تھا، بآسانی شناخت کیا جا سکتا تھا۔

اب باہمی مبارزوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ طلحہ کے رشتہ داروں نے یکے بعد دیگرے جھنڈا اٹھایا اور وہ ایک ایک کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ ان میں سے بیشتر حضرت علیؓ کی تلوار سے قتل ہوئے۔ ابوسفیان نے بھی مقابلے کے لئے گھوڑا بڑھایا۔ اس کا مقابلہ حنظلہ بن ابوعامر نے کیا، جو پیادہ پا تھے۔ اس سے قبل کہ ابوسفیان نیزے سے کام لیتا یا تلوار کھینچتا، حنظلہ نے اس کے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر وار کیا اور گھوڑے کو زمین پر گرا دیا۔ ابوسفیان مدد کے لئے چلایا اور اس کا ایک ساتھی اس کی مدد کو پہنچ گیا، جس نے حنظلہؓ سے لڑ کر انھیں شہید کر دیا۔ ابوسفیان نے تیزی سے پلٹ کر قریش کی صفوں میں پناہ لی۔

ایک اور قریشی، جو مقابلے کے لئے سامنے آیا، عبدالرحمٰن بن ابوبکر تھا۔ اگلی صف سے نکل کر وہ حسب دستور مبارز طلب ہوا۔ جس پر اس کے والد، حضرت ابوبکرؓ نے تلوار کھینچی اور اس سے لڑنے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے آگے بڑھنے کی تیاری کی۔ لیکن نبی کریمؐ نے انھیں روک لیا اور ان سے کہا "تلوار کو میان میں رکھیے۔"[1] اس عبدالرحمٰن کو مستقبل میں اسلام کے بہادر ترین جنگجوؤں میں شمار ہونا تھا، اور شام کی اسلامی مہمات میں ناموری حاصل کرنی تھی۔

مقابلے ختم ہوتے ہی باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی اور دونوں فوجیں گتھم گتھا ہو کر زور شور سے دست بدست لڑائی کرنے لگیں۔ مسلمانوں کو تیغ زنی اور شجاعت کے لحاظ سے فوقیت حاصل تھی، لیکن قریش کی عددی برتری نے مسلمانوں کی ان خوبیوں کا پلڑا برابر کر دیا تھا۔ جب فوج کا مرکزی حصہ اس عمومی جنگ میں مصروف تھا تو خالد نے مسلم میسرہ پر، جہاں نبی کریمؐ کھڑے تھے، ایک اور حملہ کیا، لیکن عینین پر متعین مسلمان تیراندازوں نے اسے دوبارہ پسپا کر دیا۔

اس جھڑپ میں، لشکر قریش کے بڑے حصے پر تیر برسا کر خود آنحضرتؐ نے بھی حصہ لیا۔ آپ کے

---

[1] واقدی: مغازی صفحہ ۲

ساتھ سعدؓ بن ابی وقاص کھڑے تھے، جن کا پیشہ تیر سازی تھا، اور جو اپنے عہد کے بہترین تیر انداز تھے۔ آنحضرتؐ سعد کو ہدف دکھاتے اور سعدؓ ٹھیک نشانے پر تیر مارتے تھے۔

حمزہؓ مسلم فوج کے بائیں کنارے کے نزدیک لڑ رہے تھے۔ اب تک وہ دو آدمیوں کو قتل کر چکے تھے اور انہوں نے تیسرے کو قریب آتے دیکھا تھا۔ اس آدمی کا نام سباع بن عبد العزیٰ تھا، جسے حمزہؓ اچھی طرح جانتے تھے۔ "میرے قریب آ!" حمزہؓ نے گرج کر کہا: "او ختنہ کرنے والی کے بیٹے!"[1] (سباع کی ماں مکے میں ختنے کیا کرتی تھی!) سباع نے تلوار کھینچی اور حمزہؓ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا تو اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

جب ان دونوں نے تلوار اور ڈھال کے ساتھ باہم لڑنا شروع کیا تو وحشی چٹانوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں گھسٹتا ہوا حمزہؓ کی طرف بڑھا۔ بالآخر وہ نیزہ پھینکنے کے لئے موزوں فاصلے پر پہنچ گیا۔ اور اس نے اپنے اور اپنے ہدف کے درمیانی فاصلے کا ماہرانہ نگاہ سے جائزہ لیا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنا نیزہ پھینکنے کے لئے بلند کیا۔ حمزہؓ نے سباع کے سر پر ایک مہلک ضرب لگائی اور سباع ان کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ عین اسی لمحے وحشی نے پوری قوت سے اپنا نیزہ پھینکا۔ وہ ظالم ہتھیار، جسے بے خطا نشانہ باندھ کر پھینکا گیا تھا، حمزہؓ کے پیٹ میں لگا اور ان کے جسم سے پار ہو گیا۔ حمزہؓ وحشی کی طرف پلٹے اور غصے میں گرجتے ہوئے چند قدم آگے بڑھے۔ وحشی پر، جو ایک بڑی سی چٹان کی اوٹ میں تھا لرزہ طاری ہو گیا۔ لیکن حمزہؓ چند ہی قدم اٹھانے کے بعد گر گئے۔

حمزہؓ کے پوری طرح بے حس و حرکت ہو جانے تک وحشی گھات میں کھڑا رہا، اور پھر اُن کی نعش کے پاس آ کر اس نے اپنا نیزہ جھٹک کر نکال لیا۔ بعد ازاں وہ لاتعلق سا ہو کر لڑائی کے مقام سے ہٹ گیا۔ وہ اپنا فرض ادا کر چکا تھا۔ وحشی کو اپنی زندگی میں اور لڑائیاں بھی لڑنی تھیں، لیکن حضرت حمزہؓ۔ اللہ اور رسول اللہ کے شیرؓ[2] کی جنگجوئی کا دور ختم ہو چکا تھا۔

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۷

[2] واقدی: مغازی، صفحہ ۲۲۵

اس کے بعد جلد ہی، لشکر قریش کے پاؤں اکھڑنے شروع ہو گئے اور مسلمان ان پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگے۔ جب قریش کے متعدد علمبردار قتل یا زخمی ہو گئے تو ایک غلام نے جھنڈا اٹھایا اور لڑائی جاری رکھی، حتیٰ کہ وہ بھی مارا گیا اور جھنڈا پھر گر گیا۔ جونہی جھنڈا گرا، قریش کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اب قریش کی فوج پوری طرح دہشت زدہ ہو چکی تھی۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ مسلمانوں کے ہاتھ نہ آسکے۔ جب قریش خواتین نے اپنے مردوں پر مصیبت نازل ہوتے دیکھی تو وہ آہ و بکا کرنے لگیں۔ اب وہ بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگیں اور تیز تر دوڑنے کی غرض سے، اپنے لباسوں کو اُٹھاتے ہوئے وہ مسرور مسلمانوں کے سامنے اپنی چمکتی دمکتی پنڈلیوں کا دلکش منظر پیش کرنے لگیں۔ تمام عورتیں بھاگ گئیں، سوائے عمرہ کے، جو قریش کی ابتدائی جنگی لائن کے پیچھے ایک قریبی مقام پر بدستور کھڑی رہی۔

مسلمان قریش کی لشکر گاہ میں پہنچے اور اُسے لوٹنا شروع کر دیا۔ جب مسلمانوں نے سامنے آنے والی ہر چیز کو لوٹا اور خوشی کے نعرے لگائے تو پڑاؤ میں، جس کے اردگرد عورتیں اور غلام اس توقع پر گشت کر رہے تھے کہ انھیں قتل نہیں کیا جائیگا، مکمل ابتری پھیل گئی۔ اب نہ تو کوئی حکم تھا، نہ نظم و ضبط تھا اور نہ ہی کوئی پابندی، کیونکہ مسلمانوں کو یقین ہو چکا تھا کہ جنگ جیتی جا چکی ہے۔ فی الواقع جنگ کا پہلا دور ختم ہو چکا تھا۔ قریش کا جانی نقصان معمولی تھا، لیکن وہ صریحاً شکست کھا چکے تھے۔ اس پر جنگ کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے تھا، مگر ایسا نہ ہوا۔



جب قریش بھاگے اور مسلمان، ان کا پیچھا کرتے ہوئے، ان کے پڑاؤ میں داخل ہوئے تو قریش رسالے کے دونوں دستے اپنے اپنے مقام پر جم کر کھڑے رہے۔ خالدؔ اور عکرمہؔ دونوں اپنی سابقہ جگہوں سے قدرے پیچھے ہٹے، لیکن انہوں نے ماتحت سواروں پر مکمل قابو رکھا اور کسی ایک کو بھی پسپا ہونے کی

اجازت نہ دی۔ اور خالدؔ نے اب بھاگنے والے قریش کی طرف، پھر لوٹ مار کرنے والے مسلمانوں کی طرف اور پھر عینین پر متعین تیر اندازوں کی طرف دیکھتے ہوئے، اُس ابتر صورتِ حال کا بڑی ہوشیاری سے جائزہ لیا۔ اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، لیکن اس میں صبر و تحمل کی اہلیت بدرجۂ اتم موجود تھی اور اس نے ایک ایسے موقع کا انتظار کیا جس نے اسے کوئی لائحہ عمل بہم پہنچانا تھا۔ جلد ہی اسے صبر کا پھل مل گیا۔

جب عینین کے تیر اندازوں نے قریش کی شکست اور قریش کے پڑاؤ میں مسلمانوں کو پہنچتے دیکھا تو وہ پڑاؤ کی لوٹ مار میں شریک ہونے کے لئے بے تاب ہو گئے۔ قریش کا پڑاؤ بہت حرص انگیز نظر آتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کماندار، عبداللہ بن جبیرؓ، کی طرف دیکھا اور اپنے ساتھیوں میں شامل ہونے کی اجازت چاہی، لیکن عبداللہ نے صاف انکار کر دیا: "تمہیں رسول اللہ ؐ کے احکام کا بخوبی علم ہے۔" اس نے کہا۔ "جب تک آنحضرتؐ کی طرف سے یہ جگہ چھوڑنے کا حکم نہیں ملتا، ہمیں اسی پہاڑی پر رہنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن رسول خدا کا یہ منشا نہیں تھا۔" تیر اندازوں نے جواب دیا۔ "ہمیں اس پہاڑی پر جنگ کے دوران میں مسلط رہنا تھا۔ اب کہ جنگ ختم ہو چکی ہے، ہمارے یہاں کھڑے رہنے میں کوئی تک نہیں ہے۔"

اور پھر اپنے سالار کے احتجاج کے باوجود، تیر اندازوں کی اکثریت نے اس پہاڑی کو چھوڑ دیا اور وہ "مالِ غنیمت! مالِ غنیمت"[1] کا شور مچاتے ہوئے قریش کی لشکر گاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ عبداللہؓ کے ساتھ پہاڑی پر ۹ تیر انداز رہ گئے۔ خالد کی تیز نگاہوں نے اس حرکت کا مشاہدہ کیا، لیکن جب تک تیر انداز پڑاؤ میں پہنچ نہ گئے، وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

پھر خالدؔ نے دھاوا کر دیا۔ اس نے پہاڑی کے باقی ماندہ چند تیر اندازوں پر اپنے سواروں کے ساتھ اس ارادے سے حملہ کیا کہ وہ اس پہاڑی مورچے پر قابض ہو جائے اور اپنے لئے باقاعدہ جنگی چالیں چلنے کی گنجائش پیدا کرے۔ جب عکرمہؔ نے خالدؔ کی نقل و حرکت دیکھی تو میدان کے دوسرے

[1] واقدی: مغازی، صفحہ ۱۷۸-۱۷۹۔ ابن سعد: صفحہ ۵۴۵، ۵۵۱

سرے پر خالد کے دستے میں شامل ہونے کے لئے اس نے بھی سرپٹ گھوڑا دوڑایا۔ جب خالد کا دستہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا تو اس کے پیچھے پیچھے عکرمہ کا دستہ بھی بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس اثنا میں خود عکرمہ اپنے دستے سے آگے نکل آیا اور اس نے مسلمان تیراندازوں کے خلاف حملے میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

پہاڑی پر رہ جانے والے مسلمان تیراندازوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ کچھ مارے گئے اور باقی ماندہ کو، جو سب کے سب زخمی تھے، خالد کے حملے نے پہاڑی سے نیچے دھکیل دیا۔ عبداللہ بن جبیر نے آخر دم تک اس مقام کا دفاع کرتے ہوئے، جس پر آنحضرتؐ نے انھیں متعین کیا تھا، بہت سے زخم کھائے اور بالآخر وہ عکرمہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اب خالد کا دستہ، جس کے پیچھے پیچھے عکرمہ کا دستہ تھا، سیدھے رُخ نیچے اترا اور اس مقام کے پچھواڑے آ گیا جہاں ایک گھنٹہ پہلے مسلمان صف آرا تھے۔ یہاں سے دونوں دستے بائیں طرف کو مڑے اور پچھلی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عکرمہ اپنے دستے کے ایک حصے کے ساتھ اس جتھے پر حملہ آور ہوا جو نبی کریمؐ کے پاس کھڑا تھا جب کہ خالد کے دستے اور عکرمہ کے باقی ماندہ سواروں نے ان مسلمانوں پر حملہ کیا جو قریش کی لشکرگاہ میں تھے۔

خالد اس یقین کے ساتھ بے دھیان مسلمانوں کے عقب میں پہنچا کہ ان پر بے خبری میں حملہ کر کے وہ جلد ہی ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ لیکن مسلمانوں نے ٹکڑے ٹکڑے ہونا پسند نہ کیا۔ جب قریش کا رسالہ لشکرگاہ میں پہنچا تو مسلمان فوج میں کھلبلی مچ گئی اور ان میں سے چند آدمی بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تاہم مسلمان اکثریت نے جم کر مقابلہ کیا۔ جب تک آنحضرتؐ زندہ تھے، یہ لوگ شکست قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن قریش کے رسالے کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے جونہی مسلمان پلٹے، عمرہ زمین پر پڑے ہوئے علمِ قریش کی طرف لپکی۔ اس نے جھنڈا اٹھا لیا اور اسے اس امید پر سر سے اوپر لہرانے لگی کہ قریش کی پیادہ فوج اسے دیکھ لیگی۔

اب تک ابوسفیان پیادہ فوج کی اکثریت کو دوبارہ زیرکمان لا چکا تھا۔ اس نے قریش کا

جھنڈا عمرہ کے ہاتھوں میں لہراتا دیکھ لیا، اور وہ اپنی سپاہ کو لڑائی کے لئے واپس لے آیا۔ یہ جان کر کہ مسلمانوں کو عقبی جانب سے رسالے نے گھیر رکھا ہے، قریش "عزیٰ کی جے! ہبل کی جے!"[1] کے نعرے لگاتے ہوئے پھر جنگ میں کود پڑے۔

اب مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ عقب میں قریش کا رسالہ حملہ آور تھا اور سامنے سے قریش کے پیادہ لشکر کی بھاری تعداد حملے کر رہی تھی۔ ابوسفیان نے خود بھی جنگ میں حصّہ لیا اور ایک مسلمان کو شہید کر دیا[1]۔ مسلمانوں کے لئے جلد ہی سراسر مایوس کن صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ گئے، اور ہر ٹولی، رسالے اور پیادہ فوج کے حملوں کو روکنے کے لئے اپنی اپنی مرضی سے جنگ کرنے لگی۔ بدحواسی بڑھ گئی، اور گرد و غبار میں چند مسلمان ایک دوسرے سے بھی جنگ کرنے لگے۔ خوف و ہراس کے کچھ آثار دکھائی دیتے تھے، مگر ابھی سراسیمگی نہیں پھیلی تھی۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بڑھنے لگا، مگر وہ اپنی اپنی جگہ پر جمے رہے۔ آخر دم تک لڑنے کا مصمّم ارادہ کر کے۔ تقریباً اب تک خالد نے اپنے نیزے سے ایک مسلمان ۔ ابوا ثیرہؓ ۔ کو شہید کر دیا تھا، اور دوسرے کو زمین پر گرا دیا تھا، موخر الذکر کو شہید سمجھتے ہوئے خالد آگے بڑھ گیا۔ مگر یہ مسلمان صرف زخمی ہوا تھا، چنانچہ دوبارہ لڑنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اب جنگ دو الگ الگ معرکوں میں بٹ گئی۔ ایک طرف مسلمان فوج کا بڑا حصّہ لشکر قریش کے بڑے حصے سے نبرد آزما تھا، اور دوسری طرف نبی کریمؐ کا جتھا عکرمہ کے کچھ سواروں اور قریش کی پیادہ فوج کے کچھ آدمیوں کا جم کر مقابلہ کر رہا تھا۔ جو آنحضرتؐ پر حملہ کرنے کے لئے لوٹ آئے تھے اب نبی کریمؐ کی ابتلاء کا آغاز ہوا۔ (نقشہ ۲ دیکھئے)



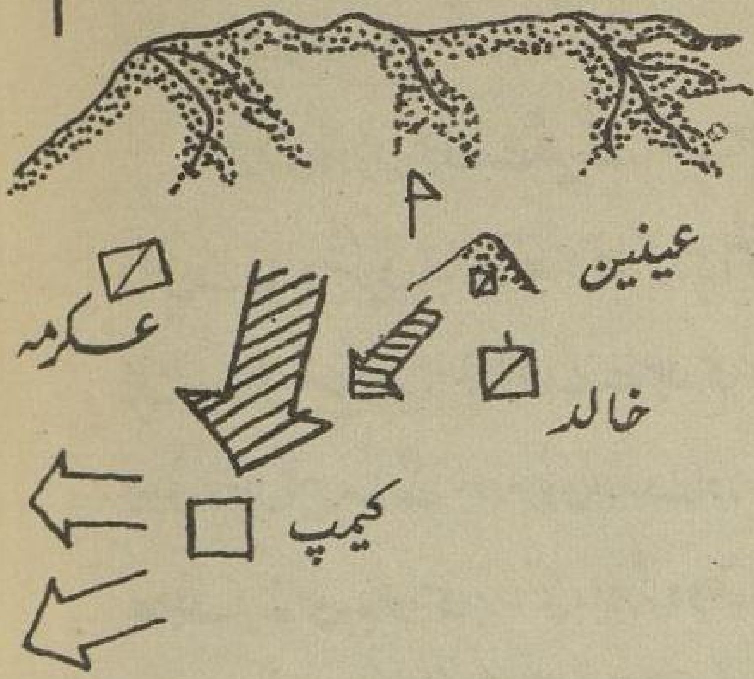
جب مسلمانوں نے قریش کے تعاقب میں اپنی اپنی جگہ چھوڑی تو نبی کریمؐ اپنے معینہ جنگی مقام

---

[1] واقدی: مغازی صہ ۱۸۰۔ ابن سعد: صہ ۵۴۵

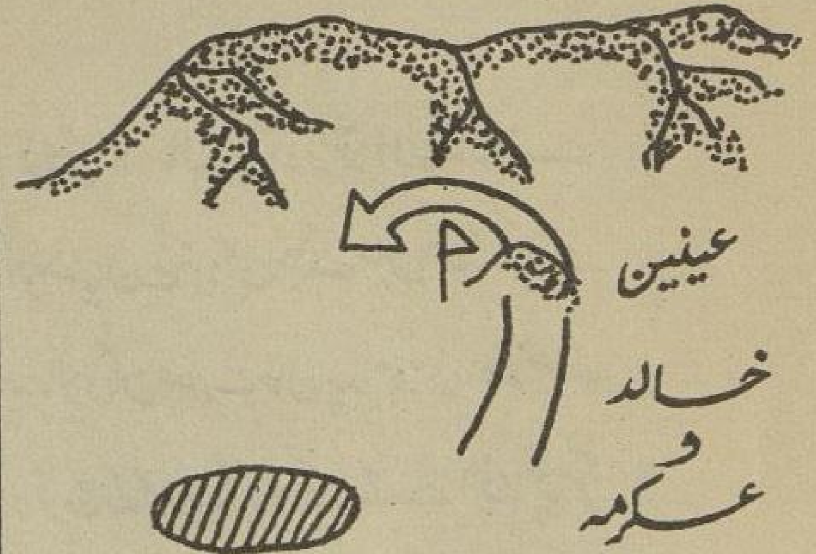
(۱)

جنگ احد (۲)



(۲)

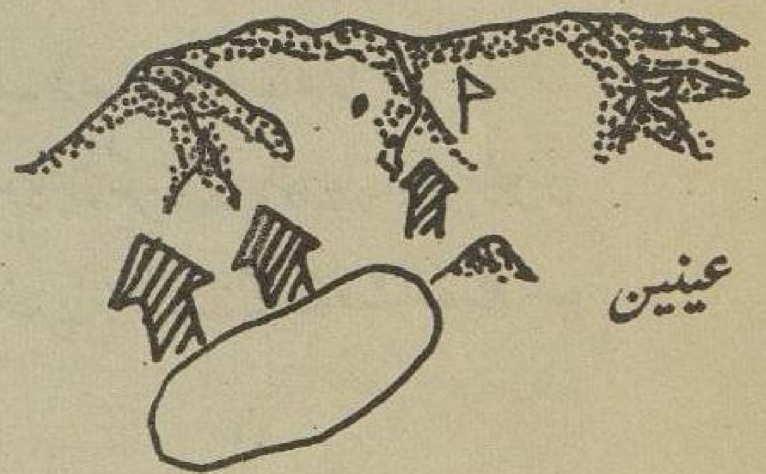
نقشہ نمبر ۲



(۳)



(۴)



پیمائش



ایک انچ = ایک میل

پر ٹھہرے رہے۔ یہاں آپؐ کے ساتھ وہ ۳۰ صحابہ تھے جو لوٹ مار کی طرف راغب نہ ہوئے اور آپ کے ساتھ رہے۔ ان ۳۰ صحابہ میں آپ کے بعض مقرب ترین پیروکار بھی شامل تھے، جو حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، سعد بن ابی وقاص، طلحہؓ بن عبیداللہ، ابوعبیدہؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، ابودجانہؓ اور مصعبؓ بن عمیر پر مشتمل تھے۔ اس گروہ میں دو خواتین بھی موجود تھیں، جو مسلمانوں کے لئے پانی لانے میں مصروف رہی تھیں اور اب آنحضرتؐ کے ساتھ آملی تھیں۔

جونہی خالد نے تیر اندازوں کا مورچہ فتح کیا اور قریش رسالے نے مسلمانوں کے عقب پر حملہ آور ہونے کے لئے رخ موڑنا شروع کیا، آنحضرتؐ کو صورت حال کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔ آپ مسلمان فوج پر قابو پانے اور اس کی کارروائیوں کا رخ متعیّن کرنے کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ بہت دور تھی۔ اور پھر آنحضرتؐ جانتے تھے کہ آپ کے گروہ پر جلد حملہ ہونے والا ہے۔ آنحضرتؐ کا موجودہ مقام انتہائی غیر مستحکم تھا، چنانچہ آپؐ نے پہاڑ کی اس نوک کے عین نیچے ہٹ جانے کا فیصلہ کیا جو آپؐ کی پشت کی سیدھ میں واقع تھی۔ (پہاڑ کی وہ نوک نہیں جس کے نیچے مسلم میمنہ کو متعیّن کیا گیا تھا) اور اس ارادے سے آپؐ نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ لیکن آپؐ نے اپنے ۳۰ صحابہ کی معیت میں تقریباً ایک چوتھائی میل سے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ عکرمہ نے اپنے سواروں کے ساتھ آگے بڑھ کر آپؐ کا راستہ روک لیا۔ نبیؐ کریم نے وہیں کھڑے رہنے اور مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ قریش کی پیادہ فوج کا ایک جتھا بھی آنحضرتؐ پر حملہ کرنے کے لئے پہنچ گیا۔

نبی کریمؐ کے گروہ کو معلوم ہوا کہ ان پر سامنے سے بھی حملے ہو رہے ہیں اور عقب سے بھی۔ مسلمانوں نے آنحضرتؐ کی حفاظت کے لئے آپ کے گرد ایک حلقہ بنا لیا اور جنگ کی شدت رفتہ رفتہ بڑھ گئی۔ خود آنحضرتؐ نے اپنی کمان کو مؤثر طور پر استعمال کیا، اور جب تک وہ ٹوٹ نہ گئی آپ اسے بدستور استعمال کرتے رہے۔ بعد ازاں، آپ نے اپنے تیروں سے سعدؓ کے تیروں کی تعداد

بڑھانے کا کام لیا، جن کے اعلیٰ نشانے نے قریش کو بہت پریشان کیا۔ ہر مسلمان نے تین تین چار چار آدمیوں کی مخالف ٹولی میں آفت مچادی، اور یا تو خود مارا گیا، یا دشمنوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

قریش میں سے عکرمہ سب سے پہلے نبی کریمؐ کے مورچے تک پہنچا۔ جونہی عکرمہ اپنے آدمیوں کا دستہ لے کر آگے بڑھا، رسول کریمؐ نے حضرت علی کی طرف دیکھا اور عکرمہ کے دستے کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا "علی! اُن آدمیوں پر حملہ کرو۔" حضرت علیؓ نے ان پر حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور باقی آدمیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ اب سواروں کا ایک اور دستہ آنحضرتؐ کے قریب آیا۔ آپؐ نے پھر حضرت علیؓ سے کہا "اُن آدمیوں پر حملہ کرو۔"[1] حضرت علیؓ نے حملہ آوروں کو دوبارہ پیچھے دھکیلا اور ان میں سے ایک اور کافر کو قتل کر دیا۔

جب اس طرح لڑائی مزید شدت اختیار کرنے لگی تو قریش نے آنحضرتؐ کے جتھے پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ وہ کچھ فاصلے سے تیر اور پتھر برساتے اور پھر گھوڑوں پر سوار یا پاپیادہ تلواروں کے ساتھ حملہ آور ہوتے۔ نبی کریمؐ کو تیروں سے بچانے کے لئے ابودجانہؓ، جدھر سے بیشتر تیر آتے تھے، قریش کی پیادہ فوج کی طرف پیٹھ کر کے، آنحضرتؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ابودجانہؓ کی پیٹھ میں اتنے تیر چبھ گئے کہ وہ ایک خارپشت کی مانند دکھائی دینے لگے تاہم وہ اپنے ذاتی تیر سعدؓ کی طرف بدستور بڑھاتے رہے۔ طلحہؓ بھی آنحضرتؐ کے پاس کھڑے تھے۔ ایک موقع پر جب ایک تیر تقریباً آنحضرتؐ کے چہرے میں پیوست ہونے لگا تھا، طلحہؓ نے جھٹ سے اپنا ہاتھ آتے ہوئے تیر کی طرف بڑھایا اور اسے روک لیا۔ نتیجتاً طلحہؓ کی ایک انگلی ضائع ہو گئی اور انہوں نے آنحضرتؐ کو بچا لیا۔

خالدؔ اپنے دستے کے ساتھ مسلم سپاہ کے بڑے حصے پر حملے پر حملہ کر رہا تھا اور انھیں شدید

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۱۹۷

نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس دوران میں اس نے اپنے نیزے سے ایک دوسرے آدمی — ثابت بن واحدامہ کو شہید کیا۔ اس جنگ میں خالد نے زیادہ تر نیزے ہی سے کام لیا، وہ دشمن کو آلیتا اور نیزے سے اس کے جسم کو چھید ڈالتا تھا۔ جب وہ کسی آدمی کو نیزہ مار کر نیچے گراتا تو ہر بار چلا کر کہتا "یہ لو! اور میں ہوں — ابو سلیمان!"[1]



جوابی حملوں کا ابتدائی زور کچھ ٹوٹا تو آنحضرتؐ کے علاقے میں بھی کچھ دیر کے لئے حملے رُک گئے، کیونکہ قریش حملوں کا از سرِ نو آغاز کرنے سے پیشتر سُستانے کے لئے قدرے پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اس وقفے کے دوران میں ایک مسلمان نے دیکھا کہ نبی کریمؐ گردن گھما کر اپنے پیچھے ایک نگاہ دوڑا رہے ہیں۔ اُس نے وجہ پوچھی تو آنحضرتؐ نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا "میں اُبیّ بن خلف کا منتظر ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ عقب سے میری طرف آئے۔ اگر تم اس کو آتا دیکھو تو اسے میرے قریب آجانے دینا۔" آپؐ نے بمشکل اتنا ہی کہا تھا کہ ایک آدمی، جو ایک بڑے اور طاقتور گھوڑے پر سوار تھا، عکرمہ کے دستے سے الگ ہوا اور آہستہ آہستہ آنحضرتؐ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے چلا کر کہا "اے محمدؐ! میں آگیا ہوں! اب یا آپ نہیں یا میں نہیں!" یہ بات سن کر بعض صحابہ نے اس آدمی سے نمٹنے کے لئے آنحضرتؐ سے اجازت مانگی، لیکن آپ نے کہا "اس کو نہ چھوڑو"۔[2] صحابہ ایک طرف ہٹ گئے۔ اور اس سوار کو آگے بڑھنے کا راستہ دے دیا۔

جنگ بدر میں عبداللہ بن اُبیّ نامی ایک نوجوان (اسے اس عبداللہ بن اُبیّ نہ سمجھا جائے جو قائد منافقین تھا) مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوا تھا۔ قیدی کا باپ، اُبیّ بن خلف، اپنے بیٹے کو رہا کرانے آیا اور اس نے ۴۰۰۰ درہم بطور فدیہ ادا کئے۔ ایک روز، جبکہ فدیہ ادا کر دیا گیا تھا، اور نوجوان

---

[1] واقدی: مغازی، صفحہ ۱۹۸

[2] واقدی: مغازی صفحہ ۱۹۵-۱۹۶ - ابنِ ہشام: جلد ۲ صفحہ ۸۴

قیدی کو رہائی مل گئی تھی۔ اُبیؔ نے، جو ابھی تک مدینے ہی میں تھا، آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ اس نے کہا تھا "اے محمدؐ! میرے پاس ایک گھوڑا ہے، جسے میں خوب چارا کھلا کر خوب طاقتور بنا رہا ہوں، کیونکہ آئندہ جنگ میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر آؤں گا، اور تمہیں قتل کر دوں گا۔" اس پر آنحضرتؐ نے جواب دیا "نہیں، تم مجھے قتل نہیں کرو گے، بلکہ جب تم اس گھوڑے پر سوار ہو گے تو انشاء اللہ میں تمہیں قتل کروں گا۔"[1] اس شخص نے اپنے بیٹے کے ساتھ گھوڑے پر سوار جاتے ہوئے تحقیر آمیز قہقہے لگائے تھے۔

اور اب اُبیؔ بن خلف اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نبی کریمؐ کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے صحابہ کو راستہ چھوڑتے دیکھا۔ اس نے آنحضرتؐ کو اپنا منتظر پایا اور بادلِ ناخواستہ اس مرد کو داد دی جسے وہ قتل کرنے کے مقصد سے آیا تھا۔ نبی کریمؐ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی۔ آپؐ کے سر پر زنجیری خود تھا جس کے دائیں بائیں لٹکتے ہوئے حصوں نے آپؐ کے رخساروں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ آپؐ کی تلوار میان میں تھی جو چمڑے کی ایک پٹی کے ساتھ لٹک رہی تھی، اور آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ایک برچھا اٹھا رکھا تھا۔ اُبیؔ نے حضرت محمدؐ کے کشادہ، مضبوط شانوں کو بغور دیکھا اور آپ کے چوڑے مضبوط ہاتھوں کا ــــ جن میں اتنا کس بل تھا کہ وہ برچھے کو توڑ کر دو نیم کر سکتے تھے ــــ جائزہ لیا۔ آنحضرتؐ کا جاہ و جلال قابلِ دید تھا۔

کم لوگ جانتے تھے کہ پیغمبرِ اسلامؐ کا اپنے عہد کے سب سے طاقتور مسلمانوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کی جسمانی طاقت اور آپؐ کی برگزیدہ حیثیت کو باہم ملا کر انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ آپؐ کسی بھی شخص کے لئے کتنے زبردست حریف ثابت ہو سکتے تھے۔ لیکن اُبیؔ بے خوف تھا۔ اس نے ابھی ابھی ایک مسلمان کو شہید کیا تھا، اور اس کا حوصلہ بڑھا ہوا تھا۔

نبی کریمؐ بآسانی اپنے ساتھیوں سے کہہ سکتے تھے کہ وہ اُبیؔ کو قتل کر دیں۔ وہ فوراً اس پر ٹوٹ پڑتے اور اس کی تکا بوٹی کر دیتے۔ یا آپؐ حضرت علیؓ کو صرف اتنا سا حکم دے دیتے کہ "اس شخص کو قتل کر دو"

---

[1] ابن سعد: صفحہ ۵۴۹۔ ابنِ ہشام، جلد ۲۔ صفحہ ۸۴

اور اس کا خاتمہ ہو جاتا، کیونکہ جب حضرت علیؓ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے تو پھر اسے کوئی چیز بچا نہیں سکتی تھی۔ لیکن آنحضرتؐ نے صحابہ کو ہٹ کر کھڑا رہنے کا حکم دیا۔ اس دفعہ آپؐ کسی سے بھی مدد نہیں لینا چاہتے تھے۔ یہ ایک ذاتی وقار اور شجاعت کا معاملہ تھا۔ محمدؐ نے ایک بہادر عرب کی حیثیت سے اپنے حریف کا تن تنہا مقابلہ کیا۔ آپؐ للکارنے والے کے مقابلے میں مقررہ مقام پر ثابت قدم رہے۔

جب اُبیؔ آنحضرتؐ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ لی۔ اسے کوئی جلدی نہیں تھی۔ چونکہ اس کو کوئی شبہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ اس کے حملے کا انتظار نہ کریں گے، اس نے اپنی تلوار نکالنے میں کوئی جلدی نہ کی۔ اور پھر خلافِ توقع بہت دیر ہو گئی، کیونکہ نبی کریمؐ نے اپنا برچھا اوپر اُٹھایا اور اُبیؔ کے سینے کے بالائی حصے پر وار کیا۔ اُبیؔ نے جُھک کر وار بچانے کی کوشش تو کی، لیکن اس میں کافی پھرتی نہ دکھا سکا۔ برچھا اس کی ہنسلی کے قریب اس کے داہنے کندھے میں لگا۔ یہ ایک معمولی سا زخم تھا، لیکن اُبیؔ اپنے گھوڑے سے گر پڑا، اور گرتے ہی اس کی پسلی ٹوٹ گئی۔ اس سے پیشتر کہ آنحضرتؐ دوبارہ وار کر سکتے، اُبیؔ اٹھا اور چیختا چلاتا اپنے ساتھیوں کی طرف سرپٹ بھاگا۔ انہوں نے اُسے روک کر پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو اس نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا "بخدا محمدؐ نے مجھے مار ڈالا ہے۔"

قریش نے اس کے زخم کا معائنہ کیا اور پھر اس سے کہا کہ پاگل مت بنو، یہ خفیف سا زخم ہے، جو تھوڑے ہی عرصے میں بھر جائے گا۔ اُبیؔ نے پہلے سے کہیں زیادہ اونچی آواز میں کہا "میں مر جاؤں گا!" جب قریش نے اُبیؔ کو مزید تسلی دینے کی کوشش کی تو اُسے اپنے آپ پر بالکل قابو نہ رہا اور وہ جنون میں چلایا "میں تم سے کہتا ہوں میں مر جاؤں گا! محمدؐ نے کہا تھا کہ وہ مجھے قتل کرے گا۔ اگر محمدؐ نے مجھ پر صرف تھوک دیا ہوتا تو بھی میں مر جاتا!"[1] اُبیؔ اسی طرح دل شکستہ رہا۔

جب قریش مکے کی طرف لوٹے تو اُبیؔ ان کے ہمراہ تھا۔ جس وقت وہ سرف کے مقام پر، جو مکے سے زیادہ دور نہیں، خیمہ زن ہوئے تو وہ بدنصیب مر گیا۔ اس کی موت کا سبب یقیناً

---

[1] ابنِ ہشام: جلد ۲، صفحہ ۸۴

اس زخم کا جسمانی اثر نہیں تھا۔ واللہ اعلم بالصواب!

☆

جب مسلمان سختی سے ڈٹ گئے اور ان کے منتشر ہونے کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے تو رفتہ رفتہ صورت حال اور نازک ہونے لگی۔ ابو سفیان اور خالد دونوں فوری فیصلے کے خواہشمند تھے، کیونکہ جنگ کافی طول پکڑ چکی تھی۔ چنانچہ قریش نے طے کیا کہ حملوں کی شدت میں مزید اضافہ کیا جائے، اور اگر ممکن ہو تو خود آنحضرتؐ پر حملہ کیا جائے، چونکہ آپؐ کی موت سے مزاحمت کا بہت حد تک خاتمہ ہونے کا امکان تھا۔

چنانچہ اب قریش کی پیادہ فوج کا ایک مضبوط دستہ آنحضرتؐ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ مسلمان محافظوں نے مقابلہ جاری رکھا، اور ان میں سے بیشتر شہید ہو گئے۔ قریش کے تین آدمی حلقے کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور آنحضرتؐ کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ آپؐ ان کے پتھروں کی زد میں آ گئے۔ یہ تین آدمی تھے: عتبہ بن ابی وقاص، عبد اللہ بن شہاب اور ابن قمئہ۔ سب نے آنحضرتؐ پر پتھراؤ شروع کر دیا۔

پہلے آدمی (سعدؓ کے بھائی) نے نبی کریمؐ کے چہرے پر چار پتھر مارے اور آپؐ کے دو نچلے دانت توڑ دیئے اور نچلا ہونٹ زخمی کر دیا۔ عبد اللہ نے ایک پتھر مارا، جس سے آپؐ کی پیشانی پر گہرا زخم آیا، جبکہ ابن قمئہ کے ہاتھوں لگنے والے ایک پتھر سے آپؐ کا رخسار کٹ گیا اور خود کی دو کڑیاں اس کی ہڈی میں دھنس گئیں۔

ان ضربوں کی چوٹ سے نبی کریمؐ زمین پر گر گئے، مگر طلحہؓ نے آپؐ کو سہارا دے کر بٹھا دیا۔ اس لمحے ان چند مسلمانوں نے جو آنحضرتؐ کے ساتھ رہ گئے تھے غضبناک ہو کر جوابی حملہ کیا اور قریش کو پیچھے دھکیل دیا۔ سعدؓ نے اپنی کمان پھینک دی، اپنی تلوار کھینچ لی اور اپنے بھائی پر حملہ کر دیا۔ لیکن موخر الذکر بھاگ کر سعد کی دسترس سے نکل گیا اور لشکر قریش کی پناہ میں پہنچ گیا۔ بعد میں سعدؓ

نے بتایا کہ وہ کسی کو اس بیدردی سے قتل کرنے کے کبھی خواہاں نہیں ہوئے جس بے دردی سے وہ اپنے بھائی عتبہ، کو قتل کرنا چاہتے تھے، کیونکہ اس نے نبی کریم کو زخمی کیا تھا۔

اب مختصر سے وقفے کے لئے جنگ پھر بند ہو گئی، جس کے دوران میں نبی کریمؐ نے اپنے چہرے سے خون صاف کیا اور ساتھ ہی آپؐ نے فرمایا "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کے چہرے کو لہولہان کرتی ہے۔ جبکہ وہ انھیں ان کے رب کی طرف بلاتا ہے![1]" ابو عبیدہ نے جو جراحی میں شُد بُد رکھتے تھے، نبی کریمؐ کے رخسار میں دھنسی ہوئی دو کڑیاں کھینچ نکالنے کی کوشش کی۔ بالآخر ان کو اپنے دانتوں سے کام لینا پڑا اور اس عمل میں ان کے دو دانت ضائع ہو گئے۔ بعد میں وہ عربوں میں "الاثرم" یعنی جس کے سامنے والے دانت نہ ہوں، مشہور ہو گئے۔

اس وقفے کے دوران میں نبی کریمؐ کی طاقت بحال ہو گئی اور آپؐ نے زخموں کی نقاہت پر قابو پا لیا۔ ام ایمنؓ نام کی ایک حبشی خاتون، جو آنحضرتؐ کے بچپن میں کچھ عرصے کے لئے آپ کی دایہ رہ چکی تھیں، آپؐ کے نزدیک کھڑی تھیں۔ قریش کے لشکر میں سے حبان بن العرقہ نامی ایک شخص آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا، تیر چلانے کے لئے موزوں فاصلے پر پہنچا، اور اس نے اپنی کمان میں تیر جما کر ام ایمنؓ کو، جو اس کی طرف پیٹھ کئے کھڑی تھیں، ہدف بنایا۔ اس کا تیر ام ایمنؓ کی پشت میں لگا۔ حبان کو یہ منظر بہت مضحکہ انگیز معلوم ہوا۔ وہ قہقہے لگاتا ہوا مڑا اور واپس قریش کی طرف چل دیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر آنحضرت کو بہت غصہ آیا۔ آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر سعدؓ کو دیا۔ "اس آدمی کے مارو![2]" آپؐ نے حکم دیا۔ سعدؓ نے آنحضرتؐ کا تیر اپنی کمان میں جمایا اور احتیاط سے نشانہ باندھ کر اس کافر پر چلایا تو وہ تیر اس کی گردن میں جا لگا۔ اسکے نبی کریمؐ خندہ زن ہوئے!

٭

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۸۰ واقدی: مغازی، صفحہ ۱۹۱

[2] واقدی: مغازی، صفحہ ۱۸۹

اب قریش نے، نبی کریمؐ کے خلاف چاروں طرف سے شدید حملوں کے ساتھ اپنا آخری دھاوا شروع کیا۔ صحابہؓ نے جو گھیرا ڈال رکھا تھا وہ عملاً تمام حصوں پر ہونے والے حملے روک سکتا تھا۔ تاہم ایک مقام پر اس میں رخنہ پڑ گیا، اور ابن قمئہ دوبارہ اندر داخل ہو کر آنحضرتؐ کی طرف لپکا۔ یہ شخص ان آدمیوں میں سے تھا جنھوں نے پچھلے حملے کے دوران آنحضرتؐ پتھراؤ کیا تھا۔ آنحضرتؐ کے قریب مگر قدرے داہنی جانب، مصعبؓ بن عمیر اور اُم عمارہؓ نامی ایک خاتون کھڑے تھے۔ خاتون نے زخمیوں کو پانی بہم پہنچانے کا کام بند کر دیا تھا اور، کسی مقتول کی تلوار اور کمان اٹھا کر، فی الواقع اس تازہ جنگ میں حصہ لے رہی تھیں۔ انہوں نے ایک گھوڑے کو مار گرایا اور ایک کافر کو زخمی کیا۔

ابن قمئہ کو مصعب پر آنحضرتؐ کا دھوکا ہوا اور وہ ان پر ٹوٹ پڑا۔ مصعبؓ ننگی تلوار لئے اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ چنانچہ ان دونوں کا باہمی مقابلہ شروع ہو گیا۔ دونوں طرف سے چند ضربوں کے بعد، ابن قمئہ نے مصعبؓ بن عمیر پر ایک بھرپور وار کیا اور انہیں کاری ضرب لگا کر شہید کر دیا۔

جونہی مصعبؓ گرے، اُم عمارہؓ نے لپک کر ابن قمئہ پر حملہ کیا اور اپنی تلوار سے اس کے کندھے پر ضرب لگائی۔ ابن قمئہ نے زرہ پہن رکھی تھی، اور چونکہ اسے لگنے والے وار میں قوت کی کمی تھی، اس لئے اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔ جواب میں ابن قمئہ نے اپنی حریف کے کندھے پر تلوار کا وار کیا، جو اپنی عجلت کے باعث ان کو ہلاک نہ کر سکا۔ مگر اس نے ام عمارہؓ کے کندھے میں گہرا زخم لگا دیا، جس کی وجہ سے وہ گر گئیں اور کچھ دیر تک اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں۔

جونہی ام عمارہؓ گریں، اس کافر نے آنحضرتؐ کو اپنے قریب کھڑے دیکھا اور جھٹ سے آپؐ پر حملہ کر دیا۔ اس نے اپنی تلوار بلند کی اور آنحضرتؐ کے سر پر ایک خونخوار وار کیا۔ اس کی تلوار نے نبی کریمؐ کے زنجیری خود کی چند کڑیاں کاٹ ڈالیں، لیکن پھر خود سے اچٹ کر آپؐ کے داہنی

کندھے پر آ لگی۔ وار اس قدر شدید اور زور دار تھا کہ آپؐ ایک چھوٹی خندق میں، جو عین آپؐ کے پیچھے تھی، گر گئے۔ بعد ازاں آپؐ کو یہاں سے حضرت علیؓ اور طلحہؓ نے اٹھالیا۔

نبی کریمؐ کو گرتے دیکھ کر، ابنِ قمئہ پلٹا اور لپک کر قریش کے پاس، انتہائی بلند آواز میں چلاتا ہوا آیا: "میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے! میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے!"[1] یہ آواز پورے میدانِ جنگ میں گونج اٹھی اور قریش اور مسلمانوں کو یکساں سنائی دی۔ اس نعرے نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کر دیا، اور ان میں سے بیشتر پلٹ کر اُحد کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ تاہم، چند مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ اگر رسولِ خدا شہید ہو گئے ہیں تو پھر ان کا زندہ رہنا بے سود ہے۔ وہ قریش کے رسالے پر یہ ٹھان کے ٹوٹ پڑے کہ اپنی جانوں کا مہنگا سے مہنگا سودا چکائیں گے۔ لیکن خالد اور عکرمہ نے چشم زدن میں انھیں کاٹ گرایا۔ یہاں خالد نے تیسرے آدمی ـــ رفاعہؓ بن وقش ـــ کو شہید کیا۔

جب مسلمانوں کی بیشتر فوج پہاڑیوں کی طرف بھاگ گئی تو قریش شہداء کو لوٹنے کے لئے مڑے اور آنحضرتؐ کے محافظ مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کے نزدیک قریش کا کوئی آدمی نہیں رہا۔ لوٹ مار کی ترغیب قریش کے لئے اتنی ہی شدید ثابت ہوئی جتنی کہ تھوڑی دیر پہلے مسلمانوں کے لئے۔ آنحضرتؐ جو اپنے جتھے کے زندہ بچ جانے والے صحابہ کے حلقے میں تھے، وادی کی تنگ گھاٹی کی جانب ہٹے۔ آپؐ کو ہٹتے دیکھ کر قریش کے کچھ آدمیوں نے آپ کا تعاقب کیا، لیکن آنحضرتؐ کے ساتھیوں نے انھیں مار بھگایا اور ان میں سے چند کو قتل کر دیا۔ خالد نے نبی کریمؐ کے جتھے کی درّے کی جانب نقل و حرکت دیکھی، لیکن اس نے مزاحم ہونے کی کوئی کوشش نہ کی، کیونکہ وہ مسلمانوں کی پیدل فوج کے مرکزی حصے کا تعاقب کرنے میں مصروف تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو درّے تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی، اور آپؐ کی ٹولی پہاڑی ڈھلان پر چڑھ کر اس مقام تک پہنچ گئی، جہاں درّے کے مشرقی کنارے پر، تقریباً ۸ فٹ اونچی ایک چٹانی رکاوٹ تھی۔ یہاں نبی کریمؐ، اپنے سامنے

---

[1] ابنِ ہشام: جلد ۳، صفحہ ۷۸

پھیلے ہوئے دل شکن منظر کا جائزہ لینے کے لئے اس چٹان کے ایک شگاف میں رُک گئے (اس آخری صورتِ حال کے لئے نقشہ ۲ دیکھئے۔)

اس گروہ کے ۳۰ صحابہ میں سے، جو گزشتہ معرکوں کے دوران آنحضرتؐ کے اردگرد لڑے تھے، صرف ۱۴ آدمی زندہ بچ رہے تھے۔ اور ان میں سے بھی بیشتر زخمی تھے۔ ۱۶ صحابی شہید ہو چکے تھے۔ رسولِ خداؐ کی مدافعت اور اللہ کی راہ میں۔

اس طرح مسلمان میدانِ جنگ سے دستبردار ہو گئے۔ بعض سراسیمگی کے عالم میں بہت دور بھاگ گئے، بعض واپس مدینے چلے گئے اور کچھ دو روز تک آنحضرتؐ کے پاس واپس نہ پہنچ سکے۔ لیکن جو آدمی پہاڑیوں میں پناہ لینا چاہتے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں نقل و حرکت کرنے لگے اور تمام راستے قریش کے رسالے سے مقابلہ کر کے اُحد پہاڑ کی بنیاد تک پہنچ گئے۔ یہاں سے تتر بتر ہو کر کچھ آدمیوں نے پاس کی پہاڑیوں میں پناہ لی، کچھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور باقی ماندہ پہاڑ کی اندرونی پگڈنڈیوں میں چھپ گئے۔ ان میں سے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ وہ آئندہ کیا کرے۔ میدانِ جنگ پورے کا پورا قریش کے قبضے میں تھا۔

درّے میں پہنچ کر نبی کریمؐ کو اپنے زخموں کی طرف توجہ دینے کی کچھ مہلت ملی۔ یہاں آنحضرتؐ کی بیٹی، حضرت فاطمہؓ، آپ کے ساتھ آملیں۔ حضرت علیؓ ایک نزدیک کے تالاب سے اپنی سپر میں پانی بھر لائے۔ اور حضرت فاطمہؓ نے جب اپنے باپ کے چہرے سے خون دھویا اور آپؐ کی مرہم پٹی کی تو دھیمی آواز میں روتی رہیں۔ اس دشوار گزار درّے کی پناہ میں، جہاں قریش زوردار حملہ نہیں کر سکتے تھے، رسولِ کریمؐ کے تھکے ماندے جسم کو آرام ملا۔

اُحد کے پہاڑ پر پناہ لینے والے مسلمانوں میں سے بعض، جنھیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ کہاں جائیں یا کیا کریں، بے مقصد اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی، جس کا نام کعبؓ بن مالک تھا، یونہی پھرتا ہوا اس درّے کی طرف آنکلا۔ اس نے آنحضرتؐ کو دیکھا اور آپؐ کو پہچان لیا۔

یہ شخص بڑی زبردست آواز کا مالک تھا۔ اس نے ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر، اور اس طرف کو رُخ کر کے جہاں اس کے خیال میں بیشتر مسلمانوں نے پناہ لے رکھی تھی، بآوازِ بلند کہا "مسلمانو! خوش ہو جاؤ۔ رسولِ خدا یہاں ہیں!"[۱] جب اس نے نعرہ لگایا تو اپنے ہاتھ سے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ کیا۔ اس آواز سے جو قریش کو سنائی نہیں دی تھی، مسلمانوں کی بہت سی ٹولیاں، پہاڑیوں سے ہٹ آئیں اور آنحضرتؐ کے ساتھ آملیں۔ ان لوگوں میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، جو نبی کریمؐ کو دوبارہ دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے۔

اس اثناء میں ابوسفیان آنحضرتؐ کی لاش ڈھونڈھ رہا تھا۔ وہ پورے میدانِ جنگ میں گھوما، اور اس اُمید میں ایک ایک مردے کے چہرے کو بغور دیکھا کہ اُسے اپنے دشمن کی صورت دکھائی دے۔ وہ تھوڑے وقفے کے بعد اپنے ساتھیوں سے پوچھتا "محمدؐ کہاں ہیں؟" وہ جب اس طرح سرگرداں تھا، تو اس کا خالد سے آمنا سامنا ہوا، اور اس نے یہی بات خالد سے پوچھی۔ خالد نے اسے بتایا کہ اس نے آنحضرتؐ کو، جو اپنے صحابہ کے حلقے میں تھے، درّے کی جانب ہٹتے دیکھا تھا۔ خالد نے ابوسفیان کو اشارے سے چٹانی نوک دکھائی، اور ابوسفیان نے اُس سے کہا کہ وہ اپنے سواروں سمیت اس مورچہ پر حملہ کرے۔

خالد نے پہاڑ کی اس نوک تک جانے والی سنگلاخ وادی کی طرف دیکھا، اور پھر نوک کی گہری ڈھلان کو دیکھا۔ اسے مؤثر جنگی نقل و حرکت مشکوک نظر آتی تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کے خطے میں رسالہ کارگر ثابت نہیں ہو سکے گا۔ تاہم اسے توقع تھی کہ ممکن ہے کوئی مناسب موقع نکل ہی آئے، جس طرح کہ قریش کی ابتدائی شکست کے وقت نکل آیا تھا۔ خالد کی طبیعت میں ایک ناقابلِ تسخیر رجائیت پسندی تھی۔ اس نے اپنے دستے کو پہاڑی نوک کی طرف بڑھانا شروع کر دیا۔

---

[۱] طبری: جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ واقدی: مغازی، صفحہ ۱۸۵

نبی کریمؐ نے اس کی نقل وحرکت دیکھی اور دعا کی: "یا اللہ ان کو یہاں نہ آنے دے!"[1]
اس پر حضرت عمرؓ مسلمانوں کا ایک جتھا لے کر قریش کے رسالے کا مقابلہ کرنے کے لئے ڈھلان کی بلندی سے قدرے نیچے اُتر آئے۔ جب خالد اپنے دستے کے ساتھ قریب پہنچا اور دیکھا کہ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی ایک بلند تر سطح پر اس کے منتظر کھڑے ہیں تو اس کو احساس ہوا کہ صورت حال واقعی مایوس کن ہے ۔ نہ صرف یہ کہ دشمن ایک اونچے مقام پر تھا، بلکہ یہ بھی کہ اس کٹھن محل وقوع میں خود اس کے لئے کامیاب حرکت کا امکان نہ تھا۔ وہ پیچھے پلٹ آیا جنگِ اُحد میں یہ آخری جنگی کارروائی تھی۔

☙

اب ابوسفیان اور خالد نے، بہت سے دیگر افراد کے جمگھٹ میں، ایک ایسا منظر دیکھا جو ان کے ذہن سے کبھی دور نہ ہوا، اور جسے انہوں نے بالکل پسند نہیں کیا۔ میدانِ جنگ میں جہاں مسلمان شہدا پڑے تھے، ہند اور دوسری قریش عورتیں گھس آئی تھیں۔ ہند نے حمزہ کی لاش دیکھی، اور وہ خنجر لے کر اس پر جھپٹ پڑی۔ ہند ایک بڑے قد کاٹھ کی بھاری بھرکم عورت تھی اور اسے نعش کے اعضا کاٹنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اس نے حمزہ کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا اور اس کا ایک بڑا سا ٹکڑا کاٹ کر چبانا شروع کیا۔ لیکن اس سے نہ چباتے بن پڑی اور نہ نگلتے۔ اور اس نے مجبوراً اس کو تھوک دیا۔ پھر اس نے حمزہ کے ناک اور کان کاٹ لئے، اور اپنی ساتھی عورتوں کے ہاتھوں بہت سی دوسری لاشوں کا یہی حشر کرایا۔
وحشی اب ہند کے پاس آیا۔ ہند نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور اپنے تمام زیور اتار کر اسے دیدیئے۔ "اور ہم جب واپس مکے جائیں گے" ہند نے کہا "میں تمہیں ۱۰ دینار دونگی۔"[2] اپنے زیورات

---

[1] ابنِ ہشام: جلد ۲ صفحہ ۸۶

[2] واقدی: مغازی، صفحہ ۲۲۲

دے چکنے کے بعد، اس نے شہداء کے کٹے ہوئے کانوں اور ان کی بریدہ ناکوں سے ہار اور پازیب بنائے اور یہ بھیانک گہنے پہن لئے! اس کام سے فارغ ہونے کے بعد یہ عجیب عورت نغمہ سرا ہوئی:

ہم نے روزِ بدر کا حساب چکا دیا ہے۔
ایک خوں ریز جنگ کے بدلے ایسی ہی جنگ سے
میں عتبہ کا غم برداشت نہ کر سکی،
اور اسی طرح اپنے چچا، اپنے بھائی، اپنے بیٹے کا غم بھی۔
اب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا،
میری قسم پوری ہو گئی،
اور وحشی نے میرے دل کا درد دور کر دیا،
میں ہمیشہ وحشی کی ممنون رہوں گی،
جب تک کہ میری ہڈیاں قبر میں خاک نہیں ہو جاتیں۔[۵]

اس بھیانک ڈرامے کے اختتام کے بعد، ابوسفیان جلد ہی وادی کے بالائی حصے کی جانب روانہ ہو گیا۔ اسے ابھی تک امید تھی کہ شاید آنحضرتؐ فوت ہو چکے ہیں اور خالد کو دھوکہ ہوا ہے۔ وہ آنحضرتؐ کے مورچے سے کچھ دور ایک اونچی چٹان پر چڑھ گیا اور بلند آواز میں پوچھا "کیا محمدؐ تمہارے درمیان میں موجود ہیں" نبی کریمؐ نے صحابہ کو خاموش رہنے کا اشارا کیا۔ ابوسفیان نے یہ سوال دوبارہ دہرایا، لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔

اس کے بعد، ابوسفیان نے تین بار پوچھا "کیا ابوبکر تمہارے درمیان موجود ہیں؟" اور پھر اس نے تین بار پوچھا "کیا عمر تمہارے درمیان موجود ہیں"؟ مسلمانوں کی طرف سے اُسے سوائے خاموشی کے کچھ نہ ملا۔

---

[۵] ابنِ ہشام: جلد ۲ صفحہ ۹۱

ابوسفیان اب قریش کی طرف متوجہ ہوا، جو اس سے زیادہ دور نہیں تھے، اور چلّا کر بولا "یہ تینوں مر چکے ہیں. آئندہ یہ تمہیں پریشان نہیں کریں گے"۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے گرج کر ابوسفیان سے کہا "تو جھوٹ بکتا ہے، او دشمن خدا! جن جن کا تو نے نام لیا ہے وہ زندہ ہیں، اور تجھے کڑی سزا دینے کے لئے ہمارے ساتھی کافی تعداد میں موجود ہیں"۔

ابوسفیان نے جواب میں ایک بلند اور گستاخ قہقہہ لگایا. وہ جانتا تھا کہ اس لمحے مسلمان ہرگز اس حال میں نہیں تھے کہ وہ کسی کو سزا دے سکتے. تاہم. اس نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کیا.

"اللہ تمہارا نگہبان ہو، اے ابن الخطاب! کیا واقعی محمدؐ زندہ ہیں؟"

"اللہ کی قسم، زندہ ہیں. اور تمہاری گفتگو سن رہے ہیں"۔

"تم ابن قمئہ کی بہ نسبت زیادہ سچے ہو" ابوسفیان نے جواب دیا.

اس کے بعد ابوسفیان اور نبی کریمؐ کے درمیان ایک آخری مکالمہ ہوا. آنحضرتؐ نے اپنے دشمن سے براہ راست گفتگو نہ کی، بلکہ آپ کو جو کچھ کہنا ہوتا وہ آپ حضرت عمرؓ کو بتا دیتے اور عمرؓ پلٹ کر بآواز بلند ابوسفیان کو جواب دیدیتے۔

ابوسفیان: ہبل عظیم ہے، عزیٰ عظیم ہے![1]

نبی کریمؐ: اللہ عظیم ہے، جس کا رتبہ سب سے اونچا اور جس کی طاقت سب سے زیادہ ہے۔

ابوسفیان: ہمارے پاس عزیٰ اور ہبل ہیں. تمہارے پاس کوئی ہبل اور کوئی عزیٰ نہیں ہے۔

نبی کریمؐ: اللہ ہمارا رب ہے. تمہارا کوئی رب نہیں ہے۔

---

[1] ہبل اور عزیٰ — عرب کے مندر کا دیوتا اور دیوی

ابوسفیان: فیصلہ ہو چکا ہے۔ تمہاری فتحِ بدر کے مقابلے میں آج ہماری فتح تھی۔ جنگ کا انجام ہمیشہ ایک سا نہیں ہوتا۔ آئندہ سال بدر کے مقام پر ہمارے تمہارے درمیان پھر مقابلہ ہوگا۔

نبی کریمؐ: ہم بدر کے مقام پر ملیں گے، وعدہ رہا۔

ابوسفیان: تمہیں اپنے مُردوں کے درمیان کچھ ایسی لاشیں ملیں گی جنہیں مسخ کیا گیا ہے۔ ایسا نہ تو میرے حکم سے ہوا ہے اور نہ ہی میں نے اسے پسند کیا ہے۔ اس کے لئے مجھے موردِ الزام نہ ٹھہرانا۔[1]

یہ کہہ کر، ابوسفیان واپس مڑا اور اپنی فوج کی طرف چل دیا۔

قریش میدانِ جنگ سے نکلے اور اپنے ایک روز پیشتر کے پڑاؤ میں جمع ہوئے۔ جب وہ روانہ ہوئے تو نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کو مخبر بنا کر یہ جائزہ لینے کے لئے بھیجا کہ قریش کس طرح سوار ہو رہے ہیں ــــ اونٹوں پر یا گھوڑوں پر۔ حضرت علیؓ نے واپس آکر آنحضرتؐ کو بتایا کہ قریش اونٹوں پر سوار ہو رہے تھے اور ان کے گھوڑے پیچھے پیچھے تھے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا "اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا واپس مکے جانے کا ارادہ ہے، اور وہ مدینے پر حملہ نہیں کریں گے۔ اگر ان کی مدینے پر حملا کرنے کی نیت ہوتی تو وہ جنگ کے لئے گھوڑوں پر سوار ہوتے۔ اور اس صورت میں، قسم ہے مجھے اپنے رب کی، میں ان سے لڑنے اسی لمحے چل دیا ہوتا۔"[2]

قریش نے رات حمراء الاسد میں، مدینے سے ۱۰ میل دور، بسر کی۔[3] مسلمان سوائے اپنی جماعت سے بچھڑ جانے والے چند آدمیوں کے واپس مدینے آگئے۔ باقی دوسرے، تیسرے

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۹۳-۹۴ - واقدی: مغازی صفحہ ۲۲۹-۲۳۰ - ابنِ سعد: صفحہ ۵۵۱

[2] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۹۴

[3] یہ مقام موجودہ بئرعلی کے قریب، مکّے جانے والی بڑی سڑک کے کنارے، واقع تھا۔

روز واپس پہنچے۔



اگلی صبح نبی کریمؐ بیدار ہوئے اور اپنی زرہ پہنی۔ جو کچھ جنگ میں آپ پر گزری، اس کے آثار آپ کے چہرے پر نمایاں تھے۔ آپ کا رخسار، آپ کی پیشانی اور آپ کا ہونٹ، جو بری طرح کٹ گیا تھا، ابھی تک سوجے ہوئے تھے۔ آپ کے دو دانتوں کا ٹوٹ جانا آپ کے لئے اذیت کا باعث بنا، اور آپ کا دایاں کندھا، جس پر ابن قمئہ کی تلوار اچٹ کر پڑی تھی، شدت سے دکھنے لگا۔ اس کندھے نے آپ کو پورے ایک ماہ تک تکلیف میں مبتلا رکھا۔

نبی کریمؐ نے اپنے موذن بلالؓ کو بلایا اور فرمایا کہ وہ مومنوں کو جنگ کے لئے بلائیں۔ اس صبح کی تقریب میں شریک ہونے کی صرف انہی لوگوں کو اجازت تھی جو پچھلے روز کی جنگ میں شامل تھے۔ بلالؓ کی گرج دار آواز مدینے کی گلیوں میں گونج اٹھی اور اس آواز نے ہر مسلمان کے گھر تک آنحضرتؐ کا پیغام پہنچا دیا۔

جب مسلمانوں نے جنگ کے لئے جمع ہونے کے احکامات نبوی سُنے تو وہ اپنی اپنی چٹائیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں اکثریت زخمیوں کی تھی، جن میں سے بعض کو نسبتاً شدید زخم آئے تھے۔ وہ درد اور اذیت کے مارے رات بھر سو نہیں سکے تھے۔ عورتیں تمام رات ان سپاہیوں کی تیمارداری کرنے، ان کے زخم دھونے اور ان کی مرہم پٹی کرنے میں مصروف رہی تھیں۔ اُن لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی جنھیں جنگ کے قابل کہا جا سکتا۔ تاہم مسلمان اپنی اپنی چٹائیوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ درد سے کراہنے یا بلبلانے کی ایک بھی آواز نہیں آئی۔ بعض لنگڑا کر چلنے لگے، بعضوں نے عجلت میں تیار کی جانے والی عارضی بیساکھیوں سے کام لیا، اور بعض اپنے احباب کا سہارا لینے کے لئے ان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگے۔ وہ لنگڑاتے اور لڑکھڑاتے ہوئے، نبی کریمؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو پرجوش آواز میں کہا "لبیک یا رسول اللہؐ!"

اور یہ تھکے ماندے، زخمی مسلمان، اپنے تھکے ماندے اور زخمی رسولؐ کی قیادت میں، کفّار سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہو پڑے۔ ان کی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی۔

جب مسلمان جنگ کے لئے جمع ہو رہے تھے تو قریش کے پڑاؤ میں اندھا دھند بحث جاری تھی۔ عکرمہ، جو گزشتہ دن کی بہ نسبت کچھ کم آمادۂ پیکار نہیں تھا، اس دلیل کی بنا پر پلٹ کر جنگ کرنے پر مُصر تھا کہ لڑائی کے نتیجے میں مسلمان بے حال ہیں، اور اس سے قبل کہ وہ اس دھچکے سے دوبارہ سنبھلنے پائیں، ان پر حملہ کر کے انھیں بالکل ملیامیٹ کر دیا جائے۔

"اتنا ہی کافی ہے" صفوانؔ بن اُمیّہ نے جواب دیا۔ "ہم نے جنگ جیت لی ہے، اور ہمیں اس فتح پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ اگر مسلمان بے حال ہیں تو ہماری حالت بھی کچھ اتنی اچھی نہیں ہے۔ ہمارے بہت سے گھوڑے اور متعدد آدمی زخمی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اگلے حملے میں، اگر اس میں ہم اپنی موجودہ جمعیّت کے ساتھ حصّہ لیں، تو ہم اتنے خوش قسمت ثابت نہ ہوں جتنے کل تھے"۔[1]

اب تک قریش کے سردار ۳۰۰ بھگوڑے منافقین کے بارے میں بھی سُن چکے تھے۔ انھیں یہ خدشہ پریشان کر رہا تھا کہ ان ۳۰۰ آدمیوں کا پشیمان ہو کر دوبارہ آنحضرتؐ سے آملنے کا بھی امکان تھا۔ اور اس صورت میں مسلمانوں کی تعداد میں تازہ دم سپاہ کا اضافہ ہو جاتا۔ جب یہ بحث جاری تھی تو قریش کے سپاہیوں کو دو مسلمان مخبروں کا، جنھیں آنحضرتؐ نے قریش کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا، علم ہو گیا اور اُنھوں نے مخبروں کو گرفتار کر لیا۔ اُنہیں فوراً قتل کر دیا گیا' لیکن ان کی موجودگی نے صفوانؔ اور ابوسفیانؔ کے ان خدشات کی تصدیق کر دی کہ مسلمان جارحیت کی طرف مائل اور جنگ کے متمنّی ہیں۔ ابوسفیانؔ نے اسی وقت مکّے کی طرف کوچ کرنے کے احکام دیئے اور لشکرِ قریش روانہ ہو گیا۔

سہ پہر کو مسلمان حمراء الاسد پہنچے تو انھیں یہ مقام ویران نظر آیا۔ انھوں نے وہاں خیمے گاڑ دیئے،

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۱۰۴۔ واقدی: مغازی، صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ و صفحہ ۲۶۳

اور اس مقام پر چار راتیں گزارنے کے بعد، مسلمان مدینے لوٹ آئے۔

معرکۂ احد ختم ہو چکا تھا۔ اس جنگ میں کل ۷۰ مسلمان شہید ہوئے تھے۔ ابوسفیان کے ہاتھوں ایک مسلمان شہید ہوا تھا۔ صفوان بن امیہ، خالد اور عکرمہ میں سے ہر ایک نے تین تین مسلمان شہید کئے تھے۔ قریش کی طرف سے ۲۲ کفار مارے گئے تھے، جن میں سے چھ آدمیوں کو حضرت علیؓ نے اور تین کو حمزہؓ نے قتل کیا تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست تو ہوئی، لیکن فیصلہ کن شکست نہیں۔

٭

اسلام کی تاریخ میں یہ دوسری بڑی جنگ تھی۔ یہ پہلی لڑائی تھی جس میں ابوسفیان نے مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر کی قیادت کی تھی، اور یہ خالد کی زندگی کی پہلی جنگ تھی۔ نبی کریمؐ یہ جنگ ہار گئے، اور اس شکست کی ذمہ داری بجا طور پر ان کے ضعیف الاعتقاد تیر اندازوں کے سر آتی ہے جنہوں نے آنحضرتؐ اور اپنے سپہ سالار کی حکم عدولی کی۔ درحقیقت، اپنا مورچہ چھوڑتے وقت یہ تیر انداز وقتی طور پر مسلمان نہ رہے بلکہ لوٹ مار کرنے والے قبائلی عرب بن گئے۔

بہت سے مصنفین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس دور کے عرب باقاعدہ نوعیت کی جنگ سے ناواقف تھے، فوجی نقطۂ نگاہ سے ان کی حیثیت چھاپہ ماروں سے زیادہ نہیں تھی، اور یہ کہ باضابطہ جنگوں کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ ان میں اکثر مصنفین کا یہ خیال بھی ہے کہ عربوں نے فنِ جنگ رومیوں اور ایرانیوں سے سیکھا، جن کے ساتھ انھیں آنحضرتؐ کی وفات کے بعد واسطہ پڑا۔

یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ نبی کریمؐ نے جس انداز سے فوج کی تقسیم و ترتیب کی، اور آپ کی صف بندی کی تہ میں جو ٹھوس فوجی وجوہات تھیں، ان کی ہم پہلے ہی وضاحت کر چکے ہیں۔ یہ امر بھی مدِنظر رہنا چاہیئے کہ آنحضرتؐ نے میدانِ جنگ کا انتخاب کرتے وقت مدینے کو قریش کے حملے کے لئے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ مدینہ مسلمانوں کا مرکزی پڑاؤ تھا، لیکن اس مرکزی پڑاؤ کو جانے والا

راستہ، جو مسلمانوں کے مقامِ جنگ کے جنوب سے گزرتا تھا، ابوسفیان کے لئے کھلا تھا۔ اگر ابوسفیان نے مدینے کی جانب بڑھنے کا فیصلہ کیا ہوتا تو مسلمان اس کے راستے میں نہیں تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے اس فیصلے میں صحیح اندازہ لگایا تھا کہ ابوسفیان مدینے کا رُخ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اپنے لشکر کے بازو اور اس کا عقب مسلمانوں کے حملے کی زد میں دیدیگا۔ اور فی الواقعہ ایسا ہی ہوا۔ ابوسفیان نے مسلمانوں کے ڈر سے، جو مدینے جانے والے راستے کے قریب ہی کھڑے تھے، مدینے کا رُخ نہ کیا۔ یہ ایک ایسی مستند مثال ہے جو دنیا کی عسکری تاریخ میں بار بار دوہرائی گئی ہے۔ اپنے مرکزی پڑاؤ کی مدافعت اس کے اندر محاذِ جنگ قائم کرکے نہیں ہوتی بلکہ باہر سے اس کی جانب ہونے والی ہر معاندانہ نقل و حرکت سے ٹکر لینے سے ہوتی ہے۔

اگرچہ ابوسفیان ایسے حالات کے تحت جنگ کرنے پر مجبور تھا جو اس کے لئے سازگار نہیں تھے، تاہم اس کے لشکر کی تقسیم و ترتیب میں کوئی نقص نہیں تھا۔ یہ ترتیب رومیوں اور ایرانیوں میں رائج اس معیاری نمونے کو مدِنظر رکھ کر کی گئی تھی جس کے مطابق پیدل فوج پر مشتمل بڑے حصے کو قلب میں رکھا جاتا تھا اور تیز رفتار گھڑسوار دستوں کو، دشمن کے میمنہ و میسرہ اور عقب کے خلاف تیز نقل و حرکت کے لئے دائیں بائیں متعین کیا جاتا تھا۔ جہاں تک میدانِ جنگ کے انتخاب اور فوجوں کی تقسیم و ترتیب کا تعلق ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان فوجوں کی قیادت کسی رومی یا ایرانی سپہ سالار کے ہاتھ میں ہوتی تو وہ کس طرح ان فوجوں کی صف بندی نبی کریمؐ اور ابوسفیان کے انداز سے ہٹ کر کسی اور ڈھب سے کر پاتا۔ درحقیقت کسی نقّاد نے کوئی بہتر حل پیش نہیں کیا ہے۔

ایک اور اہم امر جو اس جنگ سے واضح ہوتا ہے، خالدؔ کی عسکری بصیرت اور مہارت ہے۔ جب قریش کی بیشتر فوج بھاگ گئی تو لشکر کے نسبتاً چھوٹے حصے ۔ رسالے کے دستے۔ میدانِ جنگ میں جم کر کھڑے رہے۔ عموماً جب لشکر کا مرکزی حصّہ بھاگتا ہے تو اُس کے

ذیلی حصے پیچھے نہیں رہتے۔ اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ خالدؔ (اور عکرمہ) نے میدانِ جنگ میں اپنے دستوں کو پوری طرح قابو میں رکھ کر غیر معمولی جرأت کا مظاہرہ کیا، حالانکہ ایسا کرنے میں بظاہر کسی فائدے کا امکان نہیں تھا۔ ہم پر خالدؔ کا تحمّل اور شکست قبول کرنے سے انکار بھی واضح ہو جاتا ہے۔ محض خالدؔ کی عقابی نگاہ تھی جس نے وہ رخنہ فوراً دیکھ لیا جو مسلمان تیر اندازوں نے اپنا مورچہ چھوڑ کر پیدا کیا، اور اس نے ایک ایسے فوری حملے کے امکان کا جائزہ لیا جس سے وہ مسلمانوں کے غیر محفوظ عقب تک پہنچ سکتا تھا۔ خالدؔ نے اس صورت حال کو چشم زدن میں بھانپ لیا۔ اس نے اس رخنے کو دیکھتے ہی ایک بھرپور جوابی حملے کا فوراً فیصلہ کیا۔ خالدؔ کی اس شاطرانہ جنگی چال نے مسلمانوں کی تقریباً مکمل فتح کو تقریباً مکمل شکست میں تبدیل کر دیا۔ ہم اس سنگین دباؤ میں، جو خالدؔ نے اولوالعزم مسلمانوں کے خلاف ان کے قدم اکھڑنے تک برقرار رکھا، اس کا عزم اور ہٹیلاپن بھی دیکھتے ہیں۔ اس کا تین آدمیوں کو شہید کرنا، اس کی شخصی جرأت اور جنگی مہارت کی دلیل ہے۔ خالدؔ میں جہاں جوانی کی بیباکی و سرگرمی تھی وہاں پختگی، بردباری اور معاملہ فہمی بھی تھی۔

یہ اسلام کی پہلی جنگ تھی جس میں ایک اعلیٰ جنگی ترکیب پر عمل کیا گیا۔ اس کے بعد سے اسلامی جنگوں میں حربی ترکیبوں اور چالوں کو اور بھی امتیاز حاصل کرنا تھا۔ جن ناموں کا اس باب میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعضوں نے آگے چل کر کامیاب جنگجوؤں اور فاتحین ممالک کی حیثیت سے غیر فانی شہرت حاصل کی ۔ ۔ ۔ ۔ خالدؓ، عمرو بن العاصؓ، ابو عبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ۔

۴

جنگ خندق

مکّے واپس آنے کے بعد کئی روز تک جنگِ اُحد خالد کے ذہن پر چھائی رہی۔ اُس نے اس امر کا بار بار تصور کیا کہ جب مسلمان تیر اندازوں نے اپنا مورچہ چھوڑا تھا تو کس طرح ایک عمدہ موقع پیدا ہوا تھا، اور اس نے ایک جنگی چال کے ممکنات کو صحیح طور پر کس سرعت کے ساتھ بھانپ لیا تھا۔ خالد کو اپنی ارتقاء پذیر فوجی زندگی کی آئندہ جنگوں میں اس قسم کے تند و تیز جوابی حملوں کا اعادہ کرنا تھا لیکن ایک حقیقت جو اس کے ذہن کے لئے بارگراں بن گئی، اور جس کی توجیہہ اسے مشکل نظر آتی، وہ مسلمانوں کی جرأت اور ثابت قدمی تھی۔ یہ بات خلافِ فطرت دکھائی دیتی تھی کہ ایک چھوٹی سی فوج، جو تعداد میں مقابلتہً بہت کم تھی اور جس پر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے، اس طرح چٹان بن کر ڈٹ جائے اور اپنے قائد اور اپنے دین کی مدافعت میں آخر دم تک لڑائی جاری رکھنے پر رضامند نظر آئے۔ مسلمان آخر قریشِ مکّہ اور دوسرے عربوں کے ہم نسل ہی تو تھے۔ شاید نئے عقیدے نے ان کے اندر کوئی ایسی چیز پیدا کر دی تھی جو دوسرے مذاہب پیدا نہیں کر سکے تھے۔ شاید محمدؐ کی شخصیت کسی ایسی چیز کی محور تھی جس سے دوسرے لوگ محروم تھے۔ خالد کا ذہن اسی طرح کے خیالات میں گھرا رہتا، لیکن وہ اس وقت تک نئے دین کی طرف کسی صورت مائل نہیں تھا۔ درحقیقت وہ دوبارہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا منتظر تھا، گو اس کے دل میں تلخی یا کدورت نہ تھی۔ وہ اگلی جنگ کے بارے میں اسی طرح سوچتا

جیسے ایک کھلاڑی اپنے آئندہ مقابلے کے لئے سوچتا ہے۔

اور خالد ایک نفیس اور بھرپور زندگی کو اس شوق اور ولولے کے ساتھ گزار رہا تھا جو اس کی فطرت کے خاص جزو تھے۔



اگلے دو سالوں کے دوران مسلمانوں اور قریش کے مابین کوئی فوجی تصادم نہ ہوا۔ تاہم ایک واقعہ رونما ہوا جو واقعۂ رجیع کہلاتا ہے ـــــ ایک وحشیانہ اور بھیانک واقعہ، جس نے مکّہ و مدینہ کے باہمی تعلقات کو تلخ تر بنا دیا۔

یہ واقعہ جولائی ۶۲۵ء میں رونما ہوا۔ چند عربوں نے اپنے قبیلے کی طرف سے ایک وفد کی صورت میں نبی کریمؐ کے پاس آکر اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی، اور آنحضرتؐ سے قرآن و شریعت پر عبور رکھنے والے کچھ ایسے آدمی بھیجنے کی درخواست کی جو ان کے قبیلے کو دین اور دینی فرائض کی تعلیم دیں۔ نبی کریمؐ نے اس کام کے لئے اپنے چھ صحابہ کو منتخب کیا، اور یہ آدمی اشاعت دین کے لئے منتخب ہونے پر نازاں، وفد کے ہمراہ چل دیئے۔ اس پھندے سے یکسر بے خبر جو ان کا منتظر تھا۔ جب یہ صحابہ، اپنے راہنماؤں کے ساتھ، رجیع کے مقام پر پہنچے، جو عسفان سے زیادہ دور نہیں ہے، تو مدعو کرنے والے قبیلے کے ۱۰۰ جنگجوؤں نے انھیں اچانک گھیرے میں لے لیا۔ مسلمانوں نے اپنی تلواریں کھینچیں، مگر انھیں وار کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ ان میں سے تین شہید ہو گئے اور تین کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان قیدیوں کو مکّے لایا جا رہا تھا تو ان میں سے ایک اس سفر کے دوران اپنے بندھے ہوئے ہاتھ چھڑانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے دشمنوں پر حملہ کر دیا، لیکن وہ بھی شہید ہو گیا۔ باقی دو قیدی جو بالآخر مکّے پہنچے خُبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن الدثنہ تھے! ان دونوں نے کفّار کو قتل کیا تھا۔ اور اب ان کے گرفتار کرنے والوں نے انھیں مکّے لاکر مقتول کفّار کے لواحقین کے ہاتھ گراں قیمت پر اس لئے بیچ دیا کہ یہ ان کو شوق سے خریدنے کے لئے اس مقصد سے

بیقرار تھے کہ ان کو مار کے اپنے کھوئے ہوئے رشتہ داروں کا بدلہ لیں۔

چھ روز تک ان قیدیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ کیونکہ یہ صفر کا مقدس مہینہ تھا۔ جونہی یہ مہینہ ختم ہوا۔ ان دونوں قیدیوں کو تنعیم کے مقام پر، جو مکّے کے شمال مغربی کنارے پر واقع ہے اور جہاں غلاموں، عورتوں اور بچوں سمیت قصبے کی پوری آبادی جمع ہو چکی تھی، لایا گیا۔ لکڑی کے دو کھمبے زمین میں گاڑ کر قیدیوں کو ان سے باندھنے کے لئے پاس لایا گیا۔ مگر انہوں نے آخری نماز ادا کرنے کی اجازت چاہی تو ان کی یہ درخواست قبول کر لی گئی۔ جب وہ نماز ادا کر چکے تو انھیں کھمبوں کے ساتھ جکڑ دیا گیا۔

اب ان دونوں سے کہا گیا کہ وہ قریش کے عقیدۂ شرک کی طرف لوٹ آئیں یا موت قبول کر لیں۔ دونوں مسلمانوں نے اپنے لئے موت کا انتخاب کیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے ہر ایک قیدی کے پاس جا کر کہا "کیا تم نہیں چاہتے کہ تم اپنے اپنے گھروں میں بحفاظت ہوتے اور تمہاری جگہ محمدؐ یہاں ہوتے؟" ان میں سے ہر ایک قیدی نے اس گمان کو بحقارت ٹھکرا دیا اور کہا کہ کوئی بڑی سے بڑی اذیت بھی اس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال نہیں اٹھا سکتی۔ ابوسفیان غیظ و غضب کے عالم میں واپس آگیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "میں نے اپنے لوگوں کو اپنے سردار سے اس قدر محبت کرتے کبھی نہیں دیکھا جس قدر محمدؐ کے آدمی محمدؐ سے محبت کرتے ہیں۔" [1]

پہلے زیدؓ کو شہید کیا گیا، اور ان کی موت فوری اور بغیر مزید تکلیف کے واقع ہوئی۔ ایک غلام نے آگے بڑھ کر برچھی کا ایک ایسا وار کیا کہ وہ ان کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کے بعد خُبیبؓ کی باری آئی، اور ان کے قتل کو تماشا بنا کے پیش کیا جانے والا تھا اہل مکّہ بھی تماشا دیکھنے کی تمنا میں آئے تھے۔

ایک خاص اشارا ملتے ہی، برچھیوں سے مسلّح ۴۰ لڑکوں نے اس کھمبے پر یورش کی

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۱۷۲

جن کے ساتھ خبیبؓ جکڑے ہوئے تھے، اور انہوں نے خبیبؓ کو اپنی برچھیوں سے کچوکے دینے شروع کر دیئے بعض اوقات وہ لڑکے پیچھے ہٹتے اور پھر اس طرح اپنی برچھیاں تول کر ان پر ازسرنو حملہ بولتے گویا انھیں ہلاک کرنے والے ہوں، لیکن آخری لمحے وہ اپنے اپنے وار روک لیتے اور انھیں صرف ہلکے کچوکے دے کر رہ جاتے ـ جو جلد کے کاٹنے اور چھیدنے کے لئے کافی ہوتے مگر مہلک نہ ہوتے. بعض لڑکے اناڑی تھے اور ان کے کچوکوں کی کاٹ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ گہری تھی، اور جلد ہی خبیبؓ کا بدن سینکڑوں سطحی زخموں سے جاری ہونے والے خون میں تربتر ہو گیا. خبیبؓ ہر برچھی کے وار پر جھرجھری لیتے، مگر اُن کے ہونٹوں سے اُف تک نہ نکلی. اور تماشائی خبیبؓ کی اذیت کے نظارے پر بھڑک اٹھے.

جب یہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہ چکا تو ایک آدمی برچھی لے کر خبیبؓ کے پاس آیا اور اس نے لڑکوں کو وہاں سے بھگا دیا. شاید لڑکوں کا دل اب تک اس کھیل سے بھر چکا تھا اور شاید ناظرین بھی اب تک اس تفریح سے اکتا چکے تھے. اس آدمی نے اب اپنی برچھی تول کر ماری اور اُسے خبیبؓ کے دل سے پار کر کے ان کی اذیت کا خاتمہ کر دیا دونوں لاشوں کو گلنے سڑنے کے لئے اسی مقام پر رہنے دیا گیا.

وہ شخص جس نے اس تماشے کا اہتمام کیا اور جس نے لڑکوں کو مسلح کر کے انہیں اس کام پر لگایا، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا. عکرمہ نے جب اس اندوہناک اور خونی تفریح کا بندوبست کیا تو اس وقت وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی اسلام سے وحشیانہ مخالفت اور بدر و اُحد میں مسلمانوں کی خونریزی تو معاف کی جا سکتی تھی، لیکن اس کی یہ خطا معاف نہ ہو سکے گی. اس روز عکرمہ ایک جنگی مجرم بن گیا.



یاد رہے کہ اُحد کا میدانِ جنگ چھوڑنے سے پیشتر ابوسفیان نے مسلمانوں کو ایک سال

کے عرصے تک بدر کے مقام پر دوبارہ مقابلہ کرنے کی دعوت دی تھی اور نبی کریمؐ نے یہ دعوت قبول کر لی تھی۔ اس لحاظ سے فریقین کو مارچ ۶۲۶ء کے دوران مقررہ مقام پر مجتمع ہونا تھا لیکن جب میدان میں پہنچنے کا وقت قریب آیا تو ابو سفیان نے اپنے آپ کو مسلمانوں کا سامنا کرنے پر مائل نہ پایا۔ موسم سرما کی بارشیں معمول سے بھی کم ہوئیں اور جب یہ موسم گزرا تو درجۂ حرارت یک بیک بڑھ گیا۔ اب موسم گرم اور خشک تھا اور گمان ہوتا تھا کہ باقی سال بھی غیر معمولی طور پر ناخوشگوار گزرے گا۔ ابو سفیان نے فوجی کارروائی ملتوی کر دی اور اپنے ایک کارندے کو اس افواہ کی تشہیر کے لئے مدینے بھیجا کہ قریش وسیع تعداد میں جمع ہو رہے ہیں، اور اب ان کی تعداد جنگِ اُحد کی تعداد سے کہیں زیادہ ہوگی۔ اس کا منشا تھا کہ مسلمان خوفزدہ ہو کر اب مدینے میں بیٹھ رہیں، مگر یہ بیانات جب نبی کریمؐ تک پہنچے تو آپؐ نے اعلان کیا "اگر مجھے تنہا جانا پڑا تو بھی میں کفار کا سامنا کرنے مقررہ مقام پر جاؤں گا۔"[۵]

مسلمان مارچ کے اواخر میں مدینے سے روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد ۱۵۰۰ تھی، جن میں سے ۵۰ آدمیوں کے پاس گھوڑے تھے۔ لشکرِ اسلام ۴ اپریل ۶۲۶ء (یکم ذی قعد ۴ھ) کو بدر کے مقام پر پہنچا، لیکن وہاں قریش کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

جب مسلمانوں کی مدینے سے نقل و حرکت کی خبر ابو سفیان کو ملی تو قریش کو جمع کر کے مکّے سے روانہ ہو پڑا۔ قریش کی فوج ۲۰۰۰ افراد اور ۱۰۰ گھوڑوں پر مشتمل تھی، اور خالدؓ، عکرمہؓ اور صفوانؓ جیسے بہادر دوبارہ اس فوج کے ہمراہ تھے۔ تاہم، جب قریش عسفان کے مقام پر پہنچے تو ابو سفیان نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی صورت یہ جنگ نہیں لڑے گا۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو مخاطب کیا اور کہا "جنگی مصروفیات کے لئے یہ ایک خوفناک سال ہے۔ ملک میں قحط بپا ہے، اور ہم نے ایسی گرمی کبھی نہیں دیکھی۔ یہ حالات جنگ کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ ہم دوبارہ جنگ کسی ایسے

---

[۵] ابن سعد، صفحہ ۵۶۳

سال کریں گے جب اشیاء کی فراوانی ہو گی۔[1] سفر جاری نہ رکھنے کے حق میں یہ دلائل دے کر، اس نے فوج کو واپس کوچ کرنے کا حکم دیا۔ صفوانؓ اور عکرمہؓ نے اس فیصلے کے خلاف پُر زور احتجاج کیا، لیکن ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اہلِ مکّہ واپس مکّے لوٹ آئے۔

مسلمان بدر کے مقام پر آٹھ روز تک مقیم رہے۔ اور پھر، ابوسفیان کے واپس چلے جانے کی خبر سن کر، انھوں نے پڑاؤ اٹھایا اور سیدھا مدینے کا رُخ کیا۔

❊

اگر کچھ یہودیوں کی شرانگیزیاں حائل نہ ہوتیں تو قریش کے واپس مکّے آجانے کے بعد شاید مسلمانوں اور قریش کے درمیان امن قائم رہتا۔ ان کارستانیوں کی وجوہات جاننے کے لئے لازم ہے کہ ہم پلٹ کر ان ایّام کا جائزہ لیں جب نبی کریمؐ مکّے سے روپوش ہونے کے بعد مدینے پہنچے تھے۔

جب نبی کریمؐ اس سال مدینے پہنچے جس سے بعد ازاں سن ہجری کا حساب شروع ہوا، تو مسلمانوں کے دو گروہ بن گئے، یعنی مہاجرین (وہ مسلمان جو مکّے سے ہجرت کر کے آئے تھے) اور انصار (مدینے کے وہ نومسلم جنہوں نے آنحضرتؐ کو دعوت دی تھی کہ آپ مدینے آجائیں اور ان کے ساتھ زندگی بسر کریں)۔ مسلمانوں کے درمیان ایک تیسرا چھوٹا گروہ ان افراد پر مشتمل تھا، جو منافقین مشہور تھے، اور یہ مدینے کے وہ باشندے تھے جنہوں نے حالات کے عمومی رُخ کا ساتھ دینے کے لئے آنحضرتؐ اور آپ کے دین کو قبول کر لیا تھا مگر جو دل سے مسلمان نہیں تھے۔ اُن کا قائد عبداللہ بن اُبَیّ تھا، جسے مدینے میں باوقار حیثیت حاصل تھی اور جس کو احساس تھا کہ آنحضرتؐ کے آنے سے اس کے مرتبے اور اثر و رسوخ میں کسی نہ کسی طرح کمی واقع ہو گئی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے جنگِ اُحد کے موقع پر اسلامی لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ انھیں نبی کریمؐ کے راستے میں روڑے اٹکانے کا سلسلہ جاری رکھنا تھا، اور یہ لوگ آنحضرتؐ یا آپ کے دین کی کھلم کھلا مخالفت کئے بغیر اس کوشش میں لگے رہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو جنگ کے لئے جانا ہو ان کے حوصلے کسی

---

[1] ابن سعد: صفحہ ۵۶۳

نہ کسی طرح پست کئے جائیں۔

مدینے کی آبادی کا ایک اہم عنصر یہودیوں کا تھا، جن کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ جب نبی کریم مدینے پہنچے تو یہودیوں نے آپ کو بلا استثناء قبول کیا، اور انھیں نئے دین سے اپنی حیثیت کے لئے کوئی خدشہ نظر نہ آیا۔ ان میں سے ہر ایک قبیلے نے آنحضرت کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، جسے معاہدۂ دوستی یا معاہدۂ عدم جارحیت کہا جا سکتا تھا۔ اس معاہدے میں ایک ایسی شرط شامل تھی جس کے تحت اوروں سے جنگ کی صورت میں ایک فریق دوسرے فریق کے دشمنوں کی کسی طرح بھی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

جب نبی کریم مکے میں تھے تو تنزیلات قرآنی زیادہ تر روحانی و اخلاقی امور سے متعلق ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس دور میں اسلام کا کردار بنیادی طور پر روحانی یا اخلاقی نوعیت کا تھا، جو تعلق باللہ پر روشنی ڈالتا تھا۔ جب آنحضرت ہجرت کر کے مدینے آگئے، تو اسلام نے معاشی، سیاسی اور اقتصادی شعبوں میں قدم رکھ کر انسانی معاملات میں نسبتاً زیادہ موثر اور پر زور عمل کی بنیاد ڈالی۔ اس نے اب انسان کو معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے دیکھا اور معاشرے کو ایسے ذریعے کی حیثیت سے جس سے نوع انسان کے طرز حیات کو زیادہ پر اخلاق، زیادہ ترقی پسند اور زیادہ کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ جب یہ نئی جاندار تحریک اسلام کی تعلیمات میں داخل ہوئی تو یہ بھی لازم ہو گیا کہ پچھلے مذاہب سے اس کی ٹکر ہو۔ جلد یا بدیر تصادم ناگزیر تھا۔ اور چونکہ ان پیشرو مذاہب میں سب سے قریب یہودیت تھی، اس لئے اسی کے ساتھ اسلام کی پہلی ٹکر ہوئی۔ یہودیوں کو اولاً اس وقت اپنی حیثیت کے لئے خدشہ محسوس ہوا جب مسلمانوں نے جنگ بدر میں پہلی فتح حاصل کی۔ تب بنو قینقاع نے معاہدہ توڑ دیا تھا اور کھل کر مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے تھے۔ نبی کریم نے اس قبیلے کو اس کے قلعوں کے اندر محصور کر کے اسے مطیع ہونے پر مجبور کر دیا۔ بنو قینقاع کو عہد شکنی کی پاداش میں شہر بدر کر دیا گیا، اور وہ لوگ ہجرت کر کے شام چلے گئے۔

اس کے بعد جس یہودی قبیلے نے معاہدے کی خلاف ورزی کی وہ بنو نضیر کا تھا، اور یہ واقعہ

جنگِ احد کے فوراً بعد پیش آیا۔ اس قبیلے کو بھی مسلمانوں نے وہی سزا دی۔ اس کے کچھ افراد ہجرت کرکے شام چلے گئے۔ اور باقی مدینے کے شمال میں خیبر کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ ان دونوں قبائل کے خلاف جو فوجی کارروائیاں کی گئیں، ان کے دوران میں عبداللہ بن اُبیّ، سردار منافقین، نے اس طرح پہلے یہودیوں کا ساتھ دیا کہ انھیں خفیہ طور پر نبی کریمؐ کے ساتھ جنگ کرنے پر اکسایا اور ان سے اپنے حامیوں کی عملی معاونت کا وعدہ کیا۔ لیکن بعد ازاں جب اس نے دیکھا کہ جنگی کامرانی مسلمانوں کے حصے میں آرہی ہے تو اس نے یہودیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

تیسرا یہودی قبیلہ بنو قریظہ، امن و امان سے مدینے میں زندگی گزارتا رہا۔ مسلمانوں کے ساتھ اس قبیلے کے تعلقات ہر لحاظ سے باضابطہ اور بالکل پرامن تھے، کیونکہ ہر دو فریق شرائط معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے ان پر پورے اُتر رہے تھے۔ لیکن خیبر کے علاقے میں آباد ہونے والے بنو نضیر کے یہودیوں کو جو جلاوطنی بھگتنی پڑی، اس کے لئے انہوں نے مسلمانوں کو معاف نہیں کیا تھا۔ جنگِ اُحد کے بعد جب انھیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں اور قریش میں ایک اور جنگ لڑنے پر قول وقرار ہو گیا ہے، تو وہ اس امید میں صبر سے اس جنگ کا انتظار کرنے لگے کہ اس میں مسلمانوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ لیکن جب ایک سال بعد انھوں نے جنگ ہونے کے آثار تک نہ دیکھے، تو انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کرانے کے لئے براہِ راست قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

جب ۶۲۶ء کا موسم گرما ختم ہوا تو خیبر کے یہودیوں کا ایک وفد مکّے روانہ ہُوا۔ ان کا سربراہ حُییّ بن اخطب تھا، جو مدینے میں بنو نضیر کا سردار رہ چکا تھا۔ اس وفد نے مکّے پہنچ کر ابو سفیان سے مشورہ کیا، اور نبی کریمؐ کے خلاف ایک مہم منظم کرنے کی بات چھیڑی۔ حُییّ کے مقصد کے لئے ضروری تھا کہ قریش کے جذبات اور اندیشوں کو ہوا دی جائے، چنانچہ اس نے یہاں سے بات شروع کی کہ عرب میں اشاعتِ اسلام سے قریش کو کیسے کیسے خطرات درپیش تھے۔ اگر مسلمان یمامہ پہنچ گئے تو قریش کے لئے عراق اور بحرین کے تجارتی راستے بند ہو جائیں گے۔

"اے ابنِ اخطب، مجھے بتاؤ" ابوسفیان نے کہا "تم اہلِ کتاب میں سے ہو، کیا تمہاری رائے میں محمدؐ کا نیا مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے؟" حُیَیّ نے آنکھ جھپکے بغیر جواب دیا "میں تمہیں ایک کتاب فہم کی حیثیت سے یقین دلاتا ہوں کہ تمہارا مذہب محمدؐ کے مذہب سے بہتر ہے۔ تم حق پر ہو۔" [1]

اس بات سے قریش کو بے حد خوشی ہوئی، اور وہ اس شرط پر نبی کریمؐ سے جنگ کرنے پر متفق ہو گئے کہ دوسرے عرب قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔

اس کے بعد یہودی وفد نے قبیلہ غطفان اور بنو اسد کے پاس جا کر یہی گفتگو کی، اور اسے وہاں بھی یہی کامیابی حاصل ہوئی۔ ان قبائل کے علاوہ کئی اور قبیلے بھی مسلمانوں سے لڑنے اور انھیں تباہ کرنے کے لئے ایک بھاری مہم میں شریک ہونے پر پوری طرح رضامند ہو گئے۔

جنگِ اُحد کے بعد قریش نے شام کے ساتھ اپنی تجارت کھوئی تو اس کو ناگزیر سمجھ کے قبول کر لیا تھا۔ چونکہ مسلمانوں کو مدینے میں اقتدار حاصل تھا، اس لئے شام کو جانے والا ساحلی راستہ اہلِ مکّہ کے استعمال میں نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ اہلِ مکّہ نے عراق، بحرین اور یمامہ کے ساتھ اپنی تجارت کو فروغ دیا، اور اس طرح اس نقصان کی تھوڑی بہت تلافی کر لی جو وہ شام کے ساتھ تجارت بند ہو جانے کی وجہ سے اٹھا رہے تھے۔ تاہم، یہودیوں کے وفد سے تبادلۂ خیالات کے نتیجے میں ابوسفیانؓ اس خطرے سے اور بھی باخبر ہو گیا جو تجارتِ مکّہ کو اسلام کی مزید اشاعت سے لاحق تھا۔ اگر مسلمان یمامہ تک پھیل جاتے تو قریش کی تجارت کا یمن تک محدود ہو جانا لازمی تھا، کیونکہ پھر عراق اور بحرین کو جانے والے راستے مسلمانوں کے قبضے میں آجاتے۔ اور قریش کی تجارت میں یہ مزید تخفیف ایک ایسا معاشی دھچکا ثابت ہوتا جس پر قابو پانا ممکن نہ ہوتا۔ گزشتہ مہم میں کم ہمتی کے الزامات سے بھی صفوانؓ بن اُمیّہ نے ابوسفیانؓ کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان دونوں عوامل نے

---

[1] ابنِ ہشام: جلد ۲، صفحہ ۲۱۴

مل کر ابوسفیان کے دل میں مدینے کی طرف لشکر کشی کا پکا ارادہ باندھ دیا.

مہم کی تیاریاں شروع ہوگئیں. قبائل کے جزوی فوجی دستے فروری ۶۲۷ء کے آغاز میں جمع ہونے لگے. قریش نے سب سے زیادہ سپاہ بہم پہنچائی، جس میں ۴۰۰۰ آدمی، ۳۰۰ گھوڑے اور ۱۵۰۰ اونٹ شامل تھے. اس کے بعد ۲۰۰۰ افراد پر مشتمل غطفان کی فوج تھی، جس کا سالار عُیینہ بن حصن تھا، جبکہ بنوسلیم نے ۷۰۰ جنگجو بھیجے بنو اسد کے حصے کا دستہ، جس کی تعداد معلوم نہیں ہے، طلیحہ بن خویلد کی قیادت میں شریک مہم ہوا.

جب قریش اور چند نسبتاً چھوٹے قبیلے مکے میں جمع ہو رہے تھے تو غطفان، بنو اسد اور بنوسلیم اپنی اپنی بستیوں میں اکٹھے ہو رہے تھے. ان بستیوں سے جو بالترتیب مکے کے شمال، شمال مشرق اور مشرق میں واقع تھیں، وہ سیدھے مدینے کی جانب کوچ کرنے والے تھے. لشکر کی کل تعداد، جس میں وہ چھوٹے قبائل بھی شامل تھے جن کا نام نہیں لیا گیا ہے، ۱۰۰۰۰ تھی، اور اس پوری مہم کی قیادت ابوسفیان کے سپرد تھی. یہ لشکر جمیعۃ القبائل کے نام سے مشہور ہوا. لیکن آسانی کے لئے ہم جمیعۃ القبائل کو اتحادی کہیں گے.

پیر کے روز، ۲۴ فروری ۶۲۷ء (یکم شوال ۵ھ) کو اتحادی اپنے الگ الگ علاقوں سے مشترک منزل کی طرف بڑھتے ہوئے، مدینے کے قریب پہنچے اور وہاں اپنے اپنے پڑاؤ ڈال دیئے. قریش نخلستان کے جنوب میں، کوہِ اُحد کی مغربی جانب، ندیوں کے سنگم پر خیمہ زن ہوئے، جہاں انہوں نے جنگ اُحد کے لئے بھی پڑاؤ ڈالا تھا. غطفان اور دوسرے قبائل نے کوہِ احد سے مشرق کی طرف دو میل دُور، ذنب نقمی کے مقام پر پڑاؤ جما دیا. اپنے اپنے پڑاؤ قائم کر چکنے کے بعد، اتحادی مدینے کی طرف بڑھے.

٭

اتحادی بمشکل جمع ہونے شروع ہوئے تھے کہ خفیہ کارندوں نے اس کی اطلاع مدینے پہنچا دی.

جیسے جیسے مزید قبائلی دستے پہنچتے گئے، اطلاعات بھی زیادہ پریشان کن ہوتی چلی گئیں۔ بالآخر نبی کریمؐ کو خبر ملی کہ ۱۰۰۰۰ جنگجو، مسلمانوں کو تباہ کرنے کی غرض سے مدینے پر چڑھائی کر رہے ہیں۔ یہ ناگوار اطلاع ملنے پر مسلمانوں میں تشویش اور مایوسی پھیل گئی۔ بلاشبہ تعداد میں مسلمان اپنے دشمنوں سے ہمیشہ کم رہے تھے۔ بدر اور اُحد کی جنگوں میں طرفین کی فوجوں میں بالترتیب ایک/تین، اور ایک/چار کی نسبت تھی۔ لیکن اب اگرچہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کر ۳۰۰۰ افراد تک جا پہنچی تھی، ان کے درمیان سینکڑوں منافقین بھی تھے جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ۱۰۰۰۰ کی تعداد خوفناک حد تک بڑی نظر آتی تھی۔ اس سے پہلے حجاز کی تاریخ میں جنگ کے لئے اتنی کثیر التعداد فوج کبھی جمع نہیں ہوئی تھی۔

پھر امید کی ایک جھلک سلمان فارسیؓ کی ایک تجویز میں نظر آئی۔ انھوں نے سمجھایا کہ جب ایرانی فوج کو نمایاں اکثریت کے مقابلے میں دفاعی جنگ لڑنی پڑتی تو وہ دشمن کے راستے میں اتنی چوڑی اور اتنی گہری خندق کھودتے تھے کہ اسے عبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عربوں کے لئے یہ ایک نامانوس طریقِ جنگ تھا، لیکن انھوں نے اس کی مصلحت پہچانی اور تجویز قبول کر لی گئی۔

نبی کریمؐ نے خندق کی کھدائی کا حکم دیا۔ بہت سے عرب جن کے لئے اس قسم کی جنگی ترکیبیں ناقابلِ فہم تھیں، کھدائی کا یہ کٹھن کام کرنے پر پوری طرح رضامند نہ تھے، اور منافقین حسبِ معمول لوگوں کو پھسلانے لگے کہ خواہ مخواہ یہ دردِ سر کیوں مول لیتے ہو۔ لیکن آنحضرتؐ خود اپنے ہاتھوں سے کھدائی کرنے لگے تو پھر کوئی باغیرت مسلمان اس کام سے ہاتھ نہ کھینچ سکا۔ خندق کی حدود کا تعین کر لیا گیا اور اس کی کل لمبائی مسلمانوں میں ۴۰ ہاتھ فی ۱۰ افراد کے حساب سے تقسیم کر دی گئی۔ جب مسلمان پسینے میں شرابور اس جاں گسل کام میں منہمک تھے تو حسانؓ بن ثابت شعر پڑھتے اور مسلمانوں کے اندر نئی روح پھونکتے۔ حسانؓ ایک شاعر تھے۔ غالباً اپنے دور کے سب سے بڑے شاعر۔ وہ ہر موضوع اور ہر موقع پر برجستہ اشعار کہہ سکتے تھے، اور ان کے اشعار اتنے عمدہ ہوتے تھے کہ سامعین کو اُن کے

فی البدیہہ ہونے کا بمشکل یقین آتا۔ وہ لوگوں کے جذبات کو جنون کی حد تک پہنچا سکتے تھے۔ لیکن حسانؓ اگر اپنے عہد کے عظیم ترین شعراء میں سے تھے، تو یہی ان کی صلاحیتوں کی حد بھی تھی۔ جیسا کہ آگے چل کر دیکھا جائے گا، حسانؓ کا جنگ جیسے مردانہ مشاغل کی طرف قطعاً میلان نہیں تھا۔

خندق شیخین سے شروع ہو کر ذباب کی پہاڑی تک، اور وہاں سے جبل بنو عبید تک پھیلی ہوئی تھی، اس طرح یہ پہاڑیاں خندق کے ذریعے محفوظ ہو جانے والے رقبے میں شامل ہو گئیں۔ مغرب میں خندق جبل بنو عبید کہلانے والی دو پہاڑیوں کی مغربی سمت کے بائیں گوشے کو محفوظ کرنے کے لئے جنوب کی طرف مڑ جاتی تھی۔ شیخین کے مشرق اور جبل بنو عبید کے جنوب مغرب میں لاوے کے وسیع میدان پھیلے ہوئے تھے جن کی کٹی پھٹی ناہموار سطح بڑے سیاہ گول گول پتھروں سے یا تو پٹی پڑی تھی یا بالکل ان پر ہی مشتمل تھی، اور اس لئے اس پر کوئی بڑی عسکری نقل و حرکت ناممکن تھی۔ خندق کے مرکز سے قدرے جنوب کی طرف ۴۰۰ فٹ اونچی میل بھر لمبی اور اس سے ذرا کم چوڑی، سلع کی مشہور پہاڑی تھی، جس کا زیادہ تر پھیلاؤ شمال جنوب کی سمت میں تھا، مگر اس کی شاخیں ہر سمت کو نکلی ہوئی تھیں۔ درحقیقت ذباب کی چھوٹی سی پہاڑی، سلع کی شمال مشرقی شاخ سے ذرا سی ہٹ کے واقع تھی، اگرچہ ہمارا نقشہ اس کی واضح نشان دہی نہیں کرتا (دیکھئے نقشہ نمبر ۳)۔ [۵]

جونہی خندق کی کھدائی مکمل ہوئی، مسلمانوں نے سلع کے بالکل سامنے اپنا پڑاؤ قائم کیا۔ مسلمانوں کی کل تعداد ۳۰۰۰ تھی، مگر اس میں منافقین بھی شامل تھے، جن کی وفاداری اور جنگی مستعدی مشکوک تھی۔ آنحضرتؐ کا منصوبہ یہ تھا کہ اپنی فوج کی اکثریت کو ایسے تیار رکھیں کہ دشمن

---

۵ خندق کے مغربی سرے کے بارے میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ مذاد کے مقام پر ختم ہوا تھا۔ یہ بھی صحیح ہے، کیونکہ وہ تین پہاڑیاں جن کی نقشہ ۳ پر نشاندہی کی گئی ہے — جبل بنو عبید کی دو جنوبی پہاڑیاں اور وہ چھوٹی سی پہاڑی جو ان کے شمال میں واقع ہے مذاد بھی کہلاتی ہے۔

خندق کو پار کر کے جہاں بھی قدم جمانے لگے وہیں اُس پر حملہ کر دیا جائے۔ اچانک حملے سے بچاؤ کے لئے خندق کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ۲۰۰ سپاہیوں کو پہرے پر مامور کر دیا گیا اور ان میں سے بیشتر کو خندق پر چھائی ہوئی پہاڑیوں پر نگران چوکیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مزید برآں ۵۰۰ آدمیوں کے ایک تیز رو رسالے کو مدینے کی بستیوں میں گشت کر کے چوری چھپے گھس آنے والوں سے نمٹنے اور خندق کی محافظت سے باہر علاقوں پر بھی نظر رکھنے کے لئے متعین کیا گیا۔ (مدینہ اُس زمانے میں موجودہ شکل کا شہر نہیں تھا، بلکہ متعدد بستیوں اور قلعوں کا ایک مرکّب تھا۔ مدینے کا مادّی اور دینی مرکز مسجد نبوی تھی۔) عورتوں اور بچّوں کو ان قلعوں اور مکانوں میں منتقل کر دیا گیا جو شمال اور شمال مغرب میں پھیلے ہوئے مرکزی محاذ سے دُور واقع تھے۔ ان دنوں سردیوں کا موسم شدّت پکڑے ہوئے تھا اور آگے چل کے طویل بھی ثابت ہوا۔

⁂

جب قریش نے خندق دیکھی تو پہلے دنگ رہ گئے اور پھر جھنجھلا اُٹھے۔ وہ اتنی بڑی تعداد میں آئے تھے کہ فتح میں کوئی شبہ ان کی نظر میں نہ تھا۔ ابوسفیان ایک فاتحانہ جنگ لڑنے کی شادماں امنگ لئے ہوئے آیا تھا، اور اب یہاں یہ کمبخت خندق سدِّ راہ تھی!

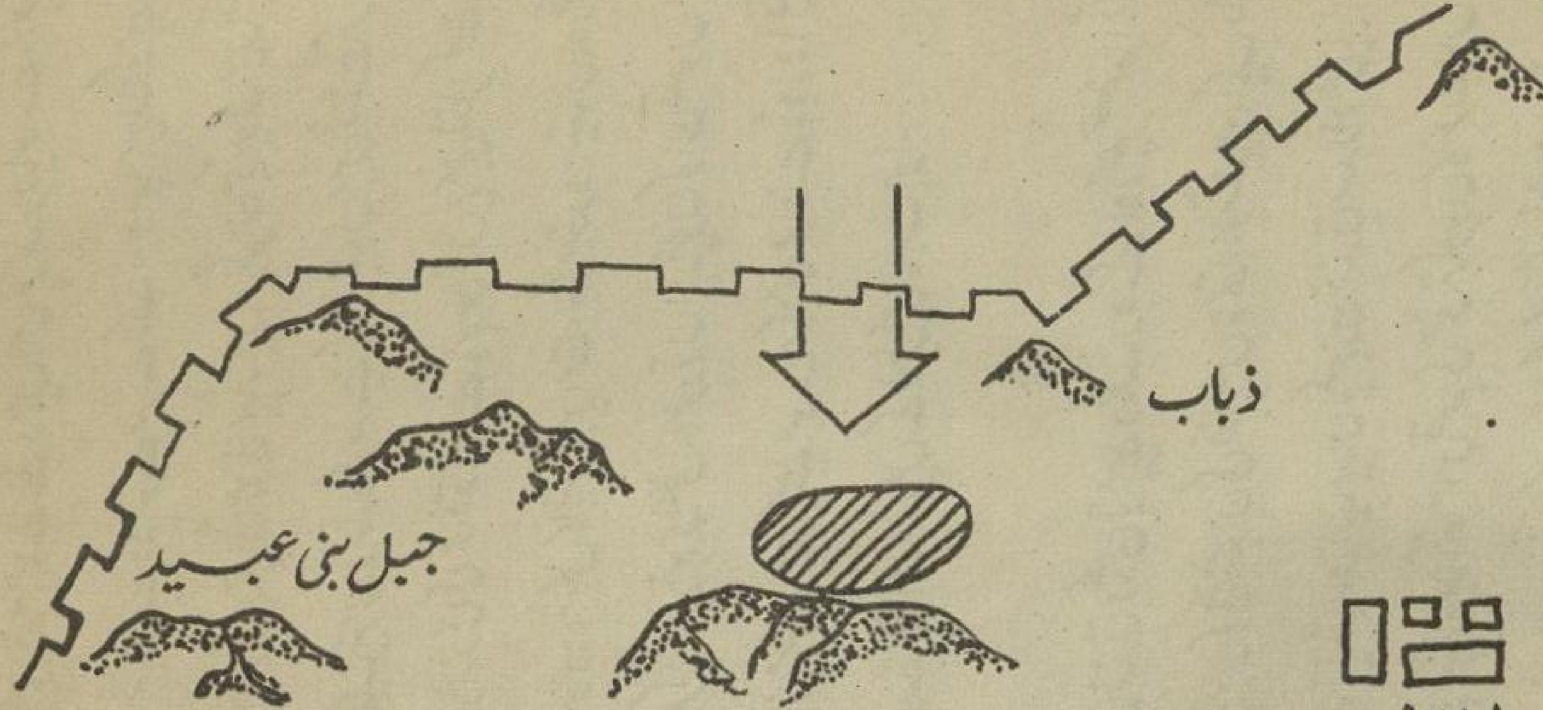
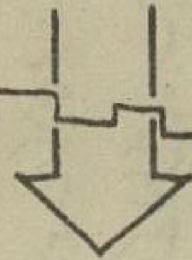
"اللہ کی قسم!" ابوسفیان چلا اُٹھا "اس قسم کی جنگی ترکیبوں کا عرب میں رواج نہیں"[1] عام عربوں کے سیدھے سادے ذہن میں اس قسم کی چالوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ دلیر عربوں کے نزدیک یہ قطعاً بے قاعدہ حرکت تھی!

بہرکیف اتحادیوں نے اپنے پڑاؤ آگے بڑھائے اور خندق کے ساتھ ساتھ شمال اور شمال مغرب میں صف آراء ہو کر ایسا محاصرہ کیا۔ جو بعد میں ۲۲ روز تک جاری رہا۔ دن کے وقت اتحادی خندق کے پاس آجاتے، جس پر مسلمانوں نے اپنی طرف سے ہلکے پہرے لگا رکھے تھے۔ تقریباً دن بھر طرفین ایک

---

[1] ابنِ ہشام: جلد ۲، صفحہ ۲۲۴

نقشہ نمبر ۳ جنگ خندق

دوسرے پر تیر برساتے، مگر رات کے لئے اتحادی اپنے پڑاؤ میں واپس آجاتے۔ دن کو اکثر اور کبھی کبھار رات کو بھی اتحادیوں کے گشتی دستے خندق کے پھیرے اِدھر سے اُدھر بار بار اس تلاش میں لگاتے کہ اس کو عبور کرنے کی کوئی جگہ ملے۔ انھیں بالآخر ایک ایسی جگہ ملی۔ لیکن اس کا ذکر ذرا بعد میں کیا جائے گا۔

محاصرہ دس روز تک بغیر کسی فیصلے اور توقف کے جاری رہا۔ دونوں فوجوں کے حوصلوں پر خاصا دباؤ پڑا، لیکن پھر بھی وہ ڈھیلے ہونے کی بجائے جم گئے۔ مسلمان بھوک سے بے چین ہونے لگے۔ مدینے میں خوراک کے وسیع ذخیرے نہیں تھے، اور مسلمانوں کا نصف رسد پر گزارہ ہو رہا تھا۔ منافقین اب آنحضرتؐ کی نکتہ چینی میں اور زیادہ منہ پھٹ اور بے لگام ہو گئے۔ خندق کی کھدائی کے دوران آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ چند سالوں کے اندر اندر روم و فارس کی عظمت کو خاک میں ملا دیں گے اور ان شہنشاہوں کی دولت کے خود مالک بن جائیں گے۔ منافقین نے اب کہنا شروع کیا "محمدؐ ہمیں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا یقین دلاتے ہیں مگر اس معمولی سی مصیبت سے نجات نہیں دلا سکتے۔"[۱] تاہم سچے مسلمان ثابت قدم رہے، اور اپنے قائد پر ان کا پکا اعتماد قائم رہا۔

صورت حال رفتہ رفتہ اتحادیوں کے لئے بھی مشکل ہوتی چلی گئی، حتیٰ کہ ان کی صفوں میں بے چینی پھیل گئی۔ اہل عرب طویل محاصروں کے عادی نہیں تھے۔ اور اس طرزِ جنگ پر تیز رفتار کھلی جنگ کو ترجیح دیتے تھے۔ موسم بدستور ناخوشگوار تھا اور اتحادیوں کے لئے مزید پریشانی کا باعث بننے لگا۔ خوراک میں بھی کمی واقع ہو گئی، کیونکہ ابوسفیان نے اشیائے خورد و نوش کا اتنے طویل عرصے کے لئے انتظام نہیں کیا تھا۔ لیکن چونکہ اتحادی خود محصور نہیں تھے، اس لئے قرب و جوار کے علاقوں سے کھانے پینے کی اشیاء فراہم کرنے کے لئے کچھ فوری کارروائی کر لی گئی۔ پھر بھی

---

[۱] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۲۲۲

سپاہیوں نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ اور ابو سفیان کو اس الجھن سے چھٹکارے کی صورت نکالنے کے لئے کافی کچھ سوچنا پڑا۔ آخر کار اس نے حُیَیّ یہودی سے مشورہ کیا، اور ان دونوں کے درمیان ایک نیا منصوبہ طے پایا، جس کی کامیابی کا پورا امکان نظر آتا تھا۔

جمعہ، ۷؍ مارچ، کی رات کو حُیَیّ چوری چھپے بنو قریظہ کی بستی میں پہنچا اور اس قبیلے کے سردار، کعبؓ بن اسد، کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ مگر مؤخر الذکر نے یہ قیاس کرتے ہوئے کہ حُیَیّ ایک یہودی کی حیثیت سے آیا ہے اور غالباً اپنے ہم عقیدہ یہودیوں کو نبی کریمؐ کے خلاف اکسانا چاہتا ہے، اس کے ساتھ ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم، کچھ بحث و تکرار کے بعد حُیَیّ کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ پھر اس نے نرمی اور ہوشیاری سے کعبؓ کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اتحادیوں سے مل جائے۔ ابتداً میں کعبؓ نے صاف جواب دیدیا: "محمدؐ نے ہمارے ساتھ معاہدہ نبھایا ہے، اور ہم کسی لحاظ سے بھی ان سے شاکی نہیں ہیں۔" اس نے کہا، "تمہیں کسی صورت فتح کا یقین نہیں ہے۔ اگر ہم تمہارے ساتھ متحد ہو گئے" اور تمہاری مہم ناکام ہو گئی تو تمہارے مشرک ساتھی مزے سے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے اور محمدؐ کے قہر و غضب کا سامنا ہمیں کرنا پڑے گا۔"[1]

لیکن کعب کے مہمان نے کبھی دھمکیوں سے، کبھی تحریص و ترغیب سے اور کبھی منت سماجت سے کام لیتے ہوئے دباؤ جاری رکھا، اور بالآخر کعبؓ کو اتحادیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے پر رضامند کر لیا۔ اس معاہدے کی شرائط کی رُو سے اتحادیوں اور بنو قریظہ کو بیک وقت حملہ کرنا تھا۔ ان یہودیوں کی بستی اور ان کے قلعے مدینے سے دو میل دور جنوب مشرق کی طرف واقع تھے، اور ان کی ذمہ داری یہ طے پائی کہ وہ اس سمت سے حملہ کریں اور مسلمانوں کی کچھ تعداد کو خندق سے اس وقت ہٹا لائیں جب اتحادی سامنے سے حملہ آور ہوں۔ دوسری طرف یہ طے پایا کہ اگر حملہ ناکام ہوا تو اتحادی یہودیوں کو مسلمانوں کے انتقام سے بچانے کے لئے اپنی ایک طاقتور محافظ فوج چھوڑ جائیں گے۔ بنو قریظہ

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۲۲۱۔ واقدی: مغازی، صفحہ ۲۹۲

نے حملہ کرنے سے پہلے اپنے آپ کو تیار کرنے کے لئے ۱۰ روز کی مہلت مانگی، جس عرصے میں اتحادی شمال کی طرف سے معمولی جھڑپیں جاری رکھ سکتے تھے۔

اس طرح سے مدینے کے آخری یہودیوں نے بھی، اپنے ہم مذہبوں کی پیروی کرتے ہوئے، مسلمانوں سے اپنا معاہدہ توڑ دیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ انھیں اس غداری کی کتنی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی!

جلد ہی نبی کریمؐ کو اس معاہدے کی خبر مل گئی۔ آنحضرتؐ کو یہ راز اپنے ایک خفیہ کارندے کے ذریعے معلوم ہُوا، جو اتحادیوں کی آنکھ بچا کر ان کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا تھا، اور جس نے اس سلسلے میں کچھ گفتگو سُن لی تھی۔ پھر اس معاہدے کی افواہیں بھی پھیل گئیں، اور آنحضرتؐ کو ملنے والی اطلاع کی بالآخر تصدیق ایک اور واقعے سے ہو گئی جو صفیہؓ اور ایک یہودی کے درمیان پیش آیا۔

صفیہؓ آنحضرتؐ کی پھوپھی تھیں، جو دوسری عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدینے کے جنوب مشرقی حصے کے ایک چھوٹے سے قلعے میں منتقل ہو گئی تھیں۔ اس قلعے میں حسّانؓ، شاعر اعظم، موجود تھے، اور وہاں صرف وہی ایک مرد تھے! ایک روز صفیہؓ نے، قلعے سے نیچے نگاہ دوڑاتے ہوئے، ایک مسلح یہودی کو دیکھا، جو فصیل کے نیچے چوری چوری ایسے گھوم پھر رہا تھا جیسے اس کو قلعے کی کسی گزرگاہ کی تلاش ہو۔ صفیہؓ معاً اس نتیجے پر پہنچیں کہ وہ بنو قریظہ کا مخبر ہے، جو ایک ایسے راستے کا کھوج لگانے کے لئے بھیجا گیا ہے جسے یہودی حملے کیلئے اختیار کر سکیں اور جو پھر اپنے قبیلے کو مسلمانوں کے غیر محفوظ عقب میں پہنچانے کے لئے ان کی راہنمائی کرے۔

صفیہؓ شاعر اعظم کے پاس گئیں اور کہا "اے حسّان! ایک یہودی قلعے کے گرد گھوم رہا ہے، جو ضرور ایسے راستے کی تلاش میں ہے جس کے ذریعے وہ بنو قریظہ کو ہماری بستیوں پر پیچھے سے حملہ کرنے کے لئے لے جا سکے۔ تمہیں معلوم ہے کہ رسول خداؐ اور دوسرے مسلمان

محاذِ جنگ پر مصروف ہیں اور وہاں سے ہماری حفاظت کے لئے مسلح دستے نہیں بھیج سکتے۔ اس آدمی کا بہر صورت کام تمام ہونا چاہیئے۔ جاؤ اور اسے فوراً قتل کر دو!" "اے بنت عبد المطلب' اللہ آپ کا بھلا کرے۔" حسانؓ نے جواب دیا "آپ جانتی ہیں کہ اس قسم کا کام میرے بس کا نہیں۔" صفیہؓ نے شاعر پر حقارت کی ایک نگاہ ڈال کر ڈنڈا اُٹھایا، کمر میں پیٹی باندھی، اور اس یہودی سے لڑنے کے لئے قلعے سے نیچے اُتر آئیں۔ اس بہادر خاتون نے یہودی کو مار دیا، اور اس کی کھلی ہوئی کھوپڑی اور خون آلود لاش کو چھوڑ کر قلعے میں واپس آئیں تو حسانؓ سے کہا "اے حسان! میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اب جاؤ اور اس کے جسم پر سے مال غنیمت اتار لاؤ، کیونکہ کسی مرد کے کپڑے اُتارنا ایک عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔" "اے بنت عبد المطلب، اللہ آپ کا بھلا کرے۔" حسانؓ نے جواب دیا "مجھے اس قسم کے مال غنیمت کی ضرورت نہیں۔"[1]

جب اس واقعے کی اطلاع مسلمانوں کو ملی تو انھیں بنو قریظہ کی غدّاری کا یقین ہو گیا۔ اب صورتِ حال اور زیادہ نازک ہو گئی، اور منافقین بھی زیادہ بے باک ہو گئے۔ مسلمان نصف رسد سے چوتھائی رسد پر آ گئے (بعد میں رسد کا ناپید ہو جانا بھی قسمت میں لکھا تھا!)۔ ان کا عزم تب بھی کمزور نہ پڑا، لیکن یہ بھی صورت تھی کہ اگر محاصرہ اور طول کھینچے تو محض فاقہ کشی مسلمانوں کو زیر ہونے پر مجبور کر دے اور مسلمانوں کو اس مسئلے کا کوئی براہ راست فوجی حل نظر نہیں آتا تھا۔

اس صورتِ حال میں نبی کریمؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ حکمت عملی کے استعمال سے وہ نتائج پیدا کئے جائیں جو اُن کی عسکری قوت کے بس سے باہر تھے۔ آپ نے غطفان کی امدادی فوج کے سالار عیینہ کے ساتھ خفیہ مذاکرات شروع کر دیئے۔ (عُیَینہ ایک بہادر اور سیدھا سادا آدمی تھا۔ اس مضبوط مگر کم عقل کانے کو بعد میں آنحضرتؐ سے مستعد احمق، کا لقب بھی ملنے والا تھا۔[2]) ان مذاکرات کا مقصد

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۲۲۸

[2] ابن قتیبہ: صفحہ ۳۰۳

یہ تھا کہ غطفان کو معاہدے سے ہٹا کر دو بڑے اتحادیوں ـــــ یعنی غطفان اور قریش ـــــ کے مابین پھوٹ ڈال دی جائے۔ اس مقصد کی کامیابی کی صورت میں ممکن تھا کہ دوسرے قبیلے بھی قریش سے الگ ہو جاتے۔ لیکن ایسے نتیجے کے بغیر بھی غطفان کی، ۲۰۰۰ جنگجوؤں پر مشتمل، جزوی فوج کی عدم موجودگی سے اتحادیوں کی طاقت میں اتنی کمی ہو جانی چاہیئے تھی کہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاسکے اور ان کو مدینے سے دور دھکیل دیا جائے۔

نبی کریمؐ نے اس طرح اپنی شرائط پیش کیں: "اگر غطفان اتحادیوں سے قطع تعلق کرلیں اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں تو انھیں مدینے کی کھجوروں کی پیداوار کا تیسرا حصہ دیا جائے گا۔" عُیَینہ نے، جو جنگی کامیابی سے اب تک مایوس ہو چکا تھا، یہ پیش کش قبول کرلی۔ معاہدہ مرتب ہو گیا، لیکن اس سے قبل کہ اس پر دستخط ہوتے اور مہر ثبت کی جاتی (جن کے بغیر اس پر پابندی لازم نہ تھی)، آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ یہ معاملہ پہلے چند سربرآوردہ مسلمانوں کے سامنے بھی پیش کر دیا جائے۔ ان مسلمان زعما نے شدید احتجاج کیا: "کھجوریں!" انہوں نے متعجب ہو کر کہا۔ "ان کفّار کو ہماری تلوار کی چوٹ کے سوا کچھ نہیں ملنا چاہیئے!"[۱] آنحضرتؐ کے ساتھ یہ اختلاف اتنا عام اور پرزور تھا کہ آپ نے مسلمانوں کی بات مان لینے کا فیصلہ کیا، اور مذاکرات کو ختم کر دیا گیا۔

یہ بلند ہمت مسلمان جنگی صورت حال کی نزاکت یا حکمت عملی کی باریکیوں کو نبی کریمؐ کی طرح بخوبی نہیں پرکھ پائے تھے۔ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ مسئلے کا حل محاصرے کو سفارتی تدبر سے توڑنے میں ہی مل سکتا ہے اور اب آپ کسی اور مناسب موقع کی تلاش میں رہنے لگے۔ جلد ہی ایک موقع نکل آیا۔

غطفان میں سے ایک شخص نے، جس کا نام نُعیم بن مسعود تھا، اسلام قبول کر لیا تھا، مگر اس نے اپنی مذہبی تبدیلی کو پوشیدہ رکھا تھا۔ اپنے علاقے کے ایک ممتاز فرد کی حیثیت سے، اُسے

---

[۱] ابنِ ہشام: جلد ۲ صہ ۲۲۳

تینوں بڑے اتحادی ــــ قریش، غطفان اور بنو قریظہ ــ اچھی طرح جانتے تھے۔ مزید برآں وہ بہت قابل آدمی بھی تھا۔

نعیمؓ ایک رات غطفان کے پڑاؤ سے نکلے اور چپکے سے مدینے پہنچ گئے۔ اُنھوں نے آنحضرتؐ کے پاس آکر اپنا حال بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کے کام آنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ "آپ جہاں چاہیں مجھے بھیجیں:" انہوں نے کہا[1] یہی وہ موقع تھا جس کے لئے آنحضرتؐ نے دعا کی تھی۔ نعیمؓ کے ساتھ مشورے کے دوران، نبی کریمؐ نے پوری صورت حال کا جائزہ لیا اور پھر نعیمؓ کو بتلایا کہ ان کو کیا کرنا تھا۔

اسی رات نُعیمؓ چھپ کر بنو قریظہ کی بستی میں داخل ہوئے اور کعبؔ سے ملے۔ انھوں نے ان خطرات کا نقشہ کھینچا جن سے یہودی دوچار تھے۔ "تمہارے حالات قریش اور غطفان کی مانند نہیں ہیں" انھوں نے سمجھایا۔ "تمہارے بیوی بچے اور گھر یہاں ہیں، جبکہ ان کے گھر اور بیوی بچے مدینے سے ایک محفوظ فاصلے پر ہیں۔ انھوں نے اس جنگ میں کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لیا ہے۔ اگر وہ محمدؐ کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہوئے تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے اور تمہیں مسلمانوں کے غیظ و غضب کے حوالے کر جائیں گے۔ تمہیں ان کے ساتھ مل کر اس وقت تک قطعاً کوئی کارروائی نہیں کرنی چاہیئے، جب تک وہ تمہیں اپنے چوٹی کے خاندانوں میں سے کچھ آدمی بطور یرغمال نہ دے دیں۔ اس طرح تمہیں ان کی نیک نیتی کی ضمانت مل جائے گی۔"

اس کے بعد نُعیمؓ قریش کے پاس گئے اور ابوسفیانؔ سے جو انھیں اچھی طرح جانتا تھا اور ان کی معاملہ فہمی کا قدر شناس تھا، بات کی۔ "تم نے ایسے لوگوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہے" انھوں نے کہا "جو غدار اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔ مجھے اپنے مدنی دوستوں کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ بنو قریظہ پچھتا رہے ہیں، اور انھوں نے محمدؐ کے ساتھ ایک نیا معاہدہ کر لیا ہے۔ محمدؐ سے وفاداری کا ثبوت دینے کے لئے وہ تم سے تمہارے معزز ترین خاندانوں کے کچھ آدمی بطور یرغمال مانگنے والے ہیں، جنھیں وہ

[1] ابن ہشام: جلد ۲ صفحہ ۲۲۹

فوراً محمدؐ کے حوالے کردیں گے اور محمدؐ تمہارے ان آدمیوں کو قتل کرادے گا۔ اس کے بعد یہودی کھلے بندوں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے، اور یہ دونوں گروہ مل کر ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ تمہیں کسی قیمت پر بھی یہودیوں کو یرغمال نہیں دینا چاہیئے!"

پھر وہ غطفان کے پاس گئے اور وہاں بھی انھوں نے یہی تصویر پیش کی۔ نعیمؓ کے فارغ ہونے تک، اتحادیوں کے ذہن میں بدگمانی اور اختلاف کا بیج اچھی طرح بویا جاچکا تھا۔

ابوسفیان نے یہودیوں کے معاہدۂ اتحاد پر بلا حیل وحجت بھروسہ کرلیا تھا، لیکن اب اس کو شبہ ہونے لگا۔ اس نے جنگ کی رفتار تیز کرنے اور یہودیوں کے عزائم کو پرکھنے کا فیصلہ کیا۔ نعیمؓ کی ملاقات کے دوسرے روز، جمعہ، ۱۴ مارچ کی رات کو اس نے بنو قریظہ کے پاس عکرمہ کی سربراہی میں ایک وفد بھیجا۔ "صورت حال اب بہت بری ہے"، عکرمہ نے کہا۔ "اسے مزید برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ ہم کل حملہ کریں گے۔ تم نے ہم سے محمدؐ کے خلاف معاہدہ کیا ہے، تمہیں اس حملے میں اپنی بستی کی سمت سے بہرصورت شریک ہونا چاہیئے۔"

یہودی کچھ دیر کے لئے بات کرتے رہے۔ پھر انھوں نے اپنی شرائط پیش کیں: "ہمارے حالات تمہاری صورت حال سے زیادہ نازک ہیں۔ اگر تمہیں کامیابی نہ ہوئی تو ہوسکتا ہے کہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ دو۔ اس صورت میں ہمیں تنہا محمدؐ کے غیظ وغضب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ یقین دلانے کے لئے کہ ایسا نہیں ہوگا، تمہیں ہم کو اپنے چوٹی کے خاندانوں میں سے کچھ آدمی بطور یرغمال دینے ہوں گے، اور ان کو اس وقت تک ہمارے پاس رہنا ہوگا جب تک کہ جنگ کا کوئی اطمینان بخش فیصلہ نہیں ہوجاتا۔ بہرحال، کل سنیچر ہے اور یہودیوں کو سبت کے روز جنگ کرنے کی ممانعت ہے۔ جو سبت کی پابندی نہیں کرتے، خدا انھیں سوٴر اور بندر بنا دیتا ہے۔" عکرمہ نامراد لوٹ آیا۔

تب ابوسفیان نے فیصلہ کیا کہ یہودیوں کو اگلے روز کی جنگ میں شریک ہونے پر رضامند کرنے کے لئے ایک اور کوشش کی جائے اور کعب کے پاس ایک اور وفد بھیجا۔ لیکن طرفین اپنے اپنے

موقف پر بدستور قائم رہے :

قریش : "یرغمال نہیں دیا جائے گا۔ کل جنگ کرو!"

یہودی : "سبت کے روز جنگ نہیں کی جائے گی۔ بہر صورت، پہلے یرغمال لیں گے!"

اب تینوں گروہوں نے کہا "نُعیمؓ نے ٹھیک کہا تھا۔ اس نے ہم کو کتنی دانش مندانہ نصیحت کی تھی!"[1] نُعیمؓ نے اپنا فرض بخوبی سرانجام دیا تھا۔ بنو قریظہ کو بڑی صفائی کے ساتھ اتحادیوں سے الگ کر دیا گیا تھا۔

٭

اگلی صبح، سنیچر، ۱۵ مارچ، کو خالدؔ اور عکرمہؔ نے، تاخیر سے اُکتا کر اور اتحادیوں کی مشترکہ کارروائی کی صورت نہ دیکھتے ہوئے، معاملات کو اپنے ہاتھ میں لینے اور بہر صورت کسی نتیجے تک پہنچنے کے لئے تگ و دو کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے اپنے سواروں کے دستے کر آگے بڑھے اور ذباب کے مین مغرب میں ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں خندق اتنی چوڑی نہیں تھی جتنی دوسری جگہوں پر، اور جہاں سوار اپنے گھوڑے کُدا کر یا پیادہ سپاہی ہاتھ پیر کے بل خندق پار کر سکتے تھے۔ یہ جگہ مسلم پڑاؤ کے، جو سلع کے دامن میں واقع تھا، بالکل سامنے تھی۔

پہلے عکرمہؔ کا سوار دستہ حرکت میں آیا اور ایک چھوٹی سی ٹولی گھوڑوں پر خندق پھلانگ کر بخوبی دوسری طرف مسلمانوں کے روبرو آگئی۔ اس ٹولی میں سات آدمی تھے، جن میں عکرمہؔ اور ایک عظیم قد و قامت کا شخص بھی شامل تھے۔ اس شخص نے اپنے قوی ہیکل گھوڑے کو اپنی ٹولی سے آگے بڑھا کر مسلمانوں کا، جو قریش کی اچانک آمد پر حیران تھے، جائزہ لینے لگا۔ اب فضا تاریخ کی ایک ایسی عجیب و غریب نبرد آزمائی کے لئے تیار ہو چکی تھی جس کو یہاں اس کے غیر معمولی واقعات کی وجہ سے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

---

[1] ابن ہشام : جلد ۲، صفحہ ۲۳۰ - ۲۳۱ - ابن سعد : صفحہ ۵۷۴

اس شخص کا قد کاٹھ اتنا بڑا تھا کہ پا پیادہ وہ دوسروں پر چھا جاتا تھا۔ اور جب وہ اپنے قوی ہیکل گھوڑے پر بیٹھا ہوتا تو واقعی ناقابلِ یقین دیو لگتا۔ جسیم، طاقتور اور نڈر ہونے کے علاوہ اس آدمی کے چہرے سے ایسی ہیبت ٹپکتی تھی جو خصوصیت سے اس کے ساتھیوں کے لئے ولولہ انگیز اور اس کے دشمنوں کے لئے حوصلہ شکن تھی۔

یہ عمرو بن عبدوُد تھا (ہم اسے دیو کہیں گے!)۔ جب اس نے مسلمانوں کے لشکر پر اپنی حقارت بھری نگاہ دوڑائی تو گھوڑا اور سوار دونوں ساکت تھے۔

اچانک اس دیو نے سر اٹھایا اور گرج کر کہا "میں عمرو بن عبدود ہوں، میں عرب بھر میں سب سے بڑا جنگجو ہوں۔ میں ناقابلِ تسخیر ہوں۔ میں ....میں ...." بلاشبہ وہ اپنے بارے میں بہت اونچی رائے رکھتا تھا۔ "کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو میرے ساتھ اکیلا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو؟"

مسلمانوں نے اس للکار کا کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انھوں نے آنحضرتؐ کی طرف دیکھا۔ لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا، کیونکہ اس دیو کی طاقت اور جنگی مہارت ضرب المثل تھی، اور کئی بار زخمی ہونے کے باوجود اس نے نبرد آزما ہونے میں نہ تو کبھی شکست کھائی تھی اور نہ کبھی اپنے حریف کو زندہ واپس جانے دیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ ۵۰۰ سواروں کے برابر ہے، وہ گھوڑے کو اپنے ہاتھوں میں اوپر اٹھا کر زمین پر پٹخ سکتا ہے، وہ ایک بچھڑے کو بائیں ہاتھ میں اٹھا کر لڑائی میں ڈھال کے طور پر استعمال کر سکتا ہے، وہ ..... غرضیکہ اس کے بارے میں بے شمار افسانے تھے۔ اہلِ عرب کے زرخیز تخیّل نے اس خوفناک جنگجو کے ناقابلِ تسخیر ہونے کے متعلق طرح طرح کی کہانیاں گھڑ رکھی تھیں۔

چنانچہ مسلمان خاموش رہے اور اس دیو نے حقارت آمیز قہقہہ لگایا۔ ایک ایسا قہقہہ جس میں قریش بھی شریک تھے، کیونکہ وہ خندق کے بالکل قریب تھے اور سب کچھ دیکھ سُن رہے تھے۔

"اچھا تو تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو مردانگی کا جوہر رکھتا ہو؟ اور تمہارے اسلام کا کیا بنا؟ اور تمہارا پیغمبر؟" اس ناپاک طنز پر حضرت علیؓ مسلمانوں کی اگلی صف میں اپنی جگہ سے بڑھے، نبی کریمؐ کے پاس آئے اور للکارنے والے سے نبرد آزما ہونے اور اس کی زبان درازی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرنے کی اجازت چاہی۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا "واپس چلے جاؤ۔ یہ عمرو ہے!" حضرت علیؓ اپنی جگہ پر واپس آگئے۔

ایک بار پھر توہین بھرے قہقہے بلند ہوتے، مسلمانوں کو مزید طعنے ملے، اور ان کو پھر للکارا گیا۔ حضرت علیؓ پھر نبی کریمؐ کے پاس آئے۔ آنحضرتؐ نے اس بار بھی اجازت نہ دی۔ قہقہوں اور طعنوں میں اضافہ ہو گیا اور عمرو نے پھر للکارا اور پہلے سے بھی زیادہ ذلت آمیز انداز میں: "تمہاری جنت کہاں ہے۔" اس نے گرج کر کہا "جس کے بارے میں تم کہتے ہو کہ جنگ میں مارے جانے والے اس میں داخل ہوں گے؟ کیا تم کسی کو مجھ سے لڑنے کے لئے نہیں بھیج سکتے؟"

حضرت علیؓ جب تیسری مرتبہ نبی کریمؐ کی طرف بڑھے تو آنحضرتؐ نے ان کی آنکھوں میں ایک ایسی کیفیت دیکھی جس سے آپ بخوبی آشنا تھے۔ اور جس سے آپ نے جان لیا کہ اب حضرت علیؓ کو روکنا ممکن نہ ہوگا۔ آپ نے علیؓ پر ایک شفقت بھری نظر ڈالی۔ کیونکہ علیؓ سے زیادہ عزیز ان کو کوئی نہ تھا۔ پھر آپؐ نے اپنا عمامہ اُتار کر حضرت علیؓ کے سر پر باندھا اور اپنی تلوار حضرت علیؓ کی کمر میں باندھی اور آپؐ نے دعا کی: "یا اللہ! اس کی مدد کر۔"[1]

یہ تلوار، جس کو نبی کریمؐ نے اب حضرت علیؓ کو عطا کیا، کبھی مُنبہ بن حجاج نامی ایک کافر کی ملکیت تھی۔ یہ شخص جنگ بدر میں مارا گیا تھا، اور اس کی تلوار مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں ملی تھی۔ اس تلوار کو خود آنحضرتؐ نے اپنے لئے لے لیا تھا۔ اب حضرت علیؓ کے ہاتھ میں اس کو اسلامی تاریخ میں سب سے مشہور تلوار کی جگہ ملنے والی تھی، کیونکہ دست بدست محاربوں میں کسی اور تلوار نے

---

[1] ابن سعد: صفحہ ۵۷۲

کبھی اتنے آدمی نہیں مارے ہیں۔ یہی تھی ذوالفقار۔

حضرت علیؓ نے بہ عجلت مسلمانوں کا چھوٹا سا جتھا جمع کیا اور لمبے قدم بھرتے ہوئے کفار کی طرف آئے۔ اُن کے ساتھی دیو سے کچھ دُور رُک گئے، اور علیؓ آگے بڑھ کر للکارنے والے سے مقابلے کے لئے مناسب فاصلہ تک روبرو پہنچ گئے۔ دیو علیؓ سے بخوبی واقف تھا، کیونکہ وہ ان کے والد، ابوطالب، کا دوست رہ چکا تھا۔ اس نے اب حضرت علیؓ کو کچھ ایسے مشفقانہ انداز میں مسکرا کر دیکھا جیسے بزرگ بچے کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔

"اے عمرو!" حضرت علیؓ نے پکار کر کہا "سنا ہے کہ اگر قریش کا کوئی فرد تمہارے سامنے دو تجاویز پیش کرے تو تم ہمیشہ ان میں سے کم از کم ایک مان لیتے ہو۔"

"سچ ہے۔"

"تو پھر میں تمہارے سامنے دو تجاویز پیش کرتا ہوں۔ پہلی یہ کہ اللہ، اللہ کے رسولؐ اور اسلام پر ایمان لے آؤ۔"

"مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تو پھر گھوڑے سے اُترو اور میرے ساتھ لڑو۔"

"آخر کیوں، میرے بھائی کے لڑکے؟ میں تمہیں قتل کرنے کا آرزومند نہیں ہوں۔"

"لیکن میں" حضرت علیؓ نے کہا "تمہیں قتل کرنے کا بہت آرزومند ہوں!"[1]

دیو کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ ایک غضب ناک للکار کے ساتھ اچھل کر گھوڑے سے نیچے اُتر آیا، اور اس میں ایسی پھرتی دکھائی کہ اتنے بھاری بھرکم جثہ کے لئے حیرت کی بات تھی۔ اُس نے پہلے اپنے گھوڑے کی ٹانگیں باندھیں، پھر تلوار کھینچ کر علیؓ پر ٹوٹ پڑا۔ لڑائی شروع ہو گئی۔

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۲۲۵

عمرو نے علیؓ پر کئی وار کئے لیکن علیؓ کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ وہ ہر وار کو یا اپنی تلوار یا ڈھال پر لیتے یا پھرتی سے کترا کے دیو کی تلوار کو سن سے پاس سے گزر جانے دیتے۔ بالآخر دیو تھک ہار کر ہانپتا ہوا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ حیران تھا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے کبھی کوئی شخص اس کے ساتھ مقابلے میں اتنی دیر تک زندہ نہیں رہا تھا۔ اور اب یہ لڑکا اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی معمولی سا کھیل کھیل رہا ہو!

اس کے بعد واقعات اتنی تیزی سے رُونما ہوئے کہ کوئی بھی ان کے تسلسل کا پوری طرح ساتھ نہ دے سکا ـــ نہ مسلمان، نہ قریش اور نہ خود بیچارہ دیو۔ حضرت علیؓ نے تلوار اور ڈھال زمین پر رکھ دی، ان کا جسم بجلی کی طرح فضا میں لپکا اور ان کے ہاتھوں نے اس دیو کا گلا دبوچ لیا۔ پھر اڑنگا دے کر انھوں نے دیو کے قدم اکھیڑ دیئے اور وہ دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہو گیا۔ اب دیو پشت کے بل زمین پر دراز تھا اور علیؓ اس کے سینے پر سوار تھے۔ دونوں فوجوں نے ایک ساتھ آہ کھینچ کے کچھ سرگوشی کے بعد اپنے سانس روک لئے۔

دیو کے چہرے پر حیرت کے آثار طیش میں بدل گئے۔ بالآخر وہ پچھاڑ دیا گیا تھا، اور وہ بھی ایک نوعمر لڑکے کے ہاتھوں جو قد کاٹھ میں اس کا آدھا بھی نہیں تھا! لیکن اس کے باوجود کہ وہ زمین پر چت پڑا تھا، اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اسے توقع تھی کہ وہ اب بھی مقابلہ جیت لے گا اور اپنے لئے عرب کے سب سے بڑے جنگجو ہونے کی حیثیت کو دوبارہ برقرار کرے گا: وہ اس لڑکے کو اس طرح فضا میں اچھال دے گا جس طرح ہوا ایک پتّے کو اچھال دیتی ہے۔

جب اس دیو نے علیؓ کی گرفت توڑنے کے لئے زور لگایا تو اس کے چہرے کا رنگ ارغوانی ہو گیا، اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں اور اس کے بازوؤں کے قوی دُسرے پٹھے کانپنے لگے لیکن وہ علیؓ کی گرفت کو اپنی جگہ سے انچ بھر بھی سرکا نہ سکا۔ علیؓ کے عضلات فولاد صفت تھے۔

"اے عمرو! یاد رکھو" حضرت علیؓ نے نرمی سے کہا" کہ فتح و شکست منشائے ایزدی پر منحصر ہے۔

اسلام قبول کرلو! اس طرح نہ صرف تمہاری جان بچ جائے گی بلکہ تمام دنیا و عقبیٰ میں اللہ کی رحمتوں سے بھی نوازے جاؤ گے۔" علیؓ نے اپنے کمربند سے ایک تیز دھار خنجر کھینچا اور اسے عمرو کے گلے کے قریب لاکر تھام لیا۔

لیکن یہ صورت حال اس دیو کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ کیا اسے جس کو سرزمین عرب میں سب سے بڑا مرد میدان سمجھا جاتا تھا، اب اپنی باقی عمر شکست خوردگی اور ذلّت کے سائے میں بسر کرنی ہوگی؟ کیا اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس نے ذاتی مقابلے میں اپنے حریف کی شرائط تسلیم کرکے اپنی جان بچائی تھی؟ نہیں! اس، عمرو بن عبدوُد، نے تلوار کے زور پر زندگی گزاری تھی۔ اس کی موت تلوار سے ہوگی۔ تشدّد میں گزرنے والی زندگی تشدّد ہی کی نذر ہونی چاہیئے۔ اس نے اپنے منہ میں لعاب جمع کیا اور حضرت علیؓ کے چہرے پر تھوک دیا!

وہ جانتا تھا کہ اس کا کیا انجام ہوگا۔ وہ جانتا تھا کہ تیزی سے ایک سانس کھینچنے کی آواز آئیگی، پھر فوراً علیؓ کا دایاں بازو اُٹھے گا، اور خنجر اُس کے گلے میں اُتر جائے گا۔ عمرو ایک بہادر آدمی تھا جو بلا جھجک موت کا سامنا کرسکتا تھا۔ اس نے اپنی پیٹھ کمان کی طرح تان لی اور اپنی ٹھوڑی کو اوپر اُٹھایا۔۔ اپنا گلا حضرت علیؓ کو پیش کرنے کے لئے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کیا ہونا ہے۔ کم از کم اس کا خیال تھا کہ وہ جانتا ہے!

لیکن اس کے بعد کے ماجرے نے اس کو اور حیرت میں ڈال دیا۔ علیؓ بڑے سکون کے ساتھ عمرو کے سینے پر سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اپنا چہرہ لونچھا، اور اپنے حریف سے چند قدم پیچھے ہٹ کے کھڑے ہوکر اس کی طرف متانت بھری نظروں سے دیکھا۔ "اے عمرو! یاد رکھو کہ میں کسی کو ذاتی غرض کی بنا پر نہیں بلکہ صرف فی سبیل اللہ قتل کرتا ہوں۔ چونکہ تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ اب میرا تمہیں قتل کرنا ذاتی بدلے کے لئے ہو۔ چنانچہ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ اُٹھو اور اپنے لوگوں کے پاس واپس جاؤ!"

دیو اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن اس کے لیے ہار مان کے اپنے لوگوں کے پاس لوٹنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ اس کا تہیہ تھا کہ جینا ہے تو بطور فاتح کے یا بالکل نہیں۔ اس نے فتح کی ایک آخری کوشش میں اپنی تلوار اٹھائی اور علیؓ پر جھپٹ پڑا۔ شاید علی اس کی زد میں آجائیں۔

علیؓ کو اپنی تلوار اور ڈھال اُٹھانے، اور تازہ حملے کے لیے تیار ہونے کی بمشکل مہلت ملی۔ اب اس دیو نے جو وار غضب ناک ہراسانی میں کیا وہ اس مقابلے کا سب سے خونخوار وار تھا۔ اس کی تلوار نے علیؓ کی ڈھال کو پاش پاش کر دیا، لیکن ڈھال نے وار کے زور کو توڑ دیا، اور تلوار سے علیؓ کی کنپٹی پر محض سطحی چوٹ لگ پائی۔ زخم اتنا خفیف تھا کہ اس سے علیؓ کا دھیان نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اس سے پیشتر کہ دیو دوبارہ تلوار بلند کرتا، ذوالفقار دھوپ میں چمکی اور اس کی نوک نے دیو کا گلا چیر دیا۔ دیو کے خون کا فوارہ چھوٹ گیا۔

وہ لمحہ بھر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر اس کا بدن ایسے جھومنے لگا جیسے مدہوشی کے عالم میں جھومتا ہے۔ بعد ازیں وہ دھڑام سے مُنہ کے بل گرا اور پھر اس میں جنبش نہ رہی۔

اس پہاڑ سے جسم کے گرنے سے زمین تو نہ ہلی۔ زمین بہت بڑی ہے۔ لیکن ... ۲ مجاہدین کے گلوں سے بلند ہونے والے نعرۂ تکبیر سے سلع کی پہاڑی ہل گئی۔ وادی کے طول و عرض میں گونجتا ہوا یہ نعرہ بالآخر صحرا کی خاموشی میں پیوست ہو گیا۔



مسلمانوں کا جتھا اب قریش کے باقی چھ آدمیوں پر ٹوٹ پڑا۔ تلواروں کی اس جنگ میں ایک اور قریش مارا گیا، اور ایک مسلمان بھی شہید ہو گیا۔ چند لمحوں بعد قریش کی باقی ماندہ ٹولی پیچھے مڑی اور تیزی سے خندق کی دوسری طرف پہنچ گئی۔ خندق پھلانگتے وقت عکرمہ نے اپنا نیزہ گرا دیا جس پر حسان، شاعر اعظم، نے کئی ایک ہجویہ اشعار کہے۔ نوفل بن عبداللہ نامی ایک شخص، جو خالد کا چچیرا بھائی تھا، خندق پار نہ کر پایا اور اس میں گر گیا۔ اور اس سے پیشتر کہ وہ اُٹھ سکتا، مسلمان خندق کے

کنارے پہنچ گئے اور انہوں نے اس پر پتھروں کی بوچھاڑ شروع کردی۔ نوفل نے منت سماجت کی "اے عربو! اس سے تو موت یقیناً بہتر ہے!"[1] اس پر علیؓ نے خندق میں اُتر، اس کا سر قلم کرکے اس کی مُراد پوری کردی۔

مسلمانوں کا جتھا اب اپنے پڑاؤ کو لوٹ آیا، اور خندق کے اس قابلِ عبور مقام پر کڑا پہرہ بٹھادیا گیا۔

اگلے روز سہ پہر کو خالدؔ ایک دستے کے ساتھ یہ ارادہ کرکے آگے بڑھا کہ جہاں عکرمہؔ ناکام رہا وہاں وہ کامیاب ہو۔ اس نے خندق پار کرنے کی کوشش کی، لیکن اس مرتبہ اس مقام پر متعین پہریداروں نے خالدؔ کو پیش قدمی کرتے دیکھ لیا اور بروقت صف بستہ ہوکر اس کو روک لیا۔ دونوں طرف سے زوردار تیر اندازی ہوئی، جس کے دوران میں ایک مسلمان اور ایک قریش مارا گیا۔ لیکن خالدؔ کو خندق عبور کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔

چونکہ اس کی مخالفت اتنی سخت تھی کہ اس پر قابو پانا ممکن نظر نہ آتا تھا، اس لئے خالدؔ نے فیصلہ کیا کہ جنگی چالبازی سے کام لیا جائے۔ اس نے اپنے دستے کو اس طرح پیچھے ہٹایا کہ گویا اس نے خندق عبور کرنے کا ارادہ ترک کردیا ہے، اور پھر اس کو خندق سے دور لے جاکر تیار کھڑا کردیا مسلمان اس جھانسے میں آگئے۔ یہ باور کرکے کہ خالدؔ نے خندق پار کرنے کی کوشش ترک کردی ہے، وہ پیچھے ہٹ آئے، اور ستاکر رات کی خاموشی اور سکون کا انتظار کرنے لگے۔ معاً خالدؔ نے اپنے دستے کو سرپٹ خندق کی طرف دوڑایا اور، اس سے قبل کہ مسلمان پہریداروں کو دوبارہ صف آرا ہونے کا موقع ملتا، خالدؔ کی قیادت میں چند قریش خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن وہ خندق سے زیادہ آگے نہیں بڑھے تھے کہ مسلمان دوبارہ منظم ہوگئے اور انھوں نے خالد اور اس کے ساتھیوں کو ایک مختصر سے مقام میں گھیر لیا (نقشہ ۳ دیکھئے)۔ خالدؔ نے اس گھیرے سے نکلنے کی بہت کوشش کی۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۲۴۰

لیکن مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت بہت شدید تھی، اور اسے کامیابی نہ ہوئی۔ قریش کے جتھے اور مسلمان پہرداروں کے درمیان دست بدست جنگ ہوئی، جس کے دوران خالدؓ نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا۔ وحشی بھی وہاں موجود تھا، اور اس نے خندق کی دوسری جانب سے وہی نیزہ پھینک کر، جس سے اس نے جنگِ اُحد میں حضرت حمزہ پر حملہ کیا تھا، ایک مسلمان کو شہید کر دیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد خالدؓ، حالات کو مایوس کن پاکر، لڑائی روک کے خندق کی دوسری طرف پلٹ آیا۔ جنگِ خندق کی یہ آخری بڑی فوجی کارروائی تھی۔

⁂

اگلے دو روز تک، سوائے وقتاً فوقتاً تیر اندازی کے، جس سے طرفین کو کوئی نقصان نہ پہنچا، اور کچھ نہ ہوا۔ اب مسلمانوں کی خوراک ختم ہو گئی، لیکن بے بسی نے ان کو اور بے باک کر دیا اور وہ کفّار کے سامنے جھکنے کے بجائے بھوکوں مرنے پر تُل گئے۔ اتحادیوں کے پڑاؤ میں بدمزاجی بڑھ گئی اور حوصلے پست ہو گئے۔ ہر آدمی جانتا تھا کہ فتح کی توقعات سے بھری ہوئی مہم بری طرح ناکام ہو چکی تھی وسیع پیمانے پر شکوے شکایات ہونے لگے، اور اس صورتِ حال کو ناقابلِ برداشت بنانے میں اس حقیقت کا ہاتھ تھا کہ اس الجھن کا حل کسی کو بھی نہیں سُوجھ رہا تھا۔

پھر منگل، ۱۰ / مارچ، کی رات کو مدینے کا علاقہ ایک طوفان کی زد میں آ گیا۔ تند و تیز سرد ہوا کے جھکّڑ اتحادی پڑاؤ سے ٹکرائے اور سائیں سائیں کرتے ساری وادی میں پھیل گئے۔ درجۂ حرارت تیزی سے گر گیا۔ اتحادی پڑاؤ مسلمانوں کے پڑاؤ کی بہ نسبت زیادہ کھلی جگہ میں تھا، اور طوفان اتحادیوں پر منتقمانہ انداز میں ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے چولھے ٹھنڈے کر دیئے، دیگچیاں گرا دیں، خیمے اکھیڑ کر اڑا دیئے۔ جب طوفان اس طرح اپنا غصّہ اتار رہا تھا، تو اتحادی اس کے خاتمے کے بے سُود انتظار میں، اپنے اپنے قباؤں اور کمبلوں میں سمٹ کر بے ہنگم سی گٹھڑیاں بنے بیٹھے رہے۔

ابوسفیانؓ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا، اور اس نے طوفان

کی مخالف سمت میں آواز بلند کرتے ہوئے چلاکر اپنے ساتھیوں سے کہا: "یہ جگہ ہمارے قیام کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس کھلی جگہ پر ہونے کے باعث آدمیوں اور جانوروں کو شدید نقصان پہنچاہے، بنو قریظہ سوُر اور بیدر ثابت ہوئے ہیں اور ضرورت کے وقت ہمیں دغا دے گئے ہیں۔ اس طوفان نے ہمارے پڑاؤ کو تباہ کر دیا ہے، ہمارے چولھے ٹھنڈے کر دیئے ہیں، ہمارے خیمے اکھاڑ پھینکے ہیں، آؤ مکے واپس چلیں۔ اور لو، میں تو چلا"۔ [1]

اپنی یہ آخری تقریر ختم کرتے ہی، ابوسفیان اچھل کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اور اس بے رحم طوفان سے دُور بھاگ جانے کی اُمید میں، اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں سے چل دیا۔ لیکن طوفان نے اسے رات بھر عذاب میں مبتلا رکھا۔ غطفان اور دوسرے قبائل کو قریش کے کوچ کا علم ہوا چنانچہ وہ بھی مزید تاخیر کے بغیر اونٹوں پر سوار ہو کر اپنی بستیوں اور چراگاہوں کو روانہ ہو گئے۔ خالدؓ اور عمرو بن العاص اپنے اپنے سوار دستوں کے ساتھ لشکر قریش کے پیچھے چل رہے تھے۔ اُنہیں مسلمانوں کے مدینے سے نکل کر قریش کی نقل و حرکت میں مخل ہونے کی صورت میں، عقبی فوج کے دفاعی فرائض انجام دینے تھے۔ یہ ایک تلخ تجربہ تھا اور اس نے ابوسفیان کی جو اپنے لشکر کو لے کر واپس مکے جارہا تھا، آنکھیں کھول دیں۔ اس کے دل پر ناکامی کا بھاری بوجھ تھا۔

اگلی صبح مسلمانوں نے دیکھا کہ اتحادی جاچکے ہیں، اور وہ بھی اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ قریش کی طرف سے مسلمانوں کو کچلنے کی یہ آخری کوشش تھی۔ اس کے بعد ان کی مخالفت مدافعت تک محدود رہی۔



جنگِ خندق ختم ہوگئی۔ دونوں طرف سے چار چار آدمی مارے گئے۔ یہ اس لحاظ سے مسلمانوں کی فتح تھی کہ انہوں نے اتحادیوں کے مقابلے میں خود اپنی اور اپنے گھروں کی مدافعت

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۲۳۲

کا مقصد حاصل کر لیا، جبکہ اتحادی مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کی کوشش میں ناکام رہے۔ فی الواقعہ اتحادی مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ محاصرہ ۲۳ روز تک جاری رہا، اور اس سے دونوں طرفین پر سخت دباؤ پڑا۔ محاصرے کا خاتمہ طوفان کے ذریعے تو ہوا، لیکن اصل سبب طوفان نہیں تھا۔ یہ تو محض آخری وجہ تھی۔ درحقیقت اس فوجی کارروائی کی نوعیت جنگ کی اتنی نہیں جتنی محاصرے اور تقابل کی تھی، کیونکہ دونوں فوجوں میں کسی وقت بھی صحیح معنوں میں مٹھ بھیڑ نہ ہوئی۔ تاریخ اسلام میں جنگ کے دوران سیاسی وسفارتی اصولوں سے کام لینے کی یہ پہلی مثال تھی، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قومی مقاصد کے حصول کے لئے سیاسی اصولوں اور حربوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مسلح فوج کا استعمال جنگ کا ایک پہلو ہے ـــ ایک تشدد آمیز اور تخریبی پہلو۔ جس سے صرف اس وقت کام لیا جاتا ہے جب ملکی مقاصد کے حصول کے لئے سیاسی ذرائع بے سُود ثابت ہوتے ہیں۔ جب مسلح جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے تو سیاست، فن سفارت کو ایک بنیادی حربے کے طور پر استعمال کر کے مسلح فوج کی کارروائی کے لئے زمین ہموار کرتی ہے۔ اس میں معاملت ایک خاص فضا تیار کرتی ہے، دشمن کو کمزور کرتی ہے اور اس کی طاقت کو گھٹا کر اس سطح پر لے آتی ہے جہاں اس کے خلاف مسلح فوج کو زیادہ سے زیادہ کامیابی کے ساتھ بروئے کار لایا جا سکے۔

اور نبی کریمؐ نے اس کے عین مطابق عمل کیا۔ آپ نے دشمن کو صرف تعداد کے لحاظ سے نہیں بلکہ ہمت و حوصلے کے لحاظ سے بھی کمزور کرتے اور ان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے سفارتی حربے سے کام لیا۔ یہ بات اکثر مسلمانوں کی فہم سے بالا تھی، مگر وہ اپنے قائد سے سیکھ رہے تھے۔ آنحضرتؐ کے ان الفاظ کو کہ "جنگ داؤں پیچ کا معاملہ ہے"[1] یاد رکھا گیا، اور بعد کی اسلامی مہمات میں اکثر ان کا حوالہ دیا گیا۔

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۲۲۹ - واقدی: مغازی، صفحہ ۲۹۵

۵

خالدؓ کا قبولِ اسلام

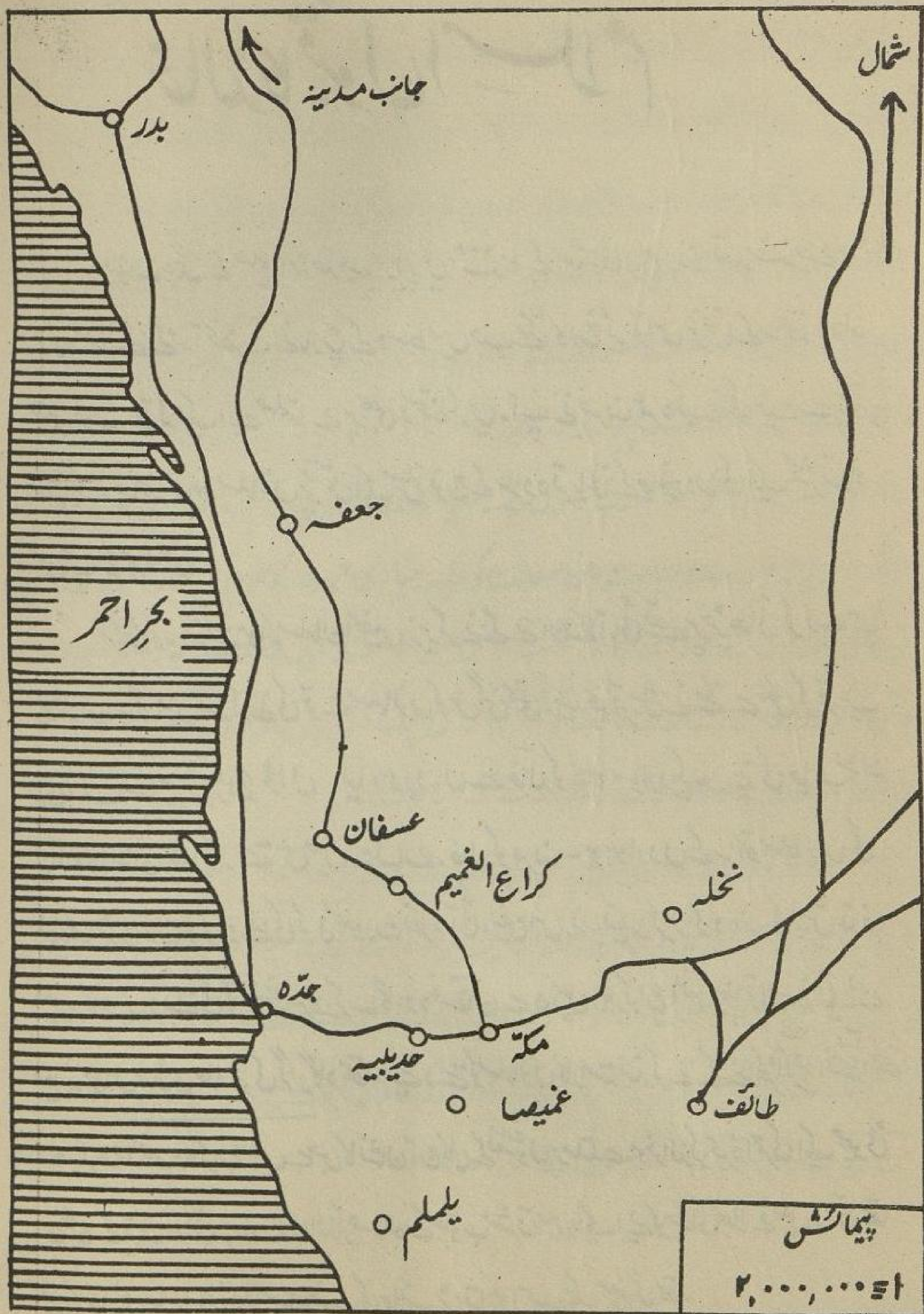
التوائے جنگ کے صلح نامۂ حدیبیہ پر اپریل ۶۲۸ء کے ابتدائی ایام (ذی قعدہ ۶ھ کے اواخر) میں دستخط کئے گئے۔ آنحضرتؐ نے مارچ کے وسط میں جب مکّے کا رخ کیا تو اس غرض کے ساتھ روانہ نہیں ہوئے تھے کہ ایک ایسے صلحنامے پر بھی دستخط کریں۔ آپ نے صرف عمرہ کرنے کی نیت سے یہ سفر اختیار کیا۔ چنانچہ ۱۴۰۰ مسلمانوں پر مشتمل ایک مسلّح فوج کے علاوہ قربانی کے جانوروں کی ایک کثیر تعداد بھی آپ کے ہمراہ تھی۔

قریش کو یہ اندیشہ ہوا کہ مسلمان انھیں زیر کرنے کے لئے ان کے آبائی قصبے پر چڑھائی کر رہے ہیں، چونکہ اب جنگ میں حملہ کرنے کی قوت مسلمانوں کو مل گئی تھی۔ چنانچہ قریش نے مکّے سے نکل کر قریب ہی ایک مقام پر پڑاؤ ڈال لیا، اور وہاں سے خالدؓ کو ۳۰۰ سوار دیکر مدینے کی جانب روانہ کیا کہ وہ اسلامی لشکر کو راستے ہی میں روک لے۔ خالد کو صرف ۳۰۰ سواروں کے ساتھ مسلمانوں کی کئی گنا بڑی فوج کو تو روکنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی، لیکن اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ان کی پیش قدمی میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ وہ عسفان سے ۱۵ میل دور کراع الغمیم پہنچا تو اس نے ایک درّے میں، جو اس پہاڑی علاقے کی گزرگاہ تھا، اپنے دستے کو مسلمانوں کا راستہ بند کرنے کے لئے کھڑا کر دیا۔[1] (نقشہ ۳ دیکھئے)

---

[1] یہ کراع الغمیم وہ کراع نہیں ہے جس کا نشان آج کل کے نقشوں پر ملتا ہے۔ موخر الذکر بحیرۂ احمر کی ایک چھوٹی سی خلیج کے قریب واقع ہے اور اول الذکر عسفان کے جنوب مشرق میں ایک ایسے کوہستانی علاقے میں واقع تھا جس کا پہاڑی سلسلہ اس مقام سے مغرب کی جانب بڑھتا ہوا سمندر تک پہنچ گیا تھا۔

نقشہ نمبر ۴ فتح مکہ (۱)



جب مسلمان عسفان پہنچے تو انہوں نے وہاں سے ۲۰ سواروں کا ایک دستہ حالات جانچنے کے لئے آگے بھیجا۔ اس دستے نے کراع النعیم پہنچ کر خالد کے رسالے کا جائزہ لیا اور اس کے سواروں کی تعداد اور اس کی صف آرائی کی تفصیلات سے عسفان میں آنحضرتؐ کو آگاہ کیا۔

نبی کریمؐ نے اس مقام پر جنگ کرکے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ علاوہ ازیں آپ چاہتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے خون خرابے سے احتراز کیا جائے۔ کیونکہ آپ گھر سے جنگ کی غرض سے نہیں، عمرہ کرنے نکلے تھے۔ چنانچہ آپ نے ہراول دستے کو حکم دیا کہ وہ خالد کے سامنے محاذ قائم کرکے اسے اپنی طرف متوجہ کئے رکھے۔ اس طرح خالد کی توجہ اس چھوٹے سے دستے پر مرکوز ہو کر رہ گئی، اور آنحضرتؐ اپنی فوج کو لے کر قدرے دائیں جانب ہٹے اور پھر دشوار گزار پہاڑی علاقے کے انجان راستوں پر چلتے ہوئے ساحلِ سمندر کے قریب درۂ ثنیۃ المرار[1] سے گزر کر سلسلۂ کوہ کی دوسری جانب پہنچ گئے۔ یہ سفر بہت کٹھن ثابت ہوا مگر کامیابی سے طے ہو گیا، اور خالد کا رسالہ پیچھے کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ خالد کو مسلمانوں کی اس لغلی فوجی حرکت کا احساس صرف اس وقت ہوا جب ان کا لشکر دور، دھول اڑاتا ہوا، منزلِ مقصود کی طرف نکل گیا۔ خالد نے یہ نازک صورتِ حال دیکھ کر تیزی سے واپس مکے کا رُخ کیا۔ مسلمان بلا روک ٹوک آگے بڑھتے گئے، حتیٰ کہ وہ مکے سے مغرب کی جانب ۱۳ میل دور حدیبیہ تک پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے اپنے خیمے گاڑ دیئے۔

اگرچہ نبی کریمؐ خونریزی سے حتی الامکان بچنا چاہتے تھے، تاہم حدیبیہ کے مقام پر کچھ عرصے تک جنگ ناگزیر نظر آتی رہی۔ چند جھڑپیں ہوئیں بھی، مگر جانی نقصان تک نوبت نہ پہنچی۔ بہر حال چند دن بعد قریش کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے نہیں بلکہ واقعی صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ تب دونوں جانب سے ایلچیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی، اور بالآخر فریقین ایک عارضی صلح پر

---

[1] اس درّے کو ذات الحنظل بھی کہتے تھے (ابو یوسف: صہ ۲۰۹)

متفق ہو گئے، جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس صلح نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے رسول کریمؐ نے اور قریش مکہ کی جانب سے سہیل بن عمرو نے دستخط کئے۔ صلح کی مندرجہ ذیل شرائط تھیں:

ا۔ مسلمان اور قریش دس سال تک نہ تو آپس میں جنگ کریں گے، نہ ایک دوسرے پر چھاپے ماریں گے، اور نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف کسی اور قسم کی کوئی فوجی کارروائی کریں گے۔

ب۔ اگلے سال مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور انھیں مکّے میں تین روز تک قیام کرنے کا حق ہوگا۔

ج: اگر قریش کا کوئی فرد بھاگ کر مسلمانوں کے پاس پہنچا تو اسے واپس کیا جائے گا۔ لیکن مسلمانوں کا کوئی فرد اگر بھاگ کر قریشِ مکّہ کے پاس آیا تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

د: دیگر قبائل بھی ایک یا دوسری طرف سے اس معاہدے میں شریک ہوسکیں گے، اور پھر ان پر بھی اس کی تمام شرائط عائد ہوں گی۔

معاہدے کی تیسری شق پر، جو طرفین کے مفروروں سے متعلق تھی، بعض مسلمان بہت برہم ہوئے۔ بالخصوص حضرت عمرؓ نے، جو بہت جوشیلے تھے، اس کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ لیکن رسول کریمؐ نے اس ضمن میں ہر احتجاج مسترد کر دیا۔ اگرچہ ابتدا میں یہ سمجھنا مشکل تھا لیکن دراصل اس صلح نامے میں مسلمانوں کے لئے کئی واضح، ٹھوس اور دور رس فوائد تھے۔ مسلمانوں نے اس معاہدے کی شرائط جس فراخدلی سے قبول کیں اس کا عرب قبائل پر نفسیاتی لحاظ سے بہت خوشگوار اثر ہوا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی عیاں ہو گیا کہ غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ میں مسلمانوں کو اپنے آپ پر کتنا اعتماد ہے۔ مزید برآں، اگر بعض مسلمانوں کو مکّہ چھوڑنے کی اجازت نہیں تھی تو اس کا یہ مطلب بھی تھا کہ وہ مکّے میں دشمنوں کے درمیان رہ کر مسلمانوں کے چشم و گوش کی

حیثیت سے اہلِ مکہ کوئی کام کرنے کے علاوہ اپنے حلقۂ اثر میں لانے کی کوشش بھی کر سکتے تھے۔ درحقیقت ان کا قریش مکہ کے درمیان رہنا مسلمانوں کے لئے باعثِ تقویت بنا۔ بہر حال، نبی کریمؐ نے کہا "اگر کسی نے ہمارے ہی ساتھ رہنے کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ ضرور اس خواہش کو پورا کرنے کی صورت پیدا کرے گا۔"[1]

صلح نامے کی آخری شق کے نتیجے میں مکے اور اس کے نواح میں بسنے والے دو اور قبیلے بھی معاہدے میں شریک ہو گئے۔ قبیلۂ خزاعہ مسلمانوں کا اور قبیلۂ بنو بکر قریش کا اتحادی بنا۔ یہ قبیلے ایک دوسرے کے دشمن تھے اور ان میں دورِ جاہلیت سے جھڑپیں جاری تھیں۔



خالد کے ذہن میں کچھ عرصے سے ایک تبدیلی رُونما ہونے لگی تھی۔ پہلے تو اُس نے زیادہ تر فوجی معاملات و مقاصد پر غور کیا۔ اپنی قابلیت اور عسکری مہارت کی بنا پر وہ اپنے آپ کو فتح و نصرت کا صحیح حقدار سمجھتا تھا۔ لیکن فتح کسی نہ کسی طرح ہمیشہ اس کی گرفت سے نکل جاتی تھی۔ جنگ اُحد میں، باوجود اس کی ماہرانہ جنگی چال کے، مسلمان اپنے آپ کو ایک بڑی شکست سے بچا لے گئے تھے۔ جس طرح نبی کریمؐ اپنی فوج کو ترتیب دیتے تھے، اور جس طرح آپ نے موقع پا کر قریش مکہ کے لشکر پر دباؤ ڈالا تھا، دونوں باتوں نے خالد کو آپ کی فوجی مہارت کا قائل کر لیا تھا۔ پھر جنگ خندق میں بھی قریش ناکام رہے تھے۔ وہ اتنی محتاط تیاریوں کے بعد اور اتنی بڑی تعداد میں جنگ کرنے گئے تھے کہ فتح یقینی لگتی تھی، لیکن خندق کی معمولی سی ترکیب نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا تھا۔ وہ شیروں کی طرح آگے بڑھے تھے اور چوہوں کی طرح واپس لوٹے۔ اور پھر حدیبیہ کی مہم میں بھی، جب خالد نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی تو نبی کریمؐ نے کمال تدبر کے ساتھ اسے ایک چھوٹے سے دستے سے الجھا کر اس کے منصوبے پر پانی پھیر دیا تھا۔ خالد کو

[1] واقدی: مغازی، صفحہ ۳۱۰

ایک باکمال انسان کی تلاش تھی، اور وہ محمدؐ کی عظمت کا معترف ہوگیا۔ آپ کی فوجی قیادت، آپ کے کردار، اور آپ کی شخصیت کی خوبیاں اس کو کسی اور میں نظر نہ آئیں۔

خالدؔ جنگ کے ہنگاموں کا دلدادہ تھا، اور فتح کا جلال اور کرّوفر اس کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ اس کی جنگجو فطرت مہمات کی متلاشی تھی اور قریش مکہّ کا ساتھ دینے میں اسے بدبختی ہی دکھائی دیتی تھی۔ قریش کی طرف سے کامیاب جنگ کرنے کی اسے کوئی امید باقی نہ رہی۔ پھر اسے خیال آیا کہ اگر وہ نبی کریمؐ کی قیادت قبول کرے تو اسے فتح اور شہرت کے بے شمار مواقع ملیں گے۔

مدینے میں فوجی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ غیر مسلموں کے فوجی اجتماع کو زیادہ بڑھنے سے پہلے منتشر کرنے یا اونٹ اور دوسرے مویشی پکڑ لانے کے لئے مسلمانوں کے فوجی دستے نت نئی مہموں پر بھیجے جا رہے تھے۔ جنگِ اُحد اور عمرۃ القضا کے مختصر سے درمیانی عرصے میں مسلمانوں نے ۲۰ مہمات سر کی تھیں۔ ان میں سے بعض مہموں کی قیادت خود آنحضرتؐ نے کی تھی اور بعض آپ کے مقرر کردہ سالاروں کی زیرِ نگرانی بھیجی گئی تھیں۔ سوائے چند ایک کے، ان تمام معرکوں میں مسلمانوں کو فیصلہ کن فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ ان میں سب سے بڑا اور اہم خیبر کا معرکہ تھا، جس میں یہودیوں کی آخری قوتِ مزاحمت تباہ کر دی گئی۔ ان کامیابیوں سے اسلام کی سیاسی حدود بڑھنے کے علاوہ مسلمانوں کو دولت بھی حاصل ہوئی۔ جب کبھی مسلمانوں کی مؤثر فوجی کارروائیوں کی خبریں مکےّ پہنچتیں، خالد بڑی حسرت کے ساتھ سوچتا کہ مسلمان کیا لطف اُٹھا رہے ہیں۔ اسے رہ رہ کر خیال آتا کہ کاش وہ بھی مدینے میں ہوتا، کیونکہ مدینہ ہی میں میدانِ عمل گرم تھا!

نبی کریمؐ کے عمرۃ القضا کے بعد خالدؔ کو اپنے مذہبی عقائد پر بھی بنیادی شک ہونے لگا۔ فی الواقعہ اسے نہ تو کبھی مذہب سے کوئی خاص دلچسپی رہی تھی، اور نہ ہی وہ بتانِ کعبہ کی جانب زیادہ مائل تھا۔ اس نے اپنی ذہنی آزادی ہمیشہ برقرار رکھی تھی۔ اب وہ مذہبی معاملات پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے لگا، لیکن اس نے اس سوچ بچار میں کسی کو شریک نہ کیا۔ بالآخر ایک روز اس کے

ذہن میں اچانک یہ خیال آیا کہ اسلام دینِ حق ہے۔ خالد پر یہ حقیقت آنحضرتؐ کے عمرۃ القضاء کے تقریباً دو ماہ بعد منکشف ہوئی۔

جب اس نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا تو ایک روز وہ عکرمہ اور چند دوسرے رفقاء سے ملا اور ان سے کہا "ہر باشعور ذہن کے لئے یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ، قریش کی الزام تراشی کے برعکس، محمدؐ نہ تو شاعر ہیں اور نہ ہی ساحر۔ آپ کا پیغام واقعی اللہ کا پیغام ہے۔ فہم و شعور رکھنے والے تمام انسانوں کا فرض ہے کہ آپ کی پیروی کریں۔"

خالد کی یہ بات سن کر عکرمہ پر سکتہ سا طاری ہو گیا، اور اس نے یقین نہ کرتے ہوئے پوچھا "کیا تم ہمارا مذہب چھوڑ رہے ہو؟"

"ہاں، میں معبودِ حقیقی پر ایمان لے آیا ہوں۔"

"تعجب ہے کہ یہ بات قریشِ مکہ میں سے تم کہہ رہے ہو!"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ مسلمانوں نے جنگ میں تمہارے بہت سے قریبی عزیزوں کو قتل کیا ہے۔ میں تو کسی قیمت پر بھی محمدؐ کو تسلیم نہیں کروں گا۔ اور اگر تم اپنے دل سے یہ لغو خیال نہیں نکالو گے تو پھر تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ دیکھتے نہیں ہو کہ قریش محمدؐ کے خون کے پیاسے ہیں؟"

"یہ سب جہالت کی باتیں ہیں" خالد نے جواب دیا۔

جب عکرمہ کی زبانی ابوسفیان کو خالد کے تبدیلیٔ عقیدے کا علم ہوا تو اس نے قریش کے ان دونوں بہادر جوانوں کو اپنے پاس بلایا۔

"کیا جو کچھ میں نے سنا ہے سچ ہے؟" ابوسفیان نے خالد سے پوچھا۔

"آپ نے کیا سنا ہے؟"

"یہی کہ تم محمدؐ کا ساتھ دینا چاہتے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ آخر محمدؐ ہم لوگوں میں سے ہیں۔ اور ان کا ہمارا خون کا بھی رشتہ ہے۔"

یہ سن کر ابوسفیان آگ بگولہ ہو گیا اور خالد کو سنگین دھمکیاں دینے لگا۔ لیکن عکرمہ نے اُسے روک دیا اور کہا "ہوش میں آؤ، ابوسفیان! کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہ غصّہ مجھے بھی محمدؐ کا حامی بننے پر مجبور کر دے۔ خالد کو اپنی مرضی کا عقیدہ اختیار کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے[1]۔" عکرمہ رشتے میں خالد کا بھتیجا ہی نہیں بلکہ اس کا جگری دوست بھی تھا، اور یہی وجہ تھی کہ وہ مذہبی اختلاف کے باوجود خالد کی حمایت میں کھڑا ہو گیا۔

اُسی روز خالد اپنی زرہ اور اپنے ہتھیار لے کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور مدینے کی جانب روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس کی قریش کے دو اور سپوتوں سے ملاقات ہو گئی۔ یہ تھے عمروؓ بن العاص اور عثمانؓ بن طلحہ (موخر الذکر کا باپ، طلحہ، جنگ اُحد میں قریش مکّہ کا علمبردار رہا تھا)۔ تینوں یہ معلوم کر کے دنگ رہ گئے کہ وہ ایک ہی مقصد کے تحت مدینے جا رہے تھے، چونکہ ان میں سے ہر ایک باقی دونوں کو اسلام کا جانی دشمن سمجھتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ تینوں متلاشی ۳۱ مئی ۶۲۹ء (یکم صفر ۸ھ) کو مدینے پہنچے اور سیدھے آنحضرتؐ کے گھر گئے۔ گھر میں سب سے پہلے داخل ہو کر اسلام قبول کرنے کی سعادت خالد کے حصّے میں آئی۔ خالد کے بعد عمروؓ بن العاص اور پھر عثمانؓ اندر آئے۔ نبی کریمؐ نے تینوں کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ان کی پچھلی دشمنی معاف کر دی گئی اور انھیں اپنی زندگی کو از سرِ نو سنوارنے کا موقع مل گیا۔ خالدؓ اور عمروؓ بن العاصؓ چوٹی کے فوجی ماہر تھے اور ان کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا اس امر کی ضمانت تھی کہ آنے والے دور میں مسلمان افواج پر لامتناہی فتوحات کا دروازہ کھلنے والا ہے۔

خالد جو اب ۴۳ برس کے تھے اور جن کی صلاحیتیں پورے عروج پر تھیں، اپنے کو مدینے میں

---

[1] واقدی: مغازی، صد ۳۲۱

پا کر بہت خوش تھے۔ جب ان کی اپنے دیرینہ دوستوں سے ملاقات ہوئی تو سبھی نے پچھلی عداوتیں بھلا کر، بڑی محبت سے ان کا خیر مقدم کیا۔ مدینے میں ایک نئی رُوح پھونکی جا چکی تھی۔ ایک مہم جُو کی روح۔ اس نئی فضا میں زندگی تھی، حرکت تھی، عمل تھا، ولولے تھے، خوش طبعی تھی، اور اس ماحول نے خالد کا دل موہ لیا تھا۔ وہ نئے دین کی تازہ ہوا میں سانس لے رہے تھے اور مسرور تھے۔

خالدؓ کی ملاقات حضرت عمرؓ سے بھی ہوئی اور دونوں میں پھر دوستی ہو گئی۔ اس دوستی میں رقابت کا بھی ہلکا سا پرتو موجود تھا، لیکن یہ تحت الشعور تک ہی محدود تھا۔ نیت اور ارادوں میں ظاہر نہیں تھا۔ خالدؓ نے بخوبی محسوس کر لیا تھا کہ اب حضرت عمرؓ کے ساتھ رقابت رکھنا گھاٹے کا سودا ثابت ہوگا، کیونکہ جہاں خالد اسلام میں نو وارد تھے وہاں حضرت عمرؓ مسلمان ہونے والوں میں چالیسویں مومن تھے اور ان کا شمار ان مہاجرین میں ہوتا تھا جو اپنا سب کچھ مکے میں چھوڑ کر مدینے آ گئے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مکے میں حضرت عمرؓ کو اپنی اس حیثیت پر کوئی خاص فخر نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں مسلمان انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ مگر اب، جبکہ ہزاروں لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، حضرت عمرؓ کو چالیسویں مسلمان کی حیثیت سے بہت اہم مقام حاصل ہو چکا تھا۔ چنانچہ اب خالدؓ کو ایک ایسے آدمی کا مدِمقابل بننا تھا جو جسمانی طاقت، قوتِ ارادی اور قابلیت میں ان کا ہمسر ہونے کے علاوہ چالیسواں مسلمان بھی تھا۔

خالدؓ اکثر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور رہ رہ کر آپ کے ارشادات سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔ بالفاظِ دیگر وہ اس چشمۂ رشد و ہدایت سے جی بھر کے سیراب ہو رہے تھے جسے اللہ نے اپنے پیغمبر، محمدؐ، کی صورت میں جاری کیا تھا۔ ایک روز خالدؓ اور فضلؓ ابنِ عباسؓ (آنحضرتؐ کے عم زاد) ام المومنین حضرت میمونہؓ کے ہاں، جو خالدؓ کی خالہ تھیں، نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس اثنا میں ایک بدو دوست نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک ہانڈی

تحفتہً بھجوائی۔ آپ نے حسب معمول سب کو کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی چنانچہ دسترخوان بچھایا گیا اور سب اس کے گرد بیٹھ گئے۔ نبی کریمؐ، ام المومنین، اور دونوں مہمان۔

جونہی آنحضرتؐ نے گوشت کی طرف ہاتھ بڑھایا، حضرت میمونہؓ نے پوچھا، "یا رسول اللہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کیا ہے؟"

"نہیں"

"یہ سوسمار کا بھنا ہوا گوشت ہے!"

آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا "پھر میں یہ گوشت نہیں کھاؤں گا۔"

"یا رسول اللہ!" خالدؓ نے پوچھا "کیا یہ حرام ہے؟"

"نہیں"

"کیا ہم اسے کھا سکتے ہیں؟"

"ہاں، کھا سکتے ہو۔"

حضرت میمونہؓ نے بھی ہاتھ کھینچ لیا، لیکن خالدؓ اور فضلؓ نے گوشت سیر ہو کر کھایا۔ سوسمار کا گوشت صحرائی عربوں کی تو مرغوب غذا تھی ہی، لیکن جس رغبت اور شوق سے یہ گوشت خالدؓ نے کھایا اس سے ظاہر ہے کہ یہ انھیں بھی بہت پسند تھا۔[1]

---

[1] یہ غیر معروف واقعہ ابن سعد، صفحہ ۳۸۱، سے نقل کیا گیا ہے۔

۶

جنگ موتہ اور اللہ کی تلوار

خالدؓ کو مدینے آئے تین مہینے ہوئے تھے کہ انھیں اپنے نئے دین کے لئے ایک سپاہی اور ایک سالار کی حیثیت سے جوہر دکھانے کا موقع مل گیا۔

نبی کریمؐ نے اپنے ایک سفیر کو بصریٰ کے غسانؔ[1] حاکم کے نام دعوتِ اسلام کا ایک خط دے کر بھیجا تھا۔ مسلمان سفیر جب موتہ سے گزرا تو وہاں کے ایک غسانؔ سردار، شرحبیل بن عمرو، نے اُسے وہیں روک کر قتل کر دیا۔ یہ تمام اہلِ عرب کے لئے ایک نفرت انگیز جرم تھا، کیونکہ دستور کے مطابق سیاسی سفیروں کو، خواہ وہ کتنے ہی بڑے دشمن کی نمائندگی کر رہے ہوں، تحفظّ کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس مذموم حرکت کی اطلاع نے مدینے کی ساری آبادی کو برافروختہ کر دیا۔

قبیلۂ غسانؔ سے بدلہ لینے کے لئے آنحضرتؐ نے فوراً ایک مہم تیار کی۔ آپ نے اس مہم کا سالار زیدؓ بن حارثہ کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب قیادت سنبھالیں، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہؓ بن رواحہ لشکر کی قیادت کریں۔ ان تین سالاروں کا درجہ وار تقرر کرنے کے بعد آپ نے فرمایا "اگر یہ تینوں شہید ہو جائیں تو پھر لشکری اپنے میں سے جسے چاہیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔"[2]

---

[1] ایک وسیع اور طاقتور قبیلہ، جو شام اور اردن میں آباد تھا۔

[2] ابن سعد: صفحہ ۶۳۶

یہ فوج ۳۰۰۰ مجاہدین پر مشتمل تھی، جن میں خالدؓ بھی ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ نبی کریمؐ نے زیدؓ کو یہ کام سونپا تھا کہ اس شخص کو ڈھونڈھ کر قتل کر دیا جائے جو مسلمان سفیر کی شہادت کا ذمہ دار تھا، اور اہلِ موتہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو انھیں کوئی گزند نہ پہنچنے دیا جائے۔

اسلامی فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو اس کے حوصلے بہت بلند تھے۔ لیکن جب وہ معان پہنچی تو اسے پہلی بار یہ اطلاعات ملیں کہ مشرقی روما کا شہنشاہ ہرقل "...۱۰۰۰۰۰ رومیوں کے ساتھ اردن میں ہے، اور ...۱۰۰۰۰۰ عیسائی عرب" بھی، جن سے بیشتر کا تعلق قبیلۂ غسّان سے تھا، اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ مسلمان دو روز تک معان ہی میں ٹھہر کر بحث کرتے رہے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ ان میں قدرے پس و پیش اور تردّد تھا۔ کچھ افراد نے رائے دی کہ دشمن کی بھاری جمعیت کے بارے میں آنحضرتؐ کو آگاہ کیا جائے، تاکہ آپ نئی ہدایات دے سکیں کہ اس صورت حال میں ان کو کیا کرنا چاہیئے۔ لیکن عبداللہؓ بن رواحہ (تیسرے سالار) نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا، کیونکہ اس پر عمل کرنے سے غیر ضروری تاخیر بھی ہوتی اور یہ تاثر بھی پیدا ہوتا کہ مسلمان ڈر گئے ہیں۔ عبداللہؓ نے مجاہدین کا حوصلہ بڑھانے کے لئے چند آیات کی تلاوت کے بعد ایک ولولہ انگیز تقریر کی، جو ان الفاظ پر ختم ہوئی: "مجاہد تعداد یا ہتھیاروں کے سہارے نہیں، عقیدے کے بل پر جنگ کرتے ہیں۔ جہاد میں ہمارے لئے دو عظیم الشّان امکانات ہیں۔ فتح اور شہادت[۵]۔" اس خطبے نے مسلمانوں کے ذہن سے تمام شکوک دور کر دیئے، اور وہ بلا تامّل پھر شام کی جانب روانہ ہو گئے۔

مسلمان جب موجودہ اردن کے مشرق میں بلقاء کی سرحد کے قریب ایک جگہ پہنچے تو عیسائی عربوں کی ایک بھاری فوج سے ان کا سامنا ہو گیا۔ مسلمان سپہ سالار کو وہ جگہ لڑائی کیلئے موزوں نظر نہ آئی اور وہ اپنے سپاہیوں کو موتہ کی طرف پیچھے ہٹا لائے۔ عیسائی عربوں نے مسلمانوں کا پیچھا کیا اور موتہ کے مقام پر

---

۵ ابن ہشام: جلد دوم، صفحہ ۳۷۵

دونوں فوجیں پھر آمنے سامنے آگئیں۔ یہاں دونوں فوجوں نے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ستمبر ۶۲۹ء کے دوسرے ہفتے (جمادی الاول ۸ھ کے تیسرے ہفتے) کا واقعہ ہے۔

زیدؓ نے اپنے لشکر کی صف بندی، عام دستور کے مطابق، قلب، میمنہ اور میسرہ کی صورت میں کی۔ میمنہ کی قیادت قطبہؓ بن قتادہ اور میسرہ کی عبایہؓ بن مالک کے سپرد کی گئی۔ خود زیدؓ نے قلب کی قیادت سنبھالی، اور قلب ہی میں خالدؓ بھی تھے۔ میدانِ جنگ مؤتہ کے موجودہ گاؤں کے مشرق میں تھا اور اس سے کوئی ایک میل کے فاصلے تک پھیلا ہوا تھا۔ یہاں زمین ہموار تھی، لیکن کہیں کہیں ہلکے نشیب و فراز بھی تھے۔ اور جب مسلمان شمال کی طرف رُخ کر کے عیسائی عربوں کے مقابلے میں صف آرا ہوئے تو ان کے عقب میں ایک ٹیلے کی بتدریج بلند ہوتی ہوئی ڈھلان تھی۔[1]

عیسائی عربوں نے، جن کا سالار مالک بن زافلہ تھا، مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی فوج کی ترتیب صف در صف بڑے گہرے حجم میں کی بعض مؤرخین نے ان کی تعداد ...۱۰۰۰۰ بتائی ہے، اور بعض نے اس کا بھی دُگنا۔ یہ تخمینے صریحاً غلط ہیں۔ عیسائی فوج کی تعداد غالباً ۱۰ اور ۱۵ ہزار کے درمیان تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ اگر دشمن کی تعداد مسلمانوں کی بہ نسبت صرف دُگنی ہوتی تو بلاشبہ اسے مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ضروری تھا کہ دشمنوں کی تعداد مقابلتہً کئی گنا زیادہ ہو۔ دشمن کی تعداد کا متذکرہ بالا قیاس بہت حد تک اسی بنا پر لگایا گیا ہے۔

جنگ شروع ہوئی تو بہت جلد دونوں فوجیں گتھم گتھا ہو گئیں۔ اس صورت میں یہ جنگ دراصل فوجی مہارت کی نسبت جرأت اور قوت برداشت کی جنگ زیادہ تھی۔ خود مسلمان سپہ سالار، زیدؓ، علم اٹھاتے ہوئے، اپنے سپاہ کے آگے آگے برسرپیکار تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہید ہو گئے۔ جب جھنڈا ان کے ہاتھ سے گرا تو اسے ان کے قائم مقام، جعفرؓ نے اٹھا لیا۔ جعفرؓ نے بھی اپنے لشکر سے

---

[1] اس جنگ کے مقام کی نشاندہی کے لئے اردن کی حکومت ایک نئی مسجد تعمیر کر رہی ہے۔

آگے بڑھ کر جنگ جاری رکھی، حتیٰ کہ بیسیوں زخم کھانے کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے اور جھنڈا دوبارہ گر گیا۔ جعفرؓ کی شہادت نے مسلمانوں کو پژمردہ کر دیا، کیونکہ نبی کریمؐ کے عم زاد ہونے کی وجہ سے انھیں بڑی محبت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی صفوں میں قدرے ابتری کے آثار دکھائی دینے لگے۔ لیکن جلد ہی تیسرے سالار، عبداللہؓ بن رواحہ نے علم اٹھا لیا اور قیادت سنبھال لی۔ شہید ہونے تک انھوں نے برابر مقابلہ جاری رکھا۔

اب مسلمانوں کی صفیں واقعی درہم برہم ہونے لگیں۔ چند سپاہی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، لیکن تھوڑی ہی دور جا کر رُک گئے۔ باقی فوجیوں نے دو دو تین تین اور اس سے کچھ زیادہ تعداد کی ٹولیوں میں بٹ کر منتشر انداز میں لڑائی جاری رکھی۔ خوش قسمتی سے دشمن نے اس ابتری کا پورا فائدہ نہ اٹھایا، ورنہ بھرپور دباؤ کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے قائد فوج پسپائی سے نہ بچ پاتی۔ شاید جنگ میں مسلمان سپہ سالاروں کی شجاعت اور مسلم سپاہ کی جانبازی نے دشمن کو حد سے زیادہ محتاط بنا دیا تھا اور اسے کوئی جرأت مندانہ قدم اٹھانے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

جب عبداللہؓ شہید ہو گئے تو جھنڈا ثابتؓ بن ارقم نے اٹھا لیا اور بلند آواز میں کہا "مسلمانو! اپنے میں سے کسی شخص کو بالاتفاق رائے فوج کا سالار منتخب کر لو۔" اتنے میں ثابتؓ کی نگاہ خالدؓ پر پڑی، جو ان کے ساتھ ہی کھڑے تھے، اور انھوں نے جھنڈا ان کی طرف بڑھا دیا۔ خالدؓ کو اس بات کا احساس تھا کہ ایک نو مسلم کی حیثیت سے انھیں مسلمانوں کے درمیان کوئی بلند مقام حاصل نہیں، اور ثابتؓ بن ارقم کو اسلام قبول کیے بہت عرصہ ہو چکا تھا۔ اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری تھا۔ چنانچہ انھوں نے ثابتؓ کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا "مجھ سے زیادہ آپ مستحق ہیں۔" "نہیں" ثابتؓ نے جواب دیا "نہ میں، نہ تمھارے سوا کوئی اور۔"[۵] یہ تجویز مسلمانوں کے لیے بہت باموقع آئی، کیونکہ وہ خالدؓ کی جرأت اور فوجی قابلیت سے بخوبی واقف تھے۔ سبھی نے ان کے

---

۵ ابن سعد: صفحہ ۶۳۴

تقرر پر اتفاق کیا، اور خالدؓ نے علم اٹھا کر فوج کی قیادت سنبھال لی۔

اب حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ وہ بآسانی اور خراب ہو کر تیزی سے مکمل شکست کی صورت اختیار کر سکتے تھے۔ خالدؓ سے پہلے کے سپہ سالاروں نے لڑنے میں شجاعت زیادہ اور موقع شناسی نسبتاً کم دکھائی تھی۔ خالدؓ نے اپنے چھوٹے سے لشکر میں دوبارہ نظم و ضبط پیدا کیا اور اسے ایک کارگر جنگجو طاقت کا روپ دیا۔ اب ان کے سامنے تین امکانات تھے۔ ایک ممکن عمل تو یہ تھا کہ مسلم سپاہ کو میدان جنگ سے نکال کر تباہی سے بچا لیا جائے، لیکن اس کو شکست سے تعبیر کیا جا سکتا تھا اور پھر ان پر الزام پڑتا کہ وہ مجاہدین کی رسوائی کا باعث بنے۔ دوسرا یہ تھا کہ مدافعت میں لڑتے رہیں مگر اس صورت میں دشمن کی کثیر تعداد کا بالآخر اثر ہوتا اور نتیجے میں شکست ہی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ تیسرا یہ تھا کہ دشمن پر حملہ کر کے اس میں ابتری پیدا کی جائے، اور اس طرح مزید مہلت حاصل کر کے اس میں موقع کو جانچا جائے اور اس کے مطابق کارروائی کا بہتر سے بہتر منصوبہ بنایا جائے۔ یہ آخری امکان خالدؓ کی فطرت سے ہم آہنگ تھا اور اسی پر وہ عمل پیرا ہوئے۔

مسلمانوں نے جان کی بازی لگا کر دشمن کے پورے محاذ پر سخت حملہ کر دیا۔ خالدؓ کی قیادت میں وہ ان کے پیچھے ایک موج کی مانند امنڈ کر بڑھے۔ خالدؓ کی مثال نے ان کے دلوں میں نئی روح پھونک دی، اور جنگ کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ کچھ دیر تک جان توڑ دست بدست لڑائی جاری رہی، پھر مسلم میمنہ کے سالار، قطبہؓ نے آگے جھپٹ کر نبرد آزمائی میں عیسائی سپہ سالار مالک کو قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے حوصلوں کو دھچکا لگا جس سے ان میں کچھ انتشار بھی پیدا ہوا۔ اب عیسائی عربوں نے لڑتے لڑتے پیچھے ہٹنا شروع کیا، کہ دوبارہ منظم ہونے کی مہلت مل جائے۔ اس وقت خالدؓ کے ہاتھ میں دسویں تلوار تھی، چونکہ نو وہ خونخوار جنگ میں توڑ چکے تھے۔

جب عیسائی عرب پیچھے ہٹنے لگے، تو خالدؓ نے مسلمانوں کو روک کر لڑائی تھامی اور اپنے لشکر کو بھی تھوڑی دور پیچھے ہٹا لیا۔ اب دونوں فوجیں تیروں کی زد سے باہر آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

اور دونوں چاہتی تھیں کہ انھیں ستانے اور دوبارہ منظم ہونے کی فرصت مل جائے۔ جنگ کا یہ دور مسلمانوں کے حق میں ختم ہوا تھا، اور ان کے اب تک صرف ۱۲ آدمی شہید ہوئے تھے۔ غنیم کے جانی نقصان کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ لیکن یقیناً اس کے بہت سے سپاہی مارے گئے ہوں گے، کیونکہ خالدؓ کے تینوں پیشرو سپہ سالار دلیر اور ماہر جنگجو تھے، اور خود خالدؓ کی نو تلواریں بھی عیسائی عربوں پر ہی ٹوٹی تھیں! لیکن صورت حال میں مزید کامیابی کی گنجائش نہیں تھی۔ خالدؓ نے ایک شرمناک اور خونریز شکست کا رُخ موڑ کر مسلمانوں کو رسوائی اور تباہی سے بچالیا تھا۔ اس سے زیادہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اسی رات وہ اپنی فوج کو مُوتہ کی حدود سے نکال کر واپس مدینے کی جانب چل دیئے۔

مہم کی واپسی کی خبر پہلے ہی مدینے پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ نبی کریمؐ اور وہ مسلمان جو مدینے میں رہ گئے تھے واپس آنے والے مجاہدوں کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ مسلمان بہت غصے میں تھے، کیونکہ جنگ احد کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ایک اسلامی لشکر مقابلے سے ہٹ کر اور میدانِ جنگ دشمن کے قبضے میں چھوڑ کر واپس آرہا تھا۔ جب لشکر منتظر مسلمانوں کے پاس پہنچا تو وہ سپاہیوں کے چہروں پر خاک جھونکنے لگے۔ "میدانِ جنگ سے بھاگنے والو!" مجمع چلایا "تم اللہ کی راہ سے بھاگ آئے ہو۔" آنحضرتؐ نے انھیں منع کیا اور فرمایا "یہ بھاگ کر نہیں آئے ہیں۔ انشاء اللہ یہ دوبارہ جہاد کرنے جائیں گے۔"[1] پھر آپ نے بلند آواز میں فرمایا "خالد اللہ کی تلوار ہے"۔[2]

اس کے بعد خالدؓ کے خلاف ناراضگی ختم ہو گئی اور مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ جنگ مُوتہ میں خالدؓ نے کتنی دانائی، موقع شناسی اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیا تھا۔ خالدؓ کے ساتھ ان کا خطاب وابستہ ہو گیا

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۳۸۲

[2] واقدی: مغازی، صفحہ ۳۲۲ (عربی میں خطاب "سیف اللہ" ہے، لیکن چونکہ یہ بطور نام کے اب اتنا مستعمل ہے کہ اردو میں اس کے معنی پر فوری توجہ نہیں پڑتی، اس لئے اس کا ہر جگہ ترجمہ "اللہ کی تلوار" کیا گیا ہے۔)

اور وہ سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ جب نبی کریمؐ نے خالدؓ کو یہ خطاب دیا، تو فی الواقعہ آپ نے انھیں مستقبل کی جنگوں میں کامیابی کی ضمانت بھی دیدی۔

بعض مؤرخین نے جنگ موتہ میں مسلمانوں کی فتح کا تذکرہ کیا ہے اور بعض نے شکست کا۔ دراصل اس کے انجام کو نہ فتح کہا جاسکتا ہے نہ شکست۔ یہ جنگ فیصلے کے بغیر ختم ہو گئی، حالانکہ انجام میں عیسائیوں کا پلڑا اس حساب سے بھاری رہا کہ مسلمانوں نے میدانِ جنگ سے ہٹ کر اسے عیسائیوں کے قبضے میں چھوڑ دیا تھا۔ یہ نہ تو کوئی بڑی جنگ تھی، اور نہ ہی زیادہ اہم۔ لیکن اس میں خالدؓ کو بطور خود مختار سپہ سالار کے اپنی مہارت دکھانے کا موقع ملا، اور "اللہ کی تلوار" کا خطاب بھی اسی کی بنا پر ان کو حاصل ہوا۔

فتح مکہ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، مکے کے دو اور قبیلے صلح حدیبیہ میں شامل ہو گئے تھے۔ خزاعہ مسلمانوں کی طرف سے اور بنو بکر قریش کی طرف سے۔ ان دو قبیلوں کے مابین جو پرانی عداوت ظہور اسلام سے پیشتر شروع ہو چکی تھی گزشتہ چند سالوں کے دوران دبی رہی تھی۔ اور اب جبکہ یہ التوائے جنگ میں بھی شریک ہو گئے تھے تو یہ توقع بیجا نہ تھی کہ ان میں صلح قائم رہے گی۔ مگر ہونا کچھ اور تھا۔ بنو بکر نے عداوت کا سلسلہ از سر نو اٹھایا۔ انہوں نے خزاعہ پر ایک شبخون مارا جس میں ان کو خفیہ امداد قریش سے ملی، جنھوں نے بنو بکر کو نہ صرف اسلحہ بہم پہنچایا بلکہ چند جنگجو بھی دیئے، جن میں عکرمہؓ اور صفوانؓ بن امیہؓ بھی شامل تھے۔ اس شبخون میں خزاعہ کے ۲۰ آدمی مارے گئے۔

خزاعہ کا ایک وفد فوراً مدینے پہنچا اور نبی کریمؐ کو التوائے جنگ کی اس سنگین خلاف ورزی سے آگاہ کیا۔ وفد نے اپنے قبیلے اور مسلمانوں کے باہمی اتحادؓ کا واسطہ دیا اور امداد طلب کی۔

شبخون کے لئے قریش کی اعانت سے ابو سفیان نے براہ راست کوئی سروکار نہیں رکھا تھا۔ چونکہ اسے التوائے جنگ ختم کرنے کی کوئی خواہش نہ تھی، اس لئے اس کو اب شدید تشویش ہوئی، اور وہ مسلمانوں کے انتقام کا کھٹکا دل میں لئے ایک نیا التوائے جنگ کا معاہدہ طے کرنے کی غرض سے مدینے روانہ ہو گیا۔ مدینے پہنچ کر وہ سب سے پہلے اپنی بیٹی، ام المومنین حضرت اُم حبیبہؓ، سے ملنے گیا، لیکن وہ اس کے ساتھ سرد مہری سے پیش آئیں۔ اس کے بعد وہ آنحضرتؐ

کے پاس گیا اور آپ کے ساتھ ایک نئے معاہدے کے ضمن میں بات شروع کی، لیکن نبی کریمؐ خاموش رہے۔ اس خاموشی نے اس کو جتنا ڈرا کر پریشان کر دیا اتنا کوئی دھمکی نہیں کر سکتی تھی۔

اپنے بارے میں آنحضرتؐ کے خیالات سے لاعلمی کے عالم میں، ابوسفیان نے ممتاز صحابہ کی تائید حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر اس نے درخواست کی کہ وہ نبی کریمؐ سے بات کریں اور ایک نئے التوائے جنگ کی سفارش کریں، لیکن ابوبکرؓ نے انکار کر دیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا جنھوں نے اپنے جنگی معمول کے مطابق جواب دیا: "بخدا، میرے پاس اگر چیونٹیوں کی ایک فوج کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تو بھی میں تمہارے خلاف جنگ کرتا۔" پھر ابوسفیان حضرت علیؓ کے گھر گیا، اور وہاں پہلے حضرت فاطمہؓ اور پھر حضرت علیؓ سے بات کی: "رسول کریمؐ جب کوئی ارادہ کر لیتے ہیں" علیؓ نے سمجھایا "تو پھر آپ کو اپنے مقصد سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکتی۔"

"تو پھر آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟" ابوسفیان نے پوچھا۔

"ابوسفیان، تم قریش کے ایک سردار ہو۔ لوگوں کے درمیان امن قائم رکھو۔"[1]

اس مشورے کے کئی مفہوم لئے جا سکتے تھے، تاہم دوسرے لوگوں کی باتوں کی بہ نسبت اس سے ابوسفیان کو زیادہ اطمینان حاصل ہوا۔ اس کے بعد جب اس کو کوئی اور راہ نکلتی نظر نہ آئی تو وہ مکے لوٹ آیا۔ وہ کچھ نہیں کر پایا تھا۔

٭

ابوسفیان کی واپسی کے تھوڑے ہی عرصے بعد نبی کریمؐ نے وسیع فوجی کارروائی کے لئے فوری تیاری کا حکم دے دیا۔ آپ کا قصد تھا کہ اتنی تیزی سے فوج جمع ہو کے حرکت میں آئے اور اس کو اتنے سخت راز میں رکھا جائے کہ قریش کو اس وقت تک مسلمانوں کی آمد کی خبر نہ ہو جب تک کہ مجاز اُدہ ان کے کواڑ نہ کھٹکھٹانے لگیں۔ اس صورت میں قریش کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۳۹۶ - ۳۹۷

اپنے پڑوسی قبائل کے ساتھ ایک اور معاہدہ کرنے کی کوئی مہلت باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ جب عسکری قوت کے اجتماع کا سلسلہ جاری تھا تو آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ ایک عورت ایسا خط لے کر مکّے روانہ ہو چکی ہے جس سے اہل مکّہ ان کے خلاف کی جانے والی تیاریوں سے باخبر ہو جائیں گے۔ آپ نے فوراً علیؓ اور زبیرؓ کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ ان دو مستعد دلیروں نے اس عورت کو جا پکڑا۔ پیغام کو تلاش کر لیا، اور پیغام و پیغامی دونوں کو مدینے واپس لے آئے۔

مدینے سے مسلم فوج نے یکم جنوری سنہ ۶۳۰ء (۱۰ رمضان سنہ ۸ھ) کو کوچ کیا۔ مسلم قبیلوں کے بہت سے دستے مدینے میں آنحضرتؐ کے پاس آ گئے تھے، اور دوسرے دستے سفر کے دوران آپ سے آملے۔ اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد جلد تمام پچھلے فوجی اجتماعوں سے بڑھ کر ...۱۰ تک جا پہنچی۔ اس عسکری قوت کے ساتھ آنحضرتؐ مرّ الظہران پہنچے جو مکّہ سے شمال مغرب کی طرف ۱۰ میل دور واقع ہے، اور قریش کو آپ کی نقل و حرکت کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔[1] اتنا تیز رفتار کوچ اب تک کوئی اور اسلامی لشکر نہ کر پایا تھا۔

لگ بھگ اسی اثنا میں آنحضرتؐ کے چچا عباسؓ نے دینِ حق قبول کرنے اور مسلمانوں کا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ جب مسلمانوں کا لشکر جُحفہ پہنچا تو اس کو دوسری طرف سے مدینے آتا ہوا عباسؓ اور ان کے کنبے کا قافلہ ملا۔ حضرت عباسؓ کی دینی تقلیب کا نبی کریمؐ نے خاص طور پر بڑی مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا، چونکہ عباسؓ کے ساتھ ان کے تعلقات برابر پُرتپاک رہے تھے۔

جب مسلمان مرّ الظہران پہنچے تو عباسؓ کو اہل مکّہ کے انجام کے متعلق گہری تشویش ہوئی۔ انھیں خدشہ تھا کہ مسلمان مکّے پر بزور قابض ہوئے تو اس کارروائی سے قریش تباہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ آنحضرتؐ کے خچر پر سوار ہو کر، آپ کی اجازت کے ساتھ مکّے روانہ ہوئے کہ قریش کو مزاحمت کے

---

[1] مرّ الظہران ایک چھوٹی سی وادی ہے۔ جو نچلے حصّے میں وادیٔ فاطمہ کہلاتی ہے اور مکّے سے ۲۰ میل دور جدہ سے مکّہ جانے والی موجودہ سڑک کو عبور کرتی ہے۔

سنگین نتائج سے آگاہ کریں اور انھیں صلح کے ایلچی بھیجنے پر آمادہ کریں۔ اُدھر کم وبیش اسی وقت ابوسفیان مکّے سے اس غرض سے نکلا کہ فوجی صورت حال کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہیں مسلمان نظر میں آتے ہیں۔ ابوسفیان اور عباسؓ کی مٹھ بھیڑ مکّے اور مرّالظہران کے درمیان ہوئی جبکہ عباسؓ اپنی آدھی مسافت طے کر چکے تھے۔

"ابوالفضل! کیا خبر لائے ہو؟" ابوسفیان نے پوچھا۔

"رسول کریمؐ" عباسؓ نے جواب دیا "....۱۰۰۰۰ آدمیوں کا لشکر لے کر آ رہے ہیں۔"

"تو پھر ہمیں کیا کرنے کا مشورہ دیتے ہو؟"

"اگر مسلمانوں نے مزاحمت کے خلاف جنگ کر کے مکّہ فتح کیا تو وہ یقیناً تمہارا سر قلم کر دیں گے۔ میرے ساتھ نبی کریمؐ کے پاس چلو، میں ان سے تمہاری جان بخشی کے لئے کہوں گا۔"

ابوسفیان خچر پر عباسؓ کے پیچھے سوار ہوا، اور وہ دونوں اس طرح مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں وہ رات گئے پہنچے۔ اتفاق سے اسی رات کو حضرت عمرؓ پہریداروں کے نگران تھے اور وہ ان کی چوکسی پر نگاہ رکھنے کے لئے پڑاؤ کے اردگرد گشت کر رہے تھے۔ سب سے پہلے انہی نے عباسؓ اور ابوسفیان کو دیکھا اور پہچانا اور چلّا اٹھے: "اخاہ! ابوسفیان، دشمنِ خدا! الحمدللہ کہ تم ہمارے پڑاؤ میں بغیر پروانہ راہداری آگئے ہو۔" پھر، عمرؓ نبی کریمؐ کے خیمے کی جانب دوڑے، اور عباسؓ نے عمرؓ کا مقصد بھانپ کر، خچر کو تیزی سے آگے بڑھایا۔ تینوں بیک وقت آنحضرتؐ کے خیمے میں پہنچے، اور وہاں عمرؓ اور عباسؓ کے مابین تند و تیز بحث شروع ہوئی۔ ایک طرف عمرؓ سب سے بڑے دشمن کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہتے تھے، دوسری طرف عباسؓ مصر تھے کہ چونکہ وہ ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لائے تھے اس لئے اس کی بات سنے بغیر اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔ آنحضرتؐ نے تینوں کو یہ ہدایت دیکر رخصت کر دیا کہ وہ اگلی صبح کو دوبارہ آئیں۔ ابوسفیان کو عباسؓ اپنے خیمے میں لے آئے، جہاں وہ تمام رات اس فکر میں بیقرار رہا کہ نہ جانے اس کا کیا انجام ہوگا۔

اگلی صبح جب عباسؓ اور ابوسفیان نبی کریمؐ کے خیمے کی طرف جا رہے تھے تو آنحضرتؐ نے انھیں آتے دیکھا اور فرمایا "ایک ایسا شخص آ رہا ہے جو مسلمان ہونے کی نیت رکھتا ہے مگر دل سے مسلمان نہیں ہے۔" جب وہ خیمے کے قریب پہنچے تو آنحضرتؐ نے پوچھا "ابوسفیان! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟"

"اب مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے۔ اگر ان معبودوں کا وجود ہوتا جن پر میرا ایمان تھا، تو انہوں نے یقیناً میری مدد کی ہوتی۔"

"اور کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں؟"

ابوسفیان کے لئے یہ لمحہ نہایت تکلیف دہ تھا۔ وہ قریش کا ایک غیرت مند سردار تھا جو قبیلے کے معززین اور امیّہ کے اسلاف میں سے تھا۔ اس نے اپنے آپ کو کبھی کسی سے کم نہیں سمجھا تھا، اور وہ اس میں حق بجانب بھی تھا۔ وہ فی الحقیقت مکّے کا فرمانروا تھا۔ جسے جملہ اہل مکہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اب وہ ایک ایسے شخص کے سامنے حقیر ایک ملتجی کی طرح کھڑا تھا جسے اس نے سخت اذیتیں پہنچائی تھیں، جس کے خلاف اس نے برسوں تک جنگ کی تھی، اور جس کی تباہی کے لئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔

"اس بات پر" ابوسفیان نے جواب دیا "مجھے قدرے شک ہے۔"

اب عباسؓ نے غضبناک ہو کر ابوسفیان سے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا: "تیرا برا ہو، ابوسفیان! اطاعت کرو ورنہ تیرا سر اڑا دیا جائے گا!"

"میں گواہی دیتا ہوں" ابوسفیان نے جلدی سے کہا کہ "محمدؐ اللہ کے رسول ہیں!"

عباسؓ نے اب الگ، اس طرح کہ ابوسفیان سننے نہ پائے، نبی کریمؐ سے کہا: "یارسول اللہ! ابوسفیان بڑا غیرت مند آدمی ہے۔ وہ باوقار ہے، اس میں خودداری ہے۔ کیا آپ اس پر کرم نہیں کریں گے اور اسے کوئی خاص قدر و منزلت عطا نہیں فرمائیں گے؟"

اس پر نبی کریمؐ نے اعلان کیا: "جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ محفوظ رہے گا۔" ابوسفیان کا چہرہ چمک اٹھا۔ محمدؐ نے بطور خاص اس کی عزت افزائی کی تھی۔ آنحضرتؐ نے سلسلہ کلام جاری رکھا: "جو لوگ اپنے دروازے بند رکھیں گے، محفوظ رہیں گے۔ جو لوگ مسجد میں رہیں گے، محفوظ رہیں گے۔"

اب ابوسفیان واپس مکےؔ آیا، جہاں لوگ اپنے انجام کی خبر کے انتظار میں جمع تھے۔ ابوسفیان نے مجمع سے خطاب کیا: "اے قریش! محمدؐ ایسی طاقت کے ساتھ آئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان کی اطاعت قبول کرلو اور محفوظ ہو جاؤ۔ جو لوگ میرے گھر میں داخل ہوں گے، محفوظ رہیں گے۔" مجمع نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ "اور تمہارے خیال میں تمہارے گھر میں کتنے آدمی سما سکیں گے؟" لوگوں نے طنزاً پوچھا۔ اس پر ابوسفیان نے مزید کہا "جو لوگ اپنے گھروں کے اندر رہیں گے اور دروازے بند رکھیں گے، محفوظ رہیں گے۔ جو لوگ مسجد میں رہیں گے، محفوظ رہیں گے۔"

ابوسفیان کی یہ بات سن کر مجمع تو مطمئن ہوگیا، مگر اس کی بیوی، ہندؔ، مطمئن نہ ہوئی۔ وہ جنگلی بلی کی طرح اس پر جھپٹی، اس کے منہ پر تھپیڑ مارا اور اسے مونچھوں سے پکڑ لیا: "اس گھامڑ بوڑھے احمق کو قتل کر ڈالو!" ہندؔ نے چلا کر مجمع سے کہا "یہ ہم سے پھر گیا ہے۔" چونکہ ہندؔ کوئی معمولی وزن کی عورت نہ تھی۔ اس لئے یہ تجربہ ابوسفیان کے لئے یقیناً اذیت ناک رہا ہوگا۔ تاہم، اس نے بیوی سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑایا اور اپنے گھر کی راہ لی۔[1]

٭

مسلمانوں کا خیال تھا کہ مکےؔ میں ان کے داخلے کے خلاف کچھ نہ کچھ مزاحمت ضرور ہوگی۔ وہ یہ نہیں فرض کر سکتے تھے کہ پوری کارروائی امن سے طے پا جائے گی۔ گو نبی کریمؐ کو امید تھی کہ خونریزی تک نوبت نہیں پہنچے گی۔ عکرمہ اور صفوان جیسے کٹر اسلام دشمن افراد کی موجودگی میں کوئی حرکت

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲ صفحہ ۲-۴۰۵-۴۰۴۔ ابن سعد: صفحہ ۶۴۴۔ واقدی: مغازی، صفحہ ۳۲۷-۳۳۱

بعید از قیاس نہ تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے منصوبے میں اس بات کا اہتمام تھا کہ مکّے کو فوجی کارروائی سے کیسے فتح کیا جائے۔

مکّہ وادیٔ ابراہیم میں واقع ہے اور اس کے اردگرد سیاہ رنگ کی سنگلاخ پہاڑیاں چھائی ہوئی ہیں۔ جو بعض بعض جگہ اس وادی کی سطح سے ۰۰۰ افٹ بلند ہیں۔ اس زمانے میں چار راستے اس قصبے کو جاتے تھے، جن میں سے ہر ایک راستہ ان پہاڑیوں کے ایک ایک درے سے گزرتا تھا۔ یہ راستے شمال مغرب (تقریباً شمال)، جنوب مغرب، جنوب اور شمال مشرق کی طرف سے اندر داخل ہوتے تھے۔ نبی کریمؐ نے اپنے لشکر کو چار دستوں میں تقسیم کیا، جن میں سے ہر ایک دستے کو ایک ایک راستے پر پیش قدمی کرنی تھی۔ سب سے بڑے دستے کو، جو ابوعبیدہؓ کے زیر قیادت تھا اور خود آنحضرتؐ جس کے ہمراہ تھے، براستہ اُذاخر، شاہراہِ مدینہ کے ذریعے، شمال مغربی سمت سے مکّے میں داخل ہونا تھا۔ دوسرے دستے کو، جو زبیرؓ کے ماتحت تھا، کُداء پہاڑی کے مغربی درّے سے گذر کر جنوب مغربی سمت سے داخل ہونا تھا، تیسرے دستے کو، جس کے قائد علیؓ تھے، براستہ کُدیٰ جنوبی سمت سے داخل ہونا تھا۔ اور چوتھے دستے کو، جس کی قیادت خالدؓ کر رہے تھے، لیط اور خندامہ کے راستے، شمال مشرق کی جانب سے داخل ہونا تھا۔ (نقشہ نمبر ۵ دیکھیے)۔[1]

مسلمانوں کی پیش قدمی ایسے حملوں پر مشتمل تھی جن کا رُخ ایک مرکزی مقام کی طرف تھا، اور جن کا مقصد دشمن کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے ان میں ابتری پھیلانا تھا، تاکہ وہ مسلم فوجی دستوں کی پیشقدمی کے کسی ایک راستے پر اپنی طاقت مرکوز نہ کرنے پاتے۔ مزید برآں، اگر دشمن بعض راستوں پر مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے میں کامیاب ہو بھی جاتا، تو بھی مسلمان حملہ آوروں کو قصبے میں داخل ہونے کے لئے

---

[1] نقشہ نمبر ۵ میں دکھایا جانے والا تمام علاقہ پہاڑی ہے، لیکن چونکہ اس علاقے کے مفصل نقشوں کی مدد کے بغیر ان پہاڑیوں کی صحیح نشان دہی نہیں کی جاسکتی، اس لئے اس نقشے پر کوئی پہاڑی نہیں دکھائی گئی۔ صرف پیش قدمی کرنے والے دستوں کے مقامات اور رُخ ظاہر کئے گئے ہیں۔

دوسرے راستے کھلے ملتے۔ اس طرح انھیں کامیابی کے کئی مواقع حاصل تھے۔ فوجی تدبّر کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لئے قصبے تک پہنچنے والے تمام راستوں کو استعمال کیا گیا۔ ایسا کرنے کا مقصد قریش کو فرار ہونے سے بھی روکنا تھا، لیکن بعد میں جب نگرانی میں کوتاہی ہوئی تو کچھ افراد بھاگ جانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

آنحضرتؐ نے تاکید کی کہ اگر قریش کی طرف سے مسلّح مزاحمت نہ ہو تو جنگ ہرگز نہ کی جائے۔ آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے، فرار ہونے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، اور قیدیوں کو نہ مارا جائے۔

مسلمان مکّے میں ۱۱ جنوری ۶۳۰ء (۲۰ رمضان ۸ھ) کو داخل ہوئے۔ سوائے خالدؓ کے علاقے کے، یہ کارروائی پُرامن طور پر بے کشت وخون طے پا گئی۔ عکرمہ اور صفوان نے قریش اور دیگر قبائل کے ان لوگوں کا ایک جتھا جمع کیا جنہیں عمومی رائے سے اختلاف تھا، اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو اپنی فتح کے لئے لڑنے پر مجبور کیا جائے۔ ان کا خالدؓ کے دستے سے خندامہ کے مقام پر آمنا سامنا ہوا۔ خالدؓ کے لئے یہ ایک نیا اور انوکھا تجربہ تھا۔ یہ دونوں دشمن سردار، جو اب جنگ میں اس کا مقابلہ کر رہے تھے، اس کے عزیز ترین دوست رہ چکے تھے۔ عکرمہ اور صفوان۔ اور پھر صفوان تو خالدؓ کی بہن، فاختہ، کا شوہر بھی تھا۔ بہرحال، اسلام نے دورِ جاہلیت کی تمام رشتہ داریاں اور دوستیاں منسوخ کر دی تھیں، اور اب کوئی بھی شخص جو مسلمان نہ تھا، کسی مسلمان پر عہدِ گزشتہ کا کوئی حق نہیں جتا سکتا تھا۔

قریش کے اس جتھے نے تیراندازی شروع کر دی اور تلواریں بے نیام کر لیں، اور خالدؓ نے توقف کیا تو بس اسی حد تک۔ پھر انھوں نے بڑھ کر قریش کے مورچے پر حملہ کیا، اور ایک مختصر تیز جھڑپ کے بعد ان کو پسپا کر دیا۔ جہاں قریش کے ۱۲ افراد مارے گئے وہاں مسلمان دو شہید ہوئے، عکرمہ اور صفوان میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگ گئے۔

نقشہ نمبر ۵ فتح مکہ (۲)

شمال

ابوعبیدہ

اذاخر

خالد

لیط

خنداسہ

مکہ

کدا

زبیر

کدی

علی

پیمائش

۱

½

صفر

½

ایک انچ = ایک میل

گھاٹی

دستہ

جب نبی کریمؐ کو اس کارروائی اور مقتول کفّار کی تعداد کا علم ہوا تو آپ خالدؓ سے ناراض ہوئے۔ آنحضرتؐ کی خواہش تھی کہ خون ریزی نہ ہو، اور خالدؓ کی جوشیلی فطرت جانتے ہوئے آپ کو خدشہ تھا کہ کہیں خود خالدؓ ہی نے لڑائی شروع نہ کر دی ہو۔ خالدؓ کو طلب کیا گیا اور خوں ریزی کی وجہ پوچھی گئی۔ لیکن جب آنحضرتؐ نے ان کی وضاحت سنی تو آپ نے اس کو قبول کر کے اتفاق کیا کہ خالدؓ کی کارروائی حق بجانب تھی۔ انہوں نے آخر کار ایک محض جوابی حملہ ہی کیا تھا۔ یہ بات خالدؓ کی فطرت میں شامل تھی کہ وہ جب کبھی وار کرتے، بہت سخت وار کرتے تھے۔ اس جوانمرد کے کردار میں اعتدال مطلق نہ تھا۔

☙

مکّے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہی نبی کریمؐ کعبہ گئے اور بیت اللہ کا سات بار طواف کیا۔ یہ محمدؐ کی زندگی کی ایک عظیم گھڑی تھی۔ آپ کو مکّے کی سکونت ترک کر کے وہاں سے قریش کے ظلم اور تعاقب سے فرار ہوتے سات سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ محمدؐ اب پناہ گیر نہیں تھے۔ اور اب صدا لصحرا بھی نہ تھے۔ محمدؐ واپس آ گئے تھے، اور آپ ایک ایسی فاتح کی حیثیت سے لوٹے تھے کہ مکّہ آپ کے قدموں میں تھا۔ قریش مکّہ جب مسجد میں منتظر تھے تو ان پر لرزہ طاری تھا، کیونکہ وہ اہل عرب کے وحشیانہ انتقام سے واقف تھے۔

نبی کریمؐ نے پلٹ کر قریش کی طرف دیکھا۔ ان سب کی نگاہیں آنحضرتؐ پر تھیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ نہ جانے اب ان کا کیا انجام ہو گا۔ چاروں طرف مکمل خاموشی تھی۔ "اے قریش!" نبی کریمؐ کی آواز بلند ہوئی: "مجھے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے؟"

"خیر، اے کریم بھائی، اور کریم بھائی کے بیٹے!" مجمع نے جواب دیا۔

"تو جاؤ! تمھیں معاف کیا جاتا ہے۔"[۱]

---

[۱] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۴۱۲

اب آنحضرتؐ کعبے میں داخل ہوئے اور آپ نے اس کی دیواروں کے ساتھ سجائے ہوئے بُت دیکھے ـــ ہر صورت اور ہر حجم کے بُت ـــ کعبے کے اندر اور اس کے ارد گرد لکڑی یا پتھر سے تراشے ہوئے ۳۶۰ بُت تھے، جن میں حضرت ابراہیمؑ کا ایک مجسّمہ بھی شامل تھا، جس نے فال نکالنے کے تیر تھام رکھے تھے۔ نبی کریمؐ کے ہاتھ میں ایک بڑا عصا تھا جس سے آپ ان بتوں کو پاش پاش کرنے لگے۔ جب یہ کام ختم ہو گیا تو آپ نے یوں محسوس کیا کہ گویا ایک بھاری بوجھ آپ کے کندھوں سے اُتر گیا ہے۔ کعبہ معبودانِ باطل کے وجود سے پاک ہو گیا تھا، اور اب سے خانۂ خدا میں صرف معبودِ حقیقی کی عبادت ہونی تھی۔ آنحضرتؐ کی پُرمسرت آواز میں ایک قرآنی آیت کعبے کے در و دیوار سے بلند ہوئی: "حق آگیا ہے اور باطل غائب ہو گیا ہے!" [1]

اگلے چند روز بندوبست اور تنظیم نو میں صرف ہوئے۔ اہلِ مکّہ کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا اور نبی کریمؐ کی فرمانبرداری کا حلف اٹھایا۔

مکّے میں داخل ہونے سے پیشتر، آنحضرتؐ نے ۱۰ ایسے افراد (جن میں چار عورتیں اور چھ مرد شامل تھے) کے ناموں کا اعلان کر دیا تھا جن کے بارے میں حکم دیا گیا کہ جہاں بھی ملیں فوراً قتل کر دیا جائے، خواہ وہ کعبے ہی میں کیوں نہ پناہ لیں۔ یہ ۱۰ افراد وہ تھے جنھیں ہم آج کی زبان میں 'جنگی مجرم' کہیں گے۔ یہ یا تو مرتد تھے یا انھوں نے کسی نہ کسی طور سے مسلمانوں کی تعذیب یا ان سے غدّاری میں حصّہ لیا تھا۔ سرِ فہرست عکرمہ تھا، اور ہند بھی فہرست میں شامل تھی۔

خالد کے ساتھ ہونے والی جھڑپ سے بھاگ کر عکرمہ پہلے اپنے قصبے میں چھپ گیا، پھر جونہی مسلمانوں نے اپنی نگرانی میں کمی کی وہ کھسک کر اس ارادے سے یمن کی طرف فرار ہوا کہ وہاں سے حبشہ جانے والی کشتی پر سوار ہو جائے گا۔ عکرمہ کی بیوی لیکن مسلمان ہو گئی، اور اس نے نبی کریمؐ کے پاس اپنے خاوند کی سفارش کی جس کو سن کر آنحضرتؐ نے عکرمہ کی جان بخش دی۔ یہ عورت جلدی سے یمن

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۴۱۲ - قرآن: ۱۷: ۸۱

روانہ ہوئی، اور اپنے خاوند کو ڈھونڈھ کر واپس لے آئی۔ مکے پہنچ کر، عکرمہ سیدھا نبی کریمؐ کے پاس گیا اور اس نے کہا "مجھ سے خطا ہوئی ہے مگر اب تائب ہوں، معافی چاہتا ہوں"[1]۔ آنحضرتؐ نے اس کی بیعت قبول کی اور عکرمہ اسلام کی برادری میں شامل ہو گیا۔

صفوان بن اُمیّہ پر، اگرچہ اس کا نام جنگی مجرموں کی فہرست میں نہیں تھا، اپنی جان کا خوف چڑھا اور وہ اس ارادے سے جدّہ کی طرف بھاگا کہ وہاں سے بحیرۂ احمر کو عبور کر کے حبشہ میں جا کر پناہ لے مگر اس کے ایک دوست نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ وہ صفوان کی جان بخش دیں اور اس کو اطاعت کا موقع دیں۔ نبی کریمؐ کا صفوان کو قتل کرنے کا بہرحال کوئی ارادہ نہیں تھا، اور اب آپ نے اس بات کا بھی اعلان کر دیا کہ صفوان کی واپسی کو آپ بخوشی قبول کریں گے۔ چنانچہ صفوان کا یہ دوست جدّہ گیا اور صفوان کو اپنے ساتھ واپس لے آیا۔ صفوان نے آنحضرتؐ کی اطاعت قبول کر لی، لیکن اس اطاعت کی نوعیت ذاتی اور سیاسی تھی۔ اسلام کے بارے میں سوچنے کے لئے اس نے آنحضرتؐ سے دو ماہ کی مہلت مانگی۔ نبی کریمؐ نے اسے چار ماہ کی اجازت دے دی۔

جنگی مجرموں میں سے فی الواقعہ صرف تین مردوں اور دو عورتوں کو قتل کیا گیا۔ باقی ماندہ، جن میں ہند بھی شامل تھی، معاف کر دیئے گئے، اور ہند مسلمان ہو گئی۔

❖

کعبے کے بتوں کو توڑنے کے بعد، نبی کریمؐ نے ان پڑوس کی بستیوں کی طرف جہاں مندروں میں بت تھے چھوٹی مہمات روانہ کیں۔ عزّیٰ کو، جو دیویوں میں سب سے اہم تھی، مسمار کرنے خالدؓ کو نخلہ[2] بھیجا گیا۔ وہ ۳۰ سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے

---

[1] واقدی: مغازی صد ۳۳۲

[2] اس علاقے میں ایک وادیٔ نخلہ تھی، جو اب وادی الیمانیہ کہلاتی ہے جس میں سے مکّہ اور طائف کی درمیانی شاہراہ گزرتی تھی، لیکن جس نخلہ میں عزّیٰ کا بت تھا وہ مقام وادی الیمانیہ کے شمال میں واقع تھا اور موجودہ بئر البطی کے جنوب میں وہاں سے چار پانچ میل دور۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دو بت اس نام کے تھے، ایک اصلی عزّیٰ اور ایک نقلی۔ خالدؓ کو پہلی بار نقلی عزّیٰ ہی کا کھوج ملا، اور وہ اسے توڑ پھوڑ کے اپنے فرض کی تکمیل کی خبر لے کر آنحضرتؐ کے پاس واپس آئے: "کیا کوئی غیر معمولی چیز تمہارے مشاہدے میں آئی؟" نبی کریمؐ نے پوچھا۔ "نہیں"۔ "تو پھر تم نے عزّیٰ کو مسمار نہیں کیا ہے"۔ آنحضرتؐ نے کہا۔ "پھر جاؤ"۔

اپنی غلطی پر پیچ و تاب کھاتے ہوئے خالدؓ دوبارہ نخلہ پہنچے، اور اس دفعہ انہوں نے اصلی عزّیٰ کو ڈھونڈھ نکالا۔ عزّیٰ کے مندر کا محافظ جان بچا کر بھاگا، لیکن جانے سے پہلے اس امید میں ایک تلوار بُت کی گردن میں لٹکا گیا کہ شاید وہ اپنی حفاظت کرلے۔ خالدؓ جونہی مندر میں داخل ہوئے ان کا سامنا ایک ننگ دھڑنگ سیاہ فام عورت سے ہوا، جو آہ و بکا کرتے ہوئے ان کے راستے میں کھڑی ہوگئی۔ خالدؓ یہ فیصلہ کرنے کو نہ رُکے کہ وہ عورت انھیں ورغلانے کے لئے موجود تھی یا بُت کی حفاظت کے لئے۔ انہوں نے اپنی تلوار کھینچی اور ایک ہی بھرپور وار سے اس کے دو ٹکڑے کردیئے۔ اس کے بعد انہوں نے عزّیٰ کے بُت کو پاش پاش کیا، اور واپس مکّے آکر آنحضرتؐ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا۔ "ہاں" آنحضرتؐ نے کہا "یہی عزّیٰ تھی، اور اب تمہاری سرزمین میں اس کی دوبارہ کبھی پوجا نہیں ہوگی"۔[۱]

۲۰ جنوری ۶۳۰ء کو یا اس کے لگ بھگ، بتوں کی مسماری کے بعد، بنو جذیمہ کا افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ نبی کریمؐ نے مکّے کے قرب و جوار میں بسنے والے قبائل کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے کچھ مہمات بھیجیں، اور ان مہمات کے قائدین کو اسلام قبول کرلینے والوں سے جنگ نہ کرنے کی ہدایت کی۔ اس میں آنحضرتؐ کا پھر یہی مقصد تھا کہ خونریزی سے گریز کیا جائے۔

تہامہ کے علاقے کو، جو مکّے کے جنوب میں ہے، بھیجی جانے والی مہم کی قیادت خالدؓ کے سپرد تھی۔ اس مہم میں متعدد قبائلی جزوی دستوں کے ۳۵۰ سوار شامل تھے، جن میں سب سے زیادہ تعداد بنو سُلیم کے آدمیوں کی تھی، اور کچھ انصار اور مہاجر بھی شریک تھے۔ اس فوج کی منزلِ مقصود مکّے سے

---

[۱] ابن سعد: صفحہ ۶۵۷

تقریباً ۵۰ میل دور، یلملم کا مقام تھا۔ (نقشہ ۲ دیکھیے۔)

جب خالدؓ، مکے سے تقریباً ۱۵ میل دور، یلملم کے راستے میں الغمیصاء کے مقام پر پہنچے تو ان کا بنو جذیمہ کے قبیلے سے آمنا سامنا ہوا۔ اس قبیلے کے آدمیوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو ہتھیار اٹھا لیے مگر ساتھ ہی چلّا چلّا کر کہنے لگے "ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور ہم نے مسجد تعمیر کی ہے۔"

"تو پھر یہ ہتھیار کیوں؟" خالدؓ نے پوچھا۔

"ہماری بعض عرب قبائل سے عداوت ہے اور ہمیں ان سے اپنا بچاؤ کرنا ہے۔"

"پھر اپنے ہتھیار ڈال دو!" خالدؓ نے حکم دیا۔ "تمام لوگ مسلمان ہو چکے ہیں اور تمہیں اب ہتھیار باندھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اس پر بنو جذیمہ کے ایک آدمی نے اپنے ساتھیوں سے چلا کر کہا: "یہ الولید کا بیٹا خالدؓ ہے۔ اس سے ہوشیار رہو! ہتھیار ڈالنے کے بعد ہاتھ باندھے جائیں گے، اور ہاتھ باندھے جانے کے بعد گردنیں ماری جائیں گی!"[1]

خالدؓ کے قبیلے اور بنو جذیمہ کے درمیان پرانی عداوت تھی۔ ظہورِ اسلام سے پیشتر قریش کا ایک چھوٹا سا قافلہ یمن سے واپس آ رہا تھا کہ بنو جذیمہ نے اس پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور اس کے دو اہم افراد — عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے باپ، عوف اور خالدؓ کے چچا، فاکہ بن المغیرہ — کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمٰنؓ نے بعد میں اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دیا تھا اور اس طرح اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے لیا تھا، لیکن فاکہ کی موت کا انتقام نہیں لیا گیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ دورِ جاہلیت میں ہوا تھا۔

بنو جذیمہ کے لوگ اب اس شخص سے جھگڑنے لگے جو انھیں خالدؓ سے خبردار کر رہا تھا۔ "کیا تم ہمارے قتل کے خواہاں ہو؟" انھوں نے اس سے پوچھا۔ "تمام قبیلوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور

---

[1] ابن سعد: صفحہ ۶۵۹-۶۶۰۔ ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۴۲۹

مسلمان ہو گئے ہیں۔ جنگ ختم ہو چکی ہے[1]!" مختصر سی تکرار کے بعد قبیلے نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس کے بعد جو ہوا اس کا کیا سبب تھا۔ واضح نہیں ہے۔ شاید خالدؓ وقتی طور پر جاہلیت کے جذبۂ انتقام کی طرف رجعت کر گئے تھے۔ (انھیں مسلمان ہوئے صرف چند مہینے ہوتے تھے) دوسری طرف شاید ان کے دل میں اسلامی جوش بہت زیادہ تھا اور انھیں اس قبیلے کے قبولِ اسلام کی صداقت پر شبہ تھا۔ جونہی انھوں نے ہتھیار ڈالے، خالد نے اپنے آدمیوں کو ان کی مشکیں باندھنے کو کہا۔ اس کے بعد انھوں نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ خوش قسمتی سے صرف بنو سُلیم نے اس حکم کی تعمیل کر کے اپنے قیدیوں کو قتل کیا۔ ان کی تعداد کا کہیں کوئی حوالہ نہیں ہے۔ دوسرے قبائل کے دستوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ بن عمرؓ اور ابو قتادہؓ نے شدید احتجاج کیا، لیکن خالدؓ نے اس احتجاج کو رد کر دیا۔ ابو قتادہؓ فوراً سوار ہو کر مکے پہنچے اور آنحضرتؐ کو خالدؓ کی کارروائی سے مطلع کیا۔

نبی کریمؐ لرز اٹھے۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں کہا: "یا اللہ! خالد نے جو کیا ہے میں اس سے بری الذمہ ہوں[2]" اس کے بعد آپ نے بنو جذیمہ کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور جو خونریزی ہوئی تھی اس کا قصاص ادا کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو ایک بھاری رقم دے کر بھیجا۔ حضرت علیؓ نے یہ کام فیاضی سے انجام دیا، اور اس وقت تک واپس نہ لوٹے جب تک کہ بنو جذیمہ بالکل مطمئن نہ ہو گئے۔

اب آنحضرتؐ نے خالدؓ کو بلا بھیجا اور ان سے ان کے فعل کی توجیہہ طلب کی۔ خالدؓ نے جواب دیا کہ انھیں یقین تھا کہ فی الحقیقت وہ مسلمان نہیں ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ انھیں دھوکا دے رہے ہیں اور انھیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ وہ ان لوگوں کو فی سبیل اللہ قتل کر رہے ہیں۔

آنحضرتؐ کے پاس اس وقت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی موجود تھے۔ جب انھوں نے خالدؓ کا بیان سنا تو کہا "تم نے عہدِ اسلام میں ایک جاہلانہ حرکت کی ہے۔"

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲ صفحہ ۴۲۹

[2] ایضاً

خالدؓ کو اب گمان گزرا کہ انھیں اس نازک مرحلہ کو طے کرنے کا راستہ نظر آگیا ہے، اور انہوں نے جواب دیا "لیکن میں نے تو تمہارے باپ کے قتل کا انتقام لیا ہے"۔ "تم جھوٹ بولتے ہو" عبدالرحمٰنؓ نے غصّے میں کہا "میں نے آج سے بہت عرصہ پہلے اپنے باپ کے قاتل کو قتل کرکے اپنے خاندانی وقار کو بحال کرلیا تھا۔ تم نے اپنے چچا، فاکہ، کی موت کا بدلہ لینے کے لئے بنو جذیمہ کے قتلِ عام کا حکم دیا"۔

اس پر دونوں میں سخت کلامی شروع ہوگئی۔ اور یہاں خالدؓ غلطی کر گئے، چونکہ عبدالرحمٰنؓ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور اس طرح ان کا رتبہ ایسا تھا کہ کم ہی لوگ ان سے ٹکرّ لے سکتے تھے۔ لیکن اس سے پہلے کہ یہ تکرار قابو سے باہر چلی جاتی، آنحضرتؐ بیچ میں آگئے۔ اور آپ نے درشتی سے کہا "خالد! میرے صحابہ کو رہنے دو، اگر تمہارے پاس سونے کا پہاڑ ہوتا اور تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردیتے تب بھی تم میرے صحابہ کے رُتبے کو نہ پہنچتے"۔[۱] ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ اپنے ابتدائی صحابہ کی طرف اشارہ کررہے تھے، کیونکہ یوں تو خالدؓ بھی صحابی تھے۔

اس طرح خالدؓ کی تنبیہہ کردی گئی۔ انھیں معافی مل تو گئی، لیکن انھیں یہ اہم سبق بھی مل گیا کہ چونکہ وہ بعد میں مسلمان ہوتے تھے ان کا رتبہ وہ نہ تھا جو ابتدائی صحابہ کا اور بالخصوص عشرۂ مبشرہ کا تھا۔ انہیں آئندہ کے متعدد موقعوں پر یہ سبق یاد رہا۔

---

[۱] ابن سعد: جلد ۲، صفحہ ۴۲۱

۸

جنگِ حُنین

اہلِ مکّہ کو نبی کریمؐ کی بیعت کئے اور مکّے کی زندگی کو معمول پر آئے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ مشرق کی جانب سے مخاصمانہ ہوائیں چلنے لگیں۔ ہوازن اور ثقیف کے طاقتور قبیلے جنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

ہوازن مکّے کے شمال مشرقی حصے میں اور ثقیف طائف کے علاقے میں آباد تھے۔ وہ پڑوسی قبیلے تھے، اور انھیں یہ اندیشہ تھا کہ مسلمان فتح مکّہ کے بعد اب ان پر حملہ کرکے ان کو بکھری حالت میں الگ الگ قبائلی بستیوں میں پھانس لیں گے۔ ایسے ناموافق امکان سے بچاؤ کے لئے انہوں نے خود چڑھائی کر دینے کا فیصلہ اس امید میں کیا کہ پیش قدمی سے وہ فائدے میں رہیں گے۔ یہ دونوں قبیلے اوطاس کے مقام پر، حُنین کے قریب، جمع ہوئے، جہاں کئی دوسرے قبائل کے امدادی دستے بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ یہ پھر اسی قسم کا قبائلی اتحاد تھا جو جنگِ خندق کے موقع پر وجود میں آیا تھا۔ متحدہ قبائلی جمعیت کی کل تعداد ۲۰۰۰۰ تھی، اور اس کا سپہ سالار اعلیٰ ۳۰ سالہ آتش مزاج مالک بن عوف تھا۔ اس نوجوان سپہ سالار نے طے کیا کہ جنگ ایسی سنگین صورت حال میں لڑی جائے کہ اس کے سپاہ کے لئے جان کی بازی لگا کر لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ جائے۔ اس نے حکم دیا کہ متحدہ قبائل کے اہل و عیال اور مال مویشی بھی لشکر کے ہمراہ آئیں۔

اس متحدہ محاذ کا ایک اور قائد ضعیف العمر دُرید بن الصِمّہ تھا۔ اس سفید مُو بوڑھے میں اتنی طاقت تو نہ رہ گئی تھی کہ وہ جنگ میں لشکر کی قیادت کرتا، لیکن وہ ایک روشن دماغ دانا تھا

جو ہمیشہ جہاں بھی اس کی فوج کوچ کرتی ہمراہ ضرور جاتا تھا۔ اور چونکہ تجربہ کار اور جنگ آزمودہ تھا، اس سے جنگی معاملات میں بالعموم مشورہ لیا جاتا تھا۔ اس کی فوجی بصیرت مسلّم تھی۔

اوطاس کے مقام پر بوڑھے درید کے کانوں میں ایسی آوازیں پڑیں جو عموماً وہاں سے آتی ہیں جہاں کنبے اور مویشی یکجا ہوتے ہیں۔ اس نے نوجوان مالک کو بلایا اور دریافت کیا "یہ اونٹوں کی بلبلاہٹ، گدھوں کی ڈھینچوں، بکریوں کی میں میں، عورتوں کا شور وغل اور بچوں کی چیخ و پکار، میں کیا سن رہا ہوں؟" مالک نے جواب دیا "میں نے حکم دے رکھا ہے کہ کنبے اور مویشی فوج کے ساتھ رہیں۔ ہر شخص اپنے کنبے اور اموال کو پس پشت لیے لڑے گا اور اس طرح زیادہ سے زیادہ جرأت کے ساتھ لڑے گا۔"

"سپاہی تلواروں اور نیزوں سے لڑتے ہیں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ نہیں" دُرید نے کہا۔ "کنبوں اور مویشیوں کو میدانِ جنگ سے محفوظ فاصلے پر رکھو۔ اگر ہم جیت گئے تو وہ ہم سے آملیں گے۔ اگر ہم ہار گئے تو کم از کم وہ تو محفوظ رہیں گے۔"

مالک نے اس مشورے کو اپنی معاملہ فہمی اور فوجی قیادت کی اہلیت پر نکتہ چینی کے طور پر برا مانا۔ "میں انھیں فوج سے الگ نہیں کروں گا۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارا دماغ کمزور پڑ گیا ہے۔" اس پر دُرَید نے بحث ختم کر دی اور فیصلہ کیا کہ مالک کو من مانی کرنے دی جائے۔ مالک لوٹ کر اپنے سپہ سالاروں کے پاس آیا اور ان سے کہا "جب تم حملہ کرو تو یک جہتی سے ٹوٹ پڑنا۔ جب ہمارا حملہ شروع ہو تو سب تلواروں کے نیام توڑ دیے جائیں۔"[1] عربوں کا اس طرح نیام کو توڑنا اس بات کی نشان دہی تھی کہ وہ جان کی بازی لگا چکے ہیں۔

فی الواقعہ صرف ہوازن اپنے کنبے اور مویشی جنگی پڑاؤ تک ساتھ لائے۔ دوسرے قبائل نے ایسا نہیں کیا۔

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۴۳۸-۴۳۹

نبی کریمؐ مزید خونریزی نہیں چاہتے تھے، لیکن اس نئے دشمن کے مقابلے کے سوا آپ کو کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تین سال قبل جنگ خندق میں دشمن نے ایک متحدہ محاذ بنا کے حملہ کر دیا تھا، اور اب کی بار آپ اس قسم کی کوئی مہلت دینے کو تیار نہ تھے۔ مزید برآں اگر آپ مکے میں دفاعی محاذ بنا کر انتظار کرتے اور دشمن اوطاس کے مقام پر مورچے سنبھالے رہتا۔ تو اس صورت حال سے ایک ایسا جمود پیدا ہوتا جو مہینوں تک برقرار رہتا۔ اور آنحضرتؐ کے پاس اتنا وقت ضائع کرنے کو نہ تھا۔ ان کو تنظیمی امور کی طرف متوجہ ہونا تھا، اور عرب قبائل کو مسلمان بنانے کا کام بھی اسی عرصے میں پورا کرنا تھا جبکہ فتح مکہ کا روحانی اثر ان کے دلوں میں تازہ تھا۔ اوطاس کے مقام پر دشمن کی ایک بھاری جمعیت کی موجودگی میں آپؐ ان کاموں کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بہرصورت، اس مرحلے پر آپ کے اقتدار کے خلاف دشمن کی طرف سے ایک پرزور مہم اس تاثر کو کم کر دیتی ہے جو اسلام نے مکےّ کو فتح کر کے عربوں کے ذہن پر قائم کیا تھا۔ دشمن کی للکار کا جواب لازم تھا۔ اس کی مخاصمت کی بیخ کنی ضروری تھی۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ مکےّ سے پیش قدمی کی جائے اور اس کا نرالا نتیجہ نکلا کہ طرفین بیک وقت ایک دوسرے پر حملہ کرنے کو بڑھے۔

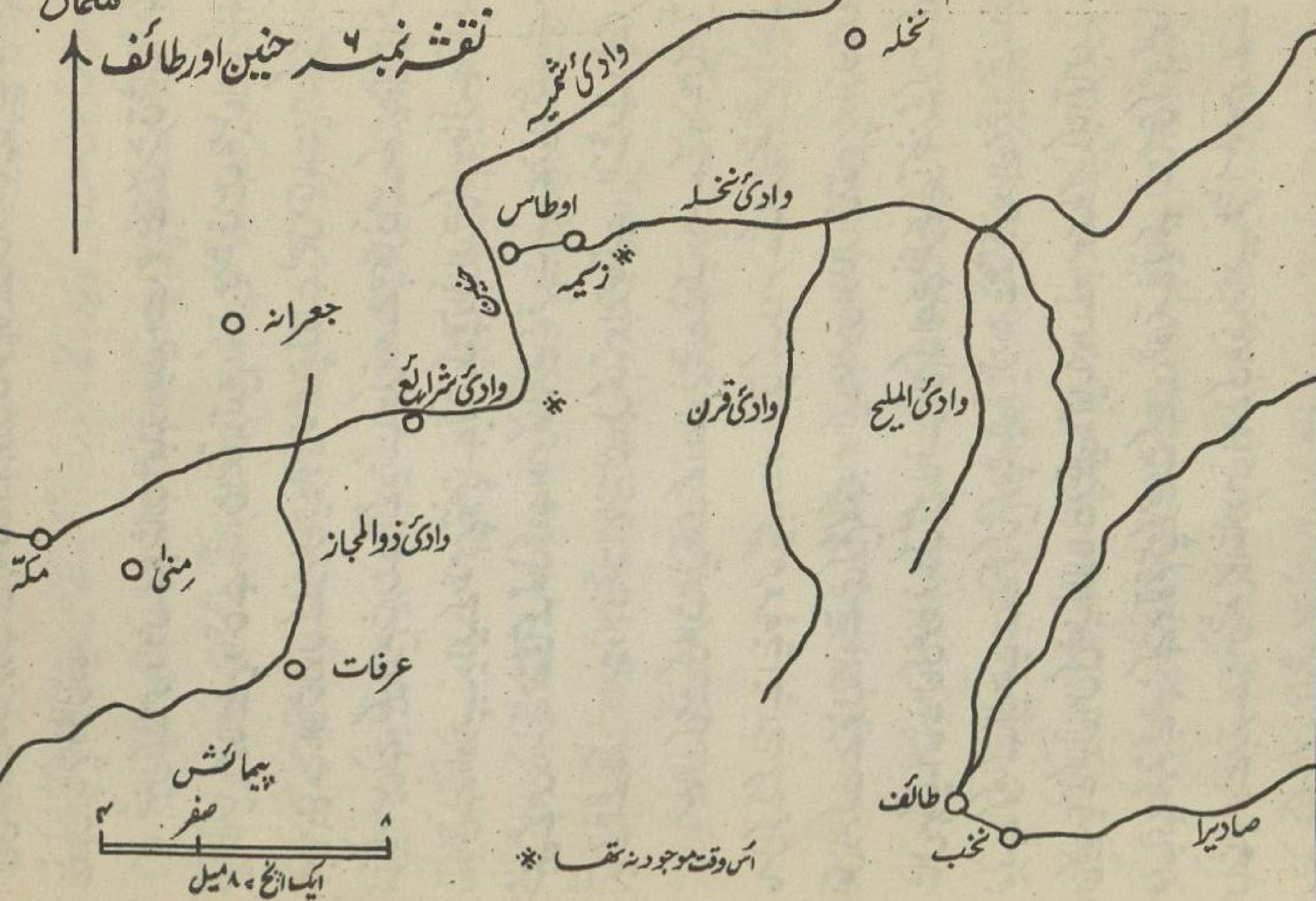
۲۷ جنوری سنہ ۶۳۰ء (۶ شوال سنہ ۸ھ) کو مسلمان مکےّ سے روانہ ہوئے۔ اب اسلامی لشکر میں ان ۱۰،۰۰۰ آدمیوں کے علاوہ جنھوں نے مکہّ فتح کیا تھا۔ مکہّ کے ۲۰۰۰ نومسلم بھی شامل تھے۔ ان نومسلموں کی شرکت کا فائدہ مشکوک بھی تھا، کیونکہ ابھی تک درحقیقت اسلام پوری طرح ان کے دلوں میں نہ اتر پایا تھا۔ وہ اس وجہ سے ساتھ آرہے تھے کہ ان کے گمان میں ایسا کرنا مناسب تھا۔ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ مؤخرالذکر کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی کہ وہ اس دوران میں نئے دین کے بارے میں اپنا فیصلہ کریں، لیکن اب وہ آنحضرتؐ کی جانب برضا و رغبت مائل تھے۔ اور ان کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے آنے والی جنگ کے لئے مسلمانوں کو ۱۰۰ زرہ بکتر عاریتاً دیئے۔

مکّے سے روانہ ہوتے والے اسلامی لشکر کے ھراول میں بنو سُلیم کے ۷۰۰ آدمیوں کا دستہ تھا، جس کی قیادت خالدؓ کر رہے تھے۔ مسلمان ۳۱ جنوری کی شام کو حُنین کی وادی میں پہنچے اور انھوں نے وہاں اپنا پڑاؤ ڈال دیا۔

حُنین ایک ایسی وادی ہے جو شارعِ المجاہد (جدید) سے، جو مکّے کے مشرق شمال مشرق میں ۱۱ میل کے فاصلے پر واقع ہے، شارعِ النخلہ (قدیم) تک، جو مشرق میں ۷ میل اور آگے ہے، پھیلی ہوئی ہے۔ ان شارعوں کے درمیان یہ وادی خاصی چوڑی ہے۔ بعض مقامات پر اس کی چوڑائی تقریباً ۲ میل ہے، لیکن قدیم شارع سے آگے یہ تنگ ہو کر آدھ سے چوتھائی میل کے بین بین چوڑی رہ جاتی ہے، اور جب یہ زیمہ کے مقام پر پہنچتی ہے تو اس کی چوڑائی اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ وادی حُنین کے اس دوسرے حصّے کی شکل گھاٹی کی ہے اور یہ گھاٹی زیمہ کے قریب سب سے زیادہ تنگ ہے، زیمہ کے آگے طائف کا راستہ وادی نخلۃ الیمانیہ میں بل کھاتا ہوا مڑ جاتا ہے۔ (نقشہ ۶ دیکھیے)

مسلمانوں کی حُنین کی طرف پیش قدمی کے دوران فریقین نے ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے اپنے اپنے جاسوس بھیجے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کی تعداد، ٹھور ٹھکانے، اور نقل و حرکت سے بخوبی آگاہ تھے۔ نبی کریمؐ کا بھیجا ہوا ایک جاسوس اوطاس کے مقام پر ہوازن میں شامل ہو گیا۔ اس نے ان کی مخلوط فوج کی صحیح طاقت معلوم کی اور پھر نظر بچا کے آنحضرتؐ کو اس کی خبر دینے کو کھسک آیا۔ جب اس نے نبی کریمؐ کو اپنا بیان دیا تو حضرت عمرؓ بھی وہاں موجود تھے، اور ان کو نہ جانے کیوں اس کی خفیہ اطلاعات پر یقین نہ آیا۔ انھوں نے جاسوس کو جھوٹا کہا، تو اس نے جواب دیا "اگر تم مجھے جھوٹا کہتے ہو تو تم سچ کو جھوٹ کہتے ہو۔ اور تم نے تو ایک ایسی ہستی کو بھی جھوٹا کہا تھا جو مجھ سے برتر ہے۔" اس شخص کا اشارہ اس زمانے کی طرف تھا جب عمرؓ مسلمان ہونے سے بیشتر، نبی کریمؐ کے جانی دشمن تھے۔

عمرؓ نے دفعتاً نبی کریمؐ کی طرف دیکھا اور کہا "سنا آپ نے؟" "سنبھل کے عمر!" آنحضرتؐ نے


نقشہ نمبر ٦ حنین اور طائف
شمال
نخلہ
وادیٔ نمیرہ
اوطاس
وادیٔ نخلہ
زیمہ
حنین
جعرانہ
وادیٔ شرائع
وادیٔ قرن
وادیٔ الملیح
وادیٔ ذوالمجاز
مکہ
منیٰ
عرفات
پیمائش
صفر
ایک انچ = ٨ میل
اُس وقت موجود نہ تھا
طائف
نخب
صادیرا

جواب دیا: "ایک وقت تھا کہ تم گمراہ تھے اور اللہ نے تمھیں راستہ دکھایا"۔[1] عمر نے مزید کچھ نہ کہا۔

جب مسلمان وادیٔ حُنین میں اپنے نئے پڑاؤ پر پہنچے تو مالک بن عوف کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے ان کی آمد کی خبر ملی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ جب مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ اس کی فوج اوطاس کے مقام پر ہے تو انہیں توقع ہوگی کہ وہ جنگ بھی اس سے اوطاس یا اوطاس سے قریب ہی کسی مقام پر لڑیں گے۔ اس مفروضے کی بنا پر اس نے مسلمانوں کو دھوکا دینے کا ایک جنگی منصوبہ بنایا جس پر اس نے فوراً عمل بھی کیا۔

یکم فروری ۶۳۰ء (۱۱ شوال ۸ھ) کو پو پھٹنے سے پیشتر مسلمانوں نے کوچ کے لئے منظم ہو کر اوطاس کی جانب، جہاں پر انھیں توقع تھی کہ وہ دشمن سے جا بھڑیں گے، پیش قدمی شروع کی۔ ان کا ارادہ تھا کہ دشمن کو پتہ چلنے سے پیشتر وہ حُنین کی گھاٹی سے گزر جائیں۔ اس مرتبہ بھی ہراول دستہ خالدؓ کی زیرِ قیادت بنو سُلیم پر مشتمل تھا، جس کے پیچھے مسلمانوں کے مختلف دستوں کے ساتھ ۲۰۰۰ اہلِ مکّہ کا گروہ بھی آ رہا تھا۔ پڑاؤ کو جنگی اڈے کے طور پر قائم چھوڑا گیا۔

جونہی مشرقی افق پر صبح کی پہلی کرن پھوٹی، مسلمانوں کا ہراول دستہ حُنین کی گھاٹی میں داخل ہوا۔ (زیمہ سے تقریباً دو میل دور)۔

اوطاس کے مقام پر، بے خبر دشمن پر یکایک ٹوٹ پڑنے کے شوق میں خالدؓ نے اپنی رفتار تیز کر دی اور پھر اچانک ایک طوفان بپا ہو گیا۔

گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن کی زد میں آنے والا پہلا شخص خالدؓ تھا۔ ہزاروں فلک شگاف نعروں نے سکوتِ سحر کو توڑ دیا، اور دشمن کی طرف سے تیروں کی باڑ دس بیس کی نہیں سیکڑوں کی تعداد میں آئی۔ پھر تیر اولوں کی طرح برسنے لگے اور زناتے، سنسناتے گھوڑوں اور سپاہیوں کو نشانہ بنانے لگے۔ بنو سلیم دشمن کا مقابلہ کرنے کو نہ رکے۔ یک لمحہ سوچنے یا آڑ لینے کو بھی نہ رکے۔ سب کے

---

[1] ابنِ ہشام: جلد ۲، صفحہ ۴۴۴

سب بکلخت پلٹ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ خالدؓ نے اپنے سپاہیوں سے بار بار پکار کے کہا کہ وہ جم کر مقابلہ کریں لیکن شور اور ہنگامے میں انکی آواز دب کے رہ گئی۔ خالدؓ خود بری طرح زخمی ہو گئے اور بھاگتے ہوتے سپاہیوں اور گھوڑوں کے ریلے میں وہ بھی ساتھ بہہ گئے۔ لیکن وہ اس طرح تھوڑی ہی دور پہنچے تھے کہ اپنے گھوڑے سے گرے اور اپنے زخموں کی وجہ سے بے حس و حرکت پڑے رہے۔

جب بنو سلیم بدحواسی کے عالم میں بھاگے تو وہ تنگ پگڈنڈی پر آتے ہوئے دوسرے مسلمان دستوں سے جا ٹکرائے، جنھیں تب یکایک اندازہ ہوا کہ کوئی بہت ہی سنگین حادثہ پیش آگیا ہے۔ قریش مکہ جو پہلے ہی سے نیم گرم تھے، پلٹے اور بھگدڑ میں شریک ہو گئے۔ ان کے پیچھے کئی دوسرے مسلمان دستے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ مسلمان تو جنگی اڈے تک جا بھاگے، مگر بیشتر نے محض منتشر ہو کے گھات کی جگہ سے کچھ دور پگڈنڈی کے دونوں جانب آڑ لے لی۔ حادثے کی پوری نوعیت سے کوئی بھی آگاہ نہیں تھا۔ جب خطرے سے نکلنے کی اندھادھند کوشش میں اونٹ، اونٹ سے ٹکرانے لگے اور گھوڑے اور سپاہی ایک دوسرے سے متصادم ہونے لگے تو افراتفری اور بڑھ گئی۔

مالکؓ بن عوف نے اس طرح گھات میں آنے والوں کو خود گھات میں لے لیا۔ وہ رات کے اندھیرے میں اپنی فوج کو حنین کی تنگ گھاٹی میں لے آیا تھا جہاں فوجی جوڑ توڑ کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے سپاہی پگڈنڈی کے دونوں طرف بڑے بڑے پتھروں کے پیچھے ناہموار گھاٹی میں بڑی آسانی سے آڑ لے کر بیٹھ گئے۔ اگلے مورچوں میں ثقیف کے چند جتھوں کے ساتھ ہوزان تھے۔ ان کے بعد ثقیف تعینات تھے، اور ثقیف کے پیچھے دوسرے قبائل کے امدادی دستے۔ مالکؓ نے ایک ماہرانہ منصوبہ باندھا تھا۔ اس نے اپنی نقل و حرکت شام کے جھٹپٹے کے بعد تک ملتوی کئے رکھی، تاکہ مسلمان یہی سمجھتے رہیں کہ اس کی فوج اوطاس کے مقام پر ہے۔ پھر اس نے اپنی فوج کو مسلمانوں کو تہس نہس کرنے یا کم از کم انھیں مکے اور مکے سے آگے تک پسپا کرنے کے لئے حنین کی گھاٹی میں گھات پر بٹھا دیا تھا۔

اس مقام کے پیچھے جہاں مالکؓ کی فوج گھات لگائے ہوئے تھی، ایک تنگ

درہ[1] تھا۔ اگر معرکے کا نتیجہ مالک کے منصوبے کے خلاف جانے لگتا۔ تو وہ اپنی فوج کو اس درے میں ہٹا سکتا تھا۔ درے پر دشمن کے قبضے کی صورت میں مالک کے جنگی اڈے اوطاس کی طرف پیش قدمی کر سکتے تھے۔

مسلمانوں کی اس شکست پر مکی نومسلموں کی اکثریت بہت خوش تھی۔ ابوسفیان بولا۔" ان کی یہ پسپائی سمندر تک پہنچنے سے پہلے نہیں رکے گی!اس وقت صفوان بن امیہ کے ساتھ اس کا سوتیلا بھائی بھی موجود تھا، اور اس نے کہا" اب محمدؐ کے طلسم کا بھرم کھل جائے گا۔" "خاموش!" صفوان نے اس کو جھڑکا۔" اللہ اکبر۔ تیرا منہ پھوٹے!"میں قریش کے کسی بھی فرد کی حکومت کو کسی ہوازن کی محکومی پر ترجیح دیتا ہوں"۔[2]

نبی کریمؐ اپنے نو صحابہ کے ساتھ جن میں علیؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، اور عباسؓ بھی شامل تھے، پگڈنڈی پر کھڑے رہ گئے۔ جب مسلمان بھاگتے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس سے گزرے تو آپ نے انھیں پکارا"مسلمانو! میں یہاں ہوں!میں، اللہ کا رسولؐ! میں، محمدؐ، ابن عبداللہ!"[3] لیکن آپ کی صدائیں بے سود ثابت ہوئیں۔ پھر ہوازن کے ہراول سپاہی اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں نبی کریمؐ کھڑے تھے اور یہاں حضرت علیؓ نے جنگ حنین میں قتل ہونے والے پہلے کافر کو گرا ڈالا۔ ایک سرخ اونٹ پر سوار یہ آدمی ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ بلند کئے ہوئے تھا، جس کے سرے پر ایک سیاہ مخروطی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہ شخص بھاگتے ہوئے مسلمانوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے ایک اور مسلمان کے ساتھ، اس آدمی کا پیچھا کیا، اور اس کے برابر پہنچ کر اپنی تلوار سے اس کے اونٹ کی پچھلی ٹانگوں کے پٹھے کاٹ ڈالے۔ کافر اونٹ سمیت زمین پر آ گرا اور حضرت علیؓ کے ساتھی نے اس کا سر قلم دیا۔

نبی کریمؐ اب اپنے گروہ کے ساتھ دائیں طرف کو ہٹ کر ایک چٹان پر چڑھ گئے۔ ثقیف کے

---

[1] میں اس درے کا پتا نہیں لگا سکا ہوں۔ یہ غالباً زیمہ یا اس کے قریب ہی کسی مقام پر تھا۔

[2] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۴۴۳-۴۴۵

[3] ایضاً

چند آدمی آنحضرتؐ کے گروہ کی طرف بڑھے، لیکن صحابہ نے اسے پسپا کر دیا۔

مالک بن عوف نے اس طرح مسلمانوں کے ساتھ وہ کچھ کر ڈالا جو اس سے پیشتر کسی کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ مسلمانوں کے لئے دشمن کی گھات میں پھنس جانے کا یہ پہلا، اور تلخ تجربہ تھا، ان میں سے متعدد افراد کے ہوش ٹھکانے نہ رہے اور وہ میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایسے حادثے میں سکین دلیر سے دلیر بھی بوکھلا جاتے ہیں۔

مالک نے بڑی زیرکی سے وار کیا تھا، لیکن اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کی سپاہ وہ مہارت نہ دکھا پائی جس کی اسے توقع تھی۔ انہوں نے اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ مسلمانوں کی مرکزی فوج ان کے پھیلائے ہوئے جال میں آجائے، بلکہ مسلمانوں کا ہراول دستہ ہی ان کے تیروں کی زد میں آیا تھا کہ وہ تیر چلانے لگے اور مالک سے پھر یہ غلطی ہوئی کہ وہ اپنی ابتدائی کامیابی پر مطمئن ہوگیا، اور چند سو گز کی پیش قدمی کے علاوہ اس نے مسلمانوں کا پیچھا کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اگر اس نے تعاقب کیا ہوتا تو شاید اس جنگ کی داستان مختلف ہوتی۔ مزید برآں، ہوازن کی تیراندازی انتہائی ناقص تھی۔ حالانکہ جھڑپ میں متعدد مسلمان اور کئی اونٹ، گھوڑے زخمی ہوئے، کوئی ہلاک نہ ہوا۔

⁂

نبی کریمؐ نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی، تو جو منظر انہوں نے دیکھا وہ قطعاً حوصلہ افزا نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے طے کیا کہ آپ مالک کو اتنی آسانی سے فتحیاب نہیں ہونے دیں گے۔ آپ نے عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو آپ کے گرد جمع ہونے کے لئے بلائیں۔ عباسؓ لحیم، شحیم آدمی تھے اور ان کی آواز بڑی زوردار تھی، جو بعض روایات کے مطابق، میلوں تک سنی جا سکتی تھی۔ اب انہوں نے پوری قوت سے چلا کر آواز دی: "مسلمانو! رسول خداؐ کی طرف آؤ! اے انصار... اے اصحاب رسولؐ! ...اے ..." انہوں نے باری باری ہر قبیلے کو نبی کریمؐ کی خدمت میں پیش ہونے کے لئے پکارا۔ یہ صدا مسلمانوں کی اکثریت نے سنی، اور وہ فوراً اس مقام کی طرف چل پڑے جہاں

نبی کریمؐ کھڑے تھے۔ جونہی پہلے ۱۰۰ آدمی آنحضرتؐ کے پاس جمع ہوئے، آپ نے جوابی حملے کا حکم دیدیا۔ ان مسلمانوں نے ان ہوازن پر دھاوا کیا جو آنحضرتؐ کے نزدیک پہنچ گئے تھے، اور ان کو پیچھے دھکیل دیا۔ نبی کریمؐ کے پاس جمع ہونے والے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا حتی کہ ہزاروں آدمی دوبارہ آپ کے ساتھ آملے۔ جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ آپ کے گرد مسلمانوں کی کافی تعداد جمع ہوگئی ہے تو آپ نے ہوازن کے خلاف ایک عام حملے کا حکم دیا۔ اس دفعہ مالک حیران رہ گیا۔ کہاں اس کا یقین کہ جیت اس کی ہوچکی ہے اور کہاں یہ دیکھنا کہ خود اس کی فوج پر حملہ ہو رہا ہے۔ دست بدست جنگ زیادہ شدید ہوگئی، اور یہ صورت حال مسلمانوں کی مرضی کے عین مطابق تھی، کیونکہ اس نوعیت کی گھمسان لڑائی میں ان کی بہتر شمشیر زنی جنگ کا پانسہ ان کے حق میں پلٹ سکتی تھی۔ دست بدست جنگ میں مسلمانوں کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ ہوازن کو بتدریج پیچھے دھکیل دیا گیا۔ اور جب آنحضرتؐ نے ان کے آدمیوں کو مسلمانوں کی یورش کے سامنے گرتے دیکھا تو آپ نے برملا کہا:

انا نبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

اس کے بعد آنحضرتؐ ان آدمیوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ کے ساتھ ہی کھڑے تھے، اور آپ نے فرمایا "اب تنور تپ اٹھا ہے!"[1]

اپنی طرف، مالک اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے جنگ میں ناکامی ہو رہی ہے، اور اس نے اپنا لشکر پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ ثقیف نے پہلے ہی سے ہوازن کے عقب میں کچھ فاصلے پر مورچے سنبھال رکھے تھے۔ ثقیف کو چند اول دستے کے فرائض انجام دینے کے لئے وہیں چھوڑتے ہوئے، وہ ہوازن کو پیچھے ہٹا کر محفوظ مقام پر لے آیا۔ مسلمان آگے بڑھے اور ثقیف سے دوچار ہوئے جنہیں اب مومنوں کے ہاتھوں کڑی سزا ملنے لگی۔ اس تصادم کے جلد بعد، ثقیف نے پیٹھ دکھائی اور وہ سر پر

---

[1] ابن سعد: صد ۶۶۵

پاؤں رکھ کر بھاگے۔ ان کے پیچھے دوسرے قبائلی دستے، جن میں سے بعض نے اس جھڑپ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا، بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس عرصے میں مالک ہوازن کو بحفاظت متذکرہ درّے میں لے آیا تھا، جہاں اس نے انھیں باقی ماندہ فوج کے پہنچنے تک ایک دفاعی جنگ لڑنے کیلئے منظّم کیا۔ جب تک وہ درّے پر قابض تھا، ہوازن کے کنبے اور مویشی محفوظ تھے۔

اب مسلمانوں نے نہ صرف گھات کی مصیبت پر قابو پا لیا تھا بلکہ جوابی حملہ کرکے اپنی حیثیت بحال کر لی تھی اور دشمن کو میدانِ جنگ سے مار بھگایا تھا۔ بذاتِ خود یہ ایک محدود مبارزی کامیابی تھی، لیکن ابھی آگے اور بہت کچھ ہونا تھا۔

مسلمان جس وقت مردہ دشمنوں کے ہتھیار اور لباس اتار رہے تھے تو دو مسلمانوں کے درمیان ایک دلچسپ واقعہ رونما ہوا۔ ان میں سے ایک تو مدینے کا انصار تھا اور دوسرا، جس کا نام مُغیرہ بن شعبہ تھا، قبیلۂ ثقیف کا ایک فرد تھا۔ ثقیف کے مُردوں کے درمیان ایک عیسائی غلام تھا، جو اپنے آقا کے ساتھ قتل ہوا تھا۔ جب انصار نے عیسائی کے کپڑے اتارے تو دیکھا کہ عیسائی کا ختنہ نہیں ہوا تھا۔ اس انکشاف پر حیران ہو کر، کیونکہ اہل عرب میں ختنوں کا رواج عام تھا، اس نے اپنے اردگرد کھڑے ہوئے آدمیوں سے چلا کر کہا "اے اہل عرب کیا تمہیں معلوم تھا کہ ثقیف کے ختنے نہیں کیے جاتے؟" مُغیرہ کو جو برابر کھڑا تھا، یہ بات سُن کر سخت خفّت کا اندیشہ ہوا۔ کیونکہ ایسی خبر کی تشہیر سے ثقیف کی تذلیل ہوتی تھی۔ وہ اس مردہ غلام کو جانتا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ غلط فہمی کیونکر پیدا ہوئی ہے۔ "ایسا مت کہو!" اس نے انصار کو ٹوکتے ہوئے کہا "یہ آدمی عیسائی غلام تھا۔" "نہیں وہ عیسائی غلام نہیں تھا۔" اس انصار نے بضد ہو کر کہا "مجھے یقین ہے کہ یہ ثقیف کا ایک فرد ہے۔" اور وہ اپنی بات پر اڑا رہا، حتیٰ کہ مغیرہ نے ثقیف کی متعدد لاشوں کو ننگا کرکے مخصوص نشانات کی طرف بار بار اشارا کیا۔[۵]

---

[۵] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۴۵۰

جب علاوہ ان آدمیوں کے جو مفرور تھے، باقی اسلامی لشکر دوبارہ جمع ہو گیا تو نبی کریمؐ نے موافق موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے ایک مضبوط رسالے کی تشکیل کی، اور اس سے قبل کہ ہوازن کو سنبھلنے اور دوبارہ منظم ہونے کی مہلت ملتی، اس رسالے کو وادی خالی کرانے کے لئے آگے بھیجا۔ یہ رسالہ متعدد جزوی سوار دستوں پر مشتمل تھا بمعہ بنو سلیم کے، جو پھر خالدؓ کے زیر قیادت آ گئے تھے۔ خالدؓ مسلمانوں کے جوابی حملے میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ چونکہ وہ بنو سُلیم کی بھگدڑ میں جس جگہ گرے وہیں اس حملے کے آخر تک پڑے رہے۔ پھر آنحضرتؐ ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان کے زخموں پر پھونکا۔ یہ ہوتے ہی خالدؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں محسوس ہوا کہ وہ پھر طاقتور اور لڑائی کے قابل ہو گئے ہیں[1]۔ اس کے بعد انہوں نے جلد ہی بنو سلیم کو یکجا کر لیا۔

کُل رسالے کی قیادت زبیر بن العوامؓ کے سپرد کی گئی، جنہوں نے اب وادی میں آگے بڑھ کے درّے تک پہنچ کر مالکؔ کا سامنا کیا۔ ایک مختصر اور تیز جھڑپ کے بعد، مالکؔ کو درّے سے باہر دھکیل دیا گیا۔ اب پوری وادی مسلمانوں کے قبضے میں تھی۔ آنحضرتؐ نے زبیرؓ کے سوار دستے کو درے پر ہی رہنے دیا، تاکہ وہ اسے ایک مستحکم جنگی اڈے کے طور پر اپنے قبضے میں رکھیں اور ہوازن کی واپسی کے امکان سے اس کا بچاؤ کریں۔ ایک دوسرے دستے کو آپ نے ابو عامرؓ کی سرکردگی میں اوطاس کی جانب بھیجا۔ یہ اب ان ہوازن کا پڑاؤ تھا جنہوں نے درّے سے پسپا ہونے کے بعد اپنے اہل وعیال اور مویشیوں کے بچاؤ کے لئے اس کے گرد مورچے سنبھال لئے تھے۔ ابو عامرؓ نے ذاتی مقابلوں میں نو آدمیوں کو قتل کر دیا اور دسویں حریف کے ہاتھوں وہ خود شہید ہو گئے۔ اس پر مسلمان دستے کی قیادت ابو عامرؓ کے چچیرے بھائی، ابو موسیٰؓ نے سنبھالی، اور انہوں نے اوطاس پر حملہ جاری رکھا، حتیٰ کہ ہوازن میں ابتری پھیل گئی اور وہ میدان چھوڑ کے بھاگے۔ اس طرح ہوازن کے اڈے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اور زبیرؓ کا سوار دستہ، جس کے آگے آگے خالدؓ تھے، بھی آ کر یہاں کے مسلمان دستے میں

---

[1] اصفہانی: جلد ۱۵، صفحہ ۱۱

شامل ہو گیا۔

دشمن کا متحدہ محاذ اب بالکل پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ ہوازن اور دوسرے قبائل اپنی مختلف بستیوں کی طرف بکھر گئے۔ ثقیف مالک کی قیادت میں تیزی سے طائف پہنچے۔ یہاں انہوں نے آخر دم تک مزاحمت کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنگ حنین اس طرح ختم ہو گئی۔

بڑی حد تک ہوازن کی نکمّی تیر اندازی کی وجہ سے، جانی نقصان مسلمانوں کا بہت کم ہوا۔ اس کے باوجود کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے تھے، صرف چار جانیں ضائع ہوئیں۔ اس کا سبب مسلمانوں کی اعلیٰ مہارت اور جرأت میں بھی پوشیدہ تھا۔ ان اوصاف کی بدولت مسلمانوں کے میدانِ کارزار تین چار حریفوں پر بیک وقت حملہ کر کے انھیں ایک ایک کر کے ہلاک کر سکتے تھے۔ وادی، درّے اور اوطاس کے مقام پر کفار کے ۷۰ آدمی مارے گئے، اور ان مقتولین میں روشن دماغ درید بھی شامل تھا، جس نے بے سود اپنا بہت صائب مشورہ دیا۔ اوطاس میں دشمن کے پڑاؤ سے مسلمانوں نے ۶۰۰۰ عورتیں، بچے اور غلام گرفتار کئے اور ہزاروں اونٹ اور بھیڑ بکریاں پکڑیں۔[1]

یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو ایک وسیع پیمانے کی فوجی کارروائی کے دوران دشمنوں نے گھات میں لے لیا تھا۔ تاریخ میں یہ دوسری مثال تھی کہ کُل فوج کو ایک دوسری سالم فوج نے گھات میں لے لیا ہو۔ (پہلی مثال ہنی بال نے، رومیوں کو اطالیہ میں جھیل ترا سیمیتو پر گھات میں لے کر قائم کی تھی۔) مالک نے مسلمانوں کے خاتمے کے لئے ایک لاجواب، بے نقص منصوبہ بنایا تھا، لیکن وہ اپنے سپاہیوں کی ناقص کارگزاری کے باعث اپنا معینّہ مقصد حاصل نہ کر سکا۔ تاہم، اگر اس کے

---

[1] آج کوئی بھی اوطاس کے محلِ وقوع سے واقف نہیں ہے۔ تاہم، یہ لازمی امر ہے کہ وہ حنین کی بڑی وادی ہی میں واقع تھا، کیونکہ ایسا پڑاؤ جس میں سپاہ کے علاوہ ۶۰۰۰ مزید افراد، اور ہزاروں اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں، ایک پہاڑی نشیب یا کسی چھوٹی سی وادی میں قائم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اس کا مقام زیمہ سے قدرے آگے قرار دیا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور جگہ واقع تھا۔

دشمن مسلمان نہ ہوتے تو اس کے فوجیوں کی کوتاہیوں کے باوجود، فیصلہ کن فتح حاصل ہوتی۔ نبی کریمؐ کا شکست قبول نہ کرنے کا عزم، اور مسلمانوں کا اپنے قائد پر اعتماد دو ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں کی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا۔ مالکؔ کے برعکس نبی کریمؐ ایک محدود کامیابی پر قانع نہیں تھے، اور آپ نے دشمن کو مار بھگانے اور اس کے پڑاؤ اور اس کے جملہ مال ومتاع پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے موافق حالات سے پورا فائدہ اٹھایا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ خالدؓ ناگاہ حملے کی زد میں آ گئے۔ انہیں ایسے اچانک حملے کی اہمیت کا احساس تو پورا تھا، لیکن اس مرتبہ وہ خود ہی اس کا شکار ہوئے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کے عام طور پر جوانمرد سپاہ اس وقت ایسے بوکھلا گئے جب دشمن غیر متوقع لمحے میں غیر متوقع جگہ پر اچانک نمودار ہوا۔ خالدؓ نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ وہ کبھی بے خبری میں حملے کا شکار نہ ہوں گے۔ اور نہ پھر کبھی ایسا ہوا۔

۹

محاصرۂ طائف

نبی کریمؐ نے دشمن کو حنین میں شکست فاش دے کر اوطاس سے نکال دیا تھا۔ اب آپ نے فیصلہ کیا کہ مالک بن عوف کو دم لینے اور مزید مزاحمت کی تیاری کرنے کی مہلت نہ دی جائے۔ چنانچہ آپ نے اوطاس کے اسیر قیدیوں اور مویشیوں کو ایک محافظ دستے کے ساتھ جعرانہ بھیج دیا، جہاں ان کو فوج کی واپسی تک زیر نگرانی رکھنے کا حکم دیا گیا اور پھر اگلے ہی روز آپ طائف کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں شدید مزاحمت سے سامنا ہونے والا تھا۔ لیکن اس مرتبہ آپ نے بڑی چوکسی کے ساتھ قدم بڑھائے، کیونکہ حنین کی گھات کے ناگوار تجربے کے بعد، آپ دوبارہ دشمن کے کسی دام دبے میں پھنسنے کو تیار نہ تھے۔ یہاں علاقہ کوہستانی تھا، جس کے پہاڑی سلسلوں کی چٹانی ڈھلانیں تیزی سے اٹھتی ہوئی ایک مرتفع میدان میں ختم ہوتی تھیں، جس پر طائف واقع تھا۔ اور ایسے علاقے میں مالک جیسا شاطر سپہ سالار تقریباً ہر جگہ ہی گھات لگا سکتا تھا۔

اوطاس سے روانہ ہو کر، آنحضرتؐ وادئ نخلہ طے کرنے کے بعد جنوب کی طرف مڑے اور وادی اُملیح میں داخل ہو گئے۔ اس وادی کو عبور کر کے آپ وادئ القرن پہنچے، اور اس وادی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے طائف سے شمال مغرب میں سات میل کے فاصلے پر مرتفع میدان میں آ گئے۔ یہاں تک مسلمانوں کا کسی مزاحمت سے سابقہ نہیں پڑا، اور فوجی مخبروں کی اطلاعات کے مطابق ثقیف کا طائف سے باہر کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن مالک پر اچانک حملہ کرنے کی امید میں آنحضرتؐ نے

اپنا راستہ بدل لیا۔ طائف کے شمال میں واقع دشوار گزار خطّے کو عبور کر کے، آپ نخب اور صادیرا کے درمیان نسبتاً کم پہاڑی علاقے میں آپہنچے۔[۱] یہاں سے آپ نے عقبی سمت سے طائف کی طرف کوچ کیا۔ اس پورے سفر کے دوران فوج کے آگے آگے بنو سُلیم پر مشتمل ھراول دستے کی قیادت خالدؓ نے کی۔ (نقشہ نمبر ۶ دیکھئے)

مالک بن عوف نوعمر ہونے کے باوجود ایسا شخص نہیں تھا جو بے خبری میں پکڑے جانے کا کوئی موقع دیتا۔ حُنین اور اوطاس کے مقامات پر مسلمانوں سے ٹکرانے کر شدید نقصان اٹھانے کے بعد، اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دوبارہ کھلے میدان میں لڑنے کی بجائے ان سے اپنی مرضی کے مطابق جنگ لڑے گا۔ لہٰذا اس نے اپنی فوج کو طائف شہر کی فصیل کے اندر رکھا اور جلدی سے ایک طویل محاصرے کے مقابلے کے لئے رسد کا کافی ذخیرہ جمع کر لیا۔ یہاں اب ثقیف، اپنے دلیر نوجوان سپہ سالار کی قیادت میں مسلمانوں کی آمد کے منتظر تھے۔

مسلمان ۵، فروری ۶۳۰ء/ شوال ۸ھ کی پندرھویں تاریخ کو طائف پہنچے اور انہوں نے ایک ایسے محاصرے کا آغاز کیا جو پھر ۱۸ دن تک قائم رہا۔ طائف پہنچنے پر مسلمانوں نے شہر کی فصیل کے ضرورت سے زیادہ قریب اپنا پڑاؤ ڈالا، اور اس غلطی کا خمیازہ انہیں ثقیف کے تیراندازوں

---

[۱] وادی اَلملیح طائف کی موجودہ ایرپورٹ اور سیل الکبیر کے درمیان واقع ہے۔ وادی القرن، اپنی بالائی حدود میں، طائف سے مکے جانے والی موجودہ شاہراہ کو طائف سے ۷ میل کے فاصلے پر قطع کرتی ہے۔ صادیرا، طائف سے ۲۵ میل مشرق میں، ترابہ کی سڑک پر واقع ہے، اور نخب طائف سے مشرق جنوب مشرق میں صرف ۳ میل دُور ہے۔ وادی النخب قدیم ایام میں، مقامی روایات کے مطابق، وادی النمل۔ چیونٹیوں والی وادی ۔۔ کے نام سے مشہور تھی، جس میں حضرت سلیمانؑ نے، ملکہ سبا کے مقابلے کے لئے یمن جاتے ہوئے سفر کیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کا قصّہ قرآن میں مذکور ہے۔ (۲۷: ۱۶-۲۴)۔

کے ہاتھ بھگتنا پڑا۔ جب انھوں نے پڑاؤ پر تیر برسائے تو کئی ایک مسلمان شہید ہو گئے۔ اس سانحے کے بعد مسلمانوں نے اپنا پڑاؤ پیچھے ہٹا کر اس علاقے میں قائم کیا، جہاں آج مسجد ابنِ عبّاس ہے۔ داخلے اور فرار کو روکنے کے لئے اب طائف کے قلعے کے گرد مسلمانوں نے فوجی گروہ متعیّن کئے، اور محاصرے کی کارروائیوں کی ذمّہ داری حضرت ابوبکرؓ کو سونپی گئی۔ دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی زیادہ تر ایک دوسرے پر تیر چلانے تک محدود رہی۔ مسلمان تیرانداز شہر کے قریب جاتے اور فصیل پر متعیّن ثقیف تیراندازوں کو ایک ایک کرکے نشانہ بنانے کی کوشش کرتے، مگر ثقیف فائدے میں تھے، کیونکہ انھیں تو فصیل کی اوٹ میسر تھی اور مسلمان کھلے میدان میں بے آڑ تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ان جھڑپوں میں منہ کی کھانی پڑی، اور ان کے بہت سے آدمی زخمی ہو گئے۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ بھی، اور وہ بعد میں اپنے زخموں سے فوت ہو گئے۔

چند دن اسی طرح گزر گئے۔ فتح مکّہ کے بعد، نبی کریمؐ نے دو مسلمانوں کو محاصرے کی جنگ سے متعلق پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے جُرش، جو یمن میں واقع ہے، بھیجا تھا۔ لیکن یہ دونوں آدمی محاصرۂ طائف کے بعد ہی لوٹ کر آئے، اور اس لئے محاصرے میں کوئی حصّہ نہ لے سکے۔ اب سلمان فارسیؓ، جنھوں نے جنگِ خندق میں مدد کی تھی، پھر مسلمانوں کے کام آئے۔ فارس کے فوجی تجربہ کی بنا پر انھیں جدید جنگی اسلوب سے کافی واقفیت تھی۔ ان کی ہدایات کے مطابق، مسلمانوں نے ایک منجنیق تیار کی اور اسے شہر پر پتھر برسانے کے لئے استعمال کیا۔ لیکن سلمانؓ اس کام میں اناڑی تھے، اور منجنیق سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہ ہُوا۔

اس کے بعد سلمانؓ نے فیصلہ کیا کہ دبّابہ استعمال کیا جائے۔ دبّابہ ایک بڑی سی ڈھال ہوتی تھی، جو بالعموم لکڑی یا چمڑے سے تیار کی جاتی تھی، اور جس کی پناہ میں حملہ آوروں کا ایک گروہ قلعے کے پھاٹک کی طرف پیش قدمی کرکے اسے یا تو قلعہ شکن اوزار سے، جس کے لئے بھی منجنیق کا لفظ استعمال ہوتا تھا، توڑ دیتے تھے یا اسے آگ لگا دیتے تھے۔ سلمانؓ کی ہدایات کے مطابق مسلمانوں نے

گائے کی کھال کا ایک دبابہ تیار کیا، اور پھر ان کا ایک گروہ اس کی اوٹ میں طائف کے فوجی پھاٹک کو آگ لگانے کے لئے آگے بڑھا لیکن جب وہ پھاٹک تک پہنچ گئے تو مالک اور اس کے سپاہیوں نے لوہے کے دہکتے ہوئے ٹکڑے ان کے دبابے پر پھینکے۔ ان ٹکڑوں نے دبابے کو جلا دیا، اور اس کے نیچے پناہ لینے والوں کو دہشت زدہ کر دیا۔ چنانچہ وہ اس نامانوس حربے کو الگ پھینک کر واپس بھاگے۔ بھاگتے میں ان پر ثقیف نے اپنے تیر برسا کر ایک آدمی کو شہید کر دیا۔

دو ہفتے گزر گئے اور جنگ کے خاتمے کی صورت نظر نہ آئی۔ ثقیف لڑائی کے لئے باہر نہیں نکلتے تھے، اور مسلمان لڑنے کے لئے اندر نہیں گھس پاتے تھے۔ ہر بار جب بھی وہ فصیل کے قریب آتے، تیروں کی بوچھاڑ انہیں پسپا کر دیتی۔ ایک روز ابوسفیان نے بھی اس شہر پر چڑھائی میں حصہ لیا اور ان کی آنکھ ایک تیر کا نشانہ بن گئی۔ بقیہ زندگی کے لئے ان کی ایک آنکھ رہ گئی۔[1]

طائف کے علاقے میں فروری میں سخت سردی ہو سکتی ہے۔ اور محاصرے کے دوران موسم ناخوشگوار تھا۔ مسلمانوں نے ثقیف کو جنگ کے لئے باہر کھینچ لانے کی کوشش میں انگور کے کچھ باغ تباہ کئے۔ لیکن ثقیف نے اپنے قلعے کی پناہ کو نہ چھوڑا۔ مالک جتنا ہوشیار سپہ سالار ایسی جنگ مول لینے کو تیار نہ تھا جس میں حالات اس کے حریف کے لئے سازگار تھے۔ بالآخر نبی کریمؐ نے جنگی مجلسِ مشاورت بلائی اور اپنے افسروں سے مشورہ لیا۔ ان میں سے ایک نے کہا "لومڑی کو اس کے بھٹ میں گھیر لینے کے بعد اگر کافی عرصے تک انتظار کیا جائے تو لومڑی پکڑی جا سکتی ہے، لیکن اس کو بھٹ میں رہنے دیا جائے تو وہ کچھ نقصان نہیں کر سکتی ہے۔"[2] حضرت ابوبکرؓ نے مکے واپس چلنے کا مشورہ دیا، اور حضرت عمرؓ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔

نبی کریمؐ طائف کی فتح کے لئے بہت طویل عرصے تک انتظار نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ نسبتاً

---

[1] بعض ماخذوں کے مطابق ابوسفیان کی آنکھ طائف کی جنگ میں نہیں بلکہ جنگِ یرموک میں ضائع ہوئی تھی۔

[2] ابن سعد: صفحہ ۶۷۵

زیادہ اہم مسائل پر ان کی توجہ کی ضرورت تھی۔ آپ نے بھی تجویز کیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے اور اسلامی لشکر مکے واپس چلے۔ لیکن بعض جوشیلے مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور مصر ہوئے کہ جنگ فتح تک جاری رکھی جائے۔ "تو پھر تم کل حملہ کر سکتے ہو" آنحضرتؐ نے کہا[1]۔

ان مہم جوئی کے دلدادہ مسلمانوں میں سے چند اگلے روز پھر قلعے تک پہنچے کہ اسے فتح کریں، لیکن ثقیف کے تیر اندازوں سے انہوں نے سخت سزا پائی۔ اب وہ لوٹے تو ان کا مزاج زیادہ فلسفیانہ ہو گیا تھا، اور انہوں نے نبی کریمؐ سے اتفاق کیا کہ شاید بہتر یہی تھا کہ لومڑی کو اس کے بھٹ میں رہنے دیا جائے۔

۲۳ فروری ۶۳۰ء (۴ ذی قعدہ ۸ھ) کو محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ مسلمانوں کے ۱۲ آدمی شہید ہوئے اور ایک بڑی تعداد زخمی ہو گئی۔ ثقیف خم ٹھونکے رہے۔ لیکن، مہینوں کے بعد اس قبیلے نے آخر اسلام قبول کیا اور پھر ایمان کے پکے ثابت ہوئے۔

مسلمان ۲۶ فروری کو جعرانہ پہنچے، اور یہاں نبی کریمؐ نے اوطاس میں حاصل کیا ہوا مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ مکے کے نو مسلموں پر یہ واضح کرنے کے لئے کہ نئے دین کو تاخیر سے قبول کرنے کی وجہ سے ان کے خلاف امتیاز نہیں کیا جائے گا، آنحضرتؐ نے انھیں بھی مالِ غنیمت کا حصہ دیا۔ لیکن عورتوں، بچوں اور جانوروں کو تقسیم کیا ہی گیا تھا کہ ہوازن کے ایک وفد نے آنحضرتؐ کے پاس آ کر اعلان کیا کہ ان کا قبیلہ مسلمان ہو گیا ہے۔ "کیا آپ ہمیں وہ واپس نہیں کریں گے جس پر آپ نے ہم سے جنگ میں قبضہ کر لیا تھا؟" وفد کے ارکان نے استدعا کی۔ درحقیقت جو کچھ ان سے چھن چکا تھا اس کی واپسی کا مطالبہ کرنے کا انھیں کوئی حق نہیں تھا، کیونکہ یہ انہوں نے مسلمانوں کی حیثیت سے نہیں، کفار کی حیثیت سے کھوئی تھیں۔ لیکن آنحضرتؐ فیاض تھے۔ "تم لوگوں کو اپنی عورتیں اور بچے عزیز ہیں یا اپنے اموال؟" آپ نے ان سے پوچھا۔ ہماری عورتیں اور ہمارے بچے ہم کو لوٹا دیجئے۔ اور باقی سب آپ رکھ لیجئے۔" وفد نے جواب دیا[2]۔

---

[1] ابن سعد: صفحہ ۶۷۵

[2] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۴۸۹

آنحضرتؐ نے اب اپنی فوج سے استدعا کی کہ عورتیں اور بچے ہوازن کو لوٹا دیئے جائیں۔ ہر سپاہی نے اس مدعا کو فوراً قبول کیا اور اپنے حصے کے قیدی واپس کر دیئے، سوائے صفوان بن امیہؓ کے، جس نے اس لڑکی سے جدا ہونے سے انکار کر دیا جو مال غنیمت میں سے اس کے حصے میں آئی تھی۔ گمان گزرتا ہے کہ وہ یقیناً بہت خوبصورت تھی۔

چند دنوں کے بعد مالک چپکے سے طائف سے نکل کر مسلمانوں کے پڑاؤ میں آیا۔ یہاں اس نے اسلام قبول کیا اور نبی کریمؐ نے اس کو اپنے فیض سے بہرہ ور کیا۔ تعجب ہے کہ اس ذہین نوجوان جنگجو کو بعد کی مہمات میں کوئی اہم منصب نہ سونپا گیا، کیونکہ اس میں ایک عظیم سپہ سالار کے آثار تھے۔

نبی کریمؐ اور لشکر اسلام اب مدینے کی طرف لوٹے۔ اور وہاں مارچ ۶۳۰ء کے اواخر میں پہنچے۔ اس طرح ہجرت کا آٹھواں سال ختم ہوا۔ اس کے بعد جو سال آیا، سالِ وفود کے نام سے مشہور ہوا، کیونکہ اس سال کے دوران عرب کے اکثر قبیلوں نے اپنے وفد مدینے بھیجے اور آنحضرتؐ کی اطاعت قبول کر لی۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، ان تمام وفود، یا ان کے بھیجنے والے سب قبائلی سرداروں کے دلوں میں دین حق کی امنگ نہ تھی۔ ان میں سے کچھ حق کی سچی تلاش میں آئے، کچھ مگر سیاسی وجوہات کی بنا پر۔ کچھ محض دریافت کی لگن میں آئے، اور چند ایسے بھی آئے جو صریحاً بے ایمان تھے۔

۱۰

تبوک، دومتہ الجندل اور نجران کی مہمات

نویں ہجری کے سال میں مسلمانوں نے صرف ایک بڑی فوجی کارروائی کی۔ تبوک کی وہ مہم جس کی نبی کریمؐ نے خود قیادت کی۔ بحیثیت مجموعی یہ کارروائی پُرامن ثابت ہوئی۔ لیکن اور لوگ اپنا کام چلتے پھرتے سکون سے کرتے، خالدؓ کو خطرے یا تشدّد سے بھڑ جانے کا کوئی نہ کوئی موقع مل جاتا تھا۔

سنہ ۶۳۰ء کے شدید اور طویل موسم گرما میں مدینے یہ خبریں پہنچیں کہ رومیوں نے شام میں بھاری فوج جمع کی ہے، انہوں نے اپنے ہراول دستے اردن میں داخل کر دیئے ہیں اور بزنطینی شہنشاہ ہرقل خود بمعیت موجودہ حمس میں ہے۔

اکتوبر سنہ ۶۳۰ء کے وسط میں، نبی کریمؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس مہم کا صرف یہی مقصد نہیں تھا کہ رومیوں سے جنگ کی جائے، کیونکہ یہ کام بعد میں موسم بہتر ہو جانے پر بھی کیا جا سکتا تھا۔ آنحضرتؐ مسلمانوں کو موسم گرما کی شدید تمازت میں سفر کرا کے ان کے ایمان کو بھی پرکھنا چاہتے تھے۔ ان کا اندازہ تھا کہ ایسے حالات میں صرف سچے مومنوں کا آگے آنا لازمی ہوگا۔

اور سچے مومنوں ہی نے لبیک کہا۔ مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے اس بلاوے کا خندہ پیشانی سے جواب دیا اور مہم کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن کچھ مسلمان ایسے بھی تھے، جنھوں نے اس ندائے جنگ کو خوشی سے قبول نہ کیا۔ اس سال، اکتوبر کے مہینے میں سخت گرمی تھی اور کھجوروں کے باغات

کی ٹھنڈی چھاؤں کی کشش نے ایسے مسلمانوں کو ورغلایا۔ اصل میں گرمی کی شدت ایسی تھی کہ سب ہی اس میں کمی ہونے تک چھاؤں میں آرام کرنا چاہتے تھے۔ منافقین حسب معمول مسلمانوں کو مہم میں شرکت کے خلاف بہکا کے کافی مشکلیں پیدا کر رہے تھے۔ مگر اب کی بار چند آزمودہ مسلمانوں کے قدم بھی ڈگمگائے۔

اکتوبر ۶۳۰ء کے آخر (رجب ۹ھ کے وسط) میں مسلمان تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے آنحضرتؐ کے جھنڈے تلے اتنی بڑی فوج کبھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ یہ لشکر مدینے، مکے اور اسلام قبول کرنے والے اکثر قبائل کے افراد پر مشتمل تھا۔ ایک تاریخی ماخذ کے مطابق اس لشکر کی تعداد، مع ۱۰۰۰۰ سوار کے، ۳۰۰۰۰ تھی، لیکن یہ غالباً مبالغہ ہے۔

تبوک پہنچنے پر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ اردن میں داخل ہونے والے رُومی دستے دمشق پہنچ گئے ہیں۔ اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن نبی کریمؐ نے اس علاقے میں بسنے والے قبائل کو مطیع کرنے اور اسلام کے سیاسی اختیار میں لانے کا فیصلہ کیا۔ اس علاقے کے اہم مقامات — ایلہ (جو موجودہ عقبہ کے نزدیک واقع تھا)، جربہ، اذرُح، اور مقنتہ — سبھی خلیج عقبہ کے کنارے واقع تھے۔ (اس کتاب کی جلد کا اندرونی نقشہ دیکھئے۔) ان قبائل کے ساتھ معاہدے طے ہوئے اور سب جزیہ[1] دینے پر رضامند ہو گئے۔

ایک اور اہم علاقہ جسے آنحضرتؐ مطیع کرنے کے خواہشمند تھے، تبوک سے قدرے آگے دومۃ الجندل کا تھا (جسے آجکل الجوف کہتے ہیں)۔ اس پر قبیلۂ کندہ کے ایک عیسائی شہزادے اُکیدر بن مالک، کی حکومت تھی، جو شکار کے شوق کے لئے مشہور تھا۔ اس علاقے کو اطاعت میں لانے کے لئے آنحضرتؐ نے خالد کو ۴۰۰ سوار سمیت اکیدر کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا "تم اسے غالباً جنگلی سانڈ کا شکار کرتا ہوا پاؤ گے۔" نبی کریمؐ نے کہا[2]

[1] اس خراج کے عوض غیر مسلم فوجی فرائض سے بری تھے اور مسلم ریاست ان کی حفاظت کی ضامن تھی۔

[2] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۵۲۶

خالدؓ ایک درخشاں، چاندنی رات کو دومۃ الجندل کے بافصیل قصبے کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اپنے دستے کو اس قصبے کے قریب صف آرا کیا ہی تھا کہ فصیل کا پھاٹک کھلا اور اکیدر اپنے چند دوستوں کے ہمراہ جو شکاری ہتھیاروں سے لیس اور گھوڑوں پر سوار تھے، قصبے سے باہر نکلا۔ شاید دن کی تپش کے باعث اکیدر نے رات کی خنکی میں شکار کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا، اور شفاف چاندنی بھی شکار کے لئے بھی موزوں تھی۔

خالدؓ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر اس شکاری جتھے پر ٹوٹ پڑے۔ خالدؓ نے خود اکیدر پر جھپٹ کر اسے گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور ان کے ساتھیوں نے شکاری گروہ کے دیگر افراد پر حملہ کر دیا۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مزاحمت کی اور مارا گیا، لیکن باقی آدمیوں نے واپس قلعے کی طرف گھوڑے دوڑائے اور اندر پہنچ کر پھاٹک بند کر لیا۔

خالد اپنے ممتاز قیدی کو ساتھ لے کر تبوک لوٹے۔ اکیدر نے آنحضرتؐ کے ساتھ معاہدہ کر کے اپنے لئے بھاری فدیہ ادا کیا اور جزیہ دینے پر رضامند ہو گیا۔

اس واقعے کے جلد بعد، مسلمان فوج تبوک سے واپس مدینے روانہ ہو گئی۔ وہ دسمبر ۶۳۰ء کے وسط میں وطن پہنچی، اور اس وقت تک موسم بہت خوشگوار ہو چکا تھا۔

تبوک کے بعد، نبی کریمؐ کی زندگی میں کوئی بڑی فوجی کارروائی نہ ہوئی۔ تمام قبائلِ عرب کے وفود آئے جنھوں نے آنحضرتؐ کی بیعت کی، اسلام قبول کیا، اور اقرار کیا کہ وہ مخصوص محصولات ادا کرتے رہیں گے۔ نبی کریمؐ نے ہر قبیلے کے لئے اس کے مسلمانوں میں سے ایک امیر مقرر کیا۔ اس طرح آنحضرتؐ اسلامی فتوحات کے استحکام اور نئی ریاست کی پختگی اور ترقی کے لئے امورِ ریاست میں منہمک رہے۔ آپ نے عرب کے مختلف مقامات پر متعدد چھوٹی چھوٹی مہمات بھیجیں، جن کو یہ فرض سونپا گیا کہ وہ ان قبائل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں، لیکن مسلح مخالفت کی صورت میں ان سے جنگ کریں اور انھیں مطیع بنائیں۔

جولائی ۶۳۱ء (ربیع الآخر ۱۰ھ) میں آنحضرتؐ نے خالدؓ کی سرکردگی میں ایک فوجی مہم کو نجران، جو یمن کے شمال میں واقع ہے، وہاں کے قبیلہ بنو حارثہ بن کعب کے پاس بھیجا۔ خالدؓ کے لئے یہ ہدایات تھیں: اس قبیلے کو اسلام قبول کرنے کی تین بار دعوت دینا۔ اگر وہ رضامند ہوں تو انھیں کوئی گزند نہ پہنچانا۔ اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ کرنا۔[1] خالدؓ کے ہمرکاب ۴۰۰ جنگجو سوار گئے۔

خالدؓ نے نجران پہنچ کر بنو حارثہ بن کعب سے رابطہ قائم کیا اور اس قبیلے کو مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ اس قبیلے نے دعوت قبول کرلی اور کوئی خونریزی نہ ہوئی۔ خالدؓ اس قبیلے کیساتھ رہ کر انہیں اسلامی طور طریقوں کی تعلیم دیتے رہے۔ جب خالدؓ کو اطمینان ہوگیا کہ وہ اچھے مسلمان بن گئے ہیں، تو انہوں نے نبی کریمؐ کو خط لکھا اور آپ کو اپنی کامیابی سے آگاہ کیا۔ آنحضرتؐ نے انھیں جواب میں قدر شناس خط بھیجا اور بنو حارثہ بن کعب کا وفد لے کر مدینے واپس آنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ خالدؓ اس قبیلے کے وفد کے ہمراہ جنوری ۶۳۲ء (شوال ۱۰ھ) میں واپس آگئے۔

آنحضرتؐ نے دوسرے تمام وفود کی طرح حسب معمول اس وفد کا بھی خوش خلقی سے خیر مقدم کیا۔ اس وفد پر بیعت کی شرائط واضح کی گئیں اور ان کے قبیلے کے لئے ایک امیر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد یہ وفد نجران واپس چلا گیا۔

یہ نبی کریمؐ کی زندگی میں خالدؓ کی آخری مہم تھی۔[2]

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ صفہ ۵۹۲

[2] ایسی دوسری مہموں کے بارے میں جن کو بعض تاریخ دان خالدؓ سے منسوب کرتے ہیں، ضمیمہ ب کی تشریح ۳ دیکھئے۔

حصّہ دوم

ارتداد کے خلاف جنگ

امنڈتے ہوئے طوفان

فی الحقیقت ارتداد کا آغاز نبی کریمؐ کی زندگی میں ہو چکا تھا، اور آنحضرتؐ کے جیتے جی ہی اس سلسلے کی پہلی بڑی جنگی کارروائی کو شروع کر کے کامیابی سے ختم کیا گیا۔ لیکن ارتداد کا اصل اور سب سے سنگین خطرہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد نمودار ہوا، جب ایمان سے الحاد کی ایک سرکش لہر عرب کے طول و عرض میں پھیلی اور اس پر قابو پانے کا کام حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں آیا۔ چنانچہ ارتداد کے خلاف جنگ کو مجموعی طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔ گو بلحاظ وقت اس سلسلۂ واقعات کی پہلی کڑی کا تعلق زیر نظر تصنیف کے حصہ اوّل سے ہے۔

ارتداد کا پہلا نمایاں واقعہ یمن میں رونما ہوا۔ اور یہ ماجرا، اسود العنسی کہلاتا ہے۔ اسود کا یمن کے مغرب میں بسنے والے ایک بڑے قبیلے، عنس، کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا اصل نام عبہلہ بن کعب تھا، لیکن اس کی کالی رنگت کے باعث لوگ اُسے اسود، یعنی سیاہ فام کہتے تھے۔ اس کی شخصیت کے کئی مختلف پہلو تھے۔ مگر قابلِ رشک ان میں شاید ہی کوئی تھا۔ ارتداد سے پہلے وہ خصوصاً ایک قبائلی سردار اور ایک کاہن کی حیثیت سے مشہور تھا۔

ہجرت کے دسویں سال کے دوران، جزیرہ نمائے عرب کے شمال اور شمال مشرقی علاقوں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ نبی کریمؐ نے اس مقصد سے ان کے پاس، قاصد، معلّم اور مبلّغ بھیجے تھے اور انھوں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ تاہم ان علاقوں کے باشندوں کی اکثریت پختہ عقیدے

کے مسلمان نہ بنے تھے۔ ان کی مذہبی تبدیلی ظاہری زیادہ معنوی کم تھی۔

اس مذہبی تبدیلی سے پیشتر، یمن پر فارس کے شہنشاہ کے ایک نمائندے کی حیثیت سے بازان[1] نامی ایک عالی نسب فارسی کی حکمرانی تھی۔ یہ شخص مسلمان ہوگیا اور نبی کریمؐ نے اسے حاکم یمن کے عہدے پر بحال رکھا۔ چونکہ وہ ایک نیک دل حاکم تھا اس لئے اس کی فرماں روائی کے دوران صوبے میں خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ لیکن حجۃ الوداع سے کچھ ہی عرصے پہلے بازان فوت ہوگیا اور آنحضرتؐ نے اس کے بیٹے "شہر" کو صنعاء میں حاکم مقرر کیا۔ یمن میں امن وامان بدستور قائم رہا، اور شمالی علاقوں میں فتنہ وفساد کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے۔

پھر لگ بھگ حجۃ الوداع کے زمانے میں اسود نے طے کیا کہ وہ خود پیغمبر بنے گا۔ اس نے اپنے قبیلے کو جمع کیا، انھیں اپنے کچھ اشعار اس دعوے کے ساتھ سنائے کہ یہ اس قرآن کی آیات ہیں جو اس پر نازل ہوا ہے، اور پھر اعلان کیا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

اسود کے پاس ایک گدھا تھا جسے اس نے بعض معین احکام کے لئے سدھار رکھا تھا، اور وہ اپنے اختیارات کا مظاہرہ کرنے کے لئے اس گدھے کو استعمال کرتا۔ وہ اسے حکم دیتا کہ "اپنے آقا کے سامنے جھک جاؤ!" اور وہ گدھا اسود کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا۔ پھر وہ حکم دیتا کہ "اپنے آقا کے سامنے گھٹنے ٹیک دو!" اور وہ گدھا اپنے گھٹنے ٹیک دیتا۔[2] یہی وجہ تھی کہ اسود اپنے علاقے میں ذوالحمار یعنی گدھے والا کے نام سے مشہور ہوگیا۔ لیکن بعض سوانح نگاروں میں اس کا لقب ذوالحمار نہیں ذوالخمار[3] یعنی مخمور تھا۔ یہ لقب بے محل نہیں تھا۔ کیونکہ اسود بہت شراب پیتا تھا اور اس پر اکثر مدہوشی طاری رہتی تھی۔ پھر بھی اس کے قبیلے نے اس کو برحق نبی تصور کرتے ہوئے اس کی

---

[1] بعض مورخین کے قول کے مطابق اس کا نام بازام تھا۔

[2] بلاذری: صفحہ ۱۱۳

[3] ایضاً

پیروی کی، اور اس گمراہی میں یمن کے بعض چھوٹے قبائل نے ان کا ساتھ دیا۔

اسود نے ۷۰۰ سواروں کا ایک دستہ منظم کر کے نجران کا رُخ کیا۔ اس نے یہ قصبہ بغیر کسی دشواری کے فتح کر لیا اور وہاں کے مسلمان عامل کو نکال دیا۔ اس آسان تسخیر پر خوش، وہ اپنے آدمی کو وہاں اختیار میں چھوڑ کر صنعاء کی طرف بڑھا۔ (نقشہ ۷ دیکھئے) شہر کو، جو نیا نیا حاکم یمن مقرر ہوا تھا، سقوطِ نجران کی خبر ملی اور اسود کے ارادوں کا پتا چلا تو اس نے طے کیا کہ وہ اسود کے صنعاء پہنچنے سے پیشتر ہی اس سے جا بھڑے گا۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا فوجی جتھا اکٹھا کر کے (اس کے پاس جنگجو کم ہی تھے) وہ اپنے حریف کا مقابلہ کرنے کو آگے بڑھا، اور صنعاء کے شمال میں کچھ فاصلے پر دونوں فوجوں میں مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ یہاں طرفین کے درمیان جو مختصر تیز جھڑپ ہوئی اس کا انجام اسود کے حق میں نکلا۔ مسلمانوں نے شکست کھائی اور شہر اپنی خوبصورت بیوی آزاد کو بیوہ چھوڑ کر شہید ہو گیا۔ اس کے پانچ روز بعد اسود صنعاء میں بطور فاتح داخل ہوا۔ اس نے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں بڑی پھرتی دکھائی۔ کیونکہ اس وقت سے جب اس نے پہلی بار اپنے قبیلے کو جمع کر کے اپنی پیغمبری کا اعلان کیا تھا۔ اب تک صرف ۲۵ دن گزرے تھے۔

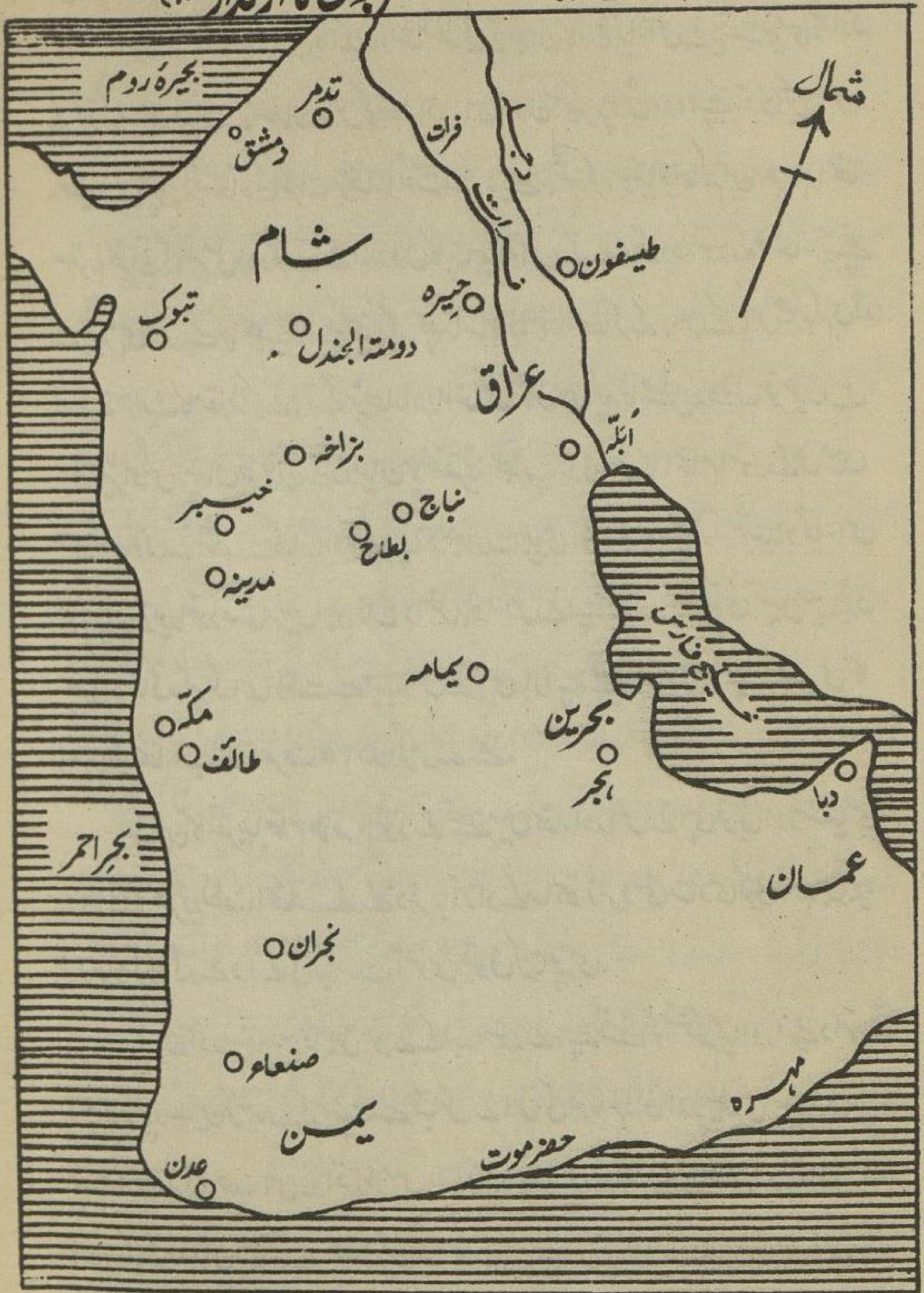
اب یمن کا تقریباً تمام علاقہ اسود کے قبضے میں تھا۔ اور اس نے اپنی فوجی اور سیاسی کامیابی کا بھرپور لطف اٹھانے کے لئے دلربا آزاد کے ساتھ زبردستی شادی کر لی۔ بے بس بیوہ کو لاچار مکروہ گدھے والے کی بدمست آغوش قبول کرنا پڑی۔

نجران اور صنعاء پر قابض ہونے کے بعد اسود نے اپنے تسلّط کو مستحکم کیا اور اپنے دائرہ اثر کو پھیلا کر پورے یمن کو جہاں کے بہت سے قبائل نے اس کی فرمانروائی اور پیغمبری تسلیم کر لی، اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جب اس کے اقتدار میں اضافہ ہوا تو وہ نبی کے لقب سے مطمئن نہ رہا، اور اس نے اعلان کیا کہ وہ رحمٰن الیمن[1] ہے۔ لفظ رحمٰن کا مطلب ہے بخشش کرنے والا، اور یہ ان اسمائے ربّانی

---

[1] بلاذری : صہ ۱۱۳

نقشہ نمبر عربوں کا ارتداد (۱)



میں سے ہے جن کے ذریعے مسلمان اللہ کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ اسود نے اس الوہی حلقۂ اختیار میں داخل ہونے کی کوشش کی جس پر حق جتانے والا کوئی شخص تباہی سے نہیں بچ پایا ہے۔ بہرحال اپنے پیرووں کے حلقے میں وہ رحمٰن الیمن مشہور ہو گیا۔ اس کی بدمست رنگ رلیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ساتھ ہی وہ بدقسمت آزاد سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ حالانکہ اس کی اسود سے نفرت یہاں تک بڑھ گئی کہ اس نے ایک دفعہ اپنے ایک ہمدرد کو بتایا کہ "میرے نزدیک اس شخص سے زیادہ قابلِ نفرت کوئی نہیں ہے"[1] اپنے بدطینت مزاج کے مطابق اسود نے فارسی النسل بازان کے خاندان پر بھی اپنی دشمنی اتاری اور اس کے پس ماندہ افراد کی تحقیر و تذلیل میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ ان حرکات کے باعث فیروز الدیلمی جو ایک بہادر اور سچا مسلمان تھا اور اس فارسی خاندان کا ایک فرد اور آزاد کا چچیرا بھائی بھی، اسود کا جانی دشمن بن گیا۔

اس جھوٹے نبی کو علم نہیں تھا کہ اس سے نمٹنے کے لئے مدینے میں حقیقی نبیؐ نے اس کے خلاف کارروائی شروع کر دی ہے۔ فتنۂ اسود سے پوری طرح مطلع ہونے پر آنحضرتؐ قیس بن ہبیرہ کو اسود کی سرکوبی کا بندوبست کرنے کے لئے روانہ کر چکے تھے۔ قیس چھپ چھپا کر صنعاء پہنچے انھوں نے فارسی النسل فیروز سے رابطہ قائم کر کے جعلی نبی کے خلاف ایک خفیہ تحریک کی داغ بیل ڈالی۔ اس طرح قیس اور فیروز اس تحریک کے روحِ رواں بن گئے جس نے بعد میں اسود اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے خلاف تیغ انتقام بے نیام کی۔ انھوں نے رازداری میں منصوبے تیار کئے۔ اسود کو آسانی سے ہلاک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ سیاہ فام ایک جسیم شحیم اور نہایت مضبوط آدمی تھا۔ جس کی طاقت اور خونخواری کا کافی چرچا تھا، اور اسے فیروز کی وفاداری پر بھی پہلے ہی سے شبہ تھا۔ مزید براں وہ ایک ایسے محل میں مقیم تھا جس کے گرد ایک اونچی فصیل تھی اور جس کے پہرے پر متعین سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد محل کی دیوار کے ساتھ ساتھ اور علاوہ گردشوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔ یہ پہرے دار

---

[1] طبری، جلد ۲، صفحہ ۴۶۷

اپنی وفاداری اور اسود کے ساتھ عقیدت کی بنا پر منتخب کئے گئے تھے۔ محل میں داخل ہونے کا واحد ذریعہ فصیل کا وہ خاص حصہ تھا جو آزاد کی خواب گاہ سے ملحق تھا۔ سوائے اس جگہ فصیل پر کمند لگانے کے کوئی اور چارہ نہ تھا۔ چنانچہ فیروز نے آزاد کے ساتھ رابطہ قائم کیا، اپنے مقصد کی وضاحت کی اور اس سے مدد مانگی۔ آزاد نے بخوشی مدد کرنے کا وعدہ کیا، کیونکہ اسی صورت میں اس کو اپنی بدبختی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی امید نظر آتی۔

۳۰ مئی ۶۳۲ء (۶ ربیع الاول ۱۱ھ) کی فیصلہ کن رات کو کارروائی کے لئے مخصوص کیا گیا۔ آدھی رات گئے جب چاند ڈوب چکا تھا، اور ایک ایسے لمحے میں جب کوئی پہریدار قریب نہ تھا، فیروز ایک رسے کے ذریعے فصیل پر چڑھ کر چپکے سے آزاد کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ آزاد نے اسے کمرے میں چھپا لیا اور دونوں عم زاد، جن کے سینوں میں ایک مشترکہ بغض العین کی آگ سلگ رہی تھی، انتظار کرنے لگے۔

پو پھٹنے سے ذرا پہلے آزاد اپنی خواب گاہ سے نکلی اور برابر میں اسود کے کمرے کی طرف آئی۔ وہ جانتی تھی کہ قریب ہی ایک سنتری پہرہ دے رہا ہے، گو وہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے اسود کے کمرے کا دروازہ کھولا، اندر جھانکا اور پھر پلٹ کر فیروز کے پاس آگئی۔ آنکھوں میں انتقام کی آگ بھڑکائے اس نے فیروز سے سرگوشی میں کہا "اب فوراً! وہ مدہوشی کے عالم میں چت پڑا ہے۔"

فیروز، آزاد کے آگے آگے اس کی خواب گاہ سے نکل کر، دبے پاؤں اسود کے کمرے کے دروازے کی طرف آیا۔ پھر آزاد دروازے کے سامنے کھڑی ہو گئی اور فیروز ننگی تلوار لے کر اسود کے کمرے میں داخل ہوا۔ اچانک اسود بستر پر اٹھ بیٹھا اور فیروز کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فیروز کے حلیے اور انداز سے صاف ظاہر تھا کہ اس کا کیا مقصد ہے۔ اس خطرے کے روبرو سیاہ فام کا نشہ ہرن ہو گیا۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ بستر سے اٹھ پاتا، فیروز نے آگے جھپٹ کر اسود کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ اسود گھائل ہو کر پیچھے کو گرا مگر مرا نہیں۔ مورخوں کے قول کے مطابق وہ ایک سانڈ کی طرح ڈکارنے لگا۔[۵]

---

[۵] بلاذری: صفحہ ۱۱۴

اسود کی چیخ پکار نے پہرے دار کو اپنی طرف متوجہ کیا، اور وہ جھٹ سے اسود کی خواب گاہ کی طرف لپکا۔ اس نے آزاد کو جو دروازے سے لگی کھڑی تھی، دیکھا اور پہچان لیا، اور پھر اس سے پوچھا "رحمٰن الیمین کو کیا معاملہ درپیش ہے؟" اس جرأت مند لڑکی نے اپنی انگلی اپنے ہونٹوں کی طرف اٹھائی: "شش!" اس نے دبی زبان سے کہا "ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہو رہی ہے۔"[1] پہریدار نے اعتراف میں سیانے انداز سے سر ہلایا، اور پھر وہ اپنے آقا کی چیخوں سے بے پروا ہو کر وہاں سے چلا آیا۔

آزاد اپنی جگہ بدستور کھڑی رہی، اور جب سنتری غلام گردش کے ایک کونے پر مڑ کے آگے نکل گیا تو وہ جھٹ سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ فیروز دوسرا وار کرنے کے لئے موقع کی تاک میں مکار اسود کے پلنگ کے پاس کھڑا ہے اور وہ بستر پر بازو مار مار کے تڑپ رہا ہے۔ اب فیروز اور آزاد نے مل کر اگلا قدم اٹھایا۔ آزاد نے جلدی سے پلنگ کے سرہانے پہنچ کر اسود کے سر کے بال اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑے اور اس کے سر کو نیچے کھینچ لیا۔ فیروز نے اپنا خنجر نکالا اور پھرتی سے چند ایک وار میں کالے سر کو دیوہیکل جسم سے جدا کر دیا۔ اس طرح کام تمام ہوا اس جھوٹے نبی کا جس کا نام تھا عبہلہ بن کعب، عرف اسود، عرف گدھے والا، عرف مخمور۔ اس کا فتنہ تین مہینے تک چلا، اور اس کی موت کے ساتھ ہی، نبی کریمؐ کی وفات سے ٦ روز قبل، ختم ہو گیا۔

اسود کے مرتے ہی اس کی تحریک کا شیرازہ بکھر گیا۔ مسلمانوں کی جس تحریک مزاحمت کو قیس نے صنعا میں منظم کیا تھا وہ اسود کے چیلوں سے شدید انتقام لینے لگی اور ان میں سے کئی ہلاک کر دیئے گئے۔ لیکن کئی اور جو بچ کر بھاگ گئے بعد ازاں مسلمان حاکموں کے لئے دردِ سر ثابت ہوئے۔ کئی دوبارہ مسلمان ہو گئے اور ان میں سے کچھ آئندہ ایک بار پھر انحراف کر گئے۔ فیروز کو صنعاء کا حاکم مقرر کیا گیا۔

---

[1] بلاذری: صفحہ ۱۱۴

یمن کی کامیابی کی خوش خبری لانے والا قاصد جب مدینے پہنچا تو کچھ ہی دیر پہلے نبی کریمؐ کا انتقال ہو چکا تھا۔ فتنہ اسود العنسی کی بیخ کنی کے مژدہ سے دل شکستہ مسلمانوں کی ڈھارس بندھی۔

٭

اب مدینہ ایک ایسے بحران سے دوچار تھا جو بیک وقت جذباتی، روحانی اور سیاسی نوعیت کا تھا۔ مسلمانوں کے محبوب، محمدؐ، کی وفات نے انھیں بے حال کر دیا تھا۔ گزشتہ ۱۰ سال میں نبی کریمؐ ان کے لئے سبھی کچھ رہے تھے۔ فوجی قائد، فرمانروا، منصف، معلمؐ، ہادی، دوست، کوئی بھی ایسا شعبہ زندگی نہیں تھا جس میں آنحضرتؐ نے حصہ نہ لیا ہو۔ مسلمان اپنے تمام مسائل آپ کے سامنے پیش کرتے، اور آپ ان کے معاملات کو سلجھاتے، ان کے مقدمات کے فیصلے کرتے، انھیں ہدایات دیتے، ان کی پریشانیاں دور کرتے۔ آپ کی موجودگی کی پُرخلوص روشنی میں لوگ خود کو مصائب اور حادثات سے محفوظ سمجھتے رہے۔ اب وہ روشنی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی مسلمانوں پر اپنی تنہائی میں خوف طاری ہوا۔ وقائع نگاروں کے الفاظ میں "جیسے ایک سرد رات کی بارش میں بھیڑوں پر۔"[1]

جب سارے عرب میں پھیلتی ہوئی بغاوتوں کی اطلاعات موصول ہونے لگیں تو یہ بحران اور نازک صورت اختیار کر گیا۔ مکے اور مدینے کے قبیلوں اور طائف کے قبیلۂ ثقیف کے سوا، عرب کے تمام قبائل نے مدینے کے سیاسی و مذہبی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی اور وفاداری کے معاہدے توڑ دیئے۔ ملک میں جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے اور محمدؐ کی نبوت میں شریک ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ یہ مدعیان باطل، اس محبت و عقیدت کا مشاہدہ کر کے جو رسولِ کریمؐ کو حاصل تھی، اور ان آزمائشوں اور اذیتوں کو نظر انداز کر کے جن کا آنحضرتؐ کو اپنی کوششوں کے بار آور

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۶۱

ہونے سے قبل سامنا کرنا پڑا تھا، اس نتیجے پر پہنچے کہ نبوت لاجواب چیز ہے، اور انھیں بھی اس کا فائدہ ملنا چاہیئے۔ اسودؔ کے علاوہ بھی دو (شائد تین) جھوٹے نبی تھے اور ایک جھوٹی نبیہ بھی تھی۔ کچھ اور لوگ تھے۔ قبائلی سردار اور بزرگ۔ جنہوں نے خود تو نبوت کا دعویٰ نہ کیا مگر وہ شمع اسلام کو بجھانے اور دورِ جاہلیت کی قبائلی خود مختاری کی طرف پلٹ جانے کے لئے ان مدعیانِ باطل کے غدارانہ منصوبوں میں ان کے ہمنوا بن گئے۔ ارتداد کے شعلے جنگل کی آگ کی طرح تمام عرب میں پھیل گئے۔ اور یوں نظر آنے لگا کہ وہ مکہ و مدینہ۔ اسلام کی نوزائیدہ مملکت کے روحانی و سیاسی مراکز۔ کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے والے ہیں۔

ارتداد کا بنیادی سبب سچے عقیدے کا فقدان تھا۔ ہجرت کے نویں اور دسویں سال کے دوران مسلمان ہونے والے اکثر قبیلوں نے سیاسی وجوہ کی بنا پر اسلام قبول کیا تھا۔ انھیں ایسا کرنا قرینِ مصلحت نظر آیا تھا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو ایک نیا پیغام لانے والے رسول کی بجائے ایک طاقتور سیاسی نگران سمجھا تھا۔ حقیقی مسلمان مکے اور مدینے کے مسلمان تھے، بالخصوص مؤخرالذکر جو کئی سال تک نبی کریمؐ کے ساتھ وابستہ رہے تھے اور جنہوں نے آنحضرتؐ کے ذریعے منکشف ہونے والی صداقت کے سرچشمے سے اپنے آپ کو جی بھر کے سیراب کیا تھا۔ بیرونی قبائل اس عظیم الشان روحانی تجربے سے فیضیاب نہیں ہوئے تھے۔ بسا اوقات جب کوئی قبائلی سردار مسلمان ہو جاتا تو اس کا قبیلہ مذہبی عقیدے کی بجائے محض قبائلی وفاداری کی بنا پر اس کی تقلید کرتا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ان قبیلوں نے اپنے کو اطاعت کے معاہدے کی پابندی سے بری سمجھا۔ ان کے خیال میں یہ معاہدہ مدینے یا اسلام کے ساتھ نہیں بلکہ ایک فرد کے ساتھ کیا گیا تھا۔ محمدؐ فوت ہو چکے تھے اور اب انہوں نے سوچا کہ ان کو نظم و ضبط کا وہ جوا، جو نئے دین نے تعددِ ازواج، زکوٰۃ اور ملی فوائد کے لئے محصول اور صوم و صلوٰۃ کی صورت میں ان کی گردن پر رکھا تھا، اتار پھینکنے کا حق تھا۔ بغاوت کی قیادت کرنے والے متعدد رہنماؤں نے ذاتی مفاد کے لئے کمزور کا استحصال اسلام کی پابندیوں کے بغیر کرنا زیادہ پسند کیا۔

جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے ــــ اسلام کے خلیفۂ اوّل ــ تو مسلمانوں کے خدشات کی جڑیں گہری ہوگئیں۔ ہر طرف سے اُمڈ آنے اور خود اسلام کے وجود کے لئے خطرہ بن جانے والے طوفان سے اسلامی ریاست کے سفینے کو بچالے جانے کی اہلیت کا تو ذکر ہی کیا حضرت ابوبکرؓ اپنی کسی بھی عظیم قائدانہ صلاحیت کے باعث مشہور نہیں تھے۔ اس نازک مرحلے پر ایک طاقتور، صحت مند اور قابل رہنما کی ضرورت تھی۔ اور ابوبکرؓ کا پیکر کیا تھا؟ وہ ایک چھوٹے قد کے دُبلے پتلے، زرد رُو آدمی تھے، جن کی آنکھیں نازک پتلی بھنوؤں کے نیچے اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ اور اب تو ان کے جسم میں ایک نمایاں خم بھی آگیا تھا، جس کے باعث، اس کے باوجود کہ وہ اپنی ڈاڑھی پر خضاب لگاتے تھے، ان کے بڑھاپے اور ضعف کے آثار میں اضافہ ہوگیا تھا۔ ایک معتدل، حلیم اور نرم دل انسان ہونے کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں آسانی سے آنسو بھر آتے تھے۔

جب مسلمان بیعت کے لئے جمع ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے پہلا خطبۂ خلافت دیا۔ وہ خطبہ جس نے ان کے حلم اور انکسار کو اور بھی اجاگر کر دیا اور جس میں سخت گیری کی کوئی جھلک نظر نہ آئی۔ انہوں نے کہا:

"الحمدللہ! میں اب تم پر حاکم ہوں، لیکن میں تم میں افضل نہیں ہوں۔ اگر میں نیک کام کروں تو میری مدد کرو۔ اگر میں غلط کام کروں تو مجھے راہِ راست پر لاؤ۔ سچ دیانت ہے اور جھوٹ خیانت۔

تم میں سے کمزور شخص میری نگاہ میں طاقتور ہے، جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلادوں، انشاءاللہ۔ اور تم میں سے طاقتور شخص میری نگاہ میں کمزور ہے، جب تک کہ میں اس سے وہ حق نہ لے لوں جو اس کے ذمّے ہے، انشاءاللہ۔

تم میں سے کوئی شخص جہاد فی سبیل اللہ سے دست بردار نہ ہو کیونکہ

جو قوم ایسا کرتی ہے اللہ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں برائی عام ہو جاتی ہے اللہ اس پر اپنا قہر نازل کرتا ہے۔

جب تک میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کروں، میری اطاعت کرو۔ اور اگر میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔

نماز کو فراموش نہ کرو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے![1]

حضرت ابوبکرؓ کی نیکیوں اور اسلام کے لئے ان کی امتیازی خدمات سے لوگ بخوبی آگاہ تھے۔ ان کی ذاتی جرأت نبی کریمؐ سے ان کا گہرا لگاؤ (آنحضرتؐ نے انھیں 'صدیق' کا لقب دیا تھا)، ان کے اعلیٰ اخلاقی اصول اور ایک انتہائی راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے ان کا ایمان ایسے مسلّمہ اوصاف تھے جن پر انگلی نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اسلام قبول کرنے والے تیسرے مرد کی حیثیت سے انھیں عشرہ مبشرہ میں فی الواقعہ بلند مقام حاصل تھا۔[2] لیکن کیا یہ خوبیاں ابتری کے ایام میں قیادت کا موجب ٹھہرتی ہیں؟ اور پھر اسامہؓ کے لشکر کی روانگی کا معاملہ تھا، جس کی بدولت مدینے کے لئے مزید خطرہ پیدا ہو گیا اور مسلمانوں کی تشویش اور بڑھ گئی۔

❋

مئی ۶۳۲ء کے تقریباً وسط میں نبی کریمؐ نے جو اب بیمار تھے، اُردن پر حملہ کرنے کے لئے ایک بھاری مہم تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس مہم میں ہر شخص کو حصّہ لینا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس مہم کا سالار ایک ۲۲ سالہ نوجوان، اسامہؓ، کو مقرر کیا تھا۔ اسامہؓ آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ جو موتہ کی جنگ میں شہید ہونے والے سپہ سالاروں میں سالار اوّل تھے، کے بیٹے تھے، اگرچہ اسامہؓ

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۵۰

[2] پہلے مسلمان مرد علیؓ تھے، دوسرے زیدؓ بن حارثہ

ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے اور انھیں قریش کے درمیان کوئی خاندانی امتیاز حاصل نہیں تھا، تاہم نبی کریمؐ نے انھیں اعلیٰ خاندانوں کے تمام بزرگوں اور مقابلتاً زیادہ ممتاز جنگجوؤں پر قائد مقرر کر دیا۔ اس مہم کے سپاہی اُحد کے عین مغرب میں پڑاؤ کے ایک مقام پر جمع ہوئے اور اس طرح جو فوج مجتمع ہوئی، اسے بعد میں لشکر اسامہ کا نام دیا گیا۔ یہ آخری مہم تھی جس کا حکم نبی کریمؐ نے دیا۔ اور اس میں رومیوں کے ساتھ جنگ کا بھی امکان تھا۔

اردن میں موتہ کا علاقہ اسامہؓ کی جغرافیائی منزل قرار دیا گیا۔ "اس مقام پر جاؤ جہاں تمہارے والد شہید ہوئے" نبی کریمؐ نے حکم دیا۔ "ان علاقوں پر چھاپے مارو۔ تیز رفتاری سے کام لو۔ راستہ دکھلانے والوں کو ساتھ لے جاؤ۔ اور اپنے مخبروں اور جاسوسوں کو اپنے آگے آگے روانہ کرو۔"[1] وفات سے تھوڑی ہی دیر قبل آنحضرت نے فرمایا "لشکر اسامہؓ کی روانگی کا معاملہ یاد رکھنا۔"[2] یہ لشکر ابھی پڑاؤ پر ہی تھا کہ پیر کے روز، ۵ جون ۶۳۲ء (۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ) کو آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔ اسی روز ابوبکرؓ ابن ابو قحافہ خلیفہ ہو گئے۔

اگلے روز خلیفہ ابوبکرؓ نے لشکر اسامہؓ کے لئے کوچ کی تیاری کی ہدایات جاری کیں۔ ان تمام ممتاز صحابہ کو جو جنگ کے لئے دستیاب تھے اسامہؓ کے لشکر میں شامل ہونے اور نوجوان اسامہؓ کے حکم کے تحت اپنے فرض انجام دینے کے لئے لشکرگاہ بھیج دیا گیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کو بھی، جو حضرت ابوبکرؓ کے عزیز ترین دوستوں میں سے تھے، لشکر اسامہ کے پڑاؤ کی جانب بھیج دیا گیا۔

اگلے چند روز تک تیاریاں ہوتی رہیں، حالانکہ ارتداد کے تیز رفتاری سے پھیلنے کی اطلاعات بھی موصول ہوئیں چنانچہ سربرآوردہ مسلمانوں کا ایک گروہ خلیفۂ وقت کے پاس آیا۔ "کیا آپ ان حالات میں لشکر اسامہ کو روانہ کریں گے جبکہ عربوں کی اکثریت نے بغاوت کر دی ہے اور جگہ جگہ نفاق

---

[1] ابن سعد: صفحہ ۷۰۷

[2] ایضاً صفحہ ۷۰۹

اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔" انھوں نے احتجاج کیا۔" مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے، کفار کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لشکر کو کسی صورت بھی باہر نہیں بھیجنا چاہیئے۔"

حضرت ابوبکرؓ اپنے ارادے میں ٹس سے مس نہ ہوئے۔"اگر مجھے معلوم ہو کہ جنگلی درندے آکر میرا جسم نوچ ڈالیں گے" انھوں نے جواب دیا" تو بھی میں آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق لشکر اُسامہؓ کو بھیج کر ہی دم لوں گا۔"[1]

چند روز اور بھی گزر گئے۔ دیہاتی علاقوں سے آنے والی اطلاعات اور بھی تشویشناک صورت اختیار کر گئیں۔ چنانچہ ایک روز اسامہؓ نے، جو مدینے اور اسلام کے بارے میں دوسروں سے کم متردّد نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ سے بات کی۔" خلیفۃ المسلمین کے پاس جائیے" انہوں نے کہا۔" ان سے عرض کیجیئے کہ وہ اس لشکر کو مدینے ہی میں رہنے کی اجازت دیں۔ سبھی رہنمایانِ ملت میری معیّت میں ہیں۔ اگر ہم چلے گئے تو یہاں کوئی بھی کفار کا ہاتھ روکنے والا نہیں ہوگا۔ اور وہ مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

عمرؓ خلیفۃ اسلام سے بات کرنے کے لئے رضامند ہو گئے۔ جب وہ پڑاؤ سے روانہ ہونے لگے تو مسلمان قائدین کے ایک گروہ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں نے بھی یہی تجویز پیش کی اور مزید برآں کہا:" اگر وہ اس تجویز سے اتفاق نہ کریں کہ ہم لوگ مدینے میں رہ جائیں اور ہمیں بہرحال جنگ کے لئے جانا پڑے، تو ان سے کہیئے کہ وہ کم از کم ہمارے لشکر کا سربراہ اسامہؓ کی بہ نسبت کسی بڑی عمر کے آدمی کو بنائیں۔"[2] حضرت عمرؓ نے یہ تجویز بھی خلیفہ کے سامنے پیش کرنے کی حامی بھر لی۔

حضرت ابوبکرؓ مدینے میں اپنے گھر کے اندر فرش پر بیٹھے اس بارِ گراں کو اٹھانے کی خو ڈال

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۶۱

[2] ایضاً صفحہ ۴۶۲

رہے تھے جو اس طوفانی دور کی خلافت کے روپ میں ان کے کندھوں پر آن پڑا تھا۔ اگر ان کی بے پناہ قوت آڑے نہ آتی تو اس بوجھ نے ان کے اعصابی نظام کو درہم برہم کر دیا ہوتا۔ عمرؓ اندر آئے وہ پرسکون اور پُر اعتماد تھے، کیونکہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اس انداز سے بات کرنے کے عادی تھے، جس طرح ایک طاقتور اور جاندار مرد اپنے کسی نرم دل اور منکسر المزاج۔ مگر محبوب، رفیق سے بات کرتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ خاموشی سے عمرؓ کی بات سنتے رہے، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے ان تک اوروں کا پیغام پہنچا دیا اور قیادت کی مجوزہ تبدیلی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کا بھی اظہار کر دیا۔ اب ابوبکرؓ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور چلا کر کہنے لگے۔ "اے ابن الخطاب! وہ رسولِ خدا تھے جنہوں نے اسامہؓ کو قائد مقرر کیا تھا۔ اور اب تم یہ توقع مجھ سے رکھتے ہو کہ میں انھیں قیادت سے الگ کر دوں"۔[1]

عمرؓ فوراً حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے باہر آئے اور واپس لشکر گاہ پہنچے۔ یہاں معترضین ملت اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے عمرؓ کیا خبر لاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انھیں سخت بُرا بھلا کہا۔[2]

۲۴ جون ۶۳۲ء (یکم ربیع الآخر ۱۱ھ) کو لشکر اسامہؓ نے پڑاؤ اُٹھا کر کوچ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کچھ دور تک پیدل، گھوڑے پر سوار اسامہ کے ساتھ ساتھ چلتے گئے، اور انہوں نے اس نوجوان سپہ سالار کو گھوڑے سے اترنے کی اجازت نہ دی۔ "ہر وہ قدم جو ایک مسلمان مجاہد اللہ کی راہ میں اٹھاتا ہے" انھوں نے اُسامہؓ سے کہا "اس کے لئے ۷۰۰ نیکیوں کا ثواب حاصل کرتا ہے اور اس کے ۷۰۰ گناہ بخشواتا ہے"۔[3]

حضرت ابوبکرؓ نے اُسامہؓ سے پوچھا کہ وہ عمرؓ کو بطور مشیر اپنے پاس روک لیں تو اسامہؓ نے

---

[1] طبری: جلد ۲، صہ ۴۶۲

[2] ایضاً

[3] ایضاً

بخوشی اس سے اتفاق کیا۔ اور پھر خلیفۂ اسلام نے اس سپہ سالار کو اپنی وداعی ہدایات دیں۔
"اپنا فرض ادا کرو۔ جنگی کارروائی کا آغاز قضاعہ کے خلاف چھاپوں سے کرو۔ رسول خدا نے جو کام تمہارے سپرد کیا ہے اس کی تکمیل میں کسی بھی چیز کو حائل نہ ہونے دو۔"[1] اور لشکر اسامہ روانہ ہو گیا۔

نبی کریمؐ کی وفات کے وقت جو حالات پیدا ہو چکے تھے ان میں لشکر اسامہ کی روانگی غلط اقدام تھا۔ بعض مسلمان مصنفین نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے یہ ایک دانشمندانہ چال تھی کیونکہ اس سے باغیوں کے سامنے مسلمانوں کی طاقت کا مظاہرہ ہوا اور بدیں وجہ وہ مزید شرانگیزی سے رک گئے۔ فی الحقیقت یہ بات نہیں تھی۔ اگرچہ اسامہ نے اپنی ذمہ داری مستعدی اور تیزی سے پوری کی، تاہم ان کی جنگی کارروائی کا ارتداد کے خلاف شمال وسطی عرب میں لڑی جانے والی بڑی جنگوں سے کسی بھی قسم کا تعلق نہیں تھا۔ لشکر اسامہؓ کی روانگی ایک ایمانی عمل اور جدا ہو جانے والے رسولؐ کی منشاء کے سامنے تسلیم کامل کا مظاہرہ تھا۔ لیکن فوجی اور سیاسی حکمت عملی کی ایک چال کے طور پر ایسا کرنا قطعاً صحیح نہیں تھا۔ اس کے ثبوت میں یہ حقیقت بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ سب مسلمان قائدین اس اقدام کے خلاف تھے۔ وہ قائدین جن میں سے اس اور آئندہ دہائیوں کے دوران تاریخ کے کئی بہترین جنرل نمودار ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے اس فیصلے کی واحد محرک ان کی یہ تمنا تھی کہ آنحضرتؐ کی آخری فوجی وصیت کو عمل میں لایا جائے۔ یہ جنگی بصیرت کا فقدان نہیں تھا جس نے انھیں لشکر اُسامہؓ کو روانہ کرنے پر مائل کیا۔ کیونکہ انھیں فن حرب میں کافی مہارت حاصل تھی۔ جیسا کہ انھوں نے بعد ازاں جلد ہی ارتداد کے خلاف جنگ اور عراق و شام پر چڑھائی میں اپنی رہبری اور خوش انتظامی کے ذریعے ثابت کر دکھایا۔

⁂

لشکر اسامہؓ جا چکا تھا۔ دم بدم پھیلتی ہوئی بغاوت اور مخالف قبائل کے یکجا ہونے کی خبریں

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۶۳

روز بروز زیادہ سنگین ہوتی گئیں۔ مسلمانوں کی پریشانیوں میں اضافہ ہوگیا۔ اس کے برعکس، مرتدین حضرت ابوبکرؓ کے عہدۂ خلافت سنبھالنے اور لشکر اسامہ کی روانگی کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے معاملات ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہوں گے تو اسلامی ریاست کو کچلنے کا مقصد زیادہ آسانی سے پورا ہو جائے گا۔ باغی مطمئن تھے کہ انھیں آتش مزاج عمرؓ یا عدیم المثال علیؓ سے واسطہ نہیں پڑے گا اور انھیں محض ایک شریف بڑے میاں سے نمٹنا ہوگا!

لیکن اس شریف بڑے میاں کے ہاتھوں مسلمانوں کو کئی غیر متوقع کامیابیاں نصیب ہوئیں اور مرتدین کو کئی ناگہانی صدمے جھیلنے پڑے۔ ایسے صدمے کہ حضرت ابوبکرؓ کی سپاہ سے بھاگتے ہوئے ایک سرکش قبائلی سردار خوف سے چلا اٹھا "قہر عربوں پر ابن ابوقحافہ کا!"[1]

---

[1] بلاذری: صفحہ ۱۰۴

ابوبکرؓ میدانِ جہاد میں

ارتداد کی وبا اس قدر عام ہوگئی تھی کہ اس نے مکّے اور مدینے کے باشندوں اور طائف کے قبیلۂ ثقیف کے سوا، ہر ایک قبیلۂ عرب کو متاثر کیا۔ کچھ قبائل کلیتاً مرتد ہوگئے۔ کچھ قبائل ایسے تھے جن میں سے ہر قبیلے کا کچھ حصّہ مرتد ہو گیا اور باقی بدستور دینِ حق پر قائم رہا، اور ان مسلمانوں میں سے کئی کو اپنے عقیدے کی خاطر اپنی جان قربان کرنا پڑی۔ انحراف کے ان شعلوں کو دو جھوٹے نبی طلیحہ بن خویلد، اور مسیلمہ بن حبیب، اور ایک جھوٹی نبیہ سجاح بنت الحارث نے ہوا دی۔ مسیلمہ کے دعویٰ باطل کو کچھ عرصہ گزر چکا تھا جبکہ طلیحہ نے پیغمبری کا دعویٰ نبی کریمؐ کی بیماری کے دوران کیا تھا۔ مدینے کے لئے تازہ ترین خطرہ طلیحہ اور اس کی پیروی کرنے والے مغربی وسطِ عرب اور شمالی وسطِ عرب کے قبیلوں نے کھڑا کیا، جن میں غطفانی، طیّ ہوازنی، بنو اسد اور بنو سُلیم کے قبیلے شامل تھے۔

مدینے کے نزدیک مرتدین دو علاقوں میں مجتمع ہوئے۔ ابرق، جو مدینے کے شمال مشرق میں ۷۰ میل دور ہے، اور ذو القصہ جو مدینے سے مشرق میں ۲۴ میل دور ہے[1] (نقشہ نمبر ۸ دیکھئے)

---

[1] ابرق جس کے لفظی معنی پہاڑی شاخ یا چٹان ہیں، آجکل ایک سنگلاخ میدان ہے جو حناکیہ سے ۵ میل دور شمال میں واقع ہے۔ ذو القصہ موجود نہیں ہے اور اس کے محل وقوع کا صرف ان معنوں میں پتہ چلتا ہے کہ وہ مدینے سے کتنی دور تھا۔ (ابن سعد: صفحہ ۵۹)، اور یہ کہ وہ ربذہ کو، جو حناکیہ کے شمال مشرق میں ۲۰ میل کے فاصلے پر ہے جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ موخر الذکر کو قدیم زمانے میں بطن نخل کہتے تھے۔

شمال

نقشہ نمبر ۸

عربوں کا ارتداد (۲)

اجا

حائل *

بزاخہ

ظفر

سلمٰی

غمرہ

سمیرا

نباج

بُزیدہ

*

حزن

خیبر

بطاح

نقرہ

جانب یمامہ (۱۰۰ میل)

ابرق

مدینہ

ذو قصّہ

اسکیل:- ۱:- ۴،۰۰۰۰۰۰

اُس وقت موجود نہ تھا *

یہ اجتماعات قبیلۂ غطفان، قبیلۂ ہوازن اور قبیلۂ طیّ پر مشتمل تھے لشکرِ اُسامہ کی روانگی کے ایک دو ہفتے بعد، ذوالقصہ کے مقام پر جمع ہونے والے مرتدین نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک وفد بھیجا۔ "ہم نمازیں بدستور پڑھتے رہیں گے" وفد نے کہا "لیکن ہم زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں کریں گے۔" حضرت ابوبکرؓ نے اس تجویز کو قطعاً رد کر دیا۔ "واللہ" انھوں نے جواب دیا۔ "جو کچھ تمہارے ذمّے ہے اس کا اگر رتی بھر حصہ بھی تم نے روکا تو میں تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔ میں تمہیں جواب کے لئے ایک دن کی مہلت دیتا ہوں۔"[1]

نئے خلیفہ کا عزم اور اعتماد دیکھ کر، جس میں ان کی اپنی کمزوری کے احساس کا کوئی شائبہ نہ تھا مرتدین کے ایلچی دم بخود رہ گئے۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ انہوں نے ان کو ایک دن کی مہلت دی۔

اگلی صبح، ایک دن کی میعاد ختم ہونے سے پیشتر، مرتدین کے ایلچی مدینے سے کھسک گئے، جس کا مطلب یہ تھا کہ انھیں حضرت ابوبکرؓ کے مطالبات منظور نہیں تھے۔ ان کی روانگی کے جلد بعد، حضرت ابوبکرؓ نے مرتد قبائل کو اپنے ایلچی اس مرافعت کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسلام سے وفا کریں اور زکوٰۃ وغیرہ بدستور ادا کریں۔

لیکن ذوالقصہ سے آنے والے مرتد ایلچیوں نے مدینہ چھوڑنے سے پہلے اس کا بغور جائزہ لیا تھا، اور وہاں پر سپاہ کی عدم موجودگی ان کی تیز نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔ واپس ذوالقصہ پہنچ کر، انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اپنی گفت وشنید اور مدینے کی کمزوری سے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ دریں اثنا طلیحہ نے، جو اب سمیرا کے مقام پر تھا، ذوالقصہ میں مقیم مرتدین کو ایک پورے دستے کی فوجی کمک بھیجدی تھی۔ اس دستے کی قیادت اس کے بھائی حبال کے ہاتھ میں تھی جو بڑا قابل اور چالاک سپہ سالار تھا۔

جب مرتدین نے اپنے ایلچیوں کے بیانات سُنے تو لالچ کی تاب نہ لا پائے۔ انہوں نے طے

---

[1] طبری: جلد دوم۔ صفحہ ۴۸۷، بلاذری صفحہ ۱۰۳

کر لیا کہ مدینے کی دفاعی کمزوری کے مدنظر اس پر فوراً حملہ کیا جائے۔ چنانچہ ذوالقصہ میں مقیم فوج ذوحسیٰ[1] کی جانب بڑھی۔ جہاں پر ایک اڈا جمانے کے بعد اس نے اپنا ایک جزو مدینے کی طرف روانہ کیا۔ اس جزوی فوج نے مدینے کے پاس پہنچ کر حملے کی تیاری میں پڑاؤ قائم کیا۔ یہ جولائی ۶۳۲ء کے تیسرے ہفتے (ربیع الآخر ۱۱ھ کے آخری ایام) کی بات ہے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو مخبروں سے اس نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے مدینے کے دفاع کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔ اصل فوج اُسامہ کی سرکردگی میں ضرور باہر گئی ہوئی تھی، مگر مدینہ ایسا بے دست و پا بھی نہ رہ گیا تھا جیسا کہ اسے باغیوں نے سمجھ رکھا تھا۔ کئی ایک جنگجو اب بھی موجود تھے، بالخصوص خاندانِ بنو ہاشم (خود آنحضرتؐ کے خاندان) کے افراد جو اپنے مرحوم رشتے دار کا سوگ مناتے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان باقی ماندہ سپاہیوں کو جمع کر کے ابوبکرؓ نے ایک فوجی قوت تیار کر لی۔ حضرت ابوبکرؓ کے اعتماد کو جو کبھی ذرا بھی نہ ہلا، اس خیال سے مزید تقویت ملی کہ علیؓ، زبیر بن العوامؓ اور طلحہ بن عبیداللہؓ جیسے مردانِ کارزار ان کے پاس ہیں۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کو نوساختہ فوج کی ایک تہائی کا سالار مقرر کیا گیا۔

تین روز تک کچھ نہ ہوا۔ شاید مرتدین نے اس لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا کہ وہ طے نہیں کر پائے تھے کہ اپنے حملے کا آغاز کس طرح کریں۔ پھر ابوبکرؓ کے احکام کے مطابق مسلمانوں نے مدینے سے اچانک نکل کر مرتدین کے پڑاؤ پر ایسا تیز حملہ کیا کہ وہ پسپا ہو گئے۔ مرتدین پیچھے ہٹتے ہوئے ذوحسیٰ تک واپس آ گئے۔ مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی کامیابی سے مطلع کیا۔ اور خلیفۂ اسلام نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے مقام پر ٹھہر کر ان کی ہدایات کا انتظار کریں۔

اگلے روز حضرت ابوبکرؓ لدّو اونٹوں کی ایک لمبی قطار لے کر مدینے سے روانہ ہوئے۔ سواری کے تمام اونٹ اُسامہ کے ساتھ جا چکے تھے اور ان گھٹیا اونٹوں سے بہتر سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب یہ قافلہ مرتدین کے چھوڑے ہوئے پڑاؤ پر پہنچا تو مرتدین کو مار بھگانے والے

---

[1] ذوحسیٰ کا محل وقوع معلوم نہیں ہے۔

مسلمان ان اونٹوں، پر سوار ہوئے، اور ان کی فوج نے مرتدین کے اڈے، ذو حسٹی، پر پیش قدمی شروع کردی۔

یہاں دشمن انتظار میں تھا، اور حبال، طلیحہ کے بھائی، نے اپنی جنگی چالاکی دکھائی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو اڈے کے سامنے جس طرف سے مسلمان آرہے تھے، کچھ فاصلے پر واقع ایک ڈھلان کی چوٹی کے پیچھے چھپا دیا۔

باربرداری کے اونٹوں پر سوار مسلمان جب یہ ڈھلان چڑھنے لگے تو ان کو چوٹی کے دوسری طرف منتظر دشمن کی کوئی خبر نہ تھی۔ جب بے خبر مسلمان چوٹی کے قریب پہنچے تو مرتدین اٹھ کھڑے ہوتے اور انہوں نے پانی سے بھرے ہوئے بے شمار مشکیزے زور سے پھینک کر نیچے لڑھکا دیئے۔ جیسے ہی مشکیزے ڈھلان پر اچھلتے پھدکتے مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے، مرتدین کی صفوں میں سے نقاروں کے بجانے اور تیز چیخوں کا ایک بے پناہ شور وغل بھی بلند ہوا۔ لدّو اونٹ، جو نہ تو جنگ کے لئے سدھائے گئے تھے، اور نہ ہی اس کے عادی تھے کہ ان پر ایسے اچانک شور یا مانوس چیزیں لڑھکتی ہوئی نازل ہوں، پیچھے پلٹے اور بھاگے۔ مسلمان سواروں نے اپنے دہشت زدہ اونٹوں پر قابو پانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر وہ ناکام رہے، اور بہت جلد پوری مسلمان فوج گھر واپس پہنچ گئی۔

حبال اپنے آپ سے ٹھیک خوش تھا۔ اس نے مسلمانوں کو ایسا چکمہ دیا کہ بنا لڑے ان کو مدینے واپس دھکیل دیا۔ حبال کی اس کامیاب چال کے مدنظر ممکن ہے کہ مرتدین کی ابتدائی بازگشت بھی ایک داؤں کے طور پر عمل میں آئی ہو، جس کو حبال نے اس لئے پہلے سے تیار کر رکھا ہو کہ مسلمانوں کو ان کے قصبے کی حفاظت سے نکال کر ذو حسٹی کی جانب کھینچ لائے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ لیکن حبال نے اب یہ غلطی کی کہ اس نے فرض کرلیا کہ مسلمان ڈر گئے ہیں اور تیزی سے مدینے کی طرف اس لئے پلٹ گئے ہیں کہ ان کو اپنی کمزوری کا احساس ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمان لدّو اونٹوں پر سوار تھے، سوار نہیں، صرف اونٹ بدحواس ہو گئے تھے۔ اس کی فوج کے اس حصے کو جو ذوالقصہ میں رُک گیا تھا

کامیابی کی اطلاع دی گئی اور فوراً ذوحسیٰ پہنچنے کے لئے کہا گیا۔ اسی شام مرتدین کا پورا لشکر آگے بڑھا اور مدینے کے قریب، جہاں سے وہ صرف ایک روز پہلے پیچھے ہٹا تھا، اس نے دوبارہ پڑاؤ جما لیا۔

دوسری طرف، مسلمان بہت غصے میں تھے۔ اور ہر شخص اس بات پر تلا ہوا تھا کہ وہ جوابی جھڑپ میں اپنی شکست کا پورا پورا بدلہ لے۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب معلوم ہوا کہ مرتدین مدینے کے قریب اپنے پڑاؤ میں واپس آ گئے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ مرتدین پر ان کی جنگی تیاریوں کے مکمل ہونے سے پہلے حملہ کر دیا جائے۔ ان کی ہدایات کے تحت، مسلمانوں نے رات کا بیشتر حصہ اپنی مختصر سی فوج کو دوبارہ منظم کرنے اور جنگ کے لئے تیار ہونے میں صرف کیا۔

رات کے پچھلے پہر حضرت ابوبکرؓ اپنی فوج کو مدینے سے باہر لائے اور اس کو حملے کے لئے صف بستہ کیا۔ انھوں نے فوج کو ایک قلب، دو بازوؤں اور ایک عقب کی شکل میں ایسے آراستہ کیا کہ قلب براہِ راست ان کے زیر قیادت آیا، میمنہ نعمان کے زیر قیادت، میسرہ عبداللہ کے زیر قیادت اور عقب سُوَید کے زیر قیادت۔ مؤخر الذکر تینوں سالار مُقرّن کے بیٹے تھے۔ ابھی پو نہیں پھٹی تھی کہ یہ فوج دشمن کے پڑاؤ کی جانب چل پڑی، جہاں مرتدین ایک سہل فتح کی آس لگائے گہری نیند سو رہے تھے۔

اب کی بار جبال گھات میں آ گیا۔ ابھی فجر کی پہلی کرن نہیں پھوٹی تھی کہ مسلمانوں کا ایک غضبناک نعرے لگاتا ہوا ہجوم اپنے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے دشمن کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑا۔ مرتدین ذرا نہ تھمے اور گرتے پڑتے بھاگے۔ کئی مارے گئے، لیکن اکثر نے بھاگ کر جان بچا لی اور ذوالقصّہ پہنچ کر ہی دم لیا۔ یہاں رک کر سستانے کے بعد انھوں نے اپنے آپ کو دوبارہ منظم کیا۔ لیکن اب ان کے حوصلے اتنے بلند نہیں رہ گئے تھے۔

اس بازی میں حضرت ابوبکرؓ کی جیت کوئی کھوکھلی کامیابی نہ تھی۔ اس میں دشمن کو محض چل دیکر نہیں بلکہ ایک خونی معرکے میں بزورِ شمشیر پیچھے دھکیل دیا گیا تھا۔ ابوبکرؓ نے فیصلہ کیا تھا کہ دشمن کو ایسے بے خبری میں پکڑیں کہ ان کی اپنی کم تعداد کی تلافی ہو جائے۔ اور اس ارادے میں وہ کامیاب رہے۔

انھیں ایک فوری مبارزی فتح کی ضرورت تھی اور وہ انھیں حاصل ہو گئی۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا کہ اسلامی تاریخ میں یہ رات کے وقت پورے فوجی حملے کی پہلی مثال تھی۔ اس پیمانے کا شب خون (جو محض ایک آدھ فوجی گروہ کے چھاپا مارنے تک محدود نہ ہو) ایک ایسا طریقۂ حرب ہے جسے پہلی عالمگیر جنگ تک مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔

معرکہ جیت کر حضرت ابوبکرؓ نے طے کیا کہ دشمن کو مہلت نہ دی جائے۔ بلکہ اس کو پسپائی کے دھچکے سے سنبھلنے سے پہلے خوف و ہراس کی ابتری کے عالم میں پکڑا جائے۔ چنانچہ سورج طلوع ہوتے ہی انہوں نے ذوالقصہ کی طرف کوچ کیا۔

ذوالقصہ پہنچ کر ابوبکرؓ نے اپنی فوج کو دوبارہ گزشتہ رات کی ترتیب میں صف آرا کیا، اور دشمن پر دھاوا کر دیا۔ مرتدین نے مقابلہ کیا، لیکن ان کے حوصلے پست تھے، اور کچھ دیر کی مزاحمت کے بعد وہ پیچھے ہٹ کر ابرق چلے آئے، جہاں غطفان، ہوازن اور طئی قبائل کے مزید سپاہی جمع تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ذوالقصہ پر قبضہ کرنے کے بعد طلحہ بن عبیداللہؓ کی سرکردگی میں ایک مختصر جمیعت کو دشمن کے تعاقب میں بھیجا۔ طلحہؓ نے تھوڑی دور تک پیش قدمی کی اور دشمن کے چند منتشر سپاہ کو قتل کیا۔ لیکن ان کی اپنی فوج کی تعداد اتنی محدود تھی کہ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے مرتدین کا کچھ زیادہ نقصان نہ کر پائے۔

ذوالقصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ۳۰ جولائی ۶۳۲ء (۸ جمادی الاوّل ۱۱ھ) یا اس کے لگ بھگ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نعمان بن مقرنؓ کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ ذوالقصہ کی دفاع کے لئے چھوڑ کے، خود باقی ماندہ سپاہ کو لے کر واپس مدینے آ گئے۔ اگست کو لشکر اُسامہ بھی مدینے لوٹ آیا۔ اب اسلامی دارالخلافے کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہ گیا۔

☆

مدینے سے روانہ ہو کر، اُسامہؓ نے تبوک کا رُخ کیا تھا۔ اس علاقے کے اکثر قبیلوں نے اُسامہؓ

شدید مقابلہ کیا۔ لیکن جوانی کے جوش اور امنگ کے ریلے میں اسامہؓ اپنی تلوار دھاک بٹھاتے سارے خطے پر چھا گئے۔ وسیع پیمانے پر سارے شمالی عرب میں دور دور چھاپے مارنے کی مہم انہوں نے قضاعہ کی سرکوبی سے شروع کی جو ان کے فوجی دستوں کے حملوں کے سامنے پسپا ہو کر دومتہ الجندل ہٹ آئے۔ جہاں اس سے دو سال پیشتر خالدؓ نے اکیدر کو گرفتار کیا تھا۔ اسامہؓ نے ان سے بر سر پیکار تمام سپاہ کو تہ تیغ کر دیا، اور باغات اور گاؤں جلا کے جہاں گزرے اپنے پیچھے "دھوئیں کا ایک طوفان"[۱] چھوڑ گئے۔

اسامہؓ کی جنگی کارروائیوں کے باعث متعدد قبیلوں نے دوبارہ مدینے کی اطاعت منظور کر لی اور دوبارہ اسلام بھی قبول کیا۔ لیکن قضاعہ بدستور سرکش رہے اور تائب نہ ہوئے۔ ان کا علاج کچھ عرصے بعد پھر عمرو بن العاصؓ کے ہاتھوں ہوا۔

قضاعہ کے علاقے سے اسامہؓ نے موتہ کی جانب کوچ کیا، کلب اور غسان قبائل کے عیسائی عربوں سے جنگ کی اور اپنے باپ کی موت کا بدلہ لیا۔ اسامہؓ کی تمام کارروائی میں کسی بڑی جنگ کی نوبت نہ آئی، مگر اب وہ اپنے ساتھ جنگی قیدیوں کی ایک بھاری تعداد اور کثیر مال جس کا کچھ حصہ مالِ غنیمت کا تھا اور کچھ تائب قبیلوں کے زکوٰۃ اور محصول کا لے کر مدینے کو لوٹے۔ حضرت ابوبکرؓ اور اہلِ مدینہ نے لشکرِ اسامہ کا پر جوش استقبال کیا، اور اس کی واپسی سے سب کو سکون اور اطمینان ملا۔ یہ لشکر ۴۰ دن تک باہر رہا تھا۔

⁂

ذوالقصہ میں شکست کھا کے کئی مرتد قبیلے بیدردی سے ان افراد پر ٹوٹ پڑے جو اسلام پر قائم رہے تھے۔ ان سب کو قتل کر دیا گیا اور قتل میں بڑی سفاکی سے کام لیا گیا۔ کچھ مسلمانوں کو زندہ جلایا گیا اور دوسروں کو بلند چٹانوں سے نیچے پھینک دیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان وحشیانہ حرکتوں کی خبر سخت غم و غصے کے ساتھ سنی اور انھوں نے قسم کھائی کہ وہ اس کافر کو جس نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہو قتل کریں گے، اور ہر مرتد قبیلے تک تلوار اور آگ کی پاداش پہنچائیں گے۔

---

[۱] ابن سعد: صہ ۷۰۹

اب مسلمانوں کے لئے حالات سازگار ہو رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی تازہ فتوحات نے، اگرچہ وہ فیصلہ کن نہیں تھیں، لوگوں کے حوصلے بلند کر دیئے تھے۔ مدینے کے قریب بسنے والے بعض مرتد قبائل تائب ہو کر دوبارہ مسلمان ہو گئے تھے، اور انہوں نے اپنے اپنے حصے کی زکوٰۃ اور ضمنی واجبات ادا کر دیئے تھے۔ لشکرِ اسامہ جنگی قیدی اور مال و دولت لے کر واپس آ چکا تھا۔ اسلامی ریاست کے خزانے کی تجوریاں دوبارہ پر ہو گئیں، اور اس طرح دشمنانِ اسلام کے خلاف ایک ہمہ گیر جنگ کے لئے ایک مضبوط مالی بنیاد استوار ہو گئی۔

لیکن ابوبکرؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ لشکرِ اسامہؓ کو آرام کا موقع دینے اور اسے دوبارہ تیار کرنے کے لئے انھیں ایک مجموعی حملہ کرنے سے قبل کچھ اور وقت درکار ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اسامہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو مدینے میں آرام کرائیں اور اس دوران میں دارالخلافے کی محافظت کا بھی پورا پورا خیال رکھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کوشش کر کے جو جمعیت اکٹھا کی تھی وہ اب خود ایک باقاعدہ فوج بن گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ جب تک لشکرِ اسامہؓ آرام کر کے تیار ہو، اسی فوج کو استعمال کر کے، ابرق میں جمع ہونے والے مرتدین کے خلاف چڑھائی کر دی جائے۔ اب ابوبکرؓ نے فی الواقعہ جنگ کی پوری تیاری کی۔ نہ صرف قبائل کو ارتداد جیسے مکروہ جرم کی سزا دینے کے لئے بلکہ ان صاحب ایمان مسلمانوں کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے لئے بھی جنھیں ان مرتدوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے ابرق کی جانب اپنی فوج کی قیادت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو عمائدینِ اسلام نے انھیں باز رکھنے کی کوشش کی۔ "اے خلیفۂ رسولؐ، آپ پر اللہ کا فضل ہو!" انہوں نے کہا۔ "آپ بذاتِ خود لشکرِ اسلام کی قیادت کر کے اپنے کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ اگر آپ خدانخواستہ مارے گئے تو حالات دگرگوں ہو جائیں گے۔ آپ کا محض زندہ رہنا ہی کفّار کے لئے باعثِ مصیبت ہے۔ اپنی فوج کا سربراہ کسی اور شخص کو مقرر کر دیجئے۔ پھر اگر وہ مارا جائے تو آپ کسی اور کو مقرر کر سکتے ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ بہت جلد مسلمانوں کے کندھوں پر ایک بھاری بوجھ ڈالنے والے تھے۔ وہ

سالار اور سپاہ دونوں سے کہنے والے تھے کہ وہ ایسی جدوجہد کریں جیسی ان کو اس سے پہلے کبھی نہیں کرنی پڑی تھی، کہ وہ ایسے خطرات کا سامنا کریں جو اکثر جنگجوؤں کو خوف زدہ کرنے کو کافی تھے۔ ان کو اپنی توقعات پر پورا اتارنے کے لئے انھیں اس سے بہتر کوئی صورت نظر نہ آئی کہ وہ خود ان کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں۔

"واللہ، نہیں! انہوں نے جواب دیا۔" میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں دوسروں پر اپنا بوجھ نہیں لادوں گا۔" [1]

اور اس مختصر سی فوج نے حضرت ابوبکرؓ ہی کی قیادت میں ذوالقصہ کی طرف، جہاں نعمانؓ خلیفۂ اسلام کے منتظر تھے، کوچ کیا۔ (یہ وہی نعمان تھے جنھیں بالآخر فارس میں واقع نہاوند کے فاتح کی حیثیت سے لافانی شہرت حاصل ہونے والی تھی۔) ذوالقصہ میں ابوبکرؓ نے نعمانؓ اور ان کے بھائیوں میں اپنی فوج کے بازوؤں اور موخرالجیش کی قیادت اسی طرح تقسیم کی جیسے انہوں نے بڑے شب خون کے موقع پر کیا تھا، اور پھر ابرق کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ اگست کا دوسرا اور جمادی الاول کا تیسرا ہفتہ تھا۔

جب مسلمان ابرق پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ دشمن پہلے ہی سے جنگ کے لئے صف بستہ ہے۔ بلا تاخیر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی فوج کی مناسب صف بندی کی اور مرتدین پر حملہ کر دیا۔

مرتدین کے حوصلے اب اتنے بلند نہیں تھے جتنے کوئی دو ہفتے پیشتر رہے تھے۔ ذوالقصہ سے بھاگنے والے شکست خوردہ عناصر ابرق کے مقام پر مرتدین سے آملے تھے، اور جیسا کہ ایسے حالات میں بالعموم ہوتا ہے، ان کی آمد نے دوسروں پر مایوس کن اثر کیا۔ کچھ وقت تک مرتدین نے جو تعداد میں زیادہ تھے، مسلمانوں کے حملے کی مزاحمت کی، لیکن پھر میدان چھوڑ کر بھاگے۔ ابوبکرؓ کی ایک اور جیت ہو گئی۔

---

[1] طبری: جلد ۲ صفحہ ۴۷۶

ابرق سے بچے کھچے فرار ہونے والے مرتدین اور اس علاقے کے کچھ اور خاندانوں نے بزاخہ کا رُخ کیا، جدھر سمیرا سے مکار طلیحہ پہنچ چکا تھا۔ لیکن اس علاقے میں بسنے والے دیگر خاندانوں نے ان فوجی دستوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، جنھیں حضرت ابوبکرؓ نے ابرق کی فتح کے بعد دیہاتی علاقوں کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ اب مزید زکوٰۃ اور محصول جمع کیے گئے، اور ان کے ساتھ تائب ہونے والے خاندانوں نے تحائف بھی پیش کیے جن کو بخوشی قبول کر لیا گیا۔

اگلے روز خلیفۃ المسلمین ابرق سے مدینے روانہ ہو گئے۔ مدینے پہنچ کر انہوں نے چند روز امورِ مملکت کے سلجھانے میں صرف کیے، اور پھر لشکرِ اسامہ کے ساتھ ذوالقصہ کی جانب کوچ کیا۔ لیکن اب یہ لشکر لشکرِ اسامہ نہیں رہا تھا، کیونکہ اسامہؓ اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے تھے اور ان کا لشکر لشکرِ اسلام ہو گیا تھا۔ جو حسبِ ضرورت خلیفۂ اسلام کے اشاروں پر چلنے کو تیار تھا۔ اسامہؓ کی قیادت کی یہ میعاد پوری ہو چکی تھی۔

ذوالقصہ میں حضرت ابوبکرؓ نے لشکرِ اسلام کو ان متعدد دشمنوں سے نمٹنے کے لئے جو مسلمانوں کے زیرِ تصرف تھوڑے سے علاقے کے سوا پورے خطہ عرب پر قابض تھے، مختلف جیوش (کورز) کی صورت میں منظم کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ لشکرِ اسلام کو خلیفۃ المسلمین کی مجموعی جنگی رہنمائی کے تحت، جداگانہ مہمیں سر کرنے کے لئے ایسے منظم کیا گیا کہ ہر مہم کے لئے الگ جیش ایک خودمختار سالار کے تحت قائم ہو گیا۔ مسلمان سپہ سالاروں نے جن کا فنِ حرب اب تک اصل میں ترکیبِ حرب (ٹیکٹکس) تک محدود رہا تھا۔ بعد ازیں حکمتِ حرب (سٹریٹیجی) کے اعلیٰ مراحل میں قدم رکھ کر ان پر ایسے وثوق، ایسی سہولت سے عبور حاصل کیا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔



ذوالقصہ میں اگست ۶۳۲ء کے چوتھے ہفتے (جمادی الآخر ۱۱ھ کے اوائل) میں ابوبکرؓ نے ارتداد کے خلاف مہم کے لئے حکمتِ حرب کا منصوبہ تیار کیا۔ انہوں نے حال ہی میں

ذوالقصہ اور ابرق میں جمع ہونے والے مرتدین کے خلاف جو جنگیں لڑی گئیں وہ ایسی پیش بندی کے طور پر لڑیں جس کا مقصد مدینے کو بچانا اور دشمن کی مزید جارحانہ کارروائی کو روک کر حاصل شدہ مہلت میں مرکزی فوج کو تیار کر کے مہم پر روانہ کرنا تھا۔ ان جنگی اقدامات کو مسلمانوں کے لئے بارآور اور دشمن کیلئے خلل انگیز اس لئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی بدولت حضرت ابوبکرؓ کا ایک ایسے اڈے پر قبضہ ہو گیا جہاں سے وہ درپیش عظیم مہم کا انتظام کر سکتے تھے۔

ابوبکرؓ کو اپنے مقصد میں دشواریوں کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہ تھی۔ انھیں ایک سے نہیں کئی دشمنوں سے جنگ کرنی تھی۔ بزاخہ میں مدعی باطل طلیحہ سے، بطاح میں مالک بن نویرہ سے، اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے۔ انھیں عرب کے مشرقی اور جنوبی ساحلوں پر۔ بحرین میں عمان میں، مہرہ میں، حضرموت میں، یمن میں ۔ پھیلتے ہوئے ارتداد سے نمٹنا تھا۔ مکے کے جنوبی اور شمالی علاقے میں ارتداد کی وبا پھیلی ہوئی اور شمالی عرب میں لشکر اسامہ کی واپسی کے بعد قضاعہ نے پھر سر اٹھایا تھا۔

غرض مسلمانوں کی کیفیت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جیسے ایک بحر الخراف میں ایک جزیرۂ ایمان، جیسے پُرخطر تاریکی میں ایک روشن شمع۔ ابوبکرؓ کو نہ صرف اس اجالے کو برقرار رکھنا تھا، بلکہ ان اندھیروں کو بھی دور کرنا تھا، ان طاغوتی قوتوں کا قلع قمع کرنا تھا، جو چاروں طرف سے دھمکیاں لئے جمع ہو گئی تھیں۔ تعداد کے حساب سے مسلمانوں پر مرتدین کو نمایاں فوقیت حاصل تھی، گو وہ متحد نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی فوجی قوت کی بنیاد اس بات میں تھی کہ ان کے گرد مسلمانوں میں اس وقت کے بہترین جنگجو تھے، اور ان کے ہاتھ میں ایک عظیم الشان ہتھیار ۔ اللہ کی تلوار، خالدؓ بن الولیدؓ۔

ابوبکرؓ نے اپنی حکمت حرب کی تشکیل اسی بناء پر کی۔ انہوں نے اسلامی لشکر کو متعدد جیوش میں تقسیم کیا، جس میں مضبوط ترین اور سب سے کاری ضرب لگانے کے لئے مخصوص جیش خالدؓ کا تھا۔

اسے باغی افواج کی سب سے زور آور قوتوں سے لڑنے اور دشوار ترین مراحل سر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ دوسرے جیوش کو ثانوی اہمیت کے فرائض سونپے گئے، جن کے مطابق انھیں اس وقت کارروائی کرکے مقابلتاً کم خطرناک مرتد قبائل کو راہِ راست پر لانا تھا جب دشمن کی بنیادی مزاحمت کا خاتمہ کیا جا چکا ہو۔ دو جیوش کو خالدؓ کے پاس اور جیش کو بوقت ضرورت کمک بہم پہنچانے کے لئے تیار رکھا گیا۔ جنگی کارروائی کا آغاز جیش خالدؓ نے ایسے کیا کہ دوسروں کی روانگی کے تعین کا انحصار خالدؓ کی پیش قدمی پر رکھا گیا اور ان کو یکے بعد دیگرے دشمن کی بڑی بڑی قوتوں سے جنگ کرنے کا فرض سونپا گیا حضرت ابوبکرؓ کا منصوبہ یہ تھا کہ سب سے پہلے مغربی وسط عرب کا علاقہ (جو مدینے کے سب سے زیادہ قریب واقع ہے) دشمن سے خالی کرایا جائے، پھر مالک بن نویرہ سے نمٹا جائے اور آخر میں تمام تر فوج کو اپنی نوع کے سب سے خطرناک دشمن 'مسیلمہ کذاب' کے خلاف بھیجا جائے۔ اس طرح ابوبکرؓ نے اپنی قوت کو مرتب کرکے اس کا پورا فائدہ ایسے اٹھایا کہ دشمن کی بڑی فوجوں کا الگ الگ مقابلہ کیا اور بتدریج باری باری قریب سے دور کے علاقوں کی طرف بڑھے۔

خلیفۂ اسلام نے ۱۱ جیوش اپنے اپنے سالاروں کے تحت قائم کئے۔[۱] ہر جیش کو ایک شناختی جھنڈا دیا گیا۔ حاضر سپاہیوں کو ان جیوش میں تقسیم کر دیا گیا، اور جہاں کچھ سپہ سالاروں کو فوری جنگی فرائض سونپے گئے، کچھ کو ایسے فرائض دیئے گئے جن پر انھیں بعد میں موقع سے عمل کرنا تھا۔

ان سپہ سالاروں کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اپنی اپنی منزلوں کو کوچ کرتے ہوئے وہ راستے میں ملنے والے بہادروں کو اپنی فوج میں شامل کرتے جائیں۔ ان ۱۱ جیوش کے سپہ سالار اور ان کے مقاصد حسب ذیل تھے:۔

---

[۱] جیش (اور اس کی جمع جیوش) کی اصطلاح کو 'کور' (کورز) کے ترجمے کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس کو خود حقیقی مفہوم سے ہٹ کر ایک خود مختار فوجی قوت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ موجودہ دور کی فوج تقریباً تین 'ڈویژن' پر مشتمل ایک 'کور' سے متذکرہ جیش کی کوئی تنظیمی مماثلت نہیں تھی۔

۱۔ خالدؓ : پہلے طلیحہ بمقام بُزاخہ، پھر مالکؒ بن نویرہ بمقام لبطاح۔

۲۔ عکرمہ بن ابی جہل : یمامہ کے مقام پر مسلیمہ کا سامنا کرو، لیکن اس وقت تک نہ الجھنا، جب تک کہ مزید فوجی دستے نہ پہنچ جائیں۔

۳۔ عمرو بن العاص : تبوک اور دومتہ الجندل کے علاقے میں قضاعہ اور ودلیعہ کے مرتد قبائل۔

۴۔ شرحبیل بن حسنہ : عکرمہ کے پیچھے پیچھے رہو اور خلیفہؓ اسلام کی ہدایات کا انتظار کرو۔

۵۔ خالد بن سعید : شامی سرحد پر کچھ مرتد قبائل۔

۶۔ طریفہ بن حاجز : مدینے اور مکے کے مشرق میں واقع علاقے کے مرتد ہوازن اور بنو سلیم۔

۷۔ عُلا بن الحضرمی : بحرین کے مرتدین۔

۸۔ حُذیفہ بن محصن : عمان کے مرتدین۔

۹۔ عرفجہ بن ہرثمہ : مہرہ کے مرتدین۔

۱۰۔ مہاجر بن ابی امیہ : یمن کے مرتدین، پھر حضرموت میں کندہ۔

۱۱۔ سوید بن مقرن : یمن کے شمال میں ساحلی علاقے کے مرتدین۔

جونہی جیوش کی تشکیل مکمل ہوئی، خالدؓ روانہ ہو گئے، اور ان کی روانگی کے کچھ دیر بعد عکرمہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اپنی منزلوں کا رخ کیا۔ دوسرے جیوش کو خلیفہؓ اسلام نے روک لیا۔ اور انھیں ہفتوں اور مہینوں بعد روانہ کیا گیا۔ ان کی روانگی کا انحصار خالدؓ کی دشمن کی بڑی قوت کے خلاف پیش قدمی پر تھا۔

بہرحال، ان مختلف جیوش کے ذوالقصہ سے روانہ ہونے سے پیشتر حضرت ابوبکرؓ نے مرتد قبائل کو سمجھانے کی آخری کوشش میں سب کو اپنے ایلچی بھیجے۔ ان ایلچیوں کی ہدایات بالکل یکساں تھیں: مرتد قبائل کو اسلام کی طرف واپسی اور پوری اطاعت کی دعوت دو۔ جو قبیلے اطاعت قبول کریں انھیں معافی اور امان ملے۔ جو قبائل مزاحمت کریں، ان کے ساتھ ہر قسم کی مخالفت کے خاتمے تک جنگ کی جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ کسی بھی قبیلے کے خلاف حملے سے پہلے اسلامی افواج اذان دیں، اور اگر قبیلہ اذان کا جواب اذان سے دے تو سمجھا جائے کہ اس نے اطاعت قبول کر لی ہے۔

سالارانِ جیوش کو بھی خلیفۂ اسلام نے مخصوص فوجی احکامات کے علاوہ یکساں عام ہدایات دیں۔ یہ ہدایات حسب ذیل تھیں:

ا۔ ان قبیلوں کو تلاش کرو جن کی طرف تمھیں بھیجا جا رہا ہے۔

ب۔ اذان کہو۔

ج۔ جو قبیلہ اذان کا جواب اذان سے دے اس پر حملہ نہ کرو۔ اذان کے بعد اس قبیلے سے کہو کہ وہ اپنی اطاعت کی، جس میں ادائیگیٔ زکوٰۃ کا معاملہ بھی شامل ہوگا، تصدیق کریں۔ اگر تصدیق کر دی جائے تو حملہ نہ کرو۔

د۔ اطاعت کرنے والوں کو پریشان نہ کیا جائے۔

ر۔ جو اذان کا جواب اذان سے نہیں دیتے، یا اذان کے بعد مکمل اطاعت کی تصدیق نہیں کرتے، ان کے خلاف تلوار اور آگ سے کارروائی کی جائے۔

س۔ وہ تمام مرتدین جنھوں نے مسلمانوں کو قتل کیا انھیں قتل کیا جائے، اور جنھوں نے مسلمانوں کو زندہ جلایا، انھیں زندہ

جلایا جائے۔" ؎۱

ان ہدایات کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ نے، جواب متحمّل اور نرم مزاج بالکل نہ رہ گئے تھے، اسلامی افواج کو مرتدین کے خلاف مہم پر روانہ کیا۔

؎۱ طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۸۲

۱۳

مدعئ باطل طلیحہ

اسود کی موت کے بعد جو جھوٹے نبی باقی رہے ان میں سے مسلمانوں کے ساتھ ٹکر سب سے پہلے طلیحہ بن خویلد کی ہوئی۔ وہ قبیلہ بنو اسد کا سردار تھا، اور کئی سال سے وقتاً فوقتاً نبی کریمؐ کی مخالفت کرتا چلا آرہا تھا۔

طلیحہ نے اسلام کے خلاف اپنے عناد کا پہلا مظاہرہ جنگ اُحد کے تین ماہ بعد کیا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا طلیحہ نے اپنے قبیلے کو مدینے پر چھاپہ مارنے کے لئے اس غرض سے جمع کیا کہ اس کو جو زرین موقع نظر آرہا تھا اس کا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن نبی کریمؐ کو اس اجتماع کی اطلاع مل گئی اور آپ نے اس کو منتشر کرنے کے لئے ۱۵۰ سواروں کا ایک رسالہ بھیج دیا۔ اس سے قبل کہ طلیحہ کے کانوں میں اس جوابی کارروائی کی بھنک پڑتی مسلمان شہسوار ان کے سر پر جا پہنچے۔ کفار جنگ کئے بغیر بکھر گئے، اور مسلمان اس قبیلے کے مویشیوں کے ریوڑ پکڑ کر بطور مالِ غنیمت مدینے ہانک لائے۔ اس ہار نے طلیحہ کو اپنے قبیلے کی نگاہ میں اتنا ذلیل کر دیا کہ وہ کچھ عرصے تک سر نہ اٹھا سکا۔

پھر اس نے جنگِ خندق میں حصہ لیا۔ یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی دعوت پر گرم جوشی سے لبیک کہتے ہوئے، اس نے بنو اسد کا ایک امدادی دستہ تیار کیا اور مدینے کا محاصرہ کرنے والی مخلوط فوج میں اپنے اس دستے کی قیادت کی۔ جب ابوسفیان مدینے سے واپس پلٹا، تو بنو اسد بھی اپنی بستیوں کو لوٹ آئے۔ طلیحہ نے پھر ناکامی کا منہ دیکھا۔

اس کے بعد اس نے ۶۲۸ء (۷ھ) میں خیبر کے یہودیوں کے خلاف مسلمانوں کی مہم کے موقع پر مسلمانوں کی مخالفت کی۔ بنو اسد، طلیحہ کے زیر قیادت یہودیوں کے طرف دار تھے۔ خیبر کی جانب اسلامی فوج کے کوچ کے دوران طلیحہ نے مسلمانوں کے خلاف متعدد چھوٹی چھوٹی جنگیں لڑیں مگر اسے ہر بار منہ کی کھانی پڑی۔ پھر اس نے اپنی سپاہ کو پیچھے ہٹا کر یہودیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

دو سال بعد، سالِ وفود کے دوران بنو اسد نے نبی کریمؐ کی بیعت کرنے کے لئے اپنا ایک وفد مدینے بھیجا۔ پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن عرب کے کئی دوسرے قبیلوں کی طرح یہ لوگ بھی ایمان سے زیادہ سیاسی مصلحت کی بنا پر مسلمان بنے تھے۔ بظاہر طلیحہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ کافر یا مسلم دونوں حالتوں میں طلیحہ کو سردار اور کاہن کی حیثیت سے اپنے قبیلے میں بدستور خاصا اثر و رسوخ حاصل رہا۔ وہ مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیاں کرتا، غیب دانی کے مظاہرے کرتا، اور اشعار سناتا پھرتا تھا۔

نبی کریمؐ کی علالت کے ایام میں، فی الواقعہ آنحضرتؐ کی وفات سے چند روز پیشتر، طلیحہ نے اپنا سکہ جمانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ وہ نبی ہے! اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اس کی پیروی کریں، اور بہتیروں نے ایسا کیا۔ جب آنحضرتؐ کی وفات کی خبر پہنچی تو اس نے خود کو نیا نبی منوانے کے لئے اپنی جدوجہد میں اضافہ کر دیا، اور جب عرب میں ارتداد کی وبا پھیلنے لگی تو بنو اسد کا پورا قبیلہ اسے اپنا سردار اور نبی مان کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ مدینے کے ساتھ قطع تعلق کی نشان دہی کے طور پر طلیحہ نے اپنے علاقے کے مسلمان محصّل کو نکال دیا۔ محصّل کا نام ضرار بن الازور تھا، جس دلیر نوجوان کے متعلق مہم شام کے باب میں بہت کچھ بیان کیا جائے گا۔

اپنی نبوّت کا اعلان کرنے کے بعد طلیحہ کو خیال آیا کہ اب اسے مذہب کے سلسلے میں

کوئی ایسی بات کرنا چاہیئے جس سے ثابت ہو کہ وہ فی الواقعہ پیغمبر خدا ہے۔ اس کو طریقۂ نماز میں تبدیلی کرنے سے بہتر کوئی نمایاں ترکیب نہ سوجھی۔ چنانچہ اس نے سجدے کو جو نماز کا ایک لازمی جزو ہے موقوف قرار دیدیا۔ "اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ ہم اپنے چہرے کو اوندھا کریں" اس نے اعلان کیا" یا پیٹھوں کو بھونڈے انداز میں جھکائیں۔ کھڑے ہو کر عبادت کیا کرو!"[1] اور بنو اسد اپنے جھوٹے نبی کی تقلید میں سجدہ کئے بغیر نماز پڑھنے لگے۔

ارتداد کے پھیلاؤ کے ساتھ طلیحہ کے مریدوں میں بھی اضافہ ہوا۔ اسے شمال وسطی عرب کے بڑے قبیلوں کی طرف سے حمایت کی پیش کش کی گئی۔ اس ضمن میں غطفان اور طی سب سے آگے تھے، جن کا بنو اسد سے ساتھ پرانا اور پختہ اتحاد تھا۔ ہوازن اور بنو سلیم بھی اس کے حامی تھے، لیکن یہ حمایت برائے نام تھی۔ اس کے باوجود کہ ان دونوں بڑے قبیلوں نے بھی انحراف کیا، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی، انھوں نے طلیحہ کا ساتھ نہ دیا اور نہ اس کے جھنڈے تلے جنگ کی۔

طلیحہ کا سب سے طاقتور انفرادی حامی عُیَینہ بن حصن تھا، جو غطفان کی ایک مقتدر شاخ، بنو فزارہ کا یک چشم سردار تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے جنگ خندق میں غطفان کے امدادی دستے کی قیادت کی تھی اور جسے نبی کریمؐ نے مستعد احمق کا لقب دیا تھا، اور اب اس نے طلیحہ کی پیروی کر کے اس لقب کی موزونیت کو بھی اور واضح کیا۔ تاہم وہ اس مدعیٔ باطل کا دل سے معتقد نہیں تھا، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس نے کسی موقع پر کہا تھا کہ "مجھے قریش کے نبی کے بجائے اپنے کسی حلیف قبیلے کے کسی نبی کی پیروی زیادہ منظور ہے۔ بہر حال محمدؐ فوت ہو چکے ہیں اور طلیحہ زندہ ہے"[2]۔ اس کی حمایت بے بہا ثابت ہوئی، چونکہ وہ غطفان کے پورے قبیلے کو طلیحہ

---

[1] ابن الاثیر: جلد ۲، صفحہ ۱۳۱

[2] طبری: جلد ۲۔ صفحہ ۴۸۷

کے زیر نگیں لے آیا۔

طلیحہ نے بنو اسد کو سمیرا کے مقام پر جمع کیا۔ غطفان بنو اسد کے پڑوس میں آباد تھے، اور وہ جلد ہی طلیحہ کی جمعیت میں شامل ہونے والے تھے۔ طیؔ نے بھی طلیحہ کو امیرالامراء اور نبی کی حیثیت سے تسلیم کر لیا، لیکن وہ اپنے خیبر کے شمال اور شمال مشرق میں واقع علاقے میں ہی مقیم رہے، سوائے اس کے کہ ان کا ایک چھوٹا امدادی دستہ سمیرا کے مقام پر طلیحہ کی فوج میں شریک ہو گیا۔ یہاں طلیحہ نے اسلامی اقتدار کے خلاف لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جب اسے ابرق اور ذوالقصہ میں مرتد قبائل کے جمع ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے ان کی مدد کے لئے اپنے بھائی، حبال، کی قیادت میں ایک دستہ بھیج دیا۔ ذوالقصہ اور ابرق کے خلاف مسلمانوں کی کارروائی کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے جس اثنا میں یہ جاری تھی، طلیحہ اپنی فوج کو بُزاخہ لے آیا، جہاں ابرق سے بھاگے ہوئے بچے کھچے مرتدین بھی اس کے ساتھ آملے۔

بُزاخہ میں طلیحہ کی تیاریاں تیزی سے پروان چڑھیں۔ اس نے متعدد ذیلی قبائل کی طرف اپنے خصوصی ہرکارے بھیجے، انھیں شمولیت کی دعوت دی، اور ان میں سے کئی نے اس کی دعوت قبول کی۔ عُیَینہ بنو فزارہ سے ... جنگجو لایا۔ سب سے بڑے فوجی گروہ بنو اسد اور غطفان کے تھے۔ ایک امدادی دستہ طیؔ کا بھی تھا، لیکن اس قبیلے کی اکثریت بزاخہ نہیں آئی۔

جب خالدؓ ذوالقصہ سے روانہ ہوئے تو طلیحہ جنگ کے لئے تیار تھا۔

☆

خالدؓ کو طلیحہ کے خلاف مہم میں روانہ کرنے سے پہلے، حضرت ابوبکرؓ نے طلیحہ کی طاقت کو گھٹانے کی صورتیں تلاش کیں، تاکہ جنگ فتح کے پورے احتمال کے ساتھ لڑی جا سکے۔ بنو اسد اور غطفان کے متعلق جو طلیحہ کے پیچھے مضبوطی سے ڈٹے ہوئے تھے، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا، لیکن طیؔ کا معاملہ اور تھا۔ وہ اس مدعیٔ باطل کے اتنے مستحکم حامی بالکل نہیں تھے۔ اور ان کا سردار

عدی بن حاتم، ایک متقی مسلمان تھا۔ (عدی جن کو آگے چل کر ۱۲۰ برس کی حیرت انگیز عمر نصیب ہونے والی تھی، اتنے لمبے آدمی تھے کہ گھوڑے پر بیٹھے ان کی ٹانگیں زمین تک آجاتی تھیں[1]) جب عدی نے طی کے افراد کو روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا اور نتیجتاً عدی وفادار آدمیوں کے ایک گروہ کے ساتھ اپنے قبیلے کو چھوڑ کر خلیفۃ المسلمین کے پاس آگئے تھے۔ اب حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ کیا کہ طی کو طلیحہ سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی جائے، اور اگر وہ اس مدعیٔ باطل کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں تو ان کے خلاف فوراً انہی کی سرحدوں میں جنگ کرکے ان کو ایسے کچل دیا جائے کہ ان کا بزاخہ میں طلیحہ کے ساتھ جا ملنے کا امکان ہی نہ رہے۔ اس طرح طلیحہ کو طی کی امداد سے بہرحال محروم کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے طی کے سردار کو اپنے قبیلے کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ مگر ان کے ساتھ جیش خالدؓ کو بھی بھیجا جس میں تقریباً ... ۴ سپاہی تھے۔ "اگر عدی کی کوششیں بارآور نہ ہوں" ابوبکرؓ نے خالدؓ کو ہدایت کی "تو طی سے ان کے موجودہ مقام پر جنگ لڑو۔"[2] طی سے نمٹ چکنے کے بعد، خالدؓ کا دوسرا فریضہ بزاخہ پر چڑھائی کرنا تھا۔ (نقشہ نمبر ۳ دیکھئے)۔

ذوالقصہ سے کوچ کرکے خالدؓ نے شمال کی طرف بزاخہ کا رخ کیا۔ ابھی بزاخہ چند منازل دور تھا کہ خالد بائیں طرف کو مڑ کر کوہستانِ آجا کے جنوب میں اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں قبیلۂ طی جمع تھا۔ یہاں عدی آگے بڑھ کر اپنے قبیلے سے مخاطب ہوئے۔ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا، دوزخ کی آگ کا اور مزاحمت کے بے سود ہونے کا ذکر کیا، لیکن باوجود اپنی تمام فصاحت کے ان کو کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ بزرگانِ قبیلہ نے ان کی ایک نہ سنی۔ تب عدی نے انھیں متنبہ کیا "تو پھر ایک ایسے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ جو تمہیں تباہ کرنے اور تمہاری عورتیں تم سے چھین لینے

---

[1] ابن قتیبہ: صد ۳۳

[2] طبری: جلد ۲، صد ۴۸۳

کو آگیا ہے۔ تمہارا جو جی چاہے کرو۔"

اس تنبیہہ کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ بزرگان قبیلہ نے قدرے غور و خوض کے بعد کہا "جب تک ہم اپنے ان بھائیوں کو جو طلیحہ کے پاس ہیں، بحفاظت واپس نہیں لے آتے، اس لشکر کو ہم سے دور رکھئے۔ ہمارا طلیحہ کے ساتھ ایک معاہدہ ہے۔ اگر ہم یہ معاہدہ توڑ دیتے ہیں تو وہ یا تو ہماری برادری کے افراد کو قتل کر دے گا۔ یا انھیں بطور یرغمال اپنے قبضے میں رکھے گا۔ علی الاعلان طلیحہ سے قطع تعلق کرنے سے پہلے ہمیں اس سے ان کو چھڑانا پڑے گا۔

عدیؓ نے مسلمانوں کے پڑاؤ میں واپس آکر خالدؓ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ لیکن خالدؓ مذاکرات میں وقت ضائع کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ارتداد کے بارے میں ان کا نظریہ سخت تھا۔ اور وہ اس بات کی طرف بالکل مائل نہ تھے کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی نرمی برتی جائے جنھوں نے ایمان کی جگہ الحاد کو بسا لیا ہو۔ "تین دن، اے خالدؓ!" عدیؓ نے استدعا کی۔ "صرف تین دن! اور میں تمہیں اپنے قبیلے کے ۵۰۰ جنگجو لا دوں گا جو تمہارے شانہ بشانہ لڑیں گے۔ انھیں جہنم رسید کرنے سے یہ بہتر ہے۔"[1] خالدؓ انتظار کرنے پر رضامند ہو گئے۔

بزرگان طیّ نے سواروں کا ایک دستہ بظاہر کمک کے طور پر طلیحہ کی طرف بھیجا۔ بزاخہ آکر ان سواروں نے چپکے چپکے اپنے امدادی دستے کو جدا کر کے خالدؓ کی آمد سے پہلے ہٹا لینے کا انتظام شروع کر دیا۔ اس میں ان کو کامیابی ہوئی۔ اگر طیّ کے کچھ آدمی طلیحہ کے پاس رہ بھی گئے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوا تھا، تو انہوں نے بہر حال جنگ بزاخہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

خالدؓ راضی ہو گئے تھے کہ طیّ پر حملہ نہ کیا جائے۔ لیکن قریب ہی جدیلہ نامی ایک اور مرتد قبیلہ بستا تھا، اور خالدؓ نے خالی وقت میں اس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ خلیفۂ اسلام نے جدیلہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر جنگ کے لئے خالدؓ کو دعوت کی کب ضرورت تھی۔ جب انہوں نے جدیلہ پر

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۸۳

حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو عدی اس پیش کش کے ساتھ ایک بار پھر آگے بڑھے کہ وہ اس قبیلے کو کشت وخون کے بغیر مطیع ہونے کی ترغیب دیں۔ خالدؓ خوں ریزی کی فکر کرنے والے شخص تو نہیں تھے، لیکن انھوں نے عدی کی تجویز کو اس امکان کے پیش نظر منظور کر لیا کہ اس میں شاید ان کے لشکر میں مزید سپاہیوں کا اضافہ ہو جائے۔ عدیؔ کی بلاعت بار آور ثابت ہوئی۔ جدیلہ نے اطاعت قبول کرلی۔ اور ان کے ۱۰۰۰ سپاہی خالدؓ کے ساتھ آملے۔ اس کے بعد جب خالدؓ نے بزاخہ کا رخ کیا تو طئی کے ۵۰۰ سواروں اور جدیلہ کے ۱۰۰۰ اسپاہ کی شرکت کے ساتھ ان کے جیش کی قوت اب ذوالقصّہ سے روانگی کے مقابلے میں بہت کافی بڑھ گئی تھی۔ راستے میں انھوں نے جگہ جگہ اور جنگجو بھی اپنے جیش کی بھرتی کرلئے۔

جب بزاخہ تک ایک روز کی مسافت رہ گئی تو خالدؓ نے غنیم کے لشکر اور پڑاؤ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کو دو مخبر آگے بھیجے۔ یہ دونوں انصار تھے۔ اور ان میں سے ایک عکاشہ بن محصنؓ، ایک معروف صحابی تھے۔ ان مسلمان مخبروں کی دشمن کی طرف سے اسی کام پر متعینؔ دو مرتدوں سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ ان میں سے ایک طلیحہ کا بھائی حِبال تھا جو مارا گیا لیکن دوسرا بھاگ نکلا اور اپنی الم ناک خبر لئے مدعیٔ باطل کے پاس پہنچا۔

اپنے بھائی کی موت کی خبر سے آگ بگولا طلیحہ اپنے ایک اور بھائی سلمہ کے ساتھ خود آگے بڑھا کچھ فاصلے پر یہ دوسری طرف سے آتے ہوئے دو انصاروں سے جا بھڑے۔ دو الگ باہمی مقابلے شروع ہو گئے۔ طلیحہ اور عکاشہؓ ماہر شمشیر زن تھے اور ان دونوں کی لڑائی دوسرے مسلمان کی سلمہ کے ہاتھوں شہادت کے بہت دیر بعد تک جاری رہی۔ لیکن بالآخر عکاشہؓ بھی طلیحہ کے ایک وار سے شہید ہو گئے۔ ان کی لاشیں جہاں گریں وہیں باقی مسلمانوں کی آمد تک پڑی رہیں۔ انھوں نے لاشوں کو دیکھ کر دفنایا، اور سب کو ان شہیدوں سے بچھڑ جانے کا گہرا رنج ہوا، کیونکہ یہ بڑے محبوب ساتھی اور جانباز جنگجو تھے۔

جب خالدؓ میدانِ بزاخہ کے جنوبی حصّے میں پہنچے تو انہوں نے اپنا پڑاؤ دشمن کے اڈے سے کچھ ہی دور ڈال لیا۔ انہی دو اڈوں سے نکل کر مخالف فوجیں ایک دوسرے کا مقابلہ میدانِ بزاخہ میں کرنے والی تھیں۔ یہ ایک ہموار کھلا ہوا میدان تھا، جس کے مغربی اور شمالی حدود پر چند سنگلاخ ٹیلے تھے، جو سلسلۂ کوہستانِ اجا کے جنوب مشرقی دامانِ کوہ کی شاخوں کے اضافی حصّے تھے۔[۱] (نقشہ ۳ دیکھئے)

جنگ بزاخہ کے لئے میدان جم چکا تھا۔ دونوں طرف اگلے روز کی تیاریاں مکمل کی گئیں۔ خالدؓ، اللہ کی تلوار نے تقریباً ۴۰۰۰ سپاہ کے ساتھ طلیحہ، مدعئ باطل کا سامنا کیا، جس کے لشکر کی تعداد کا گرچہ کوئی تاریخی حوالہ نہیں، قیاس ہے کہ مسلمانوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی۔ یہ دن لگ بھگ ستمبر ۶۳۲ء کے بیچ کے تھے۔ (گویا جمادی الآخر ۱۱ھ کے آخری ایام)

٭

خالدؓ کی آمد کے دوسرے دن صبح کو طرفین نے میدانِ بزاخہ میں جنگ کے لئے اپنی اپنی فوجوں کی صف بندی کی۔ خالدؓ نے اپنے جیش کے آگے رہ کر مسلمانوں کی قیادت خود کی۔ طلیحہ نے اپنے لشکر قلب میں بنو فزارہ (عیینہ کے خاندان) کے ۷۰۰ سپاہی کھڑے کئے اور اس کی سربراہی عیینہ کے سپرد کی۔ مدعئ باطل خود، اپنے سر پر عمامہ باندھے اور کاندھوں پر چوغا ڈالے، اپنے لشکر کے عقب سے کچھ فاصلے پر ایک خیمے میں بیٹھ گیا۔ اس نے مراقبے کا انداز اختیار کر کے یہ خبر پھیلائی کہ اس کو اللہ کے فرشتے جبرائیل سے جنگ کے اہتمام کے لئے ہدایت ملے گی۔

دونوں فوجوں کے صف آرا ہونیکے ذرا دیر بعد، خالدؓ نے دشمن کے پورے اگلے مورچے پر دھاوا کر دیا۔ کچھ عرصے کے لئے مرتدین نے اور بالخصوص بنو فزارہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن جلد ہی مسلمانوں

---

[۱] بزاخہ کا کوئی نشان نہیں ملتا، لیکن اس نام کا میدان موجودہ حائل سے جنوب مغرب میں ۲۵ میل کے فاصلے پر شروع ہو کر جنوب مغربی سمت میں ہی آگے بڑھتا ہے۔

کا دیا ؤ اثر دکھانے لگا اور مرتدین کی اگلی صف میں جگہ جگہ سپاہ کے قدم اکھڑنے لگے۔ مسلمانوں کے شدید حملے سے گھبرا کر عُیَینہ نے اپنا گھوڑا اس امید میں طلیحہ کے گھوڑے کی طرف دوڑایا کہ ان کی مدد کے لئے آسمانی ہدایت نازل ہو گی۔ "کیا جبرائیل آپ کے پاس آگیا ہے؟" اس نے پوچھا۔ "نہیں" مدعیٔ باطل نے بڑا عارفانہ انداز اختیار کر کے کہا۔ عیینہ جنگ میں واپس چلا آیا۔

کچھ اور وقت گزر گیا۔ پھر خالدؓ نے دشمن کے قلب تک اپنے سپاہ کی ایک میخ ٹھونک دی لیکن یہ مرکزی حصہ تب بھی اپنی جگہ پر قائم رہا اور لڑائی چپہ چپہ زمین پر شدید مقابلے میں اور تیز ہو گئی۔ عُیَینہ نے اب پھر طلیحہ کے پاس آکر اس سے پوچھا "کیا جبرائیل آپ کے پاس آگیا ہے؟" "نہیں واللہ" مدعیٔ باطل نے جواب دیا۔ عُیَینہ لوٹ کر جنگ میں شریک ہو گیا۔

فتح کے آثار بھانپ کر مسلمانوں نے اور بھی شدت سے حملہ کیا اور مزید آگے بڑھے۔ مرتدین اپنی صفوں کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بمشکل مکمل ابتری سے بچا پائے۔ صورت حال کو اور بگڑتا دیکھ کر عُیَینہ تیسری مرتبہ طلیحہ کے پاس پہنچا۔ اس نے وہی جانا پہچانا سوال اب کی مضطرب بے چینی میں دہرایا۔ "کیا آپ کے پاس جبرائیل آگیا ہے" مدعیٔ باطل نے جواب دیا "ہاں"۔ "اس نے کیا کہا؟" عُیَینہ نے دریافت کیا۔

طلیحہ نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ اس نے کہا "تمہارے پاس بالکل اسی کی جیسی ہاتھ کی چکی ہے اور دن آج کا ایسا ہے جسے تم بھولو گے نہیں!" اب عُیَینہ کی آنکھیں کھلیں تو وہ جل کر بولا "واللہ! آج کا دن تم یقیناً نہیں بھولو گے"۔ پھر وہ سیدھا سرپٹ اپنے قبیلے کے پاس پہنچا "اے بنو فزارہ!" اس نے چلا کر کہا "یہ آدمی جھوٹا ہے۔ لڑائی سے ہاتھ کھینچ لو۔"[1]

بنو فزارہ، لشکر طلیحہ کے قلب کی اصل روح، نے اپنے گھوڑوں کا رُخ موڑ کے میدان چھوڑ دیا۔ ان کی روانگی کے ساتھ ہی مرتدین کا سارا محاذ اکھڑ گیا اور اس کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ میدان جنگ

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۸۵

سے کفّار کی ٹولیاں چاروں طرف کو بھاگنے لگیں۔ جنہوں نے مقابلہ کیا انھیں فاتح مسلمانوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ کچھ بدقسمت بھگوڑے طلیحہ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے اس سے پوچھا "آپ کے کیا احکامات ہیں؟" طلیحہ نے جواب دیا "جس سے بن پڑے جو میں کرتا ہوں وہ کرے اور اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو بچا لے۔"[1]

اس وداعی ہدایت کے ساتھ ہی طلیحہ نے اپنی بیوی کو اس تیز رفتار اونٹنی پر بٹھایا جسے اس نے زین وغیرہ کس کر ایسے ہی امکان کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ وہ خود اچھل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اور میاں بیوی دونوں غبار کے ایک بادل میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

جنگ بزاخہ ختم ہو گئی اور خالدؓ کو فتح حاصل ہوئی۔ دشمنانِ اسلام کی دوسری سب سے بڑی طاقت کو ہرا کر اس کے سپاہ کو تتر بتر کر دیا گیا۔

❖

طلیحہ شام کی سرحد تک بھاگ آیا، جہاں اس نے قبیلۂ کلب کے ساتھ سکونت اختیار کر لی اس کے دعوائے باطل کے دن تمام ہو چکے تھے۔ لیکن اس قبیلے کے ساتھ رہتے ہوئے اسے زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ اس نے بنو اسد کے دوبارہ مسلمان ہونے کی خبر سنی۔ نتیجتاً وہ بھی پھر مسلمان ہو گیا اور اپنے قبیلے کے پاس لوٹ آیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں وہ حج کے لئے مکّے بھی آیا۔ حالانکہ خلیفۃ المسلمین کو اس کی آمد کی اطلاع تھی، انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

اس کے تقریباً دو سال بعد وہ مدینے آیا اور ملاقات کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ عمرؓ نے جو آسانی سے معاف کرنے والے آدمی نہیں تھے، طلیحہ کو دیکھ کر اس سے کہا، "تم نے دو شریف مسلمانوں کو قتل کیا جن میں سے ایک عکاشہؓ بن محصن تھے۔ واللہ میں تمہیں کبھی پسند نہیں کروں گا۔"

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۸۵

طلیحہ بڑا حاضر جواب تھا۔ اس نے پلٹ کر کہا "اللہ نے انھیں میرے ہاتھوں جنت کی رحمت دی، جبکہ مجھے ان کے ہاتھوں کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ میں اللہ سے معافی کا طلبگار ہوں۔"

حضرت عمرؓ ذرا نرم نہ پڑے اور انہوں نے اس کو پھر آڑے ہاتھوں لینے کی کوشش کی: "تم نے اس وقت جھوٹ بولا تھا۔ جب تم نے کہا تھا کہ اللہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔"

"یہ بات" طلیحہ نے جواب دیا "اس فتنۂ ارتداد کا نتیجہ تھی جسے اللہ نے نیست و نابود کر دیا ہے۔ اب اس کا الزام مجھ پر نہیں لگایا جا سکتا۔"

حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ انھیں اس تکرار میں کوئی کامیابی نہیں ہو رہی ہے تو انہوں نے اپنی آخری کوشش کی: "او مکار! تیری غیب دانی کا کیا ہوا؟"

"دھونکنی کی ایک آدھ پھونک کے علاوہ کچھ نہیں رہ گیا ہے۔" [1]

حضرت عمرؓ کی نمایاں خصوصیات میں حس مزاح شامل نہیں تھی، اور جب انھیں کوئی موزوں جواب نہ سوجھا تو انہوں نے منہ پھیر لیا۔

طلیحہ اپنے قبیلے کے پاس لوٹ آیا اور عراق پر تیسری چڑھائی کے وقت تک وہیں مقیم رہا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو ایک مسلمان مجاہد اور سپہ سالار کی حیثیت سے عراق کی مہم کے لئے پیش کیا، اور اپنی خدمات اتنی خوبی سے انجام دیں کہ شجاعت اور فن حرب کے حیرت انگیز کارنامے کر دکھائے، قادسیہ اور نہاوند کی بڑی جنگوں میں حصہ لیا، اور جنگ نہاوند میں شہادت پائی۔

اس طرح طلیحہ نے اپنی نجات کا پورے سے زیادہ حق ادا کر دیا۔

٭

جونہی جنگ ختم ہوئی، خالدؓ نے میدان سے بھاگتے ہوئے مرتدین کا پیچھا کرنے اور گرد و نواح کے قبائل کی تسخیر کے لئے اپنے سپاہ روانہ کیے۔ ان کے ایک دستے نے کچھ مرتدین کو

---

[1] طبری: جلد ۲ صفحہ ۴۸۹۔ بلاذری: صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶

رُمان کے پہاڑی علاقے میں، بزاخہ سے جنوب، جنوب مشرق میں ۴۰ میل دور جا لیا۔ لیکن وہ لڑے بغیر مطیع ہو گئے اور انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ عُیینہ کے تعاقب میں جو اپنے قبیلے بنو فزارہ اور بنو اسد کے کچھ افراد کے ساتھ جنوب مشرق کی طرف بھاگ گیا تھا، خود خالدؓ نے ایک تیز رفتار دستے کی قیادت کی۔ وہ ابھی غمرہ تک، بزاخہ سے ۶۰ میل دور[1] (نقشہ ۱۸ دیکھئے)، ہی پہنچا تھا کہ خالدؓ اس کے سر پر جا پہنچے۔ تب عُیینہ نے پلٹ کر پھر مقابلہ کیا، کیونکہ وہ طلیحہ سے پوری طرح بددل ہو جانے کے باوجود سرکشی اور ارتداد پر قائم تھا۔ اس طرح جو تیز جھڑپ ہوئی اس میں متعدد مرتدین مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ عُیینہ کو گرفتار کر لیا گیا۔

عُیینہ کا باپ قبیلۂ غطفان کا بہت معروف اور نہایت معزز سردار تھا، جس کے باعث عُیینہ اپنے آپ کو حسب و نسب اور رتبے میں کسی سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن سرداروں کے طویل شجرے کے اس مغرور وارث کو جس کے ساتھ جنگِ خندق کے موقع پر خود آنحضرتؐ نے امن کا سمجھوتا کرنے کی کوشش کی تھی، اب زنجیروں میں جکڑ کر معمولی قیدی کی طرح مدینے لایا گیا۔

جب وہ مدینے میں داخل ہوا تو شہر کے لڑکے، اس کی شخصیت اور حالات سے آگاہ ہو کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے اس کو نکیلی چھڑیوں سے چبھوتے ہوئے ترنم میں کہنا شروع کیا۔ "او دشمنِ خدا! تو ایمان لا کر ایمان سے پھر گیا!"۔ عُیینہ نے درد انگیز انداز میں احتجاج کیا "واللہ! میں کبھی ایمان نہیں لایا تھا"۔ بہ الفاظِ دیگر چونکہ وہ کبھی مسلمان نہیں ہوا تھا (جیسا کہ وہ اب جھوٹا دعویٰ کر رہا تھا) اس لئے اس پر ارتداد کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

---

[1] غمرہ سمیرا سے شمال مشرق میں ۱۵ میل دور واقع ہے۔ اور وہ پہاڑی بھی، جس کے دامن میں موجودہ گاؤں واقع ہے، غمرہ کہلاتی ہے۔ اس مقام کو ابنِ سعد نے، جو اسے فید سے دو منزلوں کے فاصلے پر بتاتا ہے، غمر کہا ہے۔ (صفحہ ۵۹)۔ فی الواقعہ یہ فید سے ناک کی سیدھ میں ۳۰ میل دور ہے، اور شارع کارواں کے ذریعے اس سے قدرے زیادہ دور ہو گا۔

اس نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اپنے مقدمے کی پیروی کی اور انہوں نے اسے معاف کردیا۔ اس طرح عُیَینہ ایک بار پھر مسلمان ہوگیا، اور کئی سال کے طویل عرصے تک اپنے قبیلے میں امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں، عُیَینہ جو اب بوڑھا ہوچکا تھا، مدینے آیا اور اس نے خلیفۃ المسلمین سے ملاقات کی۔ سورج غروب ہوئے خاصی دیر ہوچکی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے مہمان نواز دستور کے مطابق اسے شام کے کھانے کے لئے روکا، اور جب عُیَینہ نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ وہ روزے سے ہے تو ان کو بہت تعجب ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر، عُیَینہ نے جلدی سے کہا "مجھے دن کی بجائے رات کو روزہ رکھنے میں آسانی ہوتی ہے"[1]

❊

غمرہ کی جھڑپ کے بعد، خالدؓ نقرہ کی طرف روانہ ہوگئے، جہاں بنو سُلیم کے بعض کینے اسلام کے خلاف مہم جاری رکھنے کو جمع ہوگئے تھے۔ (نقشہ ۲ دیکھئے) بنو سُلیم کے اس گروہ کی قیادت ایک کوتاہ اندیش سردار کے ہاتھ میں تھی۔ اس سردار کا نام عمرو بن عبدالعزیٰ تھا، لیکن عام طور پر وہ ابوشجرہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس شخص کو طلیحہ کی شکست سے کوئی عبرت نہ ہوئی، اور اس نے اپنے سپاہیوں کا اسلامی اقتدار کے خلاف حوصلہ بڑھانے کی خاطر مندرجہ ذیل ڈینگ گا گا کے سنائی:

خالد کی صفوں میں
تہلکہ مچادیگا مرا نیزہ
پھر یقین ہے مجھے
عمر کو کچل دیگا مرا نیزہ[2]

نقرہ پہنچتے ہی خالدؓ بنو سُلیم پر پل پڑے۔ اصل میں بنو سُلیم سے خالدؓ کی خوشگوار یادیں

---

[1] ابن قتیبہ: صفحہ ۳۰۴
[2] طبری: جلد ۲: صفحہ ۴۹۳

وابستہ تھیں۔ یہ لوگ فتح مکہ کے موقع پر، جنگ حنین میں اور طائف کی طرف پیش قدمی کے دوران، خالدؓ کے ماتحت لڑ چکے تھے۔ بجز اس فرار کے جو انہوں نے حنین کی گھاٹی میں گھات کی زد میں آکر اختیار کیا تھا (جہاں تقریباً سب ہی سپاہ نے یہی کیا ہوتا)، انہوں نے سپاہ گری کا حق بخوبی ادا کیا تھا۔ لیکن اب ارتداد کرنے پر وہ رحم کے مستحق نہیں تھے۔

اپنے سابق سالار سے جنگ میں بنو سُلیم نے کچھ دیر تک ڈٹ کے مقابلہ کیا، اور متعدد مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ لیکن آخر وہ بھی خالدؓ کے زور دار واروں کی تاب نہ لا پائے اور ان کے قدم اُکھڑ گئے بھاگتے میں ان کے سپہ سالار، سپاہ گر شاعر ابو شجرہ کو قیدی بنا کر مدینے بھیج دیا گیا، جہاں اس نے بھی حضرت ابو بکرؓ کے سامنے اپنی وکالت کی؛ اور اسے معاف کر دیا گیا۔ وہ بھی پھر مسلمان ہو گیا۔

کچھ برس بعد ابو شجرہ پر بُرا وقت آ پڑا اور وہ مفلس ہو گیا۔ مدینے سے کچھ مدد ملنے کی امید میں وہ وہاں اونٹ پر سوار شہر کے باہر تک پہنچا اور پھر اونٹ کو وہیں باندھ کر پیدل شہر میں داخل ہوا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کو حضرت عمرؓ نظر آ گئے، جو اس وقت نادار لوگوں میں گھرے ہوئے خیرات بانٹ رہے تھے۔ اس ہجوم میں داخل ہو کر ابو شجرہ نے آواز دی "میں بھی حاجتمند ہوں"۔ عمرؓ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا، لیکن وہ اسے پہچان نہ سکے۔ اس کی شکل صورت ارتداد کے زمانے سے اب تک بہت بدل چکی تھی۔ "تم کون ہو؟" عمرؓ نے دریافت کیا۔

"میں ابو شجرہ ہوں"۔

معاً عمرؓ کے ذہن میں پرانی یادیں تازہ ہو گئیں اور انہیں اس بدبخت کی پوری کہانی یاد آ گئی۔ "او دشمنِ خدا!" عمرؓ نے گرج کر کہا۔ "کیا وہ تمہی نہیں ہو جس نے کہا تھا:

خالد کی صفوں میں
تہلکہ مچا دیگا مرا نیزہ
پھر یقین ہے مجھے

عمر کو کچل دیگا مرا نیزہ.....؟

عمرؓ نے جواب کا انتظار نہ کیا۔ انہوں نے اپنا ہنٹر اٹھایا جس کے بغیر وہ کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، اور اس سے ابو شجرہ کے سر پر وار کیا۔ اس نے سر کو اپنے بازو سے بچاتے ہوئے یوں التجا کی: "میں نے اسلام قبول کیا تو یہ سب منسوخ ہو گیا۔"[1] اس پر ہنٹر کی دوسری ضرب پڑی!

ابو شجرہ کو احساس ہوا کہ منت سماجت وہ خواہ کتنی کرے عمرؓ کا ہنٹر نہ رکے گا، چونکہ ان کے تیور صاف بتلا رہے تھے کہ وہ ماریں گے پہلے اور سوال کریں گے بعد میں۔ وہ پلٹا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ ہنٹر گھماتے عمرؓ تیزی سے اس کے پیچھے دوڑے۔ لیکن وہ آگے نکل کر اپنے اونٹ کے پاس پہنچ گیا، اچھل کر اس پر سوار ہوا اور وہاں سے چمپت ہو گیا۔

اس کے بعد ابو شجرہ نے مدینے میں کبھی اپنی صورت نہ دکھائی!

⁂

جس دوران میں بزاخہ کی لڑائی ہو رہی تھی، بعض قبائل الگ کھڑے ہو کر حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ ان میں بنو عامر اور ہوازن اور بنو سلیم کے بعض کنبے شامل تھے۔ اگرچہ ان کا رجحان طلیحہ کی جانب تھا، انہوں نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے جنگ سے اجتناب کیا اور اس کے انجام تک غیر جانبدار رہے۔

جنگ کا نتیجہ ان کو جلد ہی معلوم ہو گیا۔ اور بزاخہ میں امن و امان پھر قائم ہوا ہی تھا کہ ان کنبوں نے خالدؓ کے پاس آکر اطاعت قبول کی۔ "ہم وہاں واپس لوٹتے ہیں جہاں سے ہم نکل آئے تھے" انہوں نے اعلان کیا۔ "ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم احکام الٰہی کی جان و مال کے ساتھ اطاعت کریں گے۔"[2]

---

[1] بلاذری، صفحہ ۱۰۷

[2] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۸۶

تائب ہونے والے عربوں کے دوسرے فریق بھی جلد ہی بزاخہ آنے شروع ہو گئے۔ ہر طرف "ہم بیعت کرتے ہیں" کا نعرہ بلند تھا۔ لیکن خالدؓ کو خلیفۂ اسلام کی ہدایات یاد تھیں۔ کہ ان سب کو قتل کیا جائے جنہوں نے مسلمانوں کو شہید کیا ہو۔ چنانچہ خالدؓ نے اس وقت تک بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا جب تک ان کے قبیلوں سے مسلمانوں کا ایک ایک قاتل ان کے حوالے نہیں کر دیا جاتا۔ (اس کا یہ مطلب تھا کہ ان پر حملہ ہو سکتا تھا، انھیں قتل کیا جا سکتا تھا، انھیں غلام بنایا جا سکتا تھا) قبائل نے خالدؓ کی شرط مان لی۔

مسلمانوں کے تمام قاتلوں کو قطار میں کھڑا کیا۔ خالدؓ کا انصاف چست و شتاب تھا۔ انھوں نے ہر قاتل کو بعینہٖ اسی انداز سے قتل کروایا جس سے اس نے اپنے قبضے میں مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ کچھ کے سر قلم کر دیئے گئے، کچھ کو زندہ جلا دیا گیا، کچھ کو سنگسار کر دیا گیا۔ بعض کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے نیچے پھینک دیا گیا۔ دوسروں کو تیروں کا نشانہ بنا کر ہلاک کیا گیا۔ چند کو کنوؤں میں دھکیل دیا گیا۔[1] آنکھ کے بدلے آنکھ!

اس کام سے فارغ ہوتے ہی، خالدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا اور انھیں اس وقت تک کے تمام واقعات کا مفصل بیان دیا۔ جواب میں خلیفہ نے انھیں ایک قدر شناس خط لکھا اور انھیں ان کی کامیابی پر مبارک باد دی، ان کے افعال کو سراہا اور ان کی آئندہ کامیابی کے لئے دعا کی۔

بنو سلیم کے خلاف کارروائی کے بعد، خالدؓ نے بزاخہ میں تین ہفتے مقیم رہ کر قبائل سے بیعت لینے اور قاتلوں کو سزائیں دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر انھوں نے ظفر کا رخ کیا، جہاں ایک خاتون کو ان کی توجہ کی ضرورت تھی۔ خالدؓ اس ملاقات کے لئے بے چین تھے اور بیگم صاحبہ اپنی امیدیں لئے ان کی منتظر تھیں۔

٭

---

[1] طبری، جلد ۲، صفحہ ۴۹

سلمیٰ، عرف امّ زمل، عُیینہ کی چچیری بہن تھی۔ اس کا والد، مالک بن حُذیفہ، بھی قبیلہ غطفان کا ایک اعلیٰ سردار تھا۔ نہ صرف یہ کہ اس کا باپ ایک نامی سردار تھا بلکہ اس کی ماں امّ قرفہ بھی بلند رتبہ خاتون تھیں اور اسے اپنے قبیلے میں عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آنحضرت کے عہد میں سلمیٰ کی ماں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی اور اس جنگ میں اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا تھا۔ لیکن قبیلے کی اس سرداری کی یادیں غطفان کے ذہنوں میں تازہ رہیں۔ سلمیٰ کو قیدی بنا کر مدینے لایا گیا تھا، جہاں نبی کریمؐ نے اسے ایک کنیز کی حیثیت سے تحفتاً ام المومنین حضرت عائشہؓ کو دیدیا تھا۔ لیکن سلمیٰ خوش نہ تھی، اس لئے حضرت عائشہؓ نے اسے آزاد کر دیا اور وہ اپنے قبیلے میں واپس آ گئی۔

ماں باپ کی وفات کے بعد سلمیٰ کا وقار یہاں تک بڑھا کہ اسے بھی لوگوں کی محبت اور احترام پر وہی اختیار حاصل ہو گیا جو اس کی ماں کو نصیب تھا۔ وہ اس وقعت کے باعث بذاتِ خود سردارنی بن گئی، جو اہلِ عرب میں غیر معمولی بات تھی۔ سلمیٰ کی ماں کے پاس ایک شاندار اونٹ تھا۔ جو وراثتاً اب سلمیٰ کی ملکیت تھا۔ اور چونکہ بیٹی کی شکل ہو بہو ماں سے ملتی تھی، اس لئے جب کبھی وہ اس اونٹ پر سوار ہوتی، اس کے لوگوں میں متوفی رئیسہ بیگم کی یاد تازہ ہو جاتی۔

سلمیٰ قائدینِ ارتداد میں شامل ہو کر اسلام کی جانی دشمن بنگئی بزاخہ کی جنگ اور غمرہ کی جھڑپ کے بعد خالدؓ کے ہاتھوں شکست کھانے والوں میں سے بعض لوگ اور قبیلہ ہوازن اور بنو سُلیم کے بعض کٹر کٹر افراد تیزی سے سلسلۂ کوہستانِ سلمیٰ کے مغربی کنارے پر واقع ظفر کے مقام پر آ پہنچے اور یہاں سلمیٰ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ (نقشہ نمبر ۵ دیکھئے)[1] سلمیٰ نے بڑی بے رحمی سے ان کی شکست اور

---

[1] اگرچہ ظفر کا عمومی محلِ وقوع متعین کیا جا سکتا ہے، اس کے حقیقی محلِ وقوع کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بری ظفر کو اس جنگ کا مقام وقوع بتاتا ہے۔ اور ایک کا ذکر قبیلہ غطفان کی سرداری کے شہر کے طور پر بھی کرتا ہے۔ ارک اب ارک نام کا ایک گاؤں ہے۔ جو حائل سے ۵۰ میل دور سلسلۂ کوہستانِ سلمیٰ کی شمالی شاخوں کے دامن میں واقع ہے۔ اس سلسلۂ کوہ کی مغربی ڈھلان پر ارک کے جنوب میں ۱۲ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے جو ظفر کہلاتی ہے اور میرے خیال میں یہی وہ ظفر ہے جہاں جنگ ہوئی تھی۔

عُیینیہ کا ساتھ چھوڑنے کی مذمت کی۔ اور اس بیگم کا اس قدر رعب تھا کہ ان لوگوں نے چپکے سے یہ سب کچھ برداشت کر لیا۔ اس نے اپنے بل بوتے سے اس بے ربط عناصر کے جمگھٹ کو ایک مربوط و منظم فوج میں تبدیل کر دیا۔ اسطرح وہ چند ہی روز میں اسلامی اقتدار کے لئے ایک خدشہ بن گئی۔ وہ جانتی تھی کہ خالدؓ، جو بُزاخہ کے مسئلے سے فارغ ہو چکے تھے، اب اس سے نمٹنے کے لئے آئیں گے اور وہ اللہ کی تلوار سے مقابلے کے لئے بے تاب تھی۔

خالدؓ اپنے جیش کے ساتھ بُزاخہ سے ظفر پہنچے تو یہاں ایک بار اور لشکر اسلام کا لشکر ارتداد سے سامنا ہوا۔ خالدؓ نے پھر پہل کر کے دشمن پر حملہ کیا۔

لیکن یہ معرکہ سخت ثابت ہوا۔ اگرچہ خالدؓ دشمن کی فوج کے بازوؤں کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہیں مرتدین کے قلب کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ قلب بدستور جما رہا۔ یہاں سلمیٰ اپنی ماں کے مشہور اونٹ پر ایک بکتر بند کجاوے میں سوار تھی۔ اور اپنی کمان کی اس چوکی سے وہ خود جنگی ہدایات جاری کر رہی تھی۔ اس کے اونٹ کے ارد گرد اس کی فوج کے سب سے دلیر جنگجو اس عزم کے ساتھ کھڑے تھے کہ وہ اس شاندار جانور اور اس کے سوار معظمہ کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔

خالدؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ سلمیٰ کا ذاتی وجود دشمن کی قوت کے اخلاقی حوصلے کا سرچشمہ ہے اور جب تک وہ اپنے کجاوے میں زندہ رہتی ہے جنگ بھی بے پناہ خون خرابے کے ساتھ جاری رہے گی۔ اس کو ختم کرنا اس لئے ضروری تھا۔ چنانچہ منتخب سپاہ کے ایک گروہ کی قیادت کرتے ہوئے، خالدؓ پختہ عزم کے ساتھ سلمیٰ کے اونٹ کی طرف بڑھے اور کچھ دیر کی خونخوار تیغ زنی کے بعد اس جانور تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ تلوار کے چند بھرپور واروں سے اونٹ کو گرا لیا گیا، اور اس کے ساتھ ہی وہ گراں قدر کجاوہ بھی نیچے گر پڑا۔ سلمیٰ کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے ارد گرد اس کے ان ۱۰۰ تابعداروں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں جنہوں نے اپنی سرداری کی مدافعت میں آخر دم

تک جنگ کی تھی۔

سلمیٰ کی موت کے ساتھ تمام مزاحمت ختم ہوگئی، اور مرتدین چاروں طرف بکھر گئے طلیحہ کے بعد، سلمیٰ ہی نے خالدؓ کا سب سے کڑا مقابلہ کیا۔

سلسلۂ کوہستان سلمیٰ کے بارے میں — جو قصبۂ حائل سے جنوب مشرق میں ۴۰ میل کے فاصلے پر واقع سیاہ رنگ کی اوبڑکھابڑ پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا نام سلمیٰ امّ زمل کے نام پر رکھا گیا تھا۔ ۔ ۔ ایک نادر عورت کے لئے مناسب خراج عقیدت، ایک ایسی عورت جس میں اپنے دور کے سب سے بڑے سپاہ گر کے سامنے ڈٹ جانے اور اس سے جنگ کرنے کی ہمت تھی اور جس نے لڑتے لڑتے اپنی جان دی۔

جنگ ظفر اکتوبر ۶۳۲ء کے آخری ایام (رجب ۱۱ھ کے اواخر) میں لڑی گئی۔ کچھ دن تو خالدؓ نے اپنے سپاہ کو ستانے کی مہلت دی۔ پھر انہوں نے مالک بن نویرہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بطاح کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔

⁂

مہم ارتداد کا پہلا دور سلمیٰ کی موت کے ساتھ ختم ہوگیا۔ شمال وسطی عرب کے وہ نمایاں قبیلے جنھوں نے طلیحہ کے چیلوں کی حیثیت سے اسلام کے خلاف بغاوت کی تھی، اب شکست کھا کے تابع ہو چکے تھے اور ان کے قائدین یا تو قتل یا گرفتار ہو گئے تھے یا بھاگ گئے تھے۔ اس کے بعد دوبارہ اس علاقے میں کسی باغی سردار نے سر اٹھایا۔

تاہم ابھی ایک شخص باقی تھا جو مسلمانوں کے لئے پریشانی کا باعث ہوا تھا اور جو اصل میں قبائلی سردار سے زیادہ ڈاکوؤں کا ایک سرغنہ تھا۔ اس شخص کا نام ایاس بن عبد ملیل تھا لیکن عرف عام میں اسے الفجاءۃ کہتے تھے۔ وہ قسمت آزما جگت باز تھا۔

جب خالدؓ بزاخہ کے مقام پر مقبوضات کے بندوبست میں مصروف تھے تو لگ بھگ

اسی وقت الفجاءۃ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا۔ "میں مسلمان ہوں" اس نے کہا "آپ مجھے ہتھیار مہیا کردیں تو میں کفار کے خلاف جنگ کروں گا۔"[1]

حالات کے مدنظر حضرت ابوبکرؓ یہ پیش کش سن کر ظاہر ہے خوش ہوئے اور اسے ہتھیار مہیا کر دئے۔ پھر اس آدمی نے مدینے سے رخصت ہو کر رہزنوں کی ایک ٹولی منظم کی اور غیر محتاط مسافروں کو لوٹنے لگا، جن میں سے کئی مارے بھی گئے۔ ان مسلح رہزنوں نے مکے اور مدینے کے مشرق میں واقع علاقے کو اپنی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا رکھا تھا، اور الفجاءۃ کے ہاتھوں مسلمان اور کفار یکساں پریشان تھے۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے الفجاءۃ کی لوٹ مار کے بارے میں سنا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس دغابازی کے لئے اسے عبرت ناک سزا دیں۔ انہوں نے اس کو زندہ گرفتار کرلانے کے لئے ایک فوجی دستہ بھیجا، اور چند روز بعد وہ اس قزاق کو زنجیروں میں مدینے لے آیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ مسجد کے سامنے ایندھن کا انبار لگایا جائے۔ جب اس حکم کی تعمیل ہوگئی تو ایندھن کے انبار کو آگ لگادی گئی۔ جب لکڑیاں چٹخنے لگیں اور شعلے آسمان کی طرف اُٹھنے لگے تو الفجاءۃ کو، جو بدستور زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، آگ میں پھینک دیا گیا۔

جب حضرت ابوبکرؓ قریب المرگ تھے تو انہوں نے بعض امور کے بارے میں تاسف کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ تین چیزیں انہوں نے ایسی کیں جو کاش کہ انہوں نے نہ کی ہوتیں، اور تین چیزیں ایسی نہ کیں جو کاش کہ انہوں نے کی ہوتیں۔ ان باتوں میں سے ایک کا تعلق الفجاءۃ سے تھا۔ "کاش کہ" حضرت ابوبکرؓ نے کہا "میں نے الفجاءۃ کو فی الفور قتل کردیا ہوتا اور اسے زندہ جلایا نہ ہوتا!"[2]

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۹۲

[2] طبری: جلد ۲ صفحہ ۶۱۹۔ بلاذری: صفحہ ۱۱۲۔ مسعودی: مروج، جلد ۲، صفحہ ۳۰۴

۱۴

کھوٹے رہنما

بنو یربوع کا کنبہ بنو تمیم کے طاقتور قبیلے کا، جو بحرین سے آگے عرب کے شمال مشرقی علاقے میں آباد تھا، ایک بڑا جزو تھا، جس کا سردار مالک بن نویرہ تھا۔ فارس کے پڑوس میں ہونے کے باعث بنو تمیم کے کچھ لوگوں نے زرتشت مذہب قبول کر لیا تھا۔ لیکن مجموعی طور پر یہ قبیلہ اسلام کی آمد تک بت پرست ہی رہا۔ مالک کے کنبے کا مرکز بطاح تھا۔[1] (نقشہ ۲ دیکھئے)

مالک ایک عالی نسب سردار تھا جو اپنی سخاوت اور مہمان نوازی کے لئے مشہور تھا۔ وہ اپنے گھر کے باہر تمام رات روشنی جلائے رکھتا تھا تاکہ وہاں سے گزرنے والے ہر مسافر کو معلوم ہو جائے کہ یہاں اس کے قیام اور کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ رات کو اٹھ کر وہ اپنی تسلی کرتا کہ روشنی ٹھیک جل رہی ہے۔ وہ ایک نہایت وجیہہ مرد تھا، جس کے سر کے بال گھنے اور جس کا چہرہ بقول ایک معاصر کے "مانند ماہتاب تھا۔"[2] وہ ہتھیاروں کے استعمال میں ماہر، ہمت و شجاعت کے لئے مشہور، اور ساتھ ہی ایک باکمال شاعر بھی تھا۔ لہٰذا مالک میں وہ تمام اوصاف تھے جو اہل عرب

---

[1] اب بطاح کی حیثیت ایک چھوٹی سی بدو بستی سے زیادہ نہیں ہے، جو موجودہ رس کے جنوب، جنوب مغرب میں ۱۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس بستی میں کچھ ایسے آثار ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کبھی کوئی کافی بڑا مقام تھا۔

[2] بلاذری: صد ۱۰۸

ایک کامل مرد میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے پاس سب ہی کچھ تھا!

لیلیٰ، المنہال کی بیٹی تھی اور بعد میں یہ ام تمیم کہلائی۔ دلوں کو بے قرار کر دینے والی اس حسینہ کا عرب کی خوبصورت ترین دوشیزاؤں میں شمار تھا، اور اس کے قیامت خیز حسن وجمال کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ اس کی شہرت کا باعث بالخصوص اس کی دلفریب آنکھیں اور اس کی دلکش ٹانگیں تھیں۔ اس کے پاس بھی سب ہی کچھ تھا![1]

جب وہ سن بلوغ کو پہنچی تو اس علاقے کے سب ہی بانکے جوان اس کا پیچھا کرنے لگے، لیکن اس نے ہر خواستگار کو ٹھکرا دیا۔ پھر اس کی ملاقات مالک سے ہوئی جس کے ساتھ مل کر وہ تاریخ کے صفحات میں جگہ حاصل کرنے والی تھی۔ مالک نے لیلیٰ سے شادی کر لی۔ اس طرح مالک کے قابل رشک امتیازات میں ایک ایسی بیوی کا بھی اضافہ ہو گیا جس کا شمار اپنے دور کی حسین ترین عورتوں میں تھا۔

مالک بن نویرہ کے پاس بلاشبہ سب ہی کچھ تھا، یعنی ایمان کے سوا سب کچھ!

سالِ وفود کے دوران جب قبیلۂ بنو تمیم نے اسلام قبول کیا تو مالک بھی مقبول عام روش کا ساتھ دے کر مسلمان ہو گیا۔ مالک کے اپنے قبیلے میں امتیازی حیثیت اور اس کی مسلمہ صلاحیتوں کے پیش نظر، نبی کریمؐ نے اسے بنو حنظلہ کا عامل مقرر کر دیا۔ اس کی سب سے اہم ذمہ داری زکوٰۃ اور دوسرے محصول جمع کر کے انھیں مدینے بھجوانا تھا۔

مالک نے کچھ عرصے تک یہ فرائض دیانتداری اور مستعدی کے ساتھ سرانجام دیئے۔ پھر آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ کی وفات کی خبر بُطاح پہنچی تو مالک عین اس وقت بہت کافی محصول جمع کر چکا تھا، جسے ابھی مدینے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اپنی بیعت کو بالائے طاق

---

[1] اصفہانی: جلد ۱۴، صفحہ ۶۵۔ "کہا جاتا ہے کہ اس کی ٹانگوں سے زیادہ خوبصورت ٹانگیں کبھی کسی کے دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔"

رکھ کر اس نے فوراً تجوریاں کھول دیں، اور زکوٰۃ اور محصول ادا کرنے والوں کو ان کی رقمیں واپس لوٹا دیں۔ "اے بنو حنظلہ!" اس نے اعلان کیا "اب تم اپنی دولت کے مالک ہو۔"[1] مالک اس طرح ارتداد میں شریک ہو گیا۔

⁂

سجاح، الحارث کی بیٹی تھی۔ وہ سرداروں کے ایک گھرانے میں پیدا ہوئی تھی، اور اس میں قیادت، شخصیت اور فہم و فراست کی ایسی خوبیاں تھیں جو بہت کم عورتوں کے حصے میں آتی ہیں۔ اس میں غیب دانی کا بھی مادّہ تھا اور وہ مستقبل کے واقعات کی پیشین گوئی کرتی۔ اس کے علاوہ وہ اتنی قادر الکلام شاعرہ تھی کہ اس کی ہر بات تقریباً شعر کے سانچے میں ڈھل کر نکلتی۔ جب لوگ اس سے بات کرتے تو وہ انھیں مقفّیٰ جواب دیتی۔

سجّاح کا جو بعد میں امِّ سادرہ کے نام سے معروف ہوئی تھی رشتہ باپ کی طرف سے بنو یربوع کے ساتھ نکلتا تھا اور اس لحاظ سے وہ مالک بن نویرہ کی عزیزہ تھی۔ لیکن اپنی ماں کی طرف سے وہ تغلب سے جو عراق میں آباد ایک وسیع مجمع القبائل (ربیعہ) کا ایک قبیلہ تھا، تعلق رکھتی تھی۔ سجّاح کی زندگی کا بیشتر حصّہ تغلب کے درمیان گزرا۔ یہ قبیلہ عیسائی مذہب کا پیرو تھا، اور اپنی ماں کے زیر اثر سجاح بھی عیسائی ہو گئی۔ لیکن، جیسا کہ ہم دیکھیں گے، سجّاح اور تغلب کے دیگر بہت سے افراد پر عیسائیت کی گرفت ڈھیلی ہی تھی۔

جب ارتداد پھیلنا شروع ہوا تو سجّاح نے سنا کہ طلیحہ اور مسیلمہ نے اپنی اپنی نبوّت کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے زرخیز تخیل میں ان جھوٹے دعووں سے ایک نئے امکان کا تصور پیدا ہوا۔ پیغمبری مردوں تک کیوں محدود رہے؟ عورت نبوّت کے مقدّس رشتے میں کیوں نہ داخل ہو؟ چونکہ قسمت آزمائی کا شوق اس کی فطرت میں داخل تھا وہ اس ترغیب کی تاب نہ لا پائی۔

---

[1] بلاذری: صفحہ ۱۰۷

"میں ایک نبیّہ ہوں!" اس نے اعلان کیا، اور چند برمحل اشعار سے اس دعوے کی وضاحت کی۔

بڑے تعجب کا مقام ہے کہ اس کی ماں کے قبیلے کے اکثر لوگوں نے اسے نبیّہ مان لیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ وہ کبھی عیسائی بھی رہے تھے۔ اس نے مسلح مریدوں کی ایک بڑی تعداد جمع کی، اور عرب علاقے میں داخل ہوگئی، جہاں اس کے باپ کا قبیلہ بھی اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگیا۔ بلاشبہ اس کی پیروی کرنے والے بزرگان قبیلہ اور دوسرے رشتہ داروں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے اس کا ساتھ مالِ غنیمت کے لالچ میں دیا اور اس لئے بھی کہ اس طرح انھیں شمال مشرقی عرب کے بعض قبیلوں سے، جن کی ان کے ساتھ پرانی نسلی عداوتیں تھیں، پرانے بدلے چکانے کا موقع مل جائے۔

پیرو اکٹھا کر لینے کی کامیابی میں مگن سجّاح ایک خاصی بڑی فوج لے کر الحزن[1] پہنچی جہاں سے اس نے اپنے عزیز مالک بن نُویرہ کے ساتھ ایلچیوں کا تبادلہ کیا اور باہمی معاہدے کی یہ تجویز پیش کی: وہ ان قبائل کے خلاف جو ان کے مشترکہ خاندانی دشمن تھے مل کر جنگی کارروائی کریں گے۔ اور اس کے بعد مدینے کی اسلامی حکومت کے خلاف متحد ہو کر جنگ کریں گے۔ مالکؔ کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ بنو یربوع کے رقبوں پر چڑھائی کرنے کے ارادے نہیں رکھتی، اس نے اعلان کیا کہ "میں بنو یربوع کی محض ایک عورت ہوں۔ یہ علاقہ تمہارا ہے۔"[2]

مالک نے سجّاح کی تجویز منظور کرلی اور اس کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ لیکن اس نے سجّاح کے

---

[1] حزن کے محل وقوع کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم، حائل کی مقامی روایت کے مطابق اس کا وہی محل وقوع ہے جو سمیرا اور بطاح کے درمیان واقع علاقہ حزم کا ہے۔ یہ بات یاقوت کے اس بیان کے مطابق نظر آتی ہے کہ یہ مقام بطاح کے نزدیک واقع تھا۔ (جلد: ۱، صفحہ ۶۶۱)

[2] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۹۶

جنگی جوش کو کچھ ٹھنڈا کیا اور اسے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے باز رکھا۔ یہ جون ۶۳۲ء کا واقعہ ہے۔

مالک اور سجاح کی ملحق فوجیں اب ان بدنصیب قبائل پر ٹوٹ پڑیں جنھوں نے بنو تمیم اور تغلب کو ناراض کر رکھا تھا۔ اس جنگی کارروائی کا کوئی مذہبی پہلو نہیں تھا۔ اس کے بنیادی محرکات انتقام اور لوٹ کی حرص تھے۔ مزاحمت کرنے والے ہر قبیلے کو لڑائی میں زیر کر کے لوٹا گیا۔ باہمی معاہد کی رُو سے مالک جبلی نبیہ کا شریک کار تھا۔ اور ان حملوں میں مالک کے چیلوں نے سجاح کے مریدوں کا ساتھ دیا۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ مالک نے بذاتِ خود لوٹ مار کی کارروائیوں میں حصہ نہیں لیا۔

پھر سجاح نے نباج پہنچ کر وہاں کے گرد و نواح کو لوٹنا شروع کر دیا۔[1] مگر یہاں اسے کامیابی کا منہ دیکھنے کو نہ ملا۔ اس علاقے کے سب خاندان اس خوفناک خاتون کے ڈر سے متحد ہو کر اس سے مقابلے کے لئے تیار ہوئے۔ جب جنگ کی نوبت آئی تو ہار سجاح ہی کی ہوئی۔ حالانکہ یہ شکست فیصلہ کن ہرگز نہیں تھی۔ اس کے چند اہم افسر اس کے رقیبوں کے ہاتھ لگ گئے، جنہوں نے ان کی رہائی کے لئے یہ مطالبہ کیا کہ سجاح پہلے عہد کرے کہ وہ بناج کے علاقے سے نکل جائے گی۔ سجاح نے یہ شرط مان لی۔

تب اس کے پیرو قبائل کے بزرگ اپنی جبلی نبیہ کے گرد جمع ہوئے اور اس سے پوچھا "اب کدھر کو؟"

"یمامہ کو" سجاح نے جواب دیا۔

"لیکن اہلِ یمامہ بہت طاقتور ہیں" انہوں نے کہا "اور ان کا سردار مسیلمہ بہت مضبوط آدمی ہے"

---

[1] نباج آجکل نبقیہ کہلاتا ہے (وہاں کے باشندے اسے نبجیہ بھی کہتے ہیں) اور یہ بریدہ کے شمال مشرق میں ۴۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اب یہ ایک گاؤں ہے، اس زمانے میں مگر وہ ایک خاصا بڑا قصبہ تھا۔

"یمامہ کو" سجاح نے دوبارہ کہا اور پھر شاعری پر اتر آئی :

یمامہ کو بڑھے چلو!

بادپرواز کبوتروں کی مانند

جہاں رن پڑا ہے گھمسان کا

اور کوئی حرف تم پر نہ آئے گا

یمامہ کو بڑھے چلو![1]

❊

ان تمام دشمنان اسلام میں سے جو نئی اسلامی ریاست کے وجود کو مٹانے کے درپے ہوئے مسیلمہ کذاب سب سے خطرناک تھا۔ وہ بنو حنیفہ کے ایک فرد، حبیب، کا بیٹا تھا، اور یمامہ کے علاقے میں آباد بنو حنیفہ کا عرب کے سب سے بڑے قبائل میں شمار تھا۔

مسیلمہ تاریخ کے منظر عام پر سب سے پہلے، سالِ وفود، کے دوران ۹ھ کے اواخر میں نمودار ہوا۔ جب وہ بنو حنیفہ کے ایک وفد کے ہمراہ مدینے آیا۔ اس وفد میں دو اور ایسی معروف ہستیاں شامل تھیں جو آگے چل کر مسیلمہ اور اس کے قبیلے پر گہرا اثر ڈالنے والی تھیں۔ ایک مسیلمہ کو اقتدار حاصل کرنے میں مدد دے کر اور دوسری قبیلۂ بنو حنیفہ کو تباہی سے بچا کر۔ یہ اشخاص بالترتیب نہار الرجال بن عنفوہ[2] اور مجاعہ بن مرارہ تھے۔

متذکرہ وفد مدینے پہنچا تو اونٹوں کو ایک مسافر خانے میں باندھا گیا، اور مسیلمہ ان کی نگہداشت کے لئے وہیں رک گیا۔ وفد کے دوسرے ارکان نبی کریمؐ کے پاس آگئے۔ انھوں نے آنحضرتؐ سے بات چیت کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے۔ نبی کریمؐ نے اپنے حسب دستور ان ارکان کو

---

[1] طبری: جلد، صفحہ ۴۹۸

[2] ابتدائی دور کے بعض مورخین نے اس شخص کا نام رحال بتایا ہے۔

تحفے تحائف دیئے۔ اور جب انہوں نے یہ تحفے قبول کئے تو ان میں سے ایک شخص نے اشارتاً کہا "ہم اپنے ایک ساتھی کو اپنے اونٹوں کی دیکھ بھال کے لئے مسافر خانے میں چھوڑ آئے ہیں!" آنحضرتؐ نے انھیں اس کے لئے بھی تحائف دیئے، اور ساتھ ہی آپ نے کہا "وہ تم میں سے کمتر نہیں ہے جو پیچھے رہ کے اپنے ساتھیوں کے مال کی حفاظت کرے"[1] ان الفاظ کو بعد میں مسیلمہ نے اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا۔

مدینے سے واپس آکر اس وفد نے اسلام کا پیغام آگے بڑھایا اور بنو حنیفہ کے درمیان دین کو قائم کیا۔ پورے قبیلے نے اسلام قبول کیا۔ یمامہ میں مسجد کی تعمیر کی اور باقاعدہ نماز پڑھنے لگے۔

اسی طرح کچھ مہینے گزر گئے، لیکن مسیلمہ اپنے عقیدے سے پلٹ گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے لوگوں کو جمع کیا اور پیغمبر اسلامؐ کا حوالہ دے کر ان سے یوں مخاطب ہوا: "مجھے اس معاملے میں ان کا حصہ دار بنایا گیا ہے۔ کیا انہوں نے ہمارے نمائندوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں کسی سے کمتر نہیں ہوں؟ اس کا صرف یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ وہ جانتے تھے کہ میں اس معاملہ میں ان کا حصہ دار ہوں"[2] (معاملہ سے اس کی مراد نبوّت تھی)۔

پھر اس نے مجمع کو اپنے عجیب و غریب شعبدے دکھا کر چکا چوند کر دیا۔ وہ بڑے کمال کا بازی گر تھا اور ایسے شعبدے دکھا سکتا تھا جو پہلے کوئی نہ کر پایا تھا۔ وہ سابوت انڈے کو بوتل میں داخل کر سکتا تھا۔ وہ ایک پرندے کے پروں کو کاٹ کر ایسے انھیں واپس چپکا سکتا تھا کہ وہ پھر اڑنے لگتا تھا۔ اس نے ان شعبدوں کو معجزوں کی شکل میں پیش کر کے لوگوں کو قائل کرنا شروع کیا کہ واقعی اس میں کوئی خدائی قوت ہے۔ وہ مجموں کے سامنے پیغمبروں کے سے لب و لہجہ کے ساتھ تقریر کرتا اور شعر کہہ کر انھیں وحی قرار دیتا۔ اس کے اکثر اشعار قریش پر اس کے قبیلے، بنو حنیفہ، کی برتری

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۵۷۶، ۵۷۷

[2] ایضاً

جتاتے تھے۔ بہرحال بعض اشعار بالکل ہی خوب تھے: مثلاً

اللہ نے میری دانائی کو برکت دی ہے۔

یہ اس بڑی زوردار ہوا کی طرح تیز ہے

جو معدے اور انتڑیوں کے بیچ سے چلتی ہے۔[۱]

لوگ اس کی دانائی سے متحیر ہوئے۔ جوق در جوق اس کے پاس آئے۔ اور عجب بات یہ ہے کہ انہی لوگوں نے محمدؐ کی رسالت الٰہی پر نہ کبھی شک کیا نہ بحث کی۔ انھوں نے آنحضرتؐ کو رسولِ خدا تسلیم کیا۔ لیکن ساتھ ہی مسیلمہ کو ہمرکاب پیغمبر سمجھا۔ اور اتنا ہی مسیلمہ کا دعویٰ تھا!

مسیلمہ کا اثر اور اقتدار بتدریج بڑھتا گیا۔ اور پھر ایک روز، سنہ ۱۰ھ کے اواخر میں اس نے آنحضرتؐ کو لکھا:

"منجانب مسیلمہ، رسول اللہ، بجانب محمد، رسول اللہ۔ السلام علیکم۔ مجھے اس معاملے میں آپ کے ساتھ حصہ دیا گیا ہے۔ آدھی زمین ہماری ملکیت ہے اور آدھی قریش کی۔ لیکن قریش اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔"

اس کے جواب میں نبی کریمؐ نے مسیلمہ کو لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ منجانب محمد، رسول اللہ، بجانب مسیلمہ کذّاب اس پر سلام جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی۔ یاد رکھو زمین اللہ کی ہے۔ وہ اسے اپنے بندوں میں سے جس کو پسند کرتا ہے، دیتا ہے۔ آخرت متقین کے لئے ہے۔"[۲]

جعل ساز مسیلمہ اس کے بعد سے کذّاب (یعنی ازحد جھوٹا) مشہور ہو گیا۔

اب نہار الرجّال، جس کا بنو حنیفہ کے ایک رکن کی حیثیت سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، میدان

---

[۱] ابن ہشام: جلد ۲ صفحہ ۵۷۶، ۵۷۷

[۲] ابن ہشام: جلد ۲ صفحہ ۶۰۰، ۶۰۱

میں آگیا۔ جب متذکرہ وفد کے دیگر ارکان واپس لوٹے تھے تو یہ شخص مدینے میں رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو نبی کریمؐ کے ساتھ وابستہ کر کے اسلام کے بارے میں ان سے بہت کافی معلومات حاصل کی تھی۔ اس نے قرآن کو سیکھا اور نبی کریمؐ کے ایک قریبی اور معزز صحابی کی حیثیت سے اس کا وقار بڑھ گیا۔ چند ہی ماہ کے عرصے میں اس نے اپنے لئے ایک متقی اور نیک مسلمان کا قابلِ رشک نام پیدا کر لیا، اور اس حیثیت سے وہ تقریباً سارے عرب میں مشہور ہو گیا۔

جب فتنۂ مسیلمہ کے فروغ کی اطلاعات زیادہ تشویشناک آنے لگیں تو نبی کریمؐ نے کذّاب کے اثر کو روکنے کی تدابیر پر غور شروع کیا۔ چونکہ یمامہ اتنی دور تھا کہ اس کے خلاف جنگی کارروائی مشکل تھی، آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ اس علاقے کے لوگوں کے درمیان مسیلمہ کے خلاف کام کرنے کے لئے کسی کو بھیجا جائے۔ اور بظاہر اس کام کے لئے رجّال سے بڑھ کر کون موزوں ہو سکتا تھا؟ وہ بنو حنیفہ کا ایک سردار تھا، اس نے قرآن سیکھ لیا تھا، اور اس نے نبی کریمؐ کے قدموں میں بیٹھ کر دانائی اور فضیلت حاصل کی تھی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے رجّال ہی کو مسیلمہ کا فتنہ مٹانے کے لئے یمامہ بھیجا۔

لیکن اس بدمعاش نے یمامہ پہنچتے ہی اعلان کر دیا کہ مسیلمہ واقعی نبی ہے: "میں نے محمدؐ کو یہی کہتے سنا ہے" اس نے جھوٹا دعویٰ کیا۔[1] اور اس معزز صحابی کے الفاظ پر کون شبہ کر سکتا تھا۔ مسیلمہ کے لئے اس غدّار کی آمد ایک غیر متوقع نعمت ثابت ہوئی، اور بنو حنیفہ بڑی تعداد میں رسول اللہ مسیلمہ، کی بیعت کرنے کو آئے!

مسیلمہ اور رجّال نے اب ایک فاسد اور منحوس اشتراک قائم کر لیا۔ مسیلمہ رجّال کا دست راست بن گیا۔ اور کذّاب اس سے مشورہ کئے بغیر کوئی اہم فیصلہ نہیں کرتا تھا۔

نبی کریمؐ کی وفات کے ساتھ ہی مسیلمہ کو بنو حنیفہ پر مکمل بالادستی حاصل ہو گئی۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۵

مسیلمہ کے پاس لوگوں کے غول کے غول آئے اور اس نے خود اخلاقی اور مذہبی امور کے بارے میں اپنے قواعد و ضوابط وضع کرنے شروع کر دیئے۔ اس نے شراب کو حلال قرار دیدیا۔ اس نے یہ حکم بھی جاری کیا کہ جب کوئی مرد ایک لڑکا پیدا کرے تو وہ اس وقت تک عورتوں سے الگ رہے جب تک اس کا بیٹا زندہ رہے۔ لیکن بیٹے کی موت کی صورت میں دوسرا لڑکا پیدا ہونے تک عورتیں اس کے لئے پھر جائز تھیں۔

مسیلمہ کی قوم یقین کرنے لگی کہ وہ معجزانہ قوتوں کا مالک ہے اور رحال نے اس تصوّر کو عام کرنے میں مدد دی۔ ایک موقع پر رحاّل نے مسیلمہ کو مشورہ دیا کہ وہ ہر نوزائیدہ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا کرے۔ جس طرح رسول اللہ محمدؐ متبرکاً کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق احکامات جاری کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سے یمامہ میں پیدا ہونے والا ہر بچہ مسیلمہ کے پاس لایا جاتا تھا کہ وہ اس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ جب یہ بچے بالغ ہوئے تو ان میں سے نہ کسی مرد نہ کسی عورت کے سر پر ایک بال رہا! لیکن ظاہر ہے یہ بات مسیلمہ کی موت کے بعد ہی منظر عام پر آئی۔ اس طرح کی بہت سی اور مثالیں ہیں جن میں مسیلمہ نے آنحضرتؐ کے افعال کی نقالی کی اور ان کے الٹ اور مصیبت ناک نتائج برآمد ہوئے۔

اگرچہ تمام بنو حنیفہ نے مسیلمہ کی پیروی کی، سب کے سب اس کی پیغمبری کے قائل نہیں تھے اور ذہین افراد کا تو یقیناً ایسا کوئی عقیدہ نہ تھا۔ بعض لوگوں نے سیاسی مصلحت یا ذاتی ترقی کے لئے اسے تسلیم کیا۔ اور بہتروں کو قبائلی عصبیت نے آمادہ کیا۔ ایک دن مسیلمہ نے اذان دینے کے لئے ایک نئے آدمی حجیر بن عمیر کو مؤذن مقرر کیا، جو شکی تھا۔ اس کے عوض کہ وہ احکام کے مطابق اذان کے ان الفاظ میں کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کا رسول ہے" محمدؐ کی بجائے مسیلمہ کا نام لیتا، نئے مؤذن نے بلند آواز میں اذان دیتے ہوئے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"[1]

---

[1] بلاذری: صفحہ ۱۰۰

ایک دفعہ ایک شخص — ایک تیز فہم شخص — جس نے پیشتر ازیں مسیلمہ کو کبھی نہیں دیکھا تھا' اس مکار سے ملاقات کرنے آیا۔ جب وہ مسیلمہ کے گھر کے دروازے پہ پہنچا تو اس نے پہریدار سے پوچھا "مسیلمہ کہاں ہے؟" "خاموش!" پہریدار نے جواب دیا" وہ اللہ کے رسول ہیں۔" "میں جب تک اس سے ملاقات نہیں کر لیتا اسے رسول نہیں مانوں گا۔" اس ملاقاتی نے، جس کا نام طلحہ تھا، زور سے کہا۔

ملاقاتی مدعیٔ باطل سے ملا" کیا تم مسیلمہ ہو؟" اس نے دریافت کیا۔

"ہاں۔"

"تمہارے پاس کون آیا ہے؟"

"رحمٰن۔"

"روشنی میں یا اندھیرے میں؟"

"اندھیرے میں۔"

"میں گواہی دیتا ہوں" طلحہ نے صاف صاف کہا" کہ تم کھوٹے ہو اور محمدؐ کھرے ہیں۔ تاہم ہمارے قبیلے کا ایک کھوٹا نبی قریش کے ایک سچے نبی سے زیادہ قابل قبول ہے۔"[1] یہ شخص بعد میں مسیلمہ کے دوش بدوش لڑا اور مارا گیا۔

دیکھنے میں مسیلمہ ہیبت ناک تھا۔ وہ پستہ قد کا مگر انتہائی توانا شخص تھا جس کی رنگت زرد، آنکھیں چھوٹی اور ملتی اور ناک چپٹی تھی۔ وہ نہایت بدصورت تھا۔ لیکن جیسا کہ اکثر بدصورت اور بدکار مردوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس میں عورتوں کے لئے بے پناہ کشش تھی۔ وہ اس سے انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ ایسا باکمال اور بے دریغ شہوت پرست تھا کہ اس کے ساتھ خلوت میں موجود کوئی عورت اس کی عصب کی کشش اور رسائی کی تاب نہ لا پاتی تھی۔

---

[1] طبری: جلد، صفحہ ۵۰۸

لیکن جب جھوٹی نبیہ سجاح یمامہ کی جانب روانہ ہوئی تو اس کو مسیلمہ کی پہلودار شخصیت کے اس پہلو کا علم نہیں تھا۔ وہ جلد ہی سیکھ جانے والی تھی!

☆

سجاح نے اپنی فوج کے ساتھ یمامہ کی جانب کوچ کیا تو مسیلمہ کو اس کی اطلاع مل گئی اور وہ پریشان ہوا، کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ سجاح کے عزائم کیا ہیں، مخاصمانہ یا دوستانہ۔ وہ یقیناً اس کی فوج کو جنگ میں شکست دے سکتا تھا۔ لیکن مغرب میں کچھ فاصلے پر عکرمہ نے اپنے جیش کے ڈیرے ڈال رکھے تھے، اور مسیلمہ کئی ہفتوں سے مسلمانوں کی پیش قدمی کا منتظر تھا۔ اگر کہیں عکرمہ اس وقت حملہ کر دے جب وہ سجاح کی فوج کے ساتھ جُٹا ہوا ہو، تو اس کی حالت بیحد نازک ہو جائے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس کو بیک وقت دو دشمنوں سجاح اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ہوتا۔ چنانچہ مسیلمہ نے طے کیا کہ سجاح کو اپنی طرف مائل کر کے اس کی مخالفت کو بے اثر کر دیا جائے۔ وہ اس سے نمٹنے کی ترکیب جانتا تھا: وہ اس کے ساتھ وہی ہتھکنڈے چلا سکتا تھا جس سے وہ دوسری عورتوں کو زیر کیا کرتا تھا۔ آخر یہ فن تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

اس نے سجاح کو کہلا بھیجا کہ وہ اپنے سپاہ ساتھ نہ لائے۔ کیونکہ ان کی یمامہ میں کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ بس اکیلی ہی گفت وشنید کے لئے آجائے۔ چنانچہ سجاح اپنی فوج کو پڑاؤ میں چھوڑ کر خود صرف ۴۰ سپاہی لے کر مسیلمہ کذاب سے ملنے آگئی۔ یمامہ پہنچ کر اس نے قلعے کا دروازہ بند پایا، اور اس کو مسیلمہ کی یہ ہدایت ملی کہ اپنے آدمیوں کو باہر چھوڑ دو اور تنہا اندر آجاؤ۔ سجاح مان گئی، اور اپنے ۴۰ چیلوں کو اپنی واپسی کا انتظار کرنے کو ایک خیمہ گاہ میں چھوڑ کر قلعے میں داخل ہو گئی۔

مسیلمہ نے اس کے لئے اپنے گھر کے صحن میں ایک کشادہ خیمہ نصب کروا رکھا تھا۔ چونکہ موسم سرد تھا، اس نے سجاح کا خیمہ گرم رکھنے کا ایسا بندوبست کر دیا کہ وہ اس میں بڑے آرام سے رہ سکے۔ اور اس خیمے کے اندر اس نے ایسی معطر دھونی کا انتظام کیا کہ اس کا اثر سجاح کے حواس پر اس کی خواہش کے

مطابق ہو۔ یہ اثر سجاح کو اپنے تمام حجابوں سے آزاد کرنے والا تھا۔

وہ اس خیمے میں داخل ہوئی۔ کچھ دیر بعد مسیلمہ بھی اندر آگیا۔ دونوں اکیلے تھے۔ مکار گفتگو شروع کرکے عورت پر اپنا جادو چلانے لگا۔ اس نے خدا اور سیاست کی باتیں کیں، اور ان مشکلوں کا ذکر کیا جو اس کو قریش کے ساتھ پیش آرہی تھیں، جو مچھلی کے سفنوں کی طرح لاتعداد تھے۔

اس تمہید کے بعد اس نے کہا "مجھے اپنے الہام سناؤ۔" "ایک عورت کو ابتداء نہیں کرنی چاہیئے۔" سجاح نے جواب دیا۔ "پہلے تم بتاؤ کہ تم پر کیا وحی نازل ہوتی ہے؟"

جب اس نے قرآن کی تلاوت کے انداز میں بولنا شروع کیا تو سجاح مرعوب ہو کر سننے لگی :

کیا تم اپنے رب کو نہیں دیکھتی ہو؟
وہ حاملہ عورتوں کے ساتھ کیا کرتا ہے؟
وہ ایک زندہ وجود کو نکالتا ہے۔
معدے اور انتڑیوں کے درمیان سے۔

"مزید کیا؟" سجاح نے بے چینی سے پوچھا۔

"مجھے اس نے آگاہ کیا ہے۔" مسیلمہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "کہ اس نے عورت کو ظرف نما بنایا ہے اور مرد کو اس کا جوڑا تاکہ اپنی مرضی کے مطابق اس کے اندر داخل ہو اور باہر نکل آئے۔ اور پھر ایک چھوٹا بروا جنا جاتا ہے!"

سجاح مسحور ہوگئی: "تم واقعی پیغمبر ہو!" اس نے مدّاحی میں کہا۔

مسیلمہ اس کے اور قریب آگیا۔ "کیا تم میرے ساتھ شادی کرنا پسند کروگی؟" اس نے پوچھا "شادی کے بعد میں اپنے اور تمہارے قبیلے کی مدد سے عربوں کو ہڑپ کر جاؤں گا۔"

"ہاں" سجاح نے جواب دیا[1] مسیلمہ کی ایک اور تسخیر ہوگئی۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۹۹

سجاح تین دن تک اس کے پاس رہی۔ اور پھر مسیلمہ نے اسے اس کی فوج کے پاس واپس بھیجدیا۔ اپنے پڑاؤ میں پہنچ کر، سجاح نے بزرگان قبیلہ کو جمع کیا۔ "میں نے حق کو پالیا ہے" اس نے اعلان کیا۔ "میں نے اسے نبی مان کر اس کے ساتھ شادی کرلی ہے۔"

بزرگانِ قبیلہ کچھ کم حیران نہ ہوئے۔ "کیا اس نے تمہیں کوئی مہر دیا ہے؟" انہوں نے دریافت کیا۔ سجاح نے اعتراف کیا کہ مہر تو اس کو نہیں ملا۔

قبیلے کے یہ بزرگ مسیلمہ کو سجاح سے ذرا بہتر جانتے تھے، اور انھیں تشویش ہوئی کہ ان کی لڑکی کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ "تو پھر اس کے پاس جاؤ" انہوں نے اصرار کیا "اور مہر لئے بغیر وہاں سے واپس نہ آؤ۔" [1]

سجاح ایک بار پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ۴۰ ساتھیوں کے ہمراہ یمامہ کی جانب چل پڑی۔ مسیلمہ نے اسے آتے دیکھا اور قلعے کا دروازہ بند کر دیا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے جھلا کر قلعے کے اندر سے پوچھا۔

"مجھے کوئی مہر تو دیجئے۔" سجاح نے قلعے کے باہر سے التجا کی۔

مسیلمہ نے لمحہ بھر غور کیا اور پھر جواب دیا۔ "میں تمہیں تمہارے پورے قبیلے کے لئے مہر دیتا ہوں۔ اپنے قبیلے کو بتادو کہ میں، مسیلمہ بن حبیب، رسول اللہ، ان نمازوں میں سے جو محمدؐ نے عائد کی تھیں، دو نمازیں معاف کرتا ہوں۔ فجر اور عشا کی نمازیں۔" [2]

یہ مہر لے کر سجاح اپنے لشکر کے پاس واپس آگئی۔

چند روز کے بعد، مسیلمہ نے سجاح کو اس غرض سے ایک ایلچی بھیجا کہ وہ اس کے قبیلے کے ساتھ ایسے بندھن قائم کرے جو اس کے صحن کے خیمے والوں سے زیادہ پائدار ہوں۔ اس نے سجاح کو سیاسی اور

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۴۹۹

[2] ایضاً

اقتصادی اشتراک کی دعوت دیتے ہوئے اس کو یمامہ کا نصف غلہ پیش کیا۔ سجاح نے انکار کر دیا۔ لیکن مسیلمہ نے اپنے ایلچی کو دوبارہ اس اصرار کے ساتھ بھیجا کہ وہ کم از کم ایک چوتھائی غلہ قبول کر لے۔ اس نے یہ پیش کش قبول کی اور عراق چلی آئی۔ یہ اکتوبر ۶۳۲ء کے تقریباً آخری ایام (رجب ۱۱ھ کے اواخر) کا واقعہ ہے جو مسیلمہ کے ساتھ عکرمہ کے تصادم سے کچھ عرصہ پہلے پیش آیا۔

القصہ مسیلمہ سجاح سے دست بردار ہو گیا اور سجاح سیاست اور پیغمبری سے دست بردار ہو گئی۔ اس نے اپنی ماں کے قبیلے میں سکونت اختیار کر کے بقیہ زندگی گمنامی میں بسر کی۔ بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا، اور لوگ اس کو ایک نیک اور پارسا مسلمان سمجھتے تھے۔ معاویہ کی خلافت کے دوران میں وہ کوفے چلی گئی۔ جہاں وہ بڑی عمر پا کر فوت ہوئی۔

۱۵

مالک بن نویرہ کا انجام

جب سلمیٰ اور اس کے ساتھیوں کا صفایا کرنے کے بعد خالدؓ نے مالک بن نویرہ کے خلاف بُطاح کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا تو انھیں چنداں خیال نہ آیا کہ اُن کی اپنی سپاہ میں سے کوئی ان کے منصوبے کی مخالفت کرے گا۔ حسبِ حکم کوچ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں لیکن جب روانگی کا وقت آیا تو سپاہ کے ایک بڑے گروہ نے چلنے سے انکار کر دیا۔

یہ انصارِ مدینہ تھے۔ ان کے بزرگ خالدؓ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ وہ بُطاح جانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ "اب آپ کا جو منصوبہ ہے" انھوں نے دعویٰ کیا "وہ خلیفہ اسلام کی ہدایات میں شامل نہیں تھا۔ ان کی ہدایات یہ تھیں کہ بُزاخہ کے مقام پر جنگ کی جائے اور اس علاقے کو ارتداد سے پاک کیا جائے۔ اس کے بعد ہمیں ان کی مزید ہدایات کا انتظار کرنا تھا۔"

خالدؓ کو اس بیان پر حیرت ہوئی۔ اور باوجودیکہ یہ گروہ بہت معزز صحابہ کا تھا، خالدؓ اس بات کے لئے ہرگز تیار نہ تھے کہ یہ ان کی کارروائی میں مخل ہو کر انھیں اس کو اپنی سمجھ کے مطابق انجام دینے سے روک دیں۔ "ممکن ہے آپ کو خلیفہ کی یہی ہدایات ہوں" انہوں نے جواب دیا "لیکن میرے لئے ان کی ہدایات یہ تھیں کہ میں کفار کے خلاف کارروائی کروں، بہرحال اس فوج کا سالار میں ہوں۔ مجھے حالات کا آپ سے بہتر اندازہ ہے۔ اگر مجھے کوئی ایسا مناسب موقع نظر آجائے جس کے لئے میرے پاس ہدایات نہیں ہیں تو بھی میں یقیناً اسے ہاتھ سے نہ

جانے دوں گا۔ اگر ہمارا کسی ایسے مقابلے سے سامنا ہو جائے جس کے لئے ہمیں خلیفہ نے کوئی ہدایات نہیں دی ہیں، تو کیا ہم اسے قبول نہیں کریں گے؟ مالک بن نویرہ وہاں موجود ہے، اور میں اس سے جنگ کرنے جاؤں گا۔ آپ مہاجرین کو اور ان دوسروں کو جو تیار ہیں میرے ساتھ آنے دیں۔ جہاں تک اوروں کا تعلق ہے، میں انھیں مجبور نہیں کروں گا۔"[1]

خالدؓ انصار کے بغیر روانہ ہو گئے۔

بمشکل ایک گھنٹہ گزرا ہو گا کہ انصار کو احساس ہوا کہ خالدؓ کی باقی فوج کے ہمراہ چلنے سے انکار کر دینے میں ان سے سنگین غلطی ہوئی ہے۔ "اگر انہیں کامیابی حاصل ہوئی تو ہم اس سے محروم رہ جائیں گے" ایک نے کہا۔ دوسروں نے کہا "اور اگر انہیں زک اٹھانا پڑی تو پھر کوئی شخص بھی ہم سے کبھی بات نہیں کرے گا۔" چنانچہ انہوں نے جلد ہی فیصلہ کر کے ایک تیز رفتار سوار کو خالدؓ کے تعاقب میں بھیجا کہ وہ ان سے جا کر کہے کہ "انتظار کیجیے، ہم آرہے ہیں!" خالدؓ نے ان کا انتظار کیا اور انھیں دوبارہ فوج میں شامل کر کے وہ پھر بُطاح کی طرف بڑھنے لگے۔

نومبر ۶۳۲ء کے پہلے ہفتے (شعبان ۱۱ھ کے وسط) میں خالدؓ جنگ کے لئے پوری طرح تیار بُطاح پہنچے۔ لیکن وہاں مزاحمت نام کی بھی نہ ہوئی۔ کہیں ایک سپاہی بھی دیکھنے کو نہ ملا۔

❖

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۱۔ اس گفت و شنید سے معلوم ہوتا ہے کہ بطاح پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ خلیفۂ اسلام کے ہمہ گیر منصوبے کا حصہ نہیں بلکہ خالدؓ کا اپنا فیصلہ تھا۔ لیکن طبری ہی کے ایک اور قول کے مطابق (جلد ۲، صفحہ ۴۸۰، ۴۸۳، ۴۸۴) خالدؓ کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی ہدایات میں یہ بات واضح طور پر شامل تھی کہ طلیحہ سے نمٹ چکنے کے بعد ان کا اگلا قدم بُطاح کے مقام پر مالک بن نویرہ کے خلاف ہو گا۔ غالباً خالدؓ کی سپاہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ خلیفہ نے ان کے سالار کو یہ فرض بھی سونپا تھا۔

جب جھوٹی نبیہ، سجاح، عرب کو چھوڑ کر عراق چلی گئی تو مالک بن نویرہ کو اسلام کے خلاف سازش میں اپنے کردار میں تذبذب ہونے لگا۔ اس نے سنا کہ اللہ کی تلوار نے کس طرح طلیحہ کی فوج کو تہس نہس کر دیا، اور اسے ان فوری اور عبرت ناک سزاؤں کی خبر بھی ملی جو خالدؓ نے مسلمانوں کے قاتلوں کو دیں۔ مالک ڈر گیا۔ سجاح کی روانگی نے اس کو ایک مضبوط ساتھی کی امداد سے محروم کر دیا تھا، اور وہ اپنے کو بے یار و مددگار بے وفائی کا شکار سمجھنے لگا۔!

اس جھوٹی نبیہ کے ساتھ معاہدہ کرنے کی سنجیدگی کا اسے اب پورا احساس ہونے لگا۔ اس کے ارتداد کا جرم واضح تھا اور اس پر بحث کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ پھر اطلاع آئی کہ خالدؓ سلمیٰ کو شکست دے کر اب بُطاح کی جانب بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ مالک دلیر آدمی تھا، لیکن خالدؓ سے جنگ کرنے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔

اپنے آپ کو بے کس اور تنہا محسوس کرتے ہوئے مالک نے فیصلہ کیا کہ تباہی سے اگر کچھ بچ سکے تو اس کو بچایا جائے۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے جرائم کا کفارہ توبہ اور اطاعت سے کرے گا۔ جو سیاسی مجبوری بھی تھی، کیونکہ وہ اس کے سوا کچھ اور کر بھی نہیں سکتا تھا۔ مالک نے بنو یربوع کے افراد کو جمع کیا اور ان سے یوں مخاطب ہوا:

"اے بنو یربوع! جب ہمارے حکمرانوں نے ہمیں دین پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی تو ہم نے ان کی نافرمانی کی۔ اور ہم نے دوسروں کو بھی ان کا حکم ماننے سے باز رکھا۔ ہم نے کوئی فلاح نہیں پائی۔

"میں نے موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا ہے۔ مجھے یہ صورت حال ہمارے قابو سے باہر ان کے حق میں جاتی نظر آتی ہے۔ ان کا مقابلہ کرنے سے بچو! اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور ان سے صلح رکھو۔"[1]

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۱ - ۵۰۲

ان احکامات کے تحت اس کے سپاہی منتشر ہو گئے۔ اس کے بعد مالک چپ چاپ اپنے گھر چلا گیا جو بطاح سے دور نہیں تھا، اور جہاں دلربا لیلیٰ اس کی تسکین کرنے کو موجود تھی۔

اپنی نیت کی بحالی کا ایک اور اظہار کرنے کے لئے مالک نے وہ تمام زکوٰۃ اور محصول جمع کیا جو مدینے کی طرف واجب الادا تھا۔ اور اسے اپنے ایلچیوں کے ہاتھ خالدؓ کے پاس بھجوایا جو ان کو راستے میں بطاح کی طرف آتے ہوئے ملے۔ خالدؓ نے ان سے محصول تو لے لیا، لیکن اسے بطور تاوان کافی نہ سمجھا، کیونکہ زکوٰۃ اور محصول بہر صورت واجب الادا تھے۔ "تمہیں سجاح کے ساتھ معاہدہ کرنے پر کس بات نے آمادہ کیا؟" خالدؓ نے ایلچیوں سے پوچھا۔ "بس صرف یہ بات تھی۔" انھوں نے جواب دیا، "ہم اپنے خاندانی دشمنوں سے قبائلی انتقام کے آرزومند تھے۔"[1]

خالدؓ نے ان ایلچیوں سے مزید کوئی پوچھ گچھ نہ کی، لیکن اپنے شکوک قائم رکھے۔ آخر ایلچیوں کے آنے میں یہ چال بھی مضمر ہو سکتی تھی کہ ان کو غلط احساسِ تحفّظ دلا کر بے خبری کے عالم میں گھات کی راہ میں لایا جائے۔ جنین کے مقام پر چھپے ہوئے دشمن کی زد میں آنے کے بعد سے خالدؓ ہمیشہ چوکس رہتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی پیش قدمی ایک مسلح دشمن کے خلاف فوجی کارروائی کے طور پر جاری رکھی۔

❋

بُطاح کو خالدؓ نے بے دفاع اور بے سپاہ پایا۔ لڑنے کو فوج ہی نہ تھی۔ بلکہ ایک فوجی گروہ تک نہ تھا۔ خالدؓ نے بُطاح پر قبضہ کر کے کچھ سوار دستوں کو تیزی سے دیہاتی علاقے میں پھیل جانے اور بنو تمیم کے مرتد کنبوں سے نمٹنے کے لئے روانہ کیا۔ ان دستوں کے

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۱-۵۰۲

افسروں کے سامنے خالدؓ نے خلیفہ اسلام کی ہدایات دہرائیں۔ کسی بھی کنبے کے پاس پہنچنے پر اذان دی جائے۔ اگر یہ کنبہ اذان کا جواب اذان سے دے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر وہ یہ نہ کرے تو اس پر حملہ کیا جائے۔

اگلے روز ضرارؓ بن الازور کی سرکردگی میں ایک رسالہ مالک بن نویرہ کے گھر پہنچا۔ ضرارؓ نے مالکؔ، لیلیٰ اور بنو یربوع کے چند سپاہیوں کو گرفتار کر لیا۔ دوسرے رسالوں کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ تمام مرتد خاندان مزاحمت کے بغیر مطیع ہو گئے۔

مالکؔ اور لیلیٰ کو خالدؓ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ مالک کی پیشی ایک باغی اور مرتد سردار کی حیثیت سے ہو رہی تھی جس پر ریاست اور اسلام کے خلاف جرائم کے الزام تھے۔ اس کا انداز بیباک تھا۔ عین اس غیور، عالی نسب سردار کی فطرت کے مطابق جو زندگی کے مصائب کو وقار سے نباہتا ہے۔ اس کا سر نیچا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خالدؓ نے بولنا شروع کیا۔ انھوں نے ان جرائم کا ذکر کیا جو مالک سے سرزد ہوئے تھے۔ اور اس نقصان پر روشنی ڈالی جو اس نے تبلیغ اسلام کو پہنچایا تھا۔ پھر خالدؓ نے اس سے کچھ سوال پوچھے۔ مالکؔ نے اپنے جواب میں نبی کریمؐ کی طرف اشارہ "تمہارا آقا" کہہ کر کیا۔ ملزم کے اس غیر تائب اور لاابالی رویے سے خالدؓ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا "کیا تم آنحضرتؐ کو اپنا آقا نہیں سمجھتے ہو؟"[1]

خالدؓ کو یقین ہو گیا کہ مالکؔ گنہگار ہے اور اپنے کفر پر قائم۔ چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ اور ضرارؓ نے مالک کو وہاں سے لے جا کر خود حکم کی تعمیل کی۔ اور یہ تھا مالک بن نویرہ کا انجام۔

لیلیٰ ایک نوجوان بیوہ بن گئی۔ لیکن زیادہ عرصے کے لئے نہیں۔ اسی رات خالدؓ نے اس کے

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۴

سا تھ شادی کرلی۔ وہ اپنے شوہر سے جدائی کا سوگ منانے ہی کو تھی کہ وہ دوبارہ دلہن بن گئی۔ اس بار اللہ کی تلوار کی۔!

جب خالدؓ نے لیلیٰ سے نکاح کے ارادے کا اعلان کیا تو بعض مسلمانوں کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ بعض تو یہ قیاس آرائی بھی کرنے لگے کہ شاید مالک فی الحقیقت کافر نہیں تھا، بلکہ دین اسلام کی طرف پلٹ آیا تھا۔ خالدؓ نے اس کے قتل کا حکم اس غرض سے دیا تھا کہ وہ لیلیٰ کو خود اپنے لئے حاصل کر سکیں۔ بالخصوص ابو قتادہؓ نے، جو ایک بلند رتبہ صحابی تھے، خالدؓ کے ساتھ نکاح کے خلاف احتجاج کیا۔ لیکن چند نپے تلے الفاظ کے ساتھ خالدؓ نے انہیں اپنی اوقات سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ ابو قتادہؓ نے اس میں اپنی سُبکی سمجھی اور خالدؓ کو خود سر ٹھہرایا۔ اس طرح خفا ہو کر وہ اگلے روز اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اسے سرپٹ دوڑاتے مدینے روانہ ہو گئے۔ دارالخلافہ پہنچ کر وہ سیدھے حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ مالک بن نویرہ مسلمان تھا اور خالد نے اسے محض اس لئے قتل کیا کہ وہ خوبصورت لیلیٰ سے شادی کر سکیں۔ یہ ابو قتادہؓ وہی تھے جنہوں نے فتح مکہ کے تھوڑے ہی عرصے بعد۔ نبی کریمؐ کے پاس پہنچ کر شکایت کی تھی کہ خالدؓ نے بنو جذیمہ کو، ان کے ہتھیار ڈال دینے کے باوجود بڑی بیدردی سے قتل کر دیا تھا۔ ان کی خالدؓ سے ناخوشی نئی نہ تھی۔

بہرکیف ابو قتادہ سے مل کر حضرت ابو بکرؓ خوش نہ ہوئے۔ خاص طور سے اس لئے کہ وہ اپنے سالار کی اجازت کے بغیر فوج کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ "فوراً اپنے معین فرض پر واپس جاؤ" خلیفہ نے حکم دیا اور ابو قتادہؓ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بطاح لوٹ آئے۔ [1]

لیکن ان کے جانے سے پیشتر ہی ان کی باتیں سارے مدینہ میں پھیل چکی تھیں۔ ان کی خبر حضرت عمرؓ کو ملی تو اچھل کر کھڑے ہو گئے اور فوراً حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے۔ "آپ نے فوج کی

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۱، ۵۰۲

قیادت ایسے شخص کو سونپی ہے۔" انہوں نے کہا "جو مسلمانوں کو قتل کرتا ہے اور آدمیوں کو زندہ جلاتا ہے"۔[1] ابوبکرؓ متاثر نہ ہوئے۔ ان کے پاس اس کی واضح شہادت موجود تھی کہ مالک نے آنحضرت کے انتقال کی خبر سن کر زکوٰۃ اور محصول کی رقم بانٹ دی تھی اور بعد میں سجاح کے ساتھ معاہدہ بھی کیا تھا۔ مالک کے ارتداد میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ جہاں تک آدمیوں کو زندہ جلانے کا تعلق تھا خلیفہ نے خود یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں کو زندہ جلانے والے مرتدین کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے۔ خالدؓ نے کسی اور کو نہیں جلایا تھا۔[2] اپنی بات جاری رکھتے ہوئے، عمرؓ نے کہا "خالدؓ کی تلوار ظلم پر اتر آئی ہے۔ اسے بیڑیاں پہنا کر وطن واپس لانا چاہیئے۔ اس آدمی کو برخاست کر دیجئے۔"

حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ ان دو عظیم آدمیوں کے درمیان قدرے رنجش ہے "اے عمرؓ!" انہوں نے سختی سے جواب دیا "خالد پر اپنی زبان مت چلاؤ، میں اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈالوں گا جسے اللہ نے کفار کے خلاف بے نیام کیا ہے"۔ اب خالد بالعموم سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کہلانے لگے تھے۔[3]

عمرؓ مگر اڑے رہے "لیکن اس دشمن خدا نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اور اس کی بیوی ہتھیالی ہے"۔[4] حضرت ابوبکرؓ معاملہ کی تحقیق کرنے پر رضامند ہو گئے۔ انہوں نے خالدؓ کو بلا بھیجا اس وقت تک خالدؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان کے حالیہ افعال سے بدگمانی پیدا ہو گئی ہے۔ انہوں نے اس فکر کو ان الفاظ کے ساتھ کندھے جھٹک کر برخاست کر دیا کہ "جو ہوتا ہے

---

[1] بلاذری: صفحہ ۱۰۷

[2] طبری: جلد ۲ صفحہ ۴۸۲

[3] جیسے پہلے کہا جا چکا ہے اس کتاب میں معنویت کے لحاظ سے خالدؓ کے عربی لقب کا عموماً اردو ترجمہ استعمال کیا گیا ہے۔

[4] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۳-۵۰۴، بلاذری: صفحہ ۱۰۷

سو اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔[1]" بہر صورت، معمولی سی تنقید نے خالدؓ کو پریشان نہ کیا۔ پھر خلیفہ کا بلاوا آ گیا کہ مدینے میں حاضری دیجیے۔ خالدؓ نے بھانپ لیا کہ یہ بلاوا ان کے خلاف الزامات سے متعلق ہے۔ اور اب وہ کچھ زیادہ متفکر ہوئے۔

مدینے پہنچ کر خالدؓ سیدھے مسجد میں گئے۔ ان ابتدائی ایام میں مسجد محض ایک عبادت گاہ نہیں تھی۔ وہ ایک مقام ملاقات، ایک مجلس خانہ، ایک مدرسہ، ایک آرام گاہ، اور تمدنی سرگرمی کا ایک مرکز بھی تھی۔ خالدؓ نے اپنے عمامے میں ایک تیر سجا رکھا تھا۔ اور اس کی بدولت وہ ذرا بانکے سے لگ رہے تھے، کیونکہ اکثر مسلمان اپنے لباس میں سادگی کو ترجیح دے کر خودنمائی کے تمام طور طریقوں سے پرہیز کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ مسجد میں موجود تھے، اور انہوں نے خالدؓ کو آتے دیکھا۔ ان کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا، اور خالدؓ کے پاس جا کر انہوں نے تیر کو ان کے عمامے سے گھسیٹ لیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ "تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اس کی بیوی کو غصب کر لیا۔" عمرؓ چلائے: "تمہیں سنگسار کرنا چاہیئے۔[2]" چونکہ خالدؓ کو معلوم تھا کہ عمرؓ کا حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کافی سے زیادہ اثر و رسوخ ہے، اور ان کو ڈر تھا کہ ممکن ہے خلیفہ کی بھی یہی رائے ہو، وہ خاموش رہے اور پلٹ کر چلے آئے۔

اس کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ سے ملنے آئے جنہوں نے ان سے جواب طلب کیا۔ خالدؓ نے انہیں ساری داستان سنائی۔ کامل غور کر کے خلیفہ اس نتیجے پر پہنچے کہ خالدؓ قصوروار نہیں ہیں۔ تاہم انہوں نے اپنے سپہ سالار کی تنبیہہ اس بات پر کی کہ اس نے لیلیٰ سے شادی کر کے اپنے کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا، اور چونکہ غلط فہمی کا بھی کچھ احتمال تھا۔ خاص طور سے

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۲

[2] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۰۴۔

اس لئے کہ بعض لوگوں کے خیال میں مالک مسلمان تھا، حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ مالک کے ورثاء کو خوں بہا ادا کیا جائے۔"

جب خالدؓ خلیفۂ اسلام کے گھر سے باہر آئے تو ان کے قدم ہلکے اور انداز بے فکر تھا۔ اب وہ پھر مسجد کی طرف چلے، جہاں حضرت عمرؓ چند دوستوں کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اس بار خالدؓ کافی مطمئن تھے اور پچھلے آداب تسلیمات کا صلہ دینے کو تیار۔ انہوں نے عمرؓ کو آواز دی "میرے پاس آ، یا ابن اُمِ شملہؓ" حضرت عمرؓ کو اندازہ ہو گیا کہ خلیفہ نے خالدؓ کو بری کر دیا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور کچھ کہے بغیر گھر کو چل دیئے۔

⁂

مالک اور لیلیٰ کا یہ معاملہ اسلامی تاریخ میں بڑی بحث و تکرار کا موضوع رہا ہے۔ ابو قتادہ جیسے ماخذوں کا حوالہ دیتے ہوئے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مالک کے کنبے نے اذان دی تھی۔ اور مالک نے گرفتاری سے پیشتر دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسروں نے کہا ہے کہ خالدؓ نے مالک کے قتل کا حکم دیا ہی نہیں تھا کہ موسم سرد تھا اور خالدؓ نے کہا تھا "اپنے قیدیوں کو گرما دو" کہ بعض مقامی بولیوں میں 'گرما دو'[۲] اور 'قتل کر دو' کا مفہوم ظاہر کرنے کے لئے ایک ہی اصطلاح استعمال ہوتی ہے کہ اس وجہ سے ضرار نے خالدؓ کے حکم کو غلط سمجھا اور جا کر مالک کو قتل کر دیا۔

اس تاریخی واقعے کی یہ روایات اغلباً صحیح نہیں ہیں۔ یہ بے جا طرفداریوں کے باعث سامنے آتی ہیں۔ ایک خالدؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ کی عداوت کی تاویل کے لئے اور

---

[۱] شملہ عربی میں کھیسے کو کہتے ہیں۔

[۲] واقعۃً اردو میں بھی 'گرما دو'، کے معنے 'گرم رکھو' سے مختلف ہی ہیں، مگر یہاں یہ محاورہ انگریزی مصدر 'ٹو وارم'، کے مفہوم سے استعمال کیا گیا ہے۔

دوسری خالدؓ کو ایک مسلمان کو قتل کرنے کے ممکنہ جرم سے بری الذمہ ٹھہرانے کے لئے۔
لیکن مالک بن نویرہ کے ارتداد اور باغیانہ سرگرمیوں میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس نے زکوٰۃ اور محصول کی رقم تقسیم کی تھی، اس نے سجاح کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور اس کے حکم کے تحت اس کے سپاہی سجاح کے ساتھ لوٹ مار میں شریک ہوئے تھے۔ تمام مؤرخین نے، بلا استثنٰی، ان واقعات کو حقائق کے طور پر بیان کیا ہے۔ میرے نزدیک اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ خالدؓ نے مالک کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، اور انہوں نے یہ حکم اس بنا، پر دیا کہ انھیں واقعی سچے دل سے یقین تھا کہ مالک مرتد اور غدار تھا۔ لیکن بعض عربوں اور یقیناً حضرت عمرؓ کے ذہن میں یہ گمان بدستور قائم رہا کہ اصل معاملہ 'ایک نفسانی جرم' کا تھا۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ اس گمان نے ایسے تقویت پائی کہ مالک کے بھائی نے ان کے پاس آکر جتایا کہ مالک کتنا عمدہ آدمی تھا اور اس کا قتل کتنا بڑا المیہ جو خالدؓ کی ہوس کی وجہ سے پیش آیا۔

القصہ بات یہ رہ جاتی ہے کہ مالک مارا گیا اور دلفریب آنکھوں اور دل کش ٹانگوں والی خوبصورت لیلیٰ خالد بن الولید کی بیوی بن گئی۔ آگے چل کر خالدؓ کو ایک روز اس عیش کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی!

۱۶

جنگِ یمامہ

جب حضرت ابوبکرؓ نے ذوالقصہ میں اسلامی سپاہ کو ۱۱ حبشیوں میں منظم کیا تو انہوں نے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو ان میں سے ایک حبش کا سالار مقرر کیا۔ عکرمہ کے لئے احکامات یہ تھے کہ وہ پیش قدمی کرکے یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کی فوجوں سے واسطہ رکھیں، لیکن جنگ میں الجھنے سے بچے رہیں۔ مسیلمہ کی طاقت اور استعداد کا ابوبکرؓ کو اپنے اکثر سپہ سالاروں سے بہتر اندازہ تھا، اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے ساتھ ناکافی قوت کے ساتھ جنگ کرنے کا خطرہ مول لیا جائے۔ چونکہ خالدؓ ان کے بہترین سپہ سالار تھے خلیفہ کا ارادہ تھا کہ جب خالدؓ دوسرے دشمنانِ اسلام کو ٹھکانے لگا چکیں تو انہیں مسیلمہ سے نمٹنے کے لئے بروئے کار لایا جائے۔

عکرمہ کو ان کا فرض سونپنے میں حضرت ابوبکرؓ کا مقصد یہ تھا کہ مسیلمہ کو یمامہ سے ہلنے نہ دیا جائے۔ عکرمہؓ کو اپنے سامنے پاکر کذاب کو مسلمانوں کے حملے کا کھٹکا لازم تھا۔ اور اس صورت میں وہ اپنے اڈے کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ مسیلمہ کے اس طرح پھنسے رہنے کی حالت میں خالدؓ یمامہ کی مداخلت کے خطرے سے آزاد رہ کر شمال وسطی عرب کے مرتد قبائل سے نمٹ سکتے تھے۔ عکرمہؓ کو اس کام کے لئے چننے میں ابوبکرؓ نے ایک دلیر جوانمرد کو منتخب کیا تھا۔ مزید براں عکرمہؓ کی بڑی تمنا تھی کہ اسلام کے لئے اپنی جاں نثاری کا ثبوت دیں اور اپنی اس شدید

عداوت کا کفارہ ادا کریں جو انہوں نے قبولِ اسلام سے پہلے نبی کریمؐ کے خلاف برتی تھی۔

عکرمہؓ نے اپنے جیش کے ساتھ پیش قدمی کر کے یمامہ کے علاقے ہی میں کہیں پڑاؤ قائم کیا۔ لیکن اس کا محل وقوع ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ اپنے اس اڈے سے انہوں نے بنو حنیفہ کی فوجوں کو زیرِ مشاہدہ رکھا اور وہیں خلیفہ کی مزید ہدایات کا انتظار کیا۔ عکرمہؓ کی موجودگی کا حسبِ منشا اثر ہوا اور مسیلمہ یمامہ سے نہ ہٹا۔ تاہم ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا یمامہ چھوڑنے کا کوئی ارادہ بھی تھا یا نہیں۔

جب عکرمہ کو خالدؓ کے ہاتھوں طلیحہ کی شکست کی خبر ملی تو وہ لڑائی شروع کرنے کے لئے بے چین ہونے لگے۔ انتظار کی گھڑیاں ان کی آتش مزاجی پر گراں گزرنے لگیں عکرمہؓ ایک نڈر آدمی اور ایک زوردار سپہ سالار تھے۔ لیکن ان میں خالدؓ کے تحمل اور غیر جذباتی تدبّر کا وہ مادّہ نہ تھا جو ایک جرّار کو ایک جلد باز سپہ سالار سے ممیز کرتا ہے۔

پھر جو خبر عکرمہ کو ملی وہ یہ تھی کہ شرحبیل بن حسنہ ان کے ساتھ آملنے کے لئے کوچ کر رہے ہیں۔ خلیفہ نے ایک جیش شرحبیل کے بھی سپرد اس حکم کے ساتھ کیا تھا کہ وہ عکرمہؓ کا پیچھا کریں اور مزید ہدایات کا انتظار کریں۔ چند ہی دنوں میں وہ عکرمہؓ کے پاس پہنچنے والے تھے۔

اس کے بعد خبر آئی کہ خالدؓ نے ملکہ صفت مردوں کی قائد سلمیٰ کی سپاہ کو کس طرح شکست دی۔ اب عکرمہ سے نہ رہا گیا۔ تمام فخر و افتخار خالدؓ ہی کو کیوں حاصل کرنے دیا جائے؟ شرحبیل کا کیوں انتظار کیا جائے؟ خود ہی مسیلمہ سے نمٹ لینے کی کوشش کیوں نہ کی جائے؟ اگر اس نے تن تنہا مسیلمہ کو شکست دے لی تو اس کے فخر و شہرت کے سامنے دوسرے تمام افراد کی کامیابیاں ماند پڑ جائیں گی۔ اور خلیفہ کے لئے بھی تو یہ ایک غیر متوقع خبر ہوگی! عکرمہ اپنے جیش کو حرکت میں لے آئے۔ یہ اکتوبر ۶۳۲ء کے اختتام (رجب ۱۱ھ

کے آخر) کا واقعہ ہے۔

چند دن بعد عکرمہ مسیلمہ کے ہاتھوں بری طرح پٹ کر اپنے پڑاؤ میں واپس آ گئے۔ گوشمالی پا کے اور پشیمان ہو کر، انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا اور انھیں اپنے اعمال کی مکمل تفصیلات دے کر اپنے انجام کی ذلت سے آگاہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کو عکرمہؓ کی جلد بازی اور متعلقہ احکامات کی خلاف ورزی کے باعث تکلیف بھی پہنچی اور غصہ بھی آیا۔ انہوں نے عکرمہؓ کو جو خط لکھا اس میں انہوں نے اپنی خفگی چھپانے کی کوشش نہ کی۔ "یا ابن ام عکرمہؓ!" انہوں نے آغاز کیا۔ (یہ ان کے باپ کی شناخت کے بارے میں شبہ ظاہر کرنے کا ایک شائستہ انداز تھا!) "مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔ ان حالات میں تمہاری واپسی سے فقط قوم کا ارادہ لپست ہوگا۔ اپنی سپاہ کو لے کر حذیفہ کی مدد کرنے عمان جاؤ۔ جونہی حذیفہ اپنا کام مکمل کر لے، عرفجہؓ کی امداد کے لئے مہرہ کی طرف کوچ کرو۔ اور اس کے بعد مہاجر کی مدد کے لئے یمن جاؤ۔ جب تک تم آئندہ آزمائشوں میں پورے نہیں اترو گے، میں تم سے بات نہیں کرونگا"[1]

جن تین افراد کی امداد کا اس طرح حکم دیا گیا ان کا شمار لشکر اسلام کے ۱۱ جیوش کے سالاروں میں تھا۔

مسیلمہ کے ہاتھوں شکست کی رسوائی اور خلیفہ کے الفاظ کی درشتی کا قلق دل میں لئے ہوئے عکرمہؓ نے اپنے جیش کے ساتھ یمامہ کو چھوڑا اور عمان کا رُخ کیا۔

شرحبیل یمامہ کے علاقے میں ٹھہرے رہے۔ اس بات کی توثیق کے لئے کہ وہ عکرمہؓ کی غلطی کا شکار نہ بنیں حضرت ابوبکرؓ نے انہیں لکھا "جہاں ہو وہیں ٹھہرے رہو اور مزید ہدایات

---

[1] طبری: جلد ۲ صفحہ ۵۰۴، ۵۰۹

منتظر رہو۔[1]

*

مالک بن نویرہ کے ورثاء کو خوں بہا ادا کرنے کا حکم دے کر، خلیفہ نے خالدؓ کو بلا بھیجا، اور انھیں یمامہ میں مسیلمہ کذّاب کی قوّت کا قلع قمع کرنے کا فرض سونپا۔ ان کے اپنے بڑے جیش کے علاوہ جیش شرحبیل بھی خالدؓ کے زیر قیادت آگیا۔ ابوبکرؓ مدینے میں انصار اور مہاجرین پر مشتمل ایک اور فوج کرید کرید کر جمع کر رہے تھے۔ اور اسے بھی خالدؓ کی افواج میں شامل ہونے کے لئے جلد ہی بطاح بھیجنے والے تھے۔ اس طرح خالدؓ کو مرکزی لشکر اسلام کی قیادت نصیب ہونے والی تھی۔

خالدؓ بطاح پہنچے جہاں ان کا پرانا جیش ان کا منتظر تھا۔ اس اثنا میں خلیفہ نے شرحبیل کو لکھا: "جب خالدؓ تمہارے ساتھ آملے تو تم اس کی زیر قیادت اپنے فرائض انجام دینا جب یمامہ کا مسئلہ حل ہو جائے تو تم اپنے سپاہ کو لے کر عمرو بن العاص کے ساتھ جا ملنا۔ اور قضاعہ کے خلاف کارروائی کرنا۔"[2] یہ وہ مرتد قبیلہ تھا جسے اُسامہ نے سرحد شام کے نزدیک شکست تو دی تھی لیکن مسخّر نہ کیا تھا۔

مدینے سے جب انصار اور مہاجرین بطاح پہنچے جہاں خالدؓ ان کے منتظر تھے تو خالدؓ نے یمامہ کی طرف کوچ کیا۔ وہ خوش تھے کہ شرحبیل کے تازہ دم سپاہ بھی ان کو دستیاب ہوں گے۔ لیکن جب خالدؓ نے ان کو اپنے زیر قیادت لیا تو وہ ایسے تازہ دم بھی نہ تھے۔ خالدؓ کے پہنچنے سے چند روز پیشتر شرحبیل بھی اسی ترغیب میں پھنس گئے تھے جس کا عکرمہ شکار ہو گئے تھے اور انہوں نے فخر و افتخار کی تلاش میں آگے بڑھ کر مسیلمہ سے

---

[1] طبری: جلد ۲، صفہ ۵۲۲

[2] ایضاً صفہ ۵۰۹

ٹکر کھائی تھی۔ اس تمام واقعے پر متاسّف، شرحبیل نے خالدؓ کے سامنے ندامت کا اظہار کیا اور انھوں نے ان کو سخت برا بھلا کہا۔

خالدؓ ابھی تک یمامہ سے کچھ دور تھے کہ ان کے جاسوس خبر لائے کہ مسیلمہ عقرباء کے میدان میں وادئ حنیفہ کے اس شمالی کنارے پر خیمہ زن ہے جہاں سے یمامہ جانے والی سڑک گزرتی تھی۔ خالدؓ اپنے دشمن کی طرف اس وادی میں سے گزر کر نہیں آنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ سڑک کو عقرباء سے مغرب میں چند میل دُور چھوڑ کر جنوب سے ایسے بڑھے کہ وہ اس اونچی زمین پر آ گئے جو قصبہ جبیلہ[1] کے بالمقابل، وادئ حنیفہ سے جنوب میں ایک میل دور اٹھتی تھی۔ اس بلند مقام سے خالدؓ پورے میدانِ عقرباء کا جائزہ لے سکتے تھے۔ اور انھوں نے دیکھا کہ اس کے آگے کی حدود میں بنو حنیفہ کا پڑاؤ پھیلا ہوا ہے۔ خالدؓ نے اونچی زمین پر اپنا پڑاؤ جما لیا۔ ان کے لشکر کی کل تعداد ۱۳۰۰۰ تھی۔

خالدؓ کو بُطاح سے روانہ ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ مسیلمہ کے کارندوں نے اسے مسلمانوں کی پیش قدمی سے مطلع کیا اور بتایا کہ یہی مرکزی لشکر اسلام ہے۔ بُطاح سے یمامہ جانے والا راستہ وادئ حنیفہ میں سے گزرتا تھا۔ اور اس وادی کے شمالی کنارے پر جبیلہ کے عقب میں وہ میدانِ عقرباء واقع تھا جو عقرباء سے یمامہ اور وہاں سے جنوب مشرق میں اور آگے تک پھیلے ہوئے زرخیز علاقے کی بیرونی حد کا آخری حصّہ تھا۔ یہ علاقہ زمینداری، باغوں اور کھیتوں کا تھا۔ خود یمامہ دراصل کوئی ایک مقام نہیں بلکہ پورا ایک صوبہ تھا جس کا صدر مقام ہجر تھا جو عموماً یمامہ ہی کہلاتا تھا

[1] اب جُبیلہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ جو مقامی روایات کے مطابق اُس زمانے میں ایک بڑا قصبہ تھا۔

پرانے دور کے ہجر کی جگہ آجکل ریاض واقع ہے۔[1]

مسیلمہ مسلمانوں کو اپنی قوم کے دیہات اور قصبات میں تباہی مچانے کا کوئی موقع دینے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر کو لے کر جبیلہ کی طرف بڑھا جو یمامہ سے شمال مغرب میں ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع تھا، اور جبیلہ کے نزدیک اس مقام پر اپنا پڑاؤ قائم کیا، جہاں سے عقرباء کا میدان شروع ہوتا تھا۔ مسیلمہ اس محل وقوع سے نہ صرف یمامہ کے زرخیز رقبوں کی حفاظت کرسکتا تھا۔ بلکہ یہاں وہ خالدؓ کی پیش قدمی کی راہ پر ایسے حاوی تھا کہ اگر خالدؓ بے خبری کے عالم میں وادیٔ حنیفہ میں سے گزرنے لگتے تو بنو حنیفہ ان کے لشکر کے بائیں پہلو پر اچانک دھاوا کرسکتے تھے۔ اور خالدؓ یہاں جنگ سے گریز کرکے یمامہ کی طرف بڑھ بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اس صورت میں مسیلمہ ان کے عقب پر حملہ کردیتا۔ (یہ وہی اصول تھا جو اُحد کے مقام پر نبی کریمؐ نے استعمال کیا تھا۔)

اس طرح مسیلمہ عقرباء کے میدان میں ۴۰۰۰۰ سپاہ کی فوج کے ساتھ جنگ کے لئے تیار کھڑا تھا۔ مسیلمہ کے سپاہی اشتیاق سے جنگ کے منتظر تھے۔ انھوں نے عکرمہؓ اور شرحبیلؓ کے خلاف جو دو کامیاب جنگیں لڑی تھیں جن میں یہ دونوں مسیلمہ کی ضربوں کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹ آئے تھے اُن سے مسیلمہ کی سپاہ کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور کذّاب خود ان کو ناقابلِ تسخیر نظر آنے لگا تھا۔ مسیلمہ کے سپاہی اب اپنے رہنما اور اس کے مقصد کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار تھے۔ اور مسیلمہ کو یقین تھا کہ وہ خالدؓ کو بھی وہی مزہ چکھائے گا جو ان کے دو پیشرو چکھ چکے تھے۔



---

[1] وہ یمامہ گاؤں جو ریاض سے جنوب مشرق میں ۵۰ میل دور، الخرج کے نزدیک، موجود ہے تاریخی یمامہ نہیں ہے، اور نہ ہی وہ اس جنگ والا یمامہ ہے۔

خالدؓ کی آمد سے چند روز پیشتر، مسیلمہ اپنے ایک قابل ترین سالار سے محروم ہوگیا۔ یہ مجاعہ بن مرارہ نامی وہ سردار تھا جس کا ذکر نبی کریمؐ کے پاس آنے والے وفد کے ایک اہم رکن کی حیثیت سے کیا جاچکا ہے۔ مجاعہ ۴۰ سواروں کے ہمراہ ایک پڑوسی کبنے پر، جس کے ساتھ اس کی نسلی عداوت تھی، چھاپہ مارنے نکلا تھا۔ چھاپہ مار کر واپس آتے ہوئے یہ رسالہ عقربا سے ایک روز کی مسافت پر واقع ثنیۃ الیمامہ نام کے ایک درّے میں ٹھہر گیا۔ مجاعہ کے جوان گہری نیند سو گئے۔ لیکن یہ ان کی آخری نیند تھی۔ کیونکہ صبح ہوتے ہی اس گروہ کے تمام آدمیوں کو خالدؓ کی فوج کے پیش رو رسالوں میں سے ایک نے انھیں گرفتار کر لیا۔ ان مرتدین کو اللہ کی تلوار کے سامنے پیش کیا گیا۔

خالدؓ نے ان سے ان کے عقیدے کے بارے میں پوچھ گچھ کی: "وہ کس پر ایمان رکھتے تھے؟ محمدؐ پر یا مسیلمہ پر؟" سب کے سب غیر متاسف رہے۔ حالانکہ بعض نے خالدؓ کے ساتھ برابر کا سمجھوتا کرنے کی کوشش میں یہ تجویز کیا کہ "ایک نبی تم لوگوں کا ہو جائے اور ایک نبی ہم لوگوں کا۔"[1] خالدؓ اس قسم کی لغویات پر وقت ضائع کرنے والے آدمی نہیں تھے۔ اور انھوں نے ان کے قائد مجاعہ کے سوا تمام کے سر قلم کرا دیئے اور اس کو زنجیریں پہنا کر قیدی بنا لیا۔ چونکہ وہ ایک نامور سردار تھا۔ اس لئے وہ یرغمال کے طور پر کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔ اس قیدی سردار کو ساتھ لئے اسلامی لشکر عقربا کے قریب پہنچا اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، وہاں خیمہ زن ہوگیا۔ اب دونوں لشکر جنگ کے لئے تیار تھے۔

وادیٔ حنیفہ کا پہاڑی دامن محاذِ جنگ کی حدِّ فاصل تھا۔ شمال کی طرف یہ دامان کوئی ۱۰۰ فٹ کی بلندی تک اٹھتا تھا کچھ جگہوں پر بتدریج کچھ پر تیزی سے اور کچھ اور جگہوں پر بالکل یکلخت۔ جنوب کی طرف دامان زیادہ تر بتدریج اٹھتے اٹھتے ۲۰۰ فٹ کی

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۱۰

بلندی تک وہاں پہنچتا تھا جہاں سے میل بھر دور خالدؓ نے اپنے خیمے گاڑ رکھے تھے شمالی دامان میں ہی قصبۂ جبیلہ واقع تھا اور ایک تنگ گھاٹی اس قصبے کے مغربی کنارے سے چل کر وادیٔ حنیفہ میں آجاتی تھی۔ مسلمانوں کا محاذ جنوبی دامان کے ساتھ ساتھ تقریباً تین میل کی لمبائی تک پھیلا ہوا تھا۔ شمالی دامان پر مرتدین کھڑے تھے۔ مسیلمہ کی فوج کا قلب قصبۂ جبیلہ اور اس کی تنگ گھاٹی کے درمیان تھا۔ مرتدین کے عقب میں میدانِ عقرباء پھیلا ہوا تھا۔ اور اس میدان میں وادیٔ حنیفہ سے تقریباً دو میل دور، اباض نام کا ایک وسیع باغ ایک چاردیواری کے اندر واقع تھا۔ جنگ کے انجام کے باعث اس کا نام حدیقۃ الموت (موت کا باغ)[1] پڑنے والا تھا۔ (نقشہ نمبر ۹ دیکھئے)۔

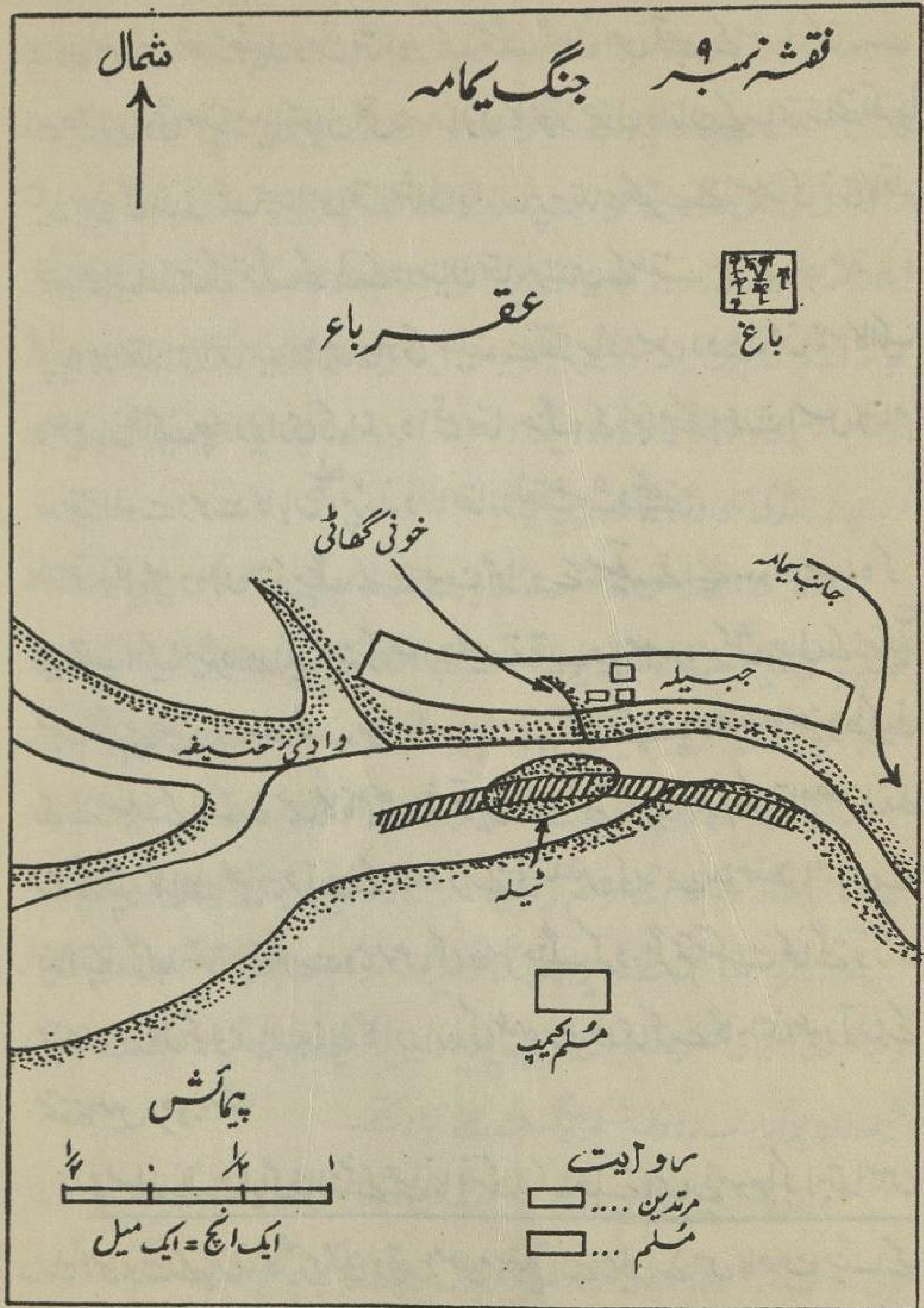
اگلی صبح دونوں لشکر جنگ کے لئے صف آرا ہوئے۔ مسیلمہ نے اپنے ۔۔۔۔ ۴۰ سپاہ کو ایک قلب، ایک میسرہ اور ایک میمنہ کی صورت میں ترتیب دیا۔ میسرہ سرکش رجال کے زیر قیادت میمنہ محکم بن طفیل کے، اور قلب براہِ راست کذاب کے ماتحت۔ سپاہ کا عزم مضبوط کرنے کے لئے مسیلمہ کے لڑکے نے جس کا نام بھی شرحبیل تھا، گھوڑے پر سوار ہو کر تمام صفوں کے سامنے چکر لگایا اور انھیں جرأت کے ساتھ لڑنے کی تلقین کی۔ "اے بنو حنیفہ!" اس نے پکار پکار کر کہا "آج اپنی عزت و ناموس کی خاطر جنگ کرو۔ اگر تم شکست کھا گئے تو دشمن تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنائے گا اور ان کی عصمت دری کرے گا۔ اپنی عورتوں کے تحفظ میں لڑو۔"[2]

مسیلمہ نے طے کیا کہ خالدؓ کے حملے کا انتظار کیا جائے۔ اس نے سوچا کہ ابتدا میں

---

[1] اس موت کے باغ، کا صحیح محل وقوع معلوم نہیں ہے میں نے اس کا صرف جنگ کے سلسلے سے قیاس لگایا ہے۔

[2] طبری: جلد ۲ صفحہ ۵۰۹



نقشہ نمبر ۹ جنگ یمامہ
شمال
باغ
عقرباء
خونی گھاٹی
جانب یمامہ
جبیلہ
وادیٔ حنیفہ
ٹیلہ
مسلم کیمپ
پیمائش
ایک انچ = ایک میل
روایت
مرتدین ....
مسلم ...

مدافعانہ جنگ کی جائے اور پھر حریف کے حملے کا زور توڑ کر اس پر دھاوا کر دیا جائے۔

مسلمانوں نے رات عبادت میں گزاری۔ اتنی بڑی اور کٹر مخالف فوج کا انھیں کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اور اس کا سپہ سالار خباثت اور عیاری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ نمازِ فجر کے بعد خالدؓ نے اپنے ۱۳۰۰۰ سپاہ کی صف بندی جنوبی دامان میں کی۔ اور انہوں نے بھی اپنے لشکر کو ایک قلب اور دو بازوؤں کی صورت میں مرتب کیا۔ میسرہ کی قیادت ابو حذیفہ اور میمنہ کی زید (حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی) کے ہاتھ میں تھی اور قلب براہِ راست خالدؓ کے زیر قیادت تھا۔ اس معرکے کے لئے خالدؓ اپنے سپاہ کو قبائلی گروہوں کی شکل میں جیسا کہ پیشتر ازیں دستور تھا بروئے کار نہ لائے، بلکہ قبائلی دستوں کو منتشر کر کے انہوں نے ان کے جنگجو، محاربی ضروریات کے مطابق افواج اور بازوؤں میں منقسم کر دیئے۔

خالدؓ کا منصوبہ حسبِ معمول یہ تھا کہ جنگ شروع ہوتے ہی حملہ کر کے دشمن کو مدافعت پر مجبور کر دیا جائے اور اس کے لئے جارحانہ کارروائی کا کوئی موقع نہ چھوڑا جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسیلمہ کے پاس فوجی جوڑ توڑ کی آزادی نہ رہے اور وہ حملہ آور کے تابڑ توڑ حملوں کا لاچار مقابلہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر پائے۔ تاہم مسلمان جس آزمائش سے دوچار تھے اس کے بارے میں خالدؓ کو کوئی خوش فہمی بھی نہ تھی۔ اس بار جنگ لازماً ایسی تلخ اور خونریز ہونے کو تھی کہ اسلامی افواج نے اس سے پہلے کبھی نہ لڑی تھی۔ باغیوں کو تعداد میں ایک کی نسبت تین کی برتری حاصل تھی اور ان کی قیادت ایک چالاک اور بہادر سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی لیکن خالدؓ کو اپنی فتح کا یقین تھا۔ انھیں اپنے آپ پر اعتماد تھا اور اپنے لشکر کے افسروں اور سپاہ کی مہارت اور جرأت پر بھروسہ۔ جب انھوں نے گھوڑے پر سوار اپنی فوج کا چکر لگایا تو انہیں اپنے جوانمردوں کو دیکھ کر فخر و اطمینان کا احساس ہوا۔ اس فوج میں بڑے نامور سپاہ گر موجود تھے، اور کچھ ایسے جن کی آئندہ برسوں میں دھوم مچنے والی تھی۔ ان میں

شامل حضرت عمرؓ کے بھائی اور بیٹے عبداللہؓ تھے۔ ابودجانہؓ تھے، جنہوں نے جنگ احد میں اپنے جسم کو ڈھال بنا کر نبی کریمؐ کو دشمن کے تیروں سے بچایا تھا۔ خلیفہ کے بیٹے عبدالرحمٰن تھے۔ معاویہ بن ابوسفیان تھے، جو آگے چل کر اموی خاندان کے پہلے خلیفہ بنے۔ اپنے بیٹے کے ساتھ امّ عمارہؓ تھیں جنہوں نے میدانِ احد میں آنحضرتؐ کے دوش بدوش لڑائی میں حصّہ لیا تھا۔ اور پھر اپنے مہلک برچھے کے ساتھ وحشی تھا۔

مسلم فوج کے افسران نے اپنے سپاہ کے سامنے گشت کرتے ہوئے قرآنی آیات کی تلاوت کی انہوں نے مومنین کو شہداء کے لئے جنت کی بشارت اور بزدلوں کے لئے جہنم کی وعید یاد دلائی۔

دسمبر ۶۳۲ء کے تیسرے ہفتے (شوال ۱۱ھ کے آغاز) کے جاڑوں کی ایک صبح کو جنگ یمامہ شروع ہوئی۔

⁂

خالدؓ نے ایک عام حملے کا حکم دیا، اور مسلم فوج کا پورا اگلا حصّہ اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ سیلاب کی طرح آگے بڑھا۔ خالدؓ نے قلب کے حملے کی قیادت کی، ابوحذیفہ اور زیدنے میمنہ کی۔ دونوں فوجیں گتھم گتھا ہوگئیں۔ اور طاقتور جوانوں کے ایک دوسرے پر وار اور ضرب کے ساتھ ان کی چیخ پکار نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ خالدؓ نے مقابل آنے والے ہر آدمی کو کاٹ کر رکھ دیا۔ مسلمان مردانِ کارزار نے شجاعت کے حیرت انگیز کرشمے کر دکھائے اور خالدؓ کو خیال ہوا کہ ان کے مجاہدین جلد ہی لشکرِ کفار کی صفیں چیر ڈالیں گے۔

لیکن کفار کا لشکر چٹان کی طرح جم کر کھڑا رہا۔ بہتیرے مومنین دھاوں میں مارے گئے، لیکن کفار کی اگلی صف میں رخنہ پیدا نہ ہوا۔ مرتدین جی توڑ کے لڑے اور انہوں نے جان دیدی لیکن زمین کے ایک چپے پر سے پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا اور مسلمانوں کو قدرے حیرت

سے احساس ہوا کہ انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ کچھ عرصے تک گھمسان کی لڑائی جاری رہنے کے بعد مسلمانوں کی پیش قدمی اور کفار کی اگلی صف کو چیرنے کی ناکام کوششوں کے نتیجے میں ان کی اپنی صفوں میں کچھ بدنظمی پیدا ہو گئی۔ لیکن یہ بات پریشانی کا باعث نہ بنی۔ جب تک وہ اپنا حملہ جاری رکھ سکتے تھے اور دشمن بدستور مدافعت پر مجبور تھا، قدرے بدنظمی میں کوئی ہرج نہیں تھا۔

پھر یہ احساس کرتے ہوئے کہ اگر اس نے مدافعت میں اور دیر لگائی تو مسلمانوں کے آگے گھس آنے کا خطرہ بڑھ جائے گا مسیلمہ نے پورے محاذ پر ایک جوابی حملے کا حکم دیا۔ مرتدین ایک وسیع طوفانی موج کی طرح آگے بڑھے، اور اب مسلمان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ انھیں پیچھے دھکیلا جا رہا ہے۔ جب انھوں نے بے جگری سے مرتدوں کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی تو لڑائی اور گھمسان کی ہو گئی اور مرتدوں کو ہر گز زمین کے لئے خون کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ لیکن مرنے والوں کے لئے کذاب کے وعدۂ جنت پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے سپاہ اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر بڑھتے ہی چلے آئے۔ اب مسلم افواج میں ایک بے ربطی رونما ہونے لگی جو قبائلی دستوں کی آمیزش سے اس لئے پیدا ہوئی کہ ان کے مختلف سپاہ کو شانہ بشانہ لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔

رفتہ رفتہ مرتدین کی تعداد کی فوقیت اپنا اثر دکھانے لگی۔ انہوں نے مسلمانوں کی نسبتاً پتلی صفوں کے خلاف گتھے ہوئے بھاری دستوں کے ساتھ حملہ کر کے اپنے دباؤ میں اضافہ کر دیا۔ مسلمان آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ کچھ دیر بعد ان کی بازگشت کی رفتار بڑھ گئی مرتدین کے حملے بھی اور بیباک ہو گئے۔ پھر مسلمانوں کی بازگشت برہم پسپائی کی شکل اختیار کر گئی۔ پہلے کچھ دستے پلٹ کر بھاگے۔ پھر دوسرے ان کے نقشِ قدم پر بھاگے اور ذرا دیر میں سارے لشکر نے میدان چھوڑ دیا۔ افسران اس پسپائی کو نہ روک سکے اور ان کی سپاہ کا ریلا انھیں بھی

اپنے ساتھ پیچھے بہالے گیا۔ مسلمان فوج اپنے پڑاؤ میں سے بھی گزر گئی اور کچھ دور اور بھاگتی چلی گئی۔ تب کہیں جاکر اس نے دم لیا۔

جب مسلمانوں نے عقربا٫ کا میدان چھوڑا تو مرتدین نے ان کا پیچھا کیا۔ اس طرح جو کچھ ہوا بالکل بے نظمی سے بغیر کسی سوچ کے ہوا۔ اور مسلمانوں کی پسپائی کچھ اسی قسم کے جبلّی ردِعمل کے باعث ہوئی جس سے جنگِ احد کے پہلے حصے میں قریش کے فرار پر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ اور انہی مسلمانوں کی طرح یہاں مرتدین اپنے حریفوں کے پڑاؤ میں پہنچ کر رک گئے اور اسے لوٹنے لگے۔ تب خالدؓ کو میدانِ احد والا موقع پھر ہاتھ آگیا جس میں انھوں نے مسلمانوں کی لوٹ مار میں مصروفیت کے دوران اپنے سپاہ کو دوبارہ منظم کر کے جوابی حملہ کر دیا تھا۔ لیکن اس کی اور بات آگے چل کر ہو گی۔

مسلمانوں کے پڑاؤ میں خالدؓ کا خیمہ نصب تھا، اور اس خیمے میں ان کی نت نئی بیوی لیلیٰ، اور قیدی سردار، مجاعہ، بدستور زنجیروں میں جکڑا، بیٹھے تھے۔ چند کفار کامیابی سے سرشار اور لوٹ مار کے خوابوں میں مست، خالدؓ کے خیمے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے مجاعہ کو دیکھا اور پہچان لیا۔ انہوں نے لیلیٰ کو دیکھا اور اسے قتل کرنا چاہا۔ لیکن قیدی سردار نے انھیں روک دیا۔ "میں اس کا محافظ ہوں" اس نے انھیں متنبہ کیا۔ "مردوں کے پیچھے پڑو۔"[1] مالِ غنیمت سمیٹنے کی عجلت میں کفّار اپنے سردار کو آزاد کرنے کو نہ ٹھہرے۔

کچھ عرصے تک مسلمانوں کے پڑاؤ کی تباہی بڑی شدّت کے ساتھ جاری رہی، اور کفّار نے ہر وہ چیز لوٹ لی جو ان سے اٹھتے بنی اور ہر اس چیز کو چکنا چور کر دیا جو وہ ساتھ نہ لے جا پائے۔ انہوں نے خیموں کی دھجیاں اڑا دیں۔ پھر یکایک جیسے لوٹ مار تیزی میں شروع ہوئی تھی ویسے ہی بند ہو گئی۔ مرتدین پھرتی سے میدان عقربا٫ کی طرف لوٹے۔ کیونکہ جنوب میں انہوں نے

---

[1] طبری: جلد ۲ صفحہ ۵۱۱

دیکھا کہ مسلم لشکر از سر نو پوری طرح منظم ہو کے صف بصف پیش قدمی کر رہا ہے۔

٭

حیرت کی بات ہے کہ جب مسلمان دم لینے کو رُکے اور انھوں نے جو کچھ ہوا اس پر غور کیا تو ان کے دلوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔ انھیں صرف غصّہ آرہا تھا کہ وہ بدنظم ہو کر پسپا کیسے ہو گئے۔ واقعتاً یہ کس طرح ہوا؟ کیونکر ہو پایا؟ جتنا نقصان انہوں نے اٹھایا تھا اس سے کہیں زیادہ یقیناً انہوں نے دشمن کو پہنچایا۔

حوصلہ ان کا بلند رہا۔ لیکن بات ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ ان کے دل کی بھڑاس کسی طرح نہ بجھ پائی تو وہ قبائل کے درمیان باہمی الزام تراشی کی شکل میں پھوٹ نکلی۔ قبیلے کے خلاف قبیلہ، کنبے کے خلاف کنبہ، شہر کے خلاف صحرا۔ ہر ایک نے دوسرے کو بھگدڑ کا قصور وار ٹھہرایا۔ "ہم جنگ کے بارے میں تم سے زیادہ جانتے ہیں" شہریوں نے کہا۔ "نہیں" صحرائی عربوں نے جواب دیا "ہم زیادہ جانتے ہیں" ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ "چلو ہم پھر اپنے اپنے قبائلی گروہوں میں منقسم ہو جائیں۔ تب دیکھیں کون اپنی آبرو بچا پاتا ہے" [1]

خالدؓ نے دیکھ لیا کہ گڑبڑ کیسے پھیلی۔ مرتدین کا محاذ مسلمانوں کے انتہائی شدید حملے کے باوجود نہیں ٹوٹا جبکہ اس سے پہلے کوئی محاذ مسلمانوں کے سامنے نہیں ٹھہر پایا تھا۔ مزید برآں مرتدین نے اس وقت جوابی حملہ کیا جب مسلمانوں کا نظم کافی بگڑ چلا تھا۔ مسلمان اپنا توازن کھو کے، جوابی حملے کے دباؤ کی وجہ سے اسے پھر بحال نہیں کر پائے تھے۔ شجاعت میں مگر کہیں کوتاہی نہیں ہوئی تھی۔

خالدؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ مخلوط قبائلی سپاہ کے ساتھ افواج کو مرتب کرنا ایک غلط اقدام تھا،

---

[1] طبری: جلد ۲۔ صہ ۵۱۳

کیونکہ قبائلی جذبہ عربوں میں اب بھی بہت تیز تھا۔ دراصل اسلامی حمیت کے لئے اور اس انفرادی ہمت و مہارت کے لئے جو لشکر اسلام کی امتیازی خصوصیات تھیں، یہ جذبہ مزید طاقت بھی بہم پہنچاتا تھا۔ دشمن کی تعداد میں ایک کے بدلے تین کی برتری اور مسلیمہ کے مقلدین کے کٹر اور اندھا دھند جوش کے سامنے مسلم افواج کا اندرونی ربط اس وجہ سے ڈھیلا پڑ گیا کہ قبائلی وفاداری کا بندھن موجود نہ تھا۔

خالدؓ نے اس غلطی کو ٹھیک کرنے کے لئے اپنے لشکر کی دوبارہ گروہ بندی کی۔ انہوں نے سابقہ صف آرائی اور سالاروں میں کوئی ترمیم نہ کی، لیکن سپاہ کے انہوں نے از سرِ نو قبائلی اور خاندانی دستے اور گروہ مرتب کئے۔ اس طرح اغلب تھا کہ ہر شخص نہ صرف اسلام کے لئے بلکہ اپنے خاندانی وقار کے لئے لڑے گا۔ مزید برآں اس سے قبیلوں کے درمیان صحت مند رقابت کا بھی پہلو نکل آیا۔

جب لشکر پھر سے منظم ہو گیا تو خالدؓ اور اس کے دوسرے اعلیٰ سالاروں نے اس کے جزوی افواج کا چکر لگایا۔ انہوں نے سپاہ کے ساتھ بات چیت کی، اور ان کے اس عزم کو پختہ کیا کہ مسلیمہ کے ہاتھوں زک اٹھانے کا پورا بدلہ لیا جائے۔ سپاہ نے قسم کھائی کہ ضرورت پڑی تو دانتوں تک سے لڑیں گے۔

خالدؓ نے چند سپاہ چن کے ایک ذاتی دستہ بھی مرتب کیا۔ اس کے ساتھ ان کا ارادہ تھا کہ وہ خود کو جہاں لڑائی سب سے گھمسان کی ہو جھونک کر اپنی سپاہ کے لئے ایک مثال قائم کریں۔ یہ دستہ بہت کام آنے والا تھا۔ "میرے پیچھے پیچھے رہنا۔" خالدؓ نے اس کے سپاہ کو تاکید کی۔

اس طرح دوبارہ منظم ہو کر مسلمانوں نے باقاعدہ صفوں میں ایک بار پھر میدان عقرباء کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ صرف شیروں کی مانند نہیں، بھوکے شیروں کی طرح میدانِ کارزار

کو لوٹے!

اس اثنا میں مسلیمہ کذاب نے بھی اپنی فوج کو سابقہ ترتیب میں دوبارہ صف آرا کرلیا۔ وہ اللہ کی تلوار کی دوسری ضرب کا اس یقین کے ساتھ منتظر تھا کہ وہ ایک بار پھر مسلمانوں کو بدحواس کرکے میدان سے بھگا دیگا۔

☆

خالدؓ کے حکم پر لشکر اسلام دوبارہ اللہ اکبر کے نعروں اور اس معرکے کے خاص جنگی نعرے، یا محمدؐ، کے ساتھ امنڈتا ہوا بڑھا نسبتاً چھوٹے لشکر نے پھر مرتدین کی کثیر التعداد سپاہ سے ٹکر لی۔ بازو بازو سے اور قلب قلب سے ٹکرائے۔ مسلم میمنہ کے سالار، زیدؓ، نے رجّال کا سامنا کیا، جو کفّار کے میسرہ کا مرتد سالار تھا۔ اس غدّار کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی خواہش میں، زیدؓ نے پکار کر کہا "اے رجال! تم نے دینِ حق کو چھوڑ دیا۔ اس کی طرف لوٹ آؤ۔ اسی میں شرافت اور بہتری ہے"[1]۔ غدّار نے لیکن انکار کردیا۔ پھر ان دونوں کے درمیان جو شدید مقابلہ ہوا اس میں زیدؓ نے رجّال کو جہنم رسید کردیا۔

مسلمانوں نے پورے محاذ پر شدید حملے کئے۔ اور مرتدین کو ان کے سامنے ثابت قدم رہنے میں سخت مشکل پیش آئی، لیکن ثابت قدم وہ تاہم رہے۔ ان کا محاذ کہیں نہ ٹوٹا۔ مرتدین سینکڑوں کی تعداد میں مارے گئے، اور مسلمانوں کے جانی نقصان میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ مرتدین کی طرف تعداد کی برتری کے باعث اور مسلمانوں کی طرف مہارت و ہمت کی برتری کے باعث طرفین کے پلڑے برابر تھے۔ ان دونوں کی ہلاکت خیز لڑائی میں الجھا ہوا محاذ جگہ جگہ کبھی ادھر کو جھومتا اور کبھی اُدھر کو جھومتا۔ زمین سے ہزاروں پیروں کی روندن نے ایسا غبار اٹھایا کہ بادل کی طرح محاربین کے سروں پر چھا گیا۔ خون سے تر زمین پر زخموں سے چور اور چاک جسموں کے ڈھیر

---

[1] طبری: جلد ۲ صفہ ۵۱۱

لگتے گئے۔ ساتھ ساتھ وادی اور میدان میں ہر طرف ٹوٹی ہوئی تلواروں اور شکستہ نیزوں کے انبار بکھر گئے۔ سب سے زیادہ ہولناک خوں ریزی اس تنگ گھاٹی کے اندر ہوئی جس میں سے خون کا ایک نالا نیچے کو وادی کی طرف بہہ نکلا ۔ بعد میں یہ گھاٹی شعیب الدام (یعنی خونی گھاٹی) کہلانے لگی اور آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ لیکن جنگ کا پلڑا ابھی کسی طرف کو نہ جھکا اور فیصلے کی گنجائش ندارد رہی۔

خالدؓ اب اس نتیجے پر پہنچے کہ مرتدین کو اپنے جھوٹے نبی پر اتنا اندھا ایمان ہے کہ اس کے جیتے جی وہ کبھی ہار نہ مانیں گے۔ اب ظاہر ہو گیا تھا کہ صرف مسیلمہ کی موت کفار کا حوصلہ توڑ سکتی ہے۔ اس کی موت کے نفسیاتی صدمے سے جلد ہی مادی شکست کی صورت نکل سکتی تھی۔ لیکن خالدؓ کی طرح مسیلمہ اگلی صفوں میں نبرد آزما نہیں تھا۔ اس لئے اس کو مرتدین کی صفوں کی پناہ کے پیچھے سے جہاں وہ اپنے وفادار مریدوں کے حلقے میں گھرا کھڑا تھا، کسی نہ کسی طرح باہر کھینچ لانا تھا۔

جب معرکے کا پہلا شدید دور ختم ہوا تو سپاہ نے ذرا ہاتھ روک کر دم لیا۔ رن میں وقفہ ہوا۔ پھر خالدؓ دشمن فوج کے قلب کی طرف بڑھے اور مبارز طلب ہوئے: "میں الولید کا بیٹا ہوں! کیا کوئی شخص میرا مقابلہ کرے گا!" خالدؓ کی للکار کے جواب میں مرتدین کی صفوں میں سے کئی مانے ہوئے بہادر سامنے آئے اور ایک ایک کر کے ان کی طرف بڑھے۔ خالدؓ نے ہر حریف کو ٹھکانے لگانے میں غالباً دقیقہ بھر سے زیادہ وقت نہیں لیا۔ ہر مقابلے کے بعد وہ اپنے فی البدیہہ اشعار پڑھتے:

سرداروں کی اولاد ہوں میں، سخت ہے تلوار مری
اہل پڑے جنگ تو بے پناہ ہے تلوار مری[1]

---

[1] طبری: جلد ۲: صفحہ ۵۱۳

بڑے بڑے بہادروں کا خاتمہ کرتے ہوئے، خالدؓ قدم بقدم متواتر مسیلمہ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ پھر کوئی بھی ایسا جری باقی نہ بچا جو خالدؓ کے مقابلے کے لئے آگے بڑھتا لیکن وہ مسیلمہ کے اتنے قریب پہنچ چکے تھے کہ چلائے بغیر اس کے ساتھ بات کر سکتے تھے۔ وہ کذّاب مگر اب بھی اپنے محافظوں کے حلقے کی پناہ میں تھا۔ اور خالدؓ کے لئے اس پر وار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

خالدؓ نے گفت و شنید کی تجویز پیش کی۔ مسیلمہ متفق ہو گیا۔ وہ احتیاط کے ساتھ آگے بڑھا اور باہمی مقابلے کی زد تک پہنچنے سے ذرا پہلے رک گیا۔ "اگر ہم سمجھوتا کرنے پر رضامند ہو جائیں تو تم کیا شرائط قبول کرو گے؟"[1] خالدؓ نے دریافت کیا۔

مسیلمہ نے یوں ایک طرف کو سر کیا جیسے وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے کسی غیبی وجود کی بات سن رہا ہو اور اس سے ہم کلام ہو۔ یہ وہی انداز تھا جس میں وہ الہام حاصل کرتا تھا۔ اسے اس طرح کھڑے دیکھ کر خالدؓ کو نبی کریمؐ کے الفاظ یاد آ گئے۔ آپ نے کہا تھا کہ مسیلمہ کبھی تنہا نہیں ہوتا کہ شیطان ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، کہ وہ شیطان کی نافرمانی کبھی نہیں کرتا، اور یہ کہ جب وہ جوش میں آ جاتا ہے تو اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے۔ شیطان نے مسیلمہ کو سمجھوتا کرنے سے منع کر دیا اور اس کذّاب نے خالدؓ کی طرف پلٹ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

خالدؓ نے پہلے ہی سے مسیلمہ کو قتل کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ مذاکرہ تو اسے قریب لانے کیلئے محض ایک جھانسا تھا۔ اب خالدؓ کی پھرتی ہی سے مسیلمہ پر حملہ کرنے کا موقع نکل سکتا تھا، ورنہ وہ اپنے محافظوں کی پناہ میں واپس جا رہا تھا۔ خالدؓ نے ایک اور سوال پوچھا۔ مسیلمہ نے پھر سر پھیر کر "اپنی آواز" کو محو ہو کر سنا۔ اسی لمحہ میں خالدؓ اس پر جھپٹ پڑے۔

خالدؓ تیز تھے، لیکن مسیلمہ ان سے بھی زیادہ تیز نکلا۔ وہ لپک کے مڑا اور رفوچکر ہو گیا۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صہ ۵۱۴

مسیلمہ ایک بار پھر اپنے محافظوں کے بیچ میں محفوظ تھا۔ لیکن فرار کے اس لمحے میں دونوں فوجوں کے حوصلوں پر اس واقعے کا کچھ ایسا معنی خیز اثر ہوا کہ ایک فریق کی ہمت پست ہو گئی اور دوسرے کی بلند۔ مرتدین کی نگاہ میں ان کے نبی، اور سپہ سالار کا خالدؓ سے جان بچا کر بھاگنے کا منظر شرمناک تھا۔ مسلمان خوش ہوئے۔ اس طرح جو روحانی موقع سامنے آیا، اس کا فائدہ اٹھانے کو خالدؓ نے حکم دیا کہ حملہ فوراً پھر سے جاری کیا جائے۔

مسلمان اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے دوبارہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ وہ تازہ جوش و خروش کے ساتھ لڑے، اور بالآخر فتح کے آثار نمودار ہوئے۔ مسلمانوں نے تیغ و خنجر کے ایسے جوہر دکھائے کہ مرتدین پیچھے ہٹنے لگے۔ پھر ان کے بازگشت کی رفتار تیز ہوئی تو مسلمانوں کے حوصلے اور بڑھے اور انہوں نے اپنی جدوجہد میں اور جان لڑا دی۔ تب کفّار کا محاذ ٹوٹ کر بکھر گیا۔

مسیلمہ کچھ نہ کر پایا۔ اس کا چوٹی کا سالار، رجّال، مر چکا تھا۔ اب اس کے میمنہ کے سالار محکمؔ نے مرتدین کو بچانے کی ترکیب کی۔ "یا بنو حنیفہ!" اس نے پکار کر کہا۔ "باغ! باغ! باغ میں چلے جاؤ۔ میں تمہارے عقب کی حفاظت کروں گا۔"

لیکن مرتدین کا انتشار اب اتنا بے قابو ہو گیا تھا کہ روکے نہیں رک سکتا تھا۔ لشکر کا بڑا حصّہ بھاگ کھڑا ہوا اور بد حواسی میں تتّر بتّر ہو گیا۔ مسیلمہ کے لشکر کا صرف کوئی ایک چوتھائی حصّہ لڑنے کے قابل رہ گیا اور اس نے محکم کے ایک چھوٹے عقبی دستے کی آڑ میں پھرتی سے ایک قلعہ نما باغ کا رخ کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں نے اس عقبی دستے کو کاٹ کر رکھ دیا، اور محکم خلیفہ کے بیٹے، عبدالرحمٰن کا تیر کھا کر مارا گیا۔ اب مسلمانوں نے میدانِ عقرباء کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھگوڑے مرتدین کا تعاقب کرتے ہوئے ان کو ہر طرف تہ تیغ کیا۔ تھوڑی دیر میں مسلمان اس قلعہ نما باغ تک جا پہنچے جہاں مسیلمہ کے ساتھ ...ے سے کچھ زیادہ مرتدین نے پناہ لے لی تھی۔ ان مرتدین نے باغ کا دروازہ بند کر کے جب اس کے چاروں طرف کی وسیع اونچی

فصیل کی طرف نظر اٹھائی تو ان کو اطمینان ہو گیا کہ وہ یہاں محفوظ ہیں۔ انھیں کیا خبر تھی کہ آگے کیا ہونا ہے۔

اسلامی فوج کا بیشتر حصہ حدیقۃ الموت (موت کے باغ) کے قرب وجوار میں جمع ہو گیا۔ اب سہ پہر کا وقت تھا، اور مسلمان بے چین تھے کہ اندھیرا ہونے سے پہلے باغ میں داخل ہو کر صبح سویرے کا شروع کیا کام ختم کر ڈالیں۔ لیکن باغ کے اندر پہنچنے کا ان کو کوئی ذریعہ نہیں ملا۔ باغ کی فصیل ہر طرف ناقابلِ گزر نظر آتی تھی اور اس کا دروازہ اندر سے بڑی مضبوطی کے ساتھ مقفل تھا۔ فصیل پر حملہ کرنے کا ان کے پاس کوئی سامان نہیں تھا اور نہ اتنا وقت تھا کہ محاصرہ کیا جائے۔

خالدؓ کسی تدبیر کی تلاش میں اپنا دماغ ٹٹول رہے تھے کہ براءؓ بن مالکؓ نامی ایک پرانے فوجی نے جو فصیل کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے ایک گروہ میں شامل تھے، اپنے ساتھیوں سے کہا: "مجھے فصیل کے اوپر سے باغ کے اندر پھینک دو۔"[1] ان کے ساتھیوں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ براءؓ ایک ممتاز اور بہت محترم صحابی تھے، اور ان کے ساتھی کوئی ایسی حرکت کرنے پر آمادہ نہیں تھے جس سے ان کی جان بچانی محال ہو۔ لیکن براءؓ اصرار کرتے رہے۔ بالآخر ان کے ساتھیوں نے ان کی بات مان ہی لی اور انھیں دروازے کے قریب اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا۔ انہوں نے فصیل کی منڈیر پر ہاتھ جمائے اور اوپر کو اچھل کر باغ میں کود گئے۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے ان دو تین کفار کو جو دروازے اور ان کے درمیان کھڑے تھے قتل کر دیا۔ اور پھر اس سے قبل کہ دوسرے ان کا راستہ روک سکتے، انہوں نے دروازے کا بھاری کھٹکا کھسکا دیا۔ باغ کا دروازہ چوپٹ کھلا، اور مسلمانوں کا ایک گرجتا ہوا سیلاب ایسے داخل ہوا جیسے ٹوٹے ہوئے بند میں سے پانی کی گونجتی ہوئی موج۔ جنگِ یمامہ کا آخری اور سب سے

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۱۴

خونی دور شروع ہو گیا۔

ابتدا میں کفار نے مسلمانوں کی پیش قدمی کو کچھ روکے رکھا۔ کیونکہ دروازے کی وجہ سے ان کا محاذ تنگ تھا اور اس لئے حملے کی بھی گنجائش کم تھی۔ لیکن مسلمانوں نے دشمن کی صفوں کو چیر کر رکھ دیا اور انکی ضربوں سے مرتدین کے ڈھیر لگ گئے۔ پھر جب مسلمانوں کا بڑھتا ہوا ریلا باغ میں داخل ہوا تو مرتدین پیچھے ہٹے۔

لڑائی اور گھمسان کی ہو گئی۔ چونکہ جنگی جوڑ توڑ کے لئے کافی جگہ نہیں تھی، طرفین میں ضرب بضرب اندھا دھند مقابلہ جاری تھا۔ جیسے جیسے مرتدین گرتے گئے ان کی صفیں بھی بتدریج چھٹتی گئیں۔ لیکن مسیلمہ ابھی تک لڑ رہا تھا۔ وہ ہار ماننے کو قطعاً تیار نہ تھا۔ جب جنگ کا محاذ اس کی طرف بڑھ آیا تو وہ تلوار کھینچ کر رن میں کود پڑا اور اپنی طاقت اور چابک دستی سے اس نے مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ یہ چالاک سپہ سالار دلیر اور ماہر جنگجو بھی تھا۔ اب پیچ و تاب میں بدصورت مکار تاؤ سے ایک ہیبت ناک بھوت بن گیا اور منہ سے کف لانے لگا۔

جنگ کا آخری دور اب انتہا تک آ گیا۔ اسلامی فوج نے ہر طرف مرتدین پر سخت دباؤ ڈالا۔ اور صرف مسیلمہ ہی کی کوشش تھی جس نے مکمل پسپائی کو روکے رکھا۔ مسلمان تلواروں، نیزوں اور خنجروں سے بے تحاشا وار کر رہے تھے۔ زخمی اور چاک و تار جسم ہر طرف زمین پر پھیل گئے۔ جو گرا وہ اپنے ارد گرد لڑتے والوں کے پیروں تلے روندن میں آ کر سخت اذیت میں جاں بحق ہوا۔ اس شدید لڑائی میں اتنا خون بہا کہ زمین کی خاک کا سرخ کیچڑ بن گیا۔

بہت سے مرتدین بیزار ہو کر مسیلمہ کے پاس دوڑے آئے۔ "وہ فتح کہاں ہے جس کا آپ نے وعدہ کیا تھا؟" انہوں نے پوچھا: "جنگ جاری رکھو، او بنو حنیفہ!" اس مدعی

باطل کا مستقل خواب تھا: "آخر دم تک لڑتے رہو!"[1]

مسیلمہ جانتا تھا کہ خالدؓ کی طرف سے اس کے لئے کسی رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کہ اب اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ وہ بدفطرت تو تھا ہی، اس نے اپنے قبیلے کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبنے کا ارادہ کیا۔ اس کی تلوار سے متعدد مسلمانوں کا خون ٹپک رہا تھا، اور اس کے محافظ بدستور اپنے کٹر عقیدے پر قائم، اس کے اردگرد ڈٹ کر لڑ رہے تھے۔ پھر حضرت حمزہؓ کے قاتل، وحشی کی عقابی نگاہ اس پر پڑی۔

❖

وحشی ان 'مجرمانِ جنگ' میں سے ایک تھا جن کے ناموں کا اعلان نبی کریمؐ نے فتحِ مکہ کے موقع پر کیا تھا۔ اپنے انجام کا خوف کھائے، وہ مکے سے بھاگ کر طائف پہنچ گیا تھا، جہاں اس نے کچھ عرصہ قبیلۂ ثقیف کے درمیان گزارا۔ ۹ھ میں جب قبیلۂ ثقیف ایمان لایا تو وحشی بھی مسلمان ہو گیا اور بذاتِ خود نبی کریمؐ کے پاس بیعت کرنے آیا۔

نبی کریمؐ نے اسے کئی برس سے نہیں دیکھا تھا، اور آپ کو اسے پہچاننے میں کچھ تذبذب ہوا۔ "کیا تم وہی وحشی ہو؟" آنحضرتؐ نے پوچھا۔

"ہاں، یا رسول اللہؐ!"

"مجھے بتاؤ کہ تم نے حمزہؓ کو کیسے شہید کیا؟"[2]

وحشی نے شروع سے آخر تک پوری داستان سنائی۔ اسے قطعاً یہ خیال نہ آیا کہ اس واقعے کا کوئی اخلاقی پہلو بھی ہے، اور نہ یہ کہ اس نے مومنین میں سے ایک بے حد شریف اور دلیر مرد کو قتل کر دیا تھا۔ اس نے داستان کچھ اس انداز میں سنائی جیسے ایک مغرور جنگ آزمودہ سپاہی

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۱۴۔

[2] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۷۲۔

سامعین کو اپنے جرأت مند کارناموں کے قصے سنا کر محظوظ کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حمزہؓ جیسے لاثانی مرد کارزار کو شہید کرنا ایک جنگی کارنامہ تھا۔ اس داستان گوئی میں وحشی نے اپنے آپ کو مات کر دیا۔

لیکن داد نہ دی گئی۔ نبی کریمؐ نے بہت دکھ سے کہا "اب میرے سامنے پھر کبھی نہ آنا۔"[1] وحشی کو دل ہی دل میں احساس ہوا کہ اس کا مدینے میں رہنا، جہاں حمزہؓ کی یاد بلصد احترام تازہ تھی، اس کے لیے خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہ اسی وقت وہاں سے چل دیا۔

اس نے اگلے دو برس طائف کی مختلف نواحی بستیوں میں گوشۂ گمنامی میں رہ کر اور باہر سے آنے والوں سے کتراتے ہوئے گزارے۔ وہ ضمیر کی ملامت سے بے چین تھا اور اپنی جان کا ڈر اس کو الگ تھا۔ اس کی زندگی ایک عذاب ہو کر رہ گئی۔ پھر ارتداد کا دور آیا تو وحشی نے اپنے نئے ایمان پر قائم رہ کر کفار کے خلاف اسلام کی خاطر لڑنے کا فیصلہ کیا اور اب وہ اللہ کی تلوار کے جھنڈے تلے جہاد میں حصہ لے رہا تھا۔

جب وحشی نے مسیلمہ کو دیکھا تو اس نے اپنے برچھے پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ اسی برچھے پر جو بہت سوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ کذّاب ایک خونخوار درندے کی طرح لڑ رہا تھا، وہ ان مسلمانوں کے حملوں کو پسپا کرنے کے لئے جو اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کبھی اپنے محافظوں سے آگے بڑھ کر لڑتا اور کبھی ان کے درمیان میں رہ کر۔ اس طرح اگرچہ بعض اوقات اس کے محافظ اس کے سامنے آجاتے تھے، وہ کبھی سیاہ فام قاتل کی مسلسل گھورتی ہوئی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پایا۔ وحشی نے اپنے اگلے شکار کا انتخاب کر لیا تھا۔ ایسا شکار جس کی موت سے اسے شاید اپنی دل آزاری سے کچھ نجات مل جائے۔

وحشی مسلمانوں کی اگلی صف سے کچھ دور پیچھے سے چوری چھپے اپنے نشانے کی طرف اس

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲ صفحہ ۷۲

غرض سے بڑھنے لگا کہ وہ اس کے برچھے کی زد میں آجائے۔ مسیلمہ کے گرد کوستے، گرجتے، پسینے سے شرابور خون میں لت پت جنگجوؤں کا جتھا اس کی نظروں سے غائب سا ہوگیا۔ وحشی کے خوفناک ذہن میں اب صرف شکار کے لئے گنجائش رہ گئی۔

وحشی نے دیکھا کہ اُم عمارہؓ، جنگِ احد کی شاندار سگیم رحن کے انداز اور عمل میں اس وقت مگر کوئی بات بیگماتی نہ تھی)، مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ وہ راستے میں حائل ایک کافر کے ساتھ نبرد آزما تھیں۔ اچانک کافر نے ان پر ایسا وار کیا کہ ان کا ہاتھ کٹ کر الگ ہوگیا۔ ان کے بیٹے نے جوان کے شانہ بشانہ ہی تھا، اس کافر کو ایک مہلک ضرب میں مار گرایا اور اپنی ماں کو وہاں سے ہٹا لیا۔ اُم عمارہؓ کو مسیلمہ تک نہ پہنچ پانے کا بہت قلق ہوا۔

وحشی اور بھی قریب کھسک آیا۔ اس کے ذہن میں اُحد کے محترم شہید، حمزہؓ کی تصویر ابھر آئی، جن کا قتل اس کی تمام مصیبتوں کا سبب تھا۔ حضرت حمزہؓ کے نقیس توانا، وجیہہ خد و خال اس کی نظروں کے سامنے بھر گئے۔ زور لگا کر اس نے اس اندوہناک واقعہ کی یاد کو ذہن سے دور کیا اور پھر مسیلمہ کی طرف دیکھا تو وہ تضاد سے بھونچکا رہ گیا۔ مکار کا نقشہ بے حد گھناؤنا ہو رہا تھا۔ بدصورت، زرد چپٹی ناک کا چہرہ طیش و نفرت سے مسخ تھا اور منہ سے بدرنگ جھاگ بہہ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اس آسیبی شخص کی ساری خباثت اس کے چہرے میں اُمنڈ آئی ہے۔

وحشی نے ایک مشاق نگاہ سے فاصلے کو پرکھا اور اس کو زد کے لئے بالکل موزوں پایا جب اس نے برچھا تول کر شست باندھی تو دیکھا کہ ابودجانہؓ (جنگِ احد میں نبی کریمؐ کی مجسم ڈھال)، مسیلمہ تک پہنچنے کو تلوار سے راستہ کاٹتے چلے جا رہے ہیں۔ ابودجانہؓ بڑے زبردست شمشیرزن تھے اور جلد ہی اپنی منزل کو پانے والے تھے۔ وحشی نے غرا کر اپنے حربے کو نشانے کی طرف پھینکا۔

برچھا مسیلمہ کے پیٹ میں لگا۔ جھوٹا نبی گرا، اس کا چہرہ درد سے اینٹھ گیا اور اس

کے ہاتھ برچھے کے دستنے کو کھسوٹنے لگے۔ اگلے ہی لمحے میں ابودجانہؓ اس تک جا پہنچے اور تلوار کے ایک بھرپور وار سے انہوں نے اس کذاب کا خبیث سر تن سے جدا کر دیا۔ جونہی ابودجانہؓ اس خوش خبری کا اعلان کرنے کو سیدھے کھڑے ہوتے، ایک چمکتی ہوئی کافر تلوار نے انھیں شہید کر دیا۔ ایک مرتد مسیلمہ کذاب کی طرف دیکھتے ہوئے چلایا" ایک کالے غلام نے اسے مار ڈالا ہے۔" پھر یہ آواز مسلمانوں اور کفار دونوں میں ایسے بلند ہوئی کہ سارا باغ اس سے گونج اٹھا: "مسیلمہ مارا گیا!" [1]



وحشی نے بعد کو مہم شام میں بھی خالدؓ کے ماتحت جنگی خدمات انجام دیں۔ جب شام فتح ہو کر اسلامی مملکت کا صوبہ بن گیا تو وحشی نے حمص میں سکونت اختیار کر لی اور بڑی عمر تک زندہ رہا۔ لیکن اس نے اپنی اس زندگی کے بیشتر دن شراب میں مخمور گزارے۔ اسے شراب خوری کے جرم میں حضرت عمرؓ نے ۸۰ کوڑوں کی سزا بھی دی (وہ شام میں پہلا مسلمان تھا جسے اس قصور کی سزا ملی)، لیکن اس نے جام و مینا سے جدا ہونا گوارا نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس فلسفیانہ قول کے ساتھ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے کہ" شاید حمزہؓ کے خون کی وجہ سے اللہ تعالیٰ وحشی کو نہیں چھوڑے گا۔" [2]

اپنے آخری ایام میں حمص میں قیام کے دوران، وحشی ایک مشہور ہستی بن گیا جس کی زیارت کو لوگ دور دراز علاقوں سے آتے۔ ملاقاتی اس کے گھر یہ آس لگا کر جاتے کہ وہ ان کو اپنے ہوش میں ملے گا اور اس سے حمزہؓ اور مسیلمہ کے بارے میں دریافت کرتے۔ اگر وہ با حواس ہوتا تو پہلے حمزہؓ اور پھر مسیلمہ کے قتل کی داستان تفصیلاً سناتا۔ ان داستانوں کے اختتام پر وہ اپنے برچھے کو غضبناک

---

[1] ابن ہشام: جلد ۲ صد ۷۳

[2] ایضاً

فخر کے ساتھ بلند کرتا اور کہتا "اس برچھے سے میں نے اپنے ایام کفر میں ایک بہترین آدمی کو قتل کیا اور اپنے ایام ایمان میں ایک بدترین آدمی کو۔" [۱]

☆

مسیلمہ کذاب کی موت کی خبر سن کر مرتدین جلد ہی پسپا ہونے لگے۔ بعض سر دھڑ کی بازی لگا کر اور زیادہ شدت سے لڑے۔ لیکن وہ صرف اپنی اذیت کو طول دینے میں کامیاب ہوئے، اپنی جان نہ بچا پائے۔ زیادہ مرتدین نے مگر جدوجہد ترک کردی اور مایوس ہو کر کسی مسلم تلوار سے اپنی مصیبت کے خاتمے کا انتظار کیا۔ مسلمان ایک آخری فوق البشری کوشش کے ساتھ مرتدین کے پریشان اور بے بس ہجوم پر ٹوٹ پڑے اور ان کی تلواروں نے کفار کے خلاف قہرِ الٰہی کا حق پورا کر دیا۔ اب جنگ جنگ نہ رہی قتل عام شروع ہو گیا۔

غروب آفتاب کے وقت موت کے باغ پر امن وسکوت طاری ہو گیا۔ مسلمان اس قدر تھک چکے تھے کہ اب ان سے تلواریں نہیں اٹھ رہی تھیں اور قتل کرنے کو رہ بھی کوئی نہ گیا تھا۔

رات گزارنے کو مسلمان جہاں کھڑے تھے وہیں لیٹ گئے، اور جنگ کے کابوس سے نجات پا کر فاتحوں کی نیند سوئے۔

☆

اگلی صبح خالدؓ نے میدان جنگ کا چکر لگایا۔ ہر جگہ ان کو جنگ کی تباہی کے آثار پھیلے ہوئے نظر آئے۔ وادی میں عقربا کے میدان میں اور باغ میں ہر طرف چاک وشکستہ لاشیں عجب بے ہنگم شکلوں میں اینٹھی پڑی تھیں۔ کئی جگہوں پر وہ اپنے قدم خون آلود زمین سے بچاتے ہوئے گزرے۔ یمامہ میں ارتداد کے سبھی اہم رہنما مارے جا چکے تھے۔ سب سوائے قیدی مجاعہ کے جو ہنوز پابہ زنجیر فاتح کے ہمراہ پاؤں گھسیٹ رہا تھا۔ خالدؓ اسے اپنے ساتھ لے آئے تھے کہ وہ مردہ رہنماؤں

---

[۱] ابن ہشام: جلد ۲، صفحہ ۷۳

میں سے بعض کو شناخت کرے اور بنو حنیفہ کی شکست کا بھرپور صدمہ بھی محسوس کرے۔

مسلمانوں کی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جنگ سخت گراں گزری تھی، اور اب ان میں لڑنے کی قوت درکنار اپنی مدافعت تک کا دم نہ رہ گیا تھا۔ نڈھال اور تھکے، ماندے وہ جہاں رات کو پڑ رہے تھے وہیں اپنے فرسودہ اعضا سستاتے ہوئے پڑے رہے۔ لیکن خالدؓ جنگ کے نتیجے سے بجا طور پر مطمئن تھے: مسیلمہ مر چکا تھا اور اس کی فوج کی دھجیاں اڑا دی گئیں تھیں۔ اس خیال سے خالدؓ کے دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مجاعہ نے ان کی مگر ساری خوشی خاک میں ملا دی۔

"بلاشبہ آپ کو فتح حاصل ہوئی ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔ "لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ نے بنو حنیفہ کے ایک چھوٹے سے حصے کے خلاف جنگ کی ہے۔ اس حصے کے خلاف جسے مسیلمہ جلدی میں جمع کر سکا۔ اس لشکر کا بڑا حصّہ ابھی تک یمامہ میں قلعے کے اندر ہے۔"

خالدؓ نے اس کو شکی نگاہ سے گھور کر دیکھا۔ "تم پر اللہ کا قہر نازل ہو! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں، حقیقت یہی ہے۔" مجاعہ نے کہا۔ "میری تجویز ہے کہ آپ انھیں پرامن طور پر ہتھیار ڈال دینے کا موقع دیں۔ اگر آپ اپنی شرائط مجھے بتا دیں تو میں قلعے کے اندر جا کر اپنے قبیلے کی فوج کو ہار ماننے کے لیئے آمادہ کرنے کی کوشش کروں۔"

خالدؓ نے تقریباً بلا تامل دل ہی دل میں تسلیم کر لیا کہ اپنے نڈھال سپاہ کے ساتھ ایک اور پہلے سے بھی زیادہ بڑی فوج کا مقابلہ کرنا ممکن نہ تھا۔ "ٹھیک ہے۔" انہوں نے مجاعہ کی تجویز قبول کرتے ہوئے جواب دیا "صلح ہو جائے۔"

دونوں سربراہوں کے درمیان صلح کی یہ شرائط طے پائیں کہ مسلمان یمامہ میں موجود تمام سونا، تلواریں، زرہ بکتر اور گھوڑے لے لیں گے، لیکن وہاں کی صرف نصف آبادی کو غلام بنائیں گے۔ مجاعہ کی بیڑیاں اتار کر اسے قلعہ بند شہر کی طرف اس اقرار پر جانے کی اجازت دیدی گئی کہ وہ واپس لوٹ آئے گا۔ کچھ عرصے بعد وہ مایوسی سے سر ہلاتا ہوا واپس آگیا۔ "وہ نہیں مانتے۔"

اس نے کہا۔ "وہ جنگ پر تلے ہوئے ہیں۔ فی الواقعہ وہ میرے بھی خلاف ہو گئے ہیں۔ اب آپ چاہیں تو حملہ کر دیں۔"

خالدؓ نے شہر جا کر خود جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اپنے تھکے ماندے لشکر کے بڑے حصے کو شہداء کی تدفین اور مال غنیمت جمع کرنے کے لئے وہیں چھوڑ کر، انہوں نے سواروں کا ایک دستہ لیا اور مجاعہ کے ہمراہ پابرکاب یمامہ کی جانب چل دیئے۔ جب وہ بالاحصار شہر کی شمالی دیوار کے قریب پہنچے تو وہ ٹھٹک کر رک گئے، کیونکہ فصیل کے کنگروں میں سے بے شمار جنگجو نظر آ رہے تھے جن کے اسلحہ اور بکتر دھوپ میں بداندیش انداز سے دمک رہے تھے۔ انھیں خیال آیا کہ خدایا اس ناقابل تسخیر قلعے کی تازہ دم فوج سے کیسے نمٹا جائے؟ ان کے سپاہ میں لڑنے کے لئے تو دم تھا نہیں۔ فی الحال آرام کے علاوہ انھیں کسی چیز سے کوئی سروکار نہ رہ گیا تھا۔

مجاعہ کی آواز نے سکوت کو توڑا: "اگر آپ ان میں سے کسی کو بھی غلام نہ بنائیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ قلعہ آپ کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ تمام سونا، تلواریں، بکتر اور گھوڑے مگر آپ اپنی ملکیت میں لے سکیں گے۔"

"کیا وہ اس پر رضامند ہیں؟" خالدؓ نے پوچھا۔

"میں نے اس ضمن میں بات کی تھی۔ لیکن انہوں نے کوئی قطعی جواب نہیں دیا ہے۔"

ایک حد تک تو خالدؓ کو مصالحت منظور تھی۔ لیکن اس حد سے ذرا بھر آگے جانے کو وہ بالکل تیار نہ تھے۔ کڑی نگاہ سے مجاعہ کی طرف دیکھ کر انہوں نے کہا "میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔" اگر تب ان نئے شرائط کے تحت قلعے کے دروازے نہ کھولے گئے تو میں حملہ کر دوں گا اور پھر شرائط کا کوئی سوال نہیں رہ جائے گا۔"

مجاعہ ایک بار پھر قلعے کے اندر آ گیا۔ اس بار وہ مسکراتا ہوا واپس آیا: "وہ مان گئے ہیں۔"[1] اس

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۱۵، ۵۱۷۔ بلاذری: صفحہ ۹۹، ۱۰۰۔

نے اعلان کیا۔

حسب شرائط عہد نامہ تیار کیا گیا۔ اس پر مسلمانوں کی طرف سے خالدؓ نے اور بنو حنیفہ کی طرف سے مجاعہ بن مرارہ نے دستخط کیے۔ [1]

جب عہد نامہ پر دستخط ہو گئے تو مجاعہ قلعے کی طرف واپس چلا گیا اور اس کے تھوڑے ہی دیر بعد قلعے کے دروازے کھول دیئے گئے۔ جب خالدؓ اپنے سواروں اور مجاعہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو انھیں توقع تھی کہ مسلح جنگجوؤں کے انبوہ نظر آئیں گے۔ لیکن جہاں بھی ان کی نگاہ پڑی، انھیں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے سوا کوئی دکھائی نہ دیا۔ حیران ہو کر وہ مجاعہ سے مخاطب ہوئے۔ "وہ جنگجو کہاں ہیں جو مجھے پہلے نظر آتے تھے۔"

مجاعہ نے عورتوں کی طرف اشارہ کیا: "وہ رہے وہ سپاہی جو آپ کو دکھائی دیئے تھے۔ اس نے جواب دیا۔ "جب میں پہلی بار قلعے میں آیا تو ان عورتوں کو بکتر پہنا کر ہتھیار پکڑا دیئے۔ اور پھر انھیں فصیل پر کنگروں کے سامنے گشت کرنے کے لئے متعین کر دیا "یہاں کوئی جنگجو نہیں ہے۔"

اس طرح جھانسے میں آجانے پر جبیں بہ جبیں ہو کر خالد مجاعہ پر برس پڑے" او مجاعہ! تو نے مجھے دھوکا دیا۔"

مجاعہ نے کندھے جھٹک کر کہا" یہ میرے قبیلے کے لوگ ہیں۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔"

معاہدہ آڑے آگیا ورنہ خالد نے خالی ہاتھ مجاعہ کے ٹکڑے کر ڈالے ہوتے۔ عہد نامے پر دستخط ہو چکے تھے اور اس کی شرائط کا احترام لازم تھا۔ بنو حنیفہ کے وہ لوگ جو شہر کے اندر تھے اب محفوظ تھے۔ جلد ہی وہ اپنے شہر سے باہر نکل آئے اور آزادی سے گرد و نواح میں گھومنے پھرنے لگے۔

---

[1] اس عہد نامے کی صحیح شرائط کے بارے میں ابتدائی مورخین کے درمیان قدرے اختلاف رائے ہے لیکن متعلقہ تفصیلات اہم نہیں ہیں۔

اس کے ایک دو دن بعد خلیفہ کی طرف سے، جنہیں جب تک جنگِ یمامہ کے انجام کی اطلاع نہیں ملی تھی، ایک پیغام پہنچا، جس میں خالدؓ کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ بنو حنیفہ کے تمام مرتدین کو تہ تیغ کر دیں۔ خالدؓ نے جواب میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ جس عہد نامہ پر وہ دستخط کر چکے تھے اس کی رو سے خلیفہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی جا سکتی۔ حضرت ابو بکرؓ نے شرائط معاہدہ کی پابندی پر خالدؓ سے اتفاق کیا۔

لیکن عہد نامہ کا اطلاق ان افراد تک محدود تھا جو قلعے کے اندر تھے۔ بنو حنیفہ کے وسیع قبیلے کے باقی افراد پر، جو یمامہ کے نواحی علاقے میں ہزاروں کی تعداد میں آباد تھے، یہ عائد نہیں ہوتا تھا۔ بنو حنیفہ کا سب سے اہم عنصر اب لشکرِ مسیلمہ کے ان بچے کھچے سپاہ پر مشتمل تھا جو میدانِ عقربائے سے بھاگ لئے تھے۔ یہ سپاہی جن کی تعداد ۲۰،۰۰۰ سے زیادہ تھی، ٹکڑیوں اور گروہوں میں بٹ کر بے مقصد ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ مسیلمہ کی موت کے بعد ان کے وجود سے اسلام کو کوئی بڑا خطرہ لاحق نہیں تھا، لیکن تاہم وہ خاصا فتنہ برپا کر سکتے تھے۔ انھیں بہر صورت نیست و نابود کرنا ضروری تھا۔ جنگ کے سخت قوانین کے تحت، مکمل اطاعت قبول کرنے تک وہ حملے سے محفوظ رہنے کی کوئی توقع نہیں رکھ سکتے تھے۔

خالدؓ نے عزم کر لیا تھا کہ وہ بنو حنیفہ کی مخالفت کا خاتمہ کر دیں گے۔ تاکہ ان کے علاقے میں کامل امن و امان قائم ہو پائے۔ انہوں نے اپنی فوج کو آرام کے دو دن دیئے۔ اور پھر اسے متعدد دستوں میں بانٹ کر ان کو یمامہ کے نواحی علاقے مسخر کرنے کو اور مزاحمت کرنے والے جملہ افراد کو قتل کر دینے یا گرفتار کر لانے کے لئے بھیجا۔ یہ دستے دیہات میں پھیل گئے۔

مفروروں کو اپنی اپنی پناہ گاہوں سے ڈھونڈھ نکالا گیا۔ ہزاروں ارتداد اور سرکشی پر قائم رہے۔ ان پر دھاوا کر کے ان کا صفایا کر دیا گیا۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ لیکن ہزاروں دوسرے افراد نے اطاعت قبول کر لی اور ان کی جان بخش دی گئی۔ آخر کار زندہ

بچ جانے والے تمام لوگ دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

خالدؓ نے یمامہ کے نزدیک اپنا صدر مقام قائم کیا، جہاں وہ خلیفہ کی طرف سے اگلی فوجی کارروائی کے لئے ہدایات آنے تک تقریباً دو ماہ تک مقیم رہے۔

☆

جنگ یمامہ کے کامیاب اختتام کے ساتھ ہی عرب کا بیشتر حصہ فتنۂ ارتداد سے پاک ہو گیا۔ کسی حد تک یہ فتنہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں پر اب بھی باقی رہ گیا۔ مگر اس سے کوئی خاص خطرہ لاحق نہیں تھا۔ ابھی بعض معرکے اور ہونے کو تھے۔ لیکن ان بڑے تصادموں کے مقابلے میں جن کا اس باب اور گزشتہ ابواب میں تذکرہ کیا گیا ہے، یہ نسبتاً چھوٹی کارروائیاں تھیں۔

تاریخ اسلام میں اس وقت تک کے معرکوں میں یمامہ کی جنگ سب سے شدید اور خونی تھی۔ مسلمانوں کو اس سے پہلے کبھی اتنی سخت آزمائش کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اور اللہ کی تلوار کی قیادت میں وہ اس امتحان میں بڑے استقلال کے ساتھ پورے اترے۔ مسلمانوں نے بنو حنیفہ کی اپنے سے کہیں بڑی طاقت کو، جسے مسلیمہ جیسے زبردست جنگجو کی قیادت بھی حاصل تھی، تباہ کر کے ثابت کر دیا کہ وہ مرد آہن ہیں۔ نصف صدی بعد بڑے بوڑھے اپنے پوتوں کو اس جنگ کی داستان زندہ تفصیلات کے ساتھ سناتے اور اس کا اختتام بڑے فخر سے یوں کرتے: "میں یمامہ میں تھا!"

مقتولین کی تعداد ہوش ربا تھی۔ مرتدین میں سے ۲۱۰۰۰ آدمی مارے گئے۔ ۷۰۰۰ میدان عقربا میں، ۷۰۰۰ حدیقۃ الموت میں، اور ۷۰۰۰ پکڑ دھکڑ کی ان کارروائیوں کے دوران جو خالدؓ کے مختلف اطراف میں بھیجے ہوئے دستوں نے انجام دیں۔

مرتدین کی نسبت مسلمانوں کا نقصان خفیف تھا، مگر اپنے پچھلے معرکوں کے مقابلے میں یہ نقصان واقعی بہت بھاری رہا۔ کل ۱۲۰۰ مسلمان شہید ہوئے۔ زیادہ تر وادی میں یا وادی

کے پاس۔[1] اس نقصان کا نصف حصہ انصار اور مہاجرین نے جھیلا۔ جن میں نبی کریمؐ کے نہایت قریبی اور بڑے محترم صحابہ شامل تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان شہدا میں ۳۰۰ حافظ القرآن تھے۔ مسلمانوں کی کئی باکمال ہستیاں جنگ میں کام آئیں۔ ابو دجانہؓ، ابو حذیفہؓ (میسرہ کے سالار) زیدؓ (حضرت عمرؓ کے بھائی اور میمنہ کے سالار) زیدؓ شہید ہو گئے۔ مگر حضرت عمرؓ کے بیٹے، عبداللہؓ زندہ بچ گئے۔

جب عبداللہؓ لوٹ کر مدینے آئے تو وہ سلام کرنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر عمرؓ نے بیٹے کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں خوشی کی جھلک نہ تھی۔ "تم زید کے دوش بدوش کیوں شہید نہیں ہوئے؟" انہوں نے پوچھا۔ "زید فوت ہو گئے اور تم زندہ ہو! مجھے اپنی شکل نہ دکھانا!"

"ابا" ان کے بہادر نوجوان بیٹے نے التجا کی۔ "میرے چچا نے شہادت مانگی اور اللہ نے انھیں یہ اعزاز بخش دیا میں نے بھی شہادت کی آرزو کی لیکن اسے حاصل نہ کر سکا۔"[2]

جنگ یمامہ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی مہم اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ یہ مہم کا نقطۂ عروج تھا۔ ابوبکر کو اپنی اس حکمت حرب میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی کہ خالدؓ کو اپنا بازوئے راست بنا کر یکے بعد دیگرے قریب سے دور کو جاتے ہوئے سب سے اہم سردارانِ ارتداد سے جنگ کی جائے۔ آگے کے مرحلے اب نسبتاً آسان تھے۔

اس سے قبل کہ جنگِ یمامہ کا ذکر ختم کیا جائے، ایک ضمنی واقعہ بیان کرنے کو رہ جاتا ہے جب روز یمامہ کے بالاخصار نے اپنے دروازے کھولے اس کی شام کو خالدؓ اپنے خیمے کے باہر بیٹھے تھے۔ مجاعہ ان کے پاس بیٹھا تھا، اور دونوں تنہا تھے۔

---

[1] آجکل جو لوگ جبلیہ دیکھنے جاتے ہیں انھیں وادی حنیفہ کے جنوبی کنارے پر ایک قبرستان دکھایا جاتا ہے جہاں مسلمان شہدا دفن ہیں، اور شمالی کنارے پر انھیں اس گاؤں اور تنگ گھاٹی کے درمیان چھوٹا ٹیلا دکھایا جاتا ہے جہاں مرتدین کی لاشیں سپردِ خاک کی گئی تھیں۔

[2] طبری: جلد ۲، صد ۵۱۲ - ۵۱۳

معاً خالدؓ مجاعہ کی طرف متوجہ ہوتے: "میں تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں!"

مجاعہ حیران ہو کر خالدؓ کو دیکھنے لگا۔ غالباً وہ ٹھیک سن نہیں پایا تھا!

خالدؓ نے زیادہ پر اصرار لہجے میں دوبارہ کہا "میں تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں!"

مجاعہ کو اب یقین آیا کہ خالدؓ پاگل نہیں ہو گئے ہیں، اور واقعی اپنے مقصد کا اظہار کر رہے ہیں۔ تاہم موقعے کو دیکھتے ہوئے تمام کا تمام خیال بالکل بے تک تھا۔ "ہوش میں آئے خالدؓ" اس نے جواب دیا: "کیا چاہتے ہو کہ خلیفہ تمہاری کمر توڑ ڈالیں اور میری بھی؟"

"میں تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"[1] خالدؓ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ اور اسی شام انہوں نے مجاعہ بن مرارہ کی خوبصورت بیٹی کو بیاہ لیا۔

اس کے چند روز بعد خالدؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے ایک خشمگیں خط موصول ہوا۔ "او ابن اُم خالدؓ!" خلیفہ نے لکھا "تمہارے صحن میں ابھی ۱۲۰۰ مسلمانوں کا خون بھی خشک نہیں ہوا اور تم عورتوں سے بیاہ کرتے پھر رہے ہو۔"[2] خالدؓ جب خط پڑھ چکے تو وہ زیر لب بڑبڑائے۔ "یقیناً یہ اسی کھبے کی کارستانی ہے!"[3]

---

[1] طبری: جلد ۲ ،صفحہ 519

[2] آگے خفا ہو کر انہوں نے عکرمہ کو ان کی حکم عدولی پر اسی طرح مخاطب کیا تھا۔

[3] طبری: جلد ۲، صفحہ 519

خاتمۂ ارتداد

ارتداد کے جو عناصر عرب کے بعض کم اہم علاقوں میں رہ گئے ان کا بھی خاتمہ مسلمانوں نے پانچ مہینے میں ایک باتدبیر سلسلۂ مہمات کے ذریعے کر دیا۔

عمرو بن العاص رضؓ کو اپنے جیش کے ساتھ سرحدِ شام کی جانب اس علاقے کے مرتدین کی تسخیر کے لئے بھیجا جا چکا تھا جن قبائل کی سرزنش ضروری تھی۔ ان میں سب سے اہم قضاعہ اور کلب کے وسیع قبیلے کا ذیلی قبیلہ ودلیہ تھے۔ جس دوران میں خالد وسط عرب میں لڑ رہے تھے، اس میں عمرو رضؓ نے شمال میں مرتدین پر حملے کیے۔ لیکن انھیں محدود ہی کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ قبیلوں کو اطاعت پر مجبور نہ کر پائے۔

جب جنگ یمامہ ختم ہو گئی تو شرحبیل بن حسنہ رضؓ اپنے جیش کو لے کر خلیفہ کے احکامات کے مطابق، عمرو رضؓ کی کمک کو روانہ ہو گئے۔ اور ان دونوں سپہ سالاروں نے شمالی قبائل کو مسخر کرنے کے لئے مل کر جنگی کارروائی کی۔ اکثر مرتدین تبوک اور دومۃ الجندل کے علاقے میں جمع تھے۔ اور یہیں عمرو رضؓ اور شرحبیل رضؓ نے اپنے شدید ترین حملے کیے۔ چند ہفتوں میں یہاں ارتداد کالعدم ہو گیا، اور مرتد قبائل دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ شمالی عرب میں اس طرح ایک بار پھر امن و امان قائم ہو گیا۔

❁

عمان میں بسنے والا سب سے بڑا قبیلہ ازد کا تھا۔ اس قبیلے کا سردار لقیط بن مالک تھا،

جو عام طور پر ذو لتاج کے نام سے مشہور تھا۔ ان عربوں نے بھی ان لوگوں کی مانند جن کے ارتداد کا تذکرہ اسی باب میں آگے چل کر کیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا اور اسلامی مملکت کی عائد کردہ شرائط پر پابند رہنے کا اقرار کیا تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر سنکر لیکن ازد کا بہت بڑا حصہ ذو لتاج کی قیادت میں باغی اور اسلام سے برگشتہ ہوگیا۔ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص نبوت کا جھوٹا دعویدار بھی تھا۔ طبری کے اس مجمل قول کی بناء پر کہ اس نے "وہی دعویٰ کیا جو انبیاء کرتے ہیں"[1] یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے غالباً کسی نہ کسی انداز میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، بہر حال اس کی حقیقت کچھ بھی ہو، جس زمانے میں حضرت ابوبکرؓ مدینے کے لئے فوری خطرے کا سامنا کرنے میں مصروف تھے ذوالتاج نے یہ اعلان کرکے کہ وہ عمان کا بادشاہ ہے۔ وہاں اپنی حکومت قائم کرلی اور دباء کو اس کا صدر مقام بنا لیا۔ (نقشہ ۱۲ دیکھیے)۔

جب خالدؓ ذو القصہ سے طلیحہ کی سرکوبی کرنے کو روانہ ہوئے تو خلیفہ نے عمان میں ارتداد سے نمٹنے کے لئے حذیفہ بن حصن (۱۱ سالارِ جیوش میں سے ایک) کو وہاں بھیجا۔ حذیفہ صوبہ عمان کی حدود میں داخل تو ہو گئے۔ لیکن ذوالتاج کا مقابلہ کرنے کو ان کے جیش کی قوت ناکافی تھی۔ اور انہوں نے طے کیا کہ کمک کا انتظار کیا جائے۔ اس ضمن میں انہوں نے خلیفہ کو خط لکھا، جنہوں نے پھر، جیسا کہ بیشتر ازیں بیان کیا جا چکا ہے، عکرمہؓ کو حذیفہؓ کی مدد کے لئے یمامہ سے کوچ کرنے کی ہدایت کی۔ عکرمہؓ کی آمد پر دونوں سپہ سالاروں نے اپنی فوجوں کو متحد کیا اور ذو لتاج کے خلاف جنگ کرنے کو دباء روانہ ہوگئے۔

جنگِ دباء (نومبر ۶۳۲ء کے اواخر (رمضان ۱۱ھ کے اوائل) میں لڑی گئی۔ ابتدا میں لڑائی کا رخ مسلمانوں کے خلاف رہا، لیکن پھر عین موقع پر ایسے مقامی مسلمانوں کی ایک جماعت جو ذوالتاج کے باوجود اپنے عقیدے پر قائم رہے تھے، اپنے دینی بھائیوں کی مدد کو میدانِ جنگ میں آپہنچی۔ ان

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۲۹

تازہ دم سپاہ کے اضافے کی بدولت مسلمان فوج لشکر کفار کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئی۔ ذولتاج جنگ میں مارا گیا۔

اس کے بعد حذیفہ نے، عمان کا عامل مقرر ہونے پر نظم و ضبط بحال کرنے کا کام شروع کر دیا۔ عکرمہ پر چونکہ مقامی انتظام کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی، اس لئے انہوں نے اپنے حبیش کو دبا ع کے گرد و نواح کی تسخیر کے لئے استعمال کیا۔ متعدد چھوٹی کارروائیوں کے ذریعے انہوں نے ازد کے ان عناصر کی مزاحمت ختم کر دی جو اسلامی اقتدار کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس کے بعد ازد دوبارہ پرامن اور پابند شرع مسلمان ہو گئے اور انہوں نے مدینے کو پھر کبھی کوئی تکلیف نہ دی۔

٭

عمان سے، حضرت ابوبکرؓ کے احکامات کے مطابق، عکرمہؓ نے مہرہ کے صوبے کی جانب کوچ کیا۔ یہاں بھی ارتداد کے جراثیم مقامی آبادی میں پھیل گئے تھے، گو یہاں یہ مرض اتنا موذی نہ تھا جتنا بعض اور صوبوں میں۔ مہرہ فی الحقیقت عرفجہ بن ہرثمہ (ایک اور سالارِ حبیش) کی فوجی منزلِ مقصود تھی، اور عکرمہ کو ہدایت یہ دی گئی تھی کہ وہ عرفجہؓ کی مدد کریں۔ لیکن عرفجہؓ چونکہ ابھی پہنچے نہ تھے، عکرمہؓ نے فیصلہ کیا کہ ان کا انتظار کرنے کی بجائے وہ خود اس مقامی ارتداد کو قابو میں کر لیں۔

مقامی باغیوں کی فوج جیروت کے مقام پر دو غیر مساوی فرقوں کی شکل میں جمع ہو گئی تھی۔ عکرمہؓ جنوری ۶۳۳ء کے اوائل (شوال ۱۱ھ کے وسط) میں جیروت پہنچے اور کفار کے مقابل آئے۔ جب وہ دشمن سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تو انہوں نے مرتدین کو ملت اسلامیہ میں پلٹ آنے کی دعوت دی۔ دو مرتد فرقوں میں سے بڑے نے تو یہ دعوت مسترد کر دی لیکن چھوٹے نے اسے قبول کر لیا۔ اس کے بعد جب وہ مسلمانوں کے ساتھ آملا تو عکرمہؓ نے باغیوں پر حملہ کر کے انہیں شکست دے دی۔ اس کا سپہ سالار مارا گیا، اور مالِ غنیمت کی ایک وافر مقدار عکرمہؓ کے ہاتھ آ گئی۔

مہرہ میں اسلام دوبارہ قائم کر کے عکرمہؓ اپنے جیش کو اَبین لے آئے. جہاں انہوں نے اپنے سپاہ کو آرام کا موقع دیا اور اگلے واقعات کے رونما ہونے کا انتظار کیا۔

☆

بحرین میں عُلاءؓ بن الحضرمیؓ کے جیش نے کسی دوسری فوج کا سہارا لئے بغیر باغیوں کے خلاف جنگی کارروائی کی۔ یہ جنگِ یمامہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس سپہ سالار کو یہ کہہ کر بحرین میں ارتداد کا خاتمہ کرنے کے لئے بھیجا کہ اسے دیگر اسلامی افواج سے کسی طرح کی مدد نہیں ملے گی اور اسے اپنے ہی بل بوتے پر سب کچھ کرنا ہوگا۔

عُلاءؓ کو بحرین پہنچ کر معلوم ہوا کہ مرتد سپاہ ہجر کے مقام پر خندق سے محصور مضبوطی سے مورچہ جمائے ہوتے ہیں (ان مہمات میں خندق سے کام لینے کی یہ واحد مثال ہے)۔ عُلاءؓ نے متعدد حملے کئے لیکن کئی روز کی لڑائی کے بعد بھی ان میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ خندق پار کرنے میں سخت دشواری کا سامنا تھا۔ جب کبھی کچھ سپاہ خندق پار کرتے دشمن انھیں واپس دھکیل دیتا۔ عُلاءؓ حیران ہونے لگے کہ اس مستحکم مورچے کو کیسے توڑا جائے۔

پھر ایک رات کے ابتدائی حصّے میں باغیوں کے مورچے کی طرف سے دیوانہ وار پرمسرت چیخ و پکار کی آوازیں عُلاءؓ کے کانوں تک پہنچیں۔ اس سے متعجب ہو کر انہوں نے اپنے جاسوس تفتیش کے لئے بھیجے۔ ان جاسوسوں نے جلد واپس آکر یہ خبر دی کہ دشمن کے پڑاؤ میں بے تحاشا رنگ رلیاں منائی جا رہی ہیں اور سب کے سب مدہوش ہیں۔ عُلاءؓ نے اسی وقت شبخون مارنے کا حکم دیا۔ جب مسلمان حملہ آور ہوئے تو انھیں کوئی پہریدار نہ ملا۔ اس طرح وہ دشمن کی مکمل بے خبری میں اس کے درمیان گھس گئے اور اس سے پیشتر کہ اس کو اپنے رنگ میں بھنگ پڑنے کا احساس ہوتا اس کے سینکڑوں افراد مارے گئے اور اس سے پہلے کہ باقی ہوش میں آکر بھاگ پائیں سینکڑوں اور ہلاک ہوگئے۔

اگلے روز عُلاءؓ نے ساحل کی جانب بھگوڑوں کا تعاقب کیا۔ وہاں وہ ایک بار پھر مقابلے

کے لئے جسے لیکن انھیں کامل شکست ہوگئی۔ بیشتر نے ہتھیار ڈال کر دوبارہ اسلام قبول کرلیا۔

یہ جنگی کارروائی جنوری ۶۳۳ء کے اواخر (ذی قعدہ ۱۱ھ کے دوسرے ہفتے) میں مکمل ہوئی۔

٭

اسلامی حکومت کے خلاف سب سے پہلے صوبۂ یمن نے اس وقت بغاوت کی تھی جب قبیلۂ عنس نے اپنے سردار اور جھوٹے نبی۔ اسود، سیاہ فام کی قیادت میں ہتھیار اٹھائے تھے۔ اسود کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔ وہ فارسی النسل فیروز کے ہاتھوں جب نبی کریمؐ ابھی زندہ تھے، مارا گیا تھا، اور اس کے بعد فیروز کو حاکم صنعا کے فرائض سونپے گئے تھے۔

جب وہاں یہ خبر پہنچی کہ نبی کریمؐ فوت ہو گئے ہیں تو اہل یمن پھر بغاوت پر اتر آئے۔ اب کی قیس بن عبد یغوث کی قیادت میں مرتدین کا اعلانیہ نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں کو یمن سے مار بھگایا جائے۔ اس مقصد کی کامیابی کے لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ فیروز اور دوسرے اہم مسلمان رہنماؤں کو قتل کیا جائے اور اس طرح یمن کے اہل اسلام کو قیادت سے محروم کر دیا جائے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو یمن کی حدود سے باہر نکال دینے میں انھیں کوئی دقّت نظر نہ آئی۔

اس غدارانہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قیس نے فیروز اور دیگر مسلمان عہدیداروں کو دعوت دی کہ وہ مذاکرات کے لئے اس کے گھر آئیں۔ کچھ مسلمان اس جھانسے میں آ گئے اور انھیں قاتلوں نے بہ عجلت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن آخر گھڑی میں فیروز کو اس سازش اور اس کے پیچھے کام کرنے والی تنظیم کا پتا چل گیا۔ چونکہ فیروز کے پاس فوری استعمال کے لئے کوئی جنگی قوت نہ تھی، انہوں نے وقتی طور پر فرار اختیار کیا اور صنعا سے نکل آئے۔ قیس کو ان کے چلے جانے کی اطلاع ملی تو اس نے ان کا پیچھا کیا لیکن فیروز تعاقب کرنے والوں سے جان بچا کر پہاڑیوں کے دامن میں ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ان کو ایک محفوظ ٹھکانا مل گیا۔ یہ جون یا جولائی ۶۳۲ء (ربیع الاول

یا آخر ۱۱ھ) کا واقعہ ہے۔

اگلے چھ ماہ کے لئے فیروز اپنے کوہستانی جائے پناہ میں مقیم رہے، جہاں ان مہینوں کے دوران ایسے ہزاروں مسلمان ان کے ساتھ آملے جو قیس کو یمن سے نکالنے اور وہاں دوبارہ مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے کے لئے اپنا خون بہانے کے لئے تیار تھے۔ فیروز ان مسلمانوں کو ایک فوج میں منظم کرتے گئے۔ جب انھیں احساس ہوا کہ ان کی قوت میدان میں قیس کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوگئی ہے تو انہوں نے اس فوج کے ساتھ صنعا کی جانب کوچ کیا۔ یہاں قیس ان کا منتظر تھا اور جنوری ۶۳۳ء کے وسط (شوال ۱۱ھ کے اواخر) میں وہ شہر کے ذرا باہر باہم برسرپیکار ہوئے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اور قیس بھاگ کر ابین چلا آیا۔ جہاں آگے عکرمہؓ تسخیر مہرہ کے بعد آرام کے لئے آنے والے تھے۔

ابین کے مقام پر دوسرے مرتد سردار بھی قیس کے ساتھ آملے، لیکن ان کے درمیان نفاق پیدا ہوگیا۔ جب انھیں مستقبل میں مدینے کے خلاف کامیاب کارروائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ سب مسلمانوں کے سامنے جھک گئے اور بعد ازاں انھیں خلیفہ کی طرف سے معافی بھی مل گئی۔ ان مرتد سرداروں میں سے بعض دوبارہ اسلام قبول کرنے کے بعد، آئندہ برسوں کے دوران عراق اور شام میں بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔

❊

ارتداد کی بڑی بغاوتوں کے سلسلے کی آخری کڑی کندہ کے اس طاقتور قبیلے کی بغاوت تھی جو نجران، حضرموت اور مشرقی یمن میں آباد تھا۔ اس بغاوت میں واقعات کا تسلسل بڑی حد تک وہی کچھ تھا جو دوسری بغاوتوں میں پیش آچکا تھا۔

نبی کریمؐ کی وفات پر ہی کندہ میں انحراف کا مادّہ ابھرنے لگا، گو انہوں نے فوری طور پر علم بغاوت بلند نہ کیا۔ حضرموت کے حاکم زیاد بن لبید تھے۔ جو حضرموت کے دارالحکومت، ظفر،

میں رہتے تھے۔ وہ ایک دیانت دار اور خدا ترس مسلمان تھے اور اس لئے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے معاملے میں اصول کے سخت پابند۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلہ کندہ میں بےچینی پھیل گئی۔ زیاد نے ان کی زکوٰۃ اور دوسرے محصولات کی پوری ادائیگی سے بچنے کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔

جنوری ۶۳۳ء (شوال ۱۱ھ) میں کندہ کی بد دلی ابل پڑی۔ ان کے ایک چھوٹے سردار نے بطور زکوٰۃ ایک بہت اچھا اونٹ بھی دیدیا تھا۔ بعد میں اس کی نیت بدل گئی اور اس نے اونٹ واپس مانگا۔ زیاد نے لیکن اس کی یہ درخواست مسترد کر دی۔ تب اس سردار نے اپنے کچھ آدمیوں کو بھیج کر اونٹ چوری کرالیا۔

اس کے ردِعمل میں زیاد نے چند سپاہیوں کو بھیجا کہ وہ اونٹ چوروں کو گرفتار کرلائیں تھوڑے ہی عرصے بعد اونٹ اور چور پکڑے گئے اور مجرموں کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ اگلی صبح کندہ کے ایک مشتعل ہجوم نے مطالبہ کیا کہ ان کے گرفتار ساتھی چھوڑ دیئے جائیں۔ زیاد نے چوروں کو رہا کرنے سے انکار کر دیا اور اعلان کیا کہ ان پر قانونِ اسلام کے تحت مقدمہ چلایا جائے گا۔ اس بارودی صورت حال میں آگ لگ گئی۔

کندہ کے بڑے بڑے فرقے کھلی بغاوت اور ارتداد پر اتر آئے۔ انہوں نے نہ صرف زکوٰۃ ادا کرنے اور شریعت کی پابندی سے انکار کر دیا بلکہ اقتدار مدینہ کے خلاف جنگ کے لئے ہتھیار بھی اٹھا لئے۔ اس مقصد کے لئے کئی اور فسادی عناصر ان کے ساتھ ہو گئے، اور ان سب نے مل کر فوجی پڑاؤ قائم کئے اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

ان میں سے باغیوں کا ایک پڑاؤ ریاض میں تھا، جو ظفر سے دور نہ تھا۔ اس پڑاؤ پر شبخون مارنے کو زیاد نے ایک فوجی دستہ بھیجا، جسے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ کچھ مرتد مارے گئے۔ بہت سے قیدی بنا لئے گئے اور بہت سوں کو مار بھگایا گیا۔ جب قیدیوں کو ظفر لایا جا رہا تھا تو

ان کا کندہ کے سب سے بڑے سردار، اشعث بن قیس جو ابھی تک مرتد نہیں ہوا تھا، کے پاس سے گزر ناہوا۔ "اے اشعث" ان قیدیوں نے اسے آواز دی "ہم تمہاری ماں کے کنبے کے لوگ ہیں"[1] اشعث کی قبائلی وفاداری اس کے ایمان اور مرکزی اقتدار کے لئے اس کے احترام دونوں پر غالب آگئی۔ اپنے ساتھ کئی جنگجو لے کر اس نے مسلمان دستے کا راستہ روکا، قیدیوں کو آزاد کیا اور مسلمان سپاہ کو خالی ہاتھ گھر بھیج دیا۔

یہ واقعہ اشعث کی بغاوت کا نقطۂ آغاز تھا۔ قبیلۂ کندہ کے لوگ جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر جنگ کے لئے تیار ہوئے۔ لیکن مسلم اور مرتد فوجی قوت میں ایسا توازن تھا کہ دونوں میں سے کوئی فریق سنگین لڑائی شروع کرنے کو تیار نہ تھا۔ زیاد نے اشعث پر حملہ کرنے کے لئے کمک کا انتظار کیا۔

کمک پہنچنے ہی والی تھی۔ مہاجر بن ابو امیہؓ نے، جو حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے بھیجے جانے والے آخری سالار جیش تھے، اسی اثنا میں نجران کے باغیوں کو مطیع کر لیا تھا اور ان کو اب یمن جانا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مگر انھیں ہدایت بھیجی کہ وہ یمن جانے کے بجائے زیاد کے ساتھ مل کر کندہ کے ارتداد سے نمٹنے کے لئے حضر موت کی طرف پیش قدمی کریں۔ عکرمہؓ کو بھی جو اب ابین میں تھے یہی ہدایت ملی۔

مہاجر اور زیاد کی فوجیں ظفر کے مقام پر باہم مل کر، اول الذکر کی ہمہ گیر قیادت کے تحت ایک ہو گئیں۔ اور پھر اشعث کے خلاف جنگ کرنے کو روانہ ہو پڑیں۔

⁂

اشعث بن قیس اپنے زمانے کا ایک عجیب وغریب انسان تھا۔ وہ کندہ کے ایک رئیس خاندان کا فرد تھا جس کی شخصیت کے متعدد پہلو تھے۔ وہ ایک قابل سپہ سالار، ایک ہوشیار سردار،

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۴۵

ایک دلیر جنگجو اور ایک باکمال شاعر بھی تھا۔ اور زرخیزیٔ تخیل کے ساتھ چرب زبان کا بھی مالک۔ غرضیکہ اس کی شخصیت ایسی پرکشش اور تیز فہم تھی کہ زمانہ ارتداد میں جو رنگین شخصیتیں ابھریں ان میں وہ یکتا تھا۔ لیکن اس میں ایک بڑی خامی تھی۔ تھا، دغاباز! مورخین نے لکھا ہے کہ اس کا ہی ایک خاندان ایسا تھا جس نے پشت بہ پشت چار عہد شکن پیدا کئے۔ اشعث خود، اس کا باپ، اس کا بیٹا اور اس کا پوتا۔

اشعث نے نیکی اور بدی، ایمان اور کفر کی درمیانی سرحد کے قریب زندگی گزاری، لیکن اس نے اب تک اس حد سے تجاوز نہ کیا تھا۔ اس طرح سے اخلاقی و روحانی حدود کے ذرا آگے پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے ذرا ہوشیاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ اب جنوری ۶۳۳ء کے اواخر (ذی قعدہ ۱۱ھ کے دوسرے ہفتے) میں مگر اس نے اپنے آپ کو جنگ میں مسلمان فوج کے مقابل پایا۔

یہ معرکہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ اشعث ہار گیا۔ لیکن شکست فیصلہ کن نہیں ہوئی۔ وہ اپنی فوج کو بہ عجلت میدان سے ہٹا کر قلعہ نجیر کی طرف پیچھے ہٹا لایا، جہاں دوسرے باغی کبھی بھی اس کے ساتھ آملے۔ یہاں اشعث نے محاصرے کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی۔

اس معرکے کے اختتام کے ذرا ہی بعد عکرمہؓ کا جیش بھی پہنچ گیا۔ تینوں مسلمان جیوش نے مہاجرؓ کی ہمہ گیر قیادت کے تحت نجیر پر چڑھائی کی اور اس قلعہ بند شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تین راستے اس شہر میں داخل ہوتے تھے۔ مسلمان سپہ سالاروں نے اپنی افواج کو ان تینوں راستوں پر صف آرا کیا اور شہر کو پوری طرح گھیرے میں لے کر بیرونی دنیا کے ساتھ اس کے تمام رابطے منقطع کر دیئے۔ اشعث کو بھیجی جانے والی کمک اور رسد کو یا تو قبضے میں لے لیا گیا یا دباؤ ڈال کر انھیں واپس کر دیا گیا۔

یہ محاصرہ کئی روز تک جاری رہا۔ محصور فوج نے محاصرین پر کئی اچانک حملے کئے۔ لیکن انھیں ہر بار کافی نقصان کے ساتھ پسپا کر دیا گیا۔ تاہم کنندہ مقابلہ کرنے کے عزم پر قائم رہے۔

کہیں فروری ۶۳۳ء کے وسط (ذی الحج ۱۱ھ کے آغاز) میں مگر اشعث نے محسوس کیا کہ صورت حال مایوس کن ہے۔ کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ صرف وقت کی بات تھی، کچھ عرصے بعد قلعے کا مسلمانوں کے ہاتھ لگنا لازمی تھا اور تب خون کا بے تحاشا بہنا بھی ناگزیر تھا۔ اشعث کا اگلا اقدام اس شخص کے کردار کے عین مطابق تھا: اس نے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر اپنے قبیلے کو فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا!

اس نے عکرمہؓ کو پیغام بھجوا کر مذاکرات کی تجویز پیش کی۔ عکرمہؓ سے اشعث کی اچھی واقفیت تھی، کیونکہ اپنے کفر کے ایام میں یہ دونوں ایک دوسرے کے بڑے گہرے دوست رہ چکے تھے۔ اشعث کی تجویز کے مطابق مذاکرات کا اہتمام کیا گیا، جن میں ایک طرف سے عکرمہؓ اور مہاجر اور دوسری طرف سے اشعث کو حصہ لینا تھا۔ چنانچہ اشعث چند آدمیوں کے ہمراہ رازدارانہ طور پر قلعے سے نکل کر مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔

"اگر آپ ۱۰ آدمیوں اور ان کے خاندانوں کی جان بخشی کریں، تو میں آپ پر قلعے کے دروازے کھول دوں گا۔" اشعث نے پیش کش کی۔ مسلمانوں نے یہ بات مان لی۔ "ان ۱۰ آدمیوں کے نام لکھ دیجیے۔" مہاجر نے کہا "اور ہم اس دستاویز پر مہر لگا دیں گے۔"

اشعث اپنے آدمیوں کے ساتھ ایک طرف کو چلا آیا اور ۱۰ نام لکھنے کو بیٹھ گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ پہلے اپنے منظورِ نظر ۹ آدمیوں کے نام درج کرے اور پھر دسواں اپنا لکھے۔ لیکن اس نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی اس کے کندھے کے اوپر سے جھانک کر اس کے لکھے ہوئے ناموں کو پڑھتا جا رہا تھا۔ یہ شخص، جس کا نام جحدم تھا، اشعث کے پسندیدہ ۹ آدمیوں میں شامل نہیں تھا۔ جب اشعث نے نواں نام بھی درج کر دیا تو جحدم نے اپنا خنجر کھینچ لیا۔ "میرا نام لکھ" اس نے پھنکار کر کہا۔ "ورنہ تجھے قتل کرتا ہوں۔"[1]

---

[1] طبری: جلد ۲۔ صفحہ ۵۴۷

کسی نہ کسی چالاکی سے اپنے آپ کو بعد میں بچا لینے کی توقع پر اشعث نے دسواں نام محذم کا لکھ دیا۔ فہرست مکمل ہو گئی، اور مہاجرؓ نے اس دستاویز پر مہر ثبت کر دی۔

اشعث اور اس کے ساتھی قلعے میں واپس آ گئے۔ مقررہ وقت پر اس نے قلعے کا ایک دروازہ کھول دیا اور مسلمان اندر داخل ہو کر محصورین کی بے خبر فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ایک خونخوار قتل عام شروع ہو گیا، اور جب تک قلعے کے ہر ایک آدمی نے ہتھیار نہ ڈال دیئے، جاری رہا۔ اشعث اور اس کے گرد اکٹھا آدمیوں اور ان کے خاندانوں پر ہاتھ نہ اٹھایا گیا۔

نجیر کا قلعہ اب فتح ہو چکا تھا۔ جب مہاجرؓ نے اشعث کی تیار کردہ فہرست پر معائنے کی خاطر پھر نظر ڈالی تو انہوں نے دیکھا کہ اشعث کا نام اس میں شامل نہیں ہے۔ انہیں خوشی ہوئی۔ "او دشمنِ خدا!" انہوں نے اشعث سے کہا۔ "اب تمہیں سزا دینے کا مجھے موقع مل گیا ہے۔"[1] انہوں نے اشعث کو قتل کر دیا ہوتا، لیکن عکرمہؓ نے بیچ میں آ کر اصرار کیا کہ اشعث کو مدینے بھیج دیا جائے اور اس طرح اس کی قسمت کا فیصلہ خود حضرت ابوبکرؓ پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ اشعث کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔

قلعۂ نجیر کے اندر مسلمانوں نے بہت سے ایسے افراد کو گرفتار کیا جنہیں وہ غلاموں کی حیثیت میں مدینے بھیجنے والے تھے اور ان میں خوبصورت نوجوان عورتوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ جب انھیں قلعہ سے باہر لایا گیا تو وہ اشعث کے پاس سے گزریں۔ اس کی بے ایمانی کا اب ان کو چونکہ علم ہو چکا تھا، انہوں نے ایک قطار میں اس کے قریب سے آہستہ آہستہ جاتے ہوئے اس کو ملامت بھری نظروں سے دیکھا اور "ہائے غدار! ہائے غدار!" کے نالے بلند کیے۔[2] اشعث کو بعد میں اور رسوائی ایسے بھی جھیلنی پڑی کہ انہی قیدیوں کے ہمراہ اس کو

---

[1] طبری: جلد ۲۔ صفحہ ۵۴۸

[2] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۴۸

مدینے بھیجا گیا۔ اس سفر میں اسے یقیناً کوئی چین نہ ملا ہوگا!

اشعث مدینے پہلی بار نہیں آرہا تھا۔ وہ سال وفود میں یہاں اس وقت آیا جب کندہ نے نبی کریمؐ کی بیعت کرکے اسلام قبول کیا تھا۔ اپنے قیام کے دوران اس نے امِ فروہؓ، حضرت ابوبکرؓ کی بہن، کے ساتھ نکاح بھی کیا۔ لیکن مدینے سے رخصت ہوتے وقت وہ اپنی بیوی کو یہ وعدہ کرکے وہیں حضرت ابوبکرؓ کے پاس چھوڑ آیا کہ اگلی بار مدینے آنے کے بعد اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ یہ اگلی آمد اب بہت مختلف اور ناموافق حالات کے تحت وقوع پذیر ہو رہی تھی۔

خلیفہ نے اشعث کو وہ تمام جرائم گنوائے جو اس سے اسلام اور اس کی ریاست کے خلاف سرزد ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اشعث نے اپنے قبیلے کے ساتھ جو دغا کی تھی حضرت ابوبکرؓ نے اس کے بارے میں بھی اپنی حقارت کا اظہار کیا۔ کیا کوئی وجہ تھی جس کی بنا پر اسی وقت ملزم کا سر قلم نہ کر دیا جائے؟

اشعث کی چرب زبانی کی طرف توجہ دلائی جا چکی ہے۔ اب اس نے انتہا ہی کردی۔ نہ صرف اس نے معافی حاصل کرلی بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو اس بات پر بھی آمادہ کرلیا کہ وہ اسے اس کی بیوی لوٹا دیں! وہ مگر مدینے ہی میں رہا۔ کیونکہ وہ اپنے قبیلے کے پاس واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اگلے برسوں میں اس نے شام، عراق اور فارس میں نمایاں جنگی کارنامے سرانجام دیئے اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسے آذربائیجان کا حاکم بھی مقرر کیا گیا۔

لیکن اس کی طبعی غداری نے کبھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ حضرت ابوبکرؓ سمیت بہت سے ایسے لوگ تھے جن کو بعد میں خیال آیا کہ کاش اسے مرتد ہونے کے بعد معاف نہ کیا گیا ہوتا۔ درحقیقت جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا وقت قریب آگیا۔ اور جب وہ اپنے دوستوں کے سامنے ان باتوں کا ذکر کر رہے تھے جو انہوں نے نہیں کیں، مگر اب ان کی تمنا تھی کہ وہ

انہوں نے کی ہوتیں، تو انہوں نے کہا "کاش کہ میں نے اشعث کا سر قلم کروا دیا ہوتا"۔[1]

اسلامی تاریخ کے متعلموں کو غالباً یاد ہوگا کہ حضرت امام حسنؓ کی بیوی جس نے معاویہ کے اکسانے پر انہیں زہر دیا تھا اور جسے اس خدمت کے صلے میں معاویہ نے ایک لاکھ درہم ادا کئے تھے، اشعث کی بیٹی تھی۔[2]



بُجیر کے مقام پر کِندہ کی شکست کے ساتھ ہی ارتداد کی آخری بڑی تحریک کا خاتمہ ہوگیا۔ اب عرب میں اسلام محفوظ تھا۔ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھڑک اُٹھنے والی شیطانی آگ بجھ چکی تھی۔ اہل عرب اپنی طوفانی تاریخ میں بغاوت اور خانہ جنگی سے تو متعدد بار دوچار ہونے والے تھے، لیکن ارتداد کا سامنا انھیں پھر کبھی نہ کرنا پڑا۔

ارتداد کی مہم گیارہویں ہجری سال کے دوران لڑی گئی اور اسی سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ بارہواں ہجری سال ۱۸ مارچ ۶۳۳ء کو طلوع ہوا تو اس کے ساتھ ہی عرب کا خطہ مدینے میں خلیفۃ المسلمین کی مرکزی حکومت کے تحت متحد ہو چکا تھا۔[3]

یہ مہم حضرت ابوبکرؓ کی عظیم ترین سیاسی و فوجی کامیابی تھی۔ اگرچہ بعد میں خلیفہ نے عراق اور شام کی فتح کے لئے جرأت مند فوجی مہمات کا آغاز کیا جس بات کے ذریعے انہوں نے اسلام کی سب سے بڑی خدمت انجام دی وہ مہم ارتداد میں ان کی قابل اور کامیاب قیادت تھی۔

---

[1] طبری: جلد ۲ صفحہ ۶۱۹۔ مسعودی: مُروج، جلد ۲، صفحہ ۳۰۸۔ بلاذری: صفحہ ۱۱۲

[2] ابن قتیبہ: صفحہ ۲۱۲۔ مسعودی: مُروج، جلد ۳، صفحہ ۵۔ یہ مسعودی کی بیان کردہ رقم ہے بعض مورخین نے یہ رقم ڈیڑھ لاکھ درہم بھی بتائی ہے۔

[3] مہم ارتداد کے تاریخ وار سلسلۂ واقعات، جو بعض ایسے ماخذوں پر مبنی ہے جن کا غلط ہونا ممکن ہے، کی تشریح کے لئے ضمیمہ ب کا حاشیہ نمبر ۴ دیکھئے۔

اور یہ اللہ کی تلوار کی مدد کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔

حصّہ سوم

عراق میں پیش قدمی

فارس سے ٹکر

فروری ۶۳۳ء کے لگ بھگ وسط میں قلعۂ نجیر — ارتداد کی آخری پناہ گاہ — پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو، جو ابھی تک یمامہ میں ہی تھے، ایک خط میں لکھا: "عراق کی طرف بڑھو۔ اُبلہ کے علاقے میں کارروائی شروع کرو، فارسیوں اور ان کے ماتحت علاقے میں بسنے والوں کے خلاف جنگ کرو۔ تمہارا نصب العین حیرا ہے۔"[1]

یہ کوئی معمولی حکم نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے عہد کی اس عظیم ترین شہنشاہی کے خلاف قدم اٹھا رہے تھے جس کے سامنے دنیا ہزار سال سے زیادہ دہلتی چلی آ رہی تھی۔

⁂

شہنشاہی فارس کئی لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ وہ فی الواقعہ تاریخ کی پہلی بڑی شہنشاہی تھی، جس کی سرحدیں ابتدائی ہخامنشی دور میں، مغرب میں شمالی یونان سے لے کر مشرق میں پنجاب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ اپنے زمانۂ عروج کی طوالت کے لحاظ سے بھی لاثانی تھی۔ چھٹی صدی قبل مسیح سے ساتویں صدی عیسوی تک اس میں صرف یونانی تسخیر کا ایک وقفہ پڑا۔[2] تاریخ میں

۱۔ طبری، جلد ۲، صفحہ ۵۵۳-۵۵۴

۲۔ اگرچہ وہ پارتھیائی جنہوں نے سلیوکی حکومت کا تختہ الٹا، فارس کے باشندے نہیں تھے، لیکن پھر بھی وہ ایرانی ہی تھے، اس طرح یونانیوں کا درمیانی عہد، دوسری صدی قبل مسیح کے وسط میں پارتھیائیوں کے ہاتھوں ختم ہو جانے تک، دو صدیوں سے کم عرصے تک قائم رہا۔ ۲۲۰ء میں فارس کے ساسانیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

اور کسی بھی شہنشاہی نے اپنی قوت تہذیب و ثقافت کو اور اپنی فوجی طاقت کو اتنے طویل عرصے کے لئے ایسی عظمت میں برقرار نہیں رکھا تھا۔ بلاشبہ اسے گردشوں کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن یہ ہر گردش سے ابھر کر دوبارہ اپنی مخصوص عظمت اور آب و تاب کو جا پہنچی۔

فارس کا آخری سنہری زمانہ چھٹی صدی عیسوی میں نمودار ہوا، جب نوشیرواں عادل نے اس شہنشاہی کو ایک بار پھر اس کی ابتدائی عظمت کی سطح پر پہنچا دیا۔ نوشیروان نے ۴۸ سال حکومت کی۔ وہ جسٹنین کا ہمعصر تھا۔ اس نے اہل روما سے شام، اہل حبشہ سے یمن اور ترکوں اور وسطی ایشیاء کے میدانوں کے دیگر قبائل سے ان کا بہت سا علاقہ چھین لیا۔ یہ عظیم المرتبت شہنشاہ ۵۷۹ء میں نبی کریمؐ کی ولادت کے ۹ سال بعد فوت ہوا۔

جیسا کہ کسی بلند پایہ حکمران کی وفات کے بعد بالعموم ہوتا ہے، نسبتاً کمتر درجے کے منفرد افراد نوشیروان کے جانشین بنے اور شہنشاہی فارس کی شان و شوکت اور خوشحالی ماند پڑنے لگی خانہ جنگی اور سازشوں نے حکومت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ نوشیروان کے پڑپوتے، شیرویہ، کے عہد میں، جس نے اپنے باپ خسرو پرویز کو پہلے قید کیا اور پھر قتل کرا دیا' فارس کا زوال انتہا کو پہنچ گیا۔ شیرویہ نے اس کریہہ جرم پر اکتفا نہ کی بلکہ اور بھی زیادہ بھیانک مظالم ڈھانے لگا تاکہ کوئی اس کے حق تخت نشینی یا اقتدار پر کوئی قضیہ کھڑا نہ کر پائے۔ اس نے اپنے بیٹے اردشیر کے سوا اپنے خاندان کے تمام نرینہ افراد کو قتل کرا دیا۔ نوشیرواں کے گھرانے کے ان افراد کی تعداد کا تخمینہ بالغ اور بچے، جنہوں نے شیرویہ کے اس جنون کے ہاتھوں اپنی جان کھوئی پندرہ اور اٹھارہ کے درمیان ہے۔ اور شیرویہ خود تخت پر سات ہی مہینے بیٹھا تھا کہ وہ بھی مر گیا۔

اس کے مرتے ہی انتشار اور بگڑ چلا، یہاں تک کہ اس کے بعد آنے والے شہنشاہوں کی ترتیب تخت نشینی اور دوران حکومت کے بارے میں بھی ابتدائی مورخوں کے بیانات میں کافی ابہام پایا جاتا ہے۔ صرف یہ بات پورے اتفاق کے ساتھ یقینی ہے کہ یزدجرد بن شہریار بن پرویز کسی طرح

قاتلوں کے چنگل سے بچ نکلا اور پھر ساسانی سلسلے کا آخری شہنشاہ فارس بنا۔ اس بدنصیب نوجوان کو شہنشاہی کسریٰ کی بربادی کے آخری لمحات دیکھنے کو ملے۔

شیرویہ اور یزدجرد کے عہدوں کے درمیان چار، پانچ سال میں کوئی آٹھ حکمران تخت نشین ہوئے، اور ان میں دو خواتین بھی شامل تھیں۔ پُوران اور آزرمی دخت۔ یہ دونوں خسرو پرویز کی بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے پہلی خاتون پُوران، ایک دانا اور نیک دل حکمران ثابت ہوئی۔ لیکن اس کی طبیعت میں اس مضبوط سربراہی کی کمی تھی جو امورِ شہنشاہی کے زوال کو روکنے کے لیے لازم تھی۔ اس کی تاجپوشی نبی کریمؐ کی زندگی کے دوران میں ہوئی۔ اور جب انہوں نے اس کی خبر سنی تو آپؐ نے یہ اپنی یہ مشہور بات کہی "جو قوم اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کر دے وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی"۔ [1]

یہاں شہنشاہی فارس جغرافیائی حدود میں شامل سبھی ممالک کا تذکرہ نہیں کیا جائے گا فقط عراق کی بات کی جائے گی۔ اُس زمانے میں عراق ایک خود مختار ملک نہیں تھا۔ اس کی ہستی اس سے کچھ کم تھی۔ لیکن وہ محض ایک صوبہ بھی نہیں تھا۔ اس کی حیثیت اس سے خاصی زیادہ تھی۔ عراق ایک علاقہ تھا۔ شہنشاہی فارس میں شامل علاقوں میں سے ایک اور اپنے مغربی اور جنوبی حصوں میں یہ علاقہ عربوں کا تھا۔

عرب لوگ بخت نصر [2] کے زمانے سے عراق میں بستے آرہے تھے، لیکن ان ایام میں ان لوگوں کو اس علاقے میں کوئی اقتدار حاصل نہیں تھا۔ کہیں عیسائی دور کے ابتدائی حصے میں جا کر جب نئے عرب قبیلے یمن سے اٹھ کر عراق پہنچے، انھیں پہلی بار اقتدار اور اثر و رسوخ حاصل ہونا شروع ہوا۔ ان نو وارد عربوں کے ایک بڑے سردار نے جس کا نام مالک بن فہم تھا، اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

---

[1] مسعودی: تنبیہہ صفحہ ۹۰۔ ابن قتیبہ: صفحہ ۶۶۶

[2] ساتویں۔ چھٹی صدی قبل مسیح۔

اور وہ عراق کے مغربی حصے پر حکومت کرنے لگا۔ دو پشتوں بعد قبیلۂ لخم کا ایک فرد عمرو بن عدی اس کے تخت کا مالک بنا اور اس نے لخمی خاندان کی بنیاد رکھی۔ یہ خاندان خانوادۂ مُنذر بھی کہلاتا تھا۔ اور اس کے بادشاہوں نے، شہنشاہ فارس کے باجگزاروں کی حیثیت سے کئی پشتوں تک حکومت کی۔

خانوادۂ مُنذر کا آخری بادشاہ نعمان بن منذر تھا، جس نے خسرو پرویز کے خلاف کوئی باغیانہ حرکت کی اور اس کے لئے اسے موت کی سزا دی گئی۔ اس سزا کو باشوکت انداز میں انجام دیا گیا۔ اسے ہاتھی کے پیروں تلے روند دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراقی عربوں نے بغاوت کر دی۔ لیکن شہنشاہِ فارس نے تھوڑے ہی عرصے میں اسے دبا دیا اور اس بے سود بغاوت کے ساتھ ہی خانوادۂ مُنذر کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد عراق پر حکومت کرنے کے لئے خسرو نے قبیلہ طیؔ کے ایک فرد، ایاس بن قبیصہ کو بادشاہ بنایا۔ کچھ سال تک نئے بادشاہ کو معقول حد تک خود مختاری حاصل رہی۔ اس کے بعد اس سے بیشتر اختیارات چھین لئے گئے اور اس علاقے کی پوری حکومت ایرانی سپہ سالاروں اور عاملوں نے سنبھال لی۔ ایاس برائے نام بادشاہ رہ گیا۔

عراق ایک متمدن، دولت مند اور خوشحال علاقے کی حیثیت سے مقبوضاتِ فارس کا سب سے بیش بہا علاقہ تھا۔ عرب کے بے آب و گیاہ علاقوں کے باشندوں کی نگاہ میں یہ ایک سبز جوہر تھا، ایک خطہ شیر و شہد تھا۔ اس کے دو عظیم الشان دریا، فرات اور دجلہ، دریائے سندھ کے مغرب اور دریائے نیل کے شمال میں اس زمانے کے دریافت شدہ دریاؤں میں سب سے بڑے تھے۔ لیکن یہ دریا تب اس طرح نہیں بہتے تھے جس طرح اب بہتے ہیں۔ اور نہ ہی عراق کے موجودہ بڑے شہر اس کے اس دور کے بڑے شہر تھے۔ کوفے اور بصرے کا وجود ہی نہیں تھا، ان کی بنیا دیں ۱۷ھ میں رکھی گئیں۔ بغداد دجلہ کے مغربی کنارے پر ایک بڑی آمد و رفت کا چھوٹا تجارتی قصبہ تھا۔

اس عہد کے دو عظیم الشان شہر، طیسفون اور حیرا، اب خاک میں مل چکے ہیں۔ طیسفون دارالحکومت تھا۔ ایک عظیم الشان اُم البلاد اور مملکت فارس کی شان وشوکت کا مرکز۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شہر ساسانی خاندان کے بانی اردشیر بن بابک نے (جسے اردشیر بابکان اور اردشیر چہارم بھی کہتے ہیں) تعمیر کرایا تھا[1]۔ یہ دجلہ کے دونوں کناروں پر پھیلا ہوا تھا اور مسلمان اسے مدائن کہتے تھے جس کے لغوی معنی ہیں ایک سے زیادہ شہر، کیونکہ یہ شہر دراصل کئی شہروں پر مشتمل تھا۔ حیرا عربی النسل لخمی خاندان کے بادشاہوں کا دارالحکومت تھا۔ یہ متعدد قلعوں کا شہر فرات کے مغربی کنارے پر واقع تھا، اور یہاں ہر طرف چمک دمک اور چہل پہل نظر آتی تھی[2]۔ اور پھر اُبلّہ تھا، جو فارس کی مرکزی بندرگاہ تھی اور جہاں ہندوستان، چین اور سمندر کے قریب واقع دوسرے ایشیائی ممالک کے بحری جہازوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ ابلّہ دست میسان کے فوجی علاقے کا صدر مقام بھی تھا[3]۔

فرات اور دجلہ کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے عہد بابل سے لے کر آج تک کئی بار اپنے رخ بدلے ہیں۔ اس کتاب کے نقشے وہ رُخ ظاہر کرتے ہیں جن پر یہ دریا اسلام کے ابتدائی ایام میں بہتے تھے۔ آج کے مقابلے میں سب سے بڑا فرق دجلہ کے بہاؤ میں ہے۔ ظہورِ اسلام

---

[1] بعض ماخذوں کے مطابق، طیسفون اردشیر سے پہلے موجود تھا اور اسے پارتھیائی موسم سرما کی قیام گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

[2] جہاں حیرا واقع تھا، وہ جگہ نجف سے جنوب مشرق میں ۳ میل دور اور موجودہ الخضیر سے جنوب میں نصف میل دور ہے۔ قصر ابیض کے، جو حیرا کے شمالی سرے پر واقع تھا، چند نشانات کے سوا اس پرانے شہر کے کوئی آثار باقی نہیں ہیں۔ گبن کے قول کے مطابق (جلد ۵، صفحہ ۲۹۹)، حیرا ۱۹۰ء میں آباد ہوا تھا۔

[3] ابلّہ اس جگہ واقع تھا، جہاں آجکل بصریٰ کا وہ حصّہ ہے جسے عشار کہتے ہیں۔

سے پیشتر اس کی وہ موجودہ شاخ جسے دجلۃ العورا (کانا دجلہ) کہتے ہیں، اس کی گزرگاہ تھی لیکن بعد میں اس نے اس گزرگاہ کو چھوڑ کر کوت کے مقام سے دہانے کی جانب دُجیلہ (چھوٹا دجلہ) اور اخضر کے ساتھ ساتھ ایک نیا راستہ اختیار کیا اور ابلّہ کے عین شمال مغرب میں تقریباً ۔۔ میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی جھیلوں اور دلدلوں کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اس دریا کی پرانی تہہ خشک اور ریتیلی ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں دلدلوں کا شمال کی طرف پھیلاؤ موجودہ پھیلاؤ کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھا۔ (نقشہ ۲ پر دلدلی علاقہ صحیح پیمائش کے مطابق نہیں صرف اشارتاً دکھایا گیا ہے) اور دجلہ ان دلدلوں سے گزرتا ہوا مذار (موجودہ عذیر) کے علاقے میں دوبارہ کانے دجلے سے جا ملتا تھا اور یہاں سے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف بہتا ہوا خلیج فارس میں جا گرتا تھا[1] لیکن سولہویں صدی میں دجلہ دوبارہ اپنا رُخ تبدیل کر کے اپنی اس پرانی گزرگاہ کی طرف پلٹ آیا جو آجکل کے عام نقشوں پر دجلہ کے نام سے دکھایا جاتا ہے۔ یہ مگر دجلہ کی سب سے بڑی شاخ نہیں ہے، کیونکہ غرّاف، جو کوت کے مقام پر دجلہ سے نکل کر ناصریہ کے مقام پر فرات میں جا گرتی ہے، اس سے بڑی شاخ ہے۔ دُجیلہ، جو ابتدائے اسلام میں دجلہ کی سب سے بڑی شاخ تھی، اب ایک معمولی سی ندی ہے۔ یہ غراف اور کانے دجلے کے بعد تیسری سب سے بڑی شاخ ہے۔

فرات موجودہ ہندیہ کی طرف بہتا تھا، جہاں سے وہ آج کی طرح، دو مرکزی شاخوں میں بٹ جاتا تھا: حلّہ اور اصل فرات ۔ دونوں خاصی بڑی ندیاں۔ اصل فرات، یعنی مغربی شاخ بھر بٹ کر ایک بڑی اور کئی چھوٹی ندیوں میں صدیوں سے ایسے بہتا چلا آرہا ہے کہ اس نے

---

[1] ابن رستہ: صفحہ ۹۴-۹۵۔ آجکل مذار (عذیر) کے مقام پر مغرب کی طرف سے دجلہ میں صرف ایک چھوٹا سا دریا بہتا ہے، جو اتنا چھوٹا ہے کہ پرانے دجلہ کی تہہ اس کی نہیں ہو سکتی۔ پرانی تہہ غالباً مٹی وغیرہ سے اٹ چکی ہے اور اب اس کی شناخت نہیں ہو سکتی۔

اپنے رخ کئی بار بدلے لیکن اس قدر نہیں جتنا دجلہ نے۔ یہ دونوں مرکزی شاخیں سماوا کے مقام پر آملتی تھیں۔ جہاں سے پھر فرات جھیلوں اور دلدلوں کے اس علاقے کی طرف بہتا تھا جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اگرچہ اس دریا کا کچھ پانی دلدلوں میں رہ جاتا تھا، اس کی ایک واضح دھار جو موجودہ نقشوں میں فرات کے نام سے دکھائی جاتی ہے، اپنی یگانگت برقرار رکھتے ہوئے مشرق کی طرف بہہ کر قرنہ کے مقام پر دجلہ سے جا ملتی تھی۔ دلدلوں کا پانی ایک بڑے دریا سے جسے معقل کہتے ہیں، بہہ کر بصرے کے قدرے شمال میں دجلہ میں جا ملتا تھا، اور اس سنگم سے تمام دریائی پانی ایک بہت بڑے دریا کی صورت میں، جسے آجکل شط العرب کہتے ہیں، خلیج فارس میں جا گرتا تھا۔ (نقشہ ۱۰ دیکھئے۔)

ان دریاؤں کے پیچ و خم میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ کتاب کے نقشوں میں مگر ایسی تفصیلات کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے، کیونکہ یہ بات کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتی کہ اس وقت ان کی کیا خاص شکل و صورت تھی۔ چنانچہ ان نقشوں میں ان دریاؤں کے پیچیدہ موڑ چھوڑ کر، جو اس دور میں یقیناً موجود ہوں گے، صرف ان کی بڑی شاخیں دکھائی گئی ہیں۔

تو اس وقت جب خلیفہ نے خالدؓ کو عراق پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا، عراق کی یہ سیاسی و جغرافیائی صورت تشکل تھی۔ اس کی سرزمین پر فارسی اور عرب دونوں بستے تھے اور اس پر دربارِ فارس کا راج تھا۔ اگرچہ سیاسی طور پر شہنشاہی فارس زوال پر تھی، یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ وہ فوجی لحاظ سے بھی تنزل کر چکی تھی۔ کسی شہنشاہی کا سیاسی انتشار شروع ہو جانے کے بعد بھی اس کی فوجی کارگری کئی دہائیوں تک ایک اعلیٰ معیار برقرار رکھ سکتی ہے اور ۶۳۳ء میں اہل فارس کا یہی حال تھا۔

فارسی لشکر، مع اپنے عرب ذیلی دستوں کے اپنے زمانے کا سب سے طاقتور اور کارگر جنگی آلہ تھا۔ اس کی باگ ڈور تجربہ کار اور وفادار نبرد آزماؤں کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہ ایک ایسا غیور، جیدّ اور جنگ آزمودہ لشکر تھا جسے اپنی ماضی کی کامیابیوں اور موجودہ قوت و شوکت پر ناز تھا۔

نقشہ نمبر ۱ عراق پر حملہ

شمال



جلولا

انبار

بغداد

طیسفون

زمیل

عین التمر

دجلہ

حیرہ

أُلّیس

وَلجہ

فرات

مذار

مثرف

اُبلہ

حفیر

کاظمہ

پیمائش

۱: ۴٫۰۰۰٫۰۰۰

فارسی سپاہی اپنے وقت کے بہترین جنگی ساز و سامان سے لیس تھا۔ وہ آہنی کڑیوں کی زرہ یا چار آئینہ پہنتا تھا۔ اس کے سر پر آہنی کڑیوں یا کوٹی ہوئی دھات کا خود ہوتا تھا۔ اس کے بازوؤں کے نچلے حصے دھات کی بنی ہوئی آستینوں سے ڈھکے ہوتے تھے۔ اور لمبے ساق پوش اس کی ٹانگوں کو ڈھک کر محفوظ رکھتے تھے۔ وہ ایک نیزہ، بلّم یا برچھی، ایک تلوار اور ایک تبر یا آہنی گرز اپنے ساتھ رکھتا تھا (موخرالذکر فارسیوں کا ایک پسندیدہ اور مہلک ہتھیار تھا)۔ اس کے پاس ایک دو کمانیں اور ۳۰ تیر بھی ہوتے تھے۔ اور کمان کی دو فالتو تانتیں اس کے خود کے ساتھ لٹکی رہتی تھیں۔[1] غرضکہ فارسی جنگجو آلات حرب سے بڑے زوردار انداز میں مسلح تھا۔ لیکن اسی وجہ سے لازماً اس کی پھرتی میں بھی خلل پڑتا تھا۔ عام جمے ہوئے معرکے میں وہ کسی کو اپنا ثانی نہیں سمجھتا تھا اور اس میں وہ اس وقت تک حق بجانب بھی رہا جب تک اس کا خالدؓ کے ہلکے طور پر مسلح اور تیز رفتار سواروں سے پالا نہیں پڑا۔

⁂

عراق کا سارا واقعہ مثنیٰ بن حارثہ کی ذات سے شروع ہوا۔ یہ شیر دل مرد، جو بعد میں ان زخموں سے فوت ہوا جو اس کے فارسیوں سے جنگ میں لگے، قبیلۂ بنو بکر کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ جزیرہ نمائے عرب کے شمال مشرقی حصّے اور جنوبی عراق میں آباد تھا۔ یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مثنیٰؓ نبی کریمؐ کی زندگی ہی میں مسلمان ہوئے، لیکن اغلب یہی ہے، کیونکہ بنو بکر کے ایک وفد نے سالِ وفود کے دوران مدینے جا کر آنحضرتؐ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا۔ مثنیٰ کے تبدیلیِ عقیدہ کے متعلق کوئی تحریری شہادت مگر موجود نہیں ہے۔

جنگِ یمامہ کے تھوڑے عرصے بعد، مثنیٰ عراق کی طرف متوجہ ہوئے۔ مہم جوئی اور مالِ غنیمت کے شوق میں اور شہنشاہی فارس کی واضح سیاسی ابتری سے ہمت افزا ہو کر مثنیٰ نے اپنے پیروؤں

---

[1] یہ تفصیلات دینا وری (صفحہ ۳)، سے نقل کی گئی ہیں۔

کی ایک جماعت کے ساتھ عراق پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ پہلے پہل تو اس نے اپنی سرگرمیاں صحرا کے قرب وجوار تک ہی محدود رکھیں، تاکہ وہ فوراً پلٹ کر ریگستانی ویرانوں میں پناہ لے پائے، لیکن رفتہ رفتہ اس کی یورشیں زیادہ بے باک ہوگئیں۔ وہ مقامات بدل بدل کر حملے کرتا۔ کبھی مشرق میں ہلہ بولتا اور کبھی مغرب میں۔ تاہم اس کے چھاپے زیادہ تر ابلہ کے ہی علاقے میں پڑتے تھے، اور ان سے وہ اس قدر مالِ غنیمت لے کر لوٹتا کہ اسے دیکھ کر صحرا کے بھوکے عربوں کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ فارسیوں کی چوکیاں مثنیٰ کے چھلاوے سے سواروں کے سامنے جو جتنی تیزی سے حملے کرتے اتنی ہی جلدی غائب ہو جاتے، بے بس تھیں۔

ان کامیابیوں سے تقویت پاکر، مثنیٰ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے۔ یہ فروری ۶۳۳ء کے اوائل (ذی قعدہ ۱۱ھ کے اواخر) کا واقعہ ہے۔ انہوں نے ایک تابناک نقشہ کھینچا، جس میں عراق کی نازک حالت، مالِ غنیمت کے لئے دولت کی فراوانی، فارسی دربار کے طولانی سیاسی بحران جس سے وہ پیچھا نہیں چھڑا پا رہا تھا اور متحرک، تیز رفتار معرکوں میں فارسی چوکیوں کی اہلیت کا ذکر تھا: "مجھے قوم کا قائد مقرر کر دیجیے" مثنیٰ نے کہا "تو میں فارسیوں پر حملے کروں اور اس طرح ہمارے علاقے کو بھی ان سے محفوظ رکھوں۔"[1]

خلیفہ نے یہ بات مان لی اور مثنیٰ کو بنو بکر کے تمام مسلمانوں کا قائد مقرر کر کے اسکی تصدیق میں ان کو ایک اختیارنامہ دیا۔ مثنیٰ یہ اختیارنامہ لے کر شمال مشرقی عرب لوٹ آئے۔ یہاں انہوں نے مزید قبائلیوں کو مسلمان کیا، ...۲ آدمیوں کی ایک مختصر فوج جمع کی اور پہلے سے بھی زیادہ پرجوش اور سخت چھاپے مارنے لگے۔

مثنیٰ تو مدینے سے چلے آئے، لیکن ان کی باتیں خلیفہ کے کانوں میں کھنکتی رہیں۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ذہن میں ایک ایسا بیج بو دیا جو چند ہی روز میں اس فیصلے کی صورت میں پھوٹ نکلا

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۵۲

کہ عراق پر قبضہ کیا جائے۔ انہوں نے سوچا کہ وہ پوری شہنشاہی فارس سے جنگ مول نہیں لیں گے، کیونکہ موجودہ حالات میں اتنی بڑی کارروائی کو عمل میں لانا ممکن نہ تھا۔ انہوں نے صرف عربوں کے عراق پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا، یعنی اس علاقے پر جو دجلہ کے مغرب میں واقع ہے۔ اس طرح اسلام کی سرحدوں کی وسعت اور نئے دین کی اشاعت دونوں کو آگے بڑھایا جا سکتا تھا۔ اسلامی ریاست کی حدود کے اندر حالات پرسکون تھے، کیونکہ قلعہ نخیر میں کندہ کی شکست کے بعد سرزمینِ عرب میں اسلام کی بنیادیں ایک بار پھر مستحکم ہو چکی تھیں۔

اسلام ایک امن پسند دین ہے، لیکن یہ بزدلوں اور عاجزوں کے امن کو پسند نہیں کرتا۔ یہ طاقتور عادلوں کے امن کا معتقد ہے: "اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔" قرآن کہتا ہے "ان لوگوں کے خلاف جو تم سے جنگ کرتے ہیں، لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔" (۲ : ۱۹۰) ۔ ۔ ۔ "اور ان سے جنگ کرو، حتیٰ کہ فتنہ مٹ جائے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔" (۸ : ۳۹)۔ اور اس لحاظ سے یہ جنگ ایسی تھی جو کافر اور آتش پرست ایرانیوں کے خلاف تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے عراق پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن انھیں اس سلسلے میں بہت احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانے تھے، کیونکہ عرب کو فارسی سے ڈر لگتا تھا۔ ایک ایسا گہرا اور غیر معقول ڈر جو، اس کے قبائلی شعور میں صدیوں کی فارسی شان و شوکت کے باعث ایک نسلی الجھن کے طور پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ردِ عمل میں فارسی عرب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ خاص طور پر شروع میں ضروری تھا کہ شکست نہ ہونے پائے، چونکہ ایسی ہار سے یہ جبلی خوف بڑھ کر اور بے قابو ہو جاتا۔ فتح یقینی بنانے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے دو اقدام اٹھانے کا فیصلہ کیا: (۱) کہ عراق پر چڑھائی کرنے والی فوج میں صرف رضا کار شامل کئے جائیں اور (ب)، اس فوج کے سپہ سالار خالدؓ ہوں۔

چنانچہ خلیفہ نے خالدؓ کو احکام بھیجے کہ وہ عراق پر چڑھائی کریں اور فارسیوں سے جنگ

کریں۔ انہوں نے خالدؓ کو ہدایت کی کہ وہ ان لوگوں کو فوج میں شامل کریں جو مرتدین کے خلاف جنگ لڑ چکے تھے اور نبی کریمؐ کی وفات کے بعد دین اسلام پر ثابت قدم رہے تھے، اور ان لوگوں کو اس مہم سے خارج رکھیں جو ارتداد کے مرتکب رہے ہوں۔ اور حکم نامے کے آخر میں (سپاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) انہوں نے لکھا: "جو کوئی اپنے گھر لوٹنا چاہے اس کو جانے دیا جائے۔"[۱]

جب خالدؓ نے اپنے سپاہ کو مطلع کیا کہ جو کوئی گھر لوٹنا چاہے اس کو خلیفہ کی طرف سے اجازت ہے، تو وہ اس اعلان کا نتیجہ دیکھ کر پریشان ہو گئے: ان کے ہزاروں سپاہ فوج کو چھوڑ کر مدینے اور ایسے دوسرے مقامات کی جانب جہاں سے وہ آئے تھے لوٹ گئے۔ جہاں جنگ یمامہ کے لئے ان کے سپاہ کی تعداد ۱۳۰۰۰ تھی وہاں اب محض ۲۰۰۰ رہ گئے تھے۔ خالدؓ نے فوراً خلیفہ کے نام خط لکھا، اور انھیں اس تشویشناک صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ یہ خط حضرت ابوبکرؓ کو ایسے وقت میں ملا جب وہ اپنے احباب اور مشیروں میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کو بلند آواز میں پڑھا، تاکہ تمام حاضرین سن سکیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دلیر نوجوان کو، جس کا نام قعقاع بن عمرو تھا، بلا بھیجا۔

یہ نوجوان خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مسلح اور سفر کے لئے تیار آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے حکم دیا کہ وہ خالدؓ کی فوج کے لئے کمک کے طور پر فوراً یمامہ روانہ ہو جائے۔ خلیفہ کے احباب نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ "کیا آپ اس کو جس کی فوج اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہے، صرف ایک آدمی کی کمک بھیج رہے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔[۲]

حضرت ابوبکرؓ نے لمحہ بھر کے لئے قعقاع کی طرف دیکھا۔ پھر کہا "جس فوج کی صفوں میں ایسا جوانمرد موجود ہو وہ کبھی ہار نہیں سکتی۔"[۳] اور قعقاع بن عمرو گھوڑے پر سوار ہو کر بطور کمک خالدؓ کے لشکر کی

---

[۱] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۵۳

[۲] ایضاً صفحہ ۵۵۳-۵۵۴

[۳] ایضاً

طرف روانہ ہو گئے!

لیکن حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کی قوت بڑھانے کو صرف یہی قدم نہیں اٹھایا۔ انہوں نے مثنیؓ اور مذعور بن عدی (شمال مشرقی عرب کے ایک نامور سردار) کے نام خط بھی لکھے کہ وہ اپنے اپنے جنگجو جمع کر کے عراق پر چڑھائی کے لئے ان کے ساتھ خالدؓ کے ماتحت کارروائی کریں۔ یہ ہدایات جاری کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے خالدؓ کو ان کا فرض سونپ دیا تھا۔ عراق پر چڑھائی کر کے فارسیوں کے خلاف جنگ۔ انہوں نے جنگ کے نقطۂ آغاز کا تعین کر دیا تھا۔ ابلہ کا علاقہ انہوں نے خالدؓ کے لئے ان کی منزل مقصود مقرر کر دی تھی۔ حیرا۔ اور جتنی فوجی قوت مہیا کی جا سکتی تھی وہ انہوں نے خالدؓ کے سپرد کر دی تھی۔ اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اب یہ خالدؓ کا کام تھا کہ وہ اپنے فرض کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ اور خالدؓ نے جواب اپنی زندگی کے اڑتالیسویں سال میں تھے عراق کو فتح کرنے کی تیاری شروع کر دی۔[1]

[1] مہم عراق کے متعلق دو متقدم روایات ہیں: پہلی روایت ابن اسحاق اور واقدی کی اور دوسری سیف بن عمر کی۔ طبری موخرالذکر کے حق میں ہے اور یہاں عراق پر خالدؓ کی چڑھائی کے تذکرے کو اسی روایت سے اخذ کیا گیا ہے۔ پھر اس روایت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کے عراق پر یورش کے منصوبے کے بارے میں دو مختلف بیانات ہیں۔ تشریح کے لئے ضمیمہ ب کا حاشیہ نمبر ۵ دیکھیے۔

۱۹

جنگِ سلاسل

خلیفہ کے احکام پہنچنے پر خالدؓ فوراً ایک نئی فوج کھڑی کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ عراق پر چڑھائی کے لئے دلیر آدمیوں کو دعوت جہاد دیتے ہوتے ان کے سوار یمامہ کے علاقے اور عرب کے سارے شمال وسطی خطے کے طول وعرض میں اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے پھرے اور جانباز ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے، جن میں خالدؓ کے وہ پرانے ساتھی تھے جنہوں نے مہم ارتداد میں حصہ لیا تھا اور اب اپنے اہل وعیال سے مل چکنے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ نئی مہمات میں شامل ہونے اور نام پیدا کرنے کے لئے دوبارہ خالدؓ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ خالدؓ کے نام میں اب ایسی کشش آگئی تھی کہ جنگجو آپ ہی آپ ان کی طرف کھنچ آتے تھے۔ خالدؓ کے ماتحت جنگ کرنے کا مطلب راہِ خدا میں فتح کے علاوہ مالِ غنیمت اور غلاموں کا حصول بھی تھا۔ ۔ ۔ فی الواقعہ فلاحِ دارین! چند ہفتوں میں ۰۰۰ر۱۰ آدمیوں کا ایک لشکر خالدؓ کے ہمراہ کوچ کرنے کو تیار ہو گیا۔[1]

شمال مشرقی عرب میں چار اہم سردار تھے جن کے پاس مقلدین کی بھاری تعداد تھی: مثنٰی بن حارثہ، مذعور بن عدی، ہرملہ اور سُلمیٰ۔ ان میں سے پہلے دو کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ خلیفہ انھیں لکھ چکے تھے کہ وہ اپنے جنگجو اکٹھا کریں۔ اور خالدؓ کے زیرِ قیادت کارروائی کریں۔ اب خالدؓ نے ان چاروں کو یہ اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ ان کو لشکرِ اسلام کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے اور خلیفہ نے کیا فرائض ان کے سپرد کئے ہیں۔ مزید براں انہوں نے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے سپاہ کے ساتھ ابلّہ کے علاقے میں ان

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۵۴

کے پاس حاضر ہوں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مثنیٰ جو اس وقت خفان (حیرا سے جنوب میں ۲۰ میل دور واقع ایک مقام)[۱] میں تھے، اس طریقہ کار سے ناخوش تھے۔ ان کی یہ امید بندھی ہوئی تھی کہ خلیفہ انہیں عراق میں ایک وسیع خود مختار کمان سونپیں گے، اور وہ واقعی اس کے لائق بھی تھے۔ تاہم حسب حکم حاضر ہو کر انہوں نے خود کو اور اپنے سپاہ کو خالدؓ کی منشا پر چھوڑ دیا اور آگے چل کر وہ ایک بہترین ماتحت افسر ثابت ہوئے۔

ان چار سرداروں میں سے ہر ایک اپنے ساتھ ۲۰۰۰ سپاہ لایا۔ اس طرح خالدؓ ۱۸۰۰۰ جنگجوؤں[۲] کے ہمراہ عراق میں داخل ہوئے۔ اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر اسلام کبھی جنگ کے لئے جمع نہیں ہوا تھا۔

ایسے کوئی مارچ ۶۳۳ء کے تیسرے ہفتے (محرم ۱۲ھ کے آغاز) میں خالدؓ یمامہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن روانگی سے پیشتر انہوں نے ہرمز، دست میسان کے سرحدی علاقے کے فارسی حاکم کو لکھا:

"اسلام پر ایمان لاؤ اور سلامت رہو۔ یا جزیہ ادا کرنا قبول کرو، اور تم اور تمہارے لوگ ہماری پناہ میں رہیں گے۔ ورنہ انجام کے ذمہ دار تم ہی ہو گے۔ چونکہ میں ایسے لوگوں کو لے کر آ رہا ہوں جنہیں موت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تمہیں تمہاری زندگی"[۳]

ہرمز نے غصے اور حقارت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ خط پڑھا، اور شہنشاہ فارس

---

[۱] الائی موسل نے (صفحہ ۲۸۴) خفان کا محل وقوع قادسیہ سے کوئی ۲۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں قرار دیا ہے وہ آجکل کے قوم کے قرب وجوار میں تھا جو شافیہ سے مغرب میں کوئی ۶ میل دور ہے۔

[۲] طبری: جلد ۲۔ صفحہ ۵۵۴

[۳] ایضاً

اردشیر کو خالدؓ کی دھمکی سے مطلع کر دیا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ان بدتمیز عربوں کو ایسا سبق دے گا کہ جسے وہ کبھی نہ بھول پائیں گے۔

خالدؓ نے اپنی فوج کو تین گروہوں میں تقسیم کر کے یمامہ سے پیش قدمی کا آغاز کیا۔ یہ انہوں نے اس مقصد سے کیا کہ سپاہ کو تکان سے بھی بچایا جائے اور لمبی قطاروں میں کوچ کرنے پر وقت بھی ضائع نہ ہو۔ ہر گروہ ایک ایک دن کے وقفے سے روانہ ہوا۔ چنانچہ ہر گروہ دوسرے سے ایک منزل دور تھا۔ نقل و حرکت کی سہولت کے لئے کافی دور، اور ضرورت پڑنے پر لڑنے کو تیزی سے یکجا ہونے کے لئے کافی نزدیک۔ خالدؓ خود تیسرے روز تیسرے گروہ کے ساتھ روانہ ہوئے، یعنی پہلے گروہ سے دو منازل کے فاصلے سے۔ یمامہ سے روانہ ہونے سے پیشتر یہ طے ہوا کہ پوری فوج دوبارہ حُفیر کے نزدیک جمع ہو۔[1] خالدؓ نے اپنے سپاہ کو یقین دلایا کہ ہرمز کے خلاف انھیں ایک بڑا معرکہ سر کرنے کا موقع ملے گا۔



ہرمز دست میسان کا فوجی حاکم تھا۔ چونکہ وہ ایک تجربہ کار جنگجو اور شہنشاہی فارس کا ایک قابل اعتماد افسر تھا، اسے اس صوبے کی حکومت اور حفاظت کا کام سونپا گیا، جو سیاسی اور اقتصادی دونوں لحاظ سے انتہائی اہم تھا۔ یہ صوبہ سرحدی علاقے میں تھا اور کچھ ہی عرصہ ہوئے اس کو مثنیٰ کے عرب چھاپہ ماروں کے ہاتھوں خاصی پریشانی سے سامنا رہا۔ قدرتی پیداوار اور تجارت کے لحاظ سے یہ علاقہ مالدار بھی تھا۔ اس کا مرکزی شہر، اُبلہ، شہنشاہی فارس کی سب سے بڑی بندرگاہ تھا، اور اس لحاظ سے شہنشاہی کی تجارتی خوش حالی کی روحِ رواں۔ ابلہ میں کئی بڑی راستے بھی آملتے تھے۔ بحرین سے، عرب سے، مغربی اور وسطی عراق سے، خاص فارس سے۔ جس کی بدولت اسے ایک مستقل فوجی اہمیت حاصل تھی۔ غرضکہ ابلہ ایک گزرگاہ تھی اور ہرمز کا فرض تھا کہ بطور عامل

---

[1] طبری: جلد ۲ صفحہ ۵۵۵

وہ اس کی حکومت اور بطور سپہ سالار اس کا دفاع سنبھالے۔

اس عہد کی فارسی معاشرت کے رنگ ڈھنگ امیرانہ و شاہانہ تھے۔ جیسا کہ اس قسم کے معاشروں میں ناگزیر ہوتا ہے۔ اس فارسی معاشرے میں بھی ایک پیچیدہ طبقاتی نظام موجود تھا جس سے شاہی دربار میں ہر شخص کی معاشرتی و منصبی حیثیت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ دنیاوی مرتبے کی ظاہری علامت انعام کے طور پر ملنے والی ٹوپی کی قدر و قیمت تھی۔ جیسے جیسے کسی شخص کا رتبہ بلند ہوتا جاتا تھا ویسے ہی اس کی ٹوپی کی قیمت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ شہنشاہ کے بعد کے سب سے بلند مرتبے کے لئے ایک لاکھ درہم کی ٹوپی تھی جس پر ہیرے اور موتی اور دوسرے قیمتی پتھر جڑے ہوتے تھے اور ہرمز لاکھ درہم والا آدمی تھا!

چونکہ وہ شہنشاہی اقتدار کا سچا حامی تھا، وہ مزاج کا بھی مغرور اور ڈھیٹ تھا، اور مقامی عربوں کے لئے اپنی حقارت چھپانے کی کوئی کوشش نہ کرتا۔ وہ ان کے ساتھ کرخت اور بالادست انداز میں پیش آتا، اور ردِ عمل میں مقامی عرب اس سے نفرت بھی کرتے اور ڈرتے بھی تھے۔ فی الواقعہ اس کی سختی ہی نے عربوں کے درمیان اس ضرب المثل کو جنم دیا "ہرمز زیادہ نفرت انگیز" لیکن مقامی عرب شہنشاہِ فارس کی رعایا تھے۔ اور ان کے لئے اطاعت و فرمانبرداری کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

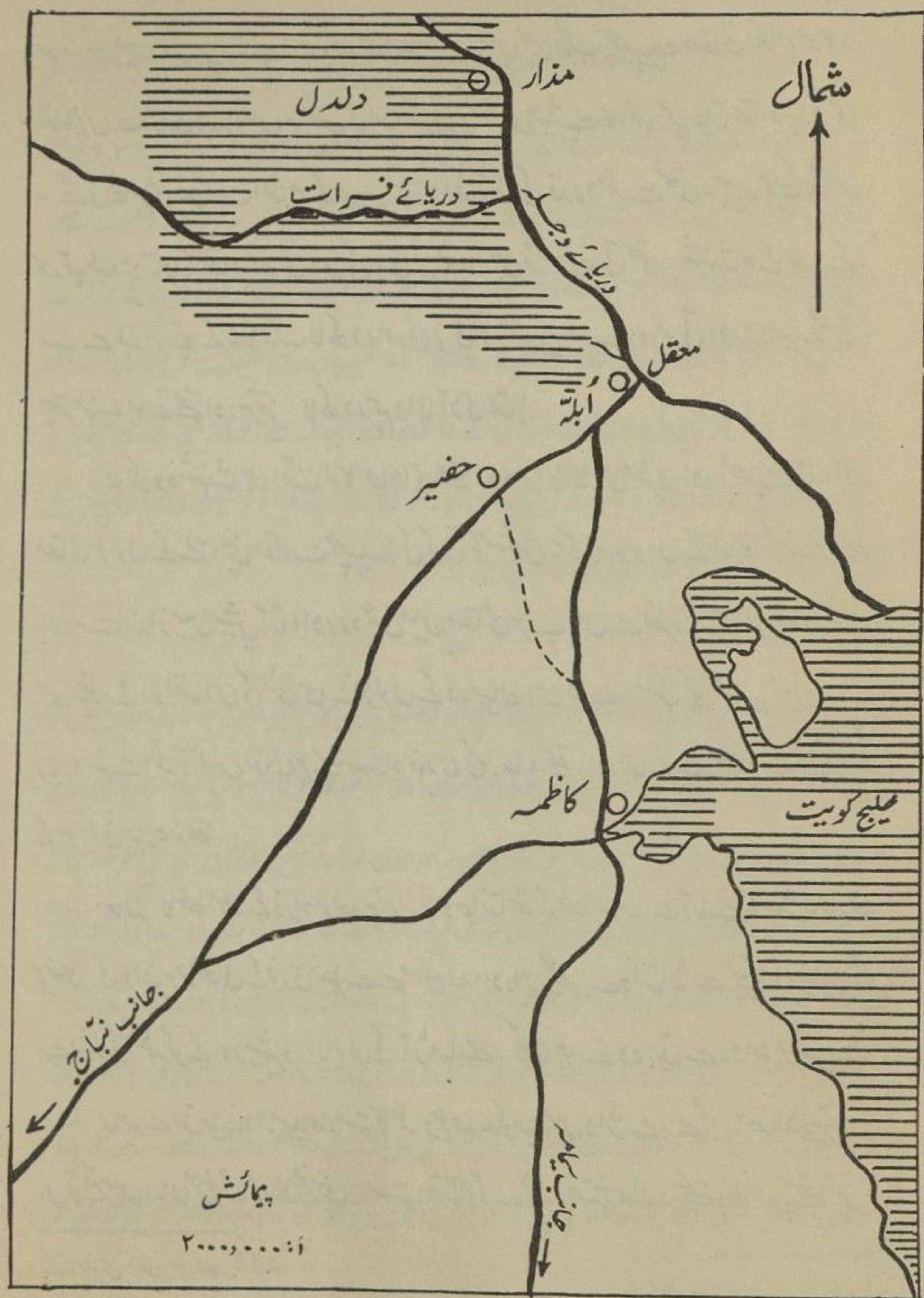
خالدؓ کا خط ملنے کے ذرا دیر بعد ہرمز نے جو جانتا تھا کہ خط یمامہ سے آیا ہے، شہنشاہ فارس کو خالدؓ کی عراق پر چڑھائی کے فوری خطرے سے مطلع کیا، اور اس چھچھورے و گستاخ سے نمٹنے کی تیاری کی اپنے لشکر کو منظم کر کے اور بیشتر رسالوں کی آڑ سامنے رکھتے ہوئے وہ ابلہ سے روانہ ہو گیا۔

یمامہ سے ابلہ جانے والا سیدھا راستہ کاظمہ (جو جدید کویت میں واقع ہے) سے گزرتا تھا اور ہرمز اس توقع میں وہاں پہنچ گیا کہ خالدؓ یہی راستہ اختیار کرے گا۔ (نقشہ نمبر ۱۱ دیکھئے) کاظمہ پہنچنے پر

---

[1] طبری: جلد ۲ - صہ ۵۵۵

نقشہ نمبر ۱۱ جنگ سلاسل — ۱ (زنجیروں کی لڑائی)



اس نے اپنی فوج کو جنوب مغرب کے رُخ، ایک قلب اور دو بازوؤں کی صورت میں صف آرا کیا، اور حکم دیا کہ سپاہی زنجیروں کے ذریعے باہم منسلک ہو جائیں۔ اس طرح صف آرا ہو کر، وہ خالدؓ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن خالدؓ کا کوئی پتا نہ تھا۔ اور اگلی صبح اس کے سراغ رساں یہ خبر لائے کہ خالدؓ کاظمہ کی جانب نہیں، حُفیر کی طرف بڑھ رہا ہے۔[1]

☆

خالدؓ نے یمامہ روانہ ہونے سے پہلے ہی اپنے ذہن میں ایک بنیادی تصور قائم کر لیا تھا کہ وہ ہرمز کی فوج سے کس طرح نمٹیں گے۔ انہیں فارسیوں سے لڑنے کا فرض سونپا گیا تھا، اور خلیفہ کی منشاء کے مطابق عراق پر چڑھائی کے لئے فارسی فوج کو شکست دینا لازمی تھا۔ اُبلّہ کے مقام پر طاقتور فارسی فوج کی موجودگی میں، خالدؓ کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ خلیفہ کی ہدایات کا مقصد بھی اُبلّہ کی تسخیر تھا اور یہ مقصد بذات خود فارسیوں کو لازماً برسرِ پیکار

---

[1] جیسا کہ نقشہ ۱۳ پر دکھایا گیا ہے، کاظمہ خلیج کویت کے شمالی ساحل پر، بصرے سے کویت جانے والی موجودہ سڑک سے ۵ میل دور واقع تھا۔ یہ ایک میل سے زیادہ قطر کا ایک خاصا وسیع شہر تھا۔ ایک راس پر واقع چند قلعہ نما کھنڈروں کے سوا اب اس شہر کے کوئی آثار باقی نہیں ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کھنڈر خالدؓ کے زمانے سے بعد کے ہوں۔

حُفیر کا کوئی نشان نہیں ملتا اور نہ اس کے محلِ وقوع سے متعلق کوئی مقامی روایت ہی موجود ہے۔ ابنِ رُستہ کے قول کے مطابق (صفحہ ۱۸۰) یہ بصرہ سے مدینے جانے والی سڑک پر، ۱۸ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ چونکہ قدیم عرب میل موجودہ میل سے ذرا زیادہ طویل تھا، میں موجودہ دَور کے رُمیلہ کو، جو پرانے بصرے سے ۲۱ میل دور ہے حُفیر کا محلِ وقوع قرار دیتا ہوں (بعض متاخرین نے اس حفیر کو حفر الباطن کے ساتھ، جو کاظمہ سے جنوب مغرب میں ۱۲۰ میل کے فاصلے پر عرب میں واقع ہے، خلط ملط کر لیا ہے۔)

لانے کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ کوئی فارسی سپہ سالار ابلہؔ کا سقوط قبول نہیں کر سکتا تھا۔

خالدؓ جانتے تھے کہ فارسی فوج کا معیار بلند اور اس کی تعداد بڑی ہے، اور فارسی سپاہی کی جرأت، مہارت اور اسلحہ سے بھی واقف تھے۔ بھاری ہتھیاروں اور بکتر سے لیس فارسی سپاہی آمنے سامنے کے باقاعدہ معرکے میں لاجواب تھا۔ اس کی اور اس کے لشکر کی واحد کمزوری یہ تھی کہ وہ نقل و حرکت میں چست نہ تھے۔ فارسی سپاہ تیزی کے ساتھ حرکت میں نہیں آسکتے تھے، اور کوئی بھی طویل مسافت انھیں تھکا دیتی تھی۔ اس کے برعکس خالدؓ کے سپاہ کے لئے پھرتیلی حرکت آسان تھی۔ وہ اونٹوں پر سوار ہوتے اور ان کے گھوڑے رسالے کے حملوں کے لئے ہر وقت تازہ دم اور تیار رکھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ نہ صرف دلیر اور باکمال جنگجو تھے، بلکہ کسی بھی قسم کے خطے میں، اور بالخصوص ریگستانی علاقے میں، مسافات بڑی تیزی کے ساتھ طے کرنے کے بھی ماہر تھے۔ مزید براں وہ مہم ارتداد کے نبرد آزما جنگجو تھے۔ خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی فوج کی پھرتی کو ایسے بروئے کار لائیں کہ دشمن میں اس کے فقدان کا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ فارسیوں کو کوچ پر کوچ کرنے کو ایسا مجبور کیا جائے کہ وہ تھک کر رہ جائیں اور جب فارسی ایسے نڈھال ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ جغرافیہ اس میں ان کا معاون ثابت ہوا۔ ابلہ کو دو راستے جاتے تھے، ایک کاظمہ سے اور دوسرا حفیر سے گزر کر، اور دوسرے راستے کی موجودگی نے خالدؓ کی اس فوجی ترکیب کو سہل بنا دیا۔ (نقشہ ۱۱ دیکھئے۔)

ہرمز کو چونکہ خالدؓ نے یمامہ سے خط لکھا تھا اس لئے ان کو یقین تھا کہ ہرمز یہی توقع رکھے گا کہ وہ یمامہ سے ابلہؔ کی طرف سیدھے راستے پر کاظمہ سے ہوتے ہوئے پیش قدمی کریں گے، اور وہ اسی کے مطابق اپنے دفاعی منصوبے بھی بنائے گا۔ اس کے مدِنظر خالدؓ نے طے کیا کہ یہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے وہ جنوب مغرب کی طرف سے ابلہؔ پہنچیں، اور اس طرح اپنی فوج کی نقل و حرکت کو کبھی ایک کبھی دوسرے رُخ میں، حفیر کی طرف یا کاظمہ کی طرف

ایسے انجام دیں کہ مقابلۃً سست قدم فارسی فوج سخت مشکل میں پھنس جائے۔ اس منصوبے کی بنا پر، اپنی فوج کو تین گروہوں میں تقسیم کرکے (جس کی پہلے ہی وضاحت کی جاچکی ہے) وہ نباج کی طرف بڑھے اور یہاں انہوں نے مثنیٰ کے ان ۲۰۰۰ سپاہ کو اپنی قیادت میں لے لیا جو اپنے جانباز سردار کے ساتھ نباج[1] میں خالدؓ کا انتظار کر رہے تھے۔ نباج سے خالدؓ نے حفیر کی جانب کوچ کیا۔ اور راستے میں دوسرے تین سرداروں کو بھی ساتھ لیتے ہوئے، وہ ۱۸۰۰۰ سپاہ کے ہمراہ حفیر پہنچ گئے۔

کاظمہ میں فارسی فوج کی موجودگی کے بارے میں خالدؓ قطعاً پریشان نہیں تھے۔ ہرمز کا کاظمہ میں رہنا خالدؓ کے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں تھا، کیونکہ مسلمانوں کے مواصلات کو برہم کرنے کی خاطر فارسی صحرا میں داخل ہونے والے نہ تھے اور اس کے علاوہ خالدؓ کی فوج کے جیسے تیز رو سپاہ صحرائی کارروائی کے دوران اپنے مواصلات پر حملے کا کم ہی امکان پیش کرتے ہیں۔ خالدؓ نے جلدی سے حفیر سے گزر کر ابلہ کا رخ کرنے کی بھی مگر کوئی کوشش نہ کی، کیونکہ جب تک ہرمز کی بڑی فوج ان کے پہلو میں موجود تھی، ان کا حفیر سے آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ہرمز ان کے عقب پر دھاوا کرکے ان کی بازگشت کا راستہ کاٹ سکتا تھا۔ کوئی عرب کبھی ایسی مداخلت برداشت نہیں کرسکتا تھا جس سے اس کا اپنے دوست صحرا کی پناہ میں، جہاں وہی مقتدر تھا، واپس جانے کا راستہ کٹ جائے یا خطرے میں پڑ جائے۔ چنانچہ خالدؓ نے حفیر کے سامنے انتظار کیا، اور دریں اثنا ان کے رسالے کے سبک رفتار ہلکے دستے ہرمز کی مسلسل نگرانی کرتے رہے۔ خالدؓ کو معلوم تھا کہ حفیر کے قریب ان کی موجودگی ہرمز کو تقریباً بوکھلاہٹ کی حد تک پریشان کریگا۔

بالکل یہی ہوا جونہی ہرمز کو خبر ملی کہ خالدؓ حفیر کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس کو اپنی فوج کے لئے شدید خطرے کا احساس ہوا۔ آخر کو عرب سپہ سالار سادہ لوح نہ نکلا۔ حکمتِ حرب کے

[1] قدیم نباج موجودہ نبقیہ ہے، جو بُریدہ کے شمال مشرق میں ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

ایک ماہر کی حیثیت سے، اسے معلوم تھا کہ اس کے فوجی اڈے کو خطرہ لاحق ہے۔ اس نے فوراً حفیر کی جانب، جو وہاں سے ۵۰ میل دور تھا، کوچ کرنے کا حکم دیا، اور اس کی بھاری ساز و سامان سے لدی ہوئی فوج بوجھل قدم اٹھاتے ہوئے اس سفر پر چل پڑی۔ دو روز میں اس مسافت کو طے کرنا تھکا دینے کو کافی تھا، لیکن مضبوط اور انضباط کے پابند فارسی سپاہ نے اس آزمائش کو بلا گلہ شکوہ قبول کیا۔ حفیر پہنچنے پر ہرمز کو خالدؓ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اس خیال سے کہ مسلمان جلد آتے ہوں گے، اس نے اپنے لشکر کو جنگ کے لئے ویسے ہی صف آرا کیا جیسے اس نے کاظمہ میں کیا تھا۔ پیچ زنجیر اور باقی تمام لوازمات کے۔ لیکن اس کے سپاہ نے بمشکل اپنی جگہیں سنبھالی تھیں کہ اس کے مخبر دوڑتے دوڑتے آئے اور یہ اطلاع لائے کہ خالدؓ اب کاظمہ کی جانب بڑھ رہا ہے!

اور خالدؓ واقعی کاظمہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ حفیر کے قریب انتظار میں اس وقت تک ٹھہرے رہے جب انھیں ہرمز کی ہڑبڑاتی آمد کی اطلاع ملی۔ پھر کچھ دور پیچھے ہٹ کر انہوں نے صحرا میں سے ہوتے ہوتے مقابل رخ میں کاظمہ کی جانب کوچ کیا مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ صحرا کے اندر اتنی دور تک داخل نہ ہوں کہ فارسی مخبروں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ خالدؓ کو کوئی جلدی نہ تھی، ان کی سپاہ کی سواری کا انتظام اچھا تھا، اور انہوں نے اطمینان کے ساتھ سفر کیا۔ خالدؓ کاظمہ پہلے پہنچ کر اس پر قبضہ کرنے کے متمنی نہ تھے، کیونکہ اس صورت میں انھیں ایک مخصوص مقام پر جم کر مقابلے کا منتظر رہنا پڑتا، جبکہ جنگی جوڑ توڑ کی آزادی ان کے حریف کو مل جاتی۔ خالدؓ نے یہ زیادہ مناسب سمجھا کہ دشمن کو جنگ کے لئے اپنے مقام کا تعین کر لینے دیا جائے اور خود کو حملے کا موقع اور سمت اختیار کرنے کے لئے ایسے آزاد رکھا جائے کہ صحرا بہر حال پشت میں رہے۔

فارسیوں نے دوبارہ اپنا اسباب سنبھالا اور کاظمہ کی طرف چل دیئے، کیونکہ ہرمز کاظمہ کا راستہ مسلمانوں کے لئے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ہرمز ابلہ کے پاس ہی دفاعی جنگ لڑ سکتا تھا، لیکن اس خوفناک تباہی کا سامنا کرنے کے بعد جو مثنیٰؓ نے اس کے علاقے میں مچائی تھی، وہ اس

کے لئے بالکل تیار نہ تھا کہ خالدؓ کو ابلّہ کے اتنے قریب پہنچنے دیا جائے کہ ان کے چھاپہ مار ابلّہ کے زرخیز رقبے میں چھوٹ نکلیں۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ خالدؓ کا خاتمہ ایسے مقام پر لڑ کر کیا جائے جو اس علاقے سے محفوظ فاصلے پر ہو جس کی حفاظت کرنا اس کا فرض تھا اور وہ صحرائی عربوں کے خلاف ایک باقاعدہ معرکے کی توقع سے خوش تھا۔ مزید براں فوجوں میں ایک طرح کی مقناطیسی قوت ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ بعض اوقات حکمتِ حرب کے حساب سے ایک مقابلتاً غیر اہم خطہ محض دشمن کی فوج کی موجودگی کی وجہ سے اہم بن جاتا ہے۔ اور اب ہرمز کاظمہ کی طرف نہ صرف اس کی اپنی جنگی اہمیت کی وجہ سے بلکہ خالدؓ کی فوج کی موجودگی کی وجہ سے بھی کھچا چلا جا رہا تھا۔

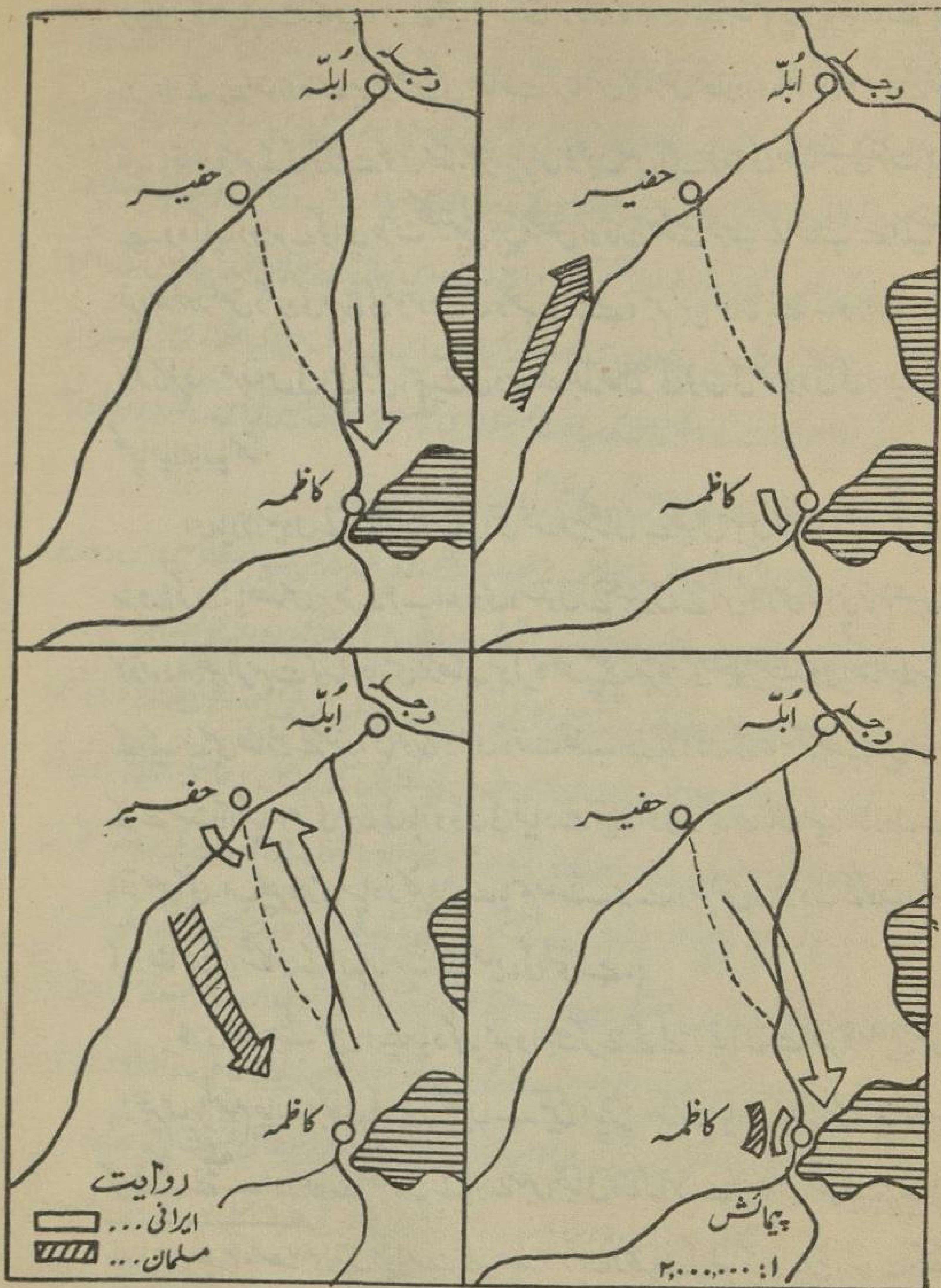
اس بار فارسیوں نے تیز رفتار کوچ کو اتنی خندہ پیشانی سے قبول نہیں کیا اور سپاہ نے بڑبڑانا شروع کر دیا؛ بالخصوص ہرمز کے عرب امدادی دستوں نے جنہوں نے اس فارسی کو اپنی تمام مصیبت کا ذمہ دار ٹھہرا کر بہت کوسا۔ فارسی نڈھال ہو کر کاظمہ پہنچے۔ ہرمز نے بطور پیشہ ور باضابطہ سپاہ گر کے ایک پل بھی ضائع کئے بغیر اپنی فوج کو اسی وقت قلب اور بازوؤں کی عام ترتیب میں جنگ کے لئے صف آرا کیا۔ اس کی فوج کی بازوؤں کی قیادت قباذ اور انوشجان نامی سپہ سالاروں کے ہاتھ میں تھی۔ اب پھر فارسی سپاہ زنجیروں سے باہم منسلک ہوئے۔ (طرفین کی فوجوں کے کوچ درکوچ کی وضاحت اشکال کے ذریعے نقشہ نمبر ۱۲ میں کی گئی ہے۔)

فارسی فوج جنگ میں اپنے سپاہ کو باہم وابستہ کرنے کے لئے زنجیروں سے اکثر کام لیتی تھی۔ یہ زنجیریں بالعموم چار لمبائیوں کی ہوتی تھیں ــــ تین، پانچ، سات یا دس افراد کو باہم منسلک کرنے کے لئے[1] ــــ اور ان کے استعمال کے بارے میں خیال تھا کہ اس سے فوج میں تقویت پیدا

---

[1] طبری: جلد ۳، صفحہ ۲۰۶ بقول ابو یوسف کے (صفحہ ۳۳) ان زنجیروں کی لمبائیاں پانچ، سات، آٹھ اور دس سپاہ کو منسلک کرنے کے مطابق تھیں۔

نقشہ نمبر ۱۲ جنگ سلاسل - ۲



ہوتی ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا، جیسا کہ بعض ناقدین نے رائے زنی کی ہے، کہ فارسی فوج کے افسر زنجیریں اس خدشے سے لگاتے تھے کہ ان کے بغیر ان کے سپاہ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ دراصل یہ زنجیریں اس اظہار جانبازی کے طور پر استعمال کی جاتی تھیں کہ سپاہ میدان چھوڑنے پر جان دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ دشمن کے رسالے کے دھاوؤں کے تدارک کے لئے بھی مفید تھے، کیونکہ زنجیروں سے منسلک سپاہ کی موجودگی میں اس کے سوار دستے چند ایک آدمیوں کو گرا کر اپنے لئے حریف کی صفوں میں اندر گھس آنے کا راستہ آسانی سے نہیں بنا سکتے تھے۔ اور چونکہ فارسی فوج کی تربیت اور اس کے نظام کا سارا مقصد معین نظام پر جم کر لڑنا تھا اس لئے زنجیروں کی ترکیب حرب اسے دشمن کے حملے کے مقابلے میں چٹان بنا کر کھڑی کر دیتی تھی۔ لیکن ان زنجیروں کی ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ شکست کی صورت میں سپاہ کی بازگشت محال تھی، چونکہ تب زنجیریں بیڑیاں بن جاتی تھیں۔ زخمی یا قتل ہو کر گر جانے والے ساتھیوں کے ساتھ زنجیروں سے منسلک سپاہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پاتے تھے، اور فتح مند حملہ آوروں کا بے بس شکار ہو کر رہ جاتے۔

اس جنگ میں زنجیروں کے استعمال ہی نے اسے جنگِ سلاسل (یعنی زنجیروں والی جنگ) کا نام بخشا ہے۔

عرب امدادی دستے ان زنجیروں کو پسند نہیں کرتے تھے اور خود انہیں کبھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ جب اس موقع پر فارسیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے منسلک کیا تو ان عربوں نے کہا "تم نے اپنے آپ کو دشمن کے لئے باندھ لیا ہے۔ ایسا کرنے سے باز آؤ!" اس کا فارسیوں نے پلٹ کر یہ جواب دیا کہ "ہمیں نظر آ رہا ہے کہ تم بھاگنے کے لئے آزاد رہنا چاہتے ہو۔"[1]

اب خالدؓ صحرا سے نکلے اور فارسیوں کی جانب آئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۵۵

اس سے قبل کہ فارسی اپنی تکان سے سنبھل سکیں، ان پر اسی جگہ اور اسی وقت حملہ کر دیا جائے۔ لیکن مسلم فوج کے پاس پانی نہیں تھا۔ اور اس کے باعث مسلمان سپاہ میں قدرے تشویش پیدا ہوئی جس سے انہوں نے خالدؓ کو آگاہ کیا۔ "اپنے اونٹوں پر سے اترو، اور دوسرے اونٹوں پر سے سامان اتارو" خالدؓ نے حکم دیا۔ "میرے ایمان کی قسم ہے پانی اسی فوج کو ملے گا جو زیادہ ثابت قدم اور زیادہ مستحق ہے"[1] اپنے قائد پر بھروسے میں بغیر کسی لغزش کے مسلمان جنگ کے لئے تیار ہونے لگے۔ اس میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ بارش ہونے لگی، اور اتنا پانی برسا کہ مسلمانوں نے سیر ہو کر پیا اور مشکیزے بھی دوبارہ بھر لئے۔

ہرمز نے اپنی فوج کو کاظمہ کے مغربی کنارے کے ذرا آگے ایسے مرتب کیا کہ شہر اس کی صفوں کی آڑ میں آگیا۔ فارسیوں کے سامنے ایک ریتیلا جھاڑ جھنکار سے اٹا ہوا میدان تقریباً ۳ میل آگے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میدان کے پرلی طرف چھوٹی چھوٹی، بنجر پہاڑیوں کا ایک پرپیچ سلسلہ ۲۰۰ فٹ سے ۳۰۰ فٹ تک کی بلندی تک اٹھتا تھا۔ یہ سلسلہ صحرا کا ایک حصہ تھا، جو متواتر آگے بڑھتا ہوا حفیر تک جا پہنچتا تھا اور خالدؓ اسی پہاڑی سلسلے کے ساتھ سفر کرتے ہوئے کاظمہ پہنچے تھے۔ ان پہاڑیوں میں سے نمودار ہو کر خالدؓ نے اب اپنی فوج کو اس ریتیلے میدان میں آگے بڑھایا۔ پھر ان پہاڑیوں کو اور صحرا کو پشت میں لے کر، انہوں نے حسب معمول فوج کو قلب اور بازوؤں کی صورت میں لڑائی کے لئے صف آرا کیا۔ لشکر کے بازوؤں کی قیادت عاصم بن عمرو (قعقاع بن عمرو کے بھائی) اور عدی بن حاتم (قبیلہ طیٔ کا وہ دراز قامت سردار جس کا ذکر قبل ازیں حصہ دوم میں ہو چکا ہے) کے سپرد کی۔ جنگِ سلاسل اپریل ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے (محرم ۱۲ھ کے تیسرے ہفتے) کے ایک دن کو شروع ہوئی۔

٭

[1] طبری: جلد ۲ صفحہ ۵۵۵

معرکے کا آغاز شاندار طرح سے ایسے ہوا کہ پہلے دونوں افواج کے سپہ سالاروں کے درمیان نبرد آزمائی ہوئی۔ ہرمز بڑا جیوٹ جنگجو تھا، جس کی ساری شہنشاہی میں یہ شہرت پھیلی ہوئی تھی کہ وہ ایک ایسا مردِ میدان تھا جس کے ساتھ نبرد آزمائی کی ہمت، کم ہی لوگ کر سکتے تھے۔ (ان ایام شجاعت میں کوئی بھی شخص اس وقت تک ایک سپہ سالار نہیں بن سکتا تھا جب تک وہ خود ایک بہادر اور باکمال جنگجو نہ ہو) ہرمز نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کر اسے طرفین کی فوجوں کے درمیان کھلی جگہ میں آکر ایسے روکا کہ وہ اپنے لشکر کی اگلی صف سے نسبتاً قریب رہا۔ پھر اس نے للکارا "مرد بہ مرد ہو جائے! کہاں ہے خالدؓ"[1] مسلمانوں کی صفوں میں سے خالدؓ پا بہ رکاب آگے بڑھے اور ہرمز سے چند قدم دور رک گئے۔ دونوں طرف کے سپاہ ان دو بڑے پہلوانوں کی نبرد آزمائی کی تیاری خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔

ہرمز نے گھوڑے سے اترتے ہوئے خالدؓ کو اشارہ کیا کہ وہ بھی ایسا کرے۔ ظاہراً یہ ہرمز کی طرف سے دلیر حرکت تھی، کیونکہ پاپیادہ نبرد آزمائی میں فرار کا موقع کم ہی تھا۔ لیکن اس مرتبہ ہرمز شجاعت کا صرف مظاہرہ کر رہا تھا، اصل معاملہ کچھ اور تھا۔ فارسی صفوں سے باہر آنے سے پیشتر ہرمز نے اپنے چند دلیر سپاہ کو منتخب کر کے انھیں اگلی صف میں اس جگہ کے نزدیک کھڑا کر دیا تھا جو اس نے مقابلے کے لئے چنی تھی۔ اس نے انھیں اس طرح ہدایت کی: وہ خالدؓ کے ساتھ نبرد آزما ہو کر مناسب وقت پر ان کو آواز دے گا۔ اس پر وہ آگے جھپٹ کر دونوں مبارزوں کو گھیر لیں گے۔ اور پھر خالدؓ کا ایسے میں کام تمام کر دیں گے جبکہ وہ ہرمز کی گرفت میں ہو۔ جب دونوں سالار اپنے اپنے گھوڑے سے اترے تو یہ منتخب سپاہ ان کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ خالدؓ بچ کر نہیں جائیں گے۔

سپہ سالاروں نے تلوار اور ڈھال کے ساتھ اپنا مقابلہ شروع کیا۔ ہر ایک نے اپنے حریف پر

---

[1] طبری: جلد ۲ صفحہ ۵۵۵

متعدد وار کئے مگر کوئی ضرب کارگر نہ ہوئی۔ دونوں کو ایک دوسرے کی مہارت پر حیرت ہوئی۔ اب ہرمز نے تجویز کیا کہ وہ اپنی تلواریں الگ رکھ کر کشتی لڑیں۔ چنانچہ ہرمز نے اپنی تلوار ہاتھ سے چھوڑ دی تو ہرمز کے منصوبے سے بے خبر خالدؓ نے بھی اپنی تلوار ڈال دی۔ دونوں کشتی لڑنے لگے۔ پھر جب وہ زور زور میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے تو ہرمز نے چلا کر اپنے آدمیوں کو آواز دی، اور وہ جھپٹ کر آگے بڑھے۔ اس سے پہلے کہ خالدؓ کو اندازہ ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے انہوں نے اپنے کو ہرمز کے ساتھ متعدد خونخوار فارسیوں کے نرغے میں پایا۔

اب خالدؓ جان گئے ان کے پاس نہ تلوار تھی نہ ڈھال، اور ہرمز کی آہنی گرفت میں کوئی ڈھیل نہ تھی۔ غرضیکہ معلوم ہوتا تھا کہ اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن پھر ہرمز کے مقابلے میں اپنی بڑی قوت استعمال کر کے انہوں نے گردش کرتے ہوئے اس کو اپنے گرد ایسے زور سے گھمانا شروع کر دیا کہ فارسیوں کے لئے ان پر وار کرنے کی کوئی عملی گنجائش نہ رہی۔

شور کا ایک طوفان دونوں طرف کے سپاہ کے گلوں سے بلند ہوا۔ پلڑے برابر رہے کیوں کہ ایک جانب سے شادماں دوسری سے دل شکستہ۔ اس شور میں سب قاتل جنکی نظریں پہلوانوں پر مرکوز تھیں، سرپٹ آتے ہوئے سموں کی آواز سے بھی بے خبر رہے۔ انھیں پتا بھی نہ چلا کہ ان پر ٹوٹ کیا پڑا ہے۔ دو تین کے سر بریدہ دھڑ زمین پر آ رہے۔ پھر کہیں دوسروں کو احساس ہوا کہ ہنگامے میں شریک جنگجوؤں میں ایک کا اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ قعقاع بن عمروؓ تھے حضرت ابوبکرؓ کی بھیجی ہوئی یک نفس کمک۔

قعقاعؓ نے فارسی قاتلوں کو خالدؓ اور ہرمز کی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور انہوں نے چشم زدن میں بھانپ لیا کہ سالارِ غنیم کس بے ایمانی پر تلا ہوا ہے اور خالدؓ کو کیا خطرہ درپیش ہے۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ یہ بات دوسروں کو بتائی جاتی ۔۔ سمجھانے کی اور ساتھیوں کو امداد کے لئے جمع کرنے کی تو قطعاً گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ قعقاعؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بے تحاشا

دوڑ آیا اور عین وقت پر پہنچ کے فارسیوں پر ٹوٹ پڑے۔ قعقاعؓ نے سب کو ہلاک کر دیا۔[1]

فارسی قاتلوں کے خطرے سے آزاد ہو کر خالدؓ نے اپنی تمام توجہ ہرمز پر مرکوز کر دی۔ ایک آدھ لمحوں بعد ہرمز بے حس و حرکت زمین پر پڑا تھا اور خالدؓ اپنے ہاتھ میں خونچکاں خنجر لئے اس کی چھاتی پر سے اٹھ رہے تھے۔

اب خالدؓ نے ایک عام حملے کا حکم دیا، اور مسلمان سالارِ غنیم کی ریاکارانہ سازش سے مشتعل، انتہائی جوش کے ساتھ جنگ میں کود پڑے۔ اسلامی لشکر کا قلب اور اس کے دونوں بازو سرعت سے میدان پار کر کے فارسی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ فارسی اپنے سپہ سالار کی موت کے اخلاقی صدمے کا شکار تھے، مگر وہ مسلمانوں کی نسبت تعداد میں زیادہ تھے، اور ان کے آہنی انضباط نے انھیں باہم منظم رکھا۔ وہ بڑی بہادری سے لڑے۔ کچھ عرصے تک جنگ میں طرفین کے ایک طرف سبک رفتار مسلمان فارسی فوج کی اگلی صف پر تابڑ توڑ حملے کرتے رہے: دوسری طرف ثابت قدم اور، وابستہ زنجیر فارسی پیادہ فوج تمام حملوں کو رد کرتی رہی۔ لیکن جلد ہی مسلمانوں کی برتر ہمت و مہارت اور فارسیوں کی تکان کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ اور متعدد کوششوں کے بعد مسلمان فارسی فوج کی اگلی صف میں کئی مقامات پر شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔

شکست کی بُو پاتے ہی، میمنہ و میسرہ کی قیادت کرنے والے فارسی سالار، قباذ اور انوشجان نے بازگشت کا حکم دیا اور اپنے سپاہ کو پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام بازگشت شروع ہو گئی۔ اور پھر جب مسلمان اور بھی غضب ناک حملے کرنے لگے تو یہ بازگشت ایک بے ترتیب پسپائی میں تبدیل ہو گئی۔ جو فارسی زنجیروں سے منسلک نہ تھے ان میں سے تو زیادہ تر بھاگ گئے۔

---

[1] جو فارسی سازش میں شریک ہوتے اور قعقاعؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے، ان کی اصل تعداد کا اندراج کہیں نہیں ملتا۔ ممکن ہے ان کی تعداد ۵ یا ۶ کے لگ بھگ رہی ہو۔

لیکن جو پابندِ سلاسل تھے انہوں نے اپنی زنجیر کو موت کا پھندہ پایا۔ اس کی وجہ سے یہ پھرتی سے نہ بھاگ سکے اور فتح مند مسلمانوں کے ایسے آسان شکار ہو کر رہ گئے کہ انھیں، اندھیرے کے ساتھ قتلِ عام بند ہونے تک ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ قباذ اور انوشجان مگر خود فرار ہونے کے علاوہ اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو بھی میدان سے بچا لیجانے میں کامیاب ہو گئے۔

اقتدار فارس کے خلاف پہلی جنگ ختم ہو گئی۔ اور مسلمانوں کو اس میں بڑی زبردست فتح نصیب ہوئی۔

اگلا دن زخمیوں کی دیکھ بھال اور مالِ غنیمت ۔ ہتھیار، قوت و بکتر، ذخائر، قیمتی ملبوسات، گھوڑے، قیدی ۔ جمع کرنے میں گزرا ۔ اس مالِ غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار خالدؓ نے اپنے سپاہ میں بانٹ دیئے۔ ہر سوار کے حصے میں ایک ہزار درہم آئے، جب کہ پیادہ فوج کے ہر سپاہی کو اس کا ایک تہائی ملا۔ یہ تناسب نبی کریمؐ کے دستور کے مطابق تھا۔ رسالے کے سوار کو تگنا اس لئے دیا جاتا تھا کہ ایک تو اسے اپنے گھوڑے کی پرورش خود کرنی پڑتی تھی، اور دوسرے عربوں کے پسندیدہ متحرک اور تیز رفتار طریقۂ حرب کے لئے اس کی خدمات زیادہ کارآمد اور قابلِ قدر بھی تھیں۔

مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ ریاست کے لئے خلیفۃ المسلمین کو بھیجا گیا[1] اور اس حصے میں ہرمز کی لاکھ درہم والی ٹوپی بھی شامل تھی۔ بطور استحقاق یہ ٹوپی خالدؓ کی ملکیت تھی، کیونکہ دو افراد کے باہمی مقابلے میں ہارنے والے کا جملہ مال و اسباب جیتنے والے کا ہو جاتا تھا۔ اور اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے ہرمز کی ٹوپی خالدؓ کو لوٹا بھی بھیجی، جنہوں نے نقد رقم کو ترجیح دیتے ہوئے اسے فروخت کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جنگِ سلاسل میں ایک ہاتھی بھی پکڑا، اور دیگر اموالِ

غنیمت کے ساتھ اس جانور کو مدینے بھیجا۔ مدینۃ الرسول نے اس سے پہلے ہاتھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب یہ پہاڑ ایسا جانور وہاں پہنچا تو سارے دارالخلافے میں کھلبلی مچ گئی۔ لوگ خشکی کے اس سب سے بڑے حیوان کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ کو اس نامانوس جانور کا کوئی فائدہ نظر نہ آیا اور انہوں نے اسے خالدؓ کے پاس واپس بھیجدیا۔ اس کے بعد اس پر کیا گزری اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

فارسیوں اور ان کی مدد کرنے والے عراقی عربوں کے اہل وعیال کو تو گرفتار کر لیا گیا، لیکن اس علاقے کی باقی ماندہ آبادی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ اور یہ آبادی زیادہ تر چھوٹے زمینداروں، کسانوں اور گلہ بانوں پر مشتمل تھی، اور یہ سب جزیہ ادا کرنے اور مسلمانوں کے تحفظ میں آنے پر رضامند ہو گئے۔



چند دنوں تک خالدؓ انتظامی معاملات میں مصروف رہے۔ پھر وہ اپنے لشکر کو لے کر شمال کی جانب چل دیئے۔ انہوں نے مثنیٰ اور ان کے ۲۰۰۰ سواروں کو قصبے کے باہر کے کھلے علاقے کا جائزہ لینے، اور پسپا فارسیوں کے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے مرکزی فوج کے آگے بھیجا۔

مثنیٰ اس مقام کے عین شمال میں جہاں آجکل زبیر واقع ہے، ایک چھوٹے سے دریا کے پاس پہنچے، جس کے کنارے وہ قلعہ واقع تھا جو حصن المرآۃ، یعنی قلعۂ خاتون، کہلاتا تھا۔ یہ قلعہ اس نام سے اس لئے مشہور تھا کہ اس پر ایک خاتون کی حکمرانی تھی۔[1] مثنیٰؓ نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا، لیکن اپنی پیش قدمی کو تاخیر سے بچانے کی خاطر انہوں نے اپنے بھائی مُعنّیٰ کو چند سو

---

[1] یہ دریا اب بھی وہیں موجود ہے، اور دریائے خاتون کہلاتا ہے، لیکن اس قلعے کے آثار کہیں نظر نہیں آتے۔

آدمی دے کر محاصرے کی نگرانی پر مامور کیا، اور خود اپنے باقی ماندہ دستے کو لے کر شمال کی طرف بڑھنے لگے۔

محاصرے کی دو ہی تین دن کی کارروائیوں نے خاتون قلعہ کو قائل کر دیا کہ مدافعت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ابلّہ کی فارسی فوج شکست کھا چکی تھی، اور کہیں سے بھی مدد کی گنجائش نہ تھی۔ معنیٰؓ نے پیش کش کی کہ اگر پُرامن طور پر ہتھیار ڈال دیئے جائیں تو کوئی خوں ریزی نہیں ہوگی۔ کچھ نہیں لوٹا جائے گا، اور کسی کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ خاتونِ قلعہ رضامند ہوگئی، اور قلعے کے محافظوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معنیٰؓ اور خاتونِ قلعہ ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ اس خاتون نے پہلے اسلام قبول کیا، اور پھر معنیٰؓ نے بلا تاخیر اس کے ساتھ شادی کر لی!

اس اثنا میں خالدؓ مرکزی لشکر کے ساتھ کاظمہ سے شمال کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جنگِ دریا

جب شہنشاہِ فارس کو مسلمانوں کی یمامہ سے پیش قدمی کے بارے میں ہرمز کا پیغام ملا تو اس نے مدائن میں ایک تازہ لشکر منظم کیا اور اس کی قیادت قارن بن قریانس نامی ایک چوٹی کے سپہ سالار کے سپرد کی۔ قارن بھی لاکھ درہم والا آدمی تھا۔ شہنشاہ نے اسے ہرمز کی کمک کے لئے اپنی نئی فوج کے ساتھ ابلہ روانہ ہونے کا حکم دیا، اور قارن اس فرض کو پورا کرنے مدائن سے چل دیا۔

دجلہ کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے، قارن مذار پہنچا اور دجلہ کو پار کر کے دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھا، حتیٰ کہ وہ دریائے معقل تک پہنچ گیا۔ اس نے دریا کو بھی، دجلہ کے ساتھ اس کے سنگم کے قریب پار کیا۔ اور دوسری طرف پہنچتے ہی اسے کاظمہ کے سانحے کی خبر ملی۔ اس شکست کی اطلاعات کے بعد فارسی فوج کے وہ باقی ماندہ سپاہ بھی قطار در قطار پہنچنے لگے جو جنگِ کاظمہ سے قباذ اور انوشجان کی قیادت میں زندہ بچ نکلے تھے۔ ان زندہ بچ رہنے والوں میں عرب معاون سپاہ بھی ہزاروں کی تعداد میں شامل تھے، اور جیسا کہ اس طرح کے حالات میں بالعموم ہوتا ہے، دونوں شرکاء — فارسی اور عرب — ایک دوسرے کو شکست کا ذمہ دار ٹھہرانے لگے۔ اب ان کے حوصلے وہ تو نہ رہے تھے جو کاظمہ میں جنگ سے پہلے تھے، لیکن تھے یہ بہادر آدمی اور انہیں اپنی شکست پر پریشانی کم اور غصہ زیادہ آرہا تھا۔

قباذ اور انوشجان ایک بار پھر جنگ کے لئے بے تاب تھے۔ ان دونوں اور قارن کے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل تھا کہ ایک باقاعدہ شاہی فوج جنگ میں غیر مہذب اور ناشائستہ صحرائی عربوں کے ہاتھوں شکست کھا سکتی ہے۔ وہ یہ نہ دیکھ پائے کہ جنگِ کاظمہ میں ان کا مقابلہ غیر مہذب عرب سپاہ کے ساتھ نہیں بلکہ ایک ایسی اعلیٰ اسلامی فوج کے ساتھ ہوا تھا جسے نئے دین نے مطہر اور مضبوط بنا دیا تھا۔ پھر بھی قارن نے اپنی دور اندیشی ضرور دکھائی کہ وہ جنوبی کنارے سے آگے نہ بڑھا۔ یہاں وہ دریا کو پشت میں لے کر اپنے عقب کو محفوظ رکھ سکتا تھا اور اس طرح جنگی توڑ توڑ کے مواقع محدود کر کے، وہ ایسی باقاعدہ آمنے سامنے کی جنگ لڑ سکتا تھا جو فارسیوں کو مرغوب بھی اور جس کے لئے ان کی تربیت اور ان کا انضباط عین موزوں تھے۔

مثنیٰؓ کے سبک رفتار دستے ابلہ کی فارسی فوج کے باقی ماندہ سپاہ کے تعاقب میں ان کے پیچھے آپہنچے، اور فارسیوں کو سامنے دیکھتے ہی مثنیٰؓ نے خود تو ان کو اپنی طرف متوجہ کئے رکھا اور ان کا جائزہ لیتے رہے، اور ساتھ ہی سواروں کے ایک گروہ کو رسد اکٹھا کرنے کو قرب وجوار میں دوڑا دیا۔ فارسیوں نے اپنے پڑاؤ سے نکل کر حملہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ مثنیٰؓ نے ایک قاصد کے ذریعے خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ انہوں نے ثنیؔ[1] کے پاس دشمن کی ایک طاقتور فوج سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔

لفظ ثنیِ عربوں کے ہاں دریا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثنیٰؓ نے فارسیوں کا سامنا دریائے معقل کے جنوبی کنارے پر کیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ جس جنگ کا اب تذکرہ کیا جائے گا وہ جنگِ دریا کہلاتی ہے۔

☆

کاظمہ سے روانہ ہو کر، خالدؓ نے شمال کی طرف سفر کیا، حتیٰ کہ وہ موجودہ زبیر کی حدود

---

[1] یاقوت نے اسے ثنیِ لکھا ہے۔ جلد ۱، صفحہ ۹۳۷۔ اور طبری نے ثنیؔ (جلد ۲، صفحہ ۵۵۷)۔

میں ، ابلہ سے جنوب مغرب میں تقریباً ۱۰ میل کے فاصلے پر ، چند کھنڈروں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ یہ طے کرچکے تھے کہ وہ ابلہ کی جانب جہاں ان کے مقابلے کے لئے کوئی دشمن نہیں رہ گیا تھا ، تاہین مڑیں گے جب مثنیٰ کا قاصد قارن کے لشکر اور جنگِ کاظمہ سے بھاگ آنے والوں کے اجتماع کی خبر لایا۔ خالدؓ کو اب یہ فکر ہوئی کہ نئے فارسی لشکر کو ایسے میں پاکر تباہ کیا جائے جب اس کے سپاہ کے ذہن میں ابھی کاظمہ کا صدمہ تازہ ہو۔ چنانچہ خود خالدؓ نے تو مرکزی فوج کے ساتھ دریائے معقل کی طرف کوچ کیا ، مگر فوج کا ایک دستہ معقل بن مقرن کے سپرد کرکے انھیں مالِ غنیمت جمع کرنے کو ابلہ بھیج دیا۔ جہاں انہوں نے یہ فرض پورا کیا۔ خالدؓ اپریل ۶۳۳ء کے تیسرے ہفتے (صفر ۱۲ھ) کے آغاز میں مثنیٰ کے پاس پہنچ گئے۔

اب خالدؓ نے فارسی محاذ کا بذاتِ خود جائزہ لیا۔ چونکہ فارسی لپشت دریا کی طرف تھی اس لئے فارسیوں کے گرد گھوم کران پر پیچھے سے حملہ کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اور خالدؓ کو ایسی کوئی ترکیب بھی نہ سوجھی جس کے ذریعے وہ ان کو ہرمز کی طرح اپنی جگہ سے ہٹنے پر مجبور کر پاتے چنانچہ صورت حال کے مطابق خالدؓ نے طے کیا کہ اس بار فارسی شہنشاہی انداز کی باقاعدہ آمنے سامنے کی جنگ لڑی جائے ۔ اور اس کے علاوہ ان کے لئے کوئی اور چارۂ کار تھا بھی نہیں۔ قارن کی جنگی تیاری کے مدنظر خالدؓ نہ تو دریا پار کرکے عراق میں آگے بڑھ سکتے تھے نہ مغرب کی سمت حیرہ کی طرف پیش قدمی کرسکتے تھے۔

دونوں فوجیں جنگ کے لئے صف آرا ہوئیں۔ فارسی فوج کے بازوؤں کی قیادت قباذ اور انوشجان کے ہاتھوں میں تھی ، اور قلب کی براہِ راست قارن کے پاس جو اس کی صفوں کے سامنے کھڑا تھا۔ عرب معاون سپاہ کو اس لشکر کے مختلف حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ قارن تھا بہادر سپہ سالار مگر دور اندیش بھی۔ اس نے اپنی صف بندی دریا کو لپشت میں لے کر اس کے قریب ہی قائم کی اور اس کا انتظام کیا کہ کشتیوں کا ایک بیڑا پاس کے کنارے پر تیار کھڑا ہے ... کہ کہیں معاملہ بگڑ گیا تو

بوقت ضرورت کام آئے۔ خالدؓ نے بھی اپنی فوج کو قلب اور دو بازوؤں میں مرتب کیا، اور عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم کو پھر ایک ایک بازو کا سالار مقرر کیا۔

جنگ کا آغاز تین نبرد آزما معرکوں سے ہوا۔ آگے بڑھ کر مبارز طلب ہونے والا سب سے پہلا شخص قارن تھا۔ جب خالدؓ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا تو ایک اور مسلمان سوار بھی جس کا نام معقل بن الاعشی تھا، اسلامی فوج کی اگلی صف سے نکلا اور قارن کی طرف بڑھنے لگا خالدؓ سے پہلے معقل قارن تک جا پہنچے، اور چونکہ یہ ایک باکمال شمشیر زن تھے اور چوٹی کے پہلوانوں سے نبرد آزما ہونے کی ان میں پوری صلاحیت تھی، خالدؓ نے انھیں واپس نہ بلایا۔ دونوں کا مقابلہ ہوا، اور معقل نے اپنے حریف کا کام تمام کر دیا۔ ایک لاکھ درہم والوں میں خالدؓ کا آخری مدمقابل یہی قارن تھا۔

جب معقل کی تلوار نے فارسی سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو دوسرے دو فارسی سالاروں، قباذ اور انوشجان، نے آگے بڑھ کر دعوت مبارزت دی۔ مسلمانوں کے بازوؤں کے سالاروں عاصم اور عدی، نے للکار قبول کی۔ عاصم نے انوشجان کو اور عدی نے قباذ کو قتل کر دیا۔ جب ان فارسی سالاروں کا بھی کام تمام ہو گیا تو خالدؓ نے عام حملے کا حکم دیدیا، اور مسلمان آگے لپک کر فارسیوں کے بھاری لشکر پر ٹوٹ پڑے۔

اس زمانے میں سپہ سالار کی ذاتی کارگزاری کا جنگ میں خاص طور پر اہم مقام تھا۔ نبرد آزمائی میں اس کی نمایاں کامیابی سے اس کے سپاہ کے حوصلے بڑھتے تھے۔ اور اس کی موت یا اس کے فرار سے حوصلے بیٹھ جاتے تھے اور انتشار پھیلتا تھا۔ یہاں فارسی فوج اپنے تین اعلیٰ سپہ سالار کھو چکی تھی، لیکن اس کے سپاہ نے پھر بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کچھ عرصے تک مسلمانوں کے حملوں کو روکے رکھا۔ لیکن لائق سالاروں کی قیادت کے بغیر فارسی صفوں میں جلد ہی انتشار اور ابتری کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بالآخر مسلمانوں کے مسلسل حملوں کی شدت کے زیر اثر، فارسی فوج کے سپاہ کا شیرازہ

بکھر گیا۔ اور انہوں نے میدان چھوڑ کر سیدھا دریا کے کنارے کا رخ کیا۔

یہ غیر منظم پسپائی اپنے ساتھ اور تباہی لائی۔ ہلکے طور پر مسلح مسلمانوں نے بھاری قوت اور اسلحہ سے لیس فارسیوں سے زیادہ پھرتی دکھائی اور اپنے مغرور حریفوں کو جا لیا۔ دریا کے کنارے پر فارسیوں کی ابتری انتہا کو پہنچ گئی اور وہ اپنی متعاقب وحشت سے پیچھا چھڑانے کو کشتیوں میں کود کر بھاگنے کی اندھا دھند کوشش کرنے لگے۔ جہاں ہزاروں کشتیاں کھیو کر اپنے کو بچا لے گئے، وہاں ہزاروں اور موت کے گھاٹ اتر گئے۔ جو بچ نکلے ان کی زندگی قارن کے احتیاط کی دین تھی، کیونکہ اسی کی دور اندیشی نے کشتیوں کو دریا کے کنارے تیار رکھا تھا۔ اگر یہ کشتیاں نہ ہوتیں تو ایک فارسی بھی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ چونکہ مسلمانوں کے پاس دریا عبور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، وہ مغرور سپاہ کا تعاقب نہ کر سکے۔

طبری کے قول کے مطابق اس جنگ میں ۳۰۰۰۰ فارسی مارے گئے۔[۱] اس کا مالِ غنیمت کاظمہ میں ہاتھ آنے والے سے زیادہ نکلا، اور اس کے پانچ میں سے چار حصے ایک بار پھر ملا با جبر سپاہ میں بانٹ دیئے گئے اور پانچواں حصہ مدینے بھیج دیا گیا۔

اب خالدؓ مسلمانوں کے مسخر علاقوں کے نظم و نسق کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہوئے اور انہوں نے اس کو زیادہ مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ تمام مقامی باشندے خالدؓ کی اطاعت قبول کرتے ہوئے جزیہ ادا کرنے اور مسلمانوں کی پناہ میں آنے پر رضامند ہو گئے۔ ان باشندوں سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ خالدؓ نے محصول جمع کرنے والے عہدیداروں کی ایک جماعت منظم کی، اور حُضرو کو اس کا صدر مقام بنا کر سوید بن مقرن کو اس کا نگراں مقرر کیا۔

لیکن جب خالدؓ کی توجہ ان انتظامی امور پر مرکوز تھی تب ان کے جاسوس قارن کی شکست خوردہ سپاہ کا کھوج لگانے کو چپکے سے مُعقل اور فرات کے اس پار پہنچ گئے۔

---

[۱] طبری: جلد ۲۔ صفحہ ۵۵۸

ساتھ ہی دوسرے جاسوس کسریٰ کے شہنشاہی لشکر کے مزید حرکات اور اجتماعات کا سراغ لگانے کو فرات کے ساتھ ساتھ حیرہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔[1]

---

[1] طبری اس جنگ کو جنگِ مذار کہتا ہے، جو میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ وضاحت کے لئے ضمیمہ ب کا حاشیہ ۱۶ دیکھئے۔

۲۱

جہنمِ ولجہ

معقل کی شکست کی خبر نے مدائن کو مشتعل کر دیا۔ عرب کے بنجر ویرانوں سے نمودار ہونے والی نئی اور غیر متوقع قوت نے یہاں ایک دوسرے فارسی لشکر کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ دونوں لشکروں کے سپہ سالار شہنشاہی کے نامور لوگ تھے۔ لاکھ درہم والی شخصیتیں۔ اور پھر صرف یہ دو ہی نہیں بلکہ دو اور صف اول کے سالار بھی دشمن کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے۔ بات قابل یقین ہی نہ تھی! اس کے مدِ نظر کہ اس نئے دشمن کی فوجی تنظیم اپنے معیار کے لئے کبھی مشہور نہ رہی تھی، دونوں شکستیں مانند کابوس نظر آتی تھیں۔ ڈراونی مگر بے وجود۔

شہنشاہ اردشیر نے طے کیا کہ وہ اب شکست کا کوئی اور خطرہ مول نہ لے گا۔ اس نے دو اور لشکروں کو تیار ہونے کا حکم دیا، اور اس نے یہ حکم اسی دن جاری کیا جس دن جنگِ دریا لڑی گئی۔ ممکن ہے قارئین کو اس پر تعجب ہو، کیونکہ مدائن میدانِ جنگ سے ۳۰۰ میل دور تھا۔ لیکن فارسی فوجی خبر رسانی کا ایک نادر نظام استعمال کرتے تھے۔ جنگ سے پہلے وہ میدانِ جنگ سے اپنے صدر مقام تک ایسے سپاہیوں کی قطار لگا دیتے تھے جو اپنی بلند آواز کے لئے چنے جاتے تھے اور جو ایک دوسرے سے ایسے فاصلے پر تعینات کئے جاتے تھے کہ ایک کی آواز دوسرے تک پہنچ جائے۔ اس قطار کو بنانے کے لئے کئی سو آدمی استعمال کئے جاتے تھے۔ میدانِ جنگ میں رونما ہونے والا ہر واقعہ ا بلند آواز میں ب تک پہنچاتا، ب ج تک، ج د تک، وغیرہ وغیرہ۔[1]

[1] طبری: جلد ۳، صفحہ ۳۴۳

اس طرح شہنشاہِ فارس تک میدانِ جنگ کی ہر کارروائی کی خبر چند ہی گھنٹوں میں پہنچ جاتی تھی۔

شہنشاہ کے احکام کی تکمیل میں فارس کے سپاہ شاہی دارالحکومت میں جمع ہونے لگے۔ علاوہ ان کے جو شرقی شہنشاہی روم کے ساتھ فارس کی مغربی سرحد پر تعینات تھے، یہ سپاہ تمام شہروں، قلعوں اور چھاؤنیوں سے آئے۔ کچھ ہی دن میں پہلا لشکر تیار ہو گیا۔

دربارِ فارس کا قیاس تھا کہ مسلمان فرات کے ساتھ ساتھ شمال مغربی عراق کی جانب بڑھیں گے عرب ذہنیت کو فارسی اتنا سمجھتے تھے کہ ان کو یقین تھا کہ کوئی بھی عرب فوج ریگستان سے دور ہٹ کر اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مخالف سپاہ اس کے عقب اور اس کے ریگستان میں واپسی کے راستے پر حملہ کرنے کی زد میں ہوں تو اس خیال سے کہ مسلم فوج مغرب کا رخ کرے گی، اردشیر نے خالدؓ کو روکنے اور ان کی فوج کو تباہ کرنے کے لئے جس مقام کا انتخاب کیا وہ ولجہ تھا۔ (نقشہ نمبر ۱ دیکھئے) [1]

مدائن میں جمع کی جانے والی نئی افواج میں سے پہلی کی قیادت اندرزغر کے سپرد کر دی گئی۔ جو حال تک خراسان کے سرحدی صوبے کا فوجی حاکم رہا تھا۔ اور جس کی فارسی اور عرب دونوں بہت قدر کرتے تھے۔ وہ ایک ایسا فارسی تھا جس کی پیدائش اور پرورش عراق کے

---

[1] ولجہ کے کوئی آثار باقی نہیں ہیں۔ یاقوت (جلد ۴، صفحہ ۹۳۹) کی روایت کے مطابق، یہ کوفہ سے مکے جانے والی سڑک کے مشرق میں واقع تھا۔ اور اس کے اور حیرا کے درمیان ایک شاداب علاقہ پھیلا ہوا تھا۔ میوزیل (صفحہ ۲۹۳) اسے عین ضاحک کے قریب بتاتا ہے۔ اگرچہ عین ضاحک اس علاقے کے مقامی باشندوں میں ابھی تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اسے نقشوں پر عین المہاری لکھا جاتا ہے۔ اور یہ شثاثیہ سے جنوب، جنوب مغرب میں ۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ولجہ کا رقبہ، جو اب سراسر بنجر ہے، اس زمانے میں بہت زرخیز تھا۔

عربوں کے درمیان ہوئی، اور اپنے طبقے کے اکثر دوسرے فارسیوں کے برعکس، اس کے دل میں عربوں کی سچی محبت تھی۔

اندرزغر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی فوج لے کر ولجہ پہنچ جائے، جہاں جلد دوسری فوج بھی اس سے آملے گی۔ وہ مدائن سے روانہ ہوا، دجلہ کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا۔ دجلہ کو کسکر کے مقام پر عبور کیا،[1] جنوب مغرب کی طرف چل کر ولجہ کے قریب فرات تک پہنچا، فرات کو عبور کیا۔ اور ولجہ میں اپنا پڑاؤ ڈال لیا۔ دارالحکومت سے روانہ ہونے سے پیشتر اس نے اپنی واقفیت کے متعدد عرب قبائل کے پاس قاصد بھیجے تھے، اور اب ولجہ کے سفر کے دوران اس نے ایسے ہزاروں عربوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا جو اس کے جھنڈے تلے جنگ کرنے کے لئے تیار تھے۔ راستے میں اسے قارن کی فوج کے بچے کھچے سپاہ بھی ملے اور اس نے انھیں اپنی فوج میں شامل کر لیا۔ جب وہ ولجہ پہنچا تو اسے اپنی فوج کی تعداد دیکھ کر مسرت ہوئی اور وہ اطمینان سے بہمن کا انتظار کرنے لگا، جو چند ہی روز میں پہنچنے والا تھا۔

بہمن دوسری فوج کا سپہ سالار تھا۔ شہنشاہی فارس کی فوجی عہدیداری میں اعلیٰ شخصیت کی حیثیت سے وہ بھی لاکھ درہم والا آدمی تھا۔ اسے شہنشاہ نے حکم دیا کہ جب دوسری فوج تیار ہو جائے تو وہ اسے لے کر ولجہ پہنچے، جہاں اندرزغر اس کا منتظر رہے گا۔ دونوں فوجوں کی عام قیادت اس کو سونپ کر اس سے یہ توقع رکھی گئی کہ وہ اتنی عظیم قوت کے ساتھ مسلم فوج کا ایک ہی معرکے میں خاتمہ کر دے گا۔

بہمن نے اندرزغر کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے مدائن سے جنوب کی طرف دونوں دریاؤں کے درمیان، سیدھا ولجہ کا رخ کیا۔ لیکن وہ مدائن سے پہلی فوج کے کئی دن بعد

---

[1] یہ وہی مقام ہے جہاں ۸۳ھ میں واسط کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ کسکر فی الواقعہ واسط کا مشرقی حصہ بن گیا تھا۔

روانہ ہوا، اور اس کی کوچ کی رفتار مقابلتاً آہستہ رہی۔

٭

جنگِ دریا میں فتح بڑی شاندار ہوئی تھی۔ خود معمولی نقصان اٹھا کر فارسیوں نے بڑے لشکر کے پرخچے اڑا دیئے تھے اور بے انتہا مالِ غنیمت حاصل کیا تھا۔ لیکن اس جنگ نے خالدؓ کو سوچ میں ڈال دیا۔ اب جا کر انھیں شہنشاہِ فارس کے وسائل کی لامحدود وسعت کا اندازہ ہونے لگا۔ انہوں نے دو مختلف فارسی لشکروں سے خونی جنگیں لڑ کر دونوں کو بلا رحم میدان میں رول دیا تھا۔ لیکن وہ ابھی تک اس شہنشاہی کے بیرونی حدود ہی میں تھے۔ جیسی فوجوں سے ان کا مقابلہ کاظمہ اور دریا کے پاس ہوا تھا۔ ایسی کئی اور میدان میں لانا فارسیوں کے لئے مشکل نہ تھا۔

اس مسئلے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، اور اس کے حل کا ذمہ خالدؓ ہی کے سر تھا۔ وہ پہلے سپہ سالار تھے جو اجنبی علاقوں کو فتح کرنے عرب سے باہر نکلے۔ وہ صرف سپہ سالار نہیں سیاسی سربراہ بھی تھے، اور اس حیثیت سے انھیں مدینے میں مقیم خلیفہ کی طرف سے اسلامی مفتوحہ علاقوں کی حکومت بھی چلانی تھی۔ اس موقعے پر ان سے اعلیٰ کوئی افسر نہ تھا جس سے وہ سیاست اور نظم و نسق کے بارے میں ہدایت حاصل کر سکتے۔ اس کے علاوہ ان کے سپاہ اب اتنے تازہ دم نہ تھے جتنے جنگِ کاظمہ کی ابتدا کے وقت۔ انہوں نے لمبی لمبی مسافتیں تیزی سے طے کی تھیں اور جان توڑ کر لڑے تھے۔ اب وہ بہت کافی تھک گئے تھے۔ چنانچہ خالدؓ نے اپنے سپاہ کو چند روز کے لئے آرام کرایا۔

اب خالدؓ نے جاسوسوں کی ایک کارگر تنظیم قائم کر لی تھی۔ یہ جاسوس وہ مقامی عرب تھے جو اس فراخدل سلوک کی بدولت جو خالدؓ نے مقامی آبادی کے ساتھ روا رکھا، اور جو شہنشاہی فارسیوں کی سختی اور رعونت کے صریحاً برعکس تھا، مسلمانوں کے بالکل حامی ہو گئے تھے۔ چنانچہ

انہوں نے اپنی قسمت مسلمانوں کے ساتھ وابستہ کر کے شہنشاہی فارس کے معاملات اور افواج کی نقل و حرکت سے خالدؓ کو مطلع رکھا۔ اور اب ان جاسوسوں نے خالدؓ کو اندرزغر کی مدائن سے روانگی، بڑے عرب امدادی دستوں اور لشکرِ قارن کے بچے کھچے سپاہ کا اس کے ساتھ ملنے، اور اس کی ولجہ کی جانب آمد سے آگاہ کیا۔ انہوں نے بہمن کی زیرِ قیادت دوسرے لشکر کی مدائن سے روانگی اور جنوبی سمت میں کوچ کی خبر بھی دی۔ مزید خفیہ اطلاعات ملنے پر خالدؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ دو فارسی افواج تھوڑے ہی عرصے میں باہم مل جائیں گی، اور پھر یا تو فرات کے جنوب میں ان کا راستہ روکیں گی یا الیہ کے علاقے میں ان کے خلاف جنگ کرنے کے لئے آگے بڑھیں گی۔ اس صورت میں اندیشہ تھا کہ فارسیوں کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ ان کے خلاف کامیاب جنگ کرنا ممکن نہ رہے۔ خالدؓ کو حیرا پہنچنا تھا، اور ولجہ کے عین راستے میں تھا۔

خالدؓ کے لئے ایک اور پریشان کن بات یہ تھی کہ بہتیرے فارسی ایک جنگ سے فرار ہو کر دوسری میں لڑنے کے لئے آ پہنچتے تھے۔ جنگِ کاظمہ سے بچ نکلنے والے قارن کے ساتھ مل کر جنگِ دریا میں لڑے تھے اور جنگِ دریا میں زندہ بچ رہنے والے اندرزغر کی فوج میں شامل ہو کر ولجہ کی جانب رواں تھے۔ ان تمام افواج کو جو ان کے روبرو تھیں شکست دینے کا معقول امکان صرف اسی صورت میں نکل سکتا تھا کہ وہ کسی بھی فارسی کو ایک معرکے سے بھاگ کر دوسرے میں شریک ہونے کا موقع ہی نہ دیں۔

تو اب خالدؓ کا دو مسائل سے سامنا تھا۔ پہلا حکمتِ حرب کا تھا: دو فارسی فوجیں ان سے باہم مقابلے کے لئے ملنے والی تھیں۔ اس مسئلے کا خالدؓ نے یہ ماہرانہ حل نکالا کہ تیزی سے آگے بڑھ کے ایک فوج (اندرزغر کی) سے لڑ کر اس کا خاتمہ، دوسری فوج (بہمن کی) کے موقعے پر پہنچنے سے پہلے کر دیا جائے۔ دوسرا مسئلہ ترکیبِ حرب کا تھا: دشمن سپاہ کو ایک معرکے سے بھاگ کر دوسرے میں شریک ہونے سے کیسے روکا جائے؟ اس مسئلے کے حل کے لئے انہوں نے

ایسی ترکیب حرب نکالی جو کسی عظیم فراست ہی کو سوجھ سکتی تھی، اور جس کو صرف کوئی ماہر حرب ہی انجام دے سکتا تھا۔ لیکن اس کا مزید تذکرہ آگے ہو گا۔

خالدؓ نے سوید بن مقرّن کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق کی دیکھ بھال کریں، اور اپنے لشکر کے چند دستوں کو انہوں نے دجلہ کے زیریں حصے پر ایسے تعینات کیا کہ وہ شمال اور مشرق کی جانب سے دشمن کو دریا عبور کرنے کے احتمال کا تدارک کر سکیں اور ان اطراف سے دشمن کے تازہ سپاہ کے نمودار ہونے کی صورت میں اس کی بروقت اطلاع دے سکیں۔ باقی ماندہ لشکر کے کوئی ۱۵۰۰۰ سپاہ لے کر خالدؓ حیران کی طرف روانہ ہوئے اور بڑی دلدل کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ تیزی سے آگے بڑھے۔

☆

اندرزغر کو موقع دیا جاتا تو وہ یقیناً مسلمانوں سے فوری فیصلہ کن جنگ لڑنے کی بجائے بہمن کی آمد کا انتظار کرتا۔ لیکن اندرزغر کو یہ موقع نہیں دیا گیا۔ بہمن کی متوقع آمد سے چند روز پیشتر مسلم فوج مشرقی افق پر نمودار ہوئی اور دلجہ سے تھوڑی دور خیمہ زن ہو گئی۔ تاہم اندرزغر پریشان نہ ہوا۔ اس کے پاس فارسیوں اور عربوں کی ایک بڑی فوج تھی اور اسے یقین تھا کہ فتح اس کی ہو گی۔ اس نے یہ زحمت بھی گوارا نہ کی کہ اپنی فوج کو ایک میل دور دریا کے کنارے تک اس لئے ہٹائے کہ وہ دریا کو اپنے پشت کی حفاظت کے کام لائے۔ اس نے ولجہ کے مقام پر ہی جنگ کرنے کی تیاری کی۔

دونوں لشکروں نے اگلا پورا دن ایک دوسرے پر نگاہ رکھتے ہوئے اپنے اپنے پڑاؤ میں گزارا۔ اس اثنا میں طرفین کے سپہ سالاروں اور دیگر افسروں نے جنگی معائنے کئے، اور اگلے روز کے لئے تیاریاں کیں۔ اگلی صبح دونوں لشکر ایک ایک قلب اور دو دو بازوؤں میں جنگ کے لئے صف آرا ہوئے۔ مسلم لشکر کے میمنہ و میسرہ پھر عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم

کے زیرِ قیادت تھے۔

جنگ کا میدان ایک ایسا ہموار زمین کا قطعہ تھا جو دو نیچی اور چپٹی سی پہاڑیوں کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ ان دو پہاڑیوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً دو میل تھا اور ان کی بلندی ۲۰ سے ۳۰ فٹ تھی۔ اس میدان کے شمال مشرقی حصے میں ایک اور ایسی ہی پہاڑی موجود تھی، جو اصل میں مشرقی پہاڑی کا ایک اضافی حصہ تھی، اور جنوب میں یہ میدان ایک بے آب و گیاہ ریگستان سے جا ملتا تھا۔ شمال مشرقی پہاڑی سے تھوڑی ہی دور آگے فرات کی ایک شاخ بہتی تھی، جسے اب دریائے خسیف کہتے ہیں۔ اس میدان کے مرکز میں ایرانی اس طرح صف آرا ہوئے کہ ان کا رخ مشرق جنوب مشرق کی جانب تھا۔ مغربی پہاڑی ان کے عقب میں تھی اور ان کا میسرہ شمال مشرقی پہاڑی کے نچلے حصے کے ساتھ کھڑا تھا۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو مشرقی پہاڑی کے عین آگے ایرانیوں کے بالمقابل صف آرا کیا۔ میدانِ جنگ کا مرکز، یعنی دونوں فوجوں کے درمیانی فاصلے کا وسط، موجودہ عین المہاری سے جنوب مشرق میں کوئی ۲ میل اور موجودہ شنافیہ سے جنوب میں کوئی ۶ میل دور تھا۔

اندرزغر کو اسلامی فوج کی تعداد دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کہ لگ بھگ صرف ....۱۰ کی معلوم ہوتی تھی۔ اپنی اطلاعات کے مطابق اندرزغر کا خیال تھا کہ خالدؓ کی فوج اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ اور آخر کار مسلمانوں کا جری رسالہ کہاں تھا؟ یہ آدمی تو تقریباً سب کے سب پا پیادہ تھے! اس نے سوچا کہ شاید جنگِ کاظمہ اور جنگِ دریا سے جان بچا کر آنے والے سپاہیوں نے جیسا کہ شکست خوردہ سپاہ اکثر کرتے ہیں، دشمن کی تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کی ہو۔ اور شاید مسلمانوں کا رسالہ پیدل لڑ رہا ہو! اندرزغر کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے مقابل کھڑے ہوئے مسلمان بھی اپنی تعداد پر حیران تھے، کیونکہ انہیں اپنی وہ تعداد نظر نہیں آتی تھی جو ایک دن پہلے دِکھ رہی تھی، لیکن اس بات نے انہیں پریشان نہیں کیا۔ اللہ کی تلوار ایران کو مکمل

بھروسہ تھا۔

اس صورت حال نے اندرزغر کے حوصلے بہت بڑھا دیئے۔ اس نے سوچا کہ اس چھوٹی سی فوج کی "تکہ بوٹی" کر کے وہ سرزمین عراق کو بدتمیز بدوؤں کے وجود سے پاک کر دے گا۔ پہلے مسلمانوں کے حملے کا انتظار کیا جائے۔ ان کے حملے کو روک کر مسلمانوں کو تھکا دیا جائے۔ اور پھر ان پر جوابی حملہ کر کے ان کو روند دیا جائے۔

جب خالدؓ کے لشکر نے ایک عام حملے کے لئے پیش قدمی کی تو اندرزغر بے حد خوش ہوا۔ یہی تو وہ چاہتا تھا۔ دونوں فوجیں تلواروں کی جھنکار کے ساتھ باہم ٹکرائیں، اور جوانوں کو معرکے کی شدت میں کسی اور چیز کا خیال نہ رہا۔

کچھ عرصے تک جنگ کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ چست اور ہنرمند مسلمانوں نے بھاری سلح پوش فارسیوں پر بار بار وار کئے، لیکن وہ تمام حملوں کو روک کر اپنی جگہ جمے رہے۔ کم و بیش ایک گھنٹے کے بعد دونوں فوجیں تکان محسوس کرنے لگیں ۔ مسلمان نسبتاً زیادہ تھکے، کیونکہ ان کی تعداد کم تھی اور ان میں سے ہر ایک کا متعدد فارسیوں سے مقابلہ تھا۔ مزید براں، فارسیوں کے پاس فالتو سپاہ بھی تھے، جنہیں وہ وقتاً فوقتاً اگلی صف کے تھکے ہوئے سپاہ کی جگہ لے آتے تھے۔ یہ خالدؓ کا عملی نمونہ تھا، جس نے مسلمانوں کے حوصلے پست نہ ہونے دیئے۔ وہ خود اگلی صف میں لڑ رہے تھے۔

بالخصوص، جنگ کے اس دور میں خالص اور ایک عظیم الجثہ ہزار مرد نامی فارسی پہلوان[1] کی نبرد آزمائی کے ولولہ انگیز نظارے نے مسلمانوں کا اعتماد اور بڑھا دیا۔ اس دیو ہیکل مرد نے قدم بڑھایا اور مبارز طلب ہوا۔ خالدؓ نے اس للکار کو قبول کیا، اور باہمی مقابلے کے چند ہی

---

[1] اس پہلوان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار سپاہ کے برابر ہے۔ دراصل 'ہزار مرد' ایک لقب تھا، جو خاص جنگجوؤں کو ان کی قوت و شجاعت کے اعتراف کے طور پر دیا جاتا تھا۔

لمحوں بعد انہوں نے موقع پا کر تلوار کی ایک ضرب سے دیو کو ڈھیر کر دیا۔ جب اس فارس کا جسم بالکل بے حس و حرکت ہو گیا تو خالدؓ نے اس کے عظیم سینے پر بیٹھ کر اپنے غلام کو آواز دی کہ وہ ان کا کھانا لائے۔ پھر اس ہیبت ناک نشست پر بیٹھ کر خالدؓ نے سیر ہو کر کھانا کھایا![۵]

اس طرح پہلا دور ختم ہو گیا۔ جنگ کے دوسرے دور کا آغاز فارسیوں کے جوابی حملے سے ہوا۔ اندرزغر کی تجربہ کار آنکھ نے مسلمانوں کے چہروں پر تکان کے آثار تاڑ لئے۔ اس نے طے کیا کہ یہی موقع اس کے جوابی حملے کے لئے موزوں ہے، اور یہ فیصلہ بجا تھا۔ اس کے حکم پر فارسی سیلاب کی طرح آگے بڑھے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ دیر تک تو مسلمانوں نے جم کر مزاحمت کی، لیکن بالآخر ان کی جانبازانہ جدوجہد کے باوجود ان پر اس قدر دباؤ پڑا کہ ان کی طاقت جواب دینے لگی۔ آہستہ آہستہ وہ پیچھے ہٹنے لگے، مگر ان کا نظم و ضبط برقرار رہا۔ فارسیوں نے اپنے حملے اور تیز کر دیئے، اور مسلمان خالدؓ کی طرف دیکھنے لگے کہ ان سے ترکیب حرب میں کوئی تبدیلی کا اشارہ ملے، جس سے فشار میں کچھ کمی ہو۔ لیکن خالدؓ کی طرف سے انھیں اس قسم کا کوئی اشارہ نہ ملا۔ وہ خود شیر کی طرح لڑ رہے تھے اور دوسروں کو ابھار رہے تھے کہ وہ بھی انہیں کی طرح لڑیں۔ اور ان کے جوانمردوں نے ایسا ہی کیا۔

فارسی اپنی پیش قدمی کی بھاری قیمت ادا کر رہے تھے، لیکن انہیں جو کامیابی ہو رہی تھی اس پر وہ مسرور تھے۔ اندرزغر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اسے لگا کہ فتح رونما ہونے والی ہے۔ وہ ابھی شہنشاہی فارس کے سماجی و فوجی نظام کے زینے کی آخری سیڑھی تک نہیں پہنچا تھا، اور اب اسے لاکھ درہم والی ٹوپی کے خواب دکھائی دینے لگے۔ مسلمان ایسے جان توڑ کر لڑتے رہے جیسے درندے بیزار ہو کر آخر دم تک لڑتے ہیں۔ وہ انسانی قوتِ برداشت کی آخری حد تک جا پہنچے اور بعض کو تو یہ خیال تک آنے لگا کہ کہیں خالدؓ کو اپنا مدِّ مقابل تو نہیں مل گیا۔ یہ

---

[۵] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۰۔ ابو یوسف: صفحہ ۱۴۲

صورتِ حال ذرا دیر اور جاری رہتی تو اسلامی محاذ کا شیرازہ بکھر گیا ہوتا۔

تب خالدؓ نے ایک متعین اشارہ کیا۔ ہم کو نہیں معلوم کہ اس اشارے کی کیا نوعیت تھی لیکن جن کے لئے یہ معین تھا، انہوں نے اس کو دیکھ لیا۔ اگلے ہی لمحے، فارسی فوج کے عقب میں پھیلی ہوئی پہاڑی کی چوٹی پر جنگی سواروں کی دو دھندلی سی قطاریں نمودار ہوئیں۔ ایک فارسی میسرہ کے عقب میں، دوسری ایرانی میمنہ کے عقب میں۔ مسلم رسالہ گھوڑے سرپٹ دوڑاتا حملہ آور ہوا تو اللہ اکبر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی اور رعب گھوڑوں کے دھم دھماتے سموں کے نیچے میدان وَلجہ کانپ اٹھا۔

⁂

فارسیوں کی خوشی دہشت میں بدل گئی۔ جہاں لمحہ بھر پہلے وہ خوشی کے مارے چلا رہے تھے۔ وہاں جو مسلم رسالے نے ان کی فوج کے عقب پر دھاوا کیا تو ان کی ہراساں چیخیں بلند ہونے لگیں۔ اس منظر کو دیکھ کر خالدؓ کی زیر قیادت مرکزی فوج نے تازہ دم تقویت پائی اور فارسی محاذ پر ازسرِنو حملہ شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے میمنہ و میسرہ کو ایسے پھیلایا کہ وہ دونوں طرف سے رسالے کے ساتھ جا ملے اور فارسی فوج بالکل گھر گئی۔ اندرزغر کی فوج اب ایک ایسے جال میں پھنس گئی جس سے چھٹکارے کا کوئی امکان نہ تھا۔

منضبط فارسی فوج پل بھر میں ایک منتشر ہجوم ہو کر رہ گئی۔ جب اس کے سپاہیوں کے گروہ اپنے عقب کی جانب پلٹے تو وہ نیزوں سے چھلنی ہو گئے یا تلواروں سے کٹ گئے۔ جب فارسی سپاہ نے سامنے کا رُخ کیا تو انہیں تیغ و خنجر سے مار گرایا گیا۔ ہر سمت سے ہونے والے حملوں سے ہچک ٹھٹک کر انھوں نے اپنے آپ کو ایک ایسی بے بس بھیڑ میں مجتمع کر لیا، جس میں وہ نہ اپنے ہتھیار ٹھکانے سے استعمال کرتے تھے، نہ حملہ آوروں کی ضربوں سے بچ سکتے تھے، جو لڑنا چاہتے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس سے لڑیں۔ جو بھاگنا چاہتے تھے وہ یہ نہیں جانتے

تھے کہ کدھر کو جائیں۔ اس دہشت سے چھٹکارے کی دیوانہ وار جستجو میں انہوں نے ایک دوسرے کو روند دیا، اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی۔ ولجہ کا میدان اندرزغر کی فوج کے لئے ایک جہنم بن گیا۔

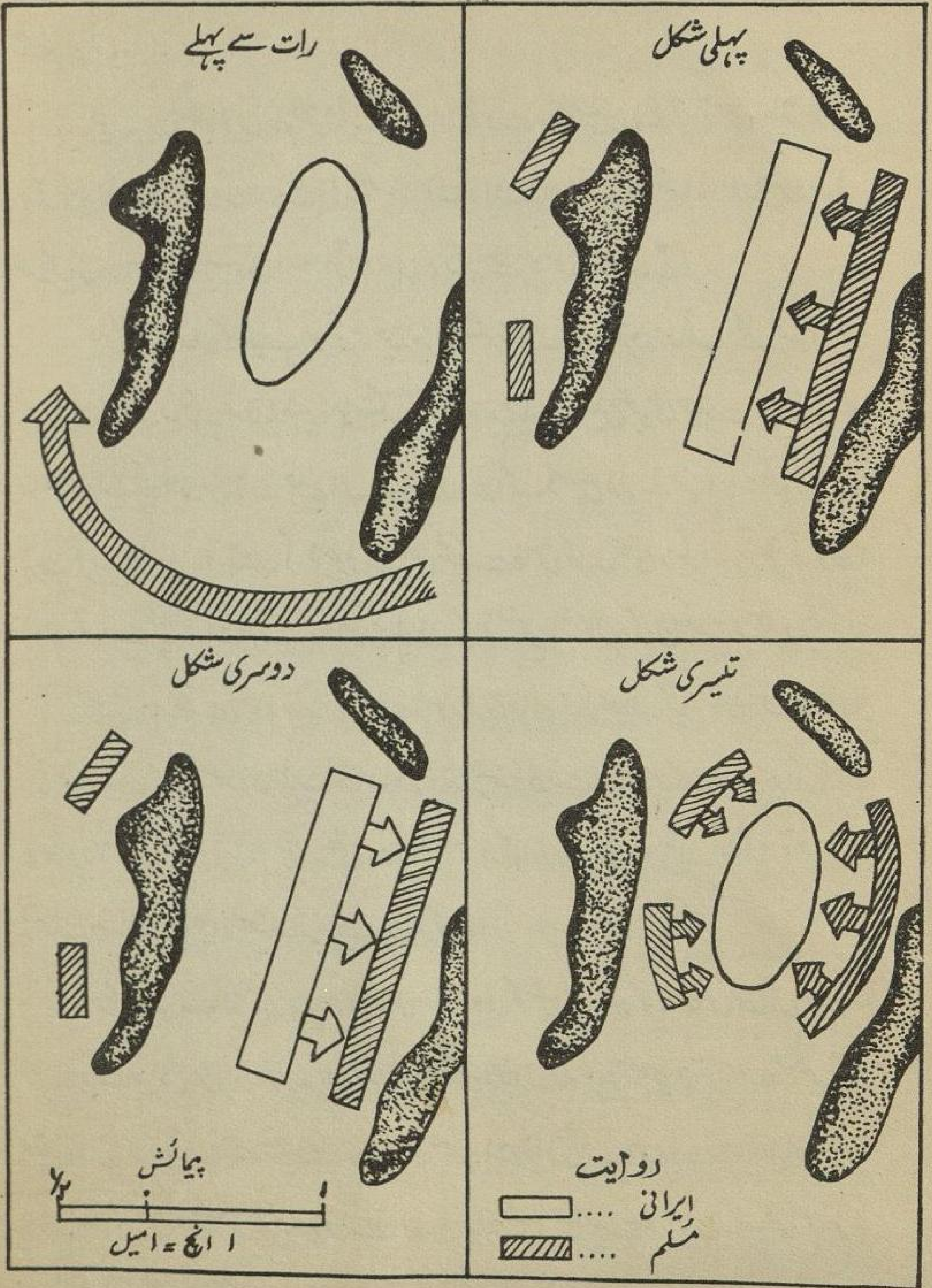
جوں جوں مسلمانوں کے غضبناک حملے ہوتے رہے، فارسیوں کے گرد آہنی حلقہ اور بھی تنگ ہوتا گیا۔ فارسیوں کی اس بےبسی نے مسلمانوں کو اور زیادہ تشدّد پر اکسایا۔ اور انہوں نے عہد کیا کہ وہ اس بار فارسیوں اور عراقی عربوں کو بچ نکلنے کا موقع نہ دیں گے۔

اس میں مسلمان کامیاب ہو گئے۔ چند ہزار شہنشاہی سپاہ ضرور بھاگ نکلے کیونکہ کسی بھی فوج کا اس حد تک صفایا نہیں ہو سکتا کہ کوئی نہ بچ پائے، لیکن مجموعی حیثیت سے فوج کا خاتمہ ہو گیا۔ کچھ اس طرح سے جیسے اس کے پیروں تلے ایک وسیع غار نے اپنا دہانہ کھول کر اسے ہڑپ کر لیا ہو۔ ہرمز اور قارن کی فوجوں نے بھی شکست فاش کھائی تھی، مگر اندرزغر کی فوج کا تو وجود ہی مٹ گیا۔ (اس جنگ کے خاص پہلوؤں کی توضیحی اشکال کے لئے نقشہ نمبر ۱۳ دیکھئے)۔

عجیب بات ہے کہ خود اندرزغر کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ گیا۔ لیکن اس کے فرار کا رُخ فرات کی بجائے صحرا کی طرف تھا، اور چونکہ جہنم ولجہ سے حتی الامکان دور بھاگ جانے کے علاوہ اس کی اور کوئی خواہش نہ تھی، وہ اس صحرا کے اندر بہت دور تک چلا گیا۔ آخر وہ بدقسمت انسان صحرا میں بھٹک کر پیاس سے مر گیا۔

جنگ کے بعد خالدؓ نے اپنے نڈھال سپاہیوں کو جمع کیا۔ ان کو احساس تھا کہ اس جنگ میں ان کے سپاہ کو بڑا ہی شدید بار جھیلنا پڑا تھا۔ انہوں نے عراق میں جو تین سخت جنگیں لڑی تھیں، ان میں یہ سب سے زیادہ سخت رہی تھی۔ اور خالدؓ اب اس بات کا اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ اس آزمائش کی یادوں سے ان کے سپاہ کے حوصلے پست نہ ہوں، کیونکہ ابھی مزید آزمائشیں ان کی منتظر تھیں۔

نقشہ نمبر ۱۳ ولجہ کی جنگ



خالدؓ نے اپنی سپاہ سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریمؐ پر درود کے ساتھ اپنا خطبہ شروع کیا، اور پھر کہا:

"کیا تمہیں سرزمینِ فارس کی دولت نظر نہیں آتی؟ کیا تمہیں سرزمین عرب کی مفلسی یاد نہیں ہے؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس ملک میں فصلوں نے کس طرح زمین کو ڈھانپ رکھا ہے؟ اگر اللہ کی طرف سے جہاد فرض نہ ہوتا تو بھی ہم اس دولت مند ملک کو فتح کرنے آتے اور اپنے صحراؤں کی بھوک کو اس خوراک کی فراوانی سے بدل لیتے جواب ہماری ہے۔[1]"

خالدؓ کے سپاہ نے ان سے اتفاق کیا۔

⁂

جنگِ ولجہ سے ایک روز پیشتر، خالدؓ نے اپنے دو افسروں بُسر بن ابی رہم اور سعید بن مرّہ کو بلا بھیجا تھا۔[2] ان میں سے ہر ایک کو انھوں نے کوئی دو ہزار سواروں کے ایک تیز رفتار رسالے کا (جو تعداد میں شاید اس سے کچھ زیادہ بھی رہا ہو) سالار مقرر کیا اور متذکرہ ذیل ہدایات دیں:

۱۔ وہ اپنے سواروں کو رات کے دوران نکال لے جائیں اور فارسی پڑاؤ کے جنوب میں کافی فاصلہ چھوڑ کر بڑھیں۔[3]

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۵۹
[2] ایضاً
[3] ابتدائی روایات میں ان رسالوں کے راستے سے متعلق مفصل تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن یہ رسالے بائیں جانب (فارسیوں کی داہنی طرف) ہی حرکت میں آسکتے تھے، کیونکہ دائیں جانب ولجہ اور دریائے خسیف کے درمیان، اس نوعیت کے سوار دستوں کی نقل و حرکت کے لئے کافی گنجائش نہیں تھی۔

ب : فارسی پڑاؤ کے عقب میں پھیلی ہوئی پہاڑی کی دوسری جانب پہنچ کر وہ اپنے سواروں کو چھپا دیں۔ لیکن انہیں اطلاع ملتے ہی فوراً حرکت میں آنے کے لئے تیار رہیں۔

ج : اگلی صبح جب جنگ شروع ہو جائے تو وہ اپنے سواروں کو پابرکاب پہاڑی کی چوٹی کے پیچھے تیار رکھیں اور خالدؓ کے اشارے کو تاکتے رہنے کے لئے چند چوکس سپاہی تعینات کر دیں۔

د : جب خالدؓ متعین اشارہ دیں تو دونوں رسالے فوج کے بازوؤں سے قدرے متوازی رہتے ہوئے ایک ہی پہرے کی صورت میں فارسی فوج کے عقب پر ہلّہ بول دیں۔

جن کا اس منصوبے سے باخبر ہونا ضروری تھا ان کو تو خالدؓ نے موزوں احکام جاری کر دیئے، تاکہ حملہ کرنے والے رسالوں کی تنظیم اور تیاری بلا تامل انجام پائے۔ لیکن اس معاملے میں انتہائی رازداری سے کام لیا گیا اور عام مسلمان سپاہ کو اس مجوزہ جنگی چال کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اگلی صبح ان رسالوں کا کہیں کوئی نشان نہ تھا، اور خالدؓ نے تقریباً ...۱۰ سپاہ کی باقی ماندہ فوج فارسیوں کے بالمقابل صف آرا کیا۔

یہ تھا مئی ۶۳۳ء کے اوائل (صفر ۱۲ھ کے تیسرے ہفتے) میں لڑی جانے والی جنگ ولجہ کا منصوبہ۔ اس میں سامنے سے دفاعی گرفت رکھنے والے حملے کو کچھ دیر بعد عقب سے آنے والے جارحانہ حملے کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ اس کارروائی کا ہر چھوٹا سے چھوٹا جزو حسب منصوبہ عمل میں آیا۔ یہ صرف ایک بڑے ماہر فن کے بس کی بات تھی۔

اس درخشاں جنگی چال کا تاریخ میں یہ پہلا موقع نہ تھا۔ یہ اس سے پہلے بھی کامیابی سے استعمال ہو چکی تھی۔ اس نوعیت کی جنگی چال کی مشہور ترین مثال ۲۱۶ ق م میں لڑی

جانے والی کینے کی جنگ ہے، جس میں ہنی بال نے رومیوں کے ساتھ ایسا ہی کچھ کیا تھا۔ ہنی بال کے معرکے کے بعد سے اس قسم کی جنگی چال کو 'کینے' (cannae) ہی کے نام سے یاد رکھا جاتا ہے۔

لیکن خالدؓ نے ہنی بال کا نام تک نہ سنا تھا۔ ان کی یہ جنگی چال ان کے اپنے ہی ذہن کی ایجاد تھی۔[1]

[1] ولجہ اور کینے کی جنگی چالوں میں اس لحاظ سے فرق ہے کہ ہنی بال کے رسالے نے دشمن کے دونوں بازوؤں کے گرد گھوم کر رومی رسالے کو مار بھگایا تھا، اور پھر موزوں وقت پر رومیوں کے عقب پر حملہ بول دیا تھا، جبکہ خالدؓ کا رسالہ (ہماری تشریح کے مطابق) صرف ایک بازو سے ہٹ کر حرکت میں آیا تھا۔ لیکن اس کا تعلق جنگ کے شروع ہونے سے پہلے کی نقل و حرکت سے ہے۔ جنگی منصوبہ وہی تھا۔

۲۲

دَریائے خون

فارسیوں کے خلاف تیسری بڑی جنگ جیتی جا چکی تھی اور خالدؓ حیرا کے اور قریب آ گئے تھے، جس کی تسخیر ان کا فوجی نصب العین تھا۔ تاہم انھیں ابھی طویل مسافت طے کرنی تھی، اور وہ اس سفر کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھے۔ یہ اُمید تو کی نہیں جا سکتی تھی کہ غیوّر، فارسی ان کے راستے سے ہٹ جائیں گے۔ ابھی یقیناً بہت خون ریزی ہونے کو باقی تھی۔

خالدؓ کے استادانہ داؤں اور انتہائی کوششوں کے باوجود دشمن کے چند ہزار سپاہ جنگِ ولجہ سے کسی نہ کسی صورت جان بچا کر بھاگ نکلے۔ ان میں سے بیشتر قبیلہ بنو بکر کے عیسائی عرب تھے۔ (یہ مثنیٰ قبیلے کے وہ لوگ تھے جنہوں نے نیا دین قبول نہیں کیا تھا اور جو بدستور عیسائیت پر قائم تھے)۔ اس قبیلے کا ایک بڑا حصہ شہنشاہی فارس کی رعایا کی حیثیت سے عراق میں آباد تھا۔ اس کے لوگوں نے اندرزغر کے بلاوے پر جنگِ ولجہ میں شرکت کر کے مصیبت جھیلی تھی۔

جنگِ ولجہ کے ان پس ماندہ عربوں نے میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے دریائے خسیف کو پار کیا اور پھر اس دریا اور دریائے فرات کے درمیان سفر جاری رکھا (ان دونوں دریاؤں کے درمیان تقریباً ۳ میل کا فاصلہ تھا، اور اول الذکر دریائے فرات ہی کی ایک شاخ تھا)، اور اُلّیس کے مقام پر پہنچ کے رُکے، جو ولجہ سے کوئی ۱۰ میل دور ہے۔ (نقشہ نمبر ۱۰ دیکھیے۔) یہاں ان کو خیال ہوا کہ وہ کافی محفوظ ہیں، کیونکہ یہ مقام فرات کے دائیں کنارے پر واقع تھا، اور اُلّیس کی دوسری جانب خسیف بہتا تھا، جو دراصل اُلّیس کے ذرا اوپر دریائے فرات سے نکلتا تھا۔ الیّس تک

رسائی صرف سامنے کی طرف سے تھی، یعنی جنوب مشرق سے۔[1]

خالدؓ نے اپنے نڈھال سپاہ کو چند روز کے لئے آرام کرایا اور خود مال غنیمت کی تقسیم اور اگلے کوچ کی تیاریوں میں مصروف رہے۔ بہمن کے لشکر کی موجودگی سے باخبر ہوتے ہوئے ان کو معلوم تھا کہ انھیں حیرا پہنچنے سے قبل ایک اور خوں ریز جنگ لڑنی پڑے گی۔ چونکہ اب مہم عراق کا مرکز ثقل دجلہ سے فرات کی جانب منتقل ہو چکا تھا۔ خالدؓ نے ان خاص مسلم دستوں کو واپس بلا لیا جنہیں وہ دجلہ کے زیریں حصے میں چھوڑ آئے تھے۔

خالدؓ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اُلّیس کے مقام پر مخالف عربوں کی موجودگی کی اطلاع مل گئی۔ لیکن چونکہ وہ جنگ ولجہ کے بچے کھچے سپاہی تھے، خالدؓ نے ان کی موجودگی کو ایک فوجی مسئلہ نہ سمجھا۔ بہرصورت، جب تک ان کے سپاہیوں کو اندر آزغ کے ساتھ بڑی آزمائش سے گزرنے کی ضرورت باقی تھی۔ خالدؓ کو یہ منظور نہ تھا کہ ان پر ایک اور معرکے کا متجاوز بوجھ ڈال دیا جائے۔ لیکن جب کوئی دس روز بعد انھیں مزید عرب سپاہ کی اُلّیس پہنچنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے دیکھا کہ اب انھیں ایک مکمل اور تقریباً نئی فوج سے نمٹنا ہوگا۔ مخاصمانہ اجتماع اتنا بڑا تھا کہ اس کے ساتھ جنگ بھی بڑے پیمانے کی کارروائی تھی۔ جیسے ہی دجلہ کے زیریں حصے سے دستے دوبارہ ان کی فوج کے ساتھ آملے خالدؓ ۰۰۰ ۱۸ سپاہ کی فوج لے کر ولجہ سے روانہ ہوگئے — جو وہی فوجی تعداد تھی جس کے ساتھ وہ عراق میں داخل ہوئے تھے۔[2] چونکہ دو دریاؤں کے باعث

[1] بقول طبری (جلد ۲، صفحہ ۵۶۰) اُلّیس دریائے فرات کے ایک سنگم پر واقع تھا۔ رمیوزل (صفحہ ۲۹۳) اسے الشاسی، جو آجکل الحاصی کہلاتا ہے اور شافیہ سے مغرب، شمال مغرب میں ۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے، کے مقام پر قرار دیتا ہے۔ اگر ان دو دریاؤں میں سے کسی ایک کو پار کرنے کے لئے کشتی سے کام نہ لیا جائے تو اُلّیس تک پہنچنے کے لئے اب بھی ان دو دریاؤں کے درمیان سفر کرنا پڑتا ہے۔

[2] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۲۔ امداد کے لئے باہر سے آنے والے سپاہ کے بارے میں کوئی تاریخی حوالہ نہیں ملتا، لیکن یقیناً مسلمانوں کے جانی نقصان کی تلافی یا تو عرب سے آنے والی کمک کے ذریعے ہوتی یا عراق کے مقامی رضاکاروں کے ذریعے۔

دائیں بائیں جانب سے الیّس تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ خالدؓ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خسیف کو عبور کریں اور سامنے کی طرف سے اپنے مقصود تک پہنچیں۔

ٍ

جنگ کاظمہ اور جنگ دریا کی پے در پے شکستوں کے فوراً بعد اندرزغر کے لشکر کی ہلاکت نے شہنشاہی کسریٰ کی بنیادیں ہلا دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس مسلم فوج نے جو ریگستانِ عرب سے ایک ناقابلِ تسخیر قوت کی صورت میں نمودار ہوئی۔ کوئی ما فوق الفطرت خاصیت ہے۔ جو بھی فارسی لشکر اس کی بے باک پیش قدمی کو روکنے آتا نیست و نابود ہو جاتا۔ غیور دربارِ فارس کے لئے، جو صحرائے عرب کے باشندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کا عادی تھا، یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت تھی۔ اپنی طویل تاریخ میں اس شہنشاہی نے کبھی ایسی پے در پے فوجی شکستیں اپنے مقابلے میں اتنی چھوٹی قوت سے اپنے پر جلال و شکوہ پائے تخت کے اتنے قریب نہیں جھیلی تھی۔

اہلِ فارس نے اب پہلی بار محسوس کیا کہ ان کو عربوں کے بارے میں اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسلام میں کوئی ایسی بات ہے جس نے اس پس ماندہ، غیر منظم، اور سرکش قوم کو ایک طاقت ور، مربوط اور منضبط قوتِ تسخیر میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور یہ بھی واضح تھا کہ اس آدمی خالدؓ میں، جس کا نام اب فارسی گھرانوں میں ڈر کے دبی زبان میں لیا جاتا تھا — کوئی ایسی بات ہے جس نے اسلامی فوج کی کارروائیوں کو ایک نادر جولانی بخش رکھی ہے۔ لیکن بارہ صدیوں سے قائم ایک عظیم شہنشاہی تین معرکوں کی شکست سے مات نہیں کھاتی۔ اہلِ فارس ایسے فاتحوں اور حکمرانوں کی قوم تھی جس نے پہلے بھی جنگیں ہاری تھیں اور پھر ابھر آئی تھی۔ مایوسی کی وہ لہر جس نے وَلجہ کی ابتدائی اطلاعات کے بعد مدائن کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا، گزر گئی اور اس کی جگہ اس یکسو مصمم ارادے نے لے لی کہ حملہ آور فوج کو کچل کر اس کے صحرائی مخرج میں

واپس پھینک دیا جاتے۔ فارس نے اپنے آپ کو اٹھایا، جھاڑا، جھٹکا اور جنگ کے اگلے دور کی تیاری میں لگ گیا۔

اس اثنا میں قبیلۂ بنو بکر کے پس ماندہ عیسائی عربوں کے پیغام رسانوں نے مدائن پہنچ کر شہنشاہِ فارس کو نئے واقعات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اُلّیس اور حیرا کے درمیانی علاقے میں آباد دوسرے عیسائی عربوں سے امداد مانگی تھی۔ اس کے جواب میں اب ہزاروں عرب بنو بکر کے ساتھ ملنے اُلّیس کی طرف کوچ کر رہے تھے، جہاں وہ خالدؓ سے سر دھڑ کی بازی لگا کر لڑنے کو تیار تھے۔ پھر ان ایلچیوں نے شہنشاہِ فارس سے پوچھا کہ وہ اپنی وفادار عرب رعایا کا ہاتھ بٹانے اور اپنی شہنشاہی کو بچانے کو فارسی سپاہ کی ایک اور فوج نہ بھیجیں گے؟

شہنشاہ فوراً راضی ہو گیا۔ اس نے بہمن کے نام جو ابھی تک فرات کے شمال میں تھا، احکام جاری کئے۔ وَلجہ کے بارے میں خبر ملنے پر بہمن راستے ہی میں یہ فیصلہ کر کے رُک گیا تھا کہ جب تک اسے مزید ہدایات موصول نہیں ہوتیں، وہ آگے نہیں بڑھے گا۔ اب اسے شہنشاہ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ اپنی فوج لے کر اُلّیس پہنچے، وہاں مجتمع عرب دستوں کو اپنی قیادت میں لے، اور حیرا کی جانب خالدؓ کی پیش قدمی کو روکے۔

لیکن بہمن خود الّیس نہ گیا اس نے اپنی فوج کو اپنے بعد سب سے تجربہ کار سپہ سالار، جابان کے سپرد کیا اور اس کو شہنشاہ کے احکامات سے باخبر کر کے یہ تاکید بھی کی کہ "مجبوری کے عالم کے علاوہ میرے آنے تک جنگ سے گریز کرنا۔"[1] جابان جب لشکر کو لے کر روانہ ہوا تو بہمن واپس مدائن چلا گیا۔ ہمیں علم نہیں ہے کہ دارالحکومت کی جانب اس کے سفر کا مقصد کیا تھا۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ بعض معاملات کے بارے میں شہنشاہِ فارس سے تبادلۂ خیال کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مدائن پہنچ کر دیکھا کہ شہنشاہ اردشیر بہت علیل ہے اور وہ اپنے آقا کی خدمت میں وہیں

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶

رہ گیا۔

جابان اپنے لشکر کے ساتھ اُلیس پہنچا تو اسے حیرا اور امغیشیا کے علاقے سے آنے والے عیسائی عربوں کا ایک وسیع اجتماع نظر آیا۔ اب تک ان سب پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ خالدؓ کا مقصد حیرا پر قبضہ کرنا ہے، اور انہوں نے محسوس کیا کہ خالدؓ کی کامیابی کا مطلب مزید کشت و خون اور غلامی ہوگا۔ اس کا سدِ باب کرنے کو یہ لوگ خالدؓ سے لڑنے اور جان دینے کو تیار ہو کر آئے تھے۔ جابان نے تمام سپاہ کو اپنی قیادت میں لے لیا۔ اس فوج کے عیسائی عرب حصے کا سالار عبدالاسود نامی ایک قبائلی سردار تھا، جو جنگِ وَلجہ میں دو بیٹے کھو کر انتقام کے لئے بیقرار تھا۔ فارسی اور عرب نے شانہ بشانہ پڑاؤ اس طرح ڈالا کہ فرات ان کی بائیں جانب، خسیف ان کی دائیں جانب اور ان دریاؤں کا سنگم ان کے عقب میں تھا۔

ابتدائی عہد کے ان مورخین کے بیان کے مطابق اس مقام پر ایک دریا بہتا تھا جسے جنگِ اُلیس کے خاتمے کے بعد کی جانے والی کارروائیوں کے باعث شہرت حاصل ہوئی جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس دریا کی شکل کسی زمانے میں ایک نہر کی رہی ہو، کیونکہ الیس کے ذرا اوپر فرات کے ساتھ اس کے سنگم پر ایک بند تھا۔ لیکن اس جنگ کے موقع پر یہ دریا خشک یا تقریباً خشک تھا، کیونکہ اس کا پشتہ بند تھا۔ ان مسلمان مورخین نے اس دریا کا حوالہ صرف 'دریا' ہی کے نام سے دیا ہے۔ میرے نزدیک یہ دریا دریائے خسیف تھا (جو آجکل خاصا بڑا دریا ہے)، کیونکہ اُلیس کے مقام پر کسی اور دریا یا نہر کی گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال، چونکہ اس زمانے میں اس دریا کو شاید خسیف نہیں کہتے تھے، ہم نے بھی آگے اسے دریا ہی کہا ہے۔

٭

جابان اور فارسیوں کی آمد سے پیشتر، مثنیٰؓ اپنے تیز رفتار رسالے کے ساتھ اُلیس پہنچ گئے۔

جہاں سے انہوں نے عرب عیسائیوں کے پڑاؤ کی جگہ اور ان کی تعداد اور جنگ کے لئے ان کے واضح ارادوں سے خالدؓ کو مطلع کیا۔ خالدؓ نے اپنی پیش قدمی کی رفتار اس کوشش میں اور تیز کر دی کہ وہ عیسائی عربوں کو فارسی سپاہ کی کمک پہنچنے سے پیشتر جا لیں۔ لیکن جابان الّیس پہلے پہنچ گیا۔ غالباً صرف چند گھنٹے ہی پہلے۔ چنانچہ خالدؓ کو اب پھر ایک بہت بڑے لشکر کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے ایک بار پھر تہیہ کیا کہ دشمن کے زیادہ سے زیادہ سپاہی ہلاک کئے جائیں، تاکہ اگلی جنگ میں مقابلے کے لئے کم رہ جائیں۔ انہوں نے یہ بھی طے کر لیا کہ اسی روز جنگ کی جائے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جنگ میں جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی زیادہ وقت فارسیوں کو منظم اور تیار ہونے کو مل جائے گا۔ یہ مئی ۶۳۳ء کے وسط (صفر ۱۲ھ کے اواخر) کی بات ہے۔

کوچ کے دوران خالدؓ صرف ایک دفعہ اپنی فوج کو حربی تربیت دینے کو رکے اور پھر انھوں نے عدی بن حاتم اور عاصم بن عمرو کو دوبارہ میمنہ و میسرہ کے سالار مقرر کر کے الّیس پر چڑھائی کا آغاز کیا۔ کیونکہ اس بار دائیں یا بائیں سے گھات لگانے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ خالدؓ نے طے کیا کہ فتح جنگی داؤں پیچ کی بجائے حملے کی پھرتی اور سختی سے حاصل کی جائے۔ جابان کو حملے کی خبر ہوتے تک مسلمان اور آگے بڑھ کر الّیس کے بالکل قریب آ گئے۔

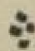
جابان کو حملے کی اطلاع دوپہر سے ذرا پہلے فارسی فوج کے کھانے کے وقت ملی۔ باورچی سپاہ کے لئے کھانا تیار کر چکے تھے، اور فارسی سپاہی کو، ہر قوم اور ہر زمانے کے سپاہی کی طرح ٹھنڈا نہیں گرما گرم کھانا پسند تھا اور خالی پیٹ لڑنے کو آمادہ نہ تھا۔ عیسائی عرب دستے مگر جنگ کے لئے تیار تھے۔

جابان نے اپنے سپاہ اور باورچی خانوں سے آتے ہوئے اشتہا انگیز دھوئیں کی جانب دیکھا، پھر اس نے اس جانب دیکھا جہاں سے صف آرا مسلمان تیزی کے ساتھ قریب آ رہے تھے۔

فارسی سپاہ نے بھی مسلمانوں کے لشکر کو دیکھا۔ فارسی سپاہ جواں مرد تھے لیکن بھوکے مرد بھی تھے،
"پہلے ہمیں کھانا کھانے دیں" ان سپاہ نے جابان سے کہا "پھر ہم لڑیں گے"۔
"مجھے خدشہ ہے" جابان نے کہا "کہ دشمن تمہیں اطمینان سے کھانا نہیں کھانے دیگا"۔
"نہیں!" فارسیوں نے اپنے سپہ سالار کی حکم عدولی کرتے ہوئے کہا "اول طعام بعدہٗ جنگ!" دسترخوان زمین پر بچھا دیئے گئے اور ان پر گرما گرم کھانے چن دیئے گئے۔ سپاہ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ابھی کافی وقت ہے۔ اس اثنا میں عیسائی عرب دستے، جو کھانے پینے کے معاملے میں نسبتاً کم وضعدار تھے، جنگ کے لئے تیار ہو چکے تھے۔

فارسیوں نے بمشکل ایک دو لقمے ہی کھائے تھے کہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ مسلمان حملہ کرنے ہی والے ہیں۔ اب انھوں نے سوچا کہ اگر جنگ کی تیاری میں مزید تاخیر کی گئی تو مارے جائیں گے اور پھر اپیٹ ان کے کسی کام کا نہ رہے گا۔ انہوں نے بعجلت کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور جابان نے انھیں اتنی ہی جلدی میدانِ جنگ میں عیسائی عربوں کے ساتھ صف آرا کر دیا۔ اس میں لمحے بھر کی دیر کی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے عیسائی عربوں سے اپنی فوج کے میمنہ و میسرہ کی تشکیل کی۔ اور ان کی قیادت عبدالاسود اور ابجر نامی دو عیسائی سرداروں کو سونپی۔ فارسی سپاہ کو اس نے بیچ میں مرکز بنا کر کھڑا کیا۔

میدانِ جنگ الّیس کے جنوب مشرق میں فرات اور دریا کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ فارسی لشکر کی صف بندی اس طرح کی گئی تھی کہ الّیس اس کے عقب میں تھا۔ مسلم فوج اس کے سامنے صف آرا تھی۔ دونوں فوجوں کے شمالی بازو فرات کے کنارے پر اور جنوبی بازو دریا کے کنارے پر تھے۔ محاذ جنگ دریا سے دریا تک تقریباً دو میل، لمبا تھا۔[1]



[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۱

جنگ بہت سخت ہوئی۔ اب تک اس مہم کے جتنے معرکے ہو چکے تھے ان میں وَلجہ کا معرکہ سب سے زیادہ شدید رہا تھا۔ لیکن یہ جنگ اس سے بھی زیادہ شدید نکلی۔ اس جنگ نے ایک ایسی صورت اختیار کی جس کی یاد خالدؓ کے ذہن سے کبھی محو نہ ہوئی۔

ہم اس جنگ کی چالوں اور دیگر کارروائیوں کی تفصیلات سے آگاہ نہیں ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ خالد نے عرب سالار عبدالاسود کو، جو ان سے نبرد آزما ہوا تھا، موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ شہنشاہی لشکر، باوجود بھاری جانی نقصان کے مسلمان حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا۔ اگر کبھی کوئی فوج آخر دم تک لڑنے کی دل سے خواہاں تھی تو وہ اُلّیس کی شہنشاہی فوج تھی۔ عیسائی عرب سپاہ فی الواقعہ سر دھڑ کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے کیونکہ اس جنگ میں ناکامی کے بعد دنیا کی کوئی طاقت حیرا کو بچا نہیں سکتی تھی۔ اور فارسی اس عزم کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ وہ فارسی فوج کی آبرو برقرار رکھیں گے۔

دو گھنٹوں تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ اس جنگ کی سب سے زیادہ شدت دریا کے کنارے تھی، جہاں بہتیرے فارسی جنگ میں مارے گئے۔ تھکے، ناکام اور جھنجھلائے ہوئے مسلمانوں کو فارسی اور عرب مدافعت میں کوئی کمزوری، کوئی دراڑ پڑتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس صورت میں خالدؓ نے بڑی عاجزی سے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہِ خداوندی میں دعا کی:

"اے اللہ! اگر تو ہمیں فتح دے تو میں ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا، جو بھی ہمارے ہاتھ لگے، جب تک ان کا دریا ان کے خون سے نہ بہنے لگے۔"[1]

مسلمانوں نے اور زیادہ جوش کے ساتھ حملے شروع کر دیئے اور اللہ نے انھیں فتح عطا کی۔ سہ پہر کے آغاز میں شہنشاہی لشکر ابتری کا شکار ہو گیا۔ اور اس کے سپاہ میدانِ جنگ

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۱

سے بھاگ کھڑے ہوئے دشمن کے ہزاروں سپاہ مرے پڑے تھے۔ بالخصوص دریا کے کنارے اور اس کے اندر، جہاں اس کی ریتیلی تہہ خون سے سرخ ہو گئی۔

جب فارسی فوج میدانِ جنگ سے بھاگی تو خالدؓ نے اپنے رسالے کو اس کے تعاقب میں دوڑایا: "انھیں قتل نہ کرنا" خالدؓ نے رسالے کو حکم دیا: "انھیں زندہ واپس لانا۔"[1] دریا کی تہہ خون سے تر ہو گئی تھی۔۔ لیکن خالدؓ کے عہد کے مطابق دریا میں ابھی خون نہیں بہہ رہا تھا!

مسلم رسالے نے متعدد گروہوں میں بٹ کر، مفرور سپاہیوں کے تعاقب میں جو خسیف کو عبور کر کے حیرا کی جانب بھاگے جا رہے تھے، گھوڑے دوڑا دیئے۔ فارسیوں اور عربوں کی ٹولیوں کو جدا جدا گھیر کر اور زیر اور نہتا کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر واپس لایا گیا۔ جونہی ایک ٹولی واپس پہنچتی اسے ہنکا کر دریا کے پاس لایا جاتا۔ اور اس کے کنارے یا اس کی تہہ پر ٹولی کے ہر آدمی کا سر ایسے قلم کیا جاتا کہ اس کا سر دریا میں بہہ جاتا۔ مسلم رسالے کا تعاقب، فارسی اور عرب سپاہ کی گرفتاری اور واپسی اور ان کا دریا میں قتل، اس روز کے باقی ماندہ حصے میں رات بھر، اگلے تمام دن، اور اس سے اگلے دن کے کچھ عرصے تک جاری رہا۔[2] جو مسخر جنگجو فاتحین کے ہاتھ آیا اس کی گردن مار دی گئی۔ خالدؓ اپنا عہد پورا کر رہے تھے۔ تیسرے دن جا کر کسی وقت آخری آدمی کو ہلاک کیا گیا۔

جب قتل سے ہاتھ روکا گیا تو افسروں کا ایک گروہ خالدؓ کے گرد دریا کے کنارے جمع ہو گیا۔ ایک خونیں منظر ان کے سامنے تھا۔ قعقاع نے خالدؓ کی طرف دیکھا اور کہا "اگر آپ روئے زمین کے تمام لوگوں کو قتل کر دیں تو بھی ان کا خون اس دریا میں اس وقت تک نہیں

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۱

[2] ایضاً

بہنے پائے گا جب تک اس کا پانی بند سے رکا ہوا ہے۔ زمین تمام خون جذب نہیں کرے گی۔ دریا کا پانی چھڑوا دیجیئے۔ اس طرح آپ کا عہد پورا ہو جائے گا۔"[1]

اس ضمن میں دوسروں نے کہا "ہم نے سنا ہے کہ جب زمین بنی آدم کا کچھ خون جذب کر لیتی ہے تو وہ مزید خون قبول نہیں کرتی۔"[2]

خالدؓ نے حکم دیا کہ بند کھول دیا جائے۔ جب اسے کھولا گیا تو پانی زور سے بہہ کر دریا میں تہہ پر نکلا، جہاں گڑھوں میں خون جمع تھا اور وہ اس کے ساتھ بہنے لگا۔ اس کے بعد یہ دریا، دریائے خون کے نام سے مشہور ہو گیا۔

جنگ کے اختتام کے دن جب رات آئی اور مسلم رسالہ مفروروں کو پکڑ کر لانے میں مصروف تھا تب خالدؓ کی پیادہ فوج فارسیوں کے دستر خوان پر چنا ہوا کھانا کھانے بیٹھ گئی۔ صحرائی عرب کو فارسی سپاہ کا عمدہ کھانا دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔

جنگِ الیّس ختم ہو چکی تھی، مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامانِ غنیمت آیا، اور اس میں شکست خوردہ شہنشاہی سپاہ کے اہل و عیال بھی شامل تھے۔ طبری کے قول کے مطابق دریا میں قتل ہونے والوں سمیت ۷۰،۰۰۰ فارسی اور عیسائی عرب مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے[3] لیکن جابان بچ کر بھاگ نکلا۔

اگلے روز خالدؓ نے اس علاقے کے مقامی باشندوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے حسبِ معمول طے پایا کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمانوں کی پناہ میں رہیں گے۔ لیکن اس بار معاہدے میں ایک نئی شق بھی لگائی گئی کہ: مقامی باشندے مسلمانوں کے لئے جاسوسی

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۱، ۵۶۲

[2] ایضاً

[3] ایضاً

اور راہنمائی کے فرائض سرانجام دیں گے۔

٭

بعض مصنفین نے، سنسنی خیز ترغیب کے چکر میں آکر، دریائے خون کے واقعے کو حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر مبالغے سے بیان کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں بعض غلط تصورات پیدا ہو گئے ہیں جن کی تصحیح مناسب ہو گی۔

یہ مصنفین ہمیں بتاتے ہیں کہ اس دریا میں واقعی خالص خون رواں ہوا تھا۔ کہ میدانِ جنگ سے دریا کے بہاؤ کی طرف ذرا آگے اس پر ایک پنچکی نصب تھی جو بند کھلنے پر پانی سے چلتی تھی، اور دریا میں اتنا خون بہا کہ پنچکی تین روز تک پانی سے نہیں خون سے چلتی رہی!

یہ غلط بیانی کی انتہا ہے۔ بلاذری کسی پنچکی کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتا۔ طبری اس جنگ کے بیان کے آخری حصے میں اس پنچکی کا تذکرہ یوں کرتا ہے۔ "جیسا کہ شعیب نے بیان کیا ہے، جس نے یہ بات سیف سے، سیف نے طلحہ سے اور طلحہ نے مغیرہ سے سنی: مغیرہ کی روایت کے مطابق میدانِ جنگ سے اس دریا کے بہاؤ کی سمت میں ایک پنچکی تھی جو اس دریا کے پانی سے چلتی تھی۔ اس چکی سے تین روز تک خالدؓ کی فوج کے لئے غلہ پیسنے کا کام لیا گیا ہے، اور اسے چلانے والے پانی کا رنگ سرخ تھا۔"[1]

اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس پنچکی کا خون سے چلنے کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ پنچکی کا ابتدائی روایات میں اور کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ حقائق وہی ہیں جو اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جب قعقاع کے مشورے کے مطابق اس دریا کا بند کھول دیا گیا تو اس کا پانی ظاہرہ سرخ ہو گیا اور کچھ عرصے تک بدستور سرخ رہا۔ لیکن ایک پنچکی کو تین روز تک محض خون سے چلانے کے لئے کروڑوں انسانوں کی جان لینے کی ضرورت پڑتی۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۲

دریا میں تین روز تک خون کے رواں رہنے کا قصہ الف لیلیٰ میں کھپ سکتا ہے، تاریخ میں اس کے لئے جگہ نہیں۔

مزید براں، اس واقعے کو "قیدیوں کا قتل" قرار دینا بجید سادہ نظری کی علامت ہے۔ معمولاً ان سپاہیوں کو تعاقب کے دوران قتل کر دیا جاتا، جیسا کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد ہوا، اور کوئی باز پرس نہ ہوتی۔ اس جنگ میں خالدؓ نے خون کا دریا بہانے کا عہد کیا تھا، اور اس بنا پر ان ہزاروں سپاہیوں کو تعاقب کے دوران قتل کرنے کی بجائے گرفتار کر کے دریا پر لایا گیا اور وہاں قتل کیا گیا۔ دریائے خون کا واقعہ بس اتنا ہی ہے۔

⁂

خالدؓ نے نبی کریمؐ کے عہد میں جو جنگیں لڑی تھیں ان میں سے جنگ موتہ انھیں خاص طور سے یاد تھی۔ انہیں اور کسی بھی مقام پر اس قدر ہولناک صورت حال میں قیادت سنبھالنے اور مسلمانوں کو موت کے چنگل سے بچائے جانے کا فرض سر انجام نہیں دینا پڑا تھا۔ عراق میں لڑی جانے والی جنگوں میں سے جنگ الیّس کی یاد بھی اسی طرح ان کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی۔

ایک روز جب، پوری مہم سر ہو چکی تھی، خالدؓ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا "موتہ کے مقام پر میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔ لیکن مجھے فارسیوں جیسا کوئی اور دشمن نہیں ملا ہے۔ اور فارسیوں میں سے لشکر الیّس جیسے دشمن سے میرا اور کبھی پالا نہیں پڑا۔"[1]

افواجِ فارس کی شجاعت کے لئے خالدؓ جیسے شخص کے اس اعتراف سے بڑھ کر کیا خراجِ تحسین ہو سکتا ہے۔ لیکن اب دربارِ فارس فرسودہ اور خستہ حال ہو رہا تھا۔ اردشیر

---

[1] طبری: جلد ۲۔ صفحہ ۵۶۹

فوت ہو چکا تھا، اور شہنشاہی فارس اللہ کی تلوار کے خلاف اب کوئی اور لشکر نہیں بھیجنے والی تھی۔ جنگِ الیّس اردشیر کی زندگی کا آخری کارنامہ تھا۔ اس اردشیر کا جو نوشیروان عادل کا پرپوتا تھا!

۲۳

فتحِ حیرا

مئی ۶۳۳ء کے وسط (ربیع الاول ۱۲ھ کے اوائل) میں خالدؓ نے اُلّیس سے امغیشیا کی جانب کوچ کیا۔ یہ مقام اُلّیس کے بہت قریب واقع تھا۔ دراصل اُلّیس امغیشیا کے دفاع کے لئے ایک فوجی بیش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا[1]۔ اسلامی لشکر نے اسی صبح امغیشیا پہنچ کر دیکھا کہ شہر سنسان پڑا ہے۔

امغیشیا کا شمار عراق کے عظیم شہروں میں ہوتا تھا۔ یہ شہر اپنی وسعت، اپنے شہریوں کی خوشحالی، اپنے بازاروں کی شان و شوکت کے لحاظ سے حیرا کا ہم پلّہ تھا۔ مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شہر صحیح و سالم ہے اور اس کے بازاروں اور عمارتوں میں مال و دولت اور ہر قسم کی اشیائے تجارت کی بہتات موجود ہے، لیکن کسی آدم زاد کا دُور دُور تک کوئی نشان نہیں۔ امغیشیا کے جوانمرد جنگِ اُلّیس میں کام آچکے تھے۔ باقی ماندہ لوگ — جن میں اکثریت عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی تھی — خالدؓ کے قریب پہنچنے کی خبر سُن کر شہر سے بھاگ کر پڑوس کے دیہات میں، مسلمانوں کے راستے سے دور پناہ گزین ہو گئے تھے۔ خالدؓ کے نام سے اب جو دہشت پھیل جاتی تھی وہ ان کے لشکر کی فوجی کارروائیوں کا ایک بہت اہم نفسیاتی عنصر بن چکا تھا۔

مسلمانوں نے امغیشیا کو مالِ غنیمت سمجھا۔ انھوں نے اس شہر کی ہر وہ چیز لوٹ لی جو

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۳۔ امغیشیا کو مانیشیا بھی کہتے تھے۔

وہاں سے اٹھائی اور منتقل کی جاسکتی تھی، اور اس طرح جو دولت جمع ہوئی اسے دیکھ کر صحرائے عرب کے سادہ لوح جنگجوؤں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب اس شہر کے کونے کونے سے اموال جمع کر لئے گئے تو خالدؓ نے اسے تباہ کر دیا۔[1] کہا جاتا ہے کہ یہاں سے حاصل ہونے والے اموال کی مقدار ان تمام غنائم کے مجموعے کے برابر تھی جو عراق کی پہلی چار جنگوں کی بدولت ہاتھ آئے تھے۔ حسبِ دستور، اس مالِ غنیمت کے پانچ میں سے چار حصے سپاہ میں تقسیم کر دیئے گئے اور اس کا پانچواں حصہ اسلامی ریاست کے حصے (خمس) کے طور پر مدینے بھیج دیا گیا۔

اب خلیفہ محاذِ عراق سے فتح کی خوشخبری سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ ایسی ہر خوشخبری کے بعد مالِ غنیمت بھی پہنچ جاتا جو ریاست کی دولت کو بڑھاتا اور مومنین کے دل خوش کرتا تھا۔ لیکن امغیشیا سے آنے والے مالِ غنیمت کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کو بھی حیرت ہوئی۔ انھوں نے مسلمانوں کو مسجد میں بلا بھیجا اور ان سے اِن الفاظ میں خطاب کیا:

"اے قریش! تمہارے شیر نے ایک اور شیر پر حملہ کیا اور اس پر غالب آیا۔ عورتیں خالدؓ جیسا بیٹا جننے سے اب عاجز ہیں!"[2]

یہ خالد بن الولیدؓ کے لئے ایک بیحد نفیس خراجِ تحسین تھا۔

٭

ازاذبہ، حاکم حیرا، کے لئے یہ دن کٹھن تھے۔ وہ اس تباہی کے بارے میں سن چکا تھا جس کا سامنا فارسی افواج کو کاظمہ، مُثنیٰ، ولجہ اور اُلّیس کی جنگوں میں کرنا پڑا تھا اور اب ظاہر تھا کہ خالدؓ حیرا پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ اگر بڑی بڑی فوجیں جن کی قیادت

---

[1] طبری: جلد ۲ صہ ۵۶۳

[2] ایضاً

ممتاز سپہ سالاروں کے ہاتھ میں تھی، خالدؓ کے حملوں سے چور چور ہو گئیں تو وہ اپنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ مدافعت کرنے کی کیا امید رکھ سکتا تھا؟ بیمار شہنشاہ کی طرف سے بھی اس کے پاس کوئی ہدایات نہ تھیں۔

ازاذبہ حیرا کا عامل ہونے کے علاوہ وہاں پر متعین سپاہ کا سالار بھی تھا۔ وہ مملکت کا ایک بلند رتبہ عہدیدار تھا۔ پچاس ہزار درہم والی ٹوپی کا مالک۔ حیرا کا عرب بادشاہ ایاس بن قبیصہ جس کا پیشتر ازیں ذکر کیا جا چکا ہے، برائے نام بادشاہ تھا۔ دیگر قبائلی سرداروں کو بھی، جو اس مملکت کے امراء تھے، سوا عرب یا قبائلی معاملوں کے حکومت میں عمل دخل کا کوئی اختیار نہ تھا۔ چنانچہ حیرا کے دفاع کی ذمہ داری ازاذبہ کے کندھوں پر آ پڑی' اور اس نے فارس کے ایک سچے فرزند کی حیثیت سے طے کیا کہ اپنے بس بھر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے گا۔

اس نے حیرا کی فوج کو چھاؤنی سے نکال کر شہر کے باہر اپنا پڑاؤ قائم کیا۔ یہاں سے اس نے اپنے بیٹے کو خالدؓ کی پیش قدمی روکنے کے لئے ایک رسالہ دے کر آگے بھیجا' اور اسے نصیحت کی کہ اگر خالدؓ کشتیوں کے ذریعے آگے بڑھنے کا ارادہ کریں تو وہ بند کے ذریعے فرات کا پانی روک دے۔ یہ نوجوان سالار اپنے سواروں کے ساتھ اس مقام تک آیا جہاں دریائے عتیق حیرا سے دریا کے بہاؤ کی جانب ۱۲ میل دور پہنچ کر فرات میں جا گرتا تھا۔ یہاں اس نے ایک فوجی اڈا قائم کیا اور وہاں سے ایک سوار دستے کو بطور ایک پیش خیمہ کے چند میل اور آگے اس سنگم تک بھیجا جہاں بادقلی امغیشیا سے ذرا اوپر فرات میں جا گرتا تھا۔[1]

---

[1] دریائے عتیق اب بھی موجود ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا دریا ہے جو ایک ندی سے بمشکل بڑا ہوگا اور جو ممکن ہے اس زمانے کی ایک نہر ہو۔ دریائے عتیق ابو سخیر کے علاقے سے نکل کر فرات کے مغرب میں اس بڑے دریا سے ۵ میل کے فاصلے تک ہٹ کر بہتا ہے اور جدید قادسیہ سے (جو قدیم، تاریخی قادسیہ سے جنوب مشرق میں ۸ میل دور واقع ہے) ایک میل اوپر کو دوبارہ فرات میں جا گرتا ہے۔ اپنی گزرگاہ کے آخری حصے میں یہ ندی دجیج بھی کہلاتی ہے۔ بادقلی ایک نہر یا ایک نالہ تھا جو امغیشیا کے قریب دریائے فرات سے جا ملتا تھا (طبری: جلد ۲ صفحہ ۵۶۳)

اس جنگی کارروائی کے بیان میں طبری خود مبہم ہے اور اپنے قارئین کو بھی ابہام میں ڈال دیتا ہے، چونکہ اس نے دریاؤں کے دو سنگموں کو خلط ملط کر دیا ہے۔

خالدؓ نے اب اپنی مہم کی آخری مسافت طے کرنے کو پھر کوچ شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے نقل و حمل کے لئے دریائے فرات سے کام لینے کا فیصلہ کر کے اپنی فوج کا تمام بھاری ساز و سامان کشتیوں میں رکھوا دیا۔ اس طرح مسلم سپاہ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے بڑھے تو کشتیوں کا ایک قافلہ، مقامی عرب ملاحوں کی کشتی بانی کے تحت ساتھ ساتھ چلا۔ خالدؓ نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ پانی کی سطح گرنی شروع ہو گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد کشتیاں زمین سے جا لگیں۔ ازآذبہ کے بیٹے نے دریا کا پانی بند سے روک دیا تھا۔

خالدؓ اپنے لشکر کو فرات کے کنارے چھوڑ کر رسالے کے ایک دستے کے ساتھ حیرا کی طرف تیزی سے روانہ ہو گئے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ بادِقلی پہنچے تو انھیں وہ سوار نظر آئے جنہیں ازآذبہ کے بیٹے نے پیش خیمے کے طور پر وہاں بھیجا تھا۔ مسلم نبرد آزماؤں کا مقابلہ کرنا ان اناڑی فارسیوں کے بس کی بات نہ تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی مدافعت کے لئے منظم ہوتے، خالدؓ کے سواروں نے جھپٹ کر ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تب خالدؓ نے بند کھولا تو پانی پھر سے بہنے لگا اور اسلامی لشکر دوبارہ دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

ازآذبہ کے بیٹے نے بھی وہ چوکسی نہ برتی جس کی صورت حال متقاضی تھی۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ بادِقلی پر پیش خیمہ بے خبری میں مسلم حملہ ہو جانے کے خلاف کافی تدارک ہے۔ جہاں سے اسے بلاشبہ یقین تھا کہ اس کو بروقت خطرے کی اطلاع مل جائے گی۔ اس نے اپنی چوکسی میں ڈھیل چھوڑ دی۔ اس کیفیت میں خالدؓ نے اچانک اس پر حملہ کر دیا۔ فارسی رسالے کے تقریباً تمام آدمی اپنے نوجوان افسر سمیت مارے گئے۔ لیکن چند تیز رفتار سوار کسی نہ کسی طرح بچ نکلے اور ازاذبہ کے پاس پہنچے۔

ازآذبہ نے ان سواروں سے رسالے کی تباہی اور اپنے بیٹے کی موت کی خبر سنی۔ مدائن سے آنے والے پیغام رسانوں کے ذریعے اسے اردشیر کی وفات کی خبر ملی۔ اپنے بیٹے کی موت سے

دل شکستہ اور شہنشاہ کی وفات کی خبر سے سرگرداں، ازاذبہ کو یہ احساس ہوا کہ اس کے کندھوں میں ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کی سکت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اس نے خالدؓ کے خلاف حیرا کی مدافعت کے تمام ارادے ترک کر دیئے، اور وہ اپنی فوج کے ساتھ دریائے فرات کو عبور کر کے مدائن جا پہنچا، جہاں اس نے بہمن کو اپنی روئداد سنائی۔ حیرا کا معاملہ وہاں کے عربوں پر چھوڑ دیا گیا۔

خالدؓ نے اپنی منزلِ مقصود کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا کہ وہ کشتیوں کو چھوڑ کر سڑک پر کب آئے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ حیرا سے کچھ میل پہلے ہی ہوا ہوگا۔ اس احتمال کے پیشِ نظر کہ حیرا کے مقام پران کا شدید مقابلہ کیا جائے گا، خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ شہر پر سامنے کی طرف سے چڑھائی نہ کی جائے۔ چنانچہ وہ اپنی فوج کو بائیں جانب گھماتے ہوئے مغرب کی طرف حیرا سے آگے بڑھ کر، خَوَرنق جا پہنچے، جو حیرا سے شمال مغرب میں ۳ میل کے فاصلے پر واقع ایک خوشحال قصبہ تھا۔[1] اور پھر خورنق سے گزر کر پیچھے سے حیرا کی طرف آئے۔ جب ان کی فوج شہر میں داخل ہونے لگی تو کسی نے مقابلہ نہ کیا۔ شہر کے تمام باشندے موجود تھے۔ وہ نہ تو شہر چھوڑ کر بھاگے اور نہ ہی انہوں نے کسی قسم کی مزاحمت کی۔ شہر کے اندر دور تک پھیلتے ہوئے مسلمان سپاہیوں نے بھی وہاں کے باشندوں کو بالکل پریشان نہیں کیا۔ احوال کی اصلیت جلد ہی کھل گئی۔ ان میں صلح اور جنگ دونوں کے عناصر ملے ہوئے تھے۔ حیرا کھلا ہوا شہر تھا اور مسلمان اس پر قبضہ کر سکتے تھے۔ لیکن حیرا کے چار قلعے جن میں سے ہر ایک کے اندر قبائلی سرداروں کے زیرِ قیادت عیسائی عربوں کی طاقتور فوجیں موجود تھیں، اپنی مدافعت میں آخیر دم تک لڑنے کو تیار تھے۔ اگر خالد کو ان میں سے کسی قلعے پر قبضہ کرنا تھا تو یہ لڑ کر ہی

---

[1] ایک تودۂ خاک کے سوا، جو شاہراہِ نجف سے مغرب میں کوئی ۷۰۰ گز دور ہے، خورنق کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔

ہو سکتا تھا۔

ان چار قلعوں میں سے ہر ایک کے اندر ایک محل تھا جس میں قلعہ دار رہتا تھا، اور ہر ایک قلعہ اپنے محل کے نام سے حسب ذیل موسوم تھا:

۱. قصرِ ابیض، جس کا قلعہ دار ایاس بن قبیصہ (عراق کا بادشاہ) تھا۔

۲. قصر العدسیین، جس کا قلعہ دار عدی بن عدی تھا۔

۳. قصر بنو مازن، جس کا قلعہ دار ابنِ آکال تھا۔

۴. قصر ابن بُقیلہ، جس کا قلعہ دار عبدالمسیح بن عمرو بن بُقیلہ تھا۔

ان میں سے ہر ایک قلعہ پر چڑھائی کرنے کو خالدؓ نے اپنی فوج کا ایک ایک حصہ الگ الگ سالاروں کے سپرد کیا۔ ضرار بن الازور کو قصر ابیض کے لئے، ضرار بن الخطابؓ (جو حضرت عمرؓ کے رشتہ دار نہیں تھے) کو قصر العدسیین کے لئے اور مثنیٰ کو قصر ابن بقیلہ کے لئے۔ ان تمام سالاروں کو حکم دیا گیا کہ وہ دشمن کے قلعوں پر یورش کریں، لیکن ایسا کرنے سے پیشتر قلعے کی فوج کو حسب دستور تین راہوں میں سے ایک انتخاب کرنے کا موقع دیں۔ اسلام، جزیہ یا تیغ۔ اور پھر اس پر غور کرنے کو انھیں ایک دن کی مہلت دی جائے۔ چاروں مسلمان سالاروں نے اپنے اپنے سپاہ کے ساتھ جا کر قلعوں کا محاصرہ کر لیا، اور ان کی فوجوں کو شرائط سے متنبہ کر دیا۔ اگلے روز عیسائی عربوں نے صلح کی شرائط مسترد کر دیں اور جنگ شروع ہو گئی۔

سب سے پہلے ضرار بن الازورؓ نے قصر ابیض پر حملہ کیا۔ قلعے کے محافظوں نے فصیلوں پر کھڑے ہو کر مسلمانوں پر تیر برسانے کے علاوہ ان پر مٹی کے گولے برسانے کے لئے ایک منجنیق سے بھی کام لیا۔ ضرار نے طے کیا کہ پہلے اس منجنیق کا کام تمام کیا جائے۔ منتخب تیر اندازوں کے ایک گروہ کے ساتھ احتیاط سے منجنیق تک تیر کی زد پر پہنچ کر انہوں نے حکم دیا کہ بہ یک وقت تیروں کی ایک زوردار باڑ چھوڑی جائے۔ اس سے منجنیق کے عملے کے تمام افراد اور دشمن کے

متعدد تیر انداز بھی مارے گئے۔ باقی ماندہ ہڑبڑا کر فصیل سے پیچھے ہٹ گئے۔

دوسرے قلعوں پر بھی اسی قسم کی دو طرفہ تیر اندازی جاری تھی۔ گو کہ کسی اور کے پاس منجنیق نہیں تھی۔ کچھ ہی عرصے بعد چاروں سرداروں نے صلح کے لئے بات چیت کو کہا اور آپس میں طے کیا کہ ان سب کی طرف سے ایک نمائندہ خالدؓ سے براہِ راست معاملہ کرے اس کام کے لئے جس آدمی کو منتخب کیا گیا وہ قصرِ ابنِ بُقیلہ کا سردار، عبدالمسیح بن عمرو بن بُقیلہ تھا۔

عبدالمسیح اپنے قلعے سے باہر نکلا اور مسلمانوں کی طرف چلنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ "اس کی بھنوؤں نے اس کی آنکھوں کو ڈھانپ لیا تھا۔"[۱]

٭

عبدالمسیح اپنے زمانے میں عرب عراق کا ممتاز ترین فرزند تھا۔ وہ ایک شاہانہ امیر تھا جو اب لوگوں میں سب سے معمر ہی نہیں سب سے عقلمند بھی مانا جاتا تھا۔ حالانکہ اس کے پاس دربارِ فارس کی طرف سے کوئی سرکاری اختیار نہ تھا، اسے اہل عراق کا احترام اور ان کے معاملات میں خاصا اثر ورسوخ حاصل تھا۔ اس کی طبیعت میں شوخ اور چست ظرافت کا بھی مادّہ تھا۔ اس نے عرصۂ دراز ہوئے نوشیروانِ عادل ہی کے زمانے میں نام بنا لیا تھا۔ نوشیروان سے اس کی وفات سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے ملاقات کے دوران عبدالمسیح نے اسے متنبہ کیا تھا کہ اس کے بعد اس کی مملکت پر زوال آ جائے گا۔

یہ بوڑھا دانا اب آہستہ آہستہ خالدؓ کے قریب آیا۔ جب وہ پاس آکر رک گیا تو تاریخ کا ایک عجیب وغریب مکالمہ شروع ہوا۔

[۱] ابو یوسف: صفحہ ۱۴۳

"تم اپنی عمر کے کتنے سال گزار چکے ہو؟" خالدؓ نے پوچھا

"دو سو" دانا نے جواب دیا۔

خالدؓ نے اس شخص کی اس قدر طویل عمر پر متحیّر ہو کر پوچھا "تم نے سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز کونسی دیکھی ہے؟"

"میں نے سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز یہ دیکھی ہے کہ حیرا اور دمشق کے درمیان ایک گاؤں ہے جس کی جانب ایک عورت صرف روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر حیرا سے سفر کرتی ہے۔"

وہ اس لاجواب نظم و نسق کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو نوشیرواں کے زمانے میں موجود تھا۔ لیکن خالدؓ اس کی بات کا مفہوم نہ سمجھ سکے اور ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص ضرور احمق ہو گا۔ اپنے لہجے میں فرق کئے بغیر انھوں نے کہا "کیا تم نے اپنی درازیٔ عمر سے ضعیفی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔؟ میں نے سنا تھا کہ حیرا کے لوگ خبیث، دھوکے باز اور مکار ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک ایسے آدمی کو میرے پاس بھیجا ہے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔"

"اے سپہ سالار!" دانا نے احتجاج کیا "مجھے اس بات کا صحیح علم ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔"

"تم کہاں سے آئے ہو؟"

"اپنے باپ کی ریڑھ سے۔!"

"تم کہاں سے آئے ہو؟" خالدؓ نے اپنا سوال دہرایا۔

"اپنی ماں کے رحم سے!"

"تمہیں کہاں جانا ہے؟"

"اپنے سامنے کی طرف۔"

"تمہارے سامنے کی طرف کیا ہے؟"

"آخرت۔"

"لعنت ہے تم پر!" خالدؓ نے چلّا کر کہا۔ "تم کہاں کھڑے ہو؟"

"زمین پر۔"

"لعنت ہے تم پر! تم کس چیز کے اندر رہو؟"

"اپنے کپڑوں کے اندر۔"

خالدؓ کو اب غصّہ آنے لگا تھا، لیکن انہوں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"کیا میری بات تمہاری سمجھ میں آرہی ہے؟"

"ہاں۔"

"میں صرف چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں آپ کو صرف ان کے جوابات دینا چاہتا ہوں۔"

اس مکالمے سے تنگ آکر، خالدؓ نے بڑبڑا کر کہا: "دنیا اپنے احمقوں کو تباہ کرتی ہے مگر دانشمند دنیا کو تباہ کرتے ہیں۔ لیکن شاید تمہارے لوگ تمہیں مجھ سے بہتر جانتے ہوں۔"

"اے سپہ سالار" عبدالمسیح نے انکساری سے جواب دیا "اونٹ نہیں، چیونٹی ہی جانتی ہے کہ اس کے بل میں کیا ہے!"

خالدؓ کو معاً محسوس ہوا کہ وہ ایک غیر معمولی دماغ کے آدمی سے ہم کلام ہیں۔ انھیں اس دانا کی ہر بات برمحل نظر آنے لگی۔ اس کا ہر جواب مفہوم اور مزاح کا حامل تھا۔ خالدؓ نے پہلے کی نسبت زیادہ احترام کے ساتھ پوچھا۔ "مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جو آپ کو آج تک یاد ہو۔"

عبدالمسیح کی آنکھوں سے استغراق کی کیفیت جھلکنے لگی۔ اس نے چند لمحوں تک

ارمان و یاس بھری نگاہوں سے قلعوں کے ان میناروں کی طرف دیکھا جو شہر کے مکانوں کی چھتوں سے بلند ہوتے نظر آتے تھے۔ پھر اس نے کہا" مجھے وہ وقت یاد ہے جب ان قلعوں کے عقب میں چین کے جہاز بادبان پھیلائے آتے جاتے تھے۔" اپنی یادوں میں وہ ایک بار پھر نوشیروان کے زریں عہد میں جا پہنچا تھا۔

تمہید ختم ہوگئی۔ اب خالدؓ اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوئے۔" میں تم سب کو اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔" انہوں نے کہا" اگر تم یہ دعوت قبول کرلو تو تم مسلمان ہو جاؤ گے نفع ونقصان میں تم ہمارے شریک ہوگے۔ اگر یہ قبول نہ ہو تو پھر جزیہ ادا کرو۔ اگر تم جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کرتے ہو تو پھر یاد رکھو کہ میں ایسے لوگ اپنے ساتھ لایا ہوں جن کو موت اتنی ہی عزیز ہے جتنی تم کو زندگی۔"

" ہم آپ کے خلاف لڑنے کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتے۔" عبدالمسیح نے جواب دیا" لیکن ہم اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ ہم جزیہ ادا کریں گے۔"

مذاکرات ختم ہوگئے۔ سمجھوتہ طے ہوگیا تھا۔ خالدؓ اسے رخصت کرنے ہی والے تھے کہ ان کی نظر ایک چھوٹی سی تھیلی پر پڑی، وہ اس ملازم کے کمر بند سے لٹک رہی تھی جو دانا کے ہمراہ آیا تھا اور اب اس سے چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا تھا۔ خالدؓ نے ملازم کی طرف بڑھ کر اس سے تھیلی چھین لی اور اس کے اندر کی چیز ہتھیلی پر انڈیل لی۔" یہ کیا ہے؟" انہوں نے دانا سے پوچھا۔

" یہ ایک ایسا زہر ہے جو فوراً اپنا اثر دکھاتا ہے۔"

" لیکن زہر کس لئے؟"

" مجھے خدشہ تھا۔" عبدالمسیح نے جواب دیا" کہ ممکن ہے اس ملاقات کا وہ نتیجہ برآمد نہ ہو جو اب نکل آیا ہے۔ میرے دن پورے ہونے کو آئے ہیں۔ اگر اپنی قوم اور اپنی سرزمین

کی تباہی دیکھنے کی صورت میں پیدا ہوتی تو میں موت کو ترجیح دیتا۔[1]

مئی ۶۳۳ء کے آخر (ربیع الاول ۱۲ھ کے وسط) میں شرائطِ تفویض مرتب کر لی گئیں اور عہدنامے پر دستخط ہو گئے۔ قلعوں کے دروازے کھل گئے اور حیرا میں امن بحال ہو گیا۔ خلیفہ کی قائم کردہ منزلِ مقصود چار خونریز جنگوں اور متعدد مقابلتاً چھوٹے معرکوں کے بعد فتح کر لی گئی تھی۔ چنانچہ خالدؓ کی امامت میں تمام سپاہ نے مل کر آٹھ رکعات نمازِ فتح ادا کی۔

معاہدے کی رُو سے طے پایا کہ اہلِ حیرا اسلامی ریاست کو ہر سال ۱،۹۰،۰۰۰ درہم کی رقم ادا کریں گے۔ اس کے علاوہ معاہدے کی کچھ ضمنی شقیں بھی تھیں: حیرا کا شہر مسلم فوج کو ایک زین دے گا۔ (فوج کے پاس ایک زین کم تھی!)[2]، اہلِ حیرا مسلمانوں کے لئے بطور جاسوس اور راہبر کام کریں گے۔ مزید براں ایک ایسی شق بھی تھی جو ایک عرب شہزادی کے متعلق تھی۔

٭

ایک روز نبی کریمؐ چند صحابہ کے ساتھ بیٹھے مختلف موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے کہ ایک موقع پر بیرونی علاقے زیرِ بحث آئے، اور آنحضرتؐ نے کہا کہ ان کے خیال میں مسلمان جلد ہی حیرا کو فتح کر لیں گے۔ اس پر ایک ناخواندہ اور سادہ لوح مسلمان نے جس کا نام شویل[3] تھا، بے تاب ہو کر پوچھا "یا رسول اللہﷺ جب ہم حیرا فتح کر لیں تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کرامہ بنت عبدالمسیح کو میرے حوالے کر دیا جائے؟"

عبدالمسیح کی بیٹی کرامہ ایک شہزادی تھی جس کے بارے میں اہلِ عرب نے یہ سن رکھا تھا کہ وہ ہوشربا حسن و جمال کی مالک ہے۔ ایک ایسی عورت جس کی خوبصورتی کا کہیں کوئی جواب نہ تھا۔

---

[1] یہ مکالمہ بلاذری (صفحہ ۲۴۴) اور طبری (جلد ۲، صفحہ ۲۶۴-۲۶۶) سے نقل کیا گیا ہے۔

[2] بلاذری: صفحہ ۲۴۶

[3] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۹۔ لیکن بلاذری کے قول کے مطابق اس شخص کا نام خُریم بن اَوس تھا (صفحہ ۲۴۵)

نبی کریمؐ نے ہنس کر کہا "وہ تمہاری ہو گی!"[1]

اب حیرا فتح ہو گیا تھا۔ جب خالدؓ کے سپاہ نے عبدالمسیح کے ساتھ ان کے مذاکرات اور شرائطِ تفویض مرتب ہونے کے بارے میں سنا تو شویل، جو تب خالدؓ کی فوج میں شامل تھا، اللہ کی تلوار کے پاس آیا۔ "یا امیر الجیوش!" اس نے خالدؓ کو مخاطب کیا۔ "کیا جب اہل حیرا ہتھیار ڈال چکیں گے تو کرامہ بنت عبدالمسیح میرے سپرد کر دی جائے گی؟ رسول اللہؐ نے مجھ سے اس کا وعدہ کیا تھا۔"

خالدؓ کو یہ یقین کرتے مشکل پیش آئی کہ آنحضرتؐ نے عبدالمسیح کے گھرانے کی ایک شہزادی کو اس سادہ لوح شخص کے حوالے کرنے کا وعدہ کر لیا ہو گا۔ "کیا تم گواہ پیش کرتے ہو؟" خالدؓ نے پوچھا "واللہ ہاں!" شویل نے جواب دیا۔ اور پھر وہ ایسے گواہ لے آیا جن کی شہادت نے اس کے دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس پر خالدؓ نے ایک شق کے طور پر یہ بات بھی معاہدے میں شامل کی: کرامہ بنت عبدالمسیح شویل کو دی جائے گی!

عبدالمسیح کے کنبے کی عورتوں نے جب یہ دلدوز خبر سنی تو وہ غم کے مارے گریہ وزاری کرنے لگیں۔ کیا ایک ایسی شہزادی جس کی تمام زندگی شان و شوکت سے گزری تھی اب ایک گنوار بدو کے حوالے کی جانے والی تھی؟ اس صورت حال کا مضحکہ خیز پہلو یہ تھا کہ کرامہ ایک اسّی سالہ بڑھیا تھی! کسی زمانے میں وہ اپنے وقت کی سب سے حسین عورت تھی۔ لیکن تب سے ایک مدت گزر چکی تھی۔

اس شہزادی نے خود ہی یہ مسئلہ حل کر دیا۔ "مجھے اس کے پاس لے چلو" اس نے کہا "اس احمق نے یقیناً میری جوانی کے حسن کا چرچا سن رکھا ہو گا اور وہ سمجھتا ہو گا کہ شباب دائمی ہوتا ہے۔"[2] چنانچہ وہ

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۹

[2] ایضاً

ایک کنیز کو ہمراہ لے کر قصرِ ابنِ بُقیلہ سے باہر نکلی۔

باہر، سرور انگیز، عاشقانہ تصورات سے بے چین، شویل گوہرِ مقصود کا انتظار کر رہا تھا۔ یکایک وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ جب بے چارے کی نگاہ کرامہ کے جھری دار چہرے پر پڑی تو اس کے صدمے اور مایوسی کا حال ایک قابلِ رحم منظر بن گیا۔ وہ ایسا ہکا بکا ہوا کہ اس کی آواز بند ہو گئی۔

شہزادی نے خود خفت آمیز سکوت کو توڑا۔ "ایک بوڑھی عورت تمہارے کس کام آئے گی؟ مجھے جانے دو۔"

اس پر شویل کو خیال آیا کہ کرامہ سے اس کی آزادی کی قیمت بھی وصول کی جا سکتی ہے

"نہیں"۔ اس نے جواب دیا۔ "میری شرائط پوری ہوئے بغیر نہیں۔"

"اور کیا شرائط ہیں تمہاری؟ دام بتلاؤ۔"

"میں شویل کی ماں کا بیٹا نہیں اگر میں تجھے ہزار درہم سے کم میں آزادی بخش دوں۔"

ہوشیار بڑھیا نے اپنے چہرے پر تشویش کے آثار طاری کر لیے: "ایک ہزار درہم"! اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں! ایک درہم بھی کم نہیں۔"

شہزادی نے جھٹ ایک ہزار درہم اس خوشی سے پھولے نہ سمانے والے عرب کے ہاتھ پر رکھے اور اپنے گھر والوں کے پاس واپس آ گئی۔

شویل لوٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا جن میں اکثر اس سے زیادہ باشعور تھے۔ اس نے فخر سے پھول پھول کر انھیں پورا قصہ سنایا: کہ اس نے کس طرح کرامہ کو آزاد کیا تو اس سے کھڑے کھڑے کتنی بڑی رقم معاوضے میں رکھوا لی۔ ایک ہزار درہم!

اسے قطعاً توقع نہ تھی کہ اس بلند بانگ بیان کے جواب میں ایک زوردار قہقہہ بلند ہو گا۔

"ایک ہزار درہم!" اس کے ساتھی چلا اٹھے۔ "کرامہ بنت عبدالمسیح کے لیے تمہیں اس سے کہیں زیادہ بڑی رقم مل سکتی تھی۔"

اس بات سے حیران ہو کر سادہ لوح عرب نے کہا "مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک ہزار درہم سے زیادہ کی بھی کوئی بڑی رقم ہوتی ہے؟"

جب خالدؓ نے یہ قصہ سنا تو وہ خوب ہنسے اور کہنے لگے کہ "انسان چاہتا کچھ ہے خدا کو منظور کچھ اور ہوتا ہے۔"[1]

٭

جب حیرا ایران کا قبضہ ہو گیا تو خالدؓ نے عراق کے دیگر حصوں کو تابع کرنے کی طرف متوجہ ہو کر پہل ان علاقوں کے ساتھ کی جو قریب تھے۔ انہوں نے وہاں کے قصبوں کے رؤسا اور بزرگوں کے نام ایک ہی مضمون کے خط لکھے اور انھیں حسب معمول اسلام، جزیہ یا جنگ کے درمیان انتخاب پیش کیا۔ حیرا کے تمام نواحی علاقوں نے سمجھ بوجھ سے کام لے کر اطاعت قبول کی اور متعلقہ سرداروں اور رؤسا کے ساتھ معاہدوں میں شرح جزیہ اور اس کے عوض مسلم تحفظ کا تعین کر دیا گیا۔ ان معاہدوں پر متعدد مسلمان افسروں نے بطور گواہ دستخط کیے۔ جن میں خالدؓ کے بھائی ہشام بھی تھے، جو اس مہم میں ان کے ماتحت بر سر کار تھے۔

اس اثنا میں فارس کے معاملات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ تخت نشینی کے مسئلے نے اہل فارس کے درمیان نفاق پیدا کر دیا۔ خالدؓ کے خلاف وہ متحد تھے۔ لیکن یہ اتحاد بے ثمر تھا اور اس میں مثبت نتائج دینے کی کوئی سکت نہ تھی۔ مملکت فارس کے فوجی معاملات میں ابتری پیدا ہو چکی تھی۔ جب بہمن نے سپہ سالار اعلیٰ کا منصب سنبھالا اور بڑی عجلت سے مدائن کا مسلمان حملے کے خلاف دفاع کا انتظام شروع کیا۔ چونکہ اسے یقین تھا کہ حملہ ہو گا ضرور۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۶۹؛ بلاذری: صفحہ ۲۴۵

بہمن کا مقصد کلیتاً مدائن کے دفاع تک ہی محدود تھا۔ اور یہ بات اس کی حقیقت پسندی پر مبنی تھی۔ کیونکہ دجلہ کے مغرب کے باقی علاقے پر فارسیوں کا کوئی قابو نہ تھا۔

اس علاقے پر اب عرب شہسوار غالب تھے۔ چار بڑی فارسی فوجوں کو تہس نہس کر دینے کے بعد خالدؓ کو اطمینان تھا کہ مدائن کی طرف سے جوابی حملے کا اب کوئی خطرہ نہیں، اور اس لئے وہ اپنی بیشتر قوت کو وسطی عراق کی مہم میں لگا سکتے تھے۔ انہوں نے حیرا کو اپنا جنگی اڈہ بنا کر اپنے رسالے کو فرات کے پار بھیج دیا۔ ان کے سوار دستے گھوڑے دوڑاتے وسطی عراق میں دجلہ تک پہنچ گئے اور راستے میں انہوں نے مزاحمت کرنے والوں کو قتل کر کے لوٹ لیا اور جزیئے پر راضی ہونے والوں سے صلح کر لی۔ ان شتاباں دستوں کی قیادت خالدؓ نے اپنے سب سے تیز سپہ سالاروں ضرار بن الازورؓ، قعقاعؓ، اور مثنیٰؓ کے سپرد کی۔ جون ۶۳۳ء کے آخر (ربیع الآخر ۱۲ھ کے وسط) تک دجلہ وفرات کا درمیانی علاقہ خالدؓ کے قبضے میں آ گیا۔ اب ان کے سیاسی اور فوجی اقتدار کو للکارنے والا کوئی نہ رہا تھا۔

فوجی تسخیر کے ساتھ ساتھ، خالدؓ نے مسخر علاقوں کا نظم ونسق بھی درست کیا۔ انہوں نے تمام علاقوں میں عہدیدار اس نگرانی کے لئے تعینات کئے کہ وہ دیکھیں کہ جزیہ بوقت ادا کیا جائے اور مقامی باشندے فارسیوں کے بارے میں خفیہ اطلاعات اور مسلمان دستوں کی نقل وحرکت کے لئے راہبر فراہم کریں۔ خالدؓ نے دو خط مدائن بھی بھیجے، جن میں سے ایک دربارِ فارس اور دوسرا وہاں کے عوام کے نام تھا۔ دربار کے نام مندرجہ ذیل خط تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خالد بن الولیدؓ کی طرف سے شاہان فارس کے نام

الحمد للہ کہ اللہ نے تمہارے نظام کو برہم کر دیا اور تمہارے مقاصد کو باطل کر دیا اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یہ تمہارے لئے اور بھی برا ہوتا۔

اگر تم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لو تو ہم تمہیں اور تمہاری سرزمین کو چین سے رہنے دیں گے۔ ورنہ تم ایک ایسی قوم کے ہاتھوں مغلوب ہو گے جس کو موت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تم کو زندگی۔"[1]

جو خط عوام کے نام تھا اس کا مضمون بھی ایسا ہی کچھ تھا، لیکن اس میں ان سے اس وعدے کا اضافہ کیا گیا کہ جزیئے کے عوض انہیں مسلمانوں کی حفاظت میسر ہوگی۔ ان دونوں خطوط کو مدائن پہنچانے والے اشخاص حیرا کے رہنے والے عرب تھے مدائن سے کوئی جواب نہ آیا۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۷۲

۲۴

انبار اور عین التمر

وسطی عراق کا وہ حصہ جو مدائن کے جنوب میں فرات اور دجلہ کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ اب مسلمانوں کے زیر نگیں تھا۔ فارسیوں نے کچھ نہیں کیا تو خالدؓ کے اس یقین کی تصدیق ہو گئی کہ مدائن ان کے حیرا کے اڈے یا صحرا کے ساتھ مواصلات کے لئے تہدید تو کیا بنتا ان کی کارروائیوں میں مخل ہونے تک کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ اب خالدؓ شمالی حصے کی جانب متوجہ ہوئے جہاں ان کے سپاہ ابھی داخل نہ ہوئے تھے۔ یہاں انبار اور عین التمر والے مقام تھے جہاں مزاحمت کا احتمال تھا، چونکہ ان دونوں مقاموں پر قلعوں کے فارسی سپاہ اور عرب جنگجوؤں کی تعداد کافی کچھ تھی اور ان سے مسلمانوں کی پیش قدمی کے خلاف اقدام کی توقع کی جا سکتی تھی۔ دونوں مقامات فارسی حکام کے ماتحت تھے۔ (نقشہ نمبر ۱ دیکھئے)

خالدؓ نے فیصلہ کیا پہلے انبار پر قبضہ کیا جائے۔ یہ ایک قلعہ بند پرانا شہر اور کاروباری مرکز تھا، جہاں شام اور فارس کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت رہتی تھی، یہ اپنے غلّے کے بڑے گوداموں کی بدولت بھی مشہور تھا۔ جون ۶۳۳ء کے آخر (ربیع الاول ۱۲ھ کے وسط) میں خالدؓ اپنی نصف فوج (تقریباً ۹۰۰۰ سپاہ) کے ہمراہ حیرا سے روانہ ہوئے تو وہ حیرا میں ایک طاقتور محافظ فوج اور وسطی عراق میں متعدد دستے متعین کر گئے۔ فرات کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے انہوں نے انبار کے جنوب میں کسی مقام پر اس دریا کو عبور کیا۔ جب ان کے جاسوس مدائن سے آنے والے راستوں کی نگرانی کے لئے مشرق

کی طرف آ گئے تو خالدؓ نے اپنی فوج کے ساتھ انبار پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ اس شہر کے گرد صرف قلعے کی فصیل ہی نہیں، پانی سے لبریز ایک گہری خندق بھی ہے۔ یہ خندق فصیل کے اتنی قریب تھی کہ جو بھی اسے عبور کرنے کی کوشش کرتا فصیل سے تیر اندازوں کے بے خطا نشانوں کی زد میں آ جاتا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس خندق کے پل تباہ کر دیئے گئے تھے۔[1]

انبار ضلع ساباط کا، جو مدائن کے مغرب میں دو دریاؤں کے درمیان واقع تھا، سب سے بڑا شہر تھا۔ ساباط کا حاکم، جس کا نام شیر زاد تھا اور جو اپنی فوجی اہلیت کی بنسبت اپنے علم و دانش کے لئے زیادہ مشہور تھا، انبار ہی میں رہتا تھا۔ اب شیر زاد کے کندھوں پر قلعہ انبار کو اس کی اپنی فوج کے ساتھ مسلمانوں سے بچانے کی ذمہ داری آ پڑی، جس میں فارسی سپاہ کے علاوہ عرب امدادی سپاہ کی ایک بڑی تعداد تھی، جن پر اس کو مگر معلوم ہوتا ہے کوئی خاص بھروسہ نہ تھا۔

خالدؓ نے اپنی آمد کے ایک روز بعد آگے بڑھ کر قلعے کے دفاعی انتظامات کا جائزہ لیا۔ فصیل کے اوپر ان کو ہزاروں فارسی اور عرب ٹولیوں میں بڑی بے پروائی سے اِدھر اُدھر کھڑے نظر آئے، جو مسلمانوں کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کوئی تماشہ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر خالدؓ نے دنگ ہو کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو جنگ سے کوئی واقفیت نہیں"[2]

---

[1] چند ٹیلوں کے سوا جو موجودہ فلوجہ سے تین میل اور فرات سے تقریباً ایک میل دُور شمال مغرب میں واقع ہیں، انبار کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ نصف میل کے رقبے میں پھیلے ہوئے ان ٹیلوں پر آج بھی پرانے برتنوں کے ٹکڑے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یاقوت کی روایت کے مطابق (جلد ۱ صفحہ ۳۶۷) اہل فارس اس قصبے کو فیروز سابور کہتے تھے۔

[2] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۷۵

خالدؓ نے ایک ہزار ایسے تیر انداز جمع کئے جو ان کے بہترین نشانہ باز تھے، اور ان کو اپنا منصوبہ یوں سمجھایا۔ وہ کمان ہاتھ میں تیار لیکن بلا تیر لگائے بے مقصد انداز میں خندق کے کنارے تک بڑھیں، اور پھر ان کے اشارے پر فوراً کمان میں تیر لگا کر اچانک دخیل کے سپاہ پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیں۔ "ان کی آنکھوں کا نشانہ بنانا" خالدؓ نے تیر اندازوں سے کہا "صرف آنکھوں کو!"[1]

تیر اندازوں کے اس منتخب دستے نے قلعے کا رُخ کیا۔ فصیل پر کھڑے ہوئے ہجوم نے ان تیر اندازوں کی طرف حیرت سے دیکھ کر سوچا کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ جب مسلمان تیر انداز خندق کے پاس پہنچ گئے تو خالدؓ کے اشارہ کرتے ہی ...دا تیر کمانوں سے لپک کر خندق پر سے گزرے، ان کے پیچھے مزید ...دا، اور پھر ...دا، اور۔ چند ہی لمحوں میں قلعے کے محافظین ہزار آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ قصبے میں غُل مچ گیا۔ "انبار کے لوگوں کی آنکھیں پھوٹ گئیں۔"[2] اس کارروائی کے باعث جنگِ انبار کو ذات العیون (آنکھوں کا درد) بھی کہتے ہیں۔

جب شیرزاد نے قلعے کی فوج پر نازل ہونے والی مصیبت کی خبر سنی تو اس نے خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ موزوں شرائط پر وہ قلعے سے دستبردار ہونے کو تیار ہے۔ خالدؓ نے یہ پیش کش مسترد کر دی۔ اور جواب میں کہلا بھیجا کہ تمہیں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے ہوں گے چنانچہ شیرزاد نے نیم دلی سے فیصلہ کیا کہ مزاحمت جاری رکھی جائے۔

خالدؓ نے قلعے پر یورش کرنے کا تہیہ کیا۔ اس کے لئے فصیل پر چڑھنا ضروری تھا لیکن یہ مرحلہ بہت زیادہ مشکل نہیں تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ خندق کو، جو گہری بھی تھی اور چوڑی بھی، کیسے عبور کیا جائے۔ وہاں نہ تو کشتیاں دستیاب تھیں اور نہ کشتی یا بیڑے بنانے

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۷۵

[2] ایضاً

کا سامان۔ اور صحرائی عرب تیرنا بھی نہ جانتے تھے۔ چنانچہ خالدؓ نے طے کیا کہ گوشت اور ہڈیوں کا ایک پل بنایا جائے۔

انہوں نے حملے کے لئے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں، قلعے کے بڑے دروازے کے نزدیک خندق کی چوڑائی سب سے کم تھی۔ پھر انہوں نے اپنے تیراندازوں کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کیا جہاں سے وہ دشمن کے ان تیراندازوں کو نشانہ بنا سکتے تھے، جو قلعے کی فصیل کے اس حصے پر متعین تھے جو عبور کرنے کی جگہ کے عین سامنے تھا، اور انھیں یہ فرض سونپا کہ وہ مخالف تیراندازوں کو خندق پر تیر برسانے سے روکے رکھیں۔

اس کے بعد خالدؓ نے اپنے لشکر کے تمام ضعیف اور کمزور اونٹوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ یہ نحیف جانور خندق کے کنارے لائے گئے، اور وہاں مسلمان تیراندازوں کے تیروں کی آڑ میں انھیں دو دو تین تین کی تعداد میں ذبح کر کے خندق میں ڈال دیا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ان جانوروں کے ڈھانچوں کا ڈھیر بلند ہوتے ہوتے پانی کے اوپر ابھر آیا۔ اور خندق پر ایک ناہموار مگر مضبوط پل بن گیا۔ تب سپاہ کا ایک جتھا خالدؓ کا حکم ملتے ہی اس گوشت اور ہڈیوں کے پل کی طرف لپکا اور اسے پار کرتا ہوا خندق کے دوسرے کنارے پر جا اترا۔ جب ان سپاہ نے قلعہ کی فصیل پر چڑھنے کی تیاری کی تو قلعہ کا دروازہ کھلا، اور فارسیوں کا ایک دستہ مسلمانوں کو خندق میں دھکیل دینے کے لئے قلعے سے باہر نکلا۔ کچھ عرصے کے لئے مخالف سپاہ کے درمیان شدید لڑائی جاری رہی، لیکن بالآخر مسلمان سپاہ نے فارسیوں کے جوابی حملے کو رد کر دیا، اور فارسیوں نے اس ڈر سے بعجلت قلعے کے اندر لوٹ کر دروازہ بند کر لیا کہ کہیں مسلمان اس کے ذریعے قلعے کے اندر نہ گھس آئیں۔ اس تمام عرصے میں مسلمان تیرانداز قلعے کی فصیل پر متعین ایرانی اور عرب تیراندازوں پر بدستور ایسے تیر برساتے رہے کہ وہ پل کی تعمیر اور خندق کو عبور کرنے کی کارروائی میں مخل نہ ہونے پائے۔

خالدؓ مسلمان سپاہ کو قلعے کی فصیل پر چڑھنے کا حکم دینے ہی والے تھے کہ شیرزاد کے ایک ایلچی نے دروازے پر نمودار ہو کر اپنے حاکم کی جانب سے ایک اور پیش کش کی۔ اگر شیرزاد اور دوسرے فارسیوں کو صحیح سلامت قلعے سے چلے جانے کا موقع دے دیا جائے تو وہ قلعے کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ خالدؓ نے ایک بار پھر قلعے کی فصیل کی جانب دیکھا۔ انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ اس فصیل پر چڑھنا اور بعد میں قلعے کے اندر جنگ کرنا آسان نہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ایلچی سے کہا کہ وہ پیشکش اس شرط پر قبول کرنے کو تیار ہیں کہ فارسی اپنی تمام ملکیت پیچھے چھوڑ جائیں۔

شیرزاد کو قلعے سے جان بچا کر نکل جانے کی اجازت ملی تو اس نے بخوشی خالدؓ کی شرط مان لی۔ اگلے روز فارسی سپاہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدائن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے۔ قلعے میں مقیم عیسائی عرب ہتھیار ڈال کر جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہو گئے۔ یہ جولائی ۶۳۳ء کے دوسرے ہفتے (ربیع الآخر ۱۲ھ کے اواخر) کا واقعہ ہے۔ اگلے چند ایام کے دوران خالدؓ نے انبار کے قرب و جوار میں بسنے والے تمام چھوٹے بڑے قبیلوں سے ان کی اطاعت منظور کی۔

شیرزاد قلعہ انبار کی فارسی فوج کے ساتھ سفر کرتا ہوا مدائن پہنچا تو بہمن نے اس کی سخت ملامت کی۔ شیرزاد نے مگر ہرتا اہل سپہ سالار کی طرح سپاہ کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ اس موقع پر عیسائی عربوں کو: "میں ایک ایسی قوم کے بیچ میں تھا" اس نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا "جس میں کوئی سوجھ بوجھ ہی نہیں ہے اور جس کی جڑیں عربوں میں ہیں۔"[1]

☆

خالدؓ نے ایک شخص کو انبار کا عامل مقرر کیا، اور بعد ازیں اپنے لشکر کے ہمراہ ایک بار

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۷۵

پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے دوبارہ فرات کو عبور کیا اور جنوب کی طرف آگے بڑھے جب وہ عین التمّر کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک خالص عرب فوج ان کے راستے میں جنگ کے لئے صف آرا کھڑی ہے۔

عین التمّر ایک وسیع قصبہ تھا، جس کے چاروں طرف کھجور کے درختوں کے جھنڈ تھے اور ان ہی کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا نام عین التمّر پڑا جس کے معنی ہیں "کھجوروں کا سرچشمہ"[1]۔ اس قصبے کی حفاظت پر بھی فارسی سپاہ اور امدادی عرب دستے مامور تھے، اور خالدؓ کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے اس جگہ کی دفاعی حیثیت انبار سے زیادہ مضبوط تھی۔ عین التمر کا فارسی امیر مہران بن بہرام چوبین تھا، جو نہ صرف ایک قابل سپہ سالار تھا بلکہ ایک ہوشیار سیاستدان بھی۔ عین التمر کی محافظ فارسی فوج کی تعداد بھی زیادہ تھی اور یہاں کے عرب امدادی سپاہ کا تعلق نمر کے غیور اور تند خو قبیلے سے تھا جو اپنے کو کسی اور سے کم نہیں سمجھتا تھا اور پھر ایسے عیسائی عرب قبیلے تھے جو مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے قبیلۂ نمر کے ساتھ آملے تھے۔ ان تمام عربوں کا قائد ایک نامی سردار عقہ بن ابی عقہ تھا۔

جب عرب جاسوس مسلمانوں کی انبار سے عین التمر کی جانب پیش قدمی کی خبر لائے تو عقہّ فارسی سپہ سالار کے پاس آیا۔ "عرب کے خلاف عرب ہی سب سے بہتر لڑ سکتا ہے۔" اس نے کہا۔ "مجھے خالدؓ سے نمٹ لینے دیجئے۔"

مہران نے رضامندی میں سر ہلایا۔ "سچ ہے" اس نے دانشمندانہ انداز میں کہا "تم بہتر جانتے ہو کہ عربوں کے ساتھ کس طرح جنگ کرنی چاہیئے۔ اور اگر دوسروں سے

---

[1] عین التمر، جس کا ایک چشمے کے علاوہ کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے، موجودہ شثاثہ کے مغرب شمال مغرب میں، امیل کے فاصلے پر واقع تھا۔ آجکل شثاثہ کو بھی عین التمر کہتے ہیں، لیکن اصل عین التمر کا محل وقوع وہی تھا جس کی اوپر نشاندہی کی گئی ہے۔

جنگ کا معاملہ ہو تو تم ہماری مانند ہو۔"[1]

عقّہ یہ تعریف سن کر بہت خوش ہوا۔ مہران نے اپنی بات کا خاطر خواہ اثر دیکھ کر مزید کہا "تم جا کر خالدؓ کا مقابلہ کرو۔ اگر تمہیں مدد کی ضرورت پڑی تو ہم تمہاری امداد کے لئے یہاں موجود ہونگے۔"[2]

اس گفت وشنید کے دوران کچھ فارسی افسر بھی مہران کے پاس کھڑے تھے۔ جب عقّہ چلا گیا تو انہوں نے معترض ہو کر اپنے سپہ سالار سے پوچھا "آپ کو اس کتّے سے اس طرح گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس معاملے کو مجھ پر چھوڑو" مہران نے جواب دیا۔ "میں نے وہی کچھ سوچا ہے جس میں تمہارا فائدہ ہے اور ان کا نقصان۔ اگر یہ عرب جیت گئے تو فتح ہماری بھی ہوگی۔ اگر وہ ہار گئے تو کم از کم وہ خالدؓ کی فوج کو تھکا تو دیں گے اور تب ہم ایسے موقع سے جنگ میں داخل ہونگے کہ ہمارا دشمن نڈھال ہو چکا ہوگا اور ہم تازہ دم ہوں گے۔"[3]

فارسی عین التمر میں ٹھہرے رہے، اور عرب انبار جانے والی سڑک پر ۱میل آگے آگئے، جہاں عقّہ نے اپنی عرب فوج کو جنگ کے لئے صف آرا کیا۔

جب خالدؓ عقّہ کے بالمقابل پہنچے تو انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ ایک خالص عرب فوج ان کے خلاف صف آرا ہے، کیونکہ اب تک عراق میں ان کے تمام معرکے فارسیوں اور عربوں کی ملی جلی افواج کے خلاف لڑے گئے تھے۔ بہرحال، انہوں نے اپنی فوج کو عام دستور کے مطابق قلب اور میمنہ و میسرہ کی شکل میں صف آرا کیا، اور ایک مضبوط محافظ دستے

---

[1] طبری، جلد ۲، صفحہ ۵۷۶

[2] ایضاً صفحہ ۵۷۶

[3] ایضاً صفحہ ۵۷۷

کے ساتھ اپنی فوج کے قلب کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ میدانِ جنگ کی دوسری طرف عقہّ بھی اپنے لشکر کے قلب کے آگے کھڑا تھا۔ خالدؓ نے ارادہ کر لیا کہ عقہّ کو زندہ گرفتار کیا جائے۔

مسلمانوں کی صف بندی کرتے ہوئے خالدؓ نے میمنہ و میسرہ کے سالاروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ ان کا اشارہ ملنے پر مخالف فوج کے بازوؤں کو برسرِ پیکار لے آئیں۔ لیکن ان پر زیادہ زوردار حملہ نہ کریں۔ بس صرف ایسا کہ مسلمانوں کے قلب کے حملے سے پیشتر دشمن کے میمنہ و میسرہ اپنی جگہ سے ہل نہ پائیں۔ اب خالدؓ نے اشارہ کیا اور مسلمانوں کے میمنہ و میسرہ آگے بڑھ کر مخالف میمنہ و میسرہ سے بھڑ گئے۔ کچھ عرصے تک یہ عمل جاری رہا اور عقہّ حیران رہ گیا کہ مسلمان کا قلب کیوں حملہ نہیں کرتا۔ اتنے میں خالدؓ اور ان کے محافظ سپاہی عقہّ پر ٹوٹ پڑے۔

خالدؓ کے محافظین عقہّ کے پاس کھڑے ہوئے جنگجوؤں سے بھڑ گئے، اور دوسری طرف خالدؓ اور عقہ کا باہمی مقابلہ شروع ہو گیا۔ عقہّ ایک دلیر اور ماہر جنگجو تھا اور اپنے حریف کو دنداں شکن جواب دینے کو تیار۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اس نے اپنے آپ کو مغلوب اور خالدؓ کا اسیر پایا۔ جب عربوں کے قلب کے سپاہ نے اپنے سپہ سالار کو گرفتار ہوتے دیکھا تو کئی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور قلب کے باقی ماندہ سپاہ پلٹ کر میدان سے بھاگ گئے۔ میمنہ و میسرہ نے بھی قلب کی تقلید کی اور عرب فوج اپنے متعدد افسروں کو مسلمانوں کی حراست میں چھوڑ کر بعجلت عین التمّر کی جانب پسپا ہو گئی۔

یہ عرب قلعے میں واپس پہنچے تو انہوں نے فارسیوں کو غائب پایا۔ مہران نے جنگ کے مشاہدے اور اس کی خبر پہنچانے کے لئے کچھ جاسوس مقرر کر دیئے تھے، اور جونہی انہوں نے دیکھا کہ عرب بھاگ رہے ہیں وہ مہران کو مطلع کرنے کو اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوتے اس کے پاس آئے۔ مہران ایک پل ضائع کئے بغیر اپنی فوج کو عین التمّر سے نکال کر اس کے ساتھ مدائن کی

طرف روانہ ہو گیا۔ جب عربوں کو معلوم ہوا کہ فارسی انھیں دغا دے گئے ہیں تو انہوں نے فوراً قلعے میں داخل ہو کر دروازے بند کر لیے! ور مذبذب کیفیت میں محاصرے کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی۔

مسلمانوں نے عین التمر پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ عقہ اور دوسرے قیدیوں کی قلعے کے باہر نمائش کی گئی۔ تاکہ مدافعین قلعہ دیکھ لیں کہ ان کا سپہ سالار اور ان کے ساتھی بے بس قیدی ہیں۔ مدافعین پر اس کا پریشان کن اثر ہوا اور انہوں نے مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کی۔ لیکن خالدؓ نے ان کی یہ پیشکش ٹھکرا کر انھیں کہلا بھیجا کہ ان کی کوئی شرط قبول نہیں کی جائے گی وہ صرف غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ سکتے تھے۔ عرب زعمانے کچھ دیر اس صورتِ حال پر بحث کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو خالدؓ کے حوالے کرنے میں جنگ جاری رکھنے کی بنسبت کم خطرہ تھا، کیونکہ دوسری صورت میں فی الواقعہ زندہ بچ نکلنے کے امکانات کم ہی تھے۔ جولائی ۶۳۳ء کے آخر (جمادی الاول ۱۲ھ کے وسط) میں عین التمر کے مدافعین نے خالدؓ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

خالدؓ کے حکم سے ان تمام عرب سپاہ کے سر قلم کر دیئے گئے جنہوں نے قلعہ عین التمر کا دفاع کیا تھا اور جنہوں نے انبار جانے والی سڑک پر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی۔[1] ان جنگجوؤں میں عرب سردار، عقہ بن ابی عقہ، بھی شامل تھا۔ باقی ماندہ افراد کو قیدی بنا لیا گیا، اور عین التمر کی دولت مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم کر دی گئی۔

عین التمر میں ایک خانقاہ تھی جس میں پادری بننے کی تربیت پانے والے ۴۰ لڑکے تھے جو تقریباً سارے عرب تھے۔ ان سب کو قید کر لیا گیا، اور ان میں نصیر نامی وہ لڑکا بھی تھا جس کے ہاں بعد میں موسیٰ نامی ایک لڑکا ہوا۔ وہی موسیٰ بن نصیر جس نے آئندہ

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۷۷

چل کر شمالی افریقیہ کے مسلمان حاکم اور طارق بن زیاد کو ہسپانیہ پر چڑھائی کو بھیجنے والے شخص کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

چند روز تنظیمی و انتظامی مسائل سلجھانے میں لگانے کے بعد خالدؓ نے حیرا کی طرف لوٹنے کی طرف تیاری کی۔ وہ روانہ ہونے ہی والے تھے کہ ان کے پاس شمالی عرب سے مدد کی درخواست پہنچی۔ اس درخواست پر تھوڑی ہی دیر غور کر کے خالدؓ نے اپنے کوچ کی سمت بدل کر اپنے سپاہ کو ایک نئی منزل مقصود دی ـــــ دومۃ الجندل۔

۲۵

دومۃ الجندل کا دوسرا واقعہ

دومۃ الجندل کا شمار عرب کے عظیم تجارتی شہروں میں ہوتا تھا، اور وہ اپنی منڈی کی دولت اور کاروباری چہل پہل کے باعث دور دور تک مشہور تھا۔ وہ آمد و رفت کا بھی ایک اہم مرکز تھا۔ وسطی عرب، عراق اور شام کے راستے وہیں آکر ملتے تھے۔ ہم اس کتاب کے حصّہ اول میں دیکھ چکے ہیں کہ نبی کریمؐ کی مہم تبوک کے دوران خالدؓ کس طرح دومۃ الجندل آئے تھے اور انہوں نے اس قلعے کے مالک، اُکیدر بن عبدالملک، کو کیسے گرفتار کرلیا تھا۔ اکیدر نے اُس وقت اطاعت قبول کرکے آنحضرتؐ کی وفاداری کا عہد کرلیا تھا۔ لیکن ارتداد کے زمانے میں عمرو بن العاص اور شرحبیل بن حسنہ کی جنگی کارروائیوں کے بعد اس نے اپنا عہد توڑ کر آئندہ کے لئے مدینے سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اب وہ عیسائیوں اور بُت پرستوں کی ایک امارت کا حکمران تھا۔

لگ بھگ اسی وقت جب خالدؓ عراق پر چڑھائی کو یمامہ کی طرف روانہ ہوئے تھے حضرت ابوبکرؓ نے عیاض بن غنم کو دومۃ الجندل پر قبضہ کرنے اور شمالی قبائل کو ایک بار پھر دائرۂ اطاعت میں لانے کے لئے بھیجا تھا۔ خلیفہ کا ارادہ غالباً یہ تھا کہ یہ کام پورا ہو جانے کے بعد وہ عیاض کو خالدؓ کی مدد کے لئے عراق بھیجیں۔ عیاض نے دومۃ الجندل پہنچ کر دیکھا کہ اس علاقے اور شام کی مشرقی سرحد پر آباد عیسائی عربوں کے ایک بڑے قبیلے، کلب کے لوگ اس مقام کے دفاع کے لئے مضبوطی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی فوج کو قلعۂ دومۃ الجندل

کے جنوبی حصے کے سامنے صف آرا کیا۔ اور اب جو صورت حال پیدا ہوئی وہ فوجی نقطۂ نگاہ سے مہمل تھی۔ عیسائی عرب اپنے کو محصور تصور کر رہے تھے، حالانکہ قلعے کے شمال کی طرف کے راستے کھلے ہوئے تھے۔ مسلمان قلعے کے اتنے قریب بھرے ہوئے تھے کہ وہ اس گمان میں رہے کہ وہ ایسے الجھ گئے ہیں کہ اب ہٹ آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ ابتدائی مورخین کی رائے میں دونوں فریق محصور تھے۔ جنگی کارروائیاں زیادہ تر تیر اندازی پر اور محافظین قلعہ کے حملوں پر مشتمل تھیں، جنھیں مسلمان برابر رد کر رہے تھے۔ یہ صورت حال کئی ہفتوں تک بدستور جاری رہی، حتیٰ کہ دونوں فریق تھک گئے اور اس تعطل سے برابر کی کوفت محسوس کرنے لگے۔

چنانچہ ایک روز ایک مسلم افسر نے عیاض سے کہا "بعض حالات میں حکمت ایک بڑی فوج سے زیادہ کارآمد ہوتی ہے۔ خالدؓ کو قاصد بھیج کر ان سے مدد مانگیے۔"[1] عیاض مان گئے۔ انہوں نے دومتہ الجندل کے احوال سے خالدؓ کو آگاہ کرتے ہوئے ان کو ایک خط لکھا اور ان سے مدد مانگی۔ یہ خط خالدؓ کو اس وقت ملا جب وہ عین التمر سے حیرا کی جانب کوچ کرنے ہی والے تھے۔

خالدؓ کو فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ اب عراق کے محاذ کی حالت مستحکم ہو گئی تھی، اور اگر فارسی مدائن سے جوابی حملہ کرنے کی ہمت بھی کرتے تو ان سے نمٹنے کو وہاں خالدؓ کے کئی ہوشیار نائب موجود تھے۔ خالدؓ نے قعقاع کو ایک خط حیرا بھیجا، اور بتلایا کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کو قائم مقام کے فرائض سرانجام دینے ہوں گے اور وہاں کے محاذ کی قیادت کرنی ہوگی۔ عین التمر میں ایک محافظ دستہ چھوڑ کر، وہ اگلے روز کوئی ۶۰۰۰ سپاہ کی فوج کے ساتھ عیاض کی امداد کو دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے آگے آگے عیاض کا قاصد، خالدؓ کا خط لئے، ہوا کے گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ اس خط میں خالدؓ نے منظوم عبارت

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۷۶

میں صرف مندرجہ ذیل باتیں کہی تھیں :

ذرا ٹھہرو کہ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آرہے ہیں

ان پر سوار مجلاً شمشیر لہراتے شیر ہیں

دستے کے دستے صف در صف چلے ہی آرہے ہیں

دومۃ الجندل کے مدافعین کو خالدؓ کی آمد کی خبران کے پہنچنے سے کئی روز پیشتر مل گئی اور قلعے میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ اپنی موجودہ قوت کے ساتھ وہ عیاضؓ کی اسلامی فوج کا تو مقابلہ کر سکتے تھے، لیکن خالدؓ کی فوج کے میدان میں اترنے کے بعد قلعے کو بچانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے بڑی عجلت میں ہمسایہ قبائل کی طرف اپنے قاصد دوڑائے۔ عیسائی عرب قبائل نے اس استمداد کا جرأتمندانہ جواب دیا۔ غسان اور کلب کے متعدد کنبوں کے امدادی دستے مدافعین قلعے کے ساتھ آملے، اور ان میں سے کئی قلعے اندر جگہ کی کمی کی وجہ سے باہر فصیلوں کی آڑ میں خیمہ زن ہو گئے۔ اب عیاضؓ کے لئے معاملہ بہت نازک ہو چلا تھا اور انہوں نے دعا کی کہ خالدؓ جلد پہنچ جائیں۔

عیسائی عرب افواج کی قیادت دو بڑے سرداروں کے ہاتھوں میں تھی۔ ایک جُودی بن ربیعہ اور دوسرا اُکیدر۔ اکیدر ہی ایک ایسا سردار تھا جس کو خالدؓ سے مقابلے کا ذاتی تجربہ تھا، اور وہ اس وقت سے اضطراب میں مبتلا تھا جب سے اس نے عین التمر سے خالدؓ کے کوچ کی خبر سنی تھی۔ جب عیسائی عربوں کے کنبے دومۃ الجندل میں جمع ہو گئے تو اکیدر نے قبائلی سرداروں کا اجلاس کیا۔ "میں خالدؓ کے بارے میں ہر ایک دوسرے شخص سے زیادہ جانتا ہوں۔" اس نے کہا "کوئی آدمی اتنا خوش قسمت نہیں جتنا وہ ہے۔ جنگ میں اس کی ہمسری کوئی نہیں کر سکتا۔ جو قوم بھی جنگ میں خالدؓ کا سامنا کرتی ہے، خواہ وہ طاقتور ہو یا کمزور، شکست کا منہ دیکھتی ہے۔ آپ میری بات مانیں اور

اس سے صلح کرلیں"۔[1]

لیکن سب نے اس کے مشورے کو ٹھکرا کے تہیہ کرلیا کہ وہ خالدؓ کا مقابلہ لڑکر کرینگے۔

اُکیدر کے اوسان مگر اب خطا ہوچکے تھے۔ اس سے اللہ کی تلوار کا دوبارہ سامنا کرتے نہ بن پڑا، اور ایک رات وہ چپکے سے قلعے سے نکل کر اُردن کی طرف چلنے لگا۔ لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ خالدؓ کی فوج بھی عین اُسی موقع پر پہنچ گئی تھی، اور اس کے ایک سوار دستے نے جو عاصم بن عمرو کے تحت تھا، اس مغرور سردار کا راستہ روکا اور اسے گرفتار کرلیا۔

اُکیدر ایک بار پھر خالدؓ کے سامنے حاضر تھا۔ اگرچہ اسے یہ توقع تھی کہ ان کی گزشتہ باہمی جھڑپ کے پرامن اختتام کی یاد میں خالدؓ کے دل میں لطف وکرم کی جوت جگادیگی تو یہ اس کی بھول تھی۔ خالدؓ کے ذہن میں معاملہ بالکل صاف تھا۔ اُکیدر اپنا حلف وفاداری توڑ کر باغی ہوگیا تھا۔ چنانچہ خالدؓ نے اُکیدر کی گردن مارنے کا حکم دیا اور اس سزا کی بلا تاخیر تکمیل کردی گئی۔ یہ تھا انجام کندہ کے شہزادے اور دومۃ الجندل کے والی اُکیدر بن عبدالملک کا۔

اگلے روز خالدؓ نے عیاض کو اپنی قیادت کے تحت رکھ کر ان کی سپاہ کو اپنی فوج میں شامل کرلیا۔ انہوں نے عیاض کے جوانوں کو عرب کی طرف کے راستے کو بند رکھنے کے لئے قلعے کے جنوب میں صف آرا کیا، اپنے لشکر عراق کے کچھ حصے کو عراق اور اردن کے راستوں کی نگرانی کے لئے قلعے کے مشرق، شمال اور مغرب میں کھڑا کیا اور لشکر کا ایک مضبوط اور باقی ماندہ حصّہ بوقت ضرورت استعمال کے لئے پیچھے ہٹائے رکھا۔ خالدؓ کو معلوم تھا کہ فی الحال قلعے کی مدافعت مضبوط تھی، اور موجودہ صورت میں قلعے پر دھاوا بھاری نقصان اٹھائے بغیر نہیں کیا جاسکتا

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۷۸

تھا۔اس لئے انہوں نے طے کیا کہ اس امید میں انتظار کیا جائے کہ مدافعین محاصرے سے تنگ آکر ان سے کھلے میدان میں جنگ کرنے کو باہر نکل آئیں گے۔ اس طرح وہ ان کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکتے تھے، اور ان کا زور ٹوٹ جانے کے بعد قلعے پر بھرپور یلغار کر سکتے تھے۔اس منصوبے کے تحت انہوں نے اپنی افواج کو قلعے سے کچھ دور پیچھے ہٹا کر کھڑا کیا۔

اُکیدر کے چلے جانے کے بعد ساری کی ساری عیسائی عرب فوج جُودی بن ربیعہ کی قیادت کے تحت آگئی۔جُودی منتظر تھا کہ پہلے مسلمان حرکت میں آئیں۔لیکن مسلمان اپنی جگہ سے نہ ہلے۔جب کچھ وقت گزر گیا اور جودی نے دیکھا کہ محاصرین قلعے پر حملہ کرنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کر رہے ہیں تو وہ خالد سے ٹکر لینے کو بیچین ہو گیا۔چنانچہ اس نے محاصرین پر دوز عتد مارنے کا حکم دیا۔ ایک فوجی گروہ کو عرب کے راستے پر متعین عیاض پر حملہ کرنے کو مامور کیا گیا، اور دوسرے کو، جو جودی کے اپنے کنبے و دلیعہ پر مشتمل ایک بڑا گروہ تھا، اور براہِ راست جودی کے ماتحت، قلعے کے شمال میں خالدؓ کے پڑاؤ پر دھاوا کرنے کو۔

عیاض نے ان عربوں کو پیچھے دھکیل دیا جو قلعے سے نکل کر ان پر حملہ آور ہوئے متعدد لاشیں اپنے پیچھے چھوڑ کر ان عربوں نے بعجلت قلعے میں لوٹ کے اس کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ گروہ خوش قسمت تھا۔اسے صرف عیاض بن غنم جیسے ناتجربہ کار سالار اور ایسے جوانوں کا مقابلہ کرنا پڑا جو خالدؓ کے سخت جان نبرد آزماؤں کے پائے کے نہ تھے۔

دوسرا اور نسبتاً بڑا گروہ ۔ جُودی کے تحت برسرِپیکار اور ودلیعہ کا کنبہ ۔ عیاض پر حملہ کرنے والے گروہ کے ساتھ ہی قلعے سے باہر نکل کر سیدھا خالدؓ کی طرف بڑھا، جنہوں نے قلعے سے کچھ فاصلے پر اپنی فوج کو جنگ کے لئے صف آرا کیا۔جب جُودی نے دیکھا کہ خالدؓ کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہو رہی ہے تو اس کی ہمت اور بڑھ گئی۔ اس نے اپنے کنبے کو

جنگ کے لئے مرتب کیا اور خالدؓ پر حملہ کرنے کو آگے بڑھا۔ دونوں فوجیں اب ایکدوسرے کے بہت قریب تھیں اور جودی اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ مسلمانوں کو میدان سے لڑکھڑاتے ہوئے بھگا دے گا۔ اتنے میں خالدؓ نے انتہائی شدت اور تیزی سے جودی پر اچانک حملہ کر دیا۔

حملہ آور عرب ہکا بکا رہ گئے، کہ ان پر یہ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے۔ چند ہی لمحوں میں ان کا شیرازہ ہوا میں پتوں کی طرح بکھر گیا۔ جودی اور اس کے کنبے کے سینکڑوں افراد کو گرفتار کر لیا گیا، اور باقی ماندہ نظم و ربط کھو کر ہڑ بڑا کے قلعے کی طرف بھاگے۔ اب مسلمان ان کا تعاقب ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے ساتھ تھے۔ ان کے درمیان تھے، ان پر ہر طرف چھائے ہوتے تھے۔ اگر قلعے کے دروازے تک پہنچنے والا پہلا شخص عیسائی عرب تھا تو دوسرا مسلمان تھا۔ جو عرب قلعے کے اندر رہ گئے تھے، انہوں نے ایک ایسے ہجوم کا ریلا دروازے کی طرف آتے دیکھا جس میں کم از کم آدھے لوگ مسلمان تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں پر قلعے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور جودی کے ہمراہ جو ودلیعہ کا کنبہ قلعے سے نکلا تھا۔ دروازے کے باہر ہی رہ گیا بسینکڑوں کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ باقی مارے گئے ۔ کچھ پہلی مختصر شدید جھڑپ میں اور کچھ قلعے کے دروازے کے تعاقب اور وہاں پر لڑائی میں۔ اب انہیں بصد تلخی اُکیدر کا مشورہ یاد آیا۔ بیشک خالدؓ ایسا ہی آدمی تھا۔ لیکن پانی سر سے گزر چکا تھا۔

خالدؓ کے منصوبے کے پہلے حصے کی تکمیل ہو گئی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنی فوج قلعے کے بالکل قریب لے آئے تاکہ محصورین دیکھ لیں کہ ان کی جان بچا کر نکل جانے کا کوئی امکان نہیں، اور پھر انہوں نے مدافعین کو ہتھیار ڈال دینے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

خالدؓ نے قلعہ کے پاس اس کے محصورین کے سامنے جودی اور اس کے کنبے کے دوسرے قیدیوں کی نمائش کرائی کہ وہ سب ان کو دیکھ لیں۔ اور پھر مدافعین کی وحشت زدہ نگاہوں کے سامنے جودی اور اس کے ساتھیوں کے سر قلم کر دیئے گئے۔ لیکن اس کارروائی نے، خالدؓ کی توقع کے برعکس، مدافعین دومۃ الجندل کے حوصلے پست کرنے کی بجائے ان کے آخر دم تک لڑنے کے عزم کو پختہ کر دیا۔

دومۃ الجندل کا محاصرہ کئی روز تک بدستور جاری رہا۔ اور پھر ایک روز خالدؓ نے قلعے پر شدید دھاوا کر دیا (جس کی تفصیلات معلوم نہیں ہیں)۔ مدافعین نے اپنے بس بھر کی مزاحمت کی، لیکن خالدؓ کے برتر، جنگ آزمودہ سپاہ کے خلاف ان کے لئے سرے سے کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ قلعے کی فوج کے بیشتر افراد کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا لیکن عورتوں، بچوں اور بہت سے نوجوانوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ یہ اگست ۶۳۳ء کے لگ بھگ آخری ہفتے (جمادی الآخر ۱۲ھ کے وسط) کا واقعہ ہے۔

خالدؓ نے اگلے چند روز دومۃ الجندل کے معاملات سلجھانے میں صرف کئے۔ اس کے بعد وہ عیاض کو ایک ماتحت سالار کے طور پر ساتھ لے کر حیرا کی طرف چل دیئے۔ واپس پہنچنے پر وہ عراق میں ایک قدرے بدلی ہوئی صورت حال سے دوچار ہونے والے تھے، چونکہ فارسی پھر جنگ کے لئے تیار ہو رہے تھے۔

۲۶

مخالفت کا آخری محاذ

خالدؓ کو عین التمر سے گئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ان کی روانگی کی خبر دربارِ فارس پہنچ گئی، اور وہاں یہ سمجھ لیا گیا کہ خالدؓ اپنی فوج کے بیشتر حصے کے ہمراہ واپس عرب چلے گئے ہیں۔ تب مدائن نے اطمینان کا سانس لیا۔ چند روز میں دلجمعی کی کیفیت گزر گئی اور اس کی جگہ ایک برافروختہ خواہش نے لے لی کہ مسلمانوں کو ان کے صحرا میں واپس دھکیل دیا جائے اور شہنشاہی کے کھوئے ہوئے علاقوں اور وقار کو بحال کر لیا جائے۔ ایرانیوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ خالدؓ سے تو دوبارہ لڑائی مول نہ لیں گے، لیکن ان کی غیر موجودگی میں وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بالکل آمادہ تھے۔

بہمن نے تیاری شروع کر دی۔ اب تک اس نے ایک نئی فوج منظم کر لی تھی، جس کا کچھ حصہ پسماندگانِ الیس پر مشتمل تھا، کچھ شہنشاہی فارس کے دیگر علاقوں کی دفاعی افواج کے چیدہ نبرد آزماؤں پر اور نئے رنگروٹوں پر۔ یہ فوج اب جنگ کے لئے تیار تھی۔ لیکن اپنے متعدد اناڑی رنگروٹوں کی وجہ سے یہ فوج ان افواج کی ہم پلہ نہیں تھی جو فرات کے جنوب میں خالدؓ کے خلاف لڑ چکی تھیں۔ بہمن نے فیصلہ کیا کہ اس فوج کو اس وقت تک جنگ سے ہمکنار نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی قوت ان عیسائی عربوں کی بھاری افواج کی شمولیت سے نہیں بڑھا دی جاتی جو بدستور شہنشاہی کے وفادار تھے۔ چنانچہ اس نے ان عربوں کے ساتھ معاملات طے کرنے کے لئے بات چیت شروع کی۔

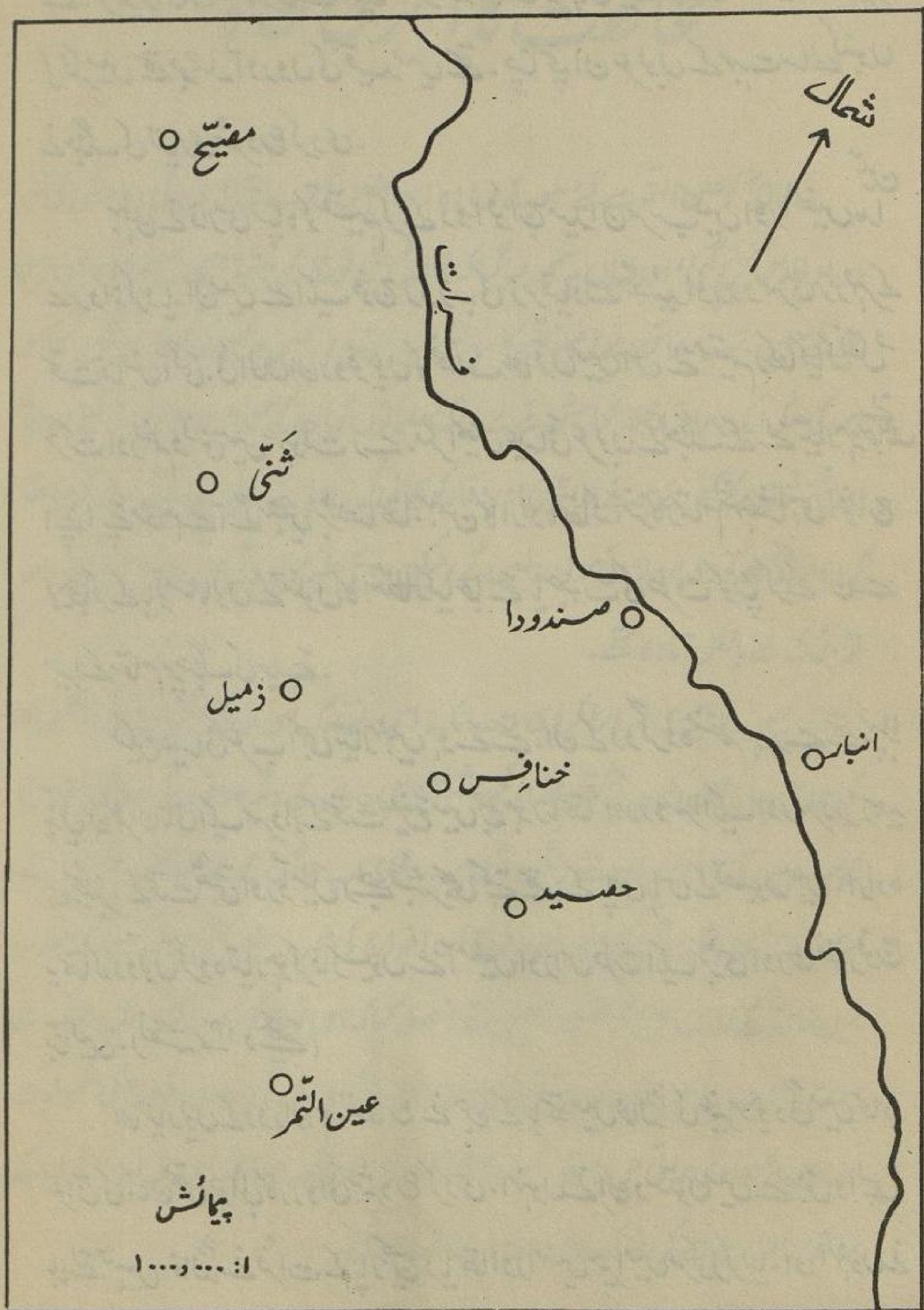
عیسائی عربوں نے دربار فارس کی تجاویز کا شوق اور سرگرمی سے خیر مقدم کیا۔ عین التمرّ کی شکست کے علاوہ یہ مشتعل عرب اپنے بڑے سردار عقّہ کے قتل کا انتقام لینے کو بیقرار تھے۔ مزید براں وہ مسلمانوں سے اپنے مقبوضہ علاقے واپس لینے اور ان ساتھیوں کو چھڑانے کی فکر میں تھے جو حملہ آوروں کی قید میں تھے۔ چنانچہ ان عربوں کے بہت سارے کنبوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

بہمن نے فارسی سپاہ کو تقسیم کر کے دو افواجِ میدان مرتب کیں اور انھیں مدائن سے روانہ کر دیا۔ ان میں سے ایک فوج روزبہ کی زیرِ قیادت حُصَید اور دوسری زرمہر کے تحت خنافس آگئی۔ فی الحال ان دو فوجوں کو مختلف علاقوں میں اس لئے مقیم رکھا گیا کہ نقل و حرکت اور نظم و نسق میں سہولت رہے۔ مگر انھیں عیسائی عربوں کے جنگ کے لئے تیار ہو جانے تک اپنے اپنے مقام سے آگے نہیں بڑھنا تھا۔ بہمن کا ارادہ تھا کہ آخر کار تمام شہنشاہی افواج کو یکجا کر کے یا تو مسلمانوں کے حملوں کا انتظار کیا جائے یا جنوب کی طرف کوچ کر کے ان سے حیرا کے مقام پر جنگ کی جائے۔

لیکن عیسائی عرب ابھی تیار نہیں ہوئے تھے۔ ان کے دو گروہ منظم ہو رہے تھے پہلا ہُذَیل بن عمران نامی ایک سردار کے تحت مُصَیَّخ میں جمع ہو رہا تھا' اور دوسرا ایک اور سردار' ربیعہ بن بُجَیر' کے تحت ثَنِیّ اور زُمَیل (جسے بِشر بھی کہتے تھے) کے پاس پاس کے قصبوں میں۔ ارادہ یہ تھا کہ دونوں گروہ تیار ہو کر فارسیوں سے آملیں اور اس طرح ایک بڑی اور طاقتور فوج بنا لیں۔ (نقشہ نمبر ۱۴ دیکھئے)

ان تیاریوں کے دوران ہی قعقاع نے جن کے ہاتھ میں خالدؓ کی غیر موجودگی میں محاذِ عراق کی کمان تھی جوابی کارروائی شروع کر دی۔ انہوں نے اِن دستوں میں سے بعض واپس بلا لئے جنہیں خالدؓ نے فرات کے پار بھیج دیا تھا اور انہیں حیرا میں مرکوز کر لیا۔ اور انہوں نے

نقشہ نمبر ۱۴ آخری محاذ



دو دستے آگے بھیجے۔ ایک کو حُصید کی طرف اور دوسرے کو خنافس کی طرف۔ ان دستوں کے سالاران کو حکم دیا گیا کہ وہ ان مقامات پر موجود فارسی فوجوں سے رابطہ قائم رکھیں اور اگر وہ آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو ان کی پیش قدمی میں خلل ڈالیں اور قعقاع کو فارسی فوجوں کی قوت اور نقل و حرکت سے باخبر رکھیں۔ یہ دستے اپنی اپنی منزل کے قریب پہنچ کر فارسیوں کے قریب آ کر رک گئے۔ اس اثنا میں قعقاع نے باقی ماندہ فوج کو میدان میں اترنے کے لئے تیار رکھا۔

٭

حالات کی یہ شکل تھی جس سے خالدؓ ستمبر ۶۳۳ء کے چوتھے ہفتے (رجب ۱۲ھ کے وسط) میں حیرا پہنچ کر دوچار ہوتے۔ یہ صورت حال خطرناک حیثیت اختیار کر سکتی تھی، لیکن صرف اگر چاروں شہنشاہی قوتیں یکجا ہونے میں کامیاب ہو کر ایک ساتھ حیرا پر چڑھائی کر دیتیں۔ لائحہ عمل مسلمان چاہے جو اختیار کرتے اس کے لئے دو حکمت حرب کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری تھا: (۱) شہنشاہی قوتوں کا مل کر ایک بھاری، ناقابل تسخیر فوج بننے کا تدارک اور (ب) ایک محاذ پر حیرا کی دشمن سے ایسے وقت میں حفاظت جب کہ دوسرے محاذ پر مسلمان دشمن سے برسرپیکار ہوں۔

خالدؓ نے معرکے کو جس طرح انجام دینے کا فیصلہ کیا وہ اب ان کا مخصوص انداز بن چکا تھا۔ انہوں نے طے کیا کہ حملے میں پہل کر کے ہر شہنشاہی قوت کا اس کی اپنی جگہ پر الگ الگ خاتمہ کر دیا جائے۔ اس حکمت حرب کو ذہن میں رکھتے ہوئے، انہوں نے حیرا کی مسلمان فوج کو دو جیوش میں تقسیم کیا، جن میں سے ایک جیش کا سالار انہوں نے قعقاع کو بنایا اور دوسرے کا ابولیلیٰ کو۔ خالدؓ نے ان دونوں کو عین التمر بھیجا، جہاں وہ خود ان سے کچھ عرصے میں، دومۃ الجندل میں لڑنے والے سپاہ کے آرام کر چکنے کے بعد آ ملنے والے تھے۔

چند روز میں، سوائے ایک مختصر محافظ دستے کے جسے عیاض بن غنم کے تحت حیرا کی نگہبانی پر مامور کردیا گیا تھا، تمام مسلم فوج عین التمؔر پر مرکوز ہوگئی۔ اب کل فوج کو تین جیوش میں تقسیم کردیا گیا، جن میں سے ہر ایک جیش لگ بھگ پانچ پانچ ہزار سپاہ پر مشتمل تھا، اور جن میں سے ایک جیش کو بوقت ضرورت استعمال کے لئے بطور السداد الگ رکھا گیا اس کے بعد خالدؓ نے قعقاع کو حصید اور ابولیلیٰ کو خنافس اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ وہ وہاں کی فارسی فوجوں کو تباہ کردیں۔ ان دو سپہ سالاروں کو اپنی اپنی منزل پر پہنچ کر ان دستوں کو بھی اپنی قیادت کے تحت لے لینا تھا جو ان کے محاذوں پر پہلے ہی سے متعیّن تھیں۔ خالدؓ چاہتے تھے کہ دونوں فارسی فوجوں سے بیک وقت اور بسرعت جنگ کی جائے، تاکہ ایک کا قلع قمع ہونے میں دوسری بھی بھاگ نہ سکے۔ لیکن یہ بات نہ بن پائی، کیونکہ خنافس کی مسافت حصید کی مسافت سے زیادہ لمبی تھی اور ابولیلیٰ اپنے سپاہ کو اپنی تیزی سے آگے نہ بڑھا سکے کہ اس فرق کا ازالہ ہوجاتا۔ اس اثناء میں خالدؓ ثنیّ اور ذُمیل سے حیرا کی جانب سے کسی بھی جارحانہ حرکت کا سدّباب کرنے کو اپنے السدادی جیش کے ساتھ عین التمؔر ہی میں مقیم رہے۔

قعقاع نے حصید کی طرف کوچ کیا اور اس کے پیچھے پیچھے ابولیلیٰ خنافس جانے کو عین التمؔر سے نکلے، دونوں اپنی اپنی منزل کی طرف علیحدہ علیحدہ راہوں پر گامزن ہوتے۔ جب قعقاع حصید کے قریب پہنچے تو اس مقام پر متعین فارسی سپہ سالار رُوزبہ نے خنافس کے فارسی سپہ سالار زرمہر کو مدد کی درخواست بھیجی۔ زرمہر نے مگر اپنی فوج کو حصید نہ بھیجا، کیونکہ اس کو خنافس سے فوج ہٹانے کے لئے بہمن کی اجازت ضرورت تھی۔ تاہم حُصید کے حالات کا اپنی آنکھوں سے جائزہ لینے کو وہ خود خنافس سے چل پڑا، اور ایسے وقت سے وہاں پہنچا کہ وہ جنگ حصید میں شریک ہولیا جو اکتوبر ۶۳۳ء کے لگ بھگ وسط شعبان ۱۲ھ

کے پہلے ہفتے) میں لڑی گئی۔

قعقاع نے حصید پہنچتے ہی اپنے جیش کی صف بندی کی اور فارسی فوج پر، جو تعداد میں کہیں زیادہ تھی ہلہ بول دیا۔ روزبہ قعقاع کے ہاتھوں مارا گیا۔ زرمہر کو بھی اس کی دعوت مبارزت قبول کرتے ہوئے ایک مسلمان افسر نے قتل کر دیا۔ فارسی سپاہ میں جرأت کی کمی نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود قعقاع نے انہیں بری طرح ہرا کے میدانِ جنگ سے بھگا دیا۔ اپنے پیچھے بے شمار لاشیں چھوڑتے ہوئے فارسی بعجلت خنافس کی طرف پسپا ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر وہ دوسری فارسی فوج میں شامل ہو گئے جس کی قیادت اب مہبوذان نامی ایک اور سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی۔

حصید کے پس ماندہ فارسی سپاہ ابولیلیٰ کے جیش کی آمد سے ذرا ہی دیر پہلے خنافس پہنچے۔ مسلمانوں کی آمد کی خبر پہلے ہی خنافس پہنچ چکی تھی۔ ایک سمجھدار سپہ سالار ہوتے ہوئے مہبوذان نے حصید کی شکست سے صحیح سبق لے کر فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے بچا جائے۔ خنافس سے فوراً روانہ ہو کر وہ مصیخ آیا۔ اور وہاں ہذیل بن عمران کی قیادت کے تحت جمع ہونے والی عرب فوج کے ساتھ مل گیا۔ چنانچہ جب ابولیلیٰ خنافس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ فارسی وہاں سے جا چکے ہیں۔ انہوں نے خنافس پر قبضہ کر لیا اور خالدؓ کو فارسیوں کی مصیخ کی طرف روانگی کی اطلاع بھیج دی۔

٭

عین التمر میں خالدؓ کو پہلے جنگ حصید میں فارسیوں کی شکست کی اطلاع ملی اور پھر یہ خبر کہ دوسری فارسی فوج پہلی فوج کے پس ماندہ سپاہ سمیت، خنافس سے مصیخ چلی گئی ہے۔ فارسی فوج کی اس حرکت نے مدائن کو غیر محفوظ اور حملے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ اگرچہ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ مقامی دفاع کے لئے وہاں ایک

محافظ دستہ ضرور ہوگا۔ اب مُضیح میں شہنشاہی افواج کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ دوسری طرف ثنیؔ اور زُمیل کے مقامات پر عربوں کے اجتماع اب حیرا کے لئے تشویشناک نہیں رہ گئے تھے۔ کیونکہ حصید اور خنافس کی فارسی فوجوں کی شکستوں کے مدِنظر عربوں کا جارحانہ مقاصد کے ساتھ اپنے اپنے پڑاؤ سے نکلنے کا کوئی خاص احتمال نہ تھا۔ اب خالدؓ کو تین ہدوف میں سے ایک کو منتخب کرنا تھا: دارالسلطنت یا مُضیح کی شہنشاہی فوج یا ثنیؔ اور زُمیل میں جمع عرب سپاہ۔ انہوں نے مدائن پر حملے کے امکان کا جائزہ لیا، لیکن اسے دو وجوہ کی بنا پر مسترد کر دیا۔ پہلی وجہ، بقول طبری، یہ تھی کہ مدائن پر حملہ کرنے کی صورت میں انہیں خلیفہ کی ناراضگی کا اندیشہ تھا۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ یہ نہیں چاہتے تھے۔ دوسری خالصتاً فوجی اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ مدائن تک بڑھ جانے سے وہ اپنے پہلو اور عقب کو مُضیح کی طاقتور افواج کی طرف سے خطرے میں ڈال دیتے۔ یہ افواج پھر یا تو پیچھے سے اس وقت ان پر حملہ کر سکتی تھیں جب کہ وہ مدائن سے بھڑے ہوئے ہوں یا پیش قدمی کر کے اور حیرا میں ان کے جنگی اڈے پر قابض ہو کے صحرائے عرب کے ساتھ ان کے مواصلات کو منقطع کر سکتی تھیں۔

باقی دو امکانات میں سے خالدؓ نے مُضیح کو اپنا ہدف منتخب کیا۔ دوسرا ہدف نسبتاً چھوٹا تھا اور اس سے بعد میں بآسانی نمٹا جا سکتا تھا۔ خالدؓ کے جاسوس اس وقت تک مُضیح میں شہنشاہی پڑاؤ کا صحیح محل وقوع معلوم کر چکے تھے، اور اس ہدف سے نمٹنے کے لئے خالدؓ نے ایک ایسی جنگی چال مرتب کی جس پر تاریخ میں شاذ ہی عمل کیا گیا ہے اور جس کے دوران نظم وضبط برقرار رکھنا بے حد مشکل ہے۔ تین سمتوں سے بیک وقت رات کے اندھیرے میں حملہ۔

[1] عراق میں خالدؓ کے جنگی فرائض کے لئے ضمیمہ ب کی تشریح ۵ دیکھئے۔

خالدؓ نے پہلے کوچ کے لئے ہدایات جاری کیں۔ تینوں اسلامی حبیش حُصید، خنافس اور عین التمر میں اپنے اپنے مقام سے نکل کے فرات اور ثَنّیٰ و ذُمیل کی سرحد کے درمیان خالدؓ کے متعین کردہ الگ الگ راستوں پر کوچ کریں۔ اور ایک مقررہ رات کے معیّنہ وقت پر مُصَیّخ سے چند میل دور واقع ایک مقام پر باہم مل جائیں۔ اس نقل وحرکت کو ہدایات کے مطابق انجام دیا گیا اور تینوں جیوش مقررہ مقام پر جمع ہو گئے۔ یہاں خالدؓ نے حملے کے لئے احکامات جاری کئے۔ انہوں نے وقت کا اور ان تین سمتوں کا تعیّن کیا جن سے تینوں جیوش کو بے خبر دشمن پر حملہ کرنا تھا۔ وہ اپنی فوج کو نپے تلے انضباط کی ایک بڑی کٹھن آزمائش میں ڈال رہے تھے۔ صرف ایک نہایت کارگر جنگی مشین ہی رات کے اندھیرے میں ایک ایسی چال انجام کو پہنچا سکتی تھی جس کی کامیابی وقت کی بڑی نازک پابندی پر مبنی تھی۔

چنانچہ اس جنگی چال کو پروان چڑھایا گیا۔ فارسی اور عرب سکون کی نیند سو رہے تھے۔ کیونکہ آخری اطلاعات کے مطابق اسلامی جیوش خاصے دور خیمہ زن تھے اور بظاہر اچانک حملے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ ان فارسیوں اور عربوں کی مُصَیّخ میں یہ آخری رات ثابت ہوئی۔ شہنشاہی فوج کو حملے کا صرف اس وقت پتا چلا جب مسلمان جنگجوؤں کے تین گرجتے ہوئے ہجوم اس کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑے۔

رات کی افراتفری اور لمحے کی بدحواسی میں شہنشاہی فوج اپنے قدم بالکل نہ جما پائی۔ جب فارسی سپاہ ایک مسلم حبیش سے بھاگ کر دوسرے سے ٹکرانے لگے تو ان کے پڑاؤ پر دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ہزاروں فارسی اور عرب سپاہ مارے گئے۔ مسلمانوں نے حملہ اس ارادے کے ساتھ کیا کہ اس فوج کا ایسا ہی مکمل خاتمہ کر دیا جائے جیسا کہ انہوں نے ولجہ میں اندرزغر کی فوج کا کر دیا تھا۔ لیکن رات کا وہی اندھیرا جس نے مسلمانوں کے

ناگہاں حملے کو چھپائے رکھا۔ فارسیوں اور عربوں کی ایک بڑی تعداد کے بھاگ نکلنے میں بھی ممد ثابت ہوا۔

جب آفتاب افق مشرق پر طلوع ہوا تو شہنشاہی فوج کا ایک بھی زندہ جنگجو مُضیّح میں باقی نہ رہ گیا تھا۔ ہمیں فارسی سپہ سالار مہبوذان کے انجام کا تو علم نہیں لیکن عرب سپہ سالار ہذیل بن عمران اپنی جان بچا لے گیا اور اس عرب فوج سے جا ملا جو ذُمَیل کے مقام پر خیمہ زن تھی۔

یہ معرکہ نومبر ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے (شعبان ۱۲ھ کے چوتھے ہفتے) میں ہوا۔ خالدؓ کی چال کارگر نکلی اور ان کے مجموعی حملے کے معینہ اوقات کا ربط کامل ثابت ہوا۔

مُضیّح کے مقام پر ہلاک ہونے والے عربوں میں دو مسلمان تھے۔ یہ دونوں عراق پر چڑھائی سے ذرا ہی پہلے مدینہ آئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ سے مل کے اور اسلام قبول کر کے پھر اپنے ہم قبیلہ عیسائیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو واپس لوٹ آئے تھے۔ جب خالدؓ کی فوج کے ہاتھوں ان دو مسلمانوں کے قتل کی اطلاع مدینے پہنچی تو حضرت عمرؓ خلیفہ کے پاس آئے اور انہوں نے اس کی غصّے میں مذمت خالدؓ کی سفاکی کا نتیجہ کہہ کر کی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کی بات یہ کہہ کر رد کر دی کہ "جو لوگ کفّار کے درمیان رہتے ہیں ان کے ساتھ ایسا ہو ہی جاتا ہے"۔[۵] تاہم انہوں نے حکم دیا کہ ان مسلمانوں کے ورثاء کو قصاص ادا کر دیا جائے۔ جہاں تک خالدؓ کا تعلق تھا خلیفہ نے اپنے وہ الفاظ دہرائے جو اب مشہور ہو چکے تھے: "میں اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈالوں گا جسے اللہ نے کفّار کے خلاف بے نیام کیا ہے"۔

❁

---

[۵] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۸۱

مُضیّح سے خالدؓ نے ثنّیّ اور زُمیّل کا رُخ کیا۔ چونکہ ثنّیّ نسبتاً زیادہ قریب تھا، وہ پہلا ہدف قرار پایا۔ اور خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ یہاں مُضیّح کی جنگی چال دہرائی جائے۔ ان کی فوج پہلے کی طرح اس بار بھی تین جیوش میں منقسم ہو کر اپنی کارروائی کرنے والی تھی۔ ان جیوش کو مُضیّح سے الگ الگ راستوں پر سفر کر کے پہلے سے طے شدہ ایک رات کو معیّنہ وقت پر تین اطراف سے ثنّیّ پر حملہ کرنا تھا۔ خالدؓ بن ولید مضیّح سے ثنّیّ کے سیدھے راستے پر آگے بڑھے اور دوسرے جیوش ان کے دائیں بائیں ان سے کافی فاصلہ چھوڑ کر بڑھے۔ مقررہ شب کو معیّنہ وقت پر ــــ نومبر ۶۳۳ء کے دوسرے ہفتے (رمضان ۱۲ھ کے پہلے ہفتے) کے دوران ــــ یہ تینوں جیوش ثنّیّ میں عربوں کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑے۔ اس مرتبہ نسبتاً اور بھی کم عرب زندہ بچ پائے۔ عورتوں، بچوں اور کئی نوجوانوں کو تہ تیغ کرنے کی بجائے قیدی بنا لیا گیا۔ عرب سپہ سالار ربیعہ بن بُجیر بھی مارا گیا، اور اس کی خوبصورت بیٹی گرفتار کر لی گئی۔ لیکن اسے خالدؓ نے اپنے لئے نہیں رکھا۔ اسے مدینے بھیج دیا گیا، اور وہاں حضرت علیؓ نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔[1]

خالدؓ اپنی فوج کے ساتھ جنگی چالیں اب ایسی سہولت سے انجام دے رہے تھے جیسے کوئی شطرنج کی بساط پر مہروں کی چالیں چل رہا ہو۔ انہوں نے ثنّیّ پر حملے کے دو تین رات بعد زُمیّل کا بھی وہی حشر کیا۔ خالدؓ کے تینوں جیوش اس مقام پر بھی مختلف سمتوں سے حملہ آور ہوئے، اور مُضیّح اور ثنّیّ پر جو زلزلہ نازل ہوا تھا اُس نے زُمیّل کے عربوں کا بھی صفایا کر دیا۔[2]

۱؎ طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۸۲

۲؎ ان چار میدانوں کے محل وقوع کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وضاحت کے لئے ضمیمہ ب کی تشریح ۷ دیکھئے۔

جب خالدؓ نے زمیل سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت اور اسیروں کے معاملات طے کر لئے تو انہوں نے رضاب کی طرف قدم اٹھائے۔ جہاں عقہؓ کا بیٹا ہلال، اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کو اور کنبے اکٹھا کر رہا تھا۔ لیکن جب مسلمان رضاب پہنچے تو وہاں ان کو ایک آدمی تک نہ ملا۔ آخر وقت میں یہ فیصلہ کر کے کہ مزید مزاحمت سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ یہاں کے عرب صحرا میں بکھر کے غائب ہو گئے تھے۔

خالدؓ اب اطمینان سے بیٹھ کر اپنی فتوحات کی خوشیاں منا سکتے تھے۔ انہوں نے مہینہ بھر سے کم عرصے میں بھاری شہنشاہی افواج کو چار علیحدہ معرکوں میں، جن کی کارروائی کوئی سو میل لمبے علاقے میں انجام پائی، تہس نہس کر دیا تھا۔ یہ وہ اس طرح کر سکے کہ انہوں نے اپنی سوار فوج کی اشد سبک روائی کا پورا فائدہ اٹھایا، جسارت سے کام لے کر کامیاب گھات لگائے اور شدید جارحانہ اقدام کئے۔ وہ اس فرض کو پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے تھے جو خلیفہ نے انہیں سونپا تھا۔ اب ایسی کوئی مخالفت نہ رہ گئی تھی جس کی وہ بیخ کنی کرتے۔ فارسیوں نے خالدؓ کی عین التمرؓ سے روانگی کی خبر سن کر شہنشاہی دارالحکومت سے نکلنے کی جسارت کی۔ لیکن خالدؓ نے پلٹ کر انہیں دوبارہ کچل دیا تھا۔ چنانچہ مدائین پھر اپنے خول میں بند ہو گیا۔

☆

خالدؓ نے دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے میں کئی حملے کروائے، اور اس طرح ایسی جگہیں جن کو اب تک جنگ کے تشدد کا تجربہ نہ ہوا تھا مسلم رسالوں کے سموں کی ٹاپ اور اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی تھیں۔ لیکن عراق کے بیکس عوام کو کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کی آمد کو باعث خیر و برکت سمجھا، کیونکہ

وہ اپنے ساتھ ایسا امن و امان اور استحکام لائے جو نوشیروانِ عادل کے سنہرے زمانے کے بعد ان کو اب تک دیکھنے کو نہ ملا تھا۔

لیکن اطمینان سے بیٹھ رہنا اور آرام کرنا خالدؓ کی افتادِ طبع کے خلاف تھا۔ ماضی کی کامیابیوں پر قانع نہ رہ کے ہر آن تازہ بتازہ عظمت کی آرزو کرنا اور دور کے افق تک پہنچنے کی کاوش کرنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ چونکہ فارسیوں کا صدر مقام تو اور فوجیں بھیج کر ان کی جنگ کی پیاس بجھانے کو تیار نہ معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے خالدؓ کو یہ یاد کر کے بہت خوشی ہوئی کہ ایک قلعے کی طاقتور فارسی فوج ابھی فرات کے کنارے فراض کے مقام پر موجود ہے۔ فراض موجودہ البوکمال کے قریب واقع تھا (کتاب کی جلد کے اندر کا نقشہ دیکھئے)، اور فارس اور مشرقی روما کی سلطنتوں کے درمیان کی سرحد کی نشان دہی کرتا تھا۔ مدائن کے مغرب میں فارسیوں کی یہی ایک قلعے کی فوج رہ گئی تھی اور چونکہ خالدؓ کو خلیفہ کی طرف سے ہدایت تھی کہ "فارسیوں سے جنگ کرو"۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس فوج کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔ انہوں نے فراض کی طرف کوچ کیا۔ دسمبر ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے (رمضان ۱۲ھ کے آخر) میں خالدؓ فراض پہنچے تو ان کا واسطہ یہاں دو محافظ فوجوں سے پڑا۔ ایک ایرانی اور ایک رومی۔ یہ دو فوجیں جو ایسی سلطنتوں کی نمائندگی کرتی تھیں جو گزشتہ دو عشروں کے دوران ایک دوسرے کے خلاف ایک طویل مہنگی جنگ میں جٹی رہی تھیں، اب مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی خاطر متحد ہو گئیں اور اس مقصد کے لئے عیسائی عربوں کے متعدد مقامی کنبے بھی ان کے ساتھ مل گئے۔

چھ ہفتوں سے زیادہ مدت تک کچھ نہ ہوا۔ دونوں لشکر دریائے فرات کے آر پار ۔۔ مسلمان جنوبی کنارے پر اور رومی اور فارسی شمالی کنارے پر ۔۔ کھڑے ایک دوسرے کو گھورتے رہے، چونکہ دونوں میں سے کوئی بھی فریق دریا کو عبور کرنے کو

آمادہ نہ تھا۔ بالآخر، ۳۱ جنوری ۶۳۴ء (۱۵ ذی قعدہ ۱۲ھ)، کو خالدؓ اتحادیوں کے دریا کے پار اپنی طرف پھسلا لانے میں کامیاب ہو گئے، اور وہ ابھی دریا کو عبور کر ہی پائے تھے کہ خالدؓ نے اپنے حسب معمول پھرتی اور شدت کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے کہ باقی جان بچا کے بھاگے ان کے ہزاروں اور مارے گئے۔

یہ نہ تو کوئی بڑی جنگ تھی اور نہ فیصلہ کن۔ اور بعض ابتدائی مورخین کے بیان کے برخلاف دشمن فوج بھی بہت بڑی نہ تھی۔ کوئی بھی ہوشمند حکمت حرب سے واقف فارسی فراض جیسے پُرامن سرحدی قصبے میں ایسے وقت میں کوئی بھاری فوج نہ رکھتا جب وسطی اور مغربی عراق ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا اور خود مدائن کو بھی خطرہ درپیش تھا۔ اس معرکے کی اہمیت صرف اس امر میں تھی کہ ایک تابناک مہم کا آخری مرحلہ تھا۔

خالدؓ نے اگلے دس دن فراض ہی میں گزارے۔ اور پھر، ۳۱ جنوری ۶۳۴ء کو مسلم فوج فراض کو چھوڑ کے حیرا کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کوچ کے لئے فوج کو ایک ہراول دستے ایک مرکزی حصے، اور ایک عقبی دستے کی صورت میں مرتب کیا گیا۔ اور خالدؓ نے اپنے بارے میں مشہور کرا دیا کہ وہ فوج کے عقبی دستے کے ہمراہ سفر کریں گے۔ لیکن جب عقبی دستہ قطار در قطار فراض سے باہر نکلنے لگا تو خالد اور ان کے چند گہرے دوست دستے سے الگ ہو کر اکیلے جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے مکہ کی طرف رخ کیا تھا، جہاں وہ کوئی دو ہفتوں میں ہونے والے حج میں شریک ہونے جا رہے تھے۔ یہ ایک پرامن مہم تقریباً ایک کلول تھی!

خالدؓ نے واقعتہً کونسا راستہ اختیار کیا معلوم نہیں۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ایک ایسے بے راہ و نشان ویرانے کو طے کیا جو دشوار اور بے فیض تھا جس کو کوئی راہبر نہ جانتے تھے اور جس میں داخل ہونے کی ہمت راہزنوں کو بھی

نہ ہوتی تھی۔[1] لیکن انہوں نے اپنی منزل پالی۔ مکے پہنچ کر اور گمنام رہ کر فریضۂ حج ادا کیا، تاکہ انہیں کوئی پہچان نہ لے، اور اس کے بعد وہ اندھا دھند سفر کر کے عراق پہنچے۔ خالدؓ اور ان کے جوشیلے اور مہم جو ساتھیوں نے کس رفتار سے یہ مسافت طے کی، اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلم فوج کا عقبی دستہ ابھی حیرا میں داخل نہیں ہوا تھا کہ خالدؓ دوبارہ اس کے ساتھ آملے۔ اور وہ اس عقبی دستے کے ہمراہ حیرا میں اس طرح داخل ہوئے گویا وہ تمام وقت اس کے ساتھ ہی رہے تھے! صرف عقبی دستے کا سالار ہی اصل راز سے واقف تھا۔ تاہم مسلم سپاہ کو یہ حیرت ضرور ہوئی کہ خالدؓ اور دوسرے لوگوں نے اپنے سر کیوں منڈوا رکھے ہیں۔[2]

اس واقعے کے تھوڑے ہی عرصے بعد خالدؓ ایک اور مہم سر کرنے کو چل دیئے۔ امن و سکون کی زندگی سے اکتا کر، جس کا اب عراق میں دور دورہ تھا، انہوں نے سوچا کہ مدائن کے نزدیک کے ایک علاقے میں چھاپہ مارنے کے لئے وہ ایک جتھے کی بذاتِ خود قیادت کریں۔ چنانچہ انہوں نے مثنیٰؓ کے ساتھ بغداد کے دولتمند بازار پر چھاپہ مارا اور مالِ غنیمت سے لدے ہوئے لوٹے۔

اگر خالدؓ کو واقعی یہ توقع تھی کہ انہیں مکے میں کوئی نہ پہچانے گا، تو یہ ان کی بھول تھی۔ وہ بغداد پر چھاپہ مار کر واپس پہنچے ہی تھے کہ انہیں حضرت ابوبکرؓ کا ایک خط ملا، جس میں انہیں تنبیہہ کی گئی کہ "آئندہ ایسا نہ کرنا!" اس تنبیہہ کے ساتھ ساتھ انہیں ایک اور عظیم فرض بھی سونپا گیا — شام کی طرف پیش قدمی۔ مہم عراق ختم ہو گئی تھی۔[3]

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۸۳

[2] مسلمان فریضۂ حج ادا کرتے وقت بطور سنت اپنے سر منڈوایا کرتے ہیں۔

[3] اس مہم کے معرکوں کی اوقات کی وضاحت کے لئے ضمیمہ ب کی تشریح ۲ دیکھئے۔

عراق پر چڑھائی کو بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ وہاں مسلمانوں نے ایسی فارسی افواج کے خلاف جو تعداد میں ان کی فوج سے کہیں زیادہ تھیں، متعدد خونریز جنگیں لڑیں۔ اور نہ صرف ہر جنگ جیتی بلکہ فارسیوں اور ان کے عرب حامیوں کو تباہ کن شکستیں دیں۔ اور یاد رہے کہ فارسی لشکر اپنے وقت کا سب سے مہلک جنگی آلہ تھا۔

اس مہم میں خالدؓ نے جس حکمت حرب پر عمل کیا۔ اور جس سے وہ کبھی نہ ہٹے وہ یہ تھی کہ تمام جنگیں صحرا کے قریب رہ کر ایسے لڑی جائیں کہ اگر انہیں پیچھے ہٹنا پڑ جائے تو صحرا کی سمت کے راستے ان کے لئے کھلے رہیں۔ صحرا صرف ایک ایسی جائے پناہ ہی نہ تھی کہ جس میں فارسی داخل ہونے کو تیار نہ تھے۔ بلکہ آزاد اور شتاب حرکت کا ایک ایسا خطّہ بھی جہاں وہ روانی اور پھرتی سے اپنی مرضی کی کسی بھی منزل کو پہنچ سکتے تھے۔ چنانچہ خالدؓ عراق کی حدود میں دور تک صرف اس وقت داخل ہونے لگے جب فارسی لشکر ان کی صحرا کی راہوں کو خطرے میں ڈالنے کی بساط کھو چکا تھا۔

فارسی حکمت حرب پر شاہی سرحدوں کے دفاع کی سیاسی ضرورت اثر انداز تھی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کی مرضی کے مطابق صحرا اور آبادی کے درمیان کی سرحدوں پر جنگیں لڑیں۔ لیکن اس سیاسی پابندی کے حلقے میں انہوں نے جنگ کی یہ صحیح راہ اختیار کی کہ انہوں نے بھاری لشکر جمع کرنے کے منصوبے بنائے۔ قارن کو ہرمز کے ساتھ، بہمن کو اندرزغر کے ساتھ، اور روزبہ اور زرمہر کو مُضیّح اور ثنّی ذُومیل میں مقیم عرب سپاہ کے ساتھ جا ملنا چاہیئے تھا۔ اگر فوجوں کے یہ میل جول وجود میں آگئے ہوتے تو ہو سکتا ہے کہ مہم عراق کے نتائج یکسر مختلف برآمد ہوتے۔ لیکن یہ نہ ہو پایا، اور اس کا سہرا خالدؓ کے سر ان کی تیز نقل و حرکت اور ان کے سوچے سمجھے منصوبے کی وجہ سے ہے کہ دشمن کی مختلف افواج کو زمان و مکان کے لحاظ سے علیحدہ رکھ کے

یکے بعد دیگرے برسرپیکار لایا جائے۔

خالدؓ کے ہمت طلب جنگی جوڑ توڑ کو کامیاب بنانے کے لئے ان کے سب سے اہم وسیلے مسلمانوں کی جنگی صلاحیت اور ان کی فوج کی روانی حرکت تھے۔ ان دونوں چیزوں سے انہوں نے انسان اور حیوان کی قوت برداشت کی آخری حد تک افادہ کیا۔ اگرچہ اصل رسالہ ان کی فوج کا محض ایک حصّہ تھا تاہم نقل و حرکت کے لئے ان کی پوری فوج اونٹوں پر سوار ہوتی تھی اور اپنے سپہ سالار کی منشا کے مطابق فیصلہ کن مقام اور فیصلہ کن وقت پر حملہ کر سکتی تھی۔ وہ اتنی پھرتی سے حملہ کر سکتی تھی کہ مقام (ا) پر جنگ لڑ کے مقام (ب) پر دشمن کے ردِ عمل سے پہلے دوسری جنگ لڑنے کو پہنچ سکتی تھی۔

مختلف جنگوں میں خالدؓ کے مقابل فارسی سپاہ کی تعداد اور طرفین کے جانی نقصان کے بارے میں تاریخی شواہد موجود نہیں ہیں۔ ان جنگوں میں کام آنے والے فارسیوں کے متعلق جو بعض اعداد و شمار دیئے گئے ہیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں غالباً مبالغہ آمیز ہیں۔ یقینی بات یہ ہے کہ ان کی فوجیں بہت بڑی تھیں اور سپاہ کا جانی نقصان ہوشربا۔ بالخصوص ولجہ، اُلیس، مُضیّح اور ثنیّ و ذُمیّل میں جہاں بطور کارگر محارب سپاہ کے ان کی فوجوں کا خاتمہ ہو گیا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ خالدؓ کو کاظمہ، مذار، ولجہ اور اُلیس کی جنگوں میں جن فارسی افواج کا سامنا کرنا پڑا ان کے سپاہ کی تعداد ۴۰،۰۰۰ اور ۷۰،۰۰۰ کے درمیان تھی۔ خالدؓ اور ان کے دلیر سپاہ کو دشمن کی جوگنی تعداد تک کی فوج پریشان نہیں کر سکتی تھی۔ اتنی بڑی فوج سے وہ اپنے معمول کے مطابق نمٹ سکتے تھے۔ اور فارسیوں کے معیار کے مطابق بھی ایسی تعداد کی فوجیں بہت زیادہ بڑی نہ تھیں۔ (جنگ قادسیہ میں جو تین سال بعد لڑی گئی فارسیوں نے

۱۳۰,۰۰۰ آدمیوں کا لشکر میدان میں کھڑا کیا!) جہاں تک مسلمانوں کے جانی نقصان کا تعلق ہے، اگر اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ ان کی فوج کی کارگری پوری مہم کے دوران بہت ہی اعلیٰ سطح پر برقرار رہی تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقصان معمولی ہی ہوا ہوگا۔

اور سب باتوں سے بڑھ کر خالدؓ کی شخصیت نے، دشمن کا پلہ اس قدر بھاری ہونے کے باوجود عراق پر چڑھائی کو ممکن اور کامیاب بنایا۔ وہ ان نامور مسلمان سپہ سالاروں میں سب سے پہلے تھے جو بیرونی علاقوں کو فتح کرنے اور دنیا کے سیاسی و مذہبی نقشے کو نئی شکل دینے کو نکلے۔ انہوں نے اپنے سپاہ کو کبھی ایسی مشکل میں نہیں ڈالا جس کو انہوں نے خود نہ جھیلا ہو۔ ان کے سپاہ کی اللہ کی تلوار پر بیکراں اعتماد ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کو ایسے خطروں کا سامنا کرنے کی جرأت ہوئی۔

خالدؓ عراق کے ایک سرے سے دوسرے تک ایک تند طوفان کی طرح چھا گئے۔ اور اب وہ تند طوفان کی طرح شام پر امنڈ کر ایک دوسری سلطنت کی افواج پر دھاوا کرنے والے تھے ۔ یعنی مشرقی روما کی افواج۔

حصّہ چہارم

فتحِ شام

۲۷

خطرناک سفر

مئی ۶۳۴ء کے آخر میں خالدؓ نے حیرہ کے مقام پر خلیفہ کے خط کو کھول کر پڑھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عتیق بن ابو قحافہ کی طرف سے[1]، خالدؓ بن الولید کے نام۔ السلام علیکم۔

میں تعریف کرتا ہوں اللہ کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور درود بھیجتا ہوں محمدؐ پر جو اللہ کے رسول ہیں۔

حیرہ سے کوچ کر کے شام میں اس مقام پر پہنچ جاؤ جہاں مسلمانوں کا اجتماع ہے اور جہاں وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہیں . . .

خالدؓ یہاں تک پڑھنے کے بعد رُک گئے۔ انھیں خدشہ محسوس ہوا کہ غالباً اس سے ان کے عہدے میں کمی کرنا مقصود ہے، اور یہ کہ ان کے خلاف حضرت عمرؓ کی کوششیں بالآخر نتیجہ خیز ثابت ہوئی ہیں۔ اور یہ کیا ہی تلخ نتیجہ ہے! خالدؓ بڑبڑائے، "یقیناً یہ ان ہی حضرت کی کارستانی ہے جو بائیں ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ میری فتح عراق کے باعث وہ مجھ سے حسد کرتے ہیں۔"[2] لیکن جب انھوں نے بقیہ خط پڑھا تو ان کے خدشات مسرت میں

---

[1] اگرچہ خلیفہ اول تاریخ میں ابوبکرؓ کے نام سے مشہور ہیں، لیکن ان کا اصل نام عبداللہ تھا اور نبی کریمؐ نے انھیں عتیق کا لقب دیا تھا۔

[2] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۰۸

بدل گئے، آگے لکھا تھا:

"میں تمہیں اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں اور تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ جاکر رومیوں کے خلاف جنگ لڑو۔ ابوعبیدہؓ اور اس کے ساتھی تمہارے ماتحت ہوں گے۔

اے ابوسلیمان! تم اولوالعزمی کے ساتھ آگے بڑھو، اور اللہ جل شانہٗ کی مدد سے اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ۔

اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لو، اور ان میں سے ایک حصہ مثنّیٰ کے پاس رہنے دو جو عراق میں سپہ سالار ہوگا۔ خود اتنے ہی سپاہ ساتھ لے جاؤ جتنے کہ مثنّیٰ کے پاس رہ جائیں۔ فتح کے بعد تم عراق واپس آؤ گے اور دوبارہ یہاں کی قیادت سنبھالو گے۔

دیکھو غرور نہ کرنا، کیونکہ اس سے تمہیں دھوکا ہوگا اور تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ سستی میں ہرگز مبتلا نہ ہونا۔ یاد رکھو، تمام فضل و کرم کا مالک اللہ ہے اور وہی اعمال کا صلہ دیتا ہے۔"[1]

اس طرح خالدؓ کو شام میں اسلامی افواج کا سپہ سالار اعظم مقرر کر دیا گیا۔[2]

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۰۶، صفحہ ۶۰۵۔ واقدی: فتوح، صفحہ ۱۴ (اس کتاب کے باقی ماندہ حصے میں واقدی سے متعلق تمام حوالے اس کی کتاب "فتوح الشام" سے دیئے گئے ہیں۔)

[2] اس ضمن میں کہ خالدؓ نے شام میں قیادت کس طرح سنبھالی تھی، دیگر روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے دوسرے جرنیلوں کو خود ہی اس بات پر رضامند کیا تھا کہ وہ لشکر اسلام کی قیادت انہیں کرنے دیں، یا یہ کہ ان جرنیلوں نے خالدؓ کو ان کے اعلیٰ فوجی مقام کی بدولت از خود اپنا قائد تسلیم کر لیا تھا۔ یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ خالدؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے خود شام کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا تھا۔

خالدؓ نے کوچ کی تیاریاں شروع کردیں۔ انہوں نے خلیفہ کی ہدایات سے مثنیٰ کو آگاہ کیا، اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ان میں سے ایک حصہ مثنیٰ کے حوالے کردیا۔ لیکن اس تقسیم میں خالدؓ نے پہلے یہ کوشش کی کہ وہ فوج میں موجود تمام اصحاب رسولؐ کو اپنے ہمراہ رکھیں، خواہ وہ مہاجر ہوں یا انصار۔ کیونکہ ان سب کو اسلامی سپاہ کی نگاہ میں خاص قدر و منزلت حاصل تھی۔ لیکن مثنیٰ نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ "میں چاہتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ کے احکام پر پوری طرح عمل کیا جائے۔" انہوں نے کہا "میں فوج کی تقسیم میں صحابہؓ کی تعداد کا بھی نصف حصہ لوں گا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ان کی موجودگی ہمیں فتح نصیب کرے گی۔"[1]

خالدؓ کو احساس ہوا کہ مثنیٰ اپنے دعوے میں حق بجانب ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فوج کو دوبارہ دو حصوں میں تقسیم کیا اور نصف صحابی جن میں بہترین فوجی افسر شامل تھے، مثنیٰ کی فوج میں بھیجدیے۔ اس کام سے فارغ ہوکر خالدؓ شام کی طرف کوچ کے لئے تیار ہوگئے۔

یہ تھا وہ طریق کار جو حضرت ابوبکرؓ اپنے سپہ سالاروں کو فوجی فرائض سونپنے، ان فرائض کو پورا کرنے، جغرافیائی حدود متعین کرنے اور حصول مقصد کے لئے دستیاب وسائل بطور ضرورت فراہم کرنے کے لئے اختیار کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنے سپہ سالاروں کو اس بات کا پورا اختیار دے دیتے تھے کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے فرائض کی تکمیل کریں۔ یہی وہ اسلوب ہے جس کے مطابق وہ اب خالدؓ کو شام پر حملہ کرنے کو بھیج رہے تھے۔ ان کو جو فرض سونپا گیا تھا وہ بالکل واضح تھا: انہیں پوری سرعت کے ساتھ شام پہنچنا تھا، وہاں اسلامی افواج کی قیادت سنبھالنی تھی اور رومیوں کے خلاف اس وقت تک

---

[1] طبری: جلد ۲، صہ ۳۰۵

جنگ کرنی تھی جب تک کہ فتح حاصل نہیں ہو جائے۔ یہ بات ان کی مرضی پر چھوڑ دی گئی تھی کہ شام پہنچنے کے لئے وہ کون سا راستہ اختیار کریں۔ یہ بات اپنی جگہ بہت اہم تھی اور ان کو فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ شام میں اسلامی افواج جن جن مقامات پر مجتمع تھیں ان کے بارے میں خالدؓ کو تفصیلات معلوم نہ تھیں۔ بہر حال وہ اتنا جانتے تھے کہ یہ افواج بصریٰ اور جابیہ کے کھلے علاقے میں مقیم ہیں اور وہاں جلد از جلد پہنچنا ضروری ہے۔ خالدؓ کے سامنے دو جانے پہچانے راستے تھے۔ پہلا وہ جنوبی راستہ تھا جو دومۃ الجندل سے گزرتا تھا۔ جہاں سے خالدؓ کی فوج قافلوں کی عام گزرگاہ کو طے کر کے شام پہنچ سکتی تھی۔ یہ سہل اور سیدھا راستہ تھا، جہاں فوج کے لئے پانی کی کوئی کمی نہ تھی اور اس کی نقل و حرکت میں دشمن کی طرف سے مداخلت کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ لیکن مسافت کے لحاظ سے راستہ طویل تھا اور شام پہنچنے میں بہت وقت لگ جاتا، جبکہ خلیفہ نے منزل مقصود پر پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ کیونکہ وہاں مسلمان ایک نازک صورت حال سے دوچار تھے۔ چنانچہ خالدؓ نے غور و خوض کے بعد اس راستے پر سفر کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

دوسرا وہ شمالی راستہ تھا جو دریائے فرات کے کنارے چل کے شام کے شمال مشرقی حصے تک پہنچتا تھا۔ یہ بھی ایک عام گزرگاہ تھی، لیکن اس پر کوچ کرنے میں ایک تو خالدؓ دوسری اسلامی افواج سے دور ہو جاتے اور دوسرے یہ کہ دریائے فرات پر متعین رومی محافظ دستے ان کا راستہ روکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خالدؓ ان پر غالب آسکتے تھے لیکن اس میں پھر دیر بھی ہوتی۔ اس لئے ان کو شام میں اسلامی افواج تک بوقت پہنچنے کے لئے اور راستہ ڈھونڈ نکالنے کی فکر ہوئی۔

خالدؓ نے جنگی مجلس مشاورت بلائی اور فوج کے افسروں کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے دریافت کیا "ہم کو شام وقت سے پہلے پہنچنے کے لئے کوئی ایسا راستہ

بھی مل سکتا ہے جس پر ہماری رومیوں سے مڈبھیڑ نہ ہو۔" ان کا اشارہ رومیوں کے ان محافظ دستوں کی طرف تھا جو شمالی راستے پر متعین تھے۔

سب نے جواب دیا "ہم تو کسی ایسے راستے سے واقف نہیں ہیں جو فوج کے گزرنے کے لئے مناسب ہو۔ اگر کسی راستے سے چند ایک مسافروں کا گزر ممکن بھی ہو تو آپ فوج کو وہاں پہنچا کر کہیں بھٹکا نہ دیں۔"

لیکن خالدؓ نے کوئی نیا راستہ معلوم کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سوال دہرایا۔ اس دفعہ ایک مشہور جنگجو، رافع بن عمیرہ نے بتایا کہ انہیں ایک راستہ معلوم ہے جو سماوہ کے علاقے سے گزرتا تھا اور جس کے ذریعے اسلامی فوج حیرہ سے پیش قدمی کر کے عین التمر اور مضیّح کے راستے قراقر پہنچ سکتی تھی۔ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے رافع نے کہا کہ "قراقر عراق کے مغرب میں ایک شاداب نخلستان ہے۔ وہاں سے ایک گمنام سا راستہ ایک لق و دق صحرا سے گزر کر سویٰ جاتا ہے۔ سویٰ کے مقام پر بھرپور پانی کی بہتات ہے اور سویٰ سے ایک منزل ادھر پانی کا چشمہ ہے، جہاں سے فوج کے لئے کافی پانی مل جائے گا۔ قراقر سے اِس چشمے تک کا تقریباً ۱۲۰ میل کا فاصلہ اس سفر کا سب سے زیادہ خطرناک حصّہ ہے۔"

واللہ، اکیلا مسافر بھی یہ راستہ صرف جان کی بازی لگا کر ہی طے کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی رافع نے خبردار کیا "آپ فوج کو ساتھ لے کر یہ راستہ طے نہیں کر سکتے۔ دورانِ سفر پانچ دن تک انتہائی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پانی کی ایک بوند تک کا کہیں پتہ نہیں اور ہر وقت راستے سے بھٹک جانے کا خطرہ رہتا ہے۔"[2] مجلس میں موجود افسروں نے اس بات سے اتفاق کیا۔ فوج کو ایک ایسے راستے پر لے جانا جہاں تمام فوج بھٹک کر

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۰۳

[2] ایضاً، صفحہ ۶۰۹

پیاسی مر سکتی ہو، انہوں نے کہا، ایک ایسا معاملہ ہے جس کی طرف کوئی بھی صحیح الدماغ شخص متوجہ نہیں ہو سکتا۔" مگر خالدؓ نے متانت سے جواب دیا کہ "ہم یہی راستہ اختیار کریں گے!" اور اپنی فوج کے افسروں کے چہروں پر تشویش کے آثار دیکھ کر انہوں نے فرمایا "اپنے ارادے لسپت نہ ہونے دو۔ یاد رکھو کہ اللہ استحقاق کے مطابق مدد کرتا ہے مسلمانوں کو اس وقت تک کسی چیز سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے جب تک کہ تائید الٰہی ان کے شامل حال ہے۔"[1]

خالدؓ کی بات کا فوری اثر ہوا اور ان کے افسروں نے یک زبان ہو کر کہا "آپ کی ذات پر اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے۔ آپ وہی کریں جو آپ چاہتے ہیں۔"[2] اور پھر لشکر خالدؓ نے خندہ پیشانی اور گرم جوشی کے ساتھ ایک ایسے راستے کے ذریعے شام جانے کی تیاریاں شروع کر دیں جس پر اس سے پہلے کوئی فوج گامزن نہ ہوئی تھی اور جس کا علم رافع بن عمیرہ کے سوا کسی کو نہ تھا۔ (نقشہ نمبر ۱۵ دیکھئے)

جون ۶۳۴ء کے اوائل (ربیع الآخر ۱۳ھ کے آغاز) میں، خالدؓ نے نو ہزار مجاہدوں کے ہمراہ حیرہ سے کوچ کیا۔[3] اس لشکر میں عورتیں اور بچے شامل نہیں تھے۔ حیرہ چھوڑتے وقت خالدؓ نے حکم دیا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو مدینے واپس بھیج دیا جائے اور وہ اس وقت تک وہیں قیام کریں جب تک انہیں شام بلانے کے لئے حالات ساز گار نہ ہو جائیں۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۰۳

[2] ایضاً صفحہ ۶۰۹

[3] اس سفر میں شریک ہونے والی اسلامی فوج کی تعداد کسی نے ۵۰۰، کسی نے ۷۰۰، کسی نے ۸۰۰ کسی نے ۶۰۰ اور کسی نے ۹۰۰۰ بتائی ہے لیکن صحیح تعداد ۹۰۰۰ ہے۔ یہ تعداد حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے مطابق خالدؓ کی کل فوج کا نصف تھی۔ اور تمام ابتدائی مورخین نے شام کی مہم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی بتایا ہے کہ عراق سے خالدؓ کے ہمراہ روانہ ہونے والی فوج ۹۰۰۰ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔

خالدؓ کی فوج عین التمر، سندودا[1] اور مضیّح کے راستے قراقر کی جانب روانہ ہوئی اور مثنّیٰ بھی، فارس کے ساتھ قائم ہونے والی نئی سرحد کی نگرانی کا کام سنبھالنے کے لئے حیرہ لوٹنے سے پیشتر، یہاں تک خالدؓ کے ہمراہ آئے۔ رات گزارنے کو اسلامی فوج نے قراقر میں پڑاؤ کیا، اور یہاں اپنے مشکیزوں اور دوسرے برتنوں میں اتنا پانی بھر لیا کہ پانچ دن کے متوقع صحرائی سفر میں فوج اور جانوروں کے لئے کافی ہو۔

اگلے روز علی الصبح، جب اس خطرناک سفر کا آغاز ہونے ہی والا تھا، رافع دوبارہ خالدؓ کے پاس آئے اور عجیب گومگو کے عالم میں انہوں نے خالدؓ سے کہا "اے سپہ سالار آپ فوج کو ساتھ لے کر اس صحرا میں سفر نہیں کر سکتے، بخدا ایک تنہا مسافر بھی یہ سفر کرتا ہے تو جان پر کھیل کے۔"

خالدؓ نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا "رافع تیرا برا ہو۔ واللہ اگر مجھے جلد از جلد شام پہنچنے کے لئے کسی اور راستے کا علم ہوتا تو میں اسے ضرور اختیار کرتا۔ اب تم حکم کی تعمیل کرو!"[2]

رافع نے حکم کی تعمیل کی اور ۹۰۰۰ ہزار سپاہ کی رہبری کرتے ہوئے صحرا کی طرف روانہ ہو گئے۔ حسب معمول سپاہی اونٹوں پر سوار تھے اور گھوڑے پیچھے پیچھے چل رہے تھے یہ جون کا مہینہ تھا، جب دھوپ کی شدت سے صحرا کی ریت تپ اٹھتی ہے۔ اور جب بے آب و گیاہ ریگستان میں قدم رکھنے کی جسارت کرنے والے کی ذرا سی چوک سے اس کا نام و نشان ہی ریت میں مٹ جاتا ہے۔ اگر سپاہ موقع شناس ہوتے تو اس گرم مہینے میں ایسے کوچ کے لئے تیار نہ ہوتے۔ اور اس لئے اور بھی نہیں کہ شام کے مسلمانوں کی

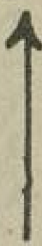
---

[1] سندودا تباہ شدہ شہید ہے جو موجودہ ربادی کے مشرق میں چند میل کے فاصلے پر ہے امیوزل ص ۲۹۹

[2] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۰۹

نقشہ نمبر ۱۵ خطرناک سفر

شمال



قدمہ
سُخنہ
ارک
تدمر
سُویٰ
چشم
قریتین
فرات
فراض
شام
قراقر
قصرِ آبج
مصیّخ
صندودا
عین التمر
وادی حوران
عِراق
حیرہ

پیمائش
۱:۲۰۰۰۰۰۰

قسمت کا دارومدار ان کے بحفاظت وہاں پہنچنے پر تھا۔ یہ لوگ خطرات سے واقف تو تھے مگر اندیشوں سے گھبرانے والے نہ تھے۔ چھوٹے دل والوں نے دنیا میں کبھی بڑے معرکے سر نہیں کئے۔ یہ لوگ خالدؓ کے، اللہ کی تلوار کے سپاہی تھے اور تاریخ میں فوجی نقل و حرکت کی ایک بلند ترین مثال قائم کرنے کے لئے اس خطرناک سفر پر روانہ ہوتے تھے۔

پہلے تین دن کے دوران کوئی خاص واقعہ رونما نہ ہوا۔ سپاہیوں کو شدید تپش اور روشنی نے پریشان کر رکھا تھا۔ لیکن وہ سختیاں جھیلنے کے عادی تھے، اور جب تک ان کے پاس پانی موجود تھا انہیں کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔ لیکن پانی کا جو ذخیرہ پانچ روز کے لئے ساتھ لایا گیا تھا وہ تیسرے روز ہی ختم ہو گیا۔ ابھی دو دن کا سفر باقی تھا اور پانی کی ایک بوند باقی نہیں رہ گئی تھی۔[۱]

اسلامی فوج نے چوتھے روز بڑی خاموشی میں سفر کا آغاز کیا۔ تپش تھی کہ پہلے سے بھی زیادہ ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اس روز دورانِ سفر کسی نے بات چیت نہیں کی۔ کہیں سے کوئی آواز سننے کو نہ تھی۔ سپاہ صرف پانی اور صحرا میں بھٹک کر پیاسے مر جانے کی ہولناکیوں کے تصورات میں گم تھے۔ وہ یہ سوچ کر کانپ اٹھتے کہ اگر رافع راستہ بھول گئے یا بصورت دیگر معذور ہو گئے تو کیا ہو گا۔ اس رات بھی سپاہ نے حسب معمول پڑاؤ کیا لیکن انہیں نیند نہ آئی۔ عجیب اذیت کا عالم تھا، ان کے گلے خشک ہو چکے تھے اور ان کی زبانیں سوج گئی تھیں۔ اب وہ دل ہی دل میں صرف یہ دعا کر سکتے تھے کہ: حَسْبُنَا اللّٰہ ونعم الوکیل۔[۲]

---

[۱] اونٹوں کے پیٹ کے اندرونی تھیلوں میں پانی جمع کرنے کی عجیب وغریب روایت کے لئے جو اس خطرناک سفر کے ضمن میں فرضی طور پر بیان کی گئی ہے، ضمیمہ ب کی تشریح نمبر ۹، دیکھئے۔

[۲] قرآن: ۳: ۱۷۳۔

پانچویں صبح کو اس سفر کا آخری مرحلہ شروع ہوا، اور سپاہ بفضل خدا اس چشمے کی طرف بڑھ رہے تھے جو رافع کے علم میں تھا۔ مسلمان سپاہ نے خاموشی کے ساتھ آزمائش کے یہ لمبے لمبے میل طے کئے۔ انہوں نے ہر گھڑی سورج کی بے رحم چمک اور اذیت ناک شکست جھیل جھیل کے اس لق و دق صحرا کو عبور کرنے کی جد و جہد جاری رکھی آخر کو اس دن کا سفر پورا ہوا۔ مسلمان سپاہ میں ابھی دم باقی تھا، مگر اکثر کی جان لبوں پر آچکی تھی، ان کی فوج اب اس خوش اسلوبی اور انضباط سے محروم ہو چکی تھی جس کے ساتھ اس نے اپنے کوچ کا آغاز کیا تھا۔ متعدد سپاہی منتشر حالت میں فوج سے پیچھے رہ گئے تھے۔ لیکن ان کو نہ جانے کیوں یہ یقین تھا کہ وہ راستہ نہیں بھولیں گے۔

جب فوج کا پیش رو دستہ اس خطے میں پہنچا جہاں پانی کے چشمے کے ملنے کی توقع تھی تو اس وقت تک فوج کی رہبری کرنے والا رافع اپنی بینائی کھو چکا تھا، وہ آشوب چشم میں مبتلا تھا اور سورج کی خیرہ کن روشنی نے اب اس کی آنکھوں کو معذور کر دیا تھا۔ اس نے اپنے عمامے کا کچھ حصہ آنکھوں پر باندھا اور اپنے اونٹ کو روک لیا۔ اس کے پیچھے پیچھے آنے والے سپاہ یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے، اور انہوں نے اس سے دردانگیز لہجے میں پکار کر کہا "اے رافع! ہم جاں بلب ہیں۔ کیا تمہیں پانی کا سراغ نہیں ملا؟" لیکن اب رافع کو کچھ بھی سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس نے اپنی بیٹھی ہوئی آواز کو بلند کر کے کہا "عورت کے پستانوں کی شکل کے دو ٹیلوں کو تلاش کرو۔" چنانچہ فوج چل پڑی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ان دو ٹیلوں کو شناخت کر کے رافع کو مطلع کیا گیا۔

رافع نے کہا "اب اس خار دار درخت کو ڈھونڈو جو دیکھنے میں ایک بیٹھے ہوئے مرد کی طرح لگتا ہے۔" کچھ سراغرساں اس درخت کا کھوج لگانے چل دیئے، لیکن چند ہی لمحوں بعد لوٹ کے انہوں نے بتایا کہ اس قسم کا درخت ان کو کہیں نظر نہیں آیا۔"

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تو پھر ہم سب مارے گئے"۔ رافع نے قرآن کی آیت پڑھ کے کہا۔ "لیکن اُسے ایک بار پھر ڈھونڈنے کی کوشش کرو"۔ چنانچہ سراغرسانوں نے درخت کو دوبارہ تلاش کیا، اور اس مرتبہ انہوں نے ایک خاردار درخت کا ایسا تنا ڈھونڈھ نکالا جس کا اوپر کا حصہ غائب تھا۔ "اس کی جڑوں کے نیچے کھدائی کرو"۔ رافع نے ہدایت دی۔ سپاہیوں نے اس تنے کی جڑوں کے نیچے کھدائی کی اور واقدی کے الفاظ میں اس زمین سے پانی ندی کی طرح بہہ نکلا![1]

سپاہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور رافع کو دعائیں دے دے خوب سیر ہو کر پانی پیا، اس کے بعد جانوروں کو پانی پلایا گیا، مگر پانی تب بھی بچ رہا۔ پھر سینکڑوں سپاہ اپنے مشکیزے پانی سے بھر کے جس راستے پر آئے تھے اسی پر اپنے بھولے بھٹکے ساتھیوں کی تلاش میں پیچھے کی طرف چل دیئے۔ انہوں نے تمام بچھڑے ہوئے ساتھیوں کو ڈھونڈ نکالا اور پانی پلا کے انھیں نئی زندگی بخشی۔

یہ خطرناک سفر بالآخر ختم ہو گیا تھا۔ مسلمانوں نے وہ کٹھن مسافت طے کر دکھائی جو نہ کبھی پہلے کسی نے طے کی تھی اور نہ بعد میں کوئی کر سکا۔ خالدؓ، رومی سرحد اور عراق کے بالمقابل سرحد کی محافظ فوجوں کو پیچھے چھوڑ کر شام کی حدود میں پہنچ چکے تھے۔ اب سوٰی، جہاں ریگستان ختم ہوتا تھا اور آبادی شروع ہوتی تھی، صرف ایک منزل دور رہ گیا تھا۔ (نقشہ ۱۵ دیکھیے)

خالدؓ کو اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ خود اور ان کی فوج ایک بہت بڑے ابتلا سے گزرے ہیں اور نیست و نابود ہوتے ہوتے بچے ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے جس خطرے کا سامنا کیا تھا اس کی اصل حقیقت کا علم خالدؓ کو اس وقت تک نہ ہوا جب تک کہ

---

[1] واقدی: صفحہ ۱۴

رافع نے، جو اب مسکرا رہے تھے ان کے پاس آکر اس کا انکشاف نہ کیا۔ رافع نے انہیں بتایا "اے سپہ سالار، میں اس چشمہ پر صرف ایک دفعہ اترا تھا، اور یہ تیس سال پہلے کا واقعہ ہے جب میں لڑکپن میں اپنے باپ کے ہمراہ ادھر سے گزرا تھا!"[1]

٭

بعد کے زمانے میں ایک خلیفہ نے ایک معروف عالم کو خط لکھا کہ وہ اسے مسلمانوں کے ماتحت علاقوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچائے۔ اس عالم نے جواب میں مطلوبہ معلومات بہم پہنچاتے ہوئے شام کے متعلق لکھا: "امیر المومنین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شام بادلوں، پہاڑیوں ہواؤں اور فراوانیٔ اشیاء کی سرزمین ہے۔ یہ ملک اور بالخصوص علاقہ حمص جسم کو تازگی بخشتا ہے اور جلد کو مصفا کرتا ہے، جس سے انسان کا بدن خوبصورت ہو جاتا ہے اور اس کے اندر فراست اور قوت برداشت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان علاقوں کی آب و ہوا اچھی ہے اور حواس کو تیز کرتی ہے۔ اے امیر المومنین، شام فرحت بخش سبزہ زاروں اور وسیع جنگلوں کی سرزمین ہے یہاں کے دریا سیدھے بہتے ہیں اور یہاں اونٹوں کے لئے پینے کا پانی بہ افراط موجود ہے۔"[2]

شام فی الواقعہ ایک خوبصورت علاقہ اور بزنطینی مملکت کا سب سے اچھا صوبہ تھا۔ اس کی معتدل آب و ہوا پر بحیرہ روم کا بڑا اثر تھا جو صحرا کی گرمی اور شمالی ممالک کی سردی سے نجات دلاتی تھی۔ انطاکیہ جو آجکل ترکی میں شامل ہے، بزنطینی سلطنت کے ایشیائی حصے کا دارالحکومت تھا اور قسطنطنیہ کے سوا کوئی شہر بھی شان و شوکت اور سیاسی اہمیت کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر نہیں تھا۔ شام کے بڑے شہر۔ حلب، حمص، دمشق۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۰۴، صفحہ ۶۰۹۔ خالدؓ کے راستے کے بارے میں دوسرے بیانات کے لئے جو غلط فہمی پر مبنی ہیں، ضمیمہ "ب" کی تشریح نمبر ۱۰ دیکھئے۔

[2] مسعودی: مروج الذہب، جلد ۲، صفحہ ۶۱، ۶۲

صرف تجارتی اموال کی فراوانی ہی کے حامل نہیں تھے بلکہ تہذیب و ثقافت کے مراکز بھی تھے۔ بحیرہ روم کے ساحل پر واقع اس کی بارونق بندرگاہوں ۔ انطاکیہ، بیروت صور، عکّہ، جافہ ـــــ میں اس وقت کی تمام دنیا کے جہاز دکھائی دیتے تھے اور وہاں تجارتی لین دین کی گہما گہمی رہتی تھی۔

شام کا علاقہ سیاسی لحاظ سے دو صوبوں پر مشتمل تھا۔ اصل شام شمال میں انطاکیہ اور حلب سے شروع ہو کر بحیرۂ مردار کے آخر تک پھیلا ہوا تھا۔ بحیرۂ مردار کے مغرب اور جنوب میں فلسطین کا صوبہ واقع تھا جو تین بڑے مذاہب کے مقدس مقامات کے علاوہ ایسے شہروں پر مشتمل تھا جو دنیا کے کسی بھی شہر سے کم مال دار اور کم ترقی یافتہ نہیں تھے۔ اُس دور کے عرب اردن کے علاقہ کا بھی ذکر کرتے ہیں جو شام اور فلسطین کے درمیان واقع تھا۔ لیکن اس ذکر کا اشارہ ایک سیاسی و تنظیمی وحدت کی طرف نہیں تھا بلکہ دراصل ایک جغرافیائی نوعیت کی طرف۔ اور یہ سب کچھ مشرقی رُوم یا بزنطینی مملکت کا ایک حصہ تھا۔ شام پر چڑھائی کرنا روم پر چڑھائی کرنے کے مترادف تھا اور یہ کوئی ایسا کام نہ تھا جس کو بلا سوچے سمجھے انجام دینے کی کوئی گنجائش تھی۔

مشرقی روم کی مملکت بھی زوال پذیر تھی، اور اس کا زوال مملکت فارس کے زوال کی بہ نسبت بہت پہلے سے جاری تھا مگر موخرالذکر مملکت میں، دیگر عوامل کے علاوہ طاقتور ساسانی خاندان کی بدولت۔ جو گزشتہ چار صدیوں سے فارس پر غیر منقطع تسلسل کے ساتھ حکومت کر رہا تھا، قوت و استحکام کا بہت کچھ مادہ باقی تھا۔ اس کے برعکس، رومیوں کو کوئی ایسا حکمران خاندان نصیب نہیں ہوا تھا اور وہ اس نظریے کے قائل کبھی نہ تھے کہ حکمرانی کا حق کسی ایک شاہی خاندان تک محدود ہو۔ چنانچہ جب کوئی حکمران مرتا تو حکومت کی باگ ڈور سب سے زیادہ کامیاب سپہ سالار یا سیاستداں یا سازشی کے ہاتھ

میں آجاتی تھی۔

لیکن مشرقی روم کی فوج تب بھی شہنشاہی جنگیں لڑنے کے لیے کافی مضبوط تھی اور فارس کی فوج کے بعد، دنیا میں سب سے زیادہ مستعد اور بارعب اور جنگی تنظیم رکھنے والی فوج سمجھی جاتی تھی۔ اس فوج کے کثیر التعداد دستے کارگر جنگی ساز و سامان سے لیس اور قابل سالاروں کے ماتحت ہوتے تھے۔ جن علاقوں سے وہ گزرتے تھے وہاں کے باشندوں کو وہ اب بھی خوف زدہ کر دیتے تھے۔ یہ فوج، کسی بھی بڑی شہنشاہی فوج کی طرح ایک قومی وحدت نہیں تھی بلکہ متعدد علاقوں میں بسنے والی متعدد قوموں کے امدادی دستوں کی ایک ملی جلی جمعیت تھی۔ اس کی صفوں میں جہاں رومی تھے وہاں سلافی، جرمانک یونانی، جرجانی، آرمینی، عرب اور دور دراز علاقوں کے قبائل بھی شامل تھے۔ شام کے شہروں میں جن میں سے اکثر قلعہ بند تھے متعین کئے جانے والے حفاظتی دستوں کے سپاہ بھی ایسے ہی ملے جلے تھے۔

عراق کی طرح شام بھی جزوی طور پر عرب علاقہ تھا، خصوصاً اس کے مشرقی اور جنوبی حصے جہاں رومی عہد سے بیشتر ہی عرب موجود تھے اور جب شہنشاہ قسطنطین نے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں مسیحیت کو اپنی مملکت کا سرکاری مذہب قرار دیا تو یہ عرب بھی عیسائی ہو گئے۔ لیکن جب تک غسان کا طاقتور قبیلہ، ظہور اسلام سے کچھ صدیاں بیشتر یمن سے شام منتقل نہیں ہوا تھا۔ شامی عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ کچھ عرصے تک غسانی مشرقی شام میں متعین رومی محافظ فوجوں سے برسر پیکار رہے، لیکن بعد میں جب رومیوں کو ان کی جنگجو طبیعت اور فوجی خصوصیات سے خدشے کا احساس ہوا تب انہوں نے غسانیوں سے صلح کر کے ان کے ایک نیم خود مختار قوم کی حیثیت سے، اپنے ہی بادشاہ کے تحت، شام میں آباد ہونے پر رضامند ہو گئے۔

غسّان کے فرمانروا کا خاندان مملکت روم کے معتبر شاہی خاندان میں شمار ہونے لگا اور اس خاندان کے بادشاہ، جن کا دارالحکومت بصرہ تھا، اردن اور جنوبی شام کے عربوں پر حکومت کرتے رہے۔ آخری غسّانی بادشاہ جبلہ بن الایہم کو جو خالدؓ کے حملے کے وقت شام کا حکمران تھا عدی بن حاتم کی طرح (جس کا بیشتر ازیں اس کتاب میں ذکر ہو چکا ہے) تاریخ میں سب سے لمبے قد کا عرب ہونے کا امتیاز حاصل تھا۔ جب یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا تھا تو اس کے بھی پاؤں زمین کو چھوتے تھے![1]

تو یہ تھا اس زمانے کا شام جس نے ۱۳ھ کے ابتدائی ہفتوں میں اسلامی فوج کا سامنا کیا۔

☆

جس شخص نے شام میں سب سے پہلی فوجی مہم کی قیادت کی وہ خالدؓ کا ہم نام تھا، یعنی خالد بن سعید — جس کی فوجی صلاحیت خالدؓ کی قابلیت کا بالکل الٹ تھی! ۱۲ھ کے آخر (۶۳۴ء کے شروع) میں حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن سعید کو ایک ایسے دستے کا سپہ سالار بنا کر، جسے ایک معمولی محافظ دستے کا کام انجام دینا تھا، مدینہ سے شمال میں کچھ فاصلے پر واقع تیما کے مقام پر متعین کیا تھا۔

جب خالد بن سعید تیما پہنچے تو انہیں شام پر چڑھائی کرنے کی سوجھی اور انہوں نے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خلیفہ سے اجازت مانگی۔ حضرت ابوبکرؓ مٹھی بھر سپاہ کے ذریعہ، بالخصوص جب کہ ان کی قیادت ایک لاپروا اور ناتجربہ کار سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی، فتح شام کے لئے جہاد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کو شام میں فوجی صورت حال کی تفصیلات کا کوئی علم نہیں تھا اور حضرت ابوبکرؓ ان کو

---

[1] ابن قتیبہ: صہ ۶۴۴

ابتدائی تفتیشی فوجی کاروائی کی اجازت دینے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے خالد بن سعید کو ایک خط لکھا اور انھیں شام میں داخل ہونے کی اجازت دیدی لیکن ساتھ ہی انہوں نے خالد بن سعید کو متنبہ کیا کہ وہ کسی ایسے خطرناک مقابلے میں الجھنے سے باز رہیں جس سے وہ نکل کے سرزمین عرب کے دامن میں پناہ نہ لے پائیں۔

خالد بن سعید اپنی مختصر سی فوج کو لے کر روانہ ہو گئے۔ شام کی حدود میں داخل ہو کر وہ بے سوچے سمجھے چند رومی دستوں سے جا ٹکرائے۔ ان غیر محتاط مسلمانوں کو ان کے مد مقابل رومی سپہ سالار نے، جس کا نام باہان تھا اور جسے جنگی چالوں میں مہارت تھی، جھانسہ دیکر اپنے جال میں پھنسا لیا اور انہیں نرغے میں لینے کے لئے ان پر دو اطراف سے حملہ کر دیا۔ جب خالد بن سعید کو صورت حال کا اندازہ ہوا تو وہ بدحواس ہو گئے اور اپنے سپاہ کی اکثریت کو وہیں چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ ان مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ عکرمہ بن ابو جہل بھی اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے صورت حال پر قابو پا کر مسلمان فوج کو اس لغزش کا خمیازہ بھگتنے سے بچا لیا جو ایک شدید حادثہ ہوتا۔ عکرمہ ان مسلمانوں کی جان بچانے میں تو کامیاب ہو گئے، لیکن اس مہم کو ناگزیر طور پر شکست کی بدنامی قبول کرنی پڑی۔ خالد بن سعید رسوا ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کی بزدلی اور نااہلیت پر اپنی نفرت کا برملا اظہار کیا (لیکن بعد میں ان کو شام میں مسلمان سپاہ کے ساتھ شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور انہوں نے جنگ میں شہید ہو کر دوبارہ نیکنامی حاصل کر لی)

اس معرکے کے صحیح محل وقوع کے بارے میں مؤرخین کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ دمشق کے جنوب میں واقع مرج الصُفّر کے مقام پر ہوئی تھی، لیکن یہ بات ممکن نظر نہیں آتی کہ مسلم فوج رومی فوج سے شدید مقابلہ کئے بغیر اتنی دور پہنچ سکتی تھی۔ بہر حال، اس لاحاصل جسارت کا مسلمانوں کو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ خلیفہ پر یہ بات

واضح ہوگئی کہ شام پر چڑھائی کرنے کا معاملہ معمولی نوعیت کا نہیں ہے۔

فروری ۶۳۴ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مکّہ سے واپس آکر حضرت ابوبکرؓ نے حملہ شام کے لئے فوجی بھرتی کا اعلان کیا۔ اب عراق کے محاذ پر حالات پوری طرح پرسکون تھے۔ عراق میں خالدؓ کی مہم ایک واضح کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی، جس کی بدولت نہ صرف یہ کہ اسلامی ریاست کی سیاسی سرحدیں وسیع ہوگئی تھیں بلکہ مدینے کی تجوریاں بھی بھر گئی تھیں۔ چنانچہ مسلمانوں کو خیال ہونے لگا کہ اگر وہ طاقتور اور خوفناک ایرانیوں کے مقابلے میں فتح حاصل کرسکتے ہیں تو رومیوں کے مقابلے میں، جو شہنشاہی فوجی قوت کے لحاظ سے اتنے مضبوط نہ تھے، کیوں نہ کامیاب ہوں۔ مزید برآں، نئی دینی تحریک کو متوقع کامیابی بہرصورت حاصل کرنی تھی اور اسے منتہائے کمال تک بہرطور پہنچنا تھا۔ اسلام تمام انسانوں کے لئے رحمت بن کر آیا تھا، اور اس کے پیغام کو تمام لوگوں تک لازماً پہنچنا تھا۔

قبائلی جنگی دستوں نے مدینے سے آنے والی فوجی بھرتی کی دعوت کا بڑی گرمجوشی سے جواب دیا۔ وہ جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے سے حتیٰ کہ عمان اور یمن کے دور دراز علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں مدینے پہنچ گئے۔ وہ جنگ کے لئے ہتھیار باندھ کر اور اونٹوں، گھوڑوں پر سوار ہوکر آئے، لیکن عورتوں اور بچوں کو بھی اپنے ہمراہ لے آئے۔ فوجی بھرتی کی اس دعوت سے صرف وہ لوگ خارج کئے گئے جو ارتداد کے مرتکب رہ چکے تھے۔ مسلم عرب کے تندرست مردوں کا اجتماع مارچ ۶۳۴ء (محرم ۱۳ھ) میں شروع ہوا اور اسی مہینے ختم ہوگیا۔

اب حضرت ابوبکرؓ نے بھرتی ہونے والے افراد کو چار جیوش میں، جن میں سے ہر ایک جیش میں لگ بھگ ۔۔۔ ء سپاہ تھے منظم کیا۔ ان جیوش کے سپہ سالار اور ان کے لئے

متعین کئے جانے والے جنگی مقامات مندرجہ ذیل تھے :

ا۔ عمرو بن العاص : منزلِ مقصود ـــ فلسطین۔ ان کو ایلہ جانے والے راستے پر سفر کر کے پھر وادی عَرَبہ میں سے گزرنا تھا۔

ب۔ یزید بن ابی سفیان : منزلِ مقصود ـــ دمشق۔ ان کو تبوک کی سمت کے راستے پر پیش قدمی کرنی تھی۔

ج۔ شُرحبیل بن حسنہ : منزلِ مقصود ـــ اردن۔ ان کو یزید کے پیچھے پیچھے تبوک کے راستے آگے بڑھنا تھا۔ (شرحبیل نے مہم عراق میں حضرت خالدؓ کے ماتحت جنگی خدمات سر انجام دی تھیں۔ وہ انہی دنوں بطور قاصد مدینے آئے تھے، جہاں خلیفہ نے انھیں روک کر شام کی مہم کے لئے ایک جیش کا سالار مقرر کر دیا تھا۔)

د۔ ابوعبیدہ بن الجراح : منزلِ مقصود ـــ حمص۔ انہیں بھی شرحبیل کے پیچھے پیچھے، تبوک کے راستے آگے بڑھنا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی خواہش تھی کہ شام پر حملہ کر کے اس کے جتنے حصے پر ممکن ہو سکے قبضہ کر لیا جائے۔ چونکہ انہیں رومی فوج کی تعداد اور اس کی تقسیم و ترتیب کی تفصیلات کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے کسی ایک جیش کو کسی دوسرے جیش کی بہ نسبت زیادہ طاقتور نہیں بنایا۔ تاہم انہیں یہ بھی خیال تھا کہ رومی محاذِ جنگ کے کسی بھی حصہ میں ایک بہت بڑی فوج جمع کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حکم دیا کہ شام جانے والے جیوش کے سپہ سالار ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم رکھیں۔ اور اگر ان میں سے کسی بھی سالار کو اپنے محاذ پر شدید تصادم کا خطرہ نظر آئے تو دوسرے اسلامی جیوش کے سپہ سالاروں سے امداد طلب کرلے۔ اور اگر ان جیوش کو اس طرح ایک ہی بڑی جنگ کے لئے مجتمع ہونا پڑے تو پورے

اسلامی لشکر کی قیادت ابوعبیدبن الجراحؓ کریں۔

اپریل ۶۳۴ء کے پہلے ہفتے (صفر ۱۳ھ کے آغاز) میں اسلامی جیوش روانہ ہونے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے یزید مدینے سے رخصت ہوئے۔ اور جب ان کے جیش نے بیرون مدینہ اپنے پڑاؤ سے کوچ کیا تو حضرت ابوبکرؓ کچھ دور تک یزید کے ہمراہ پیدل گئے۔ یزید کو رخصت کرتے وقت خلیفہ نے جو الفاظ کہے، اور جن کا دوسرے جیوش کے سپہ سالاروں کے سامنے انہوں نے اعادہ کیا، وہ یہ تھے:

"اپنے سفر کے دوران اپنے آپ پر یا اپنی فوج پر سختی نہ کرنا۔ اپنے سپاہ یا اپنے افسروں کے ساتھ، جن سے تمہیں تمام امور میں مشورہ لینا چاہیئے، درشتی سے پیش نہ آنا۔

انصاف سے کام لینا اور معصیت و ظلم سے باز رہنا، کیونکہ کوئی بھی ناانصاف قوم بامراد نہیں ہوتی اور دشمنوں پر فتح حاصل نہیں کرتی۔

جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو اسے پیٹھ نہ دکھانا، کیونکہ جو کوئی کسی جنگی چال کے تقاضے یا دوبارہ مجتمع ہونے کی غرض کے بغیر، دشمن کو پیٹھ دکھاتا ہے اس پر اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا، اور وہ کیا ہی خوفناک مقام ہے۔

اور جب تم اپنے دشمنوں پر غالب آجاؤ تو عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو، اور نہ ہی جانوروں کو، سوائے ان کے جو تم کھانے کے لئے ذبح کرو۔ اور جو معاہدے کرو

انہیں مت توڑو۔

تمہیں کچھ ایسے لوگ ملیں گے جو راہبوں کی طرح خانقاہوں میں رہتے ہیں، اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑ چکے ہیں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا اور ان کی خانقاہوں کو مسمار نہ کرنا۔ اور تمہیں وہ لوگ بھی ملیں گے جو شیطان کے ساتھی اور صلیب کے پجاری ہیں اور جو اپنے سر کے درمیانی حصے کے بال اس طرح منڈواتے ہیں کہ ان کی کھوپڑیوں کی جلد صاف نظر آسکتی ہے۔ ان پر تلواروں کے ساتھ حملہ کرنا، اور اس وقت تک پیچھے نہ ہٹنا جب تک وہ اسلام قبول نہ کرلیں یا جزیہ ادا کرنے پر رضامند نہ ہو جائیں۔

میں تمہیں اللہ کی امان میں دیتا ہوں۔"[1]

حضرت ابوبکرؓ یہ خطبہ دیتے ہوئے نبی کریمؐ کی سنت پر عمل کر رہے تھے، کیونکہ آنحضرتؐ جب کوئی مہم روانہ کرتے تو اس کے سپہ سالار کو نصیحت فرماتے: "اللہ کے نام پر جنگ کرنا، لڑائی کرنا، لیکن حد اعتدال سے تجاوز نہ کرنا، غدار مت بننا، کسی کے اعضا نہ کاٹنا اور خانقاہ نشینوں کو قتل نہ کرنا۔"[2] بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تقریباً دو میل تک یزید کے ساتھ ساتھ پیدل گئے تھے، اور جب یزید نے انہیں لوٹ جانے کو کہا تو انہوں نے جواب دیا "میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ جو پاؤں اللہ کے راستے میں گرد آلود ہو جائیں انہیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔"[3]

---

[1] واقدی: صفحہ ۴

[2] ابو یوسف: صفحہ ۱۹۳-۱۹۵

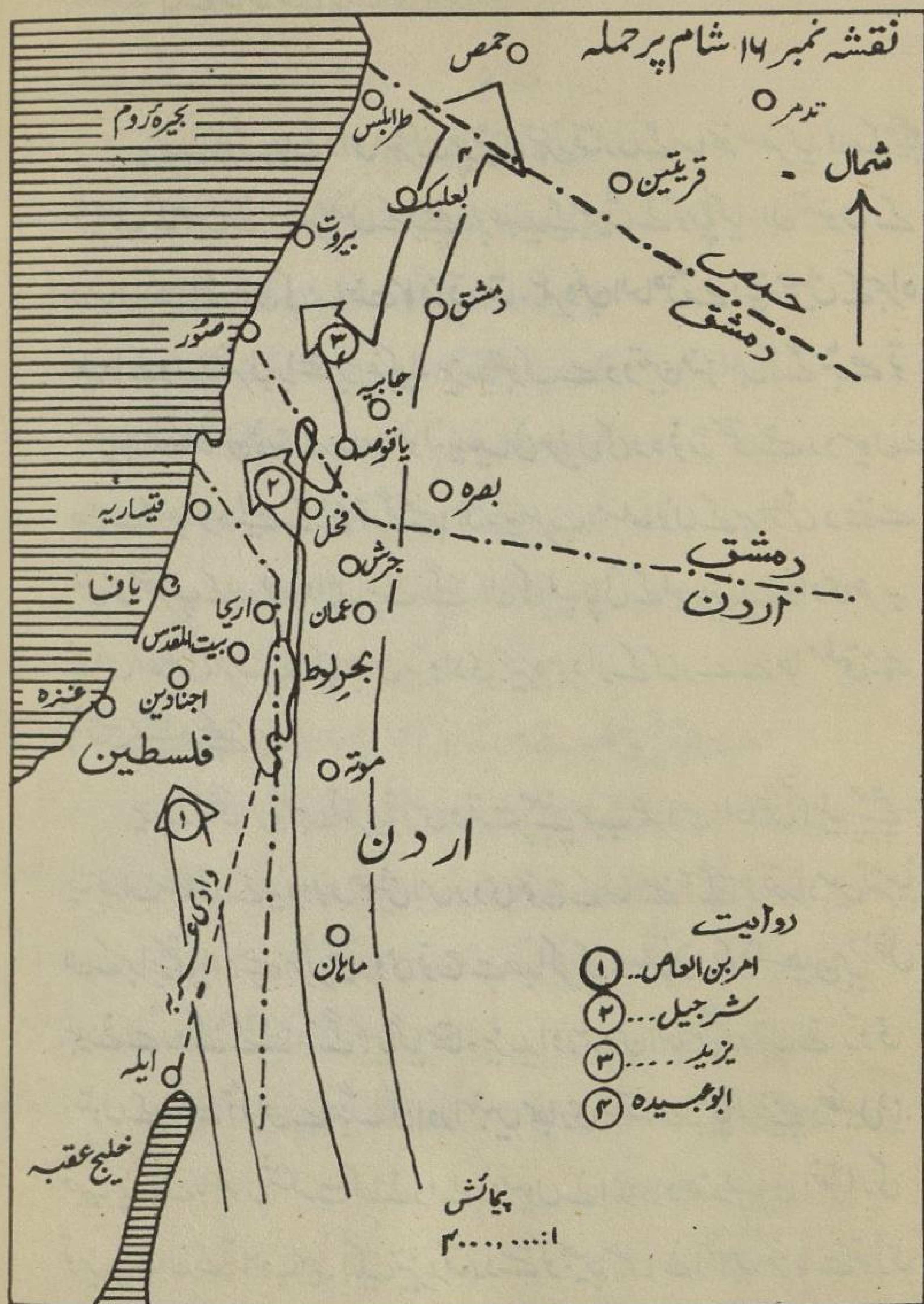
[3] ایضاً: صفحہ ۶

یہ تھے وہ الفاظ جو یزید کے کانوں میں روانگی کے وقت گونج رہے تھے۔ اور یہ تھا وہ جذبہ جس کے ساتھ شام پر حملے کا آغاز ہوا۔

☆

یزید نے تبوک جانے والی سڑک پر بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کیا۔ ان کے پیچھے شرحبیل کے جیش نے اور شرحبیل کے پیچھے ابوعبید کے جیش نے کوچ کیا۔ ان تینوں کے درمیان ایک ایک دن کی مسافت کا فرق تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے اپنے جیش کے ہمراہ ایلہ جانے والے مغربی راستے پر سفر کیا۔ یزید تبوک سے دو تین منزلیں آگے بڑھے تو پہلی بار ان کا دشمن فوج سے سامنا ہوا۔ یہ عیسائی عربوں کی وہ فوج تھی جسے رومیوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے آگے بھیجا تھا۔ یہ عرب، مسلمانوں کے ہراول دستے سے ہلکی سی جھڑپ کے بعد فوراً واپس پلٹ گئے۔ ان کی پسپائی کے بعد یزید نے وادی عربہ کے اس مقام کی طرف رخ کیا جہاں یہ وادی بحیرہ مردار کے کنارے سے جا ملتی ہے (نقشہ نمبر ۱۶ دیکھئے۔)

یزید وادی عربہ میں تقریباً اسی وقت پہنچے جب عمرو بن العاصؓ ایلہ پہنچے۔ چنانچہ اب مسلمانوں کے یہ دونوں جیش اس رومی فوج کے سامنے آگئے جو تعداد میں تقریباً ان کے برابر تھی اور جسے مرکزی رومی فوج سے جدا کر کے مسلمانوں کو فلسطین میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے، آگے بھیجا گیا تھا۔ یزید اور عمرو بن العاصؓ دونوں نے رومی دستوں کے سامنے آکر ان سے جنگ کی اور انہیں بھاری نقصان پہنچا کر پیچھے دھکیل دیا۔ جب یزید کے ہاتھوں شکست کھانے والے رومیوں نے اندھا دھند پسپائی اختیار کی تو یزید نے ان کے تعاقب میں ایک تیز رفتار دستے کو بھیجا جس نے انہیں غزہ سے تھوڑی دور دھر داثن کے مقام پر جا لیا اور وادی عربہ میں دوبارہ یزید کے ساتھ آملنے سے



نقشہ نمبر ۱۶ شام پر حملہ
حمص
تدمر
طرابلس
بحیرہ روم
شمال
قریتین
بعلبک
بیروت
دمشق
حمص
دمشق
صور
جابیہ
یاقوصہ
بصرہ
قیساریہ
فحل
جرش
دمشق
اردن
یافا
اریحا
عمان
بیت المقدس
بحر لوط
اجنادین
غزہ
فلسطین
موتہ
اردن
وادی عربہ
ماہان
ایلہ
خلیج عقبہ
روایت
امر بن العاص.. ۱
شرجیل... ۲
یزید.... ۳
ابو عبیدہ ۴
پیمائش
۱:۳,۰۰۰,۰۰۰

بیشتر انہیں خاصا نقصان پہنچایا۔ اس اثنا میں عمرو بن العاصؓ اس وادی کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف بڑھ رہے تھے، اس طرح مسلمانوں کے مدینے سے روانہ ہونے کے پندرہ دن کے اندر اندر کئی جھڑپیں ہو چکی تھیں۔

جس دوران میں یزید کا جیش جنگی کارروائی میں الجھ کر اپنے متعیّن راستے سے ہٹ آیا تھا، شرجبیل اور ابو عبیدہؓ معان سے موتہ اور موتہ سے عمان جانے والے بڑے راستے پر بدستور شمال کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد یزید نے بھی اس کے پیچھے پیچھے سفر شروع کر دیا۔ ماہ صفر کے آخر (مئی کے آغاز) میں شرجبیل اور ابو عبیدہؓ بصریٰ اور جابیہ[1] کے درمیانی علاقے میں پہنچ گئے۔ یزید نے شمال مشرقی اردن کے کسی مقام پر پڑاؤ قائم کیا۔ اور عمرو بن العاص وادی عربہ کے پاس انتظار کرنے لگے۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب مسلمانوں کو احساس ہوا کہ رومی عقاب پر تول رہا ہے۔ فی الواقع رومی عقاب پہلے ہی سے محو پرواز تھا۔

شہنشاہ ہرقل حمص میں تھا، جہاں وہ مسلمانوں کے خلاف جوابی کارروائی کی تدبیریں بنا رہا تھا۔ جب اس نے پہلی بار سنا کہ لشکر فارس کو خالدؓ کے ہاتھوں تباہ کن شکستوں کا منہ دیکھنا پڑا ہے تو اسے بڑا تعجب ہوا۔ کیونکہ عربوں کے بارے میں اس کی رائے اس رائے سے بہتر نہیں تھی جو حکومت فارس کبھی ان ہی عربوں کے بارے میں رکھتی تھی۔ لیکن وہ زیادہ پریشان نہ ہوا۔ اور جب اسے خالد بن سعید کی ذلت آمیز شکست کی خبر ملی تو وہ بالکل ہی مطمئن ہو گیا۔ تاہم اس نے متعدد کثیر التعداد دستوں کو

---

[1] مسعودی (مروج، جلد ۴، صفحہ ۶۶) جابیہ کا محل وقوع جاسم سے ۲ میل کے فاصلے پر بتاتا ہے۔ یہ موجودہ جاسم اور نوائے قدرے مغرب کی جانب واقع تھا، اور مسلمانوں کی آمد کے بعد اس مقام کو ایک فوجی چھاؤنی کی حیثیت سے شہرت حاصل ہو گئی۔

اجنادین کے مقام پر قیام کرنے کا حکم دیا۔ جہاں سے وہ فلسطین یا اردن میں داخل ہونے والی کسی بھی اسلامی فوج کے خلاف جنگی کارروائی کر سکتے تھے۔

جب اسلامی جیوش مدینے سے روانہ ہوئے تو رومیوں کو عیسائی عربوں کے ذریعے ان کی پیش قدمی کی اطلاع مل گئی۔ جب ہرقل کو اس تازہ صورت حال اور مسلمانوں کی نقل و حرکت کے رخ کا علم ہوا تو اسے خیال ہوا کہ یہ اس کی مملکت پر حملہ کرنے کی ایک سنگین کوشش ہے۔ اس کے فوراً بعد اسے اطلاع ملی کہ اجنادین سے بھیجے جاتے والے دفاعی دستوں کو اسلامی فوج کے ہراول جیش کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ان ناہنجاروں کو ان کے کئے کا مزہ چکھائے گا اور انہیں اسی ریگستان کی طرف مار بھگائے گا جہاں سے وہ آئے تھے۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق رومی فوج کے بڑے بڑے دستوں نے فلسطین اور شام کی دفاعی چوکیوں سے اجنادین کی طرف پیش قدمی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اب تک مسلمان سپہ سالار مقامی لوگوں کے ساتھ رابطے قائم کر کے ایک مربوط جاسوسی نظام کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ انہیں اجنادین کے مقام پر ایک رومی فوج کی موجودگی کی پہلے ہی سے اطلاع مل چکی تھی۔ چند روز کے بعد انہیں اپنے جاسوسوں کے ذریعے مزید بھاری رومی فوجی دستوں کی اجنادین کی جانب نقل و حرکت کی خبر ملی۔ چنانچہ شام میں مقیم تمام مسلمان سپہ سالاروں نے ابو عبیدہؓ کو اپنے قاصدوں کے ذریعہ رومیوں کی ان پیش قدمیوں سے مطلع کیا۔ اسلامی فوج کے تین جیش کم و بیش ایک ہی علاقے یعنی مشرقی اردن، اور جنوبی شام' میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، اور ابو عبیدہؓ نے انہیں فوراً اپنی قیادت میں لے لیا۔ عمرو بن العاصؓ نسبتاً زیادہ دور تھے۔ اور انہیں خیال ہوا کہ رومی انہیں کے جیش کے خلاف تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ابو عبیدہؓ سے

سے مدد طلب کی۔

ربیع الاول کے وسط (مئی کے تیسرے ہفتے) میں ایک روز خلیفہ کو ابو عبیدہؓ کا پیغام موصول ہوا، جس میں شام اور فلسطین کے اس وقت کے حالات کا خاصا واضح نقشہ پیش کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کا اندازہ تھا کہ رومیوں کی ۱۰۰۰۰۰ افراد پر مشتمل فوج جلد ہی اجنادین میں جمع ہو جائے گی، جہاں سے وہ یا تو سامنے کی طرف سے عمرو بن العاصؓ پر حملہ کرے گی یا دوسرے تین اسلامی جیوش کے بازوؤں اور عقبی دستوں کے خلاف کوئی جنگی چال چلے گی۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔ رومی فوج کی تعداد کے متعلق مسلمانوں کا اندازہ کچھ غلط نہیں تھا۔

مسلمانوں کے لئے صورت حال مشکل ہو گئی تھی۔ ان کا شام پر چڑھائی کرتے وقت رومیوں کی تعداد کے بارے میں قیاس غلط نکلا۔ ان کی اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی اور اب ظاہر تھا کہ رومی اپنے مستحکم شہروں میں بیٹھ کر حملے کا انتظار نہیں کرنا چاہتے بلکہ میدان میں ایک بڑی جارحانہ جنگ لڑنے کے لئے ایک عظیم الشان فوج کی صورت میں مجتمع ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اب یا تو ایک ہی جگہ جم کر شہنشاہ روم کی فوج کے مقابلے میں ایک عام جنگ لڑنی تھی یا تیزی کے ساتھ عرب کی جانب پسپا ہو جانا تھا، اور ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت مناسب نظر نہیں آتی تھی۔ خلیفہ نے دوسرے امکان کو تو بلا تامل مسترد کر دیا۔ رومیوں کی طاقت کے ڈر سے واپس عرب چلے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ شام پر چڑھائی شروع کی جا چکی تھی اور اب اسے بہر صورت جاری رکھنا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کو جس سوال نے سب سے زیادہ پریشان کیا وہ یہ تھا کہ شام میں مسلمان فوج کی قیادت کون کرے؟ حضرت ابوبکرؓ حکم دے چکے تھے کہ چاروں جیش جب بھی جنگ کے لئے یکجا ہوں گے ان کی قیادت ابوعبیدہؓ کریں گے۔

ابو عبیدہؓ ایک باشعور، زیرک اور ایک نہایت معززو محترم مسلمان تھے۔ ان کی ذاتی شجاعت پر بھی کوئی شخص انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ ابو عبیدہؓ طبعاً نرم دل اور منکسر المزاج آدمی ہیں اور انہیں بڑے پیمانے کی جنگی کارروائیوں میں فوجی قیادت کا تجربہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اس بات سے مطمئن نہیں تھے کہ حضرت ابو عبیدہؓ روم کی تربیت یافتہ فوج سے نبرد آزما ہو سکیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان حالات میں بہترین فیصلہ کیا اور وہ یہ تھا کہ شام میں اسلامی فوج کی قیادت کے لئے خالدؓ بن الولید کو بھیجا جائے۔ انہوں نے سوچا کہ خالدؓ حال ہی میں متعدد خوں ریز جنگیں لڑ کر لشکر فارس کو تہس نہس کر چکے ہیں۔ خالدؓ مناسب کارروائی کی تدبیر ڈھونڈ نکالیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ کر کے اطمینان کا سانس لیا اور انہیں یوں لگا جیسے ان کے کندھوں پر سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا ہے۔ "واللہ"، انہوں نے کہا "میں خالدؓ بن الولید کے ذریعے رومیوں اور شیطان کے ساتھیوں کو نیست و نابود کروں گا۔"[۱] چنانچہ انہوں نے ایک تیز رفتار قاصد کو خالدؓ کے نام یہ ہدایات دے کر حیرہ بھیجا کہ وہ اپنی نصف فوج لے کر شام کی طرف پیش قدمی کریں، وہاں پر موجود اسلامی جیوش کی قیادت سنبھالیں اور رومیوں کے خلاف جنگ کریں۔

☆

اس کتاب کا اگلا باب واقعات کے اس سلسلے سے متعلق ہے جو شام کو فتح کرنے میں خالدؓ کا معاون ثابت ہوا۔ چونکہ اس موضوع پر ابتدائی مورخین کی روایات میں کافی کچھ ابہام اور تناقض موجود ہے، مجھے اس مہم کے بارے میں اپنے بیان میں غلطی کے امکان کا پورا پورا احساس ہے۔ اس مہم کے متعدد پہلوؤں پر مختلف آرا ملتی ہیں۔ مثلاً بڑی جنگوں کی تاریخیں

---

۱ طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۰۳

اوران جنگوں میں صف آرا ہونے والی فوجوں کی تعداد کے متعلق، اس ترتیب کے متعلق جس کے ساتھ یہ جنگیں لڑی گئیں، اوراس امر کے بارے میں کہ انفاقیہ جھڑپوں کے دوران قیادت کس کے ہاتھ میں تھی۔ واقدی واحد مؤرخ ہے جس نے اس مہم کی تمام تر جزئیات کو مفصل طور پر بیان کیا ہے، لیکن اس کے بیان میں بھی غلطیاں پائی جاتی ہیں، کیونکہ یہ بیان ان روایات پر مبنی ہے جو شام کے نبرد آزما سپاہیوں سے سینہ بہ سینہ اس مؤرخ تک پہنچی ہیں اور جن میں بعض اوقات سراسر تضاد نظر آتا ہے۔

میں نے ان تمام روایات کی بنا پر جو دستیاب ہو سکتی ہیں اس کتاب میں ایک ایسا سلسلۂ واقعات کا خاکہ اوران واقعات پر مبنی ایک ایسا بیان تیار کیا ہے جو زیادہ سے زیادہ فوجی مفہوم کا حامل ہے اور جس میں تضادات کی کم سے کم گنجائش نظر آتی ہے قارئین کو میں نے اس مہم کے مقبول عام بیان سے ہر انحراف اور ہر متبادل بیان کی تشریح کرنے والے لمبے چوڑے حواشی کی پیچیدگیوں میں الجھانے سے احتراز کیا ہے۔ صرف اہم تر مسائل کی صورت میں حواشی دیدیئے گئے ہیں تاکہ ہر قاری خود اپنی رائے قائم کر سکے۔ واللہ اعلم بالصواب!

٢٨

شام کے اندر مزید پیش قدمی

اگر خالدؓ کے سپاہ کو یہ توقع تھی کہ اپنے پانچ روزہ سفر کے تکلیف دہ تجربے کے بعد ــ جس نے انہیں کسی جنگ سے بھی بڑھ کر مکمل تباہی کے کنارے پہنچا دیا تھا ــ وہ ایک آدھ روز آرام کر پائیں گے، تو یہ ان کی بھول تھی۔ اگلے ہی روز علی الصبح خالدؓ اپنے لشکر کو لے کر سوئی کی جانب چل دیئے۔ سپاہ اس بارے میں شکایت بھی نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ان کے سپہ سالار نے خود بھی نہ تو آرام کیا اور نہ اپنے چہرے سے آرام کرنے کی ضرورت کا اظہار ہونے دیا۔ دراصل جب یہ سفر شروع ہوا اور خالدؓ نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنی فوج کے پرّے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لیا تو سپاہ کے دل اپنے سپہ سالار کو دیکھ کر تازہ حوصلوں سے لبریز ہو گئے اور ان کے ذہن سے گزشتہ خطرناک سفر کی تلخ یادیں محو ہو گئیں۔ اس دن شام میں پہلی دفعہ خون بہا اور ایسا ہونا لازمی تھا، کیونکہ خالدؓ شام پہنچ چکے تھے!

خالدؓ نے وہ زرہ پہن کر مہم شام کا آغاز کیا جو کبھی مسیلمہ کذّاب کی ملکیت تھی۔ اور ان کی چمڑے کی چوڑی بیٹی کے ساتھ جو شاندار تلوار لٹک رہی تھی وہ بھی کبھی مسیلمہ کذّاب ہی کی ملکیت تھی۔ یہ دونوں چیزیں فتح یمامہ کی امتیازی نشانیاں تھیں۔ انہوں نے اپنے زنجیری خود کے اوپر سرخ عمامہ باندھ رکھا تھا اور خود کے نیچے ایک سرخ ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جب اس ٹوپی کو غور سے دیکھا جاتا تو اس میں چند سیاہ دھاریاں نظر آتی تھیں۔

خالدؓ کی نگاہ میں یہ ٹوپی ان کے تمام ہتھیاروں اور زرہ بکتر سے زیادہ قیمتی تھی۔ اس کا قصہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ خالدؓ کے ہاتھ میں وہ سیاہ علم تھا جو نبی کریمؐ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ یہ علم کبھی آنحضرتؐ کے پاس ہوتا تھا اور عقاب کے نام سے مشہور تھا۔

خالدؓ کے ہمراہ وہ ۹۰۰۰ نڈر جنگجو تھے جو متعدد کامیاب جنگیں لڑ چکے تھے۔ ان میں کوئی ایک سپاہی بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے محبوب سپہ سالار کا حکم ملنے پر اپنی جان قربان کرنے سے ایک لمحے کے لئے بھی ہچکچاتا۔ اس دور کے کچھ انتہائی دلیر نوجوان افسر بھی شریک تھے، جنہوں نے اس مہم کے دوران شجاعت کے حیرت انگیز مظاہرے کئے اور موت کی ہنسی اڑائی۔ ان افسروں میں خود خالدؓ کے فرزند عبدالرحمٰن تھے، جو عین اسی زمانے میں اٹھارہ برس کے ہوئے تھے۔ ان میں خلیفہ کے فرزند بھی تھے۔ اور ان کا نام بھی عبدالرحمٰن تھا ان میں رافع بن عمیر تھے جنہوں نے خطرناک سفر کے دوران راہ نمائی کے فرائض سرانجام دیئے تھے اور جو خالدؓ کے داماد اور ایک زبردست جنگجو تھے۔ ان میں قعقاع بن عمرو تھے جنہیں خلیفہ نے خالدؓ کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ اور ان میں وہ چھریرے اور گٹھے ہوئے بدن کا نوجوان بھی شامل تھا جس کی زندہ دلی اور گرمجوشی تھکے ماندے سپاہ کو تازہ دم اور دوبارہ آمادۂ جنگ کر دیتی تھی۔ اس کا نام ضرار بن الازور تھا۔ اس کے متعلق ہمیں اس مہم کے تذکرے میں بہت کچھ معلوم ہوگا۔ ضرار کو خالدؓ کا دست راست بننا تھا۔ اس مہم میں انہیں انتہائی جرأت آزما اور جنگی فرائض سونپے گئے۔ اور انہوں نے ایک طرف خطروں کی پرواہ نہ کی اور دوسری طرف بڑے سلیقے سے زور شور کی جنگ لڑی۔

سہ پہر ہوتے ہی خالدؓ کی فوج سوی پہنچ گئی (نقشہ نمبر ۱۵ دیکھئے) سرحد شام کے قریب یہ پہلی بستی تھی۔ اور یہ اس صحرا میں ایک ایسا شاداب مقام تھا جس کے اردگرد

ایک سبزہ زار تھا، جو بھیڑوں کے ریوڑ اور مویشیوں کے گلوں کے لئے چراگاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ خالدؓ نے مہم کے دوران اس بستی سے گزرتے ہوئے ہر طرح کی مزاحمت کے باوجود اس چراگاہ پر قبضہ کرلیا اور فوج کو خوراک مہیا کرنے کے لئے چراگاہ کے ریوڑ اپنے قبضے میں لے لئے۔

اگلے روز خالدؓ کا لشکر ارک پہنچا۔ یہ ایک قلعہ تھا، جس کی حفاظت پر ایک رومی افسر کی زیر قیادت عیسائی عربوں کی ایک فوج مامور تھی۔ جب یہ محافظ فوج اسلامی لشکر کو دیکھ کر قلعے کے اندر پناہ گزین ہوگئی تو مسلمانوں نے ارک کا محاصرہ کرلیا۔ یہاں خالدؓ کو اس بات کا پہلی بار علم ہوا کہ ان کی شہرت ان علاقوں تک محدود نہیں تھی جہاں انہوں نے جنگیں لڑی تھیں۔ دشمن سے لڑے بغیر ہتھیار رکھوانے کے لئے ان کی ناموری کارگر ثابت ہوئی۔

ارک میں ایک معمر عالم رہتا تھا، جو عالمی معاملات سے باخبر تھا۔ جب اسے اس دشمن فوج کی آمد کے بارے میں بتایا گیا جو ریگستان کو عبور کرکے آئی تھی، تو اس نے دریافت کیا: "کیا اس فوج کا علم سیاہ رنگ کا ہے؟ کیا اس فوج کا سپہ سالار ایک دراز قد، قوی الجثہ اور چوڑے کندھوں والا آدمی ہے، جس کے چہرے پر بھری ہوئی داڑھی اور چیچک کے چند داغ ہیں؟[1]" جب مخبروں نے ان سب علامتوں کی تصدیق کی تو اس بوڑھے عالم نے ان کو ہدایت کی۔ "تو پھر اس فوج سے سوچ سمجھ کر جنگ کرنا!"

اس محافظ فوج کے رومی سالار نے قلعہ سے دست بردار ہونے کی پیش کش کی، اور وہ مسلمانوں کی طرف سے پیش کی جانے والی فیاضانہ شرائط کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اہل ارک کو جزیہ ادا کرنے کے علاوہ نہ اور کوئی محصول ادا کرنا تھا اور نہ کسی پریشانی کا سامنا تھا

[1] واقدی: صفحہ ۱۵

اس معاہدے پر دستخط ہو گئے، قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا، اور اسلامی لشکر نے رات گزارنے کے لئے قلعہ کے باہر ڈیرے ڈال دیئے۔

اگلی صبح خالدؓ نے سخنہ اور قدمہ (جسے اب قدمیہ کہتے ہیں) کو زیر کرنے کے لئے اپنی فوج کے دو دستے روانہ کئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک شتر سوار کو جابیہ کے علاقے میں ابوعبیدہؓ کا کھوج لگانے اور انہیں یہ بتانے کے لئے بھیجا کہ وہ خالدؓ کی آمد تک یا ان کی طرف سے مزید ہدایات پہنچنے تک اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ پھر خالدؓ نے اپنی مرکزی فوج کو ساتھ لے کر تدمر (پلمیرا) کی طرف کوچ کیا۔

جب خالدؓ کی طرف سے سخنہ اور قدمہ بھیجے جانے والے فوجی دستے ان مقامات پر پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے، جو ایک روز پیشتر اَرَک کو پیش کی جانے والی فراخدلانہ شرائط سے آگاہ ہو چکے تھے، ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا، اور وہ دل وجان سے مسلمانوں کے دوست بن گئے۔ چنانچہ ان مقامات پر کوئی گڑبڑ نہ ہوئی اور مسلمانوں کے یہ دونوں دستے کسی خونریزی کے بغیر اپنی فوج میں واپس آ گئے۔

تدمُر کے مقام پر مسلمانوں کے پہنچنے اور اس قلعے کا محاصرہ کرتے ہی اگرچہ وہاں کی محافظ فوج قلعہ بند ہو گئی، طرفین کے درمیان پرامن طور پر ہتھیار ڈالنے کے بارے میں گفت وشنید جاری رہی۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اہل تدمُر نے جزیہ ادا کرنے اور اپنے قصبے سے گزرنے والی کسی بھی مسلمان فوج کو خوراک اور رہنے کی جگہ کا انتظام کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ تدمُر کے عرب سردار نے خالدؓ کو ایک بیش بہا گھوڑا بھی تحفتہً دیا جس سے انہوں نے اس مہم کی کئی جنگوں میں کام لیا۔

تدمُر سے فوج نے قریتین کی جانب کوچ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے ان مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکا۔ چنانچہ ان کے خلاف جنگ کر کے انہیں شکست دی اور مال غنیمت

ہاتھ آیا۔

اگلا پڑاؤ حوّارین (قریتین سے تقریباً دس میل آگے) تھا، جہاں مویشیوں کے گلے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ جب مسلمانوں نے مویشیوں کو جمع کرنا شروع کیا تو ان پر ہزاروں عرب ٹوٹ پڑے۔ ان حملہ آوروں میں مقامی باشندے اور بصرے کے وہ غسّانی شامل تھے جو بڑی تیزی سے اپنے ان حوّارین کے ساتھیوں کی امداد کے لئے پہنچ گئے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں بھی شکست دی اور مال غنیمت اکٹھا کیا۔

مسلمان فوج نے اگلی صبح دمشق کی طرف کوچ کیا اور تین روز تک سفر کرنے کے بعد وہ ایک درّے میں جو دمشق سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر تھا، پہنچ گئی۔ یہ درّہ موجودہ عذرا اور قُتَیفہ کے درمیان واقع ہے اور ایک ایسی پہاڑی ڈھلان کو قطع کرتا ہے جو آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی ہے اور بتدریج ارد گرد کی سطح زمین سے ۲۰۰۰ فٹ بلند ہو جاتی ہے۔ یہ پہاڑی ڈھلان اس سلسلۂ کوہ کا ایک حصّہ ہے جو جبل الشّرق کہلاتا ہے۔ جبل الشرق خود شام اور لبنان کے درمیان کے سلسلۂ کوہ کی ایک شاخ ہے اور تدمُر کی جانب شمال مشرقی رخ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا درّہ دشوار گزار نہیں لیکن خاصا طویل ہے۔ خالدؓ نے اس درّے کے سب سے اونچے حصّے پر پہنچ کر یہاں اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ چنانچہ یہ درّہ خالدؓ کے جھنڈے کی نام کی نسبت سے ثنیۃ العقاب (یعنی درّۂ عقاب) مشہور ہو گیا، لیکن اسے بعض اوقات صرف الثنیۃ کہا جاتا ہے[1]۔

خالدؓ نے اس مقام پر گھنٹہ بھر قیام کیا، ان کا جھنڈا ہوا میں لہراتا رہا اور وہ غوطۂ دمشق کی طرف غور سے دیکھتے رہے۔ جس جگہ خالدؓ کھڑے تھے وہاں سے دمشق کا

۱؎ یاقوت اس درّے کا محلِ وقوع غوطۂ دمشق سے آگے شاہراہِ حمص پر بتاتا ہے۔ (دیکھئے جلد ا، صفحہ ۹۳۶)۔

شہر تو دکھائی نہیں دیتا تھا، کیونکہ اس شہر کے شمال میں شرقاً غرباً پھیلی ہوئی سطح مرتفع نے اسے نگاہوں سے اوجھل کر رکھا تھا، مگر وہ غوطۂ دمشق کی زرخیزی اور خوبصورتی کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔[1]

خالدؓ درۂ عقاب سے موجودہ عذرا کے قریب دمشق جاتے والی سڑک پر واقع ایک بڑے غسانی قصبے، مرج راہط، کی طرف بڑھے۔[2] مسلمان وہاں ایسے وقت پہنچے کہ جب غسانی اپنا کوئی تیوہار منا رہے تھے۔ مگر ان کی آمد سے تیوہاری اجتماع جنگی شکل اختیار کر گیا۔ مرج راہط میں اس علاقے سے آنے والے لوگ جہاں خالدؓ نے ابھی دنوں جنگی کارروائیاں کی تھیں بڑی تعداد میں موجود تھے اور تیوہار منانے والوں میں شامل تھے۔ غسانیوں نے اس خطرے کو فراموش نہیں کیا تھا۔ جو خالدؓ کے شام میں داخل ہونے سے انھیں درپیش تھا۔ چنانچہ انھوں نے سپاہ کے ایک مضبوط حفاظتی دستے کو درے سے پیچھے، تدمر جانے والے راستے پر متعین کر دیا تھا لیکن اسلامی رسالے کے تیز حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے، یہ حفاظتی دستہ چند لمحوں کے اندر اندر تتر بتر ہو گیا۔ اگرچہ غسانی

---

[1] غوطہ اُس دور میں بھی اور آج بھی ایک سرسبز و شاداب اور زرخیز میدان رہا ہے، جو فصلوں باغوں اور دیہات سے اٹا ہوا ہے۔ یہ میدان دمشق کے گرداگرد پھیلا ہوا ہے۔ سوائے مغرب اور شمال مغرب کے جہاں شام و لبنان کی نشیبی پہاڑیاں واقع ہیں، اس میدان کی شکل انگریزی کے حرف U جیسی تھی، جس کے دونوں سرے متذکرہ بالا پہاڑیوں سے ملے ہوتے تھے اور جو دمشق سے ۱۰ میل دور تک پھیلا ہوا تھا۔

[2] مرج راہط بھی ایک سبزہ زار تھا۔ مسعودی کے قول کے مطابق (مروج، جلد ۳، صہ ۱۲ پر، وہ اسے مرج عذرا کہتا ہے۔) یہ قصبہ دمشق سے ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ لگ بھگ اس سبزہ زار کا مرکز اور اس قصبے کا محل وقوع ہوگا۔

سپاہ نے مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے اس کے بعد بھی کچھ کوشش جاری رکھی، جونہی مسلمانوں کی فوج مرج راہط کے قریب پہنچی یہ مزاحمت بالکل ختم ہوگئی اور مسلمان اچانک قصبے پر ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی ہی دیر بعد جب مسلمان مالِ غنیمت کی کثیر مقدار جمع کر چکے، اور انہوں نے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا تو خالدؓ نے اپنی فوج کو قصبے سے باہر لا کر اس کے سامنے خیمے گاڑ دیئے۔

اگلی صبح خالدؓ نے غوطہ پر چھاپہ مارنے کے لئے سواروں کے ایک طاقتور دستے کو دمشق کی جانب بھیجا اور پھر ایک قاصد کے ہاتھ ابو عبیدہؓ کو کہلوایا کہ وہ انھیں بصرے کے پاس ملیں۔ خالدؓ نے خود بھی کوچ کیا اور وہ دمشق کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے بصرے کی طرف بڑھنے لگے۔ دمشق بھیجے جانے والے سوار دستے نے اس شہر کے قرب و جوار میں پہنچ کر وہاں سے مزید مالِ غنیمت اور قیدی جمع کئے اور پھر خالد ابھی راستے ہی میں تھے کہ وہ دوبارہ ان کے ساتھ آملا۔

خالدؓ کے شام میں داخل ہونے کے بعد جن چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کا آغاز ہوا تھا وہ اب ختم ہو گئی تھیں۔

☆

ابو عبیدہؓ دریائے یرموک کے شمال مشرق میں واقع حوران کے ضلع پر پہلے ہی قابض ہو چکے تھے۔ اسلامی فوج کے تین جیش ان کے زیرِ قیادت تھے۔ ان کا اپنا جیش یزید کا جیش اور شرحبیل کا جیش۔ لیکن انہوں نے کوئی جنگ نہیں کی تھی اور کوئی شہر فتح نہیں کیا تھا۔ انہیں جس مقام نے خاصا پریشان کر رکھا تھا وہ بصریٰ تھا۔ یہ ایک بڑا قصبہ اور حکومت غسان کا پایۂ تخت تھا۔ (عراق کے بصرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں)۔ رومیوں اور عیسائی عربوں پر مشتمل ایک بھاری محافظ فوج، جس کی قیادت

رومی عہدیداروں کے ہاتھ میں تھی، اس قصبے کی حفاظت پر مامور تھی۔

جب خالدؓ مشرقی شام میں مخالف قوتوں کا صفایا کر رہے تھے، ابوعبیدہؓ کو خبر ملی کہ خالدؓ کے پہنچنے پر انھیں خالدؓ کے ماتحت کام کرنا پڑے گا، چنانچہ انہوں نے بصرہ پر فوراً قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ خالدؓ کو اس مسئلے سے پریشان نہ ہونا پڑے انہوں نے اسی وقت شرحبیلؓ کو ۴۰۰۰ سپاہ دے کر بصریٰ کو فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ شرحبیلؓ نے بصریٰ کی جانب کوچ کیا۔ محافظ فوج نے جونہی مسلمانوں کو آتے دیکھا، وہ اس قلعہ بند قصبے کے اندر گھس کر بیٹھ گئی۔ یہ محافظ فوج ۱۲۰۰۰ سپاہ پر مشتمل تھی۔ لیکن وہ یہ سوچ کر کہ شرحبیل کا فوجی دستہ محض ایک ہراول دستہ ہے اور مزید اسلامی افواج جلد ہی پہنچنے والی ہوں گی، قلعے کی چاردیواری کے اندر ہی بیٹھی رہی۔ شرحبیلؓ نے اس قلعے کی غربی جانب اپنا پڑاؤ قائم کیا، اور اپنے سپاہیوں کے چھوٹے چھوٹے دستے قلعے کے چاروں طرف متعین کر دیئے۔

دو روز تک کوئی واقعہ رونما نہ ہوا۔ تیسرے روز، جب خالدؓ نے بصریٰ کی طرف آخری دن کا سفر شروع کیا، اس قصبے کی محافظ فوج نے مسلمانوں کے خلاف جو بیرون شہر خیمہ زن تھے جنگ کرنے کے لئے، قلعے سے باہر نکل آئی۔ دونوں حریف فوجیں صف آرا ہوئیں۔ لیکن جنگ شروع ہونے سے پیشتر شرحبیلؓ اور رومی سپہ سالار کے مابین مذاکرات ہوئے۔ ان مذاکرات میں مسلمانوں نے حسب معمول دشمن کو اسلام، جزیہ یا جنگ میں سے کسی ایک چیز کو منتخب کرنے کی پیش کش کی۔ رومیوں نے جنگ کا انتخاب کیا اور صبح کے درمیانی حصے میں جنگ شروع ہو گئی۔

پہلے دو تین گھنٹے تک طرفین جم کر لڑتے رہے اور ان میں سے کسی کو سبقت حاصل نہ ہوئی۔ لیکن دوپہر ڈھلتے ہی رومیوں کی برتر تعداد نتیجہ خیز ثابت ہونے لگی اور جنگ

میں ان کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ رومی سپاہ کو اسلامی فوج کے میمنہ و میسرہ کے اردگرد پہنچانے میں کامیاب ہو گئے اور لڑائی کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ جب مسلمانوں نے خود کو واضح طور پر خطرے میں دیکھا تو ان کا جوش و خروش اور تیز ہو گیا۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ رومی انہیں نرغے میں لینے کی فکر میں ہیں، اس سے بچنے کے لئے خونریز جنگ کی۔ سہ پہر ہوتے ہوتے رومی فوج کے میمنہ و میسرہ کچھ اور آگے بڑھ چکے تھے۔ اور اب شرحبیلؓ کے لشکر کا بالکل گھر جانا سچ مچ ناگزیر معلوم ہونے لگا۔ اتنے میں مصروفِ پیکار سپاہ کو اچانک پتہ چلا کہ گھڑ سواروں کی ایک بھاری جمعیت شمال مغرب سے مسلسل میدان جنگ کی طرف گھوڑے دوڑاتی چلی آرہی ہے۔ اس جمعیت کے آگے آگے دو سوار اپنی تلواریں لہراتے آرہے تھے، جن میں سے ایک سوار بڑے قد و قامت کا تھا۔ اور اس کے سر پر سرخ رنگ کا عمامہ تھا۔

خالدؓ بصریٰ سے کوئی ایک میل دور تھے کہ فضا میں اس جنگ کی آوازیں گونجتی ہوئی ان کے کانوں تک پہنچیں۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت اپنے رسالے کے سپاہ کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ اور جب یہ رسالہ تیار ہو گیا تو اسے اپنی قیادت میں دوڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں لے آئے۔ ان کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سوار تھا۔ لیکن خالدؓ اور رومیوں کے مقابلے کی نوبت ہی نہ آئی۔ جونہی رومیوں کو اسلامی رسالے کی آمد کا علم ہوا، انہوں نے شرحبیل کے خلاف جنگ بند کر دی اور فوراً قلعے میں واپس چلے گئے۔ شرحبیلؓ کے ماتحت لڑنے والے مسلمانوں نے اس واقعہ کو ایک معجزہ سمجھا۔ ان کو یقین تھا کہ اللہ کی تلوار کا انہیں تباہی سے بچانے کے لئے بروقت پہنچنا تائید ایزدی تھا۔

شرحبیلؓ ایک بہادر اور پرہیزگار مسلمان تھے۔ جن کی عمر ساٹھ اور ستر سال

کے بین بین تھی۔ وہ نبی کریمؐ کے قریبی صحابہ میں سے تھے۔ اور ان کا شمار کاتبینِ وحی میں ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ کاتبِ رسولؐ مشہور تھے۔ اور انہیں بالعموم اسی نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ بطور سپہ سالار بھی وہ صلاحیت مند اور قابلِ اعتماد تھے۔ کیونکہ انہوں نے فنِ حرب کے متعلق خالدؓ سے، جن کے ماتحت وہ یمامہ اور مہم عراق میں جنگیں لڑ چکے تھے، بہت کچھ سیکھا تھا۔

خالدؓ نے ایک ہی نگاہ میں مسلمانوں اور رومیوں کی تعداد کا اندازہ لگا لیا۔ اور انہیں حیرت ہوئی کہ شرحبیلؓ نے بصریٰ کی محافظ فوج سے برسرپیکار ہونے سے پیشتر ان کے پہنچنے کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ چنانچہ جونہی ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو علیک سلیک کے بعد خالدؓ نے کہا "شرحبیل! کیا تم کو معلوم نہیں کہ یہ رومیوں کا ایک اہم سرحدی قصبہ ہے اور اس کی حفاظت کے لئے ایک ممتاز سپہ سالار بھاری فوج لئے مامور ہے؟ تم نے اتنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ رومیوں سے کیوں جنگ کی؟"

"ابوعبیدہؓ کے حکم سے" شرحبیل نے جواب دیا۔ اس پر خالدؓ نے کہا۔ "ابوعبیدہؓ انتہائی پاکیزہ کردار کے آدمی ہیں۔ لیکن وہ جنگی مصلحتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے؟"[1]

اگلی صبح رومی محافظ دوبارہ جنگ کرنے کو قلعہ سے باہر نکلی۔ رومیوں کو گزشتہ روز خالدؓ کی آمد سے جو دھچکا لگا تھا اس کا اثر اب زائل ہو چکا تھا۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ دونوں اسلامی فوجوں کی کل تعداد ان سے کچھ زیادہ نہیں، ایک بار پھر قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ انہیں یہ بھی امید تھی کہ وہ فوراً ہی جنگ کر کے مسلمانوں کو سفر کے بعد آرام کی مہلت نہ دے کر ہرا دیں گے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ خالدؓ کے سپاہی آرام کرنے کے عادی ہی نہ تھے!

---

[1] واقدی: صفحہ ۱۷

طرفین کی فوجیں قصبے کے بیرونی میدان میں جنگ کے لئے صف آرا ہوئیں۔ خالدؓ نے اپنی فوج کے قلب کو اپنے ماتحت رکھا۔ میمنہ کی قیادت رافع بن عمیر کے سپرد کی اور میسرہ کا سالار ضرار بن الازور کو مقرر کیا۔ انہوں نے سپاہ کی ایک چھوٹی تعداد کو آڑ کے طور پر قلب کے سامنے متعین کیا۔ اور اس کی قیادت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو سونپی۔ جنگ کا آغاز ہوتے ہی عبدالرحمٰن نے رومی فوج کے سپہ سالار کا تنہا مقابلہ کیا اور اسے شکست دے دی۔ جب رومی سپہ سالار پناہ لینے کے لئے اپنی فوج کی صفوں کی طرف بھاگا تو خالدؓ نے مخالف فوج پر بھرپور حملہ کر دیا۔ اسلامی فوج کے میمنہ و میسرہ کے سالاروں نے، بالخصوص ضرار نے مخالف فوج کے میمنہ و میسرہ میں تباہی مچا دی۔ اور رومی زیادہ دیر تک مسلمانوں کے حملے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس موقعہ پر ضرار نے ایک ایسی شخصی روایت قائم کی جس کے باعث وہ تمام شام میں مشہور ہو گئے۔ یہ روایت مسلمانوں کی نگاہ میں قابل قدر اور رومیوں کے لئے خوفناک تھی۔ دن کی تپش کے باعث ضرار نے زرہ اتار دی اور اس کی بندش سے آزاد ہو کے سکون محسوس کیا۔ پھر انہوں نے اپنی قمیص بھی اتار پھینکی، اور ان کے جسم کا کمر سے اوپر کا حصہ بالکل برہنہ ہو گیا۔ اب انہیں اور زیادہ اطمینان ہوا اور تازگی کا احساس ہوا۔ چنانچہ اسی نیم برہنہ حالت میں ضرار نے رومیوں پر اپنے حملوں کا آغاز کیا، اور ان تمام حریفوں کو تہ تیغ کر دیا جو ایک ایک کر کے ان سے نبرد آزما ہونے کو آئے۔ ہفتے بھر میں اس برہنہ مرد میدان کی داستانیں سارے شام میں پھیل گئیں اور اب صرف ایسے رومیوں کو ان سے نبرد آزما ہونے کی ہمت ہوتی تھی جو خود انتہائی بہادر تھے۔

کچھ دیر بعد رومی جنگ سے پیچھے ہٹ کر واپس قلعے کے اندر چلے گئے۔ اس دفعہ خالدؓ اپنی فوج کے قلب کے سامنے پا پیادہ لڑ رہے تھے۔ جب دشمن کا محاصرہ کرنے

کے احکام جاری کرتے کو وہ پیچھے کی طرف پلٹے تو انھیں ایک سوار نظر آیا جو مسلمانوں کی صفوں سے نکل کر آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ وہ سوار تھا جسے شام کی مہم میں خالدؓ کے بعد سب سے زیادہ شہرت اور عظمت حاصل ہوئی۔

اس شخص کی عمر پچاس اور پچپن سال کے بین بین تھی، اس کا قد لمبا، اور جسم دبلا پتلا لچکدار اور قدرے خمیدہ تھا، وہ ایک وجیہہ مرد تھا جس کی آنکھوں سے فہم و فراست اور شرافت جھلکتی تھی۔ اس کی مختصر سی داڑھی میں خضاب لگا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک ایسا جھنڈا اٹھا رکھا تھا جو صرف سپہ سالار اٹھاتے ہیں۔ یہ ایک زرد رنگ کا علم تھا، اور خیال کیا جاتا ہے کہ جنگ خیبر میں رسول اللہؐ نے یہی جھنڈا استعمال کیا تھا[۱]۔ اس نے جو سادہ اور سستا لباس پہن رکھا تھا وہ اس کی زرہ میں سے صاف نظر آتا تھا۔ جب وہ خالدؓ کو دیکھ کر مسکرایا تو اس کے سامنے اکھڑے ہوئے دانتوں کا خلا نظر آنے لگا۔ اور یہ وہ خلا تھا جس پر تمام مسلمانوں کو رشک آتا تھا۔ یہ ابو عبیدہؓ بن الجراح، الاثرم تھے۔ ان کے سامنے کے دانت جنگ احد میں نبی کریمؐ کے خود کی دو کڑیاں جوان کے رخساروں میں دھنس گئی تھیں نکالتے ہوئے اکھڑ گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابو عبیدہؓ ان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو تھے جن کے سامنے کے دانت نہیں تھے![۲]

اگرچہ انہیں ابو عبیدہؓ بن الجراح کہا جاتا تھا، ان کا اصل نام عامرؓ ابن عبداللہ بن الجراح تھا۔ ابو عبیدہؓ کے دادا ایک معروف جراح تھے، اور ابو عبیدہؓ بھی دوسرے عربوں کی طرح اپنے والد کی بجائے اپنے دادا کی نسبت سے مشہور تھے۔ صحابہ کرام میں ان کا درجہ بہت اونچا تھا اور نبی کریمؐ انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آنحضرتؐ نے

۱؎ واقدی صفحہ ۱۳۸

۲؎ ابن قتیبہ صفحہ ۲۴۴

فرمایا تھا "ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمت کا امین ابو عبیدہؓ ہے"[1] اس کے بعد سے ابو عبیدہؓ امین الامت مشہور ہو گئے۔ وہ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔

یہ تھے وہ شخص جن کو خالدؓ کا ماتحت بنایا گیا تھا، اور نئے سپہ سالار نے جب پرانے سپہ سالار کو قریب آتے دیکھا تو اس کو کچھ تشویش محسوس ہوئی۔ خالدؓ مدینے میں ابو عبیدہؓ سے بخوبی واقف تھے۔ اور انہیں ان کی غیر معمولی پرہیزگاری، اور ان کے دینداراتقدّس کے باعث محبت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دوسری طرف خالدؓ کو ابو عبیدہؓ اس لئے پسند کرتے تھے کہ وہ نبی کریمؐ کے منظورِ نظر تھے، جن کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے کفر کی بیخ کنی کے لئے منتخب کیا تھا۔ ابو عبیدہؓ کی مسکراہٹ کو دیکھ کر خالدؓ کی گھبراہٹ دور ہو گئی۔ جب وہ خالد کے قریب پہنچے تو گھوڑے سے اترنے لگے۔ کیونکہ خالدؓ ابھی تک پا پیادہ کھڑے تھے۔ مگر خالدؓ نے کہا "آپ گھوڑے سے نہ اتریئے"۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ گھوڑے پر ہی بیٹھے رہے۔ خالدؓ خود چل کر ان کے پاس آئے اور مہم شام کے ان دو چوٹی کے سپہ سالاروں نے باہم مصافحہ کیا۔

"اے ابو سلیمان" ابو عبیدہؓ نے کہا "مجھے ابوبکرؓ کا وہ خط وصول کر کے مسرت ہوتی ہے جس کے ذریعے انہوں نے تم کو مجھ پر سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ میرے دل میں کوئی رنجش نہیں ہے کیونکہ میں جنگی امور میں تمہاری مہارت سے واقف ہوں"۔

"واللہ" خالدؓ نے جواب دیا۔ "اگر خلیفہ کے احکام کی تعمیل کا سوال نہ ہوتا تو میں آپ کے اوپر سپہ سالار مقرر ہونا ہرگز قبول نہ کرتا۔ اسلام میں آپ کا مرتبہ مجھ سے کہیں بلند ہے۔ میں نبی کریمؐ کا صحابی ضرور ہوں مگر آپ تو وہ شخص ہیں جن کو رسول اللہؐ نے امین الامت قرار دیا ہے"[2] اس مختصر سی گفتگو کے ساتھ ہی ابو عبیدہؓ نے اپنا نیا عہدہ بڑے اطمینان

---

[1] ابن قتیبہ: صفحہ ۲۴۷
[2] واقدی: صفحہ ۲۳

سے خالدؓ کے زیر قیادت سنبھالا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بصریٰ کا محاصرہ مکمل کر لیا۔ رومی سپہ سالار مایوس ہو گیا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ دستیاب دستوں میں سے بیشتر یا تو اجنادین جا چکے ہیں یا جا رہے ہیں چنانچہ اسے کہیں سے بھی امداد ملنے کی کوئی خاص امید نہ تھی۔ اس نے چند روز تک کوئی کارروائی نہ کی اور پھر بغیر مزید جنگ کے قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ خالدؓ نے بصریٰ پر صرف جزیہ ادا کرنے کی شرط عائد کی۔ رومیوں نے یہ اطاعت تقریباً وسط جولائی ۶۳۴ء (وسط جمادی الاول ۱۳ھ) میں قبول کر لی۔

بصریٰ پہلا اہم قصبہ تھا جو مسلمانوں نے شام میں فتح کیا۔ اس فتح سے پیشتر دو روزہ جنگ میں مسلمانوں کے ۱۳۰ سپاہی شہید ہوئے۔ رومیوں اور عیسائی عربوں کے جانی نقصان سے متعلق تاریخی شواہد موجود نہیں ہیں۔ اب خالدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو ایک خط لکھا، انہیں اپنی ان جنگی کامیابیوں سے آگاہ کیا جو شام کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد وہ اس وقت تک حاصل کر چکے تھے۔ اور ساتھ ہی گزشتہ چند ہفتوں کے دوران ہاتھ آنے والے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بھجوا دیا۔ بصریٰ تابع ہوا ہی تھا کہ ایک جاسوس نے، جسے شرحبیلؓ نے اجنادین کے علاقے میں بھیجا تھا، واپس آکر مسلمانوں کو اطلاع دی کہ رومی فوجی دستے بڑی تیزی سے جمع ہو رہے ہیں اور جلد ہی ۹۰،۰۰۰ ہزار شہنشاہی سپاہ کا ایک بھاری لشکر اجنادین میں مجتمع ہونے والا ہے۔ اس اطلاع نے خالدؓ کو یاد دلایا کہ ان کے پاس دم بھر گنوانے کو نہیں ہے۔

اس وقت تک یزید دریائے یرموک کے جنوب میں تھے۔ عمرو بن العاصؓ وادی عربہ میں تھا اور ابو عبیدہؓ اور شرحبیلؓ کے جیوش کے متعدد دستے حوران کے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے خالدؓ نے تمام سپہ سالاروں کو لکھا کہ وہ اپنے مقام سے فوراً کوچ کر کے اجنادین میں

جمع ہو جائیں۔ چنانچہ یہ تمام مسلمان اپنے بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر اور بھیڑوں کے وسیع ریوڑوں کو، جو ان کے لئے خوراک کے چلتے پھرتے ذخیروں کا کام دیتے تھے، ہانکتے ہوئے شام کے مختلف مقامات سے اجنادین کی جانب روانہ ہو گئے۔ اب اجنادین کے مقام پر اسلام اور عیسائیت کے درمیان ہونے والی بڑی جنگوں کے سلسلے کی سب سے پہلی جنگ شروع ہونے والی تھی۔

جنگِ اجنادین

جولائی ۶۳۴ء کے تیسرے ہفتے میں اسلامی فوج نے بصریٰ کو کوچ کیا، اور اس کوچ کا منظر اتنا عجیب و غریب تھا کہ ایک باقاعدہ اور پابند نظم وضبط سپاہی اسے ایک نظر بھی دیکھنا گوارا نہ کرتا۔ اس فوج کی ظاہری ہیئت میں ایک معیاری تربیت یافتہ فوج کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ اس کی پیش قدمی ایک فوج کے باقاعدہ سفر کی بہ نسبت ایک قافلے کی نقل وحرکت سے زیادہ مشابہ تھی۔

اس لشکر کے سپاہ کے پاس کسی بھی قسم کی وردی نہ تھی، اور انہوں نے جو لباس پہن رکھے تھے ان میں کوئی یکسانیت نہ تھی۔ ان سپاہ کو ہر قسم کے ملبوسات پہننے کی اجازت تھی، جن میں غنیمت کے طور پر ہاتھ آنے والی ایرانی اور رومی قبائیں بھی شامل تھیں۔ اس فوج میں نہ تو تمام عہدوں کے مخصوص نشانات تھے اور نہ سپہ سالار ہی کی کوئی امتیازی شان تھی جو اس کو ماتحتوں سے ممتاز کرتی۔ دراصل جہاں تک عہدوں کا تعلق ہے اسلامی فوج میں کوئی افسر تھا ہی نہیں، کیونکہ افسری کوئی مستقل عہدہ نہیں، بلکہ ایک عارضی تقرری ہوتی تھی۔ کوئی بھی مسلمان اس فوج میں بھرتی ہو سکتا تھا۔ اور اپنے قبائلی رُتبے کو بھول کر عام سپاہیوں کے دوش بدوش جنگی خدمات بجالانے کو ایک اعزاز سمجھتا تھا کسی روز ایک شخص عام سپاہی کی حیثیت سے لڑتا تھا تو دوسرے روز وہ دس ہزار کے فوجی دستے یا اس سے بھی بڑی جمعیت کا سپہ سالار مقرر کر دیا جاتا تھا۔ افسروں کو

کسی خاص جنگ یا مہم میں قیادت کے لئے تعینات کیا جاتا تھا، اور جب وہ جنگ یا مہم ختم ہو جاتی تو وہی افسر عام سپاہ کی طرح فوج میں شامل ہو جاتے۔ اسلامی فوج کو اسی اعشاری نظام کے مطابق تشکیل کیا جاتا تھا جس کا نبی کریمؐ نے مدینے میں آغاز کیا تھا۔[1] اس فوج میں افسروں کے ماتحت ۱۰، ۱۰۰ اور ۱۰۰۰ سپاہ کے دستے ہوتے تھے۔ موخر الذکر تعداد کے دستوں کو موجودہ دور کی فوجی اصطلاح میں رجمنٹ کہا جا سکتا ہے۔ نسبتاً بڑی افواج مرتب کرنے کے لئے ان رجمنٹوں کی گروہ بندی میں لچک رہتی تھی، اور حالات کے تقاضوں کے مطابق ان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔

جنگی اسلحہ اور ساز و سامان کے معاملے میں بھی اسلامی فوج کسی معیار کی پابند نہیں تھی۔ اس کے سپاہ انہی ہتھیاروں سے لڑتے تھے جو ان کے پاس ہوتے تھے، اور یہ انھیں حاصل بھی خود ہی کرنے پڑتے تھے۔ خواہ خرید کر، خواہ شکست خوردہ دشمن سے۔ وہ اس دور میں عموماً استعمال ہونے والے تمام ہتھیاروں، نیزہ، بھالا، برچھی، تلوار، خنجر اور کمان یا ان میں سے کسی ایک ہی ہتھیار سے لیس ہو سکتے تھے۔ حفاظتی پوشش کے طور پر وہ زرہ بکتر اور زنجیریں خود پہنتے تھے، اور یہ دونوں چیزیں کسی بھی رنگ یا ساخت کی ہو سکتی تھیں۔ فی الواقعہ ان میں سے متعدد زرہ بکتر اور خود انہوں نے ایرانیوں اور رومیوں سے چھینے تھے،

ان سے فوج کا رسالہ مرتب ہوتا تھا۔

اس عظیم فوج کی نقل و حرکت کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ یہ سلسلہ مواصلات کی بندش سے آزاد تھی۔ اس کے پیچھے رسد بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ کیونکہ اس کا کوئی مرکز رسد ہی نہ تھا۔ اس کی خوراک مویشیوں کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ اور اگر گوشت

---

[1] طبری: جلد ۳، صفحہ ۱۰۴

ختم ہو جاتا تھا، تو تمام عورتیں اور بچے کئی ہفتوں تک محض کھجوروں اور پانی پر گزر کر سکتے تھے۔ اس فوج کو سامان خورد و نوش سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس رسد کے گوداموں کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لشکر کی نقل و حرکت کے لئے سڑکوں کی بھی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ وہ کسی قسم کی بھی گاڑی استعمال نہ کرتے تھے اور ہر چیز اونٹوں پر لدی ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ فوج کہیں بھی جا سکتی تھی، اسی راستے پر سفر کر سکتی تھی جس پر انسان اور جانور کے ملنے کی کوئی گنجائش ہو۔ نقل و حرکت کی اس سہولت کے باعث مسلمانوں کو حرکت اور رفتار کے لحاظ سے رومیوں پر بہت بڑی فوقیت حاصل تھی۔

اگرچہ یہ فوج ایک قافلے کی مانند سفر کر رہی تھی اور اس پر کسی غیر تربیت یافتہ جتھے کا گمان گزرتا تھا۔ تاہم فوجی نقطۂ نگاہ سے اس کے تحفّظ کا انتظام ایسا تھا کہ اس کا برہم کرنا تو تقریباً ناممکن تھا۔ اس کی پیش قدمی کی قیادت ایک ایسا تیز رفتار ہراول دستہ کرتا جو... اسپاہ یا اس سے بھی زیادہ پر مشتمل ہوتا۔ ہراول دستے کے پیچھے مرکزی فوج ہوتی، اور اس کے پیچھے پیچھے عورتوں، بچوں اور ساز و سامان سے لدے ہوئے اونٹ آتے۔ ان سے بھی پیچھے، فوج کے بالکل آخر میں عقبی محافظ دستہ گامزن ہوتا۔ طویل مسافتوں کے درمیان گھوڑے خالی رہتے، لیکن اگر اس سفر میں دشمن کی طرف سے کوئی خطرہ پیدا ہوتا تو سپاہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاتے۔ اس طرح جو رسالہ مرتب ہوتا وہ اس سمت کو مدّنظر رکھتے ہوئے جس سے سب سے زیادہ خطرہ لاحق ہوتا، یا تو ہراول دستے کے فرائض انجام دیتا یا چند اوّل کے یا فوج کے ایک بازو کی طرف کو دور ہٹ کر پیش قدمی جاری رکھتا۔ بوقت ضرورت پوری اسلامی فوج ایک دو گھنٹے کے اندر اندر نگاہوں سے اوجھل ہو کر اپنے کو کسی ایسے خطے کی دوسری جانب کچھ فاصلے پر محفوظ کر سکتی تھی جسے اور کوئی کثیر التعداد فوج عبور نہیں کر سکتی تھی۔ یہ تھا وہ انداز جس کے مطابق

مسلمانوں نے بُصریٰ سے کوچ کیا۔

اگرچہ تاریخ میں اس راستے کا ذکر نہیں ملتا جو اس اسلامی فوج نے اختیار کیا۔ تاہم وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بحیرۂ مردار کے شمالی علاقے سے گزرتا تھا کیونکہ یہ اسلامی لشکر عمرو بن العاص کے جیش سے پیشتر اجنادین پہنچا تھا اور ان کا جیش اسی مقام پر اس لشکر کے ساتھ آکر ملا تھا۔ اگر خالدؓ کے لشکر نے بحیرۂ مردار کے جنوب میں سفر کیا ہوتا تو اس نے عمرو بن العاص کو راستے ہی میں وادیٔ عربہ سے اپنے ساتھ لے لیا ہوتا۔ اس لشکر نے غالباً جرتش اور اریحا کے راستے سفر کیا۔ اور پھر اس نے یروشلم کے پاس سے کترا کر جہاں رومیوں کی ایک طاقتور محافظ فوج متعین تھی، یروشلم کے جنوب میں پھیلی ہوئی جودیہ پہاڑیوں کو عبور کیا۔ پہاڑیوں کے اس سلسلے کی دوسری طرف میدانِ اجنادین تھا، جہاں اسلامی لشکر ۲۴ جولائی کو اترا۔ اگلے روز عمرو بن العاصؓ بھی، خالدؓ کے مطابق، وادیٔ عربہ سے کوچ کرکے اجنادین پہنچ گئے تو ان کو کئی ہفتوں کی پریشانی کے بعد بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ وادیٔ عربہ میں ان کو کھٹکا لگا رہتا تھا کہ رومی افواج اجنادین میں جمع ہو کر ایک روز اچانک طوفان کی طرح ان پر ٹوٹ پڑیں گی۔

اب مسلمانوں نے اپنا پڑاؤ ڈالا جو ان کی فوج کی تعداد کو دیکھتے ہوئے بہت ہی دشوار کام تھا۔ ان کی فوج ۳۲۰۰۰ سپاہ پر مشتمل تھی۔ اور اس سے پہلے مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد جنگ کے لئے کبھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کا پڑاؤ رومیوں کے پڑاؤ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ رومی اور بھی زیادہ بڑے علاقے پر چھائے ہوئے تھے اور ان کا پڑاؤ یروشلم سے بیت جبرین جانے والی سڑک کے کنارے پھیلا ہوا تھا مخالف فوجیں ایک دوسرے کے عین متوازی تھیں۔ پڑاؤ ڈالتے وقت اس بات کا لحاظ دونوں طرف رکھا گیا تھا کہ حکم ملتے ہی فوجیں غیر ضروری نقل و حرکت کے بغیر

فوراً جنگ شروع کر سکیں۔

مسلمانوں نے اپنی فوجیں ہفتہ بھر میں اجنادین کے مقام پر جمع کر لی تھیں، جبکہ رومیوں کو اس کام میں دو ماہ سے زیادہ عرصہ صرف کرنا پڑا تھا۔ رومی فوج کو کسی بھی باقاعدہ اور وضعدار فوجی جمعیت کی طرح، نقل و حرکت کے لئے کافی وقت درکار تھا، اور اسے سامان خورد و نوش، گاڑیاں اور گھوڑے اکٹھا کرنے اور سپاہ کے لئے جنگی ساز و سامان اور اسلحہ فراہم کرنے میں کئی ہفتے صرف کرنا پڑے۔ چونکہ اس فوج کے ہمراہ ہزاروں مختلف قسم کی گاڑیاں بھی تھیں، اس لئے اسے اپنی نقل و حرکت کے لئے اچھی سڑکوں کی بھی ضرورت تھی۔ تاہم دو مہینے سے کچھ زائد عرصے میں رومیوں نے وردان، حاکمِ حمص، کے زیرِ قیادت ۹۰،۰۰۰ سپاہ پر مشتمل ایک فوج کو کامیابی کے ساتھ اجنادین کے مقام پر جمع کر لیا۔ ایک اور سالار نے جس کا نام قُبقلار تھا، اس فوج کے نائب سپہ سالار کے فرائض سرانجام دئے۔

مسلمانوں نے اپنی مرضی سے اجنادین کی طرف کوچ کیا تھا۔ رومی فوج جب تک اجنادین میں تھی اس سے مسلم جیش کو کوئی فوری خطرہ درپیش نہیں تھا۔ مسلمانوں کے لئے خطرہ صرف ایسی صورت میں پیدا ہوتا کہ رومی آگے بڑھنے کا اہتمام کرتے اور اس صورت مسلمان عرب اپنی رائج الوقت حکمتِ حرب کے مطابق اردن کے مشرقی یا جنوبی حصے کی طرف پیچھے ہٹتے اور صحرا کو عقب میں رکھ کر جنگ کرتے، تاکہ پسپائی کی صورت میں وہ بازگشت کر کے اس صحرا میں پناہ لے سکیں۔ ان حالات میں مسلمان نے اس بات کا انتظار کر سکتے تھے کہ ابتدائی حرکت رومیوں کی طرف سے ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی فوج نے صحرا کو چھوڑ کر اور ایک زرخیز اور آباد علاقے کے اندر دور تک گھس کر اپنے سے تین گنا رومی فوج کی جانب پیش قدمی کیوں کی۔ اس کا جواب خالدؓ کے کردار میں موجود ہے۔ جنگیں لڑنا ان کا مقدر تھا، اور جنگ کا امکان انہیں مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ بارہ سو برس کے بعد ایک نامور

سپہ سالار، نپولین کا کہنا تھا کہ " ایک عظیم اسلامی فوج کی قیادت کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی تو مسلمان شاید ہی اجنادین کی طرف پیش قدمی کرتے ۔"

آخر کار خالدؓ کا فیصلہ صحیح ثابت ہوا۔ اجنادین میں جنگ کیلئے تیار بڑی رومی فوج کی موجودگی میں، مسلمان اپنے مفتوحہ علاقے میں پھنس کے رہ جاتے، جو بذاتِ خود کسی خاص اہمیت کا حامل نہ تھا۔ مسلمانوں کے لئے شام کے اندرونی علاقوں پر چڑھائی کرنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ وہ ہرقل کی اس رومی تہدید سے نمٹ لیں جو اُس نے بڑی ہشیاری سے مسلمانوں کے خلاف وضع کی تھی۔

اس طرح اب اجنادین کے مقام پر رومی اور مسلمان اپنے پڑاؤ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ طرفین نے اچانک حملے سے بچنے کے لئے جگہ جگہ پہریداروں اور ہراول چوکیوں کو مقرر کر دیا تھا۔ رومی اور مسلمان افسر گھوڑوں پر سوار ہو کر دونوں خیمہ گاہوں کے درمیانی علاقے میں حالات کا جائزہ لینے کو ادھر اُدھر گھومے پھرے جبکہ اس اثناء میں ان کے سپاہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف رہے۔

رومیوں کے لشکرِ جرار کو دیکھ کر مسلمانوں میں قدرے اضطراب پیدا ہوا۔ ہر شخص کو رومی فوج کی ہوش رُبا تعداد کا علم تھا پورے نوّے ہزار! مسلمانوں کی اکثریت کسی بڑی جنگ میں کبھی شریک نہیں ہوئی تھی۔ اس رومی فوج کو دیکھ کر صرف خالدؓ کے ان ۹۰۰۰ نبرد آزماؤں کو کوئی تشویش نہیں ہوئی جو عراق میں بڑی بڑی فوجوں کے خلاف باقاعدہ جنگیں لڑ چکے تھے۔ لیکن ان کا بھی اس سے پہلے اتنی بڑی فوج سے کبھی مقابلہ نہیں ہوا تھا۔

خالدؓ نے مختلف فوجی دستوں کا معائنہ کرنے کو اپنے پڑاؤ کا دورہ کیا اور ان کے افسروں اور سپاہ سے بات چیت کی۔ انھوں نے کہا " مسلمانو! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے اس جیسی رُومی فوج اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ اگر اللہ نے تمہارے ہاتھوں انہیں شکست دی تو یہ آئندہ کبھی تمہارے مقابلے پر نہیں آئیں گے۔ چنانچہ جنگ میں ثابت قدم رہو اور اپنے

دین کی حفاظت کرو۔ خبردار! اپنے دشمن کو پیٹھ ہرگز نہ دکھانا، ورنہ دوزخ کی آگ میں جلائے جاؤ گے۔ اپنی صفوں میں چوکس اور ثابت قدم رہنا، اور جب تک میں حکم نہ دوں حملہ نہ کرنا۔"[1]

مقابل پڑاؤ میں وِردان نے ایک جنگی مجلسِ مشاورت منعقد کر کے اپنے افسروں سے یوں مخاطب ہوا۔ "اے رومیو! قیصرِ روم نے تم پر بھروسہ کیا ہے۔ اگر تم شکست کھا گئے تو تم مسلمان عربوں کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکو گے، اور وہ تمہارا ملک فتح کر لیں گے اور تمہاری عورتوں کی عصمت دری کریں گے۔ چنانچہ ثابت قدم رہو۔ جب حملہ کرو تو ایک ساتھ کرو۔ اپنی جدوجہد کو منتشر نہ ہونے دو۔ صلیبی امداد مانگو۔ اور یاد رکھو کہ تم ایک ایک کے مقابلے میں تین تین ہو۔"[2]

خالدؓ نے جنگ کی تیاریوں کے سلسلے میں جو فی الواقعہ چند روز کے بعد ہی شروع ہوئی یہ فیصلہ کیا کہ وہ رومی فوج کا مفصل جائزہ لینے کے لئے کسی دلیر سراغرساں کو بھیجیں۔ چنانچہ جب ضرارؓ نے خود کو اس کام کے لئے پیش کیا، تو خالدؓ نے انہیں یہ خدمت سرانجام دینے کے لئے بھیج دیا --- یہ نوجوان سر سے کمر تک برہنہ ہو کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک چھوٹے سے ٹیلے تک، جو رومی پڑاؤ سے زیادہ دُور نہیں تھا، پہنچ گیا۔ یہاں انہیں رُومیوں نے دیکھ لیا، اور ۳۰ سواروں کا ایک دستہ انہیں گرفتار کرنے کو نکلا۔ جب یہ سوار ضرارؓ کے قریب پہنچے تو وہ اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ واپس اپنے پڑاؤ کی طرف پیچھے ہٹانے لگے، اور جب یہ نسبتاً زیادہ قریب پہنچے تو انہوں نے بھی اپنے گھوڑے کی رفتار بڑھا دی۔ دراصل وہ ان رومی سواروں کو ان کے پڑاؤ سے دُور لے آنا چاہتے تھے، تاکہ دوسرے رومی سپاہ ان کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ جب وہ دونوں فوجوں

---

[1] واقدی : ص۳۵
[2] ایضاً

کے عین درمیان پہنچ گئے تو ضرارؓ نے یکایک اپنے تعاقب میں آنے والوں کی جانب پلٹ کر نیزے سے اس رومی سوار پر حملہ کر دیا جو سب سے آگے آ رہا تھا۔ اسے گرانے کے بعد ضرارؓ نے دوسرے پر، پھر تیسرے پر اور پھر چوتھے پر حملہ کیا۔ اور انہوں نے حملوں کا یہ سلسلہ اپنے گھوڑے کو ادھر اُدھر پھرا کے اس طرح جاری رکھا کہ تمام مقابلے کے دوران ان کو بہ یک وقت صرف ایک ہی طرف سے نبرد آزما ہونا پڑے۔ ان میں سے بعض کے مقابلے میں انہوں نے اپنی تلوار بھی استعمال کی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۰ سواروں میں سے ۱۹ کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور تب باقی ماندہ اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑ کر، انہیں سرپٹ دوڑاتے اپنے پڑاؤ میں واپس آ گئے۔ اس رات پورے رومی پڑاؤ میں اس خوفناک برہنہ مردِ میدان کی داستانیں بیان ہوتی رہیں۔

ضرارؓ کی واپسی پر مسلمانوں نے جوش و مسرت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ لیکن خالدؓ نے ان کی طرف درشتی سے دیکھ کر ڈانٹا کہ جب ان کا فرض صرف دشمن کے حالات کا جائزہ لینا تھا تو انہوں نے رومی سواروں سے لڑائی کیوں مول لی۔ اس کے جواب میں ضرارؓ نے کہا کہ انہیں اپنے سپہ سالار کی خفگی کے امکان کا پوری طرح احساس تھا، ورنہ تو انہوں نے رومی بھگوڑوں کا پیچھا کر کے ان میں سے ہر ایک کو ہلاک کر دیا ہوتا!

اس واقعے کے بعد نائب رومی سپہ سالار، قبقلار، نے ایک عیسائی عرب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے پڑاؤ میں داخل ہو کر ایک رات اور ایک دن ان کے ساتھ گزارے اور اسلامی فوج کی تعداد اور خصوصیات کے بارے میں تمام ممکن معلومات حاصل کرے۔ یہ عیسائی عرب بغیر کسی دشواری کے مسلمانوں کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا، کیونکہ پہرے دار سمجھے کہ وہ بھی مسلمان عرب ہی ہے۔ اگلے روز وہ مسلمانوں کے پڑاؤ سے کھسک کر قبقلار کے پاس واپس آ گیا، اور موخرالذکر نے اس سے مسلمانوں کے بارے میں دریافت کیا۔ "رات کو وہ راہب معلوم ہوتے ہیں اور دن کو جنگجو۔" قبقلار کے جاسوس نے

جواب دیا۔" اگر ان کے حکمران کا بیٹا چوری کرے تو وہ اس کا بھی ایک ہاتھ کاٹ دیں، اور اگر وہ زنا کا مرتکب ہو تو وہ اسے بھی سنگسار کر دیں۔ یوں وہ اپنے درمیان عدل قائم رکھتے ہیں۔"

"اگر جو کچھ تم نے بتایا ہے سچ ہے،" قبقلار نے کہا" تو پھر ایسی قوم کا سطح زمین پر مقابلہ کرنے کے بجائے زمین میں دھنس جانا بہتر ہوگا۔ کاش کہ میرے مقدر میں ان سے دُور رہنا لکھا ہوتا، تاکہ خدا کو ان کے خلاف میری یا میرے خلاف ان کی مدد نہ کرنی پڑتی۔"

رومی سپہ سالارِ اعظم وردان دل و جان سے آمادۂ جنگ تھا، لیکن قبقلار ہمت ہار چکا تھا۔

۳۰ رجولائی ۶۳۴ء (۲۸ رجمادی الاوّل ۱۳ھ) کو علی الصباح جب مجاہدین فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو خالدؓ نے انہیں اپنے اپنے جنگی مقام پر، جن کے بارے میں پچھلے روز مفصل ہدایات جاری کی جا چکی تھیں، پہنچنے کا حکم دیا۔ پھر مسلمانوں نے پیش قدمی کر کے اپنے پڑاؤ سے چند سَو قدم آگے خود کو میدان جنگ کے لئے صف آرا کیا۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو تقریباً ۵ میل لمبے محاذ پر اس طرح مرتب کیا کہ اس کا رُخ مغرب کی طرف تھا اور اس کا پھیلاؤ اتنا وسیع تھا کہ رومی فوج اتنی بڑی تعداد سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بھی ان کے بازوؤں کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتی تھی۔ حسب معمول مسلم فوج کو ایک قلب اور دو مضبوط بازوؤں میں صف آرا کیا گیا۔ اس کے دونوں پہلوؤں میں، میمنہ و میسرہ سے ذرا آگے، توسیع محاذ کے طور پر، میمنہ و میسرہ کی حفاظت کے لئے ایک ایک محافظ دستہ متعین کیا گیا۔ ان دستوں کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ ہر اس کوشش کو ناکام بنائیں جو رومی مسلمانوں کے میمنہ و میسرہ کو اپنی لپیٹ میں لینے یا ان سے بالکل ہٹ کر آگے بڑھنے کے لئے کریں۔

قلب کو معاذ بن جبل، میسرہ کو سعید بن عامر اور میمنہ کو خلیفہ کے بیٹے، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ماتحت رکھا گیا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ میسرہ کے محافظ دستے کے سالار

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۱۰۔

شرجیلؓ تھے۔ لیکن میمنہ کے محافظ دستے کے سالار کا نام تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔ خالدؓ نے ۴۰۰۰ سپاہ یزید کے زیر قیادت اپنی فوج کے قلب کے عقب میں بوقت ضرورت استعمال کے لئے اور مسلم پڑاؤ کی حفاظت کے لئے رکھا، کیونکہ وہاں عورتیں اور بچے مقیم تھے۔ خود خالدؓ کا مقام قلب کے قریب تھا، جہاں انہوں نے اپنی فوج کے کچھ افسروں کو اپنے پاس جمع کر رکھا تھا، تاکہ انہیں تنہا لڑنے والے مردانِ کارزار یا کسی خاص نوعیت کا جنگی کام سرانجام دینے والے گروہوں کے رہنماؤں کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ ان افسروں میں عمرو بن العاصؓ، ضرارؓ، رافعؓ اور حضرت عمرؓ کے فرزند عبداللہ شامل تھے۔

جب رومیوں نے مسلمانوں کو حرکت کرتے دیکھا تو وہ بھی فوراً اپنے پڑاؤ سے نکلے اور مسلمانوں کی اگلی قطار سے کوئی آدھے میل کے فاصلے پر جنگ کے لئے صف آرا ہونے لگے۔ ان کی فوج کی ترتیب میں اس کے محاذ کی لمبان تو مسلمانوں کے محاذ کی لمبان کے لگ بھگ برابر ہی تھی، لیکن اس کی پرت در پرت گہرائی بہت زیادہ تھی۔ رومی فوج کی تقسیم و ترتیب کی تفصیلات مگر معلوم نہیں ہیں۔ وردان اور قبقلار اپنے اپنے محافظ سپاہ کے درمیان فوج کے قلب میں کھڑے تھے۔ رومیوں کی جرار صفیں، جن کے درمیان بڑی بڑی صلیبیں اٹھی ہوئی تھیں اور جھنڈے لہرا رہے تھے، ایک رعب دار منظر پیش کر رہی تھیں۔

جب خالدؓ کے سپاہ جنگ کے لئے صف آرا ہو گئے تو انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے محاذ کا گشت کرتے ہوئے فوجی دستوں کا معائنہ کیا اور اپنے سپاہ کو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کی تاکید کی۔ انہوں نے ہر دستے کے سامنے جو چند الفاظ کہے ان میں اس بات پر زور دیا کہ وہ اپنی مشترک جدوجہد کو ایسے مرکوز کریں کہ جب دشمن پر حملہ ہو تو اس میں بیک وقت سب کا زور شامل ہو۔ "جب تم اپنی کمانیں استعمال کرو" خالدؓ نے کہا" اس طرح کہ ان سے تیر یکساتھ چھوٹیں اور دشمن پر ٹڈی دل کی طرح گریں۔ وہ

پڑاؤ میں مقیم عورتوں سے بھی مخاطب ہوئے اور ان سے انہوں نے کہا کہ وہ ایسے رومیوں سے اپنی دفاع خود کرنے کے لئے تیار رہیں جو مسلم محاذ کو چیر کر ان تک آ نکلیں۔ ان عورتوں نے ان کو یقین دلایا کہ یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کو اسلامی فوج کی اگلی صفوں میں لڑنے کی اجازت نہیں، ان کے لئے اپنی دفاع کرنا تو کم از کم لازم ہی تھا۔

دونوں فوجوں کو اپنی اپنی صف بندی مکمل کرنے میں کوئی دو گھنٹے لگے۔ جب طرفین جنگ کے لئے بالکل تیار ہو گئے تو ایک بوڑھا اسقف سیاہ ٹوپی پہنے رومی قلب سے نکل کر مسلم فوج کی جانب آیا، اور اس تک کا آدھا راستہ طے کرنے کے بعد اس نے رک کر فصیح عربی زبان میں پکار کر کہا "تم میں سے کون آگے آ کر مجھ سے بات کرے گا؟"

مسلمانوں میں پادریوں جیسا کوئی طبقہ نہ تھا اور اس زمانے میں مسلمان سپہ سالار ہی امامُ الصّلوٰۃ کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔ چنانچہ خالدؓ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ اسقف نے پوچھا "کیا آپ اس فوج کے سپہ سالار ہیں؟" خالدؓ نے جواب دیا "مسلمان مجھے اس وقت تک ایسا ہی سمجھتے ہیں جب تک میں اللہ کے احکام اور اُس کے رسولؐ کی سُنّت پر عمل پیرا رہوں۔ لیکن جہاں میں اس میں ناکام ہوا وہاں میں مسلمانوں کا سپہ سالار بھی نہیں رہتا اور نہ اس بات کا مستحق کہ وہ میرا حکم مانیں۔" اسقف نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "یہی وجہ ہے کہ تم ہم پر فتح پاتے ہو۔"

اس کے بعد اسقف نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اے عرب! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تو نے ایسی سرزمین پر چڑھائی کی ہے جس میں کسی بادشاہ تک کو داخل ہونے کی ہمت نہیں پڑتی۔ فارسیوں نے داخل ہونے کی کوشش کی تو وہ خوفزدہ ہو کر واپس چلے گئے۔ کچھ اور لوگ بھی آئے اور جان توڑ کر لڑے، مگر نامراد ہو کر واپس لوٹ گئے۔ تمہیں اب تک ہمارے مقابلے میں کامیابی ہوئی ہے لیکن فتح ہمیشہ کے لئے تمہاری نہیں۔

"میرا آقا، وردان، تمہارے ساتھ فیاضی سے پیش آنا چاہتا ہے۔ اس نے

مجھے تم سے یہ کہنے کے لئے بھیجا ہے کہ اگر تم اپنی فوج کو اس ملک سے نکال لے جاؤ تو وہ تمہارے ہر سپاہی کو ایک دینار، ایک قبا اور ایک عمامہ عطا کرے گا' اور خود تم کو سو دینار، سو قبائیں اور سو عمامے دیئے جائیں گے۔

"دیکھو تو سہی' ہمارے پاس ریت کے ذرّوں کی طرح لاتعداد فوج ہے' اور یہ ان فوجوں کی مانند نہیں جن کا تم نے اس سے پہلے مقابلہ کیا ہے۔ قیصرِ روم نے اس فوج کے ہمراہ اپنے عظیم ترین سپہ سالار اور اپنے ممتاز ترین اسقف بھیجے ہیں[1]۔"

جواب میں خالدؓ نے حسبِ معمول وہی تین متبادل امکان پیش کئے ـــــ اسلام' جزیہ یا تلوار۔ ان تین میں سے ایک کے پورے ہوئے بغیر مسلمانوں کے شام کو چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ دیناروں اور خلعتوں کے متعلق خالدؓ نے کہا کہ انہیں مسلمان اپنے فاتحانہ استحقاق کے طور پر بہرصورت جلد اپنی ملکیت میں لے ہی لیں گے!

خالدؓ کا یہ جواب سن کر اسقف نے واپس آکر وِردان کو اپنی گفت و شنید کے بارے میں بتایا۔ رومی سپہ سالار غضبناک ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کو ایک ہی قیامت خیز حملے میں نیست و نابود کر دیگا۔

اب وِردان نے تیر اندازوں اور فلاخن چلانے والوں کی ایک قطار کو حکم دیا کہ وہ رومی محاذ سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو اپنی زد میں لینے کے لئے موزوں فاصلے پر اپنی اپنی جگہ سنبھال لیں۔ جیسے ہی یہ رومی قطار مرتب ہوئی مسلمانوں کے قلب کے سالار' معاذ' نے اپنے سپاہ کو حملہ کرنے کا حکم دینا شروع کیا۔ لیکن خالدؓ نے' جو معاذؓ کے پاس ہی کھڑے تھے' انہیں روک دیا۔" نہ' اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں حکم نہ دے دوں" خالدؓ نے کہا۔" اور اس وقت تک نہیں جب تک کہ سورج سر پر آ کے ڈھلنے نہ لگے[2]۔"

---

[1] واقدی، ص۳۶

معاذ کے دل میں حملہ کرنے کی خواہش اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ رومی تیرانداز اپنی بہتر کمانوں کے باعث مسلمان تیراندازوں کی زد سے باہر کھڑے تھے، اور فلاخن چلانے والوں کا مسلمانوں کے پاس کوئی مؤثر توڑ نہیں تھا۔ اس صورتِ حال سے نمٹنے کا صرف ایک طریقہ نظر آتا تھا اور وہ یہ کہ رومیوں کے قریب تر پہنچ کر ان سے دست بدست جنگ کی جائے۔ لیکن خالدؓ عمدہ جنگی ترتیب میں کھڑے ہوئے رومی سپاہ پر قبل از وقت حملہ کر کے پسپائی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ دوپہر سے دو گھنٹے پیشتر رومی تیراندازوں اور فلاخن چلانے والوں کی کارروائی سے جنگ شروع ہوگئی۔

لڑائی کا یہ دَور مسلمانوں کے خلاف رہا۔ ان میں سے متعدد آدمی شہید اور بہت سے سپاہ زخمی ہوگئے۔ اس طرح ابتدائی کارروائی رُومیوں کے عین مرضی کے مطابق رہی، اور کچھ وقت تک ان کے فلاخن اور کمان بدستور پتھر اور تیر برساتے رہے۔ مسلمانوں کو جب رومیوں کی اس فوقیت پر قابو پانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ تلواروں اور نیزوں سے حملہ کرنے کو بیتاب ہونے لگے۔ لیکن خالدؓ نے انہیں پھر روک دیا۔ بالآخر جوشیلے ضرارؓ نے خالدؓ کے پاس آکر ان سے کہا "اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں انتظار کس بات کا ہے؟ واللہ ہمارے دشمن یہ سمجھیں گے کہ ہم ان سے ڈرتے ہیں۔ حملہ کرنے کا حکم دیجئے، ہم آپ کے ساتھ حملہ کریں گے۔" خالدؓ نے اپنے مخصوص بہادروں کو رُومی سُورماؤں سے نبرد آزما ہونے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے سوچا کہ اس نبرد آزمائی میں مسلمانوں کو برتری حاصل ہوگی، اور اس طرح زیادہ سے زیادہ رُومی افسروں کا خاتمہ کرنے کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ رُومی فوج کی صلاحیت میں فرق آجائے گا۔

"ضرارؓ تمہیں حملہ کرنے کی اجازت ہے" خالدؓ نے کہا[1]۔ ضرارؓ یہ سن کر خوش ہوگئے، اور انہوں نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔

---

[1] واقدی ۔ ص۳۶

رُومی تیر اندازوں کی وجہ سے ضرارؓ نے اپنے معمول کے خلاف زرہ بکتر اور خود پہن رکھا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ہاتھی کے چمڑے کی وہ ڈھال بھی تھی جو کبھی ایک رُومی کی ملکیت رہ چکی تھی۔ رُومی محاذ کی طرف نصف راستہ طے کرنے کے بعد ضرارؓ نے رُک کر سر اٹھایا اور یوں اپنا نعرہ جنگ بلند کیا:

میں سفید فاموں کی موت کا قاصد ہوں،
میں رُومیوں کا قاتل ہوں،
میں تم پر نازل ہونے والا خدائی قہر ہوں،
میں ضرارؓ بن الازور ہوں!

جونہی چند رومی نبرد آزما ضرارؓ کی للکار کا جواب دینے کو آگے بڑھے، انہوں نے جھٹ سے زرہ اور قمیص اتار دی۔ چنانچہ رُومیوں نے "برہنہ مرد کارزار" کو فوراً پہچان لیا۔ اگلے چند لمحات کے دوران ضرارؓ نے متعدد رومیوں کو قتل کر ڈالا، جن میں دو سپہ سالار بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک تو عمان کا حاکم تھا اور دوسرا طبریہ کا۔

اس کے بعد رومی سپاہ میں سے دس افسروں کی ایک ٹولی نمودار ہوئی اور ضرارؓ کی طرف بڑھنے لگی۔ رُومی مردانِ کارزار کو آتے دیکھ کر خالدؓ نے اپنے قریب کھڑے ہوئے بہادروں میں سے دس افراد کو اپنے ہمراہ لیا، اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور اس ٹولی کا راستہ روک کر ان رومیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اب نبرد آزمائی کے لئے مزید سُورما فرداً فرداً یا ٹولیوں میں، آگے بڑھے۔ رفتہ رفتہ یہ نبرد آزمائی کی وسعت اور شدت میں اضافہ ہوتا گیا، اور اس کا سلسلہ تقریباً دو گھنٹے تک جاری

رہا۔ اس اثناء میں رومی تیر انداز اور فلاخن چلانے والے بیکار کھڑے رہے۔ جنگ کے اس دور میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری ہو گیا، کیونکہ رومی سورماؤں کی اکثریت اس نبرد آزمائی کے دوران ماری گئی۔

دوپہر ڈھل چلی تھی لیکن نبرد آزمائی ابھی جاری تھی کہ خالدؓ نے عام حملے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ سارے مسلم محاذ نے آگے بڑھ کر رومی فوج پر دھاوا کر دیا۔ اب جنگ زیادہ تر تلوار اور ڈھال سے لڑی جا رہی تھی۔ یہ آمنے سامنے کی سیدھی سیدھی کشمکش تھی جس میں نہ جوڑ توڑ استعمال ہوئے نہ طرفین میں سے کسی نے دوسرے کے بازو کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ اس گتھم گتھا جنگ کے اندھا دھند واروں کا شدید مقابلہ چند گھنٹوں تک جاری رہا۔ پھر سہ پہر کے آخر میں دونوں فوجیں، جو اب بہت تھک چکی تھیں، پیچھے ہٹ کے اپنے اپنے مقام پر واپس آگئیں۔ اس دن اور کچھ کرنے کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔

رُومیوں کا بے تحاشہ نقصان ہوا تھا۔ وِردان کو یہ سن کر سخت صدمہ ہوا کہ اس کے تو ہزاروں سپاہ مارے گئے اور مسلمانوں کے صرف چند ایک۔ چنانچہ اس نے ایک جنگی مجلس مشاورت بلائی، جس میں اُس نے جنگ کے نتیجے کے بارے میں اپنے اندیشوں کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے سالاروں نے قسم کھائی کہ وہ آخر دم تک لڑیں گے۔ وردان نے اظہارِ خیال کی دعوت دی تو جواب میں جو مختلف تجویزیں پیش کی گئیں، ان میں سے مسلمان سپہ سالار کو قتل کرنے کا ایک منصوبہ اسے سب سے زیادہ پسند آیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ اگلی صبح وِردان بذاتِ خود میدان میں آگے آئے، صلح کی پیشکش کرے اور خالدؓ کو شرائط طے کرنے کے لئے بلائے۔ جب خالدؓ کافی نزدیک پہنچ جائیں تو وردان انہیں مقابلے میں اُلجھالے۔ اور پھر اس کا اشارہ پاکر دس قریب چُھپے ہوئے سپاہ یکایک آگے بڑھ کے مسلمان سپہ سالار کا کام تمام کر دیں۔ کس قدر سہل بات تھی!

وِردان ایک بہادر سپہ سالار تھا اور اس نے تجویز مان لی۔ چنانچہ طے پایا کہ دس سپاہ

کو منصوبہ وضاحت سے سمجھا کر رات ہی کو گھات میں بٹھا دیا جائے۔

اس کے بعد رومی سپہ سالار نے داؤد نامی ایک عیسائی عرب کو، جو اس کے عملے کا ایک رکن تھا، یہ ہدایات دے کر روانہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے پاس جائے اور خالدؓ کو تلاش کرے۔ پھر مسلمان سپہ سالار سے کہے کہ کافی خون خرابہ ہوچکا ہے کہ اب لڑائی کو ختم کرکے صلح کرلی جائے، اور کل علی الصبح خالدؓ شرائطِ صلح پر بات کرنے کو دونوں فوجوں کے درمیانی علاقے میں وردان سے ملاقات کرنے آئیں اور مزید یہ کہے کہ اس بات چیت کے لئے دونوں سپہ سالار اکیلے آئیں۔

داؤد یہ ہدایات سن کر دنگ رہ گیا، کیونکہ یہ بظاہر ہرقل کے اس حکم کے خلاف تھیں کہ مسلمانوں سے جنگ کرکے انہیں واپس صحرائے عرب میں دھکیل دیا جائے۔ چنانچہ اس نے یہ خدمت انجام دینے سے انکار کیا۔ اس پر وردان نے اسے سمجھایا کہ وہ شہنشاہ کے احکام سے روگردانی کا ارادہ نہیں رکھتا، اور اسے خالدؓ کے خلاف تیار کئے ہوئے منصوبے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ جیسا کہ ہم عنقریب دیکھیں گے، یہ ایک غلطی تھی۔

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ داؤد اسلامی فوج کی جانب چل پڑا، جو بدستور جنگی انداز میں صف آرا کھڑی تھی اس کے پاس پہنچ کر اس نے وردان کی طرف سے تجویز کردہ صلح کے معاملے پر بات کرنے کے لئے خالدؓ سے ملاقات کرنے کی اجازت چاہی۔ جونہی خالدؓ کو اطلاع ملی، وہ باہر آئے اور داؤد پر نگاہیں جما کر کھڑے ہوگئے۔ چھ فٹ سے زیادہ قد کے جسیم خالدؓ اگر کسی کو گھور کے دیکھتے تو اس کی ہمت متزلزل ہونے لگتی۔ ان کے سخت، آزمودہ کار، زخم خوردہ چہرے اور تیز آنکھوں سے ہر اس شخص کو جسے خالدؓ اپنا دشمن سمجھتے تھے ان کی بے رحمی کا اندازہ ہوتا تھا۔ بچارا داؤد بدحواس ہوگیا۔ وہ اللہ کی تلوار کی مسلسل گھورتی ہوئی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے بڑبڑا کر بول اٹھا "میں جنگی آدمی نہیں ہوں، محض ایک ایلچی ہوں!"

خالدؓ اور قریب آ گئے۔ "بولو!" انہوں نے حکم دیا۔ "تم سچ بولے تو زندہ سلامت رہو گے۔ جھوٹ بولے تو مارے جاؤ گے۔"

عیسائی عرب نے کہا "وردان کو یہ تمام غیر ضروری خون خرابہ دیکھ کر دکھ ہوا ہے اور وہ اسے روکنا چاہتا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے اور سپاہ کی جان بچانے کا متمنی ہے۔ جب تک آپ دونوں کے مذاکرات کی تکمیل نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی جنگ نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کی تجویز ہے کہ آپ اور وہ کل صبح دونوں فوجوں کے درمیانی علاقے میں تنہا ملیں اور شرائطِ صلح کے بارے میں بات چیت کریں۔"

"اگر تمہارا آقا ہمیں دھوکا دینے کا ارادہ رکھتا ہے" خالدؓ نے جواب میں کہا "تو بخدا ہم خود مکر و فریب کی جڑیں جوڑ توڑ اور عیاری میں ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ اگر اس نے کوئی سازش کر رکھی ہے تو اس کا صرف یہ نتیجہ ہو گا کہ خود اس کا اور تم سب کا خاتمہ زیادہ جلد ہو جائے گا۔ اس کے برعکس، اگر وہ سچا ہے تو پھر جزیہ ادا کرنے کی شرط منوائے بغیر ہم صلح نہیں کریں گے[1]۔ جہاں تک دولت کی پیشکش کا تعلق ہے، وہ ہم بہر صورت بہت جلد تم سے لیں گے۔

خالدؓ کے ان الفاظ کا، جو پختہ یقین کے ساتھ کہے گئے تھے، داؤد پر گہرا اثر ہوا۔ وہ یہ کہتا ہوا پیچھے کو مڑا اور اپنی فوج کی طرف چلنے لگا کہ وردان کے پاس جا کر وہ اسے خالدؓ کا پیغام پہنچا دے گا۔ خالدؓ اپنی جگہ کھڑے اس کی طرف اس احساس کے ساتھ گھور کے دیکھتے رہے کہ اصل بات صرف اتنی ہی نہیں جتنی کہ نظر آتی ہے۔ داؤد زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اسے معاً خیال آیا کہ خالدؓ نے ٹھیک کہا ہے۔ فتح مسلمانوں ہی کو حاصل ہو گی، اور رومی خواہ کیسے ہی حربے استعمال کریں وہ نیست و نابود ہوں گے۔ اس نے فیصلہ

---

[1] واقدی ص ۳۹

کیا کہ وہ حقیقت کا اعتراف کر کے اپنے آپ کو اور اپنے کُنبے کو بچالے۔ چنانچہ وہ واپس پلٹ کر ایک بار پھر خالدؓ کے سامنے آ کھڑا ہوا، اور اس نے انہیں رومی سازش سے پوری طرح آگاہ کر دیا۔ حتیٰ کہ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ دس رُومی سپاہ ان پر حملہ کرنے کو گھات میں کہاں بیٹھے تھے۔ رُومی فوج کے قلب سے قدرے دائیں جانب واقع ایک ٹیلے کے نیچے۔ خالدؓ نے وعدہ کیا کہ وہ داؤد اور اس کے اہل وعیال کو کچھ نہیں کہیں گے، بشرطیکہ وہ وردان کو یہ نہ بتائے کہ مسلمانوں کو اس کی سازش کا پتہ چل گیا ہے۔ داؤد نے یہ شرط مان لی۔

اب داؤد نے رُومی فوج میں واپس پہنچ کر وردان کو اس ابتدائی بات چیت سے تو آگاہ کیا جو خالدؓ اور اس کے مابین ہوئی تھی، اور ساتھ ہی اسے یہ بھی بتایا کہ خالدؓ اس کی تجویز کے مطابق معین مقام پر پہنچ کر اس سے ملاقات کرنے پر رضامند ہیں، لیکن اس نے مسلمان سپہ سالار کے ساتھ اپنی دوسری گفت وشنید کے بارے میں وردان سے کچھ نہ کہا۔ وردان خوش ہو گیا۔

پہلے تو خالدؓ کا جی چاہا کہ وہ اکیلے ہی اس ٹیلے تک جائیں اور وہاں گھات میں بیٹھنے والے دس کے دس رومیوں کا خود صفایا کر دیں۔ ایک معرکتہ الآرا جھڑپ کے خیال سے ان کی مہم جو طبیعت مچل اُٹھی۔ لیکن جب انہوں نے اس معاملے پر ابُو عبیدہؓ سے تبادلۂ خیال کیا تو ابُو عبیدہؓ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا اور یہ رائے دی کہ وہ اپنی بجائے دس بہادر مجاہدوں کو اس کام کے لئے بھیجیں۔ خالدؓ مان گئے۔ انہوں نے اس کام کے لئے جن دس سپاہ کو چُنا ان میں ضرارؓ بھی شامل تھے اور انہیں اس ٹولی کا قائد مقرر کیا گیا۔ خالدؓ نے ضرارؓ کو ہدایت کی کہ اگلی صبح کو، جب چھپے ہوئے دس رومی نمودار ہوں، تو وہ مسلمانوں کی اگلی صف سے آگے جھپٹ کر حملہ آوروں کو نرغے میں لے لیں اور انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیں لیکن ضرارؓ کی فطرت خالدؓ کی فطرت سے کچھ کم خطر پسند نہیں تھی۔ چنانچہ انہوں نے اصرار کیا کہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو

ان رُومیوں کو ان کی چُھپنے کی جگہ پر جالینے اور انہیں وہیں ٹھکانے لگانے کے لئے رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی جائے۔ چونکہ ضرارؓ کی شخصیت سے خالدؓ بخوبی واقف تھے، اس لئے انہوں نے ان کی یہ درخواست قبول کرلی۔ پھر آدھی رات سے ذرا پہلے ضرارؓ اور ان کے نو رفیق اپنے پڑاؤ سے روانہ ہوگئے۔

طلوعِ آفتاب کے تھوڑی ہی دیر بعد، وِردان شاہانہ کرّوفر کے ساتھ، جواہرات سے آراستہ بکتر اور تلوار پہنے، آگے بڑھا۔ خالدؓ مسلم فوج کے عقب سے نکلے اور وردان کے سامنے پہنچ کر رُک گئے۔ دونوں حریف فوجیں پہلے ہی گذشتہ روز کی طرح معرکہ آرا ہوچکی تھیں۔ وردان نے مذاکرات کا آغاز مسلمان سپہ سالار کو مرعوب کرنے کی کوشش سے کیا۔ اس نے عربوں کے بارے میں اپنی حقارت کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہنے کی کوشش کی کہ وہ کس قدر بُرے حال میں گزر بسر کرتے ہیں، اور وہ اپنے ملک میں کتنی قابلِ رحم حالت میں بُھوکوں مرتے ہیں۔ خالدؓ کا جواب درشت اور جارحانہ تھا۔ "او عیسائی کتّے!" انہوں نے بھڑک کر کہا۔ "تمہیں اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کا آخری موقع دیا جاتا ہے"۔[1] اس پر وردان نے، اپنی تلوار کو بے نیام کئے بغیر، جھپٹ کے خالدؓ کو پکڑ لیا اور ساتھ ہی گھات کے دس رُومی سپاہ کو مدد کے لئے پکارا۔

اس نے کنکھیوں سے دیکھا کہ اس کے جواب میں دس رومی سپاہ مقررہ ٹیلے کے عقب سے نمودار ہوکر اس کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں۔ خالدؓ نے بھی ان رُومیوں کو آتے دیکھا تو سراسیمہ ہوئے، کیونکہ انہیں اس ٹیلے کے پیچھے سے مسلمان سپاہ کے نمودار ہونے کی توقع تھی۔ خالدؓ نے اپنے بچاؤ کے لئے کوئی اور انتظام نہیں کیا تھا۔ اور انہیں بصد رنج خیال ہوا کہ شاید ضرارؓ کی ٹکر آخر کار کسی اپنے ہی جیسے شخص سے ہوگئی! بہرحال،

---

[1] واقدی ص۱۴

جب دس سپاہ کا وہ گروہ قریب پہنچا تو وِردان نے دیکھا کہ ان "رومیوں" کے قائد کا کمر سے اوپر کا جسم برہنہ ہے۔ تب اس پر بھیانک حقیقت عیاں ہوگئی۔

بات یہ تھی کہ ضرارؓ اور ان کے نو ساتھیوں نے رات کے دوران اس ٹیلے تک پہنچ کر دس کے دس رومیوں کو خاموشی سے قتل کر دیا تھا۔ پھر ضرارؓ کی شوخ حس مزاح پھڑکی تو ان کے کہنے پر سب نے رومیوں کے لباس اور بکتر پہن لئے لیکن بعد میں ضرارؓ نے یہ پوشاک اُتار کے پھر اپنا مخصوص جنگی حلیہ اختیار کر لیا! جب صبح کی پہلی کرن پھوٹی تو ان دس مسلمانوں نے فجر کی نماز ادا کی، اور پھر رومی سپہ سالار کے بلاوے کا انتظار کرنے لگے۔

اب وردان مسلمانوں کے گھیرے کی طرف بے بسی سے دیکھتے ہوئے خالدؓ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔ ضرارؓ میان سے تلوار کھینچ کر آگے بڑھے۔ اس پر وردان نے خالدؓ سے درخواست کی "تم جس کسی کی عبادت کرتے ہو میں اس کے نام پر تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم مجھے خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دو۔ اس شیطان کو میرے قریب نہ آنے دو۔"[1]

خالدؓ نے اس کے جواب میں ضرارؓ کی طرف دیکھ کر سر کا اشارہ کیا، اور ضرارؓ کی تلوار نے بجلی کی طرح چمک کر وِردان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

خالدؓ کا طریقِ عمل یہ تھا کہ وہ حملے کے لئے وقت کا تعیّن کرتے ہوئے اس امر کو مدِنظر رکھتے تھے کہ وہ ہر اس فوقیت کا جو انہیں دشمن پر حاصل ہو سکتی تھی پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ جب کسی اور فوقیت کا امکان نہ ہوتا اور جنگی چالوں سے کام لینے کی بھی کوئی صورت نظر نہ آتی تو دشمن کے سپہ سالارِ اعلیٰ یا کسی اور معروف سالار کو قتل کرنے کے نفسیاتی اثر سے فائدہ اُٹھاتے، اور دشمن پر اپنی پوری فوج کے ساتھ اس وقت ٹوٹ پڑتے جبکہ وہ اس ذہنی صدمے میں مبتلا ہوتا۔ یہاں بھی خالدؓ نے یہی کیا۔ جونہی وِردان

---

[1] واقدی ص۲۱

قتل ہوا، انہوں نے ایک عام حملے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں کے قلب، ان کے میمنہ و میسرہ اور ان دونوں بازوؤں کے محافظ دستوں، سب نے سیلاب کی طرح آگے بڑھ کے رومیوں پر دھاوا کر دیا، جن کی قیادت اب قبقلار کے ہاتھ میں تھی۔

جب دونوں فوجوں کا تصادم ہوا تو گھمسان کی دست بدست جنگ کا ایک اور دور شروع ہو گیا۔ ذرا دیر میں لڑائی نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ کسی طرف سے امان مانگنے یا دینے کی کوئی گنجائش نہ رہ گئی۔ مسلمانوں نے رومی صفوں پر تابڑ توڑ حملے کئے، اور رومیوں نے ان حملوں کو روکنے کی شورہ پشت کوشش کی۔ خالدؓ اور ان کے افسروں نے اپنی صفوں سے آگے بڑھ کر جنگ کی، اور کئی رومی سالاروں نے بھی ایسا ہی کیا، کیونکہ وہ رومی شہنشاہی کی عظمت کے لئے اپنی جان دینے کو تیار تھے۔ مسلسل بے دھڑک، بے تحاشا جنگ سے میدان بہت جلد شکستہ لاشوں سے پٹ گیا جن میں سے بیشتر رومیوں کی تھیں۔

آخر کار، جب دونوں لشکر نڈھال ہونے لگے تو خالدؓ نے یزید کے ۴۰۰۰ تازہ دم محفوظ سپاہ کو دشمن کے قلب پر حملے کے لئے استعمال کیا۔ اس کمک کی اضافی قوت کی بدولت مسلمان متعدد مقامات پر دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے رومی فوج کے اندر دور تک گھستے چلے گئے۔ مسلمان سپاہ کی ایک ٹولی رومی فوج کے قلب میں اس مقام تک جا پہنچی جہاں قبقلار اپنے سر پر ایک کپڑا لپیٹے کھڑا تھا، اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ قبقلار نے اپنا سر کپڑے سے اس طرح اس لئے لپٹوا لیا تھا کہ وہ اپنے گرد کی ہولناک خونریزی کو مزید دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا[۱]۔

قبقلار کی موت کے بعد رومیوں کی مزاحمت کمزور پڑ گئی، اور جلد ہی اس کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ رومی میدان چھوڑ بھاگے۔

---

[۱] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۱۰-۶۱۱

جنگ میں مسلمان عربوں سے بھاگنے کی بہ نسبت ان سے کھڑے ہو کر لڑنے میں بچ نکلنے کا امکان زیادہ تھا۔ بھاگتے ہوئے دشمن کو جا لینا صحرائی عرب کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ رومیوں نے فرار ہونے کی کوشش میں تین اطراف کا رُخ کیا۔ ان میں سے کچھ غزّہ کی جانب بھاگے، کچھ یافا کی طرف، لیکن ان کے سب سے بڑے گروہ نے یروشلم کا رُخ کیا۔ خالدؓ نے فوراً اپنے رسالے کے متعدد سوار دستوں کو دشمن کا تمام سمتوں میں تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ اور رومیوں نے ان گھڑ سواروں کے ہاتھوں میدانِ اجنادین کی دو روزہ جنگ سے بھی زیادہ شدید نقصان اُٹھایا۔ رومی بھگوڑوں کا تعاقب اور قتل غروبِ آفتاب تک جاری رہا، جبکہ متعقب سوار دستے اپنے پڑاؤ پر واپس آ گئے۔ رومی فوج کے پرخچے اُڑ چکے تھے۔

یہ فتح کامل تھی۔ رومیوں کا مقابلہ باقاعدہ شہنشاہی دستور کے مطابق جمے ہوئے معرکے میں کیا گیا تھا، اور ان میں وہ نہ صرف حربی شکست کھا گئے، بُری طرح مارے بھی گئے۔ اگرچہ اجنادین میں جمع ہونے والی رومی فوج کا ایک خاصا بڑا حصہ جان بچانے میں کامیاب ہو گیا، بالخصوص وہ حصہ جس نے یروشلم کا رُخ کر کے اس شہر کی فصیل کے اندر پناہ لی، تاہم یہ فوج اب دراصل فوج نہیں رہ گئی تھی۔ اسلام اور بزنطین کے درمیان پہلے بڑے تصادم میں محمدؐ کے پیرو ظفریاب رہے۔

جنگ بھرپور اور خونخوار ہوئی تھی، لیکن اس میں حربی جوڑ توڑ کی نفاستوں کو کوئی دخل نہ رہا تھا۔ رومی فوج نے اپنے محور پر گھوم کے مسلمانوں کے میمنہ یا میسرہ کو گھیرے میں لینے کی اس واسطے کوئی کوشش نہ کی کیونکہ ان کی فوج اس کے لئے نامناسب حد تک بھاری بھر کم اور حرکت میں سست تھی۔ اور مسلمانوں نے اس لئے ایسا نہیں کیا کہ ان کی فوج کی تعداد نسبتاً چھوٹی تھی، اور وہ دشمن کے بازو اور عقب کے خلاف کارروائی صرف ان کی فوج کے قلب کو اور کمزور کر کے ہی انجام پا سکتی تھی، اور ایسا خطرہ مول لینے کا کوئی

جواز نہیں تھا۔ چنانچہ یہ سپاہ کے مجتمع ہجوموں کے درمیان آمنے سامنے کی ٹکر تھی، جس میں مسلمانوں کی قیادت و ہمت اور ان کے سپاہ کی جنگی مہارت رومیوں کے عظیم لشکرِ جرّار پر غالب آئی۔ اس وقت کی صورت حال سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے کے لئے خالدؓ کو جنگی جوڑ توڑ کی صرف یہی ایک صورت نظر آئی تھی کہ وہ بروقت حملے کریں، اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے انہوں نے یہی کیا۔ پھر جب رومی فوج کے پاؤں اکھڑے تو خالدؓ نے حسبِ معمول فوراً اپنی پھرتی کام میں لاکر ان کے تعاقب کا ایسا انتظام کیا کہ رومیوں کے پناہ لینے سے پہلے ان کے زیادہ سے زیادہ بھگوڑوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔

جنگِ اجنادین کی کامیابی نے تسخیرِ شام کے لئے راستہ کھول دیا۔ بلاشبہ اس ملک کو صرف ایک ہی جنگ کے ذریعے فتح نہیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ شام اور فلسطین کے شہروں میں بھاری لشکر موجود تھے، اور پھر رومی شہنشاہ آرمینیا سے بلقان تک پھیلی ہوئی اپنی پوری مملکت کے وسائل بروئے کار لا سکتا تھا۔ تاہم پہلی بڑی جنگ ختم ہو چکی تھی، اور مسلمان اب اس اعتماد کے ساتھ اپنی مہم جاری رکھ سکتے تھے کہ وہ آئندہ کی عظیم جنگوں میں بھی، جن سے سامنا ناگزیر تھا، ایسی ہی کامیابی حاصل کر سکیں گے۔

واقدی کے قول کے مطابق، خالدؓ نے جنگِ اجنادین کے تین روز بعد حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا اور انہیں اس جنگ کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ ۵۰،۰۰۰ رومی مقتولین کے مقابلے میں صرف ۴۵۰ مسلمان شہید ہوئے[1]۔ اور رومی سپہ سالارِ اعلیٰ، اس کا نائب اور رومی فوج کے کئی اور چوٹی کے سالار بھی ہلاک ہو گئے تھے۔ خالدؓ نے خلیفہ کو یہ اطلاع بھی دی کہ وہ دمشق پر عنقریب چڑھائی کرنے جا رہے ہیں۔ مدینے میں مسرت و شادمانی اور اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ اس فتح کی خبر کا استقبال کیا گیا، اور جہادِ شام

---

[1] واقدی: صہ۴۲

میں شریک ہونے کے لئے مزید رضا کار سامنے آئے۔ ان رضا کاروں میں ابوسفیان بھی شامل تھے، جو اپنی بے باک بیوی، ہند، کے ہمراہ شام پہنچے اور اپنے بیٹے، یزید، کے جیش میں شریک ہو گئے۔ خالدؓ کے خط کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے انہیں لکھا کہ وہ دمشق کی تسخیر تک اس شہر کا محاصرہ کئے رکھیں، اور اس کے بعد حمص اور انطاکیہ پر حملہ کریں۔ تاہم، خالدؓ کو شام کی شمالی سرحد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔

ہرقل حمص میں تھا جب رومی فوج کی تباہ کن شکست کی خبر اس پر آسمانی بجلی کی طرح گری۔ اس کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ وہ انطاکیہ پہنچا، اور اس نے دمشق پر مسلمانوں کی متوقع چڑھائی کے پیش نظر رومی فوج کے ان بچے کھچے سپاہ کو حکم دیا جو یروشلم میں موجود تھے (لیکن وہاں کی مقامی محافظ فوج کو نہیں) کہ وہ یاقوصہ[1] کے مقام پر مسلمانوں کا راستہ روکے اور ان کی پیش قدمی میں تاخیر پیدا کرے۔ (نقشہ ۱۶ دیکھئے) اس کے ساتھ ہی اس نے دمشق کو مستحکم بنانے اور محاصرے کی تیاری کرنے کے لئے مزید رومی افواج کو اس شہر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔

جنگ اجنادین کے ایک ہفتے بعد خالدؓ مسلم فوج کو لے کر روانہ ہوئے اور، اب پھر یروشلم کے جنوب میں اس شہر سے قدرے ہٹ کر گزرتے ہوئے، دمشق کی طرف بڑھنے لگے۔ جب وہ فحل پہنچے، جس کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ بند فوج متعین تھی، تو انہوں نے ابوالاعور کے زیر قیادت ایک سوار دستے کو وہاں مقرر کیا، تاکہ وہ اس قصبے کی محافظ فوج کو وہیں روکے رکھے۔ باقی ماندہ فوج کے ساتھ وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے دریائے یرموک کے کنارے یاقوصہ تک پہنچ گئے۔ اس دریا کے شمالی کنارے پر انہیں پھر رومی سپاہ کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ان رومیوں میں زوردار

---

[1] اسے واقوصہ بھی کہتے ہیں۔

مزاحمت کرنے کا دم نہ تھا، کیونکہ اجنادین کی بڑی شکست سے ان کے حوصلے ابھی تک پست تھے۔ یہاں ان کا اصل کام صرف اتنا تھا کہ وہ چند اول کی رکاوٹی کارروائی انجام دیں، تاکہ دمشق جانے والی کمک کے لئے کچھ مہلت مل جائے۔ تاہم اگست ۶۳۴ء کے درمیانی ایام (جمادی الآخر ۱۳ھ کے وسط) میں یاقوصہ کے مقام پر ایک جنگ ہوکر رہی اور رُومیوں کو دوبارہ شکست کھانی پڑی۔[1]

یہ رُومی سپاہ تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے، اور خالدؓ پھر دمشق کی جانب بڑھنے لگے۔

---

[1] بعض ابتدائی مورخین، بشمول طبری، یاقوصہ کی اس جھڑپ کو جنگِ یرموک سے، جو اسی عام رقبے میں لڑی گئی تھی، گڈمڈ کرتے نظر آتے ہیں، اور انہوں نے سالِ یرموک ۱۳ھ بتایا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔

۳۰

تسخیرِ دمشق

دمشق کو جنّتِ شام کہا جاتا تھا۔ یہ ایک درخشاں صدر مقام تھا، جس میں ہر وہ چیز موجود تھی جو کسی شہر کی عظمت و شہرت کا باعث ہوتی ہے۔ اس میں دولت تھی، تہذیب و ثقافت تھی، عبادت گاہیں تھیں، فوج تھی۔ اس کی قدیم تاریخ تھی۔ اس شہر کا مرکزی حصّہ ۱۱ میٹر[1] اونچی فصیل کے اندر واقع تھا، لیکن شہر کی فصیل کے باہر کچھ ایسے مضافات بھی تھے جو محفوظ نہیں تھے۔ شہر کا مستحکم حصّہ ایک میل لمبا اور نصف میل چوڑا تھا، اور اس میں داخل ہونے کے لئے چھ دروازے تھے: بابِ شرق، بابِ توما، بابِ جابیہ، بابِ فرادیس، بابِ کیسان اور بابِ صغیر۔ شمالی فصیل کے ساتھ ساتھ دریائے بَرَدیٰ بہتا تھا، لیکن وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اسے فوجی اہمیّت حاصل نہیں تھی۔

مہمِ شام کے زمانے میں دمشق میں رُومی فوجوں کا سپہ سالار توما، شہنشاہ ہرقل کا داماد تھا۔ توما ایک راسخ العقیدہ اور مخلص عیسائی تھا، اور وہ نہ صرف اپنی شجاعت اور فوجی قیادت میں مہارت کے باعث بلکہ اپنی ذہانت اور اپنے علم و فضل کی بدولت بھی مشہور تھا۔ اس کی نیابت کے فرائض ہربیس نامی ایک سالار کے سپرد تھے، جس کے بارے

---

[1] اُس وقت سے اب تک شہرِ دمشق ۴ میٹر اوپر اُٹھ چکا ہے۔ چنانچہ اب اسکی شہر پناہ سطحِ زمین سے صرف ۷ میٹر اونچی ہے۔

میں اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ وہ وہاں موجود تھا۔ دمشق کی محافظ فوج کی قیادت عملاً جس سالار کے ہاتھ میں تھی وہ عزازیر تھا۔ عزازیر ایک نبرد آزما سپاہی تھا، جس کی ایک عمر مشرق میں مہمیں سر کرتے گزری تھی اور جس نے ایرانیوں اور جنگی ترکوں کے خلاف بے شمار لڑائیوں میں شہرت حاصل کی تھی۔ وہ ایک عظیم مردِ میدان مانا جاتا تھا، اور اسے اس حقیقت پر ناز تھا کہ اس نے مبارزت میں کبھی مات نہیں کھائی تھی۔ کئی سال تک شام میں فوجی خدمات سرانجام دینے کے باعث وہ عربی سے بہت اچھی طرح واقف تھا، اور اس زبان میں روانی کے ساتھ بات چیت کرتا تھا۔

عزازیر کی فوج میں کم سے کم ۱۲،۰۰۰ سپاہ تھے، لیکن دمشق کے کل شہر کو محاصرے کے لئے تیار نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی فصیلیں اور برجیاں تو اچھی حالت میں تھیں لیکن خوراک اور چارے کا ذخیرہ اکٹھا کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا اور شہر کی محافظ فوج اور اس کی گنجان آبادی کے مدِنظر، یہ ہفتوں بلکہ مہینوں کا کام تھا۔ تاہم، اس کوتاہی کے لئے رومیوں کو موردِ الزام ٹھہرانا مشکل ہے، کیونکہ جب سے ہرقل نے ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دی تھی، شام کے لئے کبھی کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور رومیوں کو اس خطرے کا جو اُن کے سر پر منڈلا رہا تھا، بھرپور احساس جنگِ اجنادین کے انجام کے بعد ہی ہوا۔

اب ہرقل نے، انطاکیہ کو اپنا صدر مقام بنا کر، جملہ امور کو سلجھانے اور دمشق کو محاصرے کے لئے تیار کرنے کا کام شروع کر دیا۔ لشکرِ اجنادین کے باقی ماندہ سپاہ کو یاقوصہ میں مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کا حکم دینے کے بعد، اس نے انطاکیہ سے ۵۰۰۰ سپاہ کی ایک جمعیت کو دمشق کی محافظ فوج کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ اس جمعیت کی قیادت کلوس نامی ایک سالار کے سپرد کی گئی، جس نے شہنشاہِ روم سے وعدہ کیا کہ وہ خالدؓ کا سر نیزے میں پرو لائے گا۔[1] کلوس لگ بھگ اس وقت دمشق پہنچا جب یاقوصہ کی جنگ

---

[1] واقدی : صفحہ ۲۰

لڑی گئی۔ اب دمشق کی محافظ فوج کے سپاہ کی تعداد بڑھ کر ۰۰۰، ۱۷ تک پہنچ گئی۔ لیکن کلوس اور عزازیر میں پیشہ ورانہ رقابت تھی، اور وہ ایک دوسرے سے برگشتہ رہتے تھے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے زوال کا متمنی تھا۔

توما نے دمشق کے شہر کو محاصرے کے لئے تیار کرنے کا کام بڑی سرگرمی سے انجام دیا۔ گرد و نواح کے دیہات سے بڑی تیزی کے ساتھ سامانِ خورد و نوش جمع کیا گیا، تاکہ محاصرین کے ہاتھوں سلسلۂ رسد کے منقطع ہونے کی صورت میں بھی اس شہر کے محافظوں اور باشندوں کو غذا فراہم ہوتی رہے۔ تاہم، جو کچھ جمع ہو سکا وہ ایک طویل محاصرے کے لئے کافی نہیں تھا۔ مخبروں کو مسلمانوں کی پیش قدمی پر نظر رکھنے اور اطلاع دینے کے لئے بھیج دیا گیا۔ پھر زیادہ تر رومی فوج کو شہر سے باہر جنگ کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا، جبکہ شہر کے اندر صرف مضبوط محافظ دستے اور بوقت ضرورت استعمال کی ایک فوجی جمعیت چھوڑے گئے۔ رومیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو دمشق کا محاصرہ کرنے سے پیشتر ہی شکست دے کر پیچھے دھکیل دیں۔ مگر اہلِ دمشق خالدؓ کی آمد کا انتظار بڑھتی ہوئی تشویش کے ساتھ کرنے لگے۔

خالدؓ اب تک ایک فوجی عملہ منظم کر چکے تھے۔ یہ اس تنظیم کی ایک سادہ سی ابتدا تھی جس نے آگے چل کر فوجی تاریخ میں عملہ سپہ سالار اعلیٰ (جنرل اسٹاف) کی شکل اختیار کی۔ انہوں نے عرب، عراق، شام اور فلسطین سے، غرضیکہ ان تمام علاقوں سے، جہاں وہ جنگیں لڑ چکے تھے، تیز اور ذہین فوجیوں کو جمع کیا تھا، اور انہیں اس عملے کے افسروں کی حیثیت سے مقرر کر کے خاص طور سے مخبری کے انتظامات ان کے سپرد کئے تھے۔ یہ افسر اطلاعات جمع کرتے، خفیہ کارندوں کی روانگی اور ان سے پوچھ گچھ کا اہتمام کرتے، اور خالدؓ کو تازہ ترین جنگی حالات سے پوری طرح باخبر رکھتے۔ خفیہ خبر رسانی جنگ کا ایک ایسا پہلو تھا جس کی طرف خالدؓ خاص توجہ دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ چوکس رہتے اور

ہاتھ آنے والے ہر موقعے سے فائدہ اُٹھانے کو ہر دم تیار رہتے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ "وہ نہ تو خود سوتے اور نہ دوسروں کو سونے دیتے اور ان سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی تھی۔"[1] لیکن یہ ایک فوجی صدر مقام کے عملے کی بجائے خالدؓ کا ذاتی عملہ تھا، اور خالدؓ جہاں بھی جاتے یہ عملہ ان کے ہمراہ جاتا۔

خالدؓ نے اپنی فوجی تنظیم میں بھی ایک قابلِ ذکر تبدیلی کی تھی۔ اپنے لشکرِ عراق میں سے، جو جنگِ اجنادین کے بعد تقریباً ۸۰۰۰ سپاہ پر مشتمل تھا، انہوں نے ۴۰۰۰ گھڑسواروں کی ایک جمعیت منظم کی تھی، جس کو ابتدائی دور کے مورخین نے متحرک فوج کہا ہے، لیکن آگے چل کر اسے متحرک رسالہ یا طلیعہ یا تیز رو رسالہ وغیرہ کے نام سے بھی موسوم کیا جائے گا۔ لشکرِ عراق کی طرح، جو اب اسلامی فوج کا صرف ایک جیش تھا، خالدؓ نے اس فوجی قوت کو بھی براہ راست اپنے ماتحت رکھا اور اسے جنگ میں حسبِ ضرورت استعمال کے لئے ایک مخصوص متحرک رسالہ قرار دیا۔ بلا شبہ، یہ رسالہ اسلامی فوج کی بہترین جمعیت تھی۔ اس کے چیدہ سپاہ کا ایک منتخب جیش۔

جب خالدؓ یاقوصہ سے روانہ ہوئے تو وہ اپنے جیشِ عراق کے ہمراہ سب سے آگے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے دوسرے جیش اور عورتیں اور بچے تھے۔ اب تک عراق سے آنے والے فوجیوں کے اہل و عیال بھی، جنہیں "خطرناک سفر" سے پیشتر مدینے بھیج دیا گیا تھا، شام پہنچ کر اسلامی فوج میں شامل ہو چکے تھے۔ جابیہ کے راستے تین روز کے سفر کے بعد اسلامی فوج کا اگلا حصہ مرج الصُّفَّر پہنچ گیا، جہاں سے دمشق ۱۲ میل دُور تھا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ ایک بڑی رُومی فوج ان کا راستہ روکے کھڑی ہے۔ اس رُومی فوج کو، جو کلُوس اور عزازیر کے تحت ۱۲،۰۰۰ سپاہ پر مشتمل تھی، توما نے اس لئے آگے بھیجا تھا کہ

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۲۶۔

مُسلمانوں سے کھلے میدان میں جنگ کر کے یا تو انہیں دمشق سے دُور بھگا دے، یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ان کی پیش قدمی میں تاخیر پیدا کرے اور اس طرح شہر تک رسد پہنچانے کو مزید مہلت مِل جائے۔ مُسلمانوں کے ہراول جیش نے رات گزارنے کو رومی فوج کی قیام گاہ سے کوئی ایک میل دُور اپنا پڑاؤ ڈالا۔ اس وقت باقی مسلم جیش ابھی کافی دُور پیچھے رہ گئے تھے۔

مرجُ الصُفَّر، یعنی زرد مرغزار، کسوہ سے جو درعا جانے والی موجودہ سڑک پر دمشق سے تقریباً ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے، جنوب کی طرف پھیلا ہوا تھا۔ کِسوہ کے جنوبی کنارے سے ایک چھوٹی درختوں سے بھری وادی نکلتی تھی جس کے جنوب میں مرجُ الصُفَّر واقع تھا۔ اس قصبے کے عین مغرب میں ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی، اور رُومیوں نے اس پہاڑی کے بالمقابل اور وادی کے جنوب میں اپنا مورچہ قائم کر رکھا تھا۔[1]

اگلی صبح کو، ۱۹ اگست ۶۳۴ء (۱۹ جمادی الآخر ۱۳ھ) کے روز خالدؓ نے اپنے جیش کو آگے بڑھایا، اور مُسلمانوں اور رومیوں نے اپنی اپنی فوج کو جنگِ مرجُ الصُفَّر کے لئے صف آرا کیا۔ باقی ماندہ اسلامی فوج تیزی کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہی تھی، مگر اسے وہاں تک پہنچنے میں ابھی دو گھنٹے اور لگنے والے تھے۔ ہراول جیش کو، جو اب معرکہ آرا تھا، ایک ایسے مضبوط محور کا کام دینا تھا جس کے گرد باقی تمام مُسلم فوج وہاں پہنچ کر صف آرا ہو سکے۔ رُومی مدافعت پر مائل نظر آتے تھے، کیونکہ انہوں نے مُسلمانوں سے بھڑنے کو کوئی قدم آگے نہ بڑھایا۔ اس سے فائدہ اُٹھا کر خالدؓ نے نبرد آزمائی کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیا جس سے مُسلمانوں کے باقی ماندہ جیوش کی آمد تک رُومیوں کو مصروف رکھا جا سکے۔

---

[1] یہ قصبہ، پہاڑی اور وادی ابھی تک موجود ہیں، اور مرغزار اب بھی زرد مائل نظر آتا ہے۔

یہ سلسلہ، اس سے قطع نظر کہ اس میں خاصا خون بہا، کچھ سپہ گری کی نمائش کا سا تھا، جس میں بانکے جوان اپنی اپنی جرأت و مہارت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ رومیوں نے اس "کھیل" میں خندہ پیشانی سے حصّہ لیا، کیونکہ ان کے پاس بھی ایسے ایسے مردِ میدان موجود تھے جو شجاعت اور بانکپن میں کسی سے کم نہ تھے، اور ان سورماؤں میں رُومی سالار کلوس اور عزازیر سب سے دلیر اور سب سے افضل سمجھے جاتے تھے۔ حریف فوجوں کے عام سپاہ نے قریب ہی کھڑے ہو کر تماشائیوں کی طرح دادِ تحسین سے اپنے اپنے "کھلاڑیوں" کے حوصلے بڑھائے۔

خالدؓ نے اپنے جانبازوں میں سے ضرارؓ، شرجیلؓ، اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور چند دوسروں کو آگے بڑھنے کا حکم دے کر ان خونی مقابلوں کے سلسلے کا آغاز کیا۔ یہ شہسوار اگلی صفوں سے نکلے، اور فوجوں کے درمیانی علاقے میں گھوڑے دوڑاتے وہ رُومیوں سے فرداً فرداً مبارز طلب ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک مسلمان کے مقابلے پر ایک ایک رُومی افسر آیا، اور مبارزت کے لئے نبرد آزماؤں کے جوڑ تیار ہو گئے۔ تقریباً ہر رُومی مارا گیا۔ ہر مسلمان سورما اپنے حریف کو موت کے گھاٹ اُتار کے رومی فوج کی اگلی صف کے سامنے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا رُومیوں کو طعنے دے دے کر للکارتا۔ اور اگر موقع ہاتھ آجاتا تو وہ اپنی فوج کی طرف لوٹنے سے پیشتر دشمن کے ایک دو جنگجوؤں کو اگلی صف میں مار گراتا۔ اس سے پہلے کے مقابلوں کی طرح، اس بار بھی سر سے کمر تک برہنہ ضرارؓ نے دشمن کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ انہوں نے سب سے زیادہ رومی سورماؤں کو تہ تیغ کیا اور اپنی بے جگری سے رُومیوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

جب اس سلسلے کو شروع ہوئے کوئی گھنٹہ بھر ہو گیا تو خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ اب چوٹی کے جوڑوں کی نبرد آزمائی کا وقت آگیا ہے! چنانچہ مسلمان افسروں کو واپس بلا کر، وہ خود آگے بڑھے۔ جب وہ میدان جنگ کے وسط میں پہنچے تو انہوں نے دشمن کو للکارا:

میں اسلام کا ستون ہوں !

میں رسول اللہؐ کا صحابی ہوں !

میں فارسِ جلیل ہوں !

خالدؓ بن الولید ہوں[1] !

چونکہ وہ اسلامی فوج کے سپہ سالار تھے، اس لئے ان کی دعوتِ مبارزت کسی اعلیٰ رُومی سالار ہی کو قبول کرنی تھی۔ کلوسؔ کا ولولۂ جنگ اب تک کافی سرد پڑ چکا تھا، چونکہ وہ ان رُومیوں کا انجام دیکھ کر سہم گیا تھا جو صبح مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالدؓ کی للکار قبول کرنے کو رضامند نہ تھا۔ لیکن اپنے رقیب، عزازیر، کے طعنوں سے مشتعل ہو کر اس نے رُومی محاذ سے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ خالدؓ کے قریب پہنچ کر اس نے اشارہ کیا کہ وہ ان سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن خالدؓ نے اسکے اشارے کی طرف کوئی توجہ نہ دی، اور اس پر نیزے سے حملہ کر دیا۔ کلوس غیر معمولی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خالدؓ کا وار بچا گیا۔ خالدؓ نے اس پر دوبارہ حملہ کیا، لیکن اس مرتبہ بھی ان کا وار خالی گیا۔

خالدؓ نے طے کیا کہ اگلی بار نیزہ استعمال نہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے حریف کے قریب آکر اپنا نیزہ الگ پھینک دیا اور اس سے خالی ہاتھ گتھم گتھا ہو گئے۔ انہوں نے کلوسؔ کو گریبان سے پکڑ کے اس کو جھٹک کر گھوڑے پر سے گھسیٹ لیا۔ رُومی سالار زمین پر گرا تو اس نے اُٹھنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اس پر خالدؓ نے دو مسلمانوں کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ قریب پہنچے تو خالدؓ نے انہیں کلوسؔ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، اور وہ اسے قیدی بنا کر لے گئے۔

---

[1] واقدی: صفحہ ۱۴۱، ۴۸

اس مقابلے کے نظارے سے رُومی سپاہ دل شکستہ ہو گئے، لیکن عزازیر جی ہی جی میں خوش تھا اور اس کو امید تھی کہ مسلمان کلوس کو قتل کر دیں گے۔ اب وہ خود آگے بڑھا۔ اپنے آپ کو کلوس سے بہتر مبارز سمجھتے ہوئے، اسے یقین تھا کہ وہ جلد ہی خالدؓ کا کام تمام کر دے گا۔ لیکن اسے خیال آیا کہ پہلے ذرا مسلمان سپہ سالار کا مذاق اڑا کر لطف اٹھایا جائے۔ چنانچہ اس نے خالدؓ سے چند قدم دُور رُک کر اُن سے عربی میں کہا "اے عرب بھائی، میرے قریب آ تا کہ میں تجھ سے کچھ سوال پوچھ سکوں۔"

"یا عدو اللہ!" خالدؓ نے جواب دیا۔ "تو خود ہی میرے قریب آجا ورنہ میں تیرے پاس آکر تیرا سر قلم کر دوں گا۔" عزازیر نے متعجب ہو کر خالدؓ کی طرف دیکھا لیکن پھر وہ اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر نبرد آزمائی کے لئے موزوں فاصلے پر جا رُکا۔ اس نے نرم اور بردبار انداز میں اپنی بات جاری رکھی: "اے عرب بھائی، تجھ کو بہ نفسِ نفیس مقابلہ کرنے کو کس بات نے اکسایا ہے؟ کیا تجھ کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ اگر میں نے تجھ کو ہلاک کر دیا تو تیرے ساتھیوں کی قیادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا؟"

"یا عدو اللہ، میرے چند ساتھیوں نے جو کچھ کیا ہے وہ تو پہلے ہی دیکھ چکا ہے۔ اگر میں انہیں اجازت دیتا تو وہ اللہ کی مدد کے ساتھ تیرے سارے لشکر کو تباہ کر دیتے۔ میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کو رحمت اور اس دنیا کو ایک سراب سمجھتے ہیں۔ بہر حال تو کون ہے؟"

"کیا تو مجھے نہیں جانتا؟" عزازیر نے متعجب ہو کر پوچھا۔ "میں شام کا مردِ میدان ہوں! میں ایرانیوں کا قاتل ہوں! میں ترکی عساکر کو مسمار کرنے والا ہوں!"

"تیرا نام کیا ہے؟" خالدؓ نے پوچھا۔

"میں ملک الموت کا ہم نام ہوں۔ میں عزرائیل ہوں!"

خالدؓ یہ سن کر ہنس دیئے۔ "میرا خیال ہے کہ جس کے نام پر تیرا نام پڑا ہے وہ

بڑی سرگرمی سے تیری تلاش میں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ تجھے اسفل السافلین پہنچانے کے لئے !"

عزازیر نے خالدؓ کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور سلسلہ کلام کو بڑی بے پروائی سے جاری رکھتے ہوئے کہا "تو نے اپنے قیدی 'گلوس' کے ساتھ کیا کیا ہے ؟"

"وہ زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے۔"

"اسے قتل کرنے سے تجھ کو کس بات نے روک رکھا ہے ؟ وہ رومیوں میں سب سے بڑا مکار ہے۔"

"مجھے کوئی چیز نہیں روکے ہوئے ہے سوائے اس خواہش کے کہ آپ دونوں کو ایک ساتھ قتل کیا جائے۔"

"تو سن" رومی سپہ سالار نے کہا، "اگر تو اسے قتل کر کے اس کا سر مجھے دیدے تو میں ایک ہزار دینار، زربفت کی دس قبائیں اور پانچ گھوڑے تیری نذر کروں گا۔"

"یہ تو ہوئی اس کے سر کی قیمت، تم اپنی جان بچانے کے لئے مجھے کیا دو گے ؟"

"تو مجھ سے کیا چاہتا ہے ؟"

"جزیہ !"

اس پر عزازیر کو غصہ آگیا اور اس نے کہا "جیسے ہم عظمت میں بڑھتے ہیں ویسے ہی تم ذلت میں گرتے ہو۔ اب اپنے آپ کو بچا چونکہ میں تجھے اب قتل کرنے والا ہوں۔"

رومی سپہ سالار کی زبان سے بمشکل یہ الفاظ نکلے تھے کہ خالدؓ نے اس پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے تلوار کے متعدد وار کئے، لیکن عزازیر نے کامل فنی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے ہر وار کو خالی دیا اور اپنے کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا۔ مسلمانوں کی صفوں سے بھی اس ہنرمندی پر بے ساختہ واہ کی آواز اُٹھی، جس سے رومی سالار ان کے ایسے قائد کے خلاف اپنا دفاع کر رہا تھا جس کا سوائے چند مسلمانوں کے نبرد آزمائی میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ خود خالدؓ نے حیران ہو کر اپنا ہاتھ روک لیا۔

رُومی سپہ سالار نے مسکراتے ہوئے کہا" مسیحؑ کی قسم، اگر میں چاہتا تو تجھے بہ آسانی قتل کر دیتا۔ لیکن میں نے تجھے زندہ گرفتار کرنے کا عزم کر رکھا ہے، تاکہ میں اس کے بعد تجھے اس شرط پر رہا کر دوں کہ تو ہمارے ملک سے نکل جائے گا۔"

رومی سالار کے اس ٹھنڈے مخدومانہ التفات کے انداز اور اس کے دفاع کی کامیابی پر خالدؓ آگ بگولہ ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے اس رومی کو زندہ گرفتار کرنے اور اس کا غرور توڑنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن جب وہ دوبارہ حملہ کرنے کو آگے بڑھے تو انہیں یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ عزازیر اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر اسے آہستہ آہستہ واپس دوڑانے لگا ہے۔ خالدؓ نے یہ سوچ کر کہ وہ لڑائی سے بچ کر بھاگ رہا ہے، اس کا تعاقب کیا۔ اب تماشائیوں نے یہ قابلِ دید منظر دیکھا کہ حریف فوجوں کے درمیانی علاقے میں ایک سپہ سالار دوسرے کا گھوڑے پر سرپٹ پیچھا کر رہا ہے۔ دونوں سواروں نے ایک دوسرے کے پیچھے برابر رفتار سے اس علاقے کے متعدد چکر کاٹے۔ پھر خالدؓ کا گھوڑا ایسا پسینے پسینے ہوا اور اس کا سانس ایسا پھولا کہ اس کی رفتار سست پڑنے لگی۔ رُومی سپہ سالار زیادہ عمدہ گھوڑے پر سوار تھا، اور اس میں تھکان کے کوئی آثار نہ تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ عزازیر کا ایک پہلے سے سوچا سمجھا منصوبہ تھا، کیونکہ جب اس نے خالدؓ کے گھوڑے کو نڈھال دیکھا تو اس نے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور خالدؓ کے آلینے کا انتظار کرنے لگا۔ خالدؓ کا مزاج اب بہت برانگیختہ تھا، کیونکہ گھڑ دوڑ میں ان کا حریف ان پر سبقت لے گیا تھا اور اب وہ، آگ پر تیل چھڑکتے ہوئے، ان کا مذاق بھی اُڑا رہا تھا۔ "میرے عرب بھائی! یہ مت سمجھ کہ میں ڈر کے بھاگا تھا۔ دراصل میں تجھ پر کرم کر رہا ہوں۔ دیکھ، میں رُوح قبض کرنے والا ہوں! میں ملک الموت ہوں!"

خالدؓ کا گھوڑا نبرد آزمائی میں کام دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے سے اُترے اور تلوار کھینچ کر عزازیر کی طرف بڑھے۔ گھوڑے پر سوار رُومی سالار نے اس

منظر کو بڑی شجاعت سے دیکھا کہ اس کا حریف پیدل اس کی طرف آرہا ہے۔ اس نے سوچا کہ اب خالدؓ حسب خواہش ان کے قابو میں تھے۔ چنانچہ جب خالدؓ اس کی تلوار کی زد تک آ گئے تو اس نے ان کا سر قلم کرنے کو پوری قوت کے ساتھ تلوار کا ایک ترچھا وار کیا، لیکن خالدؓ پھرتی کے ساتھ جھک گئے اور دشمن کی تلوار انہیں گزند پہنچائے بغیر ان کے سر پر سے سنسناتی ہوئی گزر گئی۔ اگلے لمحے، خالدؓ نے رومی سالار کے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر وار کر کے انہیں دھڑ سے بالکل جدا کر دیا۔ چنانچہ گھوڑا اور اس کا سوار دھڑام سے زمین پر آگرے۔ اب عزازیر کی ہمت بالکل جواب دے گئی۔ اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی، لیکن خالدؓ نے لپک کے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زمین سے اوپر اٹھایا اور دوبارہ زمین پر دے مارا۔ اس کے بعد انہوں نے عزازیر کا گریبان پکڑا اور اسے جھٹک کر اوپر اٹھایا۔ پھر وہ اسے اپنے ساتھ اسلامی فوج میں لے آئے، جہاں اسے زنجیروں میں کلوس کی صحبت نصیب ہوئی۔[1]

اس عظیم الشان مبارزت کا اختتام ہوا ہی تھا کہ مسلمانوں کے دو اور جیش میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک ابو عبیدہؓ کا تھا، دوسرا عمرو بن العاصؓ کا۔ خالدؓ نے ان جیوش کو اپنی فوج کے میمنہ و میسرہ کی صورت میں صف آرا کیا، اور صف بندی کا کام مکمل ہوتے ہی عام حملے کا حکم دے دیا۔

گھنٹے بھر تک تو رومی ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے، لیکن اس کے بعد مسلمانوں کے سامنے ان کے قدم جم نہ سکے۔ ان کے افسروں کی ایک کثیر تعداد کا صفایا ہو جانے سے، جس میں دو چوٹی کے سپہ سالار بھی شامل تھے، ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ اور پھر اس حقیقت نے بھی انہیں پسپائی کی طرف راغب کیا کہ دمشق کا شہر ان کے پیچھے قریب ہی

---

[1] ان مبارزتوں اور مکالموں کا بیان واقدی (ص ۱۹-۲۱) سے ماخوذ ہے۔

واقع تھا اور وہ زبانِ حال سے ان سے کہہ رہا تھا کہ آؤ اور میری مضبوط فصیلوں کے اندر محفوظ ہو جاؤ۔ چنانچہ رومیوں نے اپنے پیچھے لاشوں کی ایک کثیر تعداد چھوڑتے ہوئے، منظم طور بازگشت کی۔ دمشق پہنچ کے اس فوج نے شہر پناہ کے اندر داخل ہو کر اس کے دروازے بند کر دیئے۔

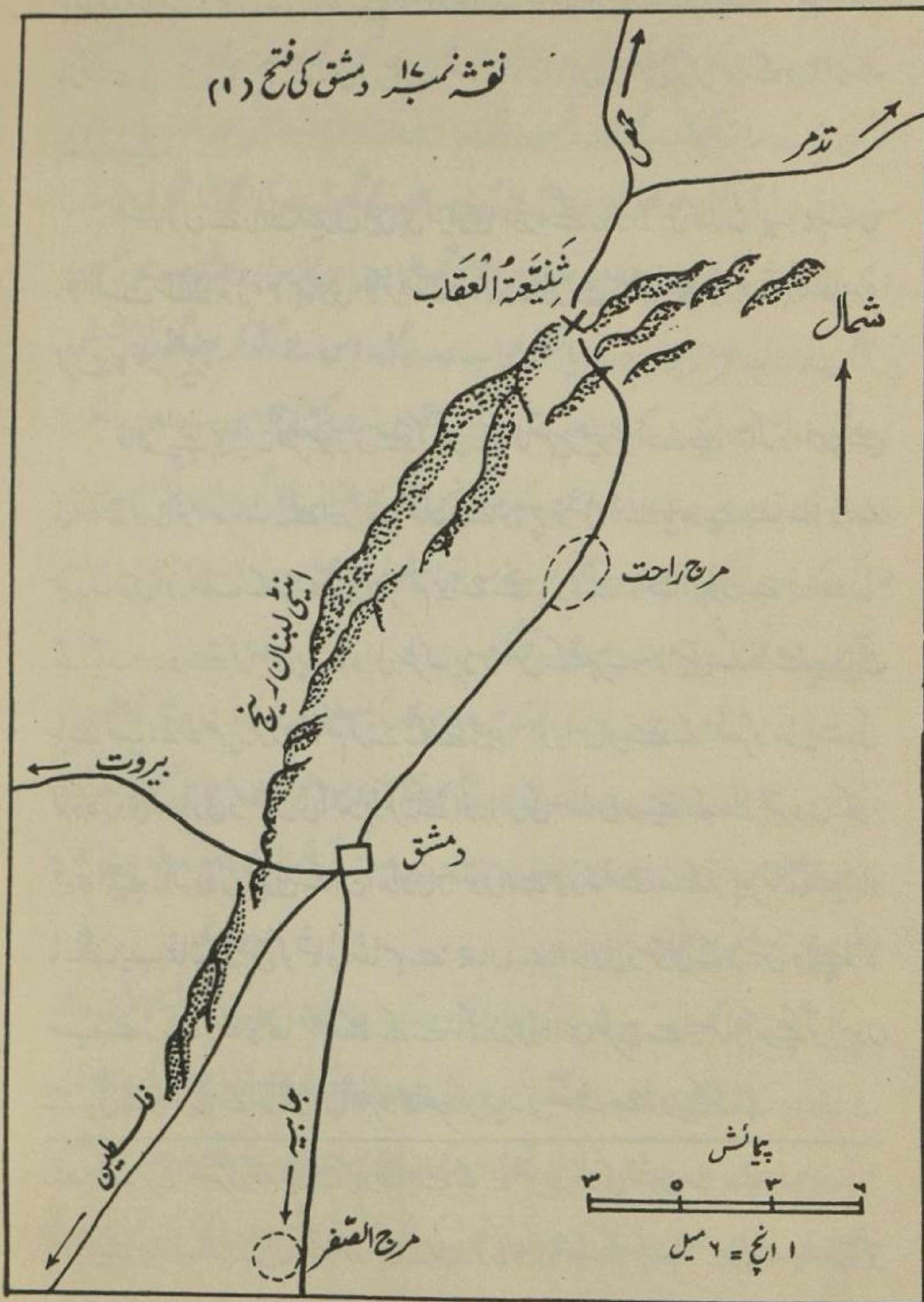
مسلمانوں نے رات میدان میں ہی گزاری، اور اگلے روز دمشق کا رُخ کیا۔ یہاں ۲۰ اگست ۶۳۴ء (۲۰ جمادی الآخر ۱۳ھ) کو خالدؓ نے مسلم فوج کو اس شہر کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔[1]

خالدؓ پہلے ہی ایک گھڑسوار دستے کو فحل کے مقام پر چھوڑ آئے تھے، تاکہ وہ اس قصبے کی محافظ فوج کو مصروف رکھے اور اسے کمک کے طور پر دمشق آنے یا مدینے سے آنے والے خبر رسانوں اور کمک کے راستے میں مزاحم ہونے سے باز رکھے۔ اب انہوں نے سواروں کے ایک اور دستے کو حمص جانے والی سڑک پر، دمشق کے شہر سے ۱۰ میل کے فاصلے پر واقع بیت لہیا[2] کے مقام پر مورچہ قائم کرنے کے لئے بھیجا، اور اس دستے کے افسر کو ہدایت کی کہ وہ رومی امدادی دستوں کی آمد پر نظر رکھنے اور اس کی اطلاع دینے کے لئے مخبروں کو آگے بھیجے۔ اگر وہ رومیوں کے ان امدادی دستوں سے خود نہ نمٹ سکے تو پھر خالدؓ سے امداد مانگے۔ جب خالدؓ دمشق کو شمالی شام سے، جہاں سے امدادی دستوں کے دمشق پہنچنے کا سب سے زیادہ امکان تھا، کاٹنے کے لئے ناکہ بندی کا اس طرح سے اہتمام کر چکے تو انہوں نے باقی ماندہ فوج کے ساتھ اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ (نقشہ ۱۷ دیکھئے۔)

---

[1] جنگِ مرج الصفر کی تفصیلات کی وضاحت کے لئے ضمیمہ ب کی تشریح ۱۱ دیکھئے۔

[2] بیت لہیا اب موجود نہیں ہے، اور اس کے محلِ وقوع کا بھی ٹھیک پتا نہیں چلتا۔ یہ غوطۂ دمشق میں واقع ایک چھوٹا سا قصبہ تھا (یاقوت، جلد ۱، صفحہ ۷۸۰) اور ہم نے اسے غوطہ کے بیرونی کنارے پر دکھایا ہے کیونکہ ناکہ بندی کرنیوالے ایک دستے کو شہر سے نسبتاً قریب تر مقام پر متعین کرنا فوجی نقطۂ نگاہ سے غلط ہو گا۔



نقشہ نمبر ۱۷ دمشق کی فتح (۱)
حمص
تدمر
ثَنِیَّۃُ العُقاب
شمال
مرج راحت
اینٹی لبنان رینج
بیروت
دمشق
فلسطین
جابیہ
مرج الصفر
پیمائش
۳ ۰ ۳ ۶
۱ انچ = ۶ میل

اب دمشق میں تقریباً ۱۵، ۱۶ ہزار سپاہ پر مشتمل ایک محافظ فوج، اور شہر کے مستقل باشندوں اور اس شہر میں پناہ گزین ہونے والے گرد و نواح کے لوگوں پر مشتمل ایک کثیر التعداد شہری آبادی موجود تھی۔ تاریخ میں مسلمانوں کی تعداد کا کہیں ذکر نہیں ملتا، لیکن وہ گزشتہ مہینے کی تعداد سے لازماً کچھ کم ہی ہو گی۔ اُنہی ایام میں لڑی جانے والی تین جنگوں — جنگِ اجنادین، جنگِ یاقوصہ اور جنگ مرج الصُفَّر۔ میں مسلمان شہداء کی تعداد یقیناً چند ایک ہزار سے کم نہ ہو گی۔ اور پھر ان جنگوں میں مزید ہزاروں سپاہ لازماً زخمی ہوئے ہوں گے، اور یہ محاصرۂ دمشق میں سری[illegible] نہ ہو سکے ہوں گے۔ مزید براں، ایک دستے کو فحل کے مقام پر مُتعیّن کیا گیا تھا اور ایک دستہ امدادی دستوں کی مزاحمت کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ ان امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، میرا اندازہ ہے کہ دمشق میں مسلمان سپاہ کی تعداد لگ بھگ ۲۰،۰۰۰ تھی۔ چنانچہ خالدؓ نے اسی نفری قوت کے ساتھ شہر کا محاصرہ کیا۔

انہوں نے جیشِ عراق کو، جس میں ان کے متحرک رسالے کے کچھ سوار بھی شامل تھے، باب الشّرق پر متعین کیا۔ اس جیش کے بڑے حصّے پر انہوں نے رافع کو مامور کیا، اور خود متحرک رسالے میں سے ۴۰۰ سواروں کو بوقت ضرورت استعمال کے لئے اپنے ہمراہ لے کر باب الشرق سے تھوڑی سی دُور مقیم ہو گئے۔ انہوں نے اپنا فوجی مرکز ایک خانقاہ میں قائم کیا، جو اسی بنا پر دیرِ خالدؓ، یعنی خالدؓ کی خانقاہ، مشہور ہو گئی۔ (اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس خانقاہ میں رہنے والے راہبوں نے مسلمانوں کی مختلف طریقوں سے مدد کی، جس میں مسلمان زخمیوں کی دیکھ بھال بھی شامل تھی۔[1]) باقی ماندہ دروازوں میں سے ہر ایک پر، انہوں نے

---

[1] اب یہ خانقاہ، جسے دیر الاحمر (سُرخ خانقاہ) بھی کہتے تھے، موجود نہیں ہے لیکن اندازاً اس کا محل وقوع معلوم ہے۔ باب الشرق سے تقریباً ایک چوتھائی میل کے فاصلے پر ایک باغ ہے، جو مشرق کے رُخ پھیلا ہوا ہے۔ یہ خانقاہ اسی باغ میں واقع تھی، اور واقدی (ص۴۳) کے بیان کے مطابق باب الشرق سے اس خانقاہ تک کا فاصلہ نصف میل سے کم تھا۔

۴۰۰۰ سے ۵۰۰۰ سپاہ تک کی جمعیتوں کو مندرجہ ذیل سالاروں کی سرکردگی میں صف آرا کیا۔ (نقشہ ۱۸ دیکھئے):

بابِ تُوما : شرجیلؓ

بابِ جابیہ : ابو عبیدہؓ

بابِ فرادیس : عمرو بن العاصؓ

بابِ کیسان } : یزید بن ابی سفیانؓ
بابِ صغیر }

ان جیوش کے سالاروں کو خالدؓ نے یہ ہدایات جاری کیں کہ وہ

(ا) قلعے کے تیراندازوں کی زد سے باہر پڑاؤ ڈالیں،

(ب) اپنے اپنے دروازے کو نگاہ میں رکھیں،

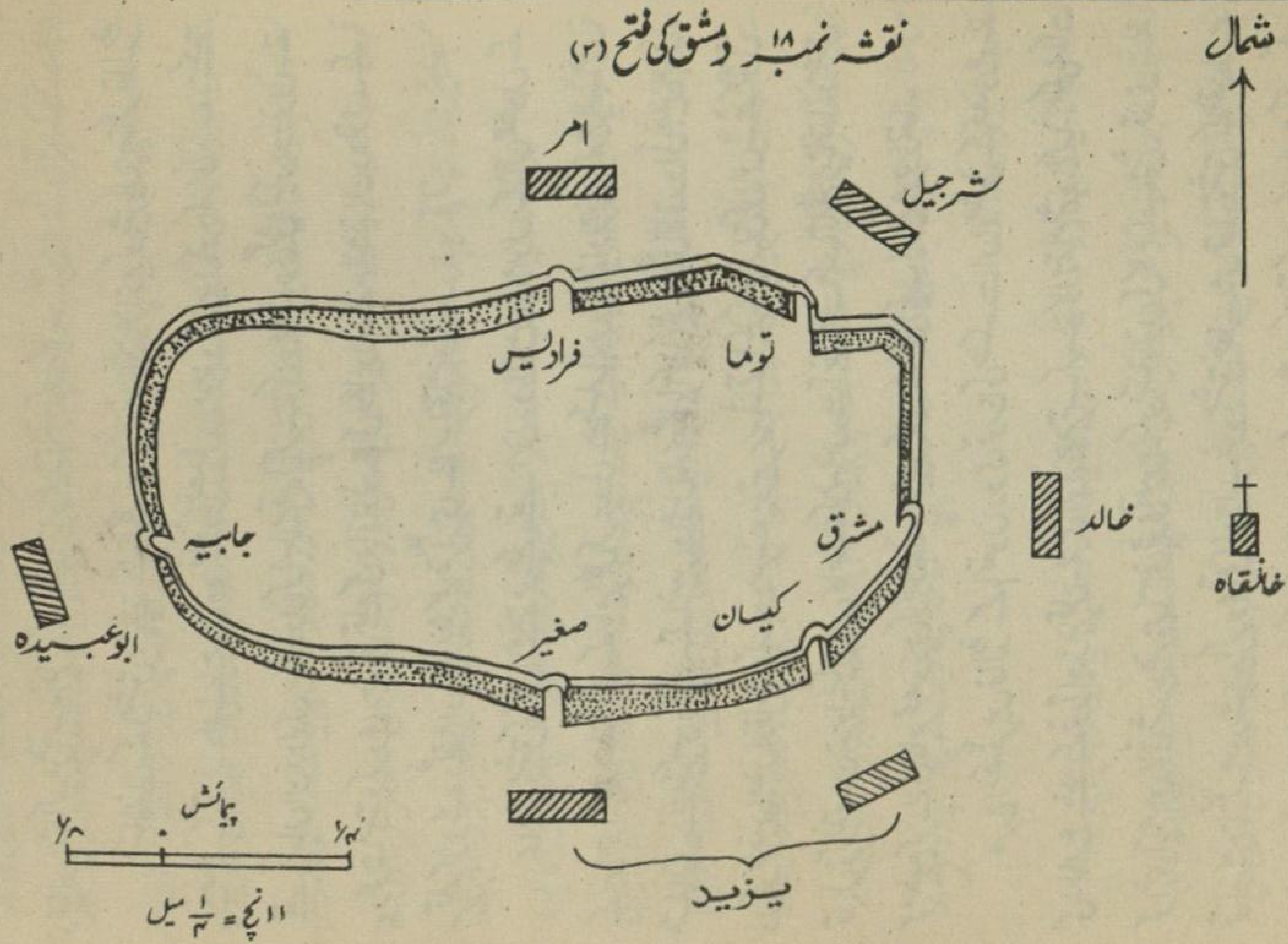
(ج) قلعے کی برجیوں پر جو رُومی تیرانداز نمودار ہوں ان کے مقابلے کے لئے اپنے تیراندازوں کو آگے بڑھائیں،

(د) دروازے سے حملے کے لئے برآمد ہونے والی رومی سپاہ کو واپس دھکیل دیں، اور

(ہ) شدید دباؤ کی صورت میں خالدؓ سے امداد طلب کریں۔

ضرارؓ کو متحرک رسالے کے ۲۰۰۰ سواروں کا سالار مقرر کیا گیا۔ ان کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ رات کو قلعے کے دروازوں کے درمیان خالی حصّوں میں گشت کیا کریں، اور اگر رومی کسی جیش پر حملہ کریں تو وہ اس کی مدد کو پہنچ جائیں۔

ان ہدایات کے ساتھ اسلامی جیوش اپنے اپنے مقام پر صف آرا ہو گئے، اور دمشق کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ خیمے گاڑ دیئے گئے، اور ضرارؓ نے گشت شروع کر دیا۔ کمک اور فرار کا ہر بڑا راستہ بند کر دیا گیا، لیکن عملاً اس کا اطلاق صرف صف آرا جمعیتوں پر تھا۔ افراد کو


نقشہ نمبر ۱۸ دمشق کی فتح (۲)
شمال
امر
شرجیل
فرادیس
توما
جابیہ
مشرق
کیسان
صغیر
ابوعبیدہ
خالد
خانقاہ
یزید
پیمائش

رات کے وقت اب بھی قلعے کی فصیل سے نیچے اُتارا جا سکتا تھا، اور اس طرح توما بیرونی دنیا اور انطاکیہ میں مقیم ہرقل کے ساتھ اپنا رابطہ قائم رکھ سکا۔

مسلمانوں کے دمشق پہنچنے کے اگلے روز، کلوس اور عزازیر کو بیڑیاں پہنا کر خالدؓ بابِ صغیر کے قریب لائے، جہاں وہ قلعے کی فصیل پر موجود رومیوں کو دکھائی دے سکتے تھے۔ یہاں ان دونوں سالاروں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی، لیکن دونوں نے یہ دعوت مسترد کر دی۔ چنانچہ قلعے کی محافظ فوج کی نگاہوں کے سامنے ان دونوں کے سر قلم کر دیئے گئے، اور یہ فریضہ بھی ضرارؓ ہی نے سر انجام دیا۔

محاصرۂ دمشق کو تین ہفتے ہو چکے تھے۔ اس دوران میں رومیوں کے ان حملوں کے سوا جو انہوں نے قلعے کے باہر نکل کر بیدلی سے مسلمانوں پر کئے اور جن کے جواب میں مسلمانوں نے بغیر کسی دقت کے انہیں واپس مار بھگایا، کوئی بڑی جنگی کارروائی نہیں ہوئی۔ دن کو طرفین بعض اوقات ایک دوسرے پر تیر برساتے، لیکن کسی فریق کو اس سے کوئی قابلِ ذکر نقصان نہ ہوا۔ لیکن اس محاصرے کو بہر صورت آخر وقت تک قائم رہنا تھا۔ دمشق کو مطیع کرنے کی خاطر محصورین کو بھوک سے مجبور کرنے کا بھی ایک ذریعہ موجود تھا۔

مرج الصُفّر میں خالدؓ کے ہاتھوں رومی فوج کی شکست اور دمشق کے محصور ہونے کی اطلاع ملنے کے فوراً بعد، ہرقل نے نئی افواج مرتب کرنے کا اہتمام شروع کیا۔ اسکی مملکت کو انہی ایام میں کافی شدید ضربیں سہنی پڑی تھیں۔ لیکن مسلمانوں کی کامیاب پیش قدمی نے تو اور بھی نازک صورت پیدا کر دی تھی، اور اب خود دمشق خطرے میں تھا۔ دمشق کے سقوط سے بزنطینی شہنشاہی کے وقار کو ایک ایسی ضرب کاری لگ سکتی تھی کہ جس کا علاج اس کی پوری فوجی طاقت کو بروئے کار لائے بغیر ممکن نہ ہوتا اور یہ ایک ایسا اقدام تھا جو صرف انتہائی بحرانی کیفیت میں کیا جا سکتا تھا۔ دمشق کی تسخیر کا احتمال وہاں سپاہ کی کسی کمی کے باعث نہیں بلکہ ناکافی رسد کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس شہر کو ایک طویل محاصرے کے لئے کافی

سامانِ خورد و نوش نہیں مہیا کیا گیا تھا۔ محاصرۂ دمشق کو ابھی شروع ہوئے ۱۰ دن بھی نہ ہوئے تھے کہ ہرقل نے جزیرے[1] اور شمالی شام کے مختلف علاقوں کی حفاظت پر مامور فوجی دستوں میں سے لئے ہوئے ۱۲،۰۰۰ سپاہ پر مشتمل ایک نئی فوج تیار کر لی تھی۔ چنانچہ اس فوج کو سامانِ رسد سے لدی ہوئی گاڑیوں کے ایک بڑے قافلے کے ساتھ، انطاکیہ سے روانہ کیا گیا اور اس کے سالار کو ہدایت کی گئی کہ وہ بہر قیمت دمشق پہنچ کر محصور فوج کو کمک پہنچائے۔ اس امدادی فوج نے حمص کے راستے سفر کیا اور اس کی حمص اور دمشق کے درمیان مسلم سراغ رسانوں سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ چنانچہ یہاں سے وہ ضرورت کے مطابق فوری جنگ کے لئے تیار ہو کر آگے بڑھی۔

۹ ستمبر ۶۳۴ء (۱۰ رجب ۱۳ھ) کو ایک خبر رسان اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا خالدؓ کے پڑاؤ میں انہیں یہ اطلاع دینے آیا کہ رومیوں کی ایک نامعلوم تعداد کی بڑی فوج تیزی کے ساتھ حمص سے آگے بڑھ رہی ہے، اور وہ ایک آدھ دن میں بیت لہیا کے سدِ راہ مسلم سپاہ سے آ ٹکرائے گی۔ خالدؓ کو یہ خبر سن کر کوئی تعجب نہ ہوا، کیونکہ انہیں اس بات کا پہلے ہی سے خیال تھا کہ ہرقل دمشق کو بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس شاہراہ پر جس کے ذریعے دمشق تک کمک پہنچ سکتی تھی اپنی فوج کے کچھ سپاہ کو مزاحمت کے لئے متعین کر رکھا تھا۔

خالدؓ نے اب فوراً ۵۰۰۰ سواروں کا ایک رسالہ مرتب کیا اور اس کی قیادت ضرارؓ کو سونپی۔ انہوں نے ضرارؓ کو ہدایت کی کہ وہ انتہائی سرعت سے بیت لہیا پہنچیں، وہاں پہلے سے معرکہ آرا دستے کو بھی اپنے تحت لے لیں اور حمص کی طرف سے آنے والی امدادی فوج سے نمٹ لیں۔ انہوں نے ضرارؓ کو جلد بازی سے احتراز کرنے کی تاکید کی، اور ساتھ

---

[1] جزیرے کے نام سے دجلہ اور فرات کا وہ درمیانی علاقہ موسوم تھا جو آجکل شمال مشرقی شام، شمال مغربی عراق اور جنوب مشرقی ترکی میں واقع ہے۔

ہی یہ ہدایت کی کہ اگر دشمن کی تعداد مقابلتاً بہت زیادہ ہو تو اپنے سپاہ کو جنگ میں جھونکنے سے پیشتر کمک کے لئے کہلا بھیجیں۔ لیکن ان تاکیدی الفاظ کا ضرارؓ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دراصل اگر ان میں کسی صلاحیت کی کمی تھی تو وہ احتیاط برتنے کی تھی۔

رافع کو اپنے نائب سالار کے طور پر ساتھ لے کر، ضرارؓ نے دمشق سے کوچ کیا اور بیت لہیا سے مزاحم دستے کو ہمراہ لے کر، اور آگے بڑھتے ہوئے اس چھوٹی سی پہاڑی تک جا پہنچے، جو ثنیتہ العقاب (درۂ عقاب) سے کچھ دُور اس طرف واقع تھی۔ یہاں انہوں نے اپنے سپاہ کو معرکہ آرا کر کے گھات میں بٹھا دیا۔

اگلی صبح حمص کی طرف سے آتی ہوئی رُومی فوج نمودار ہوئی۔ مُسلمان اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ جب رومی فوج کا اگلا حصہ مسلمانوں کی کمین گاہ کے پاس پہنچا تو ضرارؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ ان کے سپاہ اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے نیم برہنہ سالار کی قیادت میں رُومیوں پر ٹوٹ پڑے لیکن رُومی اس طرح کی ناگہانی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے بالکل تیار تھے۔ چنانچہ وہ اتنی تیزی سے معرکہ آرا ہو گئے کہ ساری کارروائی نے آمنے سامنے کی جنگ کی شکل اختیار کر لی، جس میں مُسلمان حملہ آوروں کے خلاف رُومی درۂ عقاب کے سامنے بلند تر سطح پر قدم جما کر مدافعت کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو دشمن کی پوری تعداد کا اب اندازہ ہوا، تو معلوم ہوا کہ وہ مُسلمانوں کی تعداد سے دُگنی تھی۔ لیکن ضرارؓ کو اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنے سپاہ سے آگے بڑھ کر دشمن پر اندھا دھند حملے کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے بہت آگے نکل گئے، اور کچھ ہی دیر بعد رُومیوں نے انہیں بالکل گھیر لیا۔ ان کے دشمنوں نے "برہنہ مردِ میدان" کو پہچان لیا۔ چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ ہر ممکن کوشش کر کے انہیں زندہ گرفتار کیا جائے اور شہنشاہ روم کی خدمت میں ایک بیش بہا تحفے کے طور پر پیش کیا جائے۔ ضرارؓ کا دایاں بازو ایک تیر لگنے سے زخمی ہو گیا، لیکن جب رُومیوں نے ان کے گرد اپنا گھیرا تنگ کیا تو وہ پھر بھی مقابلہ کرتے

رہے۔ تاہم متعدد زخم کھا کر وہ آخر کار رُومیوں کے قابو میں آ گئے، اور انہوں نے انہیں اسیر کر کے اپنی فوج کے عقب میں بھیج دیا۔

ضرارؓ کو کھونے کا مُسلمانوں کو بہت قلق ہوا، لیکن رافع جوشیلے ضرارؓ کے موزوں جانشین تھے۔ انہوں نے دشمن کی صفیں چیر کر ضرارؓ تک پہنچنے اور انہیں رہا کرانے کے لئے متعدد دھاوے کئے، لیکن ان کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں، اور کل جنگی کارروائی معطّل ہو کر رہ گئی۔ بالآخر رافع اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ رُومی فوج کی صفوں کو نہیں توڑ پائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے سہ پہر کو خالدؓ کو ایک پیغام بھیجا اور انہیں رومی فوج سے جنگ، دشمن سپاہ کی تعداد اور ضرارؓ کے پکڑ جانے کے بارے میں مطلع کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ ضرارؓ دشمن کی قید میں غالباً ابھی زندہ ہیں۔

خالدؓ کو اس جنگ کی اطلاع سورج ڈھلنے سے کافی پہلے مل گئی۔ اُن کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ بیت لہیا کے مقام پر رُومی فوج کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ رافع اپنے سپاہ کے ساتھ اس سے نہیں نمٹ سکیں گے۔ اس خیال نے خالدؓ کو ایک شدید مخمصے میں مبتلا کر دیا۔ رُومی کمک کو شکست دے کر حمص کی طرف مار بھگانا لازمی تھا، اور یہ فوری طور پر صرف اس طرح ممکن تھا کہ خالدؓ دمشق سے ایک بھاری جمعیّت کے ساتھ بیت لہیا پہنچ کر وہاں بذاتِ خود اسلامی فوج کی قیادت کرتے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں رُومی امدادی فوج کو مسلم مانع فوج کو راستے سے ہٹا کر آگے بڑھنے کا صاف موقع مل جاتا، اور اس کا مُسلمانوں کے محاصرۂ دمشق پر تباہ کن اثر پڑ سکتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی صحیح موقع و محل کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ اگر رافع کو کمک پہنچانے کیلئے فوراً پیشقدمی کی جاتی تو دمشق کی محصور فوج اس نقل و حرکت کو دیکھ لیتی اور محاصرہ کرنے والی نسبتاً کمزور فوج کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے اس پر قلعے سے نکل کر ہلہ بول دیتی۔ رُومیوں کی امدادی فوج کو بیت لہیا کے مقام پر شکست دینا بہرصورت لازمی تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی دمشق میں محصور رُومیوں کو وہاں سے مُسلمانوں کے کچھ دستوں

کے ہٹ آنے سے بے خبر رکھنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ تاخیر کا خطرہ مول لیکر رات کے پچھلے پہر تک کوچ نہ کیا جائے، چونکہ اس وقت محصور فوج کو مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتا لگنے کا امکان کم تھا۔

اس منصوبے کے مطابق تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ دمشق میں فوج کی قیادت ابوعبیدہؓ نے سنبھال کر خالدؓ کی غیر حاضری میں محاصرے کی فوجی کارروائیوں کی نگرانی اپنے ذمّے لے لی۔ آدھی رات کے بعد میسرہ بن مسروق کی قیادت میں ۱۰۰۰ مسلمان جانبازوں نے باب الشرق پر مورچہ سنبھال لیا، اور دوسرے دروازوں پر کچھ اور نئے انتظامات کئے گئے۔ اور پھر، آدھی رات اور فجر کے درمیان کسی وقت، خالدؓ نے اپنے ۴۰۰۰ سواروں کے متحرک رسالے کے ہمراہ دمشق سے کوچ کیا۔ اس رسالے نے بقیہ رات کے دوران بڑی تیزی کے ساتھ سفر کیا اور صبح سویرے اس مقام پر جا پہنچا جہاں رافع اور رومیوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ جنگ کے اس دوسرے دن کو بھی لڑائی میں کسی فیصلے کے آثار نظر نہ آتے تھے۔

دراصل مسلمان اب رومیوں پر حملے کرتے کرتے تھک گئے تھے، جو مسلمانوں کے حملوں کے خلاف چٹان کی طرح جمے ہوئے تھے۔

خالدؓ میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ دفعتہً ایک سوار پیچھے سے گھوڑا سرپٹ دوڑاتا چشم زدن میں ان کے پاس سے گزر کر رومی محاذ کی طرف لپکا۔ اس سے پیشتر کہ خالدؓ اسے روکنے کو کچھ کر سکتے، وہ جا چکا تھا۔ اس سیاہ لباس میں ملبوس، چھریرے بدن کے ہلکے پھلکے سوار نے چار آئینہ پہن رکھا تھا، اور وہ ایک تلوار اور ایک لمبے نیزے سے مسلّح تھا۔ اس کے سر پر ایک سبز عمامہ بانکپن سے بندھا تھا، اور اس نے ایک رومال اپنے چہرے کے گرد اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ وہ ایک نقاب کا کام دے رہا تھا، جس میں سے صرف اس کی دو آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ یہ سوار اس قدر غضبناک انداز میں رومیوں پر ٹوٹ پڑا کہ حاضرین میں سے ہر ایک کو خیال ہوا کہ سوار اور اس کا گھوڑا دونوں

دیوانے ہیں۔ حالانکہ خالدؓ بھی اسی وقت میدان میں آ گئے تھے، رافع نے پہلے اس سوار کو دیکھا اور کہا "یہ خالدؓ کی طرح حملہ کرتا ہے، مگر یقیناً خالدؓ نہیں ہے"۔[1] اتنے میں خالدؓ بھی رافع کے پاس پہنچ گئے۔

خالدؓ کو رافع کے سپاہ اور اپنے متحرک رسالے کو ایک متحدہ قوت کی شکل میں معرکہ آرا کرنے میں کچھ وقت لگا۔ اس دوران میں نقاب پوش سوار نے شہسواری اور نیزے بازی کا ولولہ انگیز مظاہرہ کر کے مسلمان سپاہ کو حیرت میں ڈال دیا۔ وہ دشمن پر جھپٹتا، رومی محاذ کے کسی ایک مقام کو نشانہ بناتا اور ایک نہ ایک رومی سپاہی کا کام تمام کر دیتا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا محاذ کے کسی اور مقام کی طرف لپکتا اور ایک بار پھر اگلی صف کے کسی سپاہی پر کاری وار کرتا، وعلیٰ ہذالقیاس۔ چند رومی سپاہ اس سے نمٹنے کو آگے بڑھے، لیکن اس کے خوفناک نیزے نے ان سب کو موت کی نیند سُلا دیا۔ اس عجیب وغریب منظر پر محوِ حیرت مسلمان اب بھی اس جنگجو کی نوجوان وضع قطع اور اس کے نقاب کے اوپر چمکتی ہوئی دو روشن آنکھوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ خون میں لتھ پتھ خون آلود نیزہ ہاتھ میں تولے جب یہ سوار بار بار پلٹ کر رومیوں پر وار کرتا تو یوں معلوم ہوتا گویا وہ خودکشی پر تُلا ہوا ہے۔ اس جنگجو کے نمونۂ عمل نے رافع کے سپاہ میں تازہ روح پھونک دی اور وہ اپنی تھکان بھول گئے۔ جب خالدؓ نے حملے کا حکم دیا تو وہ نئے ولولے سے لڑنے لگے۔

جب مسلمانوں کی پوری فوج نے رومیوں کے محاذ پر عام حملہ کیا تو بھی نقاب پوش سوار نے اپنی انفرادی جنگ جاری رکھی، حالانکہ اب متعدد مسلمان اس کے ساتھ لڑائی میں شریک ہو چکے تھے۔ اس عام حملے کے آغاز سے تھوڑی ہی دیر بعد، خالدؓ اس سوار کے

---

[1] واقدی: ص ۲۷

قریب پہنچے اور اس سے چلا کر کہا " اے جانباز، اپنا چہرہ دکھا"۔ پہلے دو آنکھیں خالدؓ کی طرف چمکیں، پھر سوار نے اپنا رُخ موڑ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پوپیا جا کے رُومیوں پر ایک اور دھاوا کر دیا۔ تب خالدؓ کے چند سپاہ نے اسے جا لیا اور اس سے کہا " اے جانباز، تیرا سالار تجھے پکار رہا ہے اور تو اس سے اپنا منہہ موڑ لیتا ہے! ہمیں اپنی صورت دکھا اور اپنا نام بتا، تاکہ تیری مناسب قدر و منزلت کی جائے"۔ مگر سوار نے پھر اپنا رُخ پھیر لیا، گویا وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو مخفی رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جب نقاب پوش سوار حملے سے لوٹتے ہوئے خالدؓ کے قریب سے گزرا تو انہوں نے ڈانٹ کر اسے رُکنے کو کہا۔ سوار نے گھوڑے کی باگ کھینچی، اور خالدؓ نے کہا۔ " تم اپنی قدر ہمارے دلوں میں بٹھانے کو اب کافی کر دکھا چکے ہو۔ بتاؤ، تم کون ہو ؟"

جب خالدؓ نے نقاب پوش سوار کا جواب سُنا تو وہ اپنے گھوڑے سے گرتے گرتے بچے۔ اس کی آواز ایک لڑکی کی تھی! " اے امیر، میں تو محض حیا میں آپ سے منہ پھیر لیتی ہوں۔ آپ ایک عظیم سپہ سالار ہیں اور میں پردہ نشین۔ میں اس لئے اس طرح لڑ رہی ہوں کہ میرا دل مشتعل ہے"۔

" لیکن تم ہو کون ؟"

" میں خولہ ہوں، ضرارؓ کی بہن۔ میرا بھائی گرفتار ہو گیا ہے، اور میں اسے آزاد کرنے کے لئے لڑنے سے ہاتھ نہیں روک سکتی"۔

خالدؓ بوڑھے الازور کی قسمت پر حیران رہ گئے، جس کے گھر دو ایسے زبردست جنگجو، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، پیدا ہوئے تھے۔ " تو پھر آؤ ہمارے ساتھ مل کر حملے کرو" خالدؓ نے کہا۔[1]

---

[1] واقدی : ص۲۸

مُسلمانوں کے حملے شدّت سے ہوتے رہے، اور لگ بھگ دوپہر کے وقت رُومی منظم طور سے میدان چھوڑ کے پیچھے ہٹنے لگے۔ مُسلمانوں نے دشمن فوج پر مسلسل دباؤ ڈال کر اس کا تعاقب کیا، لیکن انھیں مردہ یا زندہ ضرارؓ کا کہیں کھوج نہ مِلا۔ اتنے میں خوش قسمتی سے کچھ مقامی عربوں نے مسلمانوں کو آکر بتایا کہ انھوں نے ۱۰۰ رومی سواروں کو حمص کی طرف جاتے دیکھا تھا، جو گھوڑے پر بندھے ہوئے ایک نیم برہنہ شخص کو اپنے ساتھ لئے ہوئے تھے۔ خالدؓ فوراً بھانپ گئے کہ ضرارؓ کو میدانِ جنگ سے دُور بھیج دیا گیا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے فوراً رافع کو حکم دیا کہ وہ ۱۰۰ منتخب سواروں کو ہمراہ لے کر، رُومی فوج کے بازو کے گرد چکر کاٹ کر آگے بڑھتے ہوئے، حمص جانے والی سڑک پر پہنچیں اور ضرارؓ کو حمص لے جانے والے نگران دستے کو راستے ہی میں روک لیں۔ رافع نے فوراً ۱۰۰ دلیر شہسواروں کو منتخب کیا اور روانہ ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ ظاہر ہے خولہ بنت الازور بھی گئیں۔

رافع حمص جانے والی سڑک کے ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں سے ضرارؓ کو حراست میں لئے رومی دستہ ابھی نہیں گزرا تھا۔ وہاں چُھپ کر وہ اس دستے کا انتظار کرنے لگے۔ جب رُومی اپنے قیدی کے ساتھ اس جگہ پہنچے تو رافع اور ان کے سپاہ نے ان پر ہلہ بول دیا، اور بیشتر رُومیوں کو قتل کر کے ضرارؓ کو رہا کر لیا۔ برہنہ مردِ میدان اور اس کی چہیتی بہن کا ملاپ بڑی مسرت سے ہوا مُسلمانوں کی اس ٹولی نے رُومی فوج سے بچے رہنے کو ایک بار پھر اصل راستے سے دُور ہٹ کر سفر کیا، اور اس طرح دوبارہ خالدؓ کے ساتھ آملے، جو ضرارؓ کی رہائی کے لئے رافع کے بہت شکرگزار ہوئے۔

رُومیوں نے، مُسلمانوں کے متواتر شدید دباؤ کے تحت، اپنی پسپائی کی رفتار تیز تر کر دی۔ آخرکار جب مُسلمانوں نے پہلے سے بھی زیادہ بے دردی سے حملہ کیا تو رُومیوں کی پسپائی نے ایک بھگدڑ کی صورت اختیار کر لی، اور وہ خوفزدہ ہو کر بے تحاشا حمص کی

طرف بھاگنے لگے۔

اس بار خالدؓ خود بھگوڑے دشمن کا پیچھا نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ان کا دمشق واپس پہنچنا بہت ضروری تھا۔ اس شہر کا محاصرہ کرنے والے اسلامی جیوش کی نفری میں، پہلے رافع کے سپاہ اور پھر اس کی امداد کے لئے متحرک رسالے کی روانگی کے بعد، ۹۰۰۰ سپاہ کی تخفیف ہو گئی تھی۔ اگر رُومی پُوری قوت کے ساتھ مُسلمانوں کے کسی بھی جیش پر حملہ کرتے تو ان کے محاصرے سے نکل آنے کا شدید خطرہ پیدا ہو جاتا۔ چنانچہ خالدؓ نے صرف ۱۰۰۰ سواروں کو سمط بن الاسود کی قیادت میں رُومیوں کے تعاقب میں حمص کی طرف روانہ کیا۔ سمط حمص پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ رُومی قلعہ بند ہو گئے ہیں۔ لیکن حمص کے مقامی باشندوں نے سمط کے پاس آ کر انہیں بتایا کہ مُسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی ان کو کوئی خواہش نہ تھی، بلکہ وہ ان سے مصالحت کے خواہشمند تھے اور شہر میں مُسلمان سپاہ کو سامان خورد و نوش فراہم کرنے کو بھی تیار۔ چنانچہ دوستانہ پیغامات کے تبادلے کے بعد سمط دمشق لوٹ آئے۔

اس اثنا میں خالدؓ نے دمشق پہنچ کر وہاں دوبارہ اسلامی فوج کی قیادت سنبھال لی، اور مُسلمان سپاہ کو پھر مختلف محاذوں پر ویسے ہی تعینات کیا جیسے رُومی کمک کے نمودار ہونے سے پیشتر۔

رُومیوں کی امدادی فوج کے المناک انجام کی خبر دمشق کے باشندوں میں پھیل گئی، اور اس سے ان کو سخت صدمہ پہنچا۔ اہلِ دمشق نے ہرقل سے ایسی کمک کے پہنچ جانے کی امید باندھ رکھی تھی۔ درحقیقت ہرقل نے اپنی طرف سے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی، لیکن بیت لہیا کے مقام پر خالدؓ کی جنگی کارروائی نے دمشق والوں کی امید پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہرقل مزید افواج تیار کر سکتا تھا، لیکن اس کے لئے بہرحال وقت درکار تھا۔ دریں اثنا اشیائے خورد نوش میں کمی واقع ہو رہی تھی، اور اہلِ دمشق کی مایوسی دُور کرنے اور انہیں اطمینان اور حوصلہ بخشنے کے لئے کسی تازہ اُمید کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ جہاں

بھی لوگ جمع ہوتے وہ ایک دوسرے سے متعدد سوالات پوچھتے: اگر ہرقل ایک نئی امدادی فوج تیار کر بھی لے، گو مستقبل قریب میں اس کا کوئی امکان نہیں، تو اس امر کی کیا ضمانت ہو سکتی ہے کہ وہ سابق فوج کی بہ نسبت زیادہ کامیابی حاصل کر سکے گی؟ اگر مسلمان وہ کچھ کر سکتے ہیں جو انہوں نے اجنادین میں ۹۰۰۰۰ سپاہ کے ایک لشکرِ جرار کے مقابلے میں کر دکھایا ہے، تو دمشق کی نسبتاً قلیل التعداد فوج کے لئے فوجی شکست اور اس کے بعد کی یقینی لوٹ مار اور گرفتاریوں سے بچ نکلنے کا کیا امکان رہ جاتا ہے؟ یہ سامانِ خورد و نوش کب تک ہمارا ساتھ دے گا؟ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ مسلمان جو بھی شرائط پیش کریں، انہیں قبول کر کے ہم مسلمانوں سے مصالحت کر لیں اور اس طرح مکمل تباہی سے بچ جائیں؟ دمشق کے لوگوں کے، بالخصوص اس شہر کی آبادی کے غیر رُومی فریق کے، حوصلے پست ہو گئے اور ان میں بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی۔ حالات تیزی کے ساتھ بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے، اور لوگوں کے لئے یہ کشمکش ہر آن ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

چنانچہ دمشق کے ممتاز شہریوں کا ایک وفد توما کے پاس آیا۔ انہوں نے توما کو اپنے خدشات سے آگاہ کیا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ خالدؓ سے صلح کے امکان پر غور کرے۔ لیکن توما نے انہیں اطمینان دلایا کہ اس کے پاس شہر کے دفاع کے لئے کافی فوج موجود ہے، اور وہ مسلمانوں کو مار بھگانے کے لئے ان کے خلاف جلد ہی جارحانہ کارروائی کرے گا۔ شہر کو اس کے خطرے سے نجات دلانے کو خاص طور پر عبادت کی گئی اور دعائیں مانگی گئیں۔ توما نے فیصلہ کیا کہ قلعے سے نکل کر مسلمانوں پر زبردست دھاوا کیا جائے۔ وہ بہادر آدمی تھا، اور جب تک کامیابی کا ذرا بھی امکان موجود تھا وہ ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھا۔

اگلی صبح، ستمبر ۶۳۴ء کے تیسرے ہفتے کے اوائل میں، توما نے شہر کے تمام حصوں سے جنگجوؤں کو بلایا اور باب توما سے باہر نکل کر مسلمانوں پر ہلا بولنے کے لئے

ایک طاقتور فوج تیار کی۔ اس دروازے پر اس کا سامنا شرجیلؓ سے تھا، جو اپنے ۵۰۰ سپاہ کے جیش کے ساتھ وہاں متعین تھے۔ توما نے اس جنگی کارروائی کا آغاز مسلمان تیراندازوں پر تیروں اور پتھروں کی بھاری بوچھاڑ سے کیا، تاکہ وہ انہیں اس طرح پیچھے ہٹنے پر مجبور کر کے قلعے کے اس دروازے سے زغند مارنے کی مزید گنجائش پیدا کر سکے۔ مسلمانوں نے بھی رومیوں کی تیراندازی اور فلاخن کے پتھراؤ کا جواب تیروں کی بوچھاڑوں سے دیا۔ طرفین کے اس باہمی مقابلے کے شروع ہوتے ہی متعدد مسلمان شہید ہوگئے، جن میں ابان بن سعید بن العاصؓ بھی شامل تھا۔ ابانؓ کی انہی دنوں ایک بہت بہادر خاتون سے شادی ہوئی تھی۔ جونہی ان کو پتا چلا کہ وہ بیوہ ہوگئی ہیں، انہوں نے کمان ہاتھ میں لی اور اپنے خاوند کا انتقام لینے کو مسلمان تیراندازوں کی صف میں شامل ہوگئیں۔ بابِ توما کے قریب ہی قلعے کی فصیل پر ایک پادری ایک بڑی صلیب اٹھائے کھڑا تھا، تاکہ اسے دیکھ کر رومیوں کی مزید حوصلہ افزائی ہو۔ اس پادری کی بدقسمتی سے اس نوجوان بیوہ نے اسی کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا۔ اس کی کمان سے چھوٹنے والا تیر اس پادری کے سینے کے پار ہوگیا، اور وہ پادری اور اس کی صلیب دونوں نیچے فصیل کی بنیاد تک لڑھکتے آئے۔ اس منظر نے مسلمانوں کو خوش اور رومیوں کو ہراساں کیا۔ تاہم، اس مقابلے میں رومیوں کا پلہ بھاری رہا، اور مسلمان محاصرین پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو کر ایک ایسی حد پر جا کھڑے ہوئے جو رومی تیراندازوں اور فلاخن بازوں کی زد سے باہر تھی۔

اس کے بعد دروازہ کھلا اور، فصیل پر مامور تیراندازوں اور فلاخن بازوں کی حفاظتی آڑ میں، رومی فوج کے پیدل سپاہ اس دروازے سے باہر جھپٹے اور میدان میں پھیل کر معرکہ آرا ہوگئے۔ رومی سپاہ کی صف بندی کے مکمل ہوتے ہی، توما نے شرجیلؓ کے جیش پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس وقت تک شرجیلؓ کے سپاہ بھی بابِ توما سے چند سو گز کے فاصلے پر صف آرا ہو چکے تھے۔ توما نے خود تیغ بدست اس حملے کی

قیادت کی، اور ایک راوی کے قول کے مطابق وہ "اُونٹ کی طرح گرجتا تھا!"[1]

ذرا دیر میں طرفین کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ شرجیلؓ کے جیش کی نفری مقابلتہً کم تھی، لیکن انہوں نے ایسا جم کر مقابلہ کیا کہ دشمن کو چپہ بھر آگے نہ بڑھنے دیا، اور رُومیوں کے جانی نقصان میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ اب توما کی نگاہ شرجیلؓ پر پڑی، اور وہ یہ بھانپ کر کہ یہی مُسلمان جیش کا سالار ہے، اس کی طرف بڑھا۔ شرجیلؓ نے اسے آتے دیکھا تو خُون آلود تلوار تولے اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن توما کے شرجیلؓ تک پہنچنے سے پیشتر ہی ایک تیر، جو اس بار بھی اسی مُسلمان بیوہ نے چلایا تھا، توما کی دائیں آنکھ میں پیوست ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے سپاہ لپک کر اسے وہاں سے اُٹھا لائے، اور اسی لمحے باقی رُومی فوج بھی قلعے کی طرف پیچھے ہٹنے لگی۔ اس طرح، جیش شرجیل کی تیغ زنی کے دباؤ اور اس کے میمنہ و میسرہ پر متعین تیر اندازوں کی کارگر تیر اندازی کے سامنے بےبس ہو کر، رُومی سپاہ دوبارہ قِلعے میں پہنچ گئے اور اپنے بہت سے ساتھیوں کی لاشیں پیچھے چھوڑ آئے جن میں کئی ابان کی بیوہ کے تیروں کے ہدف بنے تھے۔

قِلعے کے اندر جرّاحوں نے توما کی آنکھ کا معائنہ کیا۔ تِیر زیادہ گہرائی تک پیوست نہیں ہوا تھا، لیکن جرّاح پھر بھی اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کو باہر نہیں نکالا جا سکتا چنانچہ انہوں نے تیر کو اس جگہ سے کاٹ ڈالا جہاں وہ توما کی آنکھوں میں مدخل تھا۔ توما نے اپنی آنکھ کے ضائع جانے اور اپنے زخم کی تکلیف سے دل شکستہ ہونے کی بجائے، غیر معمولی عزم و ہمت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اپنی آنکھ کا بدلہ ہزار آنکھیں لے کر رہے گا، اور وہ ان مسلمانوں کو محض شکست دینے پر بس نہیں کرے گا،

---

[1] واقدی: صـ ۴۶

بلکہ عرب تک۔ ان کا پیچھا کرے گا، اور اپنی مہم ختم کر کے تب ہی لوٹے گا جب ان کی سرزمین صرف جنگلی جانوروں کی سکونت کے لائق رہ جائے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اسی رات ایک اور حملہ کیا جائے۔

اس اثناء میں شرجیلؓ کو کافی پریشانی لاحق تھی۔ ان کے بہت سے سپاہ شہید یا زخمی ہو کر ضائع ہو چکے تھے، اور انہیں خدشہ تھا کہ اگر رومیوں نے ایک اور حملہ ڈٹ کر کیا تو شاید ان کے جیش کی صفوں کو چیر کر آگے بڑھنے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے خالدؓ سے کمک مانگی۔ لیکن خالدؓ کے پاس کوئی فالتو سپاہ نہ تھے۔ اور وہ دوسرے جیوش کی تعداد میں بھی کمی نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ رومی کسی بھی دروازے سے حملہ آور ہو سکتے تھے، اور اگلی زغند کے لئے کسی اور دروازے کا انتخاب بالکل بعید از قیاس نہ تھا۔ چنانچہ خالدؓ نے شرجیلؓ کو ہدایت کی کہ وہ دشمن کا حتیٰ الامکان مقابلہ یہ اطمینان رکھ کے کریں کہ اگر ان پر دباؤ زیادہ شدید پڑا تو ضرارؓ سپاہ کے ہمراہ ان کی مدد کو پہنچ جائیں گے۔ اور اگر مزید ضرورت پڑی تو وہ خود خالدؓ اپنے رسالے کے ساتھ بابِ توما پہنچ کر جنگ کی قیادت کریں گے۔ چنانچہ شرجیلؓ رومیوں کے ایک اور حملے کے لئے تیار ہو گئے، اور انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ آخر دم تک ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔

اس رات کی زغند کے لئے توما نے ایک بار پھر بابِ توما ہی کو منتخب کیا، کیونکہ وہ اس نقصان سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا جو وہ بلاشبہ شرجیلؓ کے جیش کو پہنچا چکا تھا۔ لیکن اس نے دوسرے دروازوں سے بھی زغند مارنے کا منصوبہ بنایا۔ مسلمانوں کے مختلف جیوش اور ان کے سالاروں کے ٹھکانوں کے بارے میں محصور فوج کو مفصل معلومات حاصل تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کے جیوش کو دوسرے دروازوں پر ایسے پابند رکھنے کو کہ وہ شرجیلؓ کی مدد کو نہ پہنچ سکیں، توما نے بابِ جابیہ، باب صغیر اور بابِ شرق سے بھی زغندوں کا حکم دیا۔ موخرالذکر دروازے کے لئے اس نے نسبتاً زیادہ

سپاہ مخصوص کئے، تاکہ خالدؓ، شرجیلؓ کی مدد کرنے اور فیصلہ کن جنگی علاقے میں فوج کی قیادت کرنے کو، اپنی جگہ سے نہ ہل سکیں۔ متعدد دروازوں سے حملے کرکے کل کارروائی کے لئے زیادہ لچک پیدا کی جاسکتی تھی۔ اس طرح اگر بابِ توما کے بجائے کسی اور طرف زیادہ کامیابی حاصل ہوتی نظر آتی تو حملے کے مرکز کو اس طرف منتقل کرکے اس کامیابی کا پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔

توما نے اپنے احکام میں حملوں کے پھرتیلے ہونے کی ضرورت پر زور دیا، تاکہ مسلمانوں کو بے خبری کے عالم میں ان کے پڑاؤوں میں ہی جالیا جائے اور وہیں ان کا صفایا کردیا جائے۔ چنانچہ اعلان کیا گیا کہ کسی کی جان نہ بخشی جائے۔ اگر کوئی مسلمان ہتھیار ڈال کے جان کی امان چاہے تو بھی اسے وہیں کے وہیں قتل کردیا جائے یعنی خالدؓ کے سوائے ہر کسی کو، کیونکہ ان کو زندہ گرفتار کرنے کا منصوبہ تھا۔ چاند نیم شب سے دو گھنٹے پہلے طلوع ہونے والا تھا۔ اس کے ذرا بعد، توما کے حکم کے مطابق، گھڑیال کی آواز کے اشارے پر دروازوں کو کھول کر دشمن پر بیک وقت چاروں جانب حملہ ہونا تھا۔

چاندنی چھٹکی تو طے شدہ منصوبے کے مطابق رُومی سپاہ کے حملے شروع ہو گئے۔ بابِ جابیہ پر کچھ دیر لڑائی بڑی شدید ہوئی، اور ابو عبیدہؓ تلوار سوت کر خود اس جھڑپ میں شریک ہوئے۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ ایک باکمال شمشیر زن تھے۔ چنانچہ رُومیوں کی پسپائی اور ان کے تیزی کے ساتھ پلٹ کر قلعے میں داخل ہو جانے سے پیشتر، انہوں نے دشمن کے متعدد سپاہ کو تہ تیغ کر دیا۔

بابِ صغیر پر یزیدؓ کے پاس سپاہ نسبتاً کم تھے، اور وہاں رومیوں کو کچھ ابتدائی کامیابی حاصل ہو گئی۔ لیکن خوش قسمتی سے ضرارؓ اس مقام کے قریب تھے، اور وہ اپنے ۲،۰۰۰ جنگجوؤں کے ہمراہ یزیدؓ کے ساتھ آملے۔ ایک پل ضائع کئے بغیر، ضرارؓ نے اپنے سپاہ کو حملے کا حکم دیا اور وہ دشمن پر پل پڑے۔ اس حملے نے رُومیوں کو ایسے متاثر کیا جیسے ان پر بھوت پریت کا لشکر ٹوٹ پڑا ہو، اور وہ بعجلت ضرارؓ کے آگے آگے قلعے کی طرف واپس بھاگے۔

باب شرق پر صورتِ حال جلد ہی زیادہ نازک ہوگئی، کیونکہ یہاں رُومیوں کی نسبتاً زیادہ تعداد کو مامور کیا گیا تھا۔ جنگ کی آوازوں کے ڈھنگ سے خالدؓ نے اندازہ لگایا کہ دشمن قابلِ قبول حد سے آگے بڑھ آیا ہے۔ چنانچہ اس اندیشہ سے کہ رافع شاید مزید حملے کی تاب نہ لاسکیں، خالدؓ اپنے متحرک رسالے کے ۴۰۰ تازہ دم نبرد آزماؤں کے ساتھ بذاتِ خود اس جنگ میں شریک ہوگئے۔ جب وہ رُومیوں کے قریب پہنچے تو انہوں نے اپنا ذاتی رجز پڑھا: "انا فارس الصندید، انا خالدؓ بن ولید" رُومی اس رجز سے آشنا ہو چکے تھے، اور اسے سُن کر وہ محتاط ہو جاتے تھے۔ اور اب اس رجز کے ساتھ ہی بابِ شرق کی جنگ کا رُخ مڑ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد رُومی بالکل پسپا ہو گئے اور جن رُومیوں نے پیچھے ہٹنے میں دیر کی انہیں مسلمانوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ تاہم اس رُومی جمعیت کی اکثریت واپس قلعے میں داخل ہونے اور بابِ شرق کو اندر سے بند کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

لیکن شدید ترین جنگ بابِ توما کے سامنے ہوئی، جہاں شرجیلؓ کے جیش کو، دن کے سخت معرکے کے بعد، اب رات کی جنگ کا سب سے بھاری دباؤ جھیلنا پڑا۔ جب رُومی تیزی کے ساتھ اس دروازے سے برآمد ہو کر معرکہ آرا ہونے لگے تو وہ چاندنی کی بدولت مسلمانوں کو صاف نظر آگئے، اور اپنی ابتدائی کارروائی کے دوران انہیں شرجیلؓ کے تیراندازوں کی تباہ کن تیراندازی کا نشانہ بننا پڑا۔ لیکن کچھ جانی نقصان کے باوجود انہوں نے اپنی صف بندی مکمل کرلی اور جنگ کے لئے قدم آگے بڑھایا۔ یہ معرکہ دو گھنٹے تک یکساں شدت کے ساتھ جاری رہا۔ اس دوران میں شرجیلؓ کے سپاہ نے رُومیوں کے حملے کو روکنے کو بڑی بے جگری سے لڑے۔ اور وہ اسے روک کر ہی رہے۔

آدھی رات کے ذرا دیر بعد توما نے، جو خود اپنی فوج کی اگلی صف میں لڑ رہا تھا، شرجیلؓ کو تاک لیا۔ اس مسلمان سالار کو اس کے ان بلند آواز احکامات سے بآسانی پہچانا جاسکتا تھا جو وہ چلاّ چلاّ کر اپنے سپاہ کو دے رہا تھا۔ چنانچہ ان دونوں سالاروں کا آمنا سامنا ہوا،

اور ان کے مابین تلوار اور ڈھال سے نبرد آزمائی شروع ہوگئی۔

کچھ عرصے تک، جس کے دوران طرفین کے سپاہ اندھا دھند جنگ میں گتھم گتھا رہے، ان دونوں شہ زوروں کی نبرد آزمائی میں کسی کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہ ہوئی۔ مگر شرجیلؓ کو ایک موقع ملا تو انہوں نے اپنی پوری قوت سے توما کے کندھے پر تلوار کا وار کیا۔ لیکن ان کی تلوار رومی سالار کے کاندھے کے فولادی بکتر پر لگی تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اب شرجیلؓ توما کے پنجے میں تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے عین اسی لمحے دو مسلمان ان تک آ پہنچے اور توما سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ شرجیلؓ نے پیچھے ہٹ کر ایک شہید مسلمان کی تلوار اٹھائی اور پھر نبرد آزمائی کے لئے پلٹے۔ لیکن توما وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔

رومی اب لڑائی سے عاجز آ چکے تھے۔ اور جب توما نے دیکھا کہ مسلم محاذ میں کہیں کمزوری کے کوئی آثار نہیں، تو اس نے ٹھ یا کہ اب حملے کو طول دینا نہ صرف بے سود ہوگا بلکہ اس کے سپاہ کے لئے اور زیادہ نقصان کا باعث بھی۔ چنانچہ اس نے بازگشت کا حکم دیا، اور رومی سپاہ باقاعدگی سے پیچھے ہٹ آئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرنے کی سعی نہ کی، مگر مسلمان تیراندازوں نے انہیں تھوڑا بہت نقصان پہنچایا۔ اس مرتبہ مسلمان بیوہ کی کمان پھر بہت ہلاکت خیز ثابت ہوئی۔

محاصرہ توڑنے کی یہ توما کی آخری کوشش تھی۔ اور یہ کوشش بھی اب ناکام ہو چکی تھی۔ زغندوں کے دوران اس کے ہزاروں سپاہ مارے جا چکے تھے، اور وہ باقی فوج کے ساتھ شہر پناہ کے باہر جنگ کرنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے سپاہ بھی مایوس ہو گئے تھے۔ وہ شہر کا دفاع کرنے کو تیار تھے، لیکن قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا ان میں دم نہیں رہ گیا تھا۔ توما نے اپنے نائب ہربیس کو مزید اختیارات سونپ دئے، اور کئی ایسے فرائض بھی اس کو تفویض کئے جو وہ اب تک خود انجام دیتا چلا آ رہا تھا۔

رات کے زغند کی ناکامی کے بعد اہلِ دمشق کی مایوسی انتہا کو پہنچ گئی۔ اس عظیم شہر کو

جو خطرات درپیش تھے ان کے ٹلنے کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی۔ اہلِ شہر، جو اب امن کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھے، وسیع پیمانے پر بڑبڑانا شروع کر دیا۔ توما بھی، جس نے دمشق کی دلیر مدافعت میں غیرت کا حق ادا کیا تھا، اب اس معاملے میں شہریوں کا ہم خیال تھا۔ وہ خود تو صلح کرنے اور قلعے کو باہم منظور شرائط پر مسلمانوں کے حوالے کرنے کو بھی تیار تھا۔ لیکن کیا خالدؓ بھی ایسی مصالحت پر آمادہ تھے؟ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ تشدد پسند ہیں اور جنگ کو ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ اور اب، جبکہ دمشق کے اندرونی حالات یقیناً ان پر عیاں تھے، یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا وہ غیر مشروط اطاعت سے کم بھی کچھ قبول کرنے کو تیار ہوں گے، جس سے اہلِ شہر ان کے رحم و کرم کے نذر نہ ہوں؟

اس وقت تک رومیوں کو مسلمان سالاروں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ابو عبیدہؓ کی حیثیت خالدؓ کے قائم مقام کی ہے، اور سوچتے تھے کہ کاش وہی سالارِ اول ہوتا۔ ابن الجراحؓ طبعاً ایک صلح پسند شخص تھے۔ شریف، مہربان، انسان دوست۔ اور ان کے لئے جنگ مسرت و ترنگ کا کوئی ذریعہ نہیں، بلکہ محض ایک مقدس فریضہ تھا۔ چنانچہ رومیوں کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ مصالحت کا زیادہ امکان تھا، اور ان سے فراخدل شرائطِ صلح کی بھی امید کی جا سکتی تھی۔ لیکن ابو عبیدہؓ اسلامی فوج کے سپہ سالارِ اعلیٰ نہ تھے۔ دو تین روز تک تو رومی اس مخمصے میں اُلجھے رہے، مگر پھر سارا معاملہ عاشق مزاج یونس کے باعث بالکل ہی ان کی دسترس سے نکل گیا۔

یونس ابن مرقس ایک یونانی تھا، جسے ایک یونانی لڑکی سے والہانہ محبت تھی۔ دراصل وہ اس کی بیوی تھی۔ ان کی شادی مسلمانوں کی دمشق میں آمد سے کچھ ہی دیر پہلے ہوئی تھی، اور رخصتی کی رسوم ابھی پوری نہ ہوئی تھیں کہ مسلمانوں نے آ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد یونس نے لڑکی کے گھر والوں سے بارہا مطالبہ کیا کہ دلہن کو اس کے حوالے کر دیا جائے، لیکن انہوں نے ہر بار یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ جنگ میں مصروف ہیں، جان پر بنی ہے، اور اس کو موجودہ

صورت حال میں ایسی بات کا خیال تک کیسے آسکتا ہے؟ یونس کو مگر خیال صرف اسی بات کا تھا!

۱۸ ستمبر ۶۳۴ء (۱۹ رجب ۱۳ھ) کے لگ بھگ، رات ہوتے ہی یونس ایک رسّے کے ذریعے باب الشرق کے قریب فصیل سے نیچے اترا، اور وہاں سے قریب ترین مسلمان پہریدار کے پاس پہنچ کر اس نے خالدؓ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ جونہی اسے مسلمان سپہ سالار کے سامنے پیش کیا گیا، یونس نے اسے اپنی درد بھری داستان سنائی اور اپنی تشریف آوری کی وجہ بیان کی۔ اس نے خالدؓ سے پوچھا کہ اگر وہ انہیں ایسی مخبری سے مطلع کر دے جس کی بدولت وہ دمشق کو بہت جلد فتح کر سکیں تو کیا وہ اسے اسکی دلہن دلا دیں گے؟ خالدؓ مان گئے، تو اس نے انہیں بتایا کہ اہلِ دمشق اسی رات کو ایک جشن منانے والے ہیں، جس کے دوران ایسی رنگ رلیاں رچیں گی کہ ہر طرف مدہوشی کا عالم ہوگا اور شہر کے دروازوں پر بہت کم پہریدار رہ جائیں گے۔ اس وقت اگر خالدؓ کمند لگا کر قلعے کی فصیل پھاند لیں تو حسبِ منشا کوئی بھی دروازہ بہ آسانی کھول کر اپنی فوج کے لئے شہر میں بزور داخلے کی گنجائش مہیّا کر سکیں گے۔

خالدؓ کو لگا کہ وہ اس شخص پر بھروسا کر سکتے ہیں۔ اس کی باتوں میں اخلاص کی جھلک تھی۔ خالدؓ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اور یونس راضی ہوگیا۔ گذشتہ چند برس کے دوران وہ اسلام کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا، اور خلوصِ دل سے اس دین کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ اب یونس نے خالدؓ کی بدولت اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد خالدؓ نے اسے واپس شہر جانے اور وہاں انتظار کرنے کی ہدایت کی، اور یونس نے ایسا ہی کیا۔

اس یونانی کے وہاں سے روانہ ہوتے ہی خالدؓ نے حکم دیا کہ کہیں سے رسّے حاصل کر کے ان سے کمند تیار کئے جائیں۔ اب اتنی مہلت نہ تھی کہ پوری فوج کے لئے ایک مربوط حملے کا منصوبہ بنایا جاتا۔ چنانچہ خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ وہ اس قلعے کو باب الشرق کے

راستے صرف جیش عراق کے ساتھ، جو اسی دروازے پر متعین تھا، فتح کریں گے۔ چاند کو کم و بیش آدھی رات کے وقت طلوع ہونا تھا، اور طے پایا کہ حملہ اس کے فوراً بعد شروع کیا جائے گا۔

خالدؓ کا منصوبہ یہ تھا: ان کے سو جنگجو باب الشرق کے قریب فصیل کے اس مقام پر کمند لگائیں جو انتہائی مستحکم خیال کیا جاتا تھا، چونکہ انہیں یقین تھا کہ اسی وجہ سے وہاں فصیل کی دوسری طرف کوئی پہریدار نہ ہوگا۔ پہلے صرف تین آدمی رسّوں سے فصیل پر چڑھیں۔ پھر وہ نیچے تیار رکھے ہوئے کمندوں کو ان رسّوں سے بندھوا کر اوپر کھینچ لیں، تاکہ بقیہ منتخب سو جنگجو ان سے بجلد اوپر آجائیں۔ تب کچھ جنگجو وہیں فصیل پر رہ جائیں، اور باقی قلعے میں اُتر کر، اگر وہاں کوئی پہریدار پائیں تو اُسے قتل کر دیں، اور پھر دروازہ کھول دیں۔ اس کے بعد پورا جیش عراق اس دروازے سے قلعے میں گھس کے بھرپور حملہ شروع کر دے۔

جو تین رہنما رسوں سے پہلے قلعے کی فصیل پر چڑھے وہ خالدؓ، قعقاع اور مذعور بن عدی تھے۔ رسّوں کو اوپر پھینک کر فصیل کے کنگروں میں پھنسا لیا گیا۔ پھر یہ تینوں نڈر انسان دست بہ دست اُوپر چڑھ گئے۔ فصیل پر کوئی پہریدار موجود نہیں تھا۔ اب کمند اوپر کھینچے گئے اور ان کے ذریعے باقی ماندہ منتخب جنگجو چپ چاپ اوپر چڑھنے لگے۔ جب اس گروہ کے نصف افراد اوپر پہنچ گئے، تو خالدؓ نے ان میں سے چند کو باقی ماندہ کی مدد کرنے کو وہیں چھوڑا، اور دوسروں کو ہمراہ لے کر شہر میں اُتر گئے۔ وہاں راستے میں ان کی چند رومی سپاہ سے مٹ بھیڑ ہوئی تو انہیں تہ تیغ کر دیا گیا۔ اس کے بعد خالدؓ کی ٹولی دروازے کی طرف لپکی، جہاں دو محافظ سپاہی پہرے پر کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک کو خالدؓ نے اور دوسرے کو قعقاع نے قتل کر دیا۔ لیکن اب خطرے کا انتباہ ہو چکا تھا، اور رومی سپاہ کی ٹولیاں باب الشرق کی جانب

بڑھنے لگیں۔ خالدؓ نے جان لیا کہ اب صورت حال بہت نازک ہو گئی ہے اور ذرا میں بن یا بگڑ سکتی ہے۔

اس حالت میں ایک طرف تو مسلم ٹولی کے دوسرے افراد نے جلدی سے اپنا محاذ قائم کر کے رومی سپاہ کو روکے رکھا اور دوسری طرف خالدؓ اور قعقاع نے دروازے کی خبر لی، جو مقفل اور زنجیر بند تھا۔ چند ہی ضربوں سے زنجیر اور قفل دونوں ٹوٹ گئے، دروازہ چوپٹ کھلا اور جیش عراق کا ریلا قلعے میں داخل ہونا شروع ہو گیا۔ جن رومی سپاہ نے دروازے کا رُخ کیا تھا پھر واپس نہ جا سکے۔ ان کی لاشیں شہر کے مرکز کو جانے والی سڑک پر بکھر گئیں۔

اب تمام دمشق بیدار ہو چکا تھا۔ رومی سپاہ اپنے اپنے متعین مورچوں کی طرف لپکے اور قلعے کے پورے احاطے میں پھیل گئے۔ چنانچہ توما کے پاس اس وقت صرف ایک چھوٹی فوج محفوظ رہ گئی تھی جب خالدؓ نے شہر کے مرکز تک پہنچنے کو اپنا آخری حملہ کر کے بابِ شرق کے علاقے کی مدافعت پر مامور دستوں کے سپاہ کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔

ابھی پو نہیں پھٹی تھی کہ توما نے اب اپنی آخری چال بڑی ہوشیاری سے چلی۔ وہ جانتا تھا کہ شہر میں خالدؓ کے قدم مضبوطی سے جم چکے ہیں اور کچھ ہی دیر بعد پورا دمشق ان کے سامنے سرنگوں ہو جائے گا۔ چونکہ قلعے کے دوسرے دروازوں پر کوئی جنگی کارروائی نہیں ہو رہی تھی، اس نے اندازہ لگا لیا کہ صرف خالدؓ ہی حملہ آور ہیں، اور دوسرے مسلمان جیوش قلعے پر یورش میں شریک نہیں ہیں۔ اس نے اپنی چال کی بنیاد اس احتمالی امید پر رکھی کہ دوسرے جیوش کے سالاروں کو، اور بالخصوص ابو عبیدہؓ کو اس بات کا علم نہ ہو گا کہ خالدؓ قلعے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس خیال کے مطابق وہ پھر بڑی تیزی سے کاربند ہوا۔ اس نے اپنے آخری سپاہ محفوظہ کو خالدؓ کے مقابلے پر بھیج دیا، تاکہ مسلمانوں کی پیشقدمی

کو حتیٰ الامکان زیادہ سے زیادہ وقت تک روکا جا سکے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ایلچیوں کو بابِ جابیہ روانہ کر دیا، تاکہ وہ ابو عبیدہؓ سے بات کر کے قلعۂ دمشق کو پرامن طور پر ان کے حوالے کرنے اور جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کریں۔

ابو عبیدہؓ نے ان ایلچیوں کا شائستگی سے خیر مقدم کیا اور ان کی ہتھیار ڈال دینے کی پیشکش سنی۔ ابو عبیدہؓ کا خیال تھا کہ یہ ایلچی ان کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ خالدؓ کے سامنے جانے کی ہمت نہ تھی۔ وہ باب الشرق سے اتنے فاصلے پر مقیم تھے کہ اگر انہیں جنگ کا کچھ شور سنائی بھی دیا ہو گا تو انہوں نے یہی سوچا ہو گا کہ یہ رومیوں کی ایک اور زغند کا شور ہے۔ کیونکہ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ خالدؓ رسّوں کی کمند سے فصیل پھاند کر قلعے کے اندر پہنچ جائیں گے۔ ابو عبیدہؓ کے دل میں اس بات پر بھی کوئی شبہ نہ تھا کہ خالدؓ خونریزی کا خاتمہ کرنے اور دمشق پر جلد قابض ہو جانے کو مصالحت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اس معاملے میں فیصلے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور رومیوں کے ہتھیار ڈالنے کی شرائط قبول کر لیں: مسلمان دمشق میں پُرامن طور پر داخل ہوں گے۔ شہر میں نہ کشت و خون، نہ لوٹ مار، نہ عبادت گاہوں کی کوئی تباہی ہو گی اور نہ کسی کو غلام بنایا جائے گا۔ دمشق کے باشندے جزیہ ادا کریں گے۔ محصور فوج کو اور ہر اس مقامی باشندے کو جو دمشق سے کہیں اور جانے کا خواہشمند ہوا، سب کو اپنا مال اسباب لے کر شہر چھوڑ کے جانے کی آزادی ہو گی۔

اس کے بعد توما کے ایلچیوں نے دوسرے دروازوں پر متعین اسلامی جیوش کے سالاروں سے ملاقات کی اور انہیں آگاہ کیا کہ مسلمان سپہ سالار سے صلح کی شرائط طے ہو چکی ہیں، اور اب بہت جلد دروازے کھول دئے جائیں گے، تو مسلمان ان سے گزر کر پُرامن طور پر شہر میں داخل ہو سکیں گے۔ کوئی مزاحمت نہ ہو گی۔

طلوعِ آفتاب کے ذرا دیر بعد ابو عبیدہؓ، اپنے ماتحت افسروں اور جیش کے

سپاہ کو پیچھے لئے ہوئے، بابِ جابیہ سے امن دامان کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئے اور شہر کے مرکز کی طرف بڑھنے لگے۔ توماؔ، ہربیس، اور دمشق کے کلیساؤں کے متعدد اعلیٰ عہدیدار اور اسقف بھی ان کے ہمراہ آئے۔ اب ابوعبیدہؓ، ایک فرشتۂ امن کی طرح چلتے ہوئے، اور خالدؓ، طوفان کی طرح آگے امنڈتے ہوئے شہر کے وسط میں واقع کلیسائے مریم کے پاس بیک وقت پہنچے۔ خالدؓ ذرا ہی پہلے رومیوں کی آخری مزاحمت کا خاتمہ کر چکے تھے۔ دیگر مسلم جیوش کے سالار بھی دمشق میں داخل ہو چکے تھے اور اب پُرامن طور پر اس شہر کے وسط کی طرف گامزن تھے۔

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ابوعبیدہؓ نے جب دیکھا کہ خالدؓ اور ان کے سپاہ کے ہاتھوں میں خون آلود تلواریں ہیں، تو انہوں نے فوراً تاڑ لیا کہ کوئی ایسی بات ہوگئی ہے جس کی انہیں خبر نہیں۔ خالدؓ نے دیکھا کہ ابوعبیدہؓ اور ان کے ماتحت افسر پُرامن فضا میں کھڑے ہیں، ان کی تلواریں اپنی نیاموں میں ہیں اور رُومی معززین اور اسقف ان کے ساتھ ہیں۔

کچھ دیر تک کوئی نہ ہلا نہ بولا پھر ابوعبیدہؓ نے کشیدہ سکوت کو توڑا اور خالدؓ سے کہا "یا ابوسلیمان، اللہ نے میرے ہاتھوں ایک معاہدۂ صلح کے ذریعے یہ شہر ہمیں عطا کر دیا ہے، اور اس کی تسخیر کے لئے جنگ کو غیر ضروری بنا دیا ہے۔"

"کیسی صلح!" خالدؓ نے تاؤ میں آکر کہا۔ "میں نے اس شہر کو بزورِ شمشیر فتح کیا ہے۔ ہماری تلواریں ان لوگوں کے خون سے رنگین ہیں اور ہم اموالِ غنیمت اور غلاموں پر قابض ہو چکے ہیں۔"

اب یوں معلوم ہونے لگا کہ ان دو سالاروں میں ایسا شدید جھگڑا ہونے کو ہے جس کے نتائج سنگین ہی ہو سکتے تھے۔ خالدؓ سپہ سالارِ اعلیٰ تھے اور ان کے حکم کی تعمیل ضروری تھی۔ اور پھر، وہ ایسے آدمی نہ تھے جو کسی ماتحت کی کوئی تقصیر معاف کرنے کو تیار ہوتے۔

مزید براں، ان کی بلند پایہ شخصیت اور فوجی امور میں ان کی مسلّمہ بصیرت کے باعث ان سے بحث بہرحال دشوار بات تھی، اور اب خاص کر کہ جب وہ فتحِ دمشق کو مصالحانہ مذاکرات کا نہیں بلکہ زورِ حرب کا نتیجہ قرار دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ دوسری طرف، ابو عبیدہؓ اس فوجی مرتبے یا حربی مہارت کو قطعاً نہیں پہنچتے تھے جو خالدؓ کا حصہ تھی، اور وہ اس امر کا دعویٰ بھی ہرگز نہیں کرتے۔ لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ان کا تعلق عشرۂ مبشّرہ سے تھا اور وہ امین الامّت تھے۔ وہ الاثرم تھے، یعنی ان کے اگلے دانت نہیں تھے۔ اور کوئی بھی اس بات کو فراموش نہیں کرسکتا تھا کہ ان کے سامنے کے دانت کس طرح ضائع ہوئے تھے!

ابو عبیدہؓ سے اس بات میں غلطی ہوگئی تھی کہ انہوں نے خالدؓ سے مشورہ کئے بغیر ان کی غیر علمی میں رومیوں سے مصالحت کرلی، لیکن وہ یہ بھی ارادہ باندھ چکے تھے کہ ایک مسلمان کے قول و عمل میں فرق نہ آنے دیا جائے گا، اور بلاوجہ خونریزی سے احتراز کیا جائے گا۔ انہیں خالدؓ کی قیادت کا پاس تھا، اور وہ جانتے تھے کہ خالدؓ کے ساتھ انہیں بڑی احتیاط سے پیش آنا ہوگا۔ فی الواقعہ، شام میں صرف ابو عبیدہؓ ہی ایک ایسے شخص تھے جو اتنی بلند حیثیت کے مالک تھے کہ خالدؓ کے کسی فیصلے سے اختلاف کرنے کی جسارت کرسکیں۔ خالدؓ کا ازحد برہمی کے عالم میں بھی ابو عبیدہؓ سے بات کرتے ہوئے اپنے لہجے پر قابو بے قابو ہونیکا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اب اس کے علاوہ جس بات نے صورتِ حال کو زیادہ خطرناک نہیں بننے دیا وہ یہ حقیقت تھی کہ ان دونوں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے سچا اُنس تھا اور ہر ایک کے دل میں دوسری کی باعث عظمت خوبیوں کے لئے پرخلوص احترام تھا۔ ابو عبیدہؓ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ خالدؓ کو صرف چند لفظ بول کر چپ کرا سکتے تھے، کیونکہ وہ ایک ایسے اختیار سے مسلّح تھے جس کا خالدؓ کو علم نہ تھا۔ لیکن انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس اختیار کو استعمال نہ کریں گے، سوائے ایسی صورت میں بطورِ آخری

چارۂ کار کہ خالدؓ کو قائل کرنے کے اور تمام طریقے بے سود ثابت ہو چکے ہوں۔ اس لحاظ سے وہ خالدؓ کے ساتھ رعایت برت رہے تھے۔ لیکن اس کی تفصیل آگے بیان کیجائے گی۔

"یا امیر" ابو عبیدہؓ نے کہا " یہ سمجھ لو کہ میں اس شہر میں پُرامن طور پر داخل ہوا ہوں۔"

خالدؓ کی آنکھیں غصے سے سُرخ ہو گئیں، لیکن انہوں نے اپنے کو قابو میں رکھا۔ اور انہوں نے ایک ایسے لہجے میں جو احترام سے خالی نہ تھا، یوں جواب دیا " آپ دھیان نہیں دے رہے ہیں۔ جب میں شہر میں بزورِ شمشیر داخل ہوا ہوں اور ان لوگوں کی مزاحمت ختم ہو چکی ہے، تو پھر انہیں آپ سے امن و امان کیسے مل سکتا ہے؟"

" اللہ سے ڈر، اے امیر! میں انہیں امن و امان کی ضمانت دے چکا ہوں، اور معاملہ طے ہو چکا ہے۔"

" میرے احکام کے بغیر تم کو انہیں امان دینے کا اختیار نہیں۔ میں اس وقت تک اپنی تلوار کو نیام بند نہ کروں گا جب تک کہ ان تمام کا قلع قمع نہیں کر دیا جاتا۔"

" مجھے ان میں سے ہر فرد کو امان کی ضمانت دیتے ہوئے یہ خیال بالکل نہ آیا کہ تم میری مخالفت کرو گے" ابو عبیدہؓ نے سمجھانے کی کوشش کی " میں نے انہیں اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر امان دی ہے۔ جو مسلمان میرے ساتھ تھے انہوں نے بھی اس مصالحت سے اتفاق کیا، اور بد عہدی مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔"

اس مرحلے پر خالدؓ کے کچھ سپاہ، اس بحث و تمحیص سے اُکتا کر اور ایک طرف کو کھڑے کچھ رومیوں کو دیکھ کر، اپنی تلواریں لہرا کے انہیں قتل کرنے کو آگے بڑھے۔ ابو عبیدہؓ کی نظر اس اقدام پر پڑی تو انہوں نے خالدؓ کے پاس سے آگے جھپٹ کر ان مسلمان سپاہ کو حکم دیا کہ وہ اس وقت تک کچھ نہ کریں جب تک کہ خالدؓ اور ان کے درمیان بحث ختم نہیں ہو جاتی۔ سپاہ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ صرف ابو عبیدہؓ ہی یہ جرأت کر سکتے تھے۔ اور خالدؓ اپنے بڑھتے ہوئے غصے پر قابو رکھنے کی کوشش میں ایسے لگے رہے کہ ان سے اور کچھ بن نہ پڑا۔

اب باقی تین جیوش کے سالار بھی سر جوڑ کر صورتِ حال کے بارے میں باہم مشورہ کرنے لگے۔ چند لمحوں بعد انہوں نے متفق ہو کر خالدؓ کو اپنی رائے سے آگاہ کیا: صلح رہنے دیں۔ کیونکہ اگر شام کے رُومیوں نے سُنا کہ مسلمانوں نے پہلے تحفّظ کی ضمانت دی اور پھر انہیں لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جنہیں تحفّظ کا یقین دلایا گیا تھا تو کوئی شہر بھر مسلمانوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے گا۔ اور اس صورت میں تسخیرِ شام کی مہم کہیں زیادہ دشوار ہو جائے گی۔

خالدؓ کے جذبات ان کی عقل پر کبھی غالب نہیں آنے پاتے تھے۔ اور ان کی عقل نے دیکھ لیا کہ ان کے سالاروں کا مشورہ فوجی حکمت کا حامل ہے۔ انہوں نے لمحے بھر کو توما اور ہربیس کی طرف گھور کر دیکھا۔ پھر انہوں نے کہا۔ "اچھا مجھے صلح منظور ہے، لیکن یہ دو ملعون اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

"میں نے سب سے پہلے انہی دو کو امان دی۔ میرے قول کا پاس لازم ہے۔ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو!"

خالدؓ مان گئے۔ "واللہ" انہوں نے چلّا کر کہا "اگر تمہارا عہد آڑے نہ آتا تو میں انہیں ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ ان دونوں کو اس شہر سے دفع ہو جانے دو، اور یہ جہاں بھی جائیں ان پر اللہ کی لعنت برستی رہے!"

توما اور ہربیس ان دو مسلمان سالاروں کی بحث و تکرار کا بڑی بے چینی سے مشاہدہ کر رہے تھے، اور ان کے ترجمان ان مسلم سالاروں کی باہمی گفتگو کا متواتر ترجمہ کرتے جا رہے تھے۔ اس طرح ہر بات توما اور ہربیس کی سمجھ میں آ رہی تھی، اور جب انہیں ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کے مکالمے کا انجام معلوم ہوا تو ان کی جان میں جان آئی۔ چنانچہ وہ اب ایک ترجمان کو ساتھ لئے ابو عبیدہؓ کے پاس آئے اور ان سے روانہ ہونے اور اپنی پسند کے کسی بھی راستے پر سفر کرنے کی اجازت چاہی۔

"ہاں" ابو عبیدہؓ نے ان سے کہا "تم جس راستے پر چاہو سفر کر سکتے ہو لیکن تم

جس مقام پر سکونت اختیار کرو گے اسے اگر ہم نے فتح کر لیا تو پھر ہم تمہیں امان دینے کے پابند نہیں ہوں گے۔"

اب خالدؓ کی طرف سے تعاقب کا خدشہ محسوس کرتے ہوئے، توما نے یہ گذارش کی "ہمیں تین دن کے لئے امان دیجئے۔ اس کے بعد التوائے جنگ کو ختم سمجھا جائے۔ پھر اگر ہم آپ کے ہتھے چڑھ جائیں تو آپ جو جی میں آئے کریں۔ ہمیں قتل کر دیجئے یا غلام بنا لیجئے۔"

اب خالدؓ نے اس گفتگو میں مداخلت کی "منظور ہے، مگر تم سوائے زادِ راہ کے اور کچھ بھی اپنے ساتھ نہیں لے جاؤ گے۔"

"لیکن یہ بات بھی عہد شکنی کے مترادف ہو گی" ابو عبیدہؓ نے اعتراض کیا۔ "میرا ان سے جو معاہدہ ہوا ہے اس کی رُو سے ان کو اپنی تمام املاک اپنے ساتھ لے جانے کا حق پہنچتا ہے۔"

"مجھے یہ بھی منظور ہے" خالدؓ نے کہا "لیکن یہ اسلحہ نہیں لے جائیں گے۔" اس پر توما نے احتجاج کیا: "آپ کے علاوہ ہمیں اور دشمنوں سے اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہ کچھ اسلحہ بہر صورت پاس رکھنا ہے۔ نہیں تو ہم یہیں رُک جاتے ہیں، اور آپ ہمارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں کریں۔" توما خوب جانتا تھا کہ مسلمان اپنے معاہدوں پر پورا اُترنے کو کس قدر اہم خیال کرتے ہیں، اور وہ ان کی اس غیرت سے فائدہ اُٹھا رہا تھا۔

بالآخر خالدؓ یہاں تک مان گئے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کوئی ایک ہتھیار — تلوار یا نیزہ یا کمان — اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ آخری مسئلہ بھی حل ہو گیا۔[1]

اس کے فوراً بعد اور اب سورج کو طلوع ہوئے کچھ عرصہ ہو چکا تھا۔ ایک معاہدہ تحریر

---

[1] خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کا یہ مکالمہ واقدی (صفحہ ۵۱-۵۲) سے ماخوذ ہے۔

کیا گیا اور خالدؓ نے اس پر دستخط کر دئے۔ وہ معاہدہ حسب ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ معاہدہ خالدؓ بن الولید کی طرف سے اہل دمشق کے ساتھ ہے۔ جب مسلمان دمشق میں داخل ہوں گے تو اس شہر کے لوگوں اور ان کے مال و متاع، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے شہر کی فصیلوں کو تحفظ حاصل ہوگا، اور ان میں سے کوئی چیز بھی تباہ نہیں کی جائے گی۔ انہیں یہ ضمانت اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء اور مومنین کی طرف سے دی جاتی ہے، جو ان کے ساتھ اس وقت تک سراسر نیکی سے پیش آئیں گے جب تک کہ یہ لوگ جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔[۱]"

شرحِ جزیہ یہ مقرر ہوئی کہ اہل دمشق ایک دینار فی کس ادا کریں گے اور مسلمانوں کو ایک خاص مقدار میں، جس کا پیمانہ مقرر کر دیا گیا تھا، اشیائے خوردنی بہم پہنچائیں گے۔

دمشق مسخر ہو چکا تھا۔ سوائے انطاکیہ کے، اب شام کی سب سے قیمتی متاع مسلمانوں کے قبضے میں تھی۔ لیکن اس شہر کے فاتحین اپنی فتح کو ملے جلے احساسات کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

مسلمانوں کو اس کامیابی کے لئے شدید مقابلہ کرنا پڑا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا جانی نقصان رومیوں کی بہ نسبت بہت کم ہوا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس فتح کی بھاری قیمت ادا کی۔ انہوں نے مہینہ بھر جانبازی سے جد و جہد کی تھی اور فتح کے لئے خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔ انہوں نے شہر کو بزورِ شمشیر حاصل کیا۔ بالخصوص جیش عراق جس نے گذشتہ رات اس شہر پر حملہ آور ہو کر رومیوں کی تمام مزاحمت کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا تھا۔ لیکن وہ توما کی ہوشیار سیاست گری اور ابو عبیدہؓ کی سیدھی سادھی فیاضی اور فراخدلی کے باعث اپنی مشقت کے پھل سے محروم ہو گئے۔ ابن الجراحؓ کو ایسا کرنے

---

[۱] بلاذری: صـ ۱۲۸۔

کا مجاز نہیں تھا۔ تاہم وہ امین الامت تھے، اور ان کے خلاف ملامت کا ایک لفظ بھی کسی کی زبان سے نہ نکلا۔

مسلمان گروہ در گروہ جمع ہو گئے، اور انہوں نے رومی قافلے کو اس شہر سے کوچ کرتے دیکھا۔ یہ قافلہ دمشق کے رومی محافظین اور ان ہزاروں شہریوں پر مشتمل تھا جنہوں نے مسلمانوں کی حکومت میں رہنا گوارا نہ کیا اور اپنے اہل و عیال کو لے کر دمشق سے نکل کھڑے ہوئے۔ توما کی بیوی۔ ہرقل کی بیٹی۔ بھی اس سفر میں اپنے خاوند کے ہمراہ تھی۔ سینکڑوں گاڑیاں اور چھکڑے بھی اس کاروان کے ساتھ جا رہے تھے، جن پر اس قافلے کے مسافروں کے تمام مال و اسباب اور شہر کے تجارتی سامان کے علاوہ، نفیس ترین زربفت کی وہ ۳۰۰ گانٹھیں بھی لدی ہوئی تھیں جو ہرقل کی ملکیت تھیں۔ جب مسلمانوں نے دمشق کے مال و دولت کا مکمل صفایا ہوتے دیکھا تو ان میں سے کچھ ناراض اور باقی ماندہ مغموم نظر آنے لگے۔ فاتحینِ دمشق پر یہ گھڑیاں بڑی ناگوار گزریں۔

خالدؓ اپنے کچھ افسروں اور سپاہ کے ساتھ کھڑے اس تکلیف دہ منظر کو دیکھ رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ رومی دمشق میں کوئی بھی قیمتی چیز نہیں چھوڑے جا رہے ہیں۔ خالدؓ آزردہ خاطر تھے۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار وہ تھے، دمشق کو بزورِ شمشیر انہوں نے فتح کیا تھا، اس قلعے پر انہوں نے دھاوا بولا تھا، اور اب ابو عبیدہؓ نے یہ گل کھلایا!

خالدؓ نے دوسروں کی طرف دیکھا تو انہیں ان کے چہرے غصے سے سرخ نظر آئے۔ یہ تمام اشیاء بطورِ غنیمت انہیں ملنی چاہیئے تھیں۔ مسلمانوں کی ٹولیاں دمشق سے باہر جانے والے راستے کے آخر تک کھڑی چپ چاپ یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس قافلے پر جھپٹ کر جو کچھ چاہتے اس سے چھین سکتے تھے، لیکن مسلم سپاہ کا نظم و ضبط کچھ اس نوعیت کا تھا، اور اسے اپنے وعدوں کی اخلاقی پابندی اس قدر عزیز تھی، کہ کوئی ایک مسلمان سپاہی بھی اس رومی قافلے کی حرکت میں مخل ہونے کو اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

خالدؓ نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی۔ پھر انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور بڑے دردناک لہجے میں بآواز بلند دعا کی: "یا اللہ! تو یہ سب کچھ مسلمانوں کے سامانِ زیست کے طور پر ہمیں عطا کردے!"[1] لیکن امید کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ یا شاید تھی؟

خالدؓ کو اپنے پیچھے کسی کے مؤدبانہ کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو انہیں وہی عاشق، یونس، نظر آیا، جو ابھی تک ایسا ہی مغموم تھا جیسا پچھلی رات کو خالدؓ کے خیمے میں رومیوں کے مطیع ہو جانے کے بعد یونس نے اپنی دلہن سے ملاقات کی تھی اور اسے اس کے ساتھ آنے کو کہا تھا۔ پہلے تو وہ رضامند ہو گئی تھی، لیکن جب یونس نے اسے یہ بتایا کہ اب وہ مسلمانوں کا دوست اور ہم عقیدہ بن چکا ہے، تو وہ اس سے متنفر ہو گئی اور اس نے قسم کھائی کہ اب آئندہ کے لئے وہ اس سے کوئی سروکار نہیں رکھے گی۔ چنانچہ اس نے دمشق سے چلے جانے کا فیصلہ کرلیا، اور اب وہ بھی توما کے قافلے کے ساتھ جارہی تھی۔ اور یونس، جسے اس لڑکی کے عشق نے بدستور دیوانہ کر رکھا تھا، خالدؓ سے امداد مانگنے آیا تھا۔

کیا مسلمان اس لڑکی کو قافلے سے چھین کر اس کے عاشق کے حوالے نہیں کر سکتے تھے؟ نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسے تحفّظ کی ضمانت حاصل تھی اور اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کیا مسلمان اس قافلے کا تعاقب کر کے اس پر حملہ نہیں کر سکتے تھے؟ نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اس قافلے کو تین روز کے لئے تحفّظ کی ضمانت دی گئی تھی، اور اس میعاد کے دوران اس کا پیچھا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

---

[1] واقدی: ص ۵۲۔

اچھا، تو تین روز کے بعد؟ اس میعاد کے بعد تعاقب بے سود تھا۔ یہ قافلہ دہشت زدہ ہو کر جس رفتار سے سفر کر رہا تھا اس کی بدولت اس کو تین روز میں یقیناً اتنی دور پہنچ جانا تھا کہ مسلمان اسے جا لینے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

مگر ہاں، اس کا امکان تھا۔ یونس نے بتایا کہ وہ متعدد ایسے مقابلتہً چھوٹے راستوں سے واقف تھا جنہیں رومی قافلے کو جا لینے کے لئے تیز رفتار گھڑ سوار استعمال کر سکتے تھے، جبکہ قافلہ خود سڑکوں کے ذریعے سفر کرنے پر مجبور، اپنا راستہ چھوٹا کرنے کی ایسی کوئی ترکیب اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن یہ بات بھی بے فائدہ لگی۔ کیونکہ کئی شامی قلعے۔ حمص، بعلبک، طرابلس ــ اتنے قریب واقع تھے کہ ان تک تین چار یوم میں بہ آسانی پہنچا جا سکتا تھا، اور رومی قافلہ، مسلمانوں کے اس تک پہنچنے سے پیشتر، اپنے کو ان میں سے کسی ایک قلعے میں محفوظ کر سکتا تھا۔

مگر نہیں، قافلہ یہ نہیں کرنے والا تھا۔ قافلے کا رُخ ان جگہوں سے کسی کی طرف بھی نہ تھا۔ یونس کو معلوم تھا کہ وہ سیدھا انطاکیہ کا رُخ کئے ہوئے تھا، اور اسے وہاں تک پہنچنے کے لئے کئی روز کا عرصہ درکار تھا۔ وہ خود مسلم سواروں کی راہنمائی کرنے کو تیار تھا۔ اور اس خدمت کے عوض وہ اپنی دلہن کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا تھا۔

خالدؓ کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ انہیں یونس کے مشورے کی بدولت کامیابی کے جو امکانات نظر آئے وہ پیاسے کے لئے پانی کے مانند تھے۔ چنانچہ انہوں نے چند افسروں ضرارؓ، رافع اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو اشارہ کیا۔ ان کو تین روز کے بعد اس رومی قافلے کا تعاقب کرنا تھا! منصوبے بنا لئے گئے، اور احکام جاری کر کے تعاقب کی تیاریاں کی گئیں۔ چنانچہ تین روز کی مہلت ختم ہوتے ہی مسلمانوں کے متحرک رسالے کو برق رفتاری سے، گھوڑے سرپٹ دوڑاتے رومی قافلے کے تعاقب میں نکل جانا تھا۔ یونس کی تجویز پر طے پایا کہ تمام سوار مقامی عربوں کا سا لباس

پہنیں، تاکہ راستے میں ان کی کسی رومی فوجی دستے سے مٹ بھیڑ ہو بھی جائے تو اسے ان مسلمان سواروں پر مقامی عربوں کا گمان گزرے اور وہ ان کی پیش قدمی کو روکنے کی کوشش نہ کرے۔ اب ان مومنین کے دلوں میں کامیابی کی امید اُبھری۔

چوتھے روز، سورج طلوع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد عین اس وقت جبکہ رومی قافلے کو دی جانے والی مہلت کا وقت پورا ہوا، مسلمانوں کا متحرک رسالہ خالدؓ اور یونس کی قیادت میں دمشق سے بعجلت روانہ ہوا۔ ابو عبیدہؓ بطورِ امیر دمشق ہی میں رہے۔

متحرّک رسالے نے کونسا راستہ اختیار کیا، اس کا تواریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ واقدی کا بیان ہے کہ ان مسلمان شہسواروں نے رومی قافلے کو انطاکیہ سے تھوڑی ہی دور اِس طرف، جہاں سے سمندر قریب پڑتا تھا، ایک سطح مرتفع پر جالیا۔

یہ سطح مرتفع پہاڑیوں کے اس سلسلے کے دوسری جانب واقع تھی جسے عرب الابرش اور رومی بَرَدیٰ کہتے تھے[1]۔ یہاں موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ چنانچہ رومی قافلہ اس تیز بارش سے بچنے کے لئے سطح مرتفع پر منتشر ہو گیا تھا، اور اس کا سامان پورے میدان میں بکھرا پڑا تھا۔ رومیوں کو اس صاعقہ کا قطعاً کوئی اندیشہ نہیں تھا جو ان پر جلد ہی گرنے کو تھا۔ وہاں زربفت کے اتنے گٹھے زمین پر بکھرے پڑے تھے کہ وہ میدان بھی مرج الدیباج (یعنی خیابانِ زربفت) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ متذکرہ جنگ کا بھی نام جنگِ مرج الدیباج پڑ گیا۔

---

[1] یہ پہاڑی سلسلہ غالباً وہی تھا جو آج کل جبل انصاریہ کہلاتا ہے، جس کا شمالی سرا انطاکیہ کے جنوب کی طرف نکلا ہوا ہے۔ حلب سے انطاکیہ جانے کے لئے، اس سلسلے میں سے گزرتے ہوئے، اس کے بلند تر حصوں میں ہموار خطوں کے متعدد قطعات نظر آتے ہیں۔

اب مطلع صاف ہو چکا تھا۔ چنانچہ یونس اور دوسرے سراغ رسانوں نے اہلِ کارواں کی نگاہوں سے بچ کر رومی قافلے کے ٹھکانے کا کھوج لگایا، اور واپس آکر خالدؓ کو حملے کا منصوبہ تیار کرنے کے لئے کافی معلومات فراہم کر دی۔ خالدؓ نے احکام جاری کرنے اور متحرک رسالے کو ان کے مطابق معرکہ آرا کرنے میں چند گھنٹے صرف کئے۔ جنگی چالوں اور اچانک حملوں کے ایک اُستاد کی حیثیت سے، خالدؓ نے ان فوجی اصولوں کو بروئے کار لانے میں اب یہاں بھی حیرت انگیز مہارت کا مظاہرہ کیا۔

رومیوں کو مسلمانوں کی موجودگی کا پہلی بار اس وقت احساس ہوا جب نیم برہنہ ضرارؓ کی قیادت میں تقریباً ۱۰۰۰ سواروں کا دستہ جنوب کی طرف سے، دمشق سے آنے والی سڑک پر گھوڑے سرپٹ دوڑاتا، ان پر دھاوا کرنے کو بڑھا۔ رومی حیران تھے کہ ضرار ان کے سر پر کیسے آ پہنچا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ صرف ایک مختصر سی جمعیّت ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے تہس نہس کر کے، اس کے بعد پھر آرام کریں گے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے اس حملے کا جواب دینے کو صف آرا ہو گئے، اور انہوں نے بہادر رُومیوں کی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ شروع کر دی۔

نصف گھنٹے بعد ۱۰۰۰ مسلم سواروں کا ایک اور دستہ رافعؓ کی قیادت میں مشرق کی طرف سے نمودار ہوا۔ اور اب رومیوں کو خیال ہوا کہ اچھا آخر کو ایک نہیں، دو دستوں نے ان کا تعاقب کیا ہے۔ انہوں نے مزید قیاس لگایا کہ پہلا دستہ ان کی توجہ اپنی طرف اس لئے مبذول کئے ہوئے تھا تاکہ دوسرا دستہ ان کے بازو پر اصل بھاری حملہ کر سکے۔ لیکن اس سے کیا ہوتا تھا، انہوں نے سوچا۔ وہ ایک کے بجائے دو مسلم دستوں کو پیس ڈالیں گے۔ چنانچہ رومی از سرِ نو صف آرا ہوئے، اور رافعؓ کے دستے کا بھی مقابلہ کرنے لگے۔

لیکن جب آدھے گھنٹے کے بعد، عبدالرحمٰنؓ کے زیرِ قیادت ۱۰۰۰ سواروں

پر مشتمل ایک اور دستہ شمال کی طرف، یعنی انطاکیہ کی سمت، سے نمودار ہوا تو رُومی شدید خطرہ محسوس کرنے لگے۔ یہ صورت حال ان کے اندازے سے بڑھ کر خطرناک تھی۔ وہ انطاکیہ سے کٹ چکے تھے۔ اور اب شمال کی طرف راستہ کاٹ نکالنے یا مغرب کی طرف پسپا ہونے کے لئے کیونکہ موخر الذکر راستہ ابھی ان کے لئے کھلا ہوا تھا۔ انہیں تینوں مسلمان دستوں سے بعجلت نمٹنا تھا۔ چنانچہ رُومی پھر ایک نئی ترتیب میں صف آرا ہوئے، گو اب ان کے حوصلے پہلے کی طرح بلند نہیں تھے۔ مسلمان سواروں کے تینوں دستوں نے رومیوں کے ہجوم پر تلواروں اور نیزوں کے ساتھ حملے کئے، اور ان کی صفوں میں تباہی مچادی۔ لیکن رومیوں کے قدم جمے رہے، اور مزید ایک گھنٹے تک گھمسان کی جنگ جاری رہی۔

تب مغرب کی طرف سے مسلمانوں کا ۱۰۰۰ سواروں پر مشتمل ایک چوتھا دستہ رونما ہوا اور لپک کر رومیوں کے انبوہ پر ٹوٹ پڑا۔ اس دستے کے قائد کا رجز سنتے ہی رومیوں کو معلوم ہوگیا کہ اس دستے کا سپہ سالار کون ہے:

انا فارس الضدید

انا خالدؓ بن الولید

یہاں، خالدؓ کے معمول کے مطابق، بڑی خونریزی ہوئی۔ خالدؓ نے توما اور ہربیس کو مبازرت میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا، اور وہ اس جنگ کے دوران ایک بار رُومی فوج کے اندر اتنی دور تک جا پہنچے کہ اپنے ساتھیوں سے جُدا ہوکر دشمنوں کے نرغے میں گھر گئے۔ اگر عبدالرحمنؓ اپنے سواروں کی ایک ٹولی کے ساتھ، دشمن کی صفیں چیر کر، خالدؓ کی مدد کو نہ پہنچتے تو وہ زندہ بچ کر واپس نہ آسکتے۔

مزید کچھ وقت تک جنگ جاری رہنے کے بعد رُومیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ ایک تو مسلمانوں کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ وہ رُومی فوج کو پوری طرح گھیرے میں نہیں لے سکتے

تھے، اور پھر جب جنگ کی شدت بڑھی تو طرفین باہم گڈمڈ ہو گئے۔ چنانچہ ہزاروں رُومی بھاگ کر کسی محفوظ مقام تک پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن ان کے تمام مال واسباب اور ان کے مردوں اور عورتوں کی ایک کثیر تعداد پر مسلمان قابض ہو گئے۔ یونس نے اپنی محبوبہ کو ڈھونڈھ نکالا، وہ اسے جبراً حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن جب لڑکی نے اسے آتے دیکھا تو اپنے لباس کی تہوں میں پوشیدہ ایک خنجر نکالا اور اسے اپنے سینے میں گھونپ لیا۔ جب وہ دم توڑنے لگی تو یونس اس کے پاس بیٹھا چپ چاپ آنسو بہاتا رہا۔ پھر اس نے قسم کھائی کہ وہ اپنی دلہن کی یاد میں، جسے حاصل کرنا اس کے مقدر میں نہیں تھا، ثابت قدم رہے گا، اور کسی دوسری لڑکی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھے گا۔

جب خالدؓ کو یونس کے صدمے کا علم ہوا تو انہوں نے اسے پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اسے ایک اور نوجوان عورت کی، جو قریب ہی کھڑی تھی، پیشکش کی۔ اس عورت نے جو کپڑے اور زیورات پہن رکھے تھے انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف خوبصورت ہے بلکہ دولتمند بھی۔ اس عورت کو دیکھتے ہی یونس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ جب قوتِ گویائی نے دوبارہ اس کا ساتھ دیا تو اس نے خالدؓ کو بتایا کہ یہ عورت تو ہرقل کی بیٹی، توما کی بیوہ، ہے۔ وہ اسے قبول نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ جلد ہی ہرقل یا تو اس کی جبری بازیابی کے لئے ایک لشکر روانہ کرے گا یا فِدیہ ادا کر کے اسے واپس لے جانے کے لئے اپنے ایلچی بھیجے گا۔

اب مسلمان شہسوار واپس لوٹے۔ وہ اپنے ساتھ اتنا مالِ غنیمت اور اتنے قیدی لے کر جا رہے تھے کہ وہ کسی بھی فاتح فوج کو خوش کرنے کے لئے کافی تھے۔ ان کی واپسی کے راستے کا بھی تواریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اس سفر کے دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ رُونما نہیں ہوا۔ جب وہ دمشق سے ایک منزل دور تھے تو انہیں انطاکیہ سے

آنے والی سڑک کے ساتھ ساتھ گرد و غبار کا ایک مختصر سا بادل آگے بڑھتا نظر آیا۔ جب یہ بادل قریب تر پہنچا تو اس میں سواروں کی ایک چھوٹی سی ٹولی دکھائی دی۔ اور صاف ظاہر تھا کہ وہ سوار جنگ کرنے کی نیّت سے نہیں آرہے تھے، کیونکہ اس مقصد کے لئے ان کی تعداد بہت کم تھی۔ سواروں کی اس ٹولی میں سے ایک معزز رُومی اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کر خالدؓ کے قریب آگیا۔

"میں ہرقل کا سفیر ہوں" اس نے کہا۔

"انہوں نے آپ کو کہلا بھیجا ہے، 'آپ نے میری فوج کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ آپ نے میرے داماد کو قتل کر دیا ہے اور میری بیٹی کو قیدی بنا لیا ہے۔ آپ کامیاب ہوئے ہیں اور بحفاظت واپس چلے گئے ہیں۔ اب میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ میری بیٹی مجھے لوٹا دیں۔ یا تو فدیہ لے کر اسے واپس بھیج دیجئے یا بخشش کے طور پر مجھے دے دیجئے، کیونکہ شرافت کا عنصر آپ کے کردار میں نمایاں ہے'۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خالدؓ کی شخصیت میں شرافت کا زبردست عنصر موجود تھا۔ اور اسی طرح مردانگی اور فیاضی کی جڑیں بھی ان کی شخصیت میں بہت گہری تھیں۔ وہ بخشش و عطا کے ضمن میں عمر بھر فیاضی سے کام لیتے رہے۔ وہی فیاضی جس کے باعث انہیں بعد میں شدید مشکلات میں مبتلا ہونا پڑا۔ بہر حال، اب انہوں نے شہنشاہِ روم کے حق میں بھی فیاضی سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ "اسے بخشش کے طور پر لے جائیے" خالدؓ نے کہا۔ "فدیہ نہیں لیا جائے گا۔"[1] ہرقل کا سفیر اپنے شہنشاہ کی بیٹی کو ہمراہ لیکر، اور خالدؓ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوا، انطاکیہ کی طرف لوٹ گیا۔

یونس بدستور مایوس رہا۔ کوئی چیز بھی اس کا دل بہلا نہ سکی۔ خالدؓ نے خود اپنے حصۂ غنیمت میں سے ایک بھاری انعام کی پیشکش کی، جس سے اگر وہ چاہتا تو کوئی

---

[1] واقدی: صـ ۵۸۔

خوبصورت بیوی حاصل کرسکتا تھا۔ لیکن یونس نے یہ انعام قبول نہیں کیا، اور وہ اپنے مجرّد رہنے کے عہد پر قائم رہا۔ وہ اپنے نئے دین پر بھی ثابت قدم رہا اور دو سال تک اسلام کے جھنڈے تلے جہاد کرتا رہا، حتیٰ کہ وہ جنگِ یرموک میں شہید ہوگیا۔

اموالِ غنیمت سے لدے ہوئے متحرک رسالے کی واپسی کا مسلمانوں نے دمشق میں والہانہ استقبال کیا۔ اللہ کی تلوار نے ایک اور کارنامہ سرانجام کر دکھایا تھا! رسالہ کل دس روز تک غائب رہا تھا، اور مسلمان اس کے لئے کافی پریشان رہے تھے۔ لیکن اب خیر ہی خیر تھی۔ خالدؓ نے دمشق پہنچتے ہی مدینے خط بھیجا۔ یہ خط حضرت ابوبکرؓ کے نام تھا اور اس نے انہیں دمشق کی تسخیر کے علاوہ ان باتوں سے بھی آگاہ کیا کہ ابوعبیدہؓ کس طرح رُومیوں کے جھانسے میں آگئے، خود انہوں نے کس طرح رومی قافلے کا تعاقب کرکے توما اور ہربیس کو قتل کر دیا، کس طرح اموالِ غنیمت اور قیدیوں کو، جن میں ہرقل کی بیٹی بھی شامل تھی، قبضے میں لیا گیا اور پھر ہرقل کی بیٹی کو کس طرح رہا کر دیا گیا۔ یہ خط یکم اکتوبر ۶۳۴ء (۲ شعبان ۱۳ ھ) کو لکھا گیا۔[1]

یہ خط لے کر جانے والے قاصد کی روانگی سے چند ہی گھنٹوں بعد، ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو الگ لے جاکر بتایا کہ حضرت ابوبکرؓ فوت ہو چکے ہیں اور اب حضرت عمرؓ خلیفہ ہیں۔ انہوں نے وہ خط جو نئے خلیفہ نے انہیں لکھا تھا خالدؓ کی طرف بڑھایا۔ خالدؓ نے ہچکچاتے ہوئے خط لے لیا اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ انہیں اس خط کی اہم ترین سطر مُنہ چڑاتی نظر آئی: "میں تمہیں خالدؓ بن الولید کی فوج کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔"

خالدؓ نے خط سے نظریں ہٹالیں۔۔۔

---

[1] محاصرۂ دمشق اور تسخیرِ دمشق کی تاریخوں کی وضاحت کے لئے ضمیمہ ب کی تشریح ۱۲ دیکھیں۔

۳۱

سردِ مہر برطرفی

مدینے میں بسترِ مرگ سے پہلے خلیفہ نے لکھنے کا سامان منگوایا اور ایک حکم نامہ لکھا: ان کی وفات کے بعد عمرؓ خلیفہ ہوں گے، اور مومنین ان کی بیعت کریں گے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا آخری حکمنامہ تھا۔

۲۲ اگست ۶۳۴ء (جمادی الآخر ۱۳ھ کی بائیسویں) کو حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمرؓ خلیفہ بن گئے۔ اسی تاریخ کو نئے خلیفہ نے اپنا پہلا حکم جاری کیا جس میں خالدؓ کو شام کی مسلم فوج کی سپہ سالاری سے برطرف کر دیا گیا! انہوں نے ابوعبیدہؓ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں تمہیں اس اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں جو لایزال ہے، جبکہ باقی ہر چیز فانی ہے، جو ہمیں گمراہی سے بچنے کی راہ دکھاتا ہے اور جو ہمیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آیا ہے۔

میں تمہیں خالدؓ بن الولید کی فوج کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ چنانچہ اپنا فرض ادا کرتے ہوئے یہ منصب سنبھال لو۔

حصولِ غنیمت کے لئے مسلمانوں کو تخریب میں

نہ مبتلا کرنا۔ اور مسلمانوں کو کسی ایسے پڑاؤ پر نہ ٹھہرانا
جس کا تم نے پہلے جائزہ نہ لے لیا ہو اور جس کے حالات
سے تم باخبر نہ ہو۔

کوئی ایسی مہم روانہ نہ کرنا جس کے دستے کماحقہٗ
منظم نہ ہوں۔ اور خبردار کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا جو مسلمانوں
کی ہلاکت کا باعث بن سکتا ہو۔

اللہ نے تمہارے ذریعے میری آزمائش کی ہے اور
میرے ذریعے تمہیں آزمایا ہے۔ اس دنیا کی ترغیبات سے
ہوشیار رہو، کہ کہیں یہ تمہیں بھی اسی طرح تباہ نہ کر دیں جس
طرح انہوں نے تم سے پہلے اوروں کو تباہ کیا۔ اور تم
جانتے ہو کہ وہ کس طرح اپنے مقام سے گرے۔[1]

یہ خط ایک پیغام رساں کو اس ہدایت کے ساتھ دیا گیا کہ وہ شام پہنچ کر اسے خود ابو عبیدہؓ کے حوالے کرے۔

اگلے روز حضرت عمرؓ نے مسجدِ نبوی میں نماز باجماعت کی امامت کی۔ نماز پڑھا چکنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے اجتماع سے خطاب کیا۔ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے یہ ان کا اپنی جماعت کے سامنے پہلا خطبہ تھا۔ انہوں نے حمد و ثناء اور درود و صلوٰۃ کے بعد مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا: "عرب قوم ایک ایسے اونٹ کی مانند ہے جو اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، اور وہ اسی جگہ اس کا انتظار کرتا ہے جہاں اسے بٹھا دیا جاتا ہے۔ اور ربِّ کعبہ کی قسم، میں تمہیں سیدھے راستے پر چلاؤں گا۔[2]

---

[1] طبری: جلد ۲، ص ۶۲۲۔
[2] " " "

اپنے بقیہ خطبے میں انہوں نے مسلمانوں کو ان پر کئی واجب نیکیوں اور فرائض کی اہمیت کا احساس دلایا، اور اقرار کیا کہ وہ اسلامی مفادات کو فروغ دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اس خطبے کے اختتام پر انہوں نے مسلمانوں کے اجتماع کو بتایا کہ انہوں نے خالدؓ کو لشکرِ شام کی امارت سے معزول کر کے اس عہدے پر اب ابو عبیدہؓ کو مامور کر دیا ہے۔ اس اعلان نے مسلمانوں پر سناٹا طاری کر دیا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ عمرؓ کے دل میں خالدؓ کے لئے کوئی خاص جگہ نہ تھی، تاہم کسی کو یہ توقع بھی نہ تھی کہ وہ سیف اللہ کے خلاف اتنی سخت اور اس قدر عجلت سے کارروائی کریں گے بالخصوص ان عظیم فتوحات کے بعد جو خالدؓ گذشتہ تین سال کے دوران اسلام کے لئے حاصل کر چکے تھے۔ لیکن لوگوں کے دلوں میں حضرت عمرؓ کا احترام ہی نہ تھا، ان کا رعب بھی تھا، اور انہیں ٹوکنے کی جرأت کم ہی لوگ کر سکتے تھے۔ مزید براں، انہیں اُن کے فیصلے کی قبولیت اور تعمیل لازمی۔ سب ایسے خاموش رہے کہ ان کی خموشی الفاظ سے زیادہ معنی خیز تھی۔

لیکن پھر اس مجمع میں موجود ایک نوجوان اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا آپ ایسے شخص کو برخاست کر سکتے ہیں"۔ اس نے چلّا کر حضرت عمرؓ سے کہا "جس کے ہاتھ میں اللہ نے فتح و نصرت کی تلوار دی ہے اور جس کے ذریعے اللہ نے اپنے دین کو مستحکم کیا ہے؟ اللہ آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا، اور نہ مسلمان ہی ایسا کریں گے، کیونکہ آپ اللہ کی تلوار کو میان میں ڈال رہے ہیں اور اس سپہ سالار کو معزول کر رہے ہیں جسے اللہ نے سپہ سالاری پر مامور کیا ہے۔"

حضرت عمرؓ اس نوجوان سے واقف تھے۔ یہ خالدؓ کے قبیلے' بنو مخزوم' کا فرد تھا۔ پھر ان کو اجتماع کے مزاج کا بھی احساس ہوا، اور انہیں لگا کہ ان کے اعلان کا کوئی اچھا اثر نہیں ہوا ہے۔ انہوں نے طے کیا کہ فی الحال اس موضوع پر مزید کچھ نہ کہا جائے چنانچہ انہوں نے جواب میں صرف یہ کہا کہ: "یہ نوجوان اپنے چچیرے بھائی کی وجہ سے ناراض

ہے[1]۔" پھر وہ مسجد سے چلے گئے۔

حضرت عمرؓ نے دن بھر خالدؓ کے معاملے پر بہت غور کیا۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کو قائل کرنے کے لئے انہیں اپنی کارروائی کے جواز کی توضیح کرنا ہوگی۔ خالدؓ جیسی خیرہ کن روشنی کو معقول جواز پیش کئے بغیر گُل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اگلے روز وہ پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوئے:

"میں خالدؓ کے سپہ سالار ہونے کا مخالف نہیں ہوں لیکن وہ فضول خرچ ہیں، اور شاعروں اور مبارزوں کو ان کے استحقاق سے زیادہ رقمیں دے کر اپنی دولت کو ضائع کرتے ہیں، جس کا بہتر مصرف یہ ہوتا کہ اسے نادار اور ضرورت مند مسلمانوں کی امداد کے لئے خرچ کیا جائے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے ایک مضبوط آدمی کو برطرف کر کے اس کی جگہ ایک کمزور شخص کو مقرر کیا ہے، کیونکہ اللہ اس (یعنی ابو عبیدہؓ) کے ساتھ ہے اور اس کی مدد کرے گا[2]۔"

اس بار کسی نے کچھ نہ کہا۔

یہ فیصلہ کن خط لانے والا نامہ بر اس وقت دمشق پہنچا جب اس کا محاصرہ جاری تھا اور رومی کمک ابھی چند منازل دور تھی۔ یہ شخص جانتا تھا کہ خط میں کیا لکھا ہے اور چونکہ وہ ذہین تھا، اس نے اندازہ لگا لیا کہ مصروفِ پیکار مسلمانوں پر اس خط کا برا اثر پڑے گا۔ چنانچہ جس شخص سے بھی اس کی ملاقات ہوئی اسے اس نے یہی بتایا کہ مدینے

---

[1] واقدی: صہ ۶۱

[2] ایضاً۔

میں خیر و عافیت ہے اور وہاں سے کمک روانہ ہو چکی ہے۔ ابو عبیدہؓ کے خیمے میں پہنچ کر، جہاں اور کوئی موجود نہ تھا، اس نے خط ان کے حوالے کر دیا۔

ابو عبیدہؓ اس خط کو پڑھ کر ہکّا بکّا رہ گئے۔ ان کی مرضی کی بات ہوتی تو خالدؓ کے ساتھ ایسا واقعہ کبھی پیش نہ آیا ہوتا۔ وہ جانتے تھے کہ اسلامی فوج کو خالدؓ سے والہانہ لگاؤ ہے، اور سپہ سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے ان کی موجودگی مسلمانوں کو، انتہائی ناسازگار حالات کے باوجود، دشمن پر فتح کا یقین دلانے کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ انہیں مزید خیال آیا کہ قیادت میں تبدیلی کا مسلمانوں کے ذہن پر خاص طور سے ایسے میں بہت بُرا اثر پڑے گا جبکہ وہ ایک دشوار محاصرے میں جٹے ہوئے تھے اور اس کی کامیابی کی بظاہر کوئی صورت نکلتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ سپاہ کو خالدؓ کی برطرفی یا اس اقدام کی برمحلی کا قائل کرنا بہت مشکل ہوتا۔ مزید براں، ابو عبیدہؓ کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ وہ جنگی کارروائی کے عین بیچ میں، جبکہ خالدؓ نے اس کا کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہیں رہنے دیا تھا، فوج کی کمان خود سنبھال لیں۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کی وفات یا تبدیلیٔ قیادت کے بارے میں اس وقت تک کچھ نہ کہیں گے جب تک کہ محاصرۂ دمشق میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل نہ ہو جائے۔ ابو عبیدہؓ کے پوچھنے پر نامہ بر نے انہیں اطمینان دلایا کہ اس نے خلیفہ کے خط کے مندرجات کو کسی بھی شخص پر ظاہر نہیں کیا ہے، اور ابو عبیدہؓ نے اسے تاکید کی کہ وہ اس معاملے کو اپنے ہی تک رکھے۔

دمشق کے محاذ پر مسلمان محاصرے کے باقی ماندہ عرصے کے دوران تبدیلیٔ قیادت سے بے خبر رہے۔ حتیٰ کہ فتح کے روز جب ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کے درمیان جھگڑا ہوا تو بھی انہوں نے اس تبدیلی کا کوئی حوالہ نہ دیا، کیونکہ ایسا کرنا ایک گھٹیا بات ہوتی اور اس سے خالدؓ کی دوست، دشمن دونوں کے سامنے سُبکی ہوتی۔ چنانچہ اہلِ دمشق کے ساتھ جو

معاہدہ کیا گیا اس پر ابوعبیدہؓ نے نہیں بلکہ خالدؓ نے دستخط کیئے۔ فی الواقعہ، خالدؓ کے مرج الدیباج کی مہم سے فارغ ہو کر واپس لوٹنے کے چند گھنٹے بعد تک ابوعبیدہؓ نے ان سے کچھ نہ کہا۔ لیکن تب انہوں نے بالآخر خالدؓ کو الگ لے جا کر حضرت ابوبکرؓ کی وفات اور نئے خلیفہ کے تقرر سے آگاہ کیا، اور انہیں حضرت عمرؓ کا خط پڑھنے کو دیا۔

خالدؓ نے یہ خط آہستہ آہستہ پڑھا۔ اس کا مفہوم بالکل واضح تھا: وہ برطرف کر دیئے گئے تھے! ابوعبیدہؓ نئے سپہ سالارِ اعلیٰ تھے۔ غالباً انہیں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ اگر عمرؓ خلیفہ بن گئے تو ان کے ساتھ یہی ہوگا، لیکن انہیں اس کا خیال اس وجہ سے نہ آیا کہ انہوں نے ابوبکرؓ کی وفات یا عمرؓ کی خلافت کے امکان کی طرف کبھی کوئی توجہ نہ کی تھی۔

اس خط کی تاریخ سے خالدؓ پر واضح ہو گیا کہ یہ کم از کم ایک مہینہ پرانا ہے اور ابوعبیدہؓ کو ضرور تین ہفتے پیشتر موصول ہو چکا ہوگا۔ چنانچہ خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کی طرف دیکھا اور ان سے پوچھا "تم نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟ تم پر اللہ کی رحمت ہو!" ابوعبیدہؓ نے جواب دیا "میں تمہارے اقتدار میں ایسے وقت کے دوران فرق نہیں آنے دینا چاہتا تھا جب تم دشمن سے برسرِ پیکار تھے۔"[1]

خالدؓ چند لمحوں کے لئے اپنے خیالات میں کھو گئے ـــ اپنے دوست، راہنما اور محسن، ابوبکرؓ، کی یادوں میں۔ ابوعبیدہؓ نے ہمدردی اور جھجک کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ان کی طرف دیکھا۔ پھر خالدؓ نے کہا "ابوبکرؓ پر اللہ کی رحمت ہو! اگر وہ زندہ ہوتے تو مجھے سپہ سالاری کے منصب سے برطرف نہ کیا جاتا۔" سیف اللہ اپنا سر جھکائے، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے، اپنے خیمے کی طرف چل دیئے۔

اس رات خالدؓ ابوبکرؓ کو یاد کر کے روئے۔[2]

---

[1] یعقوبی: تاریخ، جلد ۲، صفحہ ۱۴۰ [2] واقدی: صفحہ ۶۲

اگلی صبح، ۲ اکتوبر ۶۳۴ء (۳ شعبان ۱۳ھ) کو، لشکرِ اسلام کو مجتمع کر کے دونوں تبدیلیوں سے آگاہ کیا گیا۔ خلافت میں اور فوج شام کی قیادت میں۔ اسی روز دمشق میں مقیم مسلمانوں نے نئے خلیفہ کی بیعت کا اقرار کیا۔

اگر خالدؓ کے دل میں کوئی خفگی یا تلخی تھی -- اور بلاشبہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گی -- تو انہوں نے اس کا اظہار قطعاً نہ کیا۔ انہوں نے اپنے احباب سے بلا تردّد کہا "اگر ابوبکرؓ وفات پا گئے ہیں اور اب عمرؓ خلیفہ ہیں تو اب ہم ان کے فرمانبردار ہیں۔"[1] اسلامی فوج اور شام میں مسلمانوں کے مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر خالدؓ اپنی شکایت کو ہوا دینے کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ اگر وہ حضرت عمرؓ کے خلاف کوئی بات کرتے تو وہ غالباً اسلامی فوج میں انتشار کا باعث بنتی۔ اور خالدؓ جیسا سچا سپاہی اور مخلص مسلمان ایسی بات کبھی گوارا نہ کر سکتا تھا۔

جب کسی فوج کے سپہ سالار کو ایک بار اپنے عہدے سے برطرف کر دیا جاتا ہے تو عام طور سے اگر وہ کوئی فوجی خدمات سرانجام دیتا بھی ہے تو پھر وہ یہ کم از کم اس حلقۂ جنگ میں نہیں کرتا جہاں وہ اس کی فوج کا سپہ سالار رہ چکا ہو۔ وہ یا تو ملازمت سے سبکدوش ہو جاتا ہے، یا تبادلے کے لئے درخواست کرتا ہے، یا پھر اس کے احساسات کو مدّنظر رکھتے ہوئے اس کا تبادلہ خود بخود کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اس سے پیچھا چھڑانے کو اسے کسی اور برتر عہدے پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ لیکن خالدؓ کے مقدّر میں جنگیں لڑنا اور فتوحات حاصل کرنا لکھا تھا، اور قدرت کی طرف سے انہیں وہ تمام حربی اوصاف عطا ہوئے تھے جو اس نوشتۂ تقدیر کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھیں۔ چنانچہ یہاں ہم اس دَور کے سب سے بڑے سپہ سالار (فی الحقیقت سن عیسوی کے پہلے ہزار سالہ دور کے

---

[1] واقدی: صـ۶۲ـ۔

سب سے بڑے سپہ سالار) کا یہ حیرت انگیز کمال دیکھتے ہیں کہ وہ کمتر حیثیت میں، حتیٰ کہ ایک عام سپاہی کی حیثیت میں، اسی ولولے اور سرگرمی کے ساتھ فوجی خدمات سرانجام دینے پر رضامند ہو گیا جس کا مظاہرہ اس نے فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے کیا تھا۔ خالدؓ کی اس رضامندی میں اس دَور کی اسلامی روح کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ اور دو ہفتوں کے بعد، ابوالقدس کے بحران میں، یہ سب کچھ کھل کر سامنے آ گیا۔

ابوعبیدہؓ کو فوج کی قیادت سنبھالے ایک ہفتہ ہوا تھا کہ ایک عیسائی عرب نے، مسلمانوں کی نظرِ عنایت حاصل کرنے کی خاطر نئے سپہ سالارِ اعلیٰ کے پاس آ کر انہیں اطلاع دی کہ چند روز کے دوران ابوالقدس میں ایک عظیم میلہ منعقد ہونے والا ہے۔ اس میلے میں بزنطینی مملکت کے ایشیائی حصے کے تمام علاقوں سے تماشائی اور تاجر، خرید و فروخت کے قیمتی مصنوعات ساتھ لئے، شریک ہوں گے۔ اگر مسلمان مزید مالِ غنیمت کے خواہشمند ہوں تو وہ اس مقام تک ایک ہی چھاپا مار دستہ بھیج کر حسب منشا، دولت سمیٹ سکتے تھے۔ (ابوالقدس آج کل ابلہ کہلاتا ہے اور دمشق سے تقریباً ۴۰ میل دور بعلبک جانے والی سڑک پر، زاحلے کے قریب، کوہستانِ لبنان کی مشرقی دامان کوہ میں واقع ہے۔[1])

وہ مخبر یہ تو نہ بتا سکا کہ آیا اس میلے کے تحفظ کے لئے کچھ رومی سپاہ کو بھی متعین کیا جائیگا یا نہیں، لیکن ہاں، بحیرۂ روم کے ساحل پر طرابلس میں ایک طاقتور محافظ فوج ضرور موجود تھی۔

ابوعبیدہؓ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے مبارزوں سے بات کی اور ان سے دریافت کیا کہ ان میں سے کون ایک دستے کی قیادت کر کے ابوالقدس پر چھاپا مارنے کو تیار ہے۔ انہیں توقع تھی کہ اس کام کے لئے خالدؓ اپنی خدمات پیش کریں گے، لیکن خالدؓ خاموش رہے۔ چنانچہ ایک نوجوان نے، جس کے چہرے پر انہی ایام میں داڑھی نمودار ہونی شروع

---

[1] گبن (جلد ۵، ص ۳۲۲) اس مقام کو ابیلہ کہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گبن کے زمانے میں اسکا یہی نام ہو، لیکن اب یہ ابلہ کہلاتا ہے۔

ہوئی تھی، بے تابانہ جوش کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں۔ آنحضرتؐ کے چچیرے بھائی جعفرؓ جو موتہ کے مقام پر شہید ہوئے تھے، ان کا یہ نوجوان بیٹا، عبداللہ تھا۔ رسول اللہؐ کا یہ کمسن بھتیجا مدینے سے اسی وقت پہنچا تھا اور میدانِ جنگ میں نام پیدا کرنے کو بے چین تھا۔ ابو عبیدہؓ نے اس نوجوان کی پیش کش قبول کر لی اور اسے ۵۰۰ سواروں کے ایک دستے کا سالار مقرر کر دیا۔

۱۴ اکتوبر ۶۳۴ء (۱۵ شعبان ۱۳ھ) کو اس دستے نے پورے چاند کی تیز روشنی میں منزل مقصود کی جانب کوچ کیا۔ اسلام کے شیدائی اور درویش صفت سپاہی، ابو ذر غفاریؓ، عبداللہ کے ہمراہ تھے۔ اگلی صبح اس جلد باز لڑکے نے اپنے چھوٹے سے دستے کو ۵۰۰۰ سپاہ کی اس رُومی فوج کے مقابلے میں جھونک دیا جو ابو القدس کے میلے کی حفاظت پر مامور تھی۔ چونکہ عبداللہ عظمت کا آرزومند تھا اور ابو ذرؓ شہادت کے طلبگار تھے، مسلمانوں کے اس دستے کو حملے سے باز رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ اور اس کا تباہ کن نتیجہ نکلا۔ کچھ وقت تک مردانہ وار جنگ کرنے کے بعد مسلمان رومیوں کے گھیرے میں آ گئے، اور صاف نظر آنے لگا کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہ جا پائے گا۔ لیکن مسلمان نرغے میں پھنس کر بڑی مہلک بے جگری سے لڑتا تھا۔ اس دستے کے جنگ آزمودہ سپاہ اپنی مدافعت کرنا جانتے تھے، اور انہوں نے رومیوں کو روکے رکھنے کے لئے فوراً ایک تنگ سا حلقہ بنا لیا۔ اس طرح انہوں نے دشمن کے گھیرے کے اندر جنگ جاری رکھی، اور ان کی بے دھڑک جرأت نے رومیوں کو محتاط رہنے پر مجبور کیا۔ تاہم ان کی کامل تباہی میں کچھ ہی تاخیر کی گنجائش باقی تھی۔

لیکن ایک مسلمان رُومیوں کے گھیرے سے نکل آنے میں کامیاب ہو گیا، اور صورت حال کی نزاکت سے آگاہ، وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا دمشق جا پہنچا۔ جب یہ شخص ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچا تو وہ اپنے فوجی افسروں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اس نے ابو عبیدہؓ

کو اپنے ساتھیوں کی مصیبت سے مطلع کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ فوراً کمک بھیجیں، ورنہ اس دستے کا ایک بھی سپاہی زندہ واپس نہ آئے گا۔ ابو عبیدہؓ یہ خبر سن کر سہم گئے۔ انہیں حضرت عمرؓ کے الفاظ یاد آگئے: "حصول غنیمت کے لئے مسلمانوں کو تخریب میں مبتلا نہ کرنا۔" مزید براں، انہوں نے سوچا کہ سپہ سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے یہ ان کا پہلا فوجی فیصلہ تھا اور اگر عبداللہ اور ان کے سپاہ کی جان نہ بچائی گئی تو اسلامی فوج پر اس کا تباہ کن اثر پڑے گا۔ اور اللہ کی تلوار کے سوا یہ کام اور کون انجام دے سکتا تھا۔

ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کی طرف دیکھا: "اے ابو سلیمان! میں تم سے اللہ کے نام پر کہتا ہوں کہ جاؤ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو اس مصیبت سے نجات دلاؤ یہ کام صرف تمہارے ہی بس کا ہے۔"

"انشاء اللہ میں یقیناً ایسا ہی کروں گا۔" خالدؓ نے جواب دیا۔ "میں تو صرف آپ کے حکم کا منتظر تھا۔"

"مجھے تم سے یہ مطالبہ کرنے میں ہچکچاہٹ ہوئی۔" ابو عبیدہؓ نے اس جھجک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو قیادت کی تازہ تبدیلی کے باعث انہیں اب تک محسوس ہو رہی تھی۔

خالدؓ نے اس کے جواب میں کہا "واللہ، اگر آپ کسی کم سن بچے کو بھی میرا امیر مقرر کر دیتے تو میں اس کی بھی اطاعت کرتا۔ میں آپ کی حکم عدولی کیسے کر سکتا ہوں، جبکہ اسلام میں آپ کا مرتبہ مجھ سے کہیں بلند ہے اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امین الامت قرار دیا ہے۔ میں آپ کی حیثیت کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ میں اسی وقت آپ کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دی ہے۔"

ابو عبیدہؓ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "تم پر اللہ کی رحمت ہو، اے ابو سلیمان جاؤ اور اپنے بھائیوں کی جان بچاؤ۔"[1]

---

[1] واقدی: ص ۶۶۔

آدھ گھنٹے کے اندر اندر اسلامی فوج کا متحرک رسالہ خالدؓ اور ضرارؓ کی قیادت میں ابوالقدس کی جانب سرپٹ گھوڑے دوڑاتا جا رہا تھا۔ خالدؓ نے مصیبت میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو بچالیا، اگرچہ ان کی آمد تک متعدد مسلم سپاہ رومیوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔ مزید براں خالدؓ نے ابوالقدس کی منڈی پر بھی حملہ کیا اور قابلِ رشک مقدار میں مالِ غنیمت ساتھ لے کر لوٹے! وہ اپنے جسم پر بہت سے زخم بھی لے کر واپس آئے، لیکن اب زخمی ہونا خالدؓ کی زندگی کا ایک ایسا معمول تھا کہ انہوں نے ان زخموں کی کوئی خاص پرواہ نہ کی۔

ابوالقدس کی کارروائی نے خالدؓ کی اپنی برطرفی کی طرف ردِّ عمل کے بارے میں ہر شبہ مٹا دیا (یعنی اگر کبھی کوئی شبہ تھا بھی)۔ ابوعبیدہؓ نے اس کارروائی کے متعلق حضرت عمرؓ کو ایک مفصل خط لکھا، اور خالدؓ نے اس لڑائی میں جو کردار ادا کیا تھا اس کی دل کھول کر تعریف کی۔ لیکن وہ کھڑکیاں جن سے اس قسم کی تعریف کی روشنی گزر کر مدینے میں چمک سکتی تھی بند ہو چکی تھیں۔ اور اب یہ پھر کبھی نہ کھلنے والی تھیں۔

شخصیتوں کی اس دوہری تبدیلی — مدینے میں خلیفہ کی اور شام میں سپہ سالارِ اعلیٰ کی تبدیلی — کو فوجی کارروائیوں کی طرز و روش پر لازماً اثر انداز ہونا تھا۔ حضرت عمرؓ کے طریقِ کار اپنے پیشرو سے بہت مختلف تھے۔ وہ ہر معرکے کے لئے مخصوص مقاصد متعین کرتے تھے، جبکہ حضرت ابوبکرؓ اپنے سپہ سالاروں کو ان کے فرائض اور جنگی کارروائیوں کے حلقے تفویض کر کے مہم کی باقی کارروائی ان پر چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ تو اپنی خلافت کے آخری دور میں یہاں تک مفصل ہدایات دیتے تھے کہ میمنہ و میسرہ کی قیادت کون کون کرے، وعلیٰ ہذا القیاس۔ انہوں نے اپنے ہی سالاروں پر نگاہ رکھنے کے لئے ایک جاسوسی سلسلہ بھی جاری کیا۔ ان جاسوسوں کو تمام افواج اور جیوش میں متعین کر دیا گیا، اور کوئی عہدیدار جو بات بھی کہتا یا کرتا اس سے خلیفہ کو فوراً آگاہ کر دیا جاتا۔[1]

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۶۵۵۔

حضرت عمرؓ نے مختلف سالاران جیوش کے ان مناصب کی توثیق کی جو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو سونپے تھے۔ عمر بن العاصؓ کو فلسطین میں، یزید کو دمشق میں، شرجیلؓ کو اردن میں اور ابوعبیدہؓ کو، حمص کے فتح ہو جانے کے بعد، حمص میں سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دینے تھے۔ اِن کے فرائض میں صرف مختلف جیوش کی فوجی قیادت ہی نہیں، بلکہ ان صوبوں کی سیاسی نگرانی بھی شامل تھی۔ چنانچہ مثال کے طور پر، شرجیلؓ صرف یہی نہیں کہ اردن میں جنگی کارروائیوں کے لئے سالارِ جیش تھے، بلکہ وہ اس علاقے کے حاکم بھی تھے۔ اور ابوعبیدہؓ اب بھی اسلامی فوج کے سپہ سالارِ اعلیٰ تھے، اگرچہ کُل اسلامی فوج کی قیادت کا سوال صرف اس وقت اُٹھتا تھا جب ان تمام جیوش کا باہم مل کر رومیوں سے سامنا ہو۔ خالدؓ کے لئے کوئی عہدہ نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق انہیں ابوعبیدہؓ کے ماتحت کام کرنا تھا، اور مؤخر الذکر نے انہیں جیشِ عراق کا، جس میں متحرک رسالہ بھی شامل تھا، بدستور سالار رہنے دیا۔ خالدؓ کا فوجی مرتبہ تو دوسرے جیوش کے سالاروں کے برابر تھا، لیکن سیاسی لحاظ سے ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

فوجی کارروائیوں کی رفتار لازمی طور پر سست پڑنی شروع ہو گئی۔ ابوعبیدہؓ ایک عظیم انسان اور ذاتی طور پر ایک نڈر اور ماہر جنگجو تھے۔ اگلے چند سال کے عرصے میں وہ خالدؓ کی تربیت کی بدولت ایک اچھے سالار بھی بن گئے۔ وہ خالدؓ کو حتی الامکان اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور ان کے مشورے پر بہت بھروسہ کرتے۔ لیکن ان میں خالدؓ کی حکمت حرب کی بصیرت اور جوڑ توڑ کے موقعوں کی پہچان نہ تھی۔ وہ عام طور پر جنگی مجالسِ مشاورت منعقد کرتے یا اپنی اگلی منزل مقصود کے بارے میں خلیفہ کا فیصلہ حاصل کرنے کو مدینے خط بھیجتے۔ جہاں خالدؓ جنگیں جیتنے کو اچانک حملے، بے باکی اور تشدد سے کام لیتے ہوئے مانند طوفان ایک معرکے سے دوسرے کی طرف جھپٹتے، وہاں ابوعبیدہؓ آہستہ آہستہ اور سنبھل سنبھل کر آگے بڑھتے۔ تاہم انہیں بھی اپنی جنگوں میں فتح حاصل

ہونے والی تھی۔

اس نئی تنظیم کے ساتھ ساتھ، ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کے درمیان باہمی احترام اور اُنس میں کوئی فرق نہ آیا، اور خالدؓ نے اپنی خداداد صلاحیت کی بے پناہ قوت نئے سپہ سالارِ اعلیٰ کی حمایت و اعانت میں صرف کی، تو شام کی تسخیر بدستور جاری رہی۔

۳۲

جنگِ فحل

ایک اگلے باب میں ہرقل کے کردار اور صلاحیتوں کے بارے میں، اور اس کی اس حکمت حرب کے متعلق جو اس نے سلطنت روما پر حملہ آور مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کی کوشش میں استعمال کی، مزید گفتگو کی جائے گی۔ یہاں صرف اتنا ہی ذہن نشین کر لینا کافی ہوگا کہ ہرقل ایسا قابل لحاظ دشمن تھا جو امید کی آخری کرن تک اپنی جد وجہد جاری رکھنے کو آمادہ تھا۔ واقعۂ البوالقدس کے بعد اس کا اگلا اقدام یہ تھا کہ اس نے شمالی شام، جزیرہ اور یورپ سے تعلق رکھنے والے تازہ دم امدادی دستوں پر مشتمل ایک اور فوج جنگ کے لئے تیار کر لی۔ اس فوج میں معرکۂ مرج الدیباج کے پس ماندہ سپاہ بھی شامل تھے۔ اس رومی لشکر کا ایک حصہ انطاکیہ میں مجتمع ہوا، جبکہ دوسرا حصہ بحیرۂ روم کے راستے شام اور فلسطین کی بندرگاہوں پر اُترا۔

دریائے اُردن کے مغرب میں، بیسان کے مقام پر، اس فوج کے اجتماع کا آغاز دسمبر ۶۳۴ء کے اواخر (ذی قعد ۱۳ھ کے اوائل) میں ہوا۔ یہاں سے اس فوج کو مشرقی سمت میں حملہ کر کے جزیرہ نمائے عرب کے ساتھ مسلمانوں کے سلسلۂ مواصلات کو منقطع کرنا تھا۔ اس منصوبے کے مطابق جو ہرقل کے مخصوص انداز کار کا مظہر تھا، اسے دمشق میں مسلمانوں کے ساتھ دوبدو تصادم سے بچنا، انہیں ناموافق جنگی صورت حال میں مبتلا کرنا، اور پھر انہیں دمشق کو چھوڑنے پر مجبور کرنا تھا۔ فحل میں، جو دریائے اُردن کے عین مشرق میں واقع تھا، پہلے ہی سے ایک اوسط درجے کی محافظ

رُومی فوج موجود تھی، جسے ابوالاعور کی قیادت کے تحت اسلامی رسالے کے ایک دستے نے اُلجھا رکھا تھا۔

مسلمانوں کو مقامی کارندوں کے ذریعے رومی امدادی دستوں کی نقل و حرکت کی اطلاع مل گئی، اور بیسان کے مقام پر رومیوں کے اجتماع کی تکمیل سے پیشتر ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ نئی رومی فوج ۸۰,۰۰۰ سپاہ پر مشتمل ہو گی اور اس فوج کا سپہ سالار سقلار بن مخراق ہو گا۔ ظاہر تھا کہ یہ لشکر مشرق کی طرف بڑھ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے سلسلۂ مواصلات کے بیچ میں حائل کریگا۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ نے جنگی مجلسِ مشاورت منعقد کی، اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو، دمشق پر شمال اور مغرب سے حملے کے ہر امکان کے خلاف دفاع کے لئے ایک مضبوط محافظ فوج پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ کر اس نئی رومی فوج کا بھی خاتمہ کر دینا چاہئے۔ مسلمان مردانہ وار جہاد کرنے کے بعد اب کافی آرام کر چکے تھے، اور ابتدائی جنگوں میں زخمی ہونے والے سپاہ کی ایک بھاری تعداد بھی تندرست ہو کر دوبارہ اسلامی فوج میں شامل ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب یہ فوج مختلف نفری کے پانچ جیوش کی شکل میں مرتب ہو گئی تو اس کی تعداد تقریباً ۳۰,۰۰۰ تک پہنچ گئی۔

اب قیادت کی وہ ترتیب، جو حضرت ابوبکرؓ نے وضع کی تھی اور جسکی حضرت عمرؓ نے توثیق کی تھی، قدرے انوکھے روپ میں سامنے آئی۔ یزید دمشق کے سپہ سالار اور حاکم تھے، اور اس وجہ سے انہیں اپنے جیش کے ساتھ دمشق میں چھوڑا گیا۔ شرجیلؓ وہ سالار تھے جنہیں اردن کا علاقہ، جس میں بیسان اور فحل واقع تھے، تفویض کیا گیا تھا۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ نے، خلیفہ کی ہدایت پر حرف بہ حرف عمل کرتے ہوئے بلکہ شاید مقصود حد سے زائد، آنے والی جنگ کے لئے اسلامی فوج کی قیادت شرجیلؓ کے سپرد کر دی۔ جنوری ۶۳۵ء کے لگ بھگ دوسرے ہفتے میں مسلم فوج نے دمشق

سے، یزید کے جیش کو وہیں چھوڑتے ہوئے، شرجیلؓ کی قیادت میں کوچ کیا۔ خالدؓ اور جیش عراق نے اس فوج کے ہراول دستے کے فرائض سرانجام دیئے۔ جنوری کے وسط میں جب یہ مسلمان فحل پہنچے تو رومی محافظ فوج وہاں سے جا چکی تھی، ابولاعور شہر پر قابض تھے، اور دریائے اردن کے دونوں اطراف میں کیچڑ اور غرقاب زمین پھیلی ہوئی تھی۔[1]

جونہی اس نے مسلمانوں کی دمشق سے پیش قدمی کی خبر سنی، فحل کی محافظ رومی فوج، اس قصبے سے نکل کر اور دریائے اردن کو عبور کر کے، بیسان میں مرکزی فوج کے ساتھ جا ملی۔ اس کے فوراً بعد رومیوں نے، بیسان میں اپنی تیاریوں کی تکمیل کے دوران دخل اندازی سے محفوظ رہنے کی خاطر، بیسان اور فحل کی سیدھ سے شمال میں چند میل دور دریائے اُردن پر بند باندھ کر اس دریا کے دونوں کناروں پر پھیلی ہوئی نشیبی پٹی میں پانی چھوڑ دیا۔ غرقاب رقبے کی حدود علاقے کے نشیب و فراز نے متعین کیں، اور بعض مقامات پر یہ دریائے اُردن سے ایک ایک میل دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس زیرِ آب رقبے کو پار کرتے ہوئے کچھ قابل گزر راستے بھی تھے، لیکن ان کا علم صرف رومیوں کو تھا۔ مسلمان ریگستان سے آشنا تھے، اور اب وہ کوہستان سے بھی واقف ہو چکے تھے۔ لیکن پانی اور کیچڑ سے اٹی ہوئی یہ پٹی، جو ان کے پورے محاذ کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی تھی، ان کے لئے ایک نیا تجربہ تھا، اور وہ اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ تاہم انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس رقبے کو عبور کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔

شرجیلؓ نے اپنی فوج کو فحل سے نیچے ڈھلوان زمین کے سرے پر شمال مغرب

---

[1] فحل کی بلندی سطح سمندر سے نیچی ہے، اور اس قصبے کا پہاڑی نشیب ڈھلتے ڈھلتے وادئ اُردن کی ترائی میں جا اترتا ہے۔ اس علاقے میں دریائے اُردن سطحِ سمندر سے تقریباً ۹۰۰ فٹ نیچا ہے۔

کی طرف رُخ رکھ کے صف آرا کیا۔ ابو عبیدہؓ اور عمرو بن العاصؓ کو میمنہ و میسرہ کی قیادت سونپی گئی، ضرارؓ کو اسلامی رسالے کا سالار مقرر کیا گیا، اور خالدؓ کو بیسان کی جانب پیش قدمی کی قیادت کے لئے اپنے جیش کے ہمراہ سب سے آگے متعین کیا گیا۔ یہ تھی وہ ترتیب جس کے ساتھ مسلمان آگے بڑھے۔ لیکن وہ کچھ ہی دُور گئے تھے کہ فوج کا ہراول دستہ کیچڑ میں پھنس گیا اور اسے اپنے کو چھڑانے میں کافی مشکل پیش آئی۔ اس جگت پر رومیوں کو کوستے ہوئے، مسلمان واپس فحل آگئے اور انتظار کرنے لگے۔ اس طرح پورا ایک ہفتہ گزر گیا۔

اب رومی سپہ سالار سقلار' نے فیصلہ کیا کہ حملہ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اس کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اور اسے توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کو بے خبری میں جا لے گا، کیونکہ اسے امید تھی کہ مسلمان دلدل کو دیکھتے ہوئے اس مغالطے میں مبتلا ہوں گے کہ وہ محفوظ ہیں، جبکہ اس کے راہنما رومی فوج کو اسی دلدل میں سے گزار لائیں گے جسے مسلمان ناقابل گزر سمجھے بیٹھے تھے۔ چنانچہ ۲۳ جنوری ۶۳۵ء (۲۷ ذی قعد ۱۳ ھ) کو، غروب آفتاب کے تھوڑی ہی دیر بعد، رومی لشکر دریائے اُردن کے مغرب میں صف آرا ہوا اور یہ سوچ کر فحل کی جانب بڑھنے لگا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے پڑاؤ میں رات کے وقت ناگہاں آلے گا۔

لیکن مسلمان غافل نہیں تھے۔ شرجیلؓ ایک چوکنا سپہ سالار تھے، اور انہوں نے مسلم پڑاؤ کو اس طرح مرتب کیا کہ اس میں جیوش کی جنگی ترتیب برقرار رہی، اور ہر جیش کے ایک بڑے حصے کو رات کے وقت بھی معرکہ آرا رکھا۔ مزید براں، انہوں نے دلدل کے ساتھ ساتھ مخبروں کی ایک ایسی آڑ لگا دی تھی جو اس تمام علاقے پر نگاہ رکھے اور انہیں رومیوں کی فحل کی طرف کسی بھی حرکت سے فوراً مطلع کرے۔ چنانچہ جب رومی فحل کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ اسلامی فوج اپنے پڑاؤ میں نہیں، بلکہ جنگ کے لئے صف آرا کھڑی ہے۔ رومیوں اور مسلمانوں کا سامنا ہوتے ہی کچھ دیر بعد جنگ شروع ہو گئی۔ لڑائی ساری رات اور اگلے روز، ۲۴ فروری ۶۳۵ء کو، تمام دن جاری رہی۔ مسلم فوج نے

مدافعت اختیار کر کے رُومیوں کی تمام صف شکن کوششوں کو ناکام بنا دیا، اور اس میں ایک کوشش کے دوران سقلار مارا گیا۔ جب پھر رات چھانے لگی تو رومیوں نے طے کیا کہ اب اور لڑنے کی ان میں سکت نہیں رہ گئی تھی۔ باوجود بھاری نقصان جھیلنے کے، وہ مسلمانوں کے محاذ میں کہیں بھی شگاف نہ ڈال پائے تھے، اور یہ محاذ ایک دیوارِ آہن بنا، ٹس سے مس نہ ہوا تھا۔ چنانچہ رومی اندھیرے کی اوٹ میں میدان کارزار سے ہٹ آئے، اور دلدل کو عبور کرتے ہوئے بیسان کی طرف پسپا ہونے لگے۔

یہی وہ گھڑی تھی جس کا شرجیلؓ کو انتظار تھا۔ انہوں نے رومیوں کے خلاف ایسا رن جمایا تھا کہ وہ نڈھال ہو گئے تھے، اور پھر اپنے حملوں کی مسلسل ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر، وہ بازگشت پر مجبور ہو گئے تھے۔ اب جوابی حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ چنانچہ شرجیلؓ نے پیش قدمی کا حکم دیا، اور رات کی تاریکی میں عرب کے صحرانشین پسپا رومیوں کی پشت پر جھپٹ پڑے!

اس بار رومی "منصوبۂ ضبطِ آمد و رفت" فیل ہو گیا۔ ہزاروں رومی سپاہ دلدل میں بھٹک کر رہ گئے، اور جب مسلمانوں کا نعرہ زن ہجوم ان پر ٹوٹ پڑا تو وہ بالکل ہی بوکھلا گئے اور ان کا نظم اور باہمی رابطہ مفقود ہو گیا۔ مسلمانوں نے جوشیلے انداز سے اس فوج کا خاتمہ کرنا شروع کیا، تو بدحواس دشمن کے پرخچے اُڑ گئے۔ جنگ فحل میں، جو اسلامی تاریخ میں ذات الرَدغہ (کیچڑ کی جنگ) کے نام سے مشہور ہے تقریباً ۱۰،۰۰۰ رومی مارے گئے[1]۔ کچھ رومی بحفاظت بیسان پہنچ گئے، مگر باقی ماندہ، انتہائی بدنظمی کے عالم میں اپنی جان بچا کر بھاگتے ہوئے، ہر طرف کو بکھر گئے۔

---

[1] زیادہ تر قدیم مؤرخین کی روایت ہے کہ اس جنگ میں رومی فوج کی اکثریت ماری گئی۔ لیکن بلاذری نے ۱۰،۰۰۰ رومی سپاہ کے جانی نقصان کا تخمینہ کیا ہے۔ (صـ۱۲۲)، اور یہاں یہی قبول کیا گیا ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ اعتدال پسند ہے۔

اس رومی فوج کی شکست کے ساتھ ہی اسلامی فوج بھی تقسیم ہو گئی۔ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ فحل میں رہ گئے، جہاں سے وہ بہت جلد دمشق اور شمالی شام کی جانب کوچ کرنے والے تھے۔ شرجیلؓ نے عمرو بن العاصؓ کو اپنے ماتحت لے کر دلدل اور دریائے اُردن کو، جن سے گزرنے کے راستے اب معلوم ہو چکے تھے، عبور کیا اور آگے بڑھ کر قلعہ بیسان کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دن بعد رومیوں نے قلعے سے باہر نکل کر محاصرین پر دھاوا کیا، لیکن شرجیلؓ نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اس زغند کے جلد بعد اہل بیسان مطیع ہو گئے، اور انہوں نے جزیہ اور کچھ مخصوص محصولات ادا کرنے کی شرط منظور کر لی۔ اس کے بعد شرجیلؓ نے طبریہ پر چڑھائی کی، اور وہاں کے لوگوں نے بھی انہی شرائط پر اطاعت قبول کر لی۔ یہ آخری جنگی کارروائی فروری ۶۳۵ء (ذی الحج ۱۳ھ) کے اختتام سے پیشتر مکمل ہو گئی۔ اب علاقۂ اُردن کے اندرونی حصے میں مخالف قوتوں کا قلع قمع ہو چکا تھا۔

جب چودھواں ہجری سال شروع ہوا تو شرجیلؓ اور عمرو بن العاصؓ فلسطین کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں ایک بار پھر قیادت میں تبدیلی کی گئی۔ فلسطین عمروؓ کا احاطۂ کار تھا۔ چنانچہ اس فوج کی قیادت انہوں نے سنبھالی، جبکہ شرجیلؓ ایک سالارِ جیش کی حیثیت سے عمروؓ کے ماتحت آ گئے۔ لیکن یہ دو جیوش پر مشتمل، چھوٹی اسلامی فوج فلسطین کی سرحد میں کافی کچھ وقت گزرنے کے بعد داخل ہوئی۔

عمروؓ ابھی اُردن ہی میں تھے کہ انہوں نے خلیفہ کو ایک خط لکھا، اور انہیں فلسطین میں رومی فوجوں کی تقسیم و ترتیب اور مختلف مقامات پر ان کی تعداد کے بارے میں تازہ ترین خفیہ اطلاعات سے آگاہ کیا۔ سب سے طاقتور رومی فوج اجنادین میں تھی۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو ان کی منازل مقصود کے بارے میں مفصل ہدایات دیں، اور ساتھ ہی یزید کو بھی لکھا کہ وہ بحیرہ روم کے ساحلی علاقے پر قبضہ کر لیں۔ ان ہدایات کی تعمیل میں اسلامی فوج نے (جس میں ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کے جیوش شامل نہیں تھے) رومیوں

کے خلاف فلسطین میں اور بحیرۂ روم کے ساحل پر شمال کی طرف بیروت تک جنگی کارروائیاں شروع کردیں۔ عمرو بن العاصؓ اور شرجیلؓ کے جیوش نے اجنادین کی طرف کوچ کیا، اور عمروؓ کی قیادت میں انہوں نے رُومی فوج سے جنگ کر کے اسے دوسری جنگِ اجنادین میں شکست دی۔ اس کے بعد یہ جیوش ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ پھر عمروؓ نے نابلس، عمواس، غزہ اور یُبنہ کو یکے بعد دیگرے تسخیر کرکے، اس طرح پورے فلسطین پر قبضہ کرلیا، جبکہ شرجیلؓ نے عکّا اور صور کے ساحلی قصبات پر چڑھائی کر کے انہیں مطیع کرلیا۔ یزید نے اپنے بھائی معاویہ کے ہمراہ جو ان کے، ماتحت ایک اہم منصب پر فائز تھے، دمشق سے پیش قدمی کی اور صیدا، عرقہ، جُبَیل اور بیروت کی بندرگاہوں پر تسلط قائم کرلیا۔

جس مقام کو فتح کرنے میں سب سے زیادہ عرصہ لگا وہ قیساریہ کا تھا حضرت عمرؓ نے یزید کو یہ مقام فتح کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ یزید اور معاویہ نے قیساریہ کا محاصرہ کرلیا، لیکن وہ اس شہر کو، جسے رُومی سمندر کے راستے کمک اور رسد پہنچاتے رہے، انتہائی جدوجہد کے باوجود مسخر نہ کرسکے۔ جب مسلمانوں کو جنگِ یرموک کے لئے جمع ہونا پڑا تو قیساریہ کا محاصرہ اُٹھالیا گیا، لیکن بعد ازیں اس بندرگاہ کو پھر محصور کرلیا گیا اور یہ محاصرہ ۶۴۰ء (۱۹ھ) اس کی تسخیر تک جاری رہا۔

۱۴ھ کے اختتام (تقریباً ۶۳۵ء) تک فلسطین، اُردن اور سوائے یروشلم اور قیساریہ کے، سارا شمالی شام مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔

۳۳

تسخیر حمص

شروع مارچ ۶۳۵ء (مطابق شروع محرم الحرام ۱۴ھ) کا زمانہ تھا جب ابوعبیدہؓ اور خالد بن الولیدؓ مقام فحل سے جنگ کو وسعت دینے کے لئے شمال کی طرف روانہ ہوئے۔ فحل میں کچھ دیر ٹھہرنے کا مقصد یہ تھا کہ شرجیل کے بیسان اور طبریہ کے کارزار میں مشغولیت کے دوران وہ بڑے پیمانے پر جنگ چھڑ جانے کی صورت میں اس میں شریک ہو جائیں طبریہ کے فتح ہو جانے سے اُردن میں جنگ کا امکان نہ رہا۔ اور اب یہاں سے کوچ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہ گئی۔

دمشق کے مغربی اور جنوب مغربی علاقے میں ایک طویل مرغزار تھا جس کو اہل عرب مرج الرّوم کے نام سے جانتے تھے۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ بن الولید اب اسی مرغزار کی طرف بڑھ رہے تھے، تاکہ وہ دمشق کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے سیدھے حمص پہنچ جائیں دمشق پر ابھی تک یزید کا قبضہ تھا اور وہاں امن وامان تھا۔ یزید وہاں ابھی کئی مہینے تک قیام کرنے والے تھے۔ وہ وہاں سے بحرِ رُوم کی طرف صرف اُس وقت بڑھے جب اُن کو حضرت عمرؓ کی ہدایت وصول ہو گئی کہ وہ اس کے ساحل پر کارروائی شروع کریں۔

اُدھر شہنشاہ ہرقل کو بیسان اور طبریہ سے مسلمانوں کے حملے کی جو خبریں مل رہی تھیں اُن کی بنا پر اُسے یہ خیال ہو گیا تھا کہ اب مسلمانوں کی توجہ کا مرکز فلسطین اور اُردن ہیں اور اُن کو شام کے شمالی علاقوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ اُس نے یہ بھی سنا تھا کہ دمشق پر مسلمانوں کا ایک معمولی اور کمزور فوجی دستہ موجود ہے جو کوئی جارحانہ کارروائی کرنے کے

قابل نہ تھا۔ اس لئے اس نے دمشق کی بازیابی کے لئے تیزی سے اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا، اور اسی مقصد کے لئے اُس نے تھیوڈورس کو ایک بڑی فوج دے کر روانہ کر دیا تاکہ وہ دمشق میں موجود مسلمانوں کے فوجی دستے کو شکست دے کر دوبارہ دمشق پر قبضہ کرلے یہ فوج انطاکیہ سے بیروت ہوتی ہوئی مغرب کی سمت سے دمشق پہنچی۔ ابھی تھیوڈورس کی فوجوں نے حرکت ہی کی تھی کہ ہرقل کو یہ اطلاع ملی کہ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ فحل سے شمال کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اور وہ دمشق عین اُسی وقت پہنچیں گے جب تھیوڈورس وہاں پہنچ رہا ہوگا۔ اس طرح رُومی فوج کے دمشق پر دوبارہ قابض ہونے کے ارادوں میں خلل پڑنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ شہنشاہِ ہرقل نے تھیوڈورس کو کمک پہنچانے کے لئے حمص میں موجود رُومی لشکر کے ایک بڑے حصّے کو دمشق روانہ ہونے کا حکم دیا، اور یہ لشکر براہِ راست حمص سے دمشق روانہ ہو گیا۔ یہ فوج شنس نامی سالار کے زیرِ قیادت تھی۔

مسلمان مرج الرّوم پہنچے تو تھیوڈورس کو اپنا منتظر پایا۔ اُسی دن شنس بھی حمص سے یہاں پہنچ گیا۔ اب دونوں فوجوں نے ایک دوسرے کے مقابل آراستہ ہونا شروع کیا۔ اِس آراستگی میں ابو عبیدہؓ شنس کے بالمقابل تھے اور خالدؓ کا مدِمقابل تھیوڈورس تھا۔ رُومی فوجوں کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں، مگر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رُومی فوج دو بڑے جیوش کے برابر ضرور تھی۔ وہ اس سے کچھ زیادہ کم نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رُومی ہرگز مسلمانوں کے دو جیوش سے مقابلے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ دن کے باقی حصّے میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں بحالت جنگ کھڑی رہیں، اور اُن میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے پہل کا انتظار کرتا رہا۔

جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو تھیوڈورس کو ایک ہنرمند جنگی چال سُوجھی۔ اُس نے شنس کو مسلمانوں کے مقابلے کے لئے وہیں چھوڑا اور اپنے جیش کو لے کر رات کے

اندھیرے میں خالدؓ کی فوج سے کترا کر دمشق کا رُخ کیا، اور اگلے روز علی الصبح وہاں پہنچ گیا۔ اس کی نیت یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج کو تو شنس کے مقابلے میں اُلجھائے رکھے اور خود مسلمانوں کے اُس قلعہ بند فوجی دستے کو برباد کر دے جو دمشق میں موجود تھا۔ یہ ایک چالاک منصوبہ تھا۔ اور اس کو اتنے سلیقے اور کامل تنظیم کے ساتھ انجام دیا گیا کہ رات کے آخری حصے میں ہی جا کر مسلمانوں کو پتا چلا کہ رومیوں کی آدھی فوج وہاں موجود نہیں ہے۔

اُدھر دمشق میں صبح سویرے یزید کے مخبر رُومی فوج کی آمد کی خبر لائے۔ جیسے سُنتے ہی یزید نے فوراً اپنی مختصر سی فوج کو قلعے کے باہر جنوب مغرب کے رُخ منظم کیا۔ چونکہ مسلمانوں کو کُھلی فضا میں زیادہ اطمینان محسوس ہوتا تھا اور وہ قلعے میں محاصرے کے عادی نہ تھے اس لئے وہ ہمیشہ کُھلے میدان میں جنگ کرنے کو شہر میں لڑنے پر ترجیح دیتے تھے۔ سُورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی تھیوڈورس اور یزید کی فوجوں میں جنگ چھڑ گئی۔ رومی سپاہ کی تعداد مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ تھی اور مسلمان سخت دباؤ سے دوچار تھے مگر انہوں نے دوپہر سے پہلے اپنے قدم مضبوطی سے جمائے رکھے۔ پھر جیسے ہی صورتِ حال یزید کے لئے مایوس کن ہونے لگی ویسے ہی مسلمان گھڑسواروں کے ایک غضب ناک ہجوم نے دشمن فوج کے عقبی دستے پر حملہ کر دیا۔ یہ دراصل جیشِ عراق کا ہراول رسالہ تھا۔ ذرا دیر میں خالدؓ اور اُن کے بے خوف نبرد آزماؤں نے پیچھے سے حملہ کر کے رُومی فوج کے پرخچے اُڑا دیئے۔ بہت کم رومی سپاہ قتل ہونے سے بچ سکے۔ خود تھیوڈورس کو خالدؓ نے دو بدو جنگ کر کے قتل کر دیا۔ مالِ غنیمت کی بہت بڑی مقدار ہاتھ آئی، جس میں زیادہ تر ہتھیار اور زرہ شامل تھے۔ اس مالِ غنیمت کا خمس مدینے بھیجنے کے لئے بچا کر باقی کو خالدؓ اور یزید کی فوجوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

پچھلی رات ڈھل چکی تھی جب خالدؓ کو معلوم ہوا کہ آدھی رومی فوج مرج الرّوم سے چلی گئی ہے۔ انہوں نے بالکل صحیح طور پر اندازہ لگایا کہ یہ فوج یزید سے جنگ کرنے

کے لئے دمشق گئی ہے۔ اس اندیشے سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یزید کی فوج رومیوں کو زیادہ دیر تک نہ روک سکے انھوں نے ابو عبیدہؓ کے سامنے تجویز پیش کی کہ وہ اپنی فوج کو لے کر یزید کی مدد کے لئے چلے جائیں۔ ابو عبیدہؓ نے یہ تجویز منظور کر لی، اور خالدؓ علی الصباح مرج الروم سے اپنی فوج کو لے کر دمشق کو بچانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور وہ کچھ ہوا جو بیان کیا جا چکا ہے۔ عین اس وقت جب خالدؓ تھیوڈورس کی فوج کا قلع قمع کر رہے تھے، ابو عبیدہؓ نے مرج الروم کی رومی فوج پر حملہ کر دیا۔ ابو عبیدہؓ نے دست بدست جنگ میں شنس کو قتل کر دیا۔ میدانِ کارزار رومیوں کی لاشوں سے پٹ گیا، لیکن رومی جیش کا بڑا حصہ بچ نکلا اور تیزی سے پیچھے ہٹ کے حمص آگیا۔

یہ جنگ مارچ ۶۳۵ء (مطابق محرم ۱۴ھ) میں کسی دن لڑی گئی، اور جنگِ مرج الروم کے نام سے مشہور ہے۔

کچھ وقت مرج الروم اور دمشق میں جنگی قیدیوں کے معاملات کو طے کرنے، مالِ غنیمت کا انتظام کرنے اور مسلمان زخمیوں کا علاج کرانے میں لگ گیا۔ جب تمام معاملات طے ہو گئے تو ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو مع اُن کی فوج کے سیدھے حمص کے راستے پر روانہ کر دیا، اور خود بعلبک کی طرف پیشقدمی کی۔ بعلبک کے قلعہ بند دستے نے بالکل پُرامن طور پر ہتھیار ڈال دیئے اور ابو عبیدہؓ حمص روانہ ہو گئے تاکہ وہ وہاں قلعے کے محاصرے میں خالدؓ کا ہاتھ بٹا سکیں۔

محاصرے کے شروع ہونے کے کچھ دن بعد طرفین نے ایک معاہدۂ امن منظور کر لیا۔

ؔ بعلبک والوں کے ہتھیار ڈالنے کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ واقدی اور کچھ مورخین کے خیال میں بعلبک کو فتح کرنے کیلئے ابو عبیدہؓ کو بڑی سخت جنگ کرنا پڑی، بعض دوسرے مورخین کی رائے یہ ہے کہ بعلبک پُرامن طور پر فتح ہوا اور میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔

اس معاہدے میں طے پایا کہ اہلِ حمص مسلمانوں کو دس ہزار دینار اور ایک سو زربفت کی قبائیں دیں گے، جس کے عوض مسلمان ایک سال تک حمص پر حملہ نہیں کریں گے۔ لیکن یہ بھی طے ہوا کہ اگر پھر کوئی رومی فوج حمص آئی تو یہ معاہدہ خود بخود منسوخ ہو جائے گا۔ معاہدے پر دستخط ہوتے ہی شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور حمص کے بازاروں میں مسلمانوں کی آزاد آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اہلِ حمص یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مسلمان کوئی چیز لیتے تھے تو اس کی قیمت بھی ادا کرتے تھے!

اہلِ قِنسّرین کو جب یہ معلوم ہوا کہ اہلِ حمص نے معاہدہ امن کے ذریعے مسلمانوں سے جنگ کو کس طرح ٹال دیا، تو انہوں نے بھی ایسا ہی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ معاہدہ امن اتنا توہین آمیز نہ تھا جتنا ہتھیار ڈالنا۔ اس کے علاوہ یہ مشکل فیصلے کو ملتوی کرنے کا ایک آسان طریقہ بھی تھا۔ بالآخر اہلِ قِنسّرین نے اپنا ایک ایلچی حمص روانہ کیا جس نے ابو عبیدہؓ کے ساتھ ایک سال کے لئے التواءِ جنگ کا ایک ایسا ہی معاہدہ کر لیا۔ مگر حمص اور قِنسّرین کے رومی حکمرانوں نے معاہدے صرف مصلحتاً کئے تھے اُن کو امید تھی کہ ہرقل جلد از جلد اِن کو کمک بھیجے گا اور وہ پھر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس کے برخلاف وہاں کے عوام مسلمانوں کی انصاف پسندی اور عنایات سے بے حد متاثر ہوئے، کیونکہ مسلمانوں میں اس سنگدلی اور تکبر کا شائبہ تک نہ تھا جو رومیوں کی شام پر حکومت کا طرۂ امتیاز تھا۔

حمص اور قِنسّرین کے مسائل کو عارضی طور پر حل کرنے کے ساتھ ہی ابو عبیدہؓ نے اپنی فوج کی اکثریت کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے شمالی شام پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ مسلم سپاہ نے شمال میں حلب تک سفر کیا اور قنسرین کے صوبے کو چھوڑ کے بغیر باقی ہر اُس آبادی پر حملہ کیا جو راہ میں آئی۔ اس طرح مالِ غنیمت اور قیدی جمع کر کر کے حمص کے فوجی مرکز میں لائے گئے۔ قیدیوں میں سے ہزارہا نے

معافی چاہی۔ انہوں نے جزیہ دینے اور وفاداری کا وعدہ کیا تو ان کو مع ان کے کنبے اور اسباب کے آزاد کر دیا، اور اس بات کا بھی ضمانت دی گئی کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رہیں گے۔

ان سب باتوں میں کئی مہینے لگ گئے اور موسمِ گرما یونہی گزر گیا۔ اِس عرصے میں حضرت عمرؓ مدینے میں بے چین ہونے لگے۔ فلسطین کے محاذ پر مہم برابر آگے بڑھ رہی تھی، مگر شمالی شام میں، یعنی ابوعبیدہؓ کے علاقے میں، اس وقت کچھ نہیں ہوتا نظر آ رہا تھا۔ بالآخر ۶۳۵ء کے موسمِ خزاں میں حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو ایک خط لکھا، اور ان کو کنایتہً یاد دلایا کہ، فتحِ شام کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ خط ملتے ہی ابوعبیدہؓ نے جنگی مجلسِ مشاورت منعقد کی، اور اس میں یہ طے پایا کہ اسلامی فوج کو شمال کی طرف پیشقدمی کر کے مزید علاقے فتح کرنے چاہئیں۔ حمص اور قنسّرین کو نہیں چھیڑا جا سکتا تھا کیونکہ وہ معاہدہ امن کی شرائط کے تحت محفوظ تھے، مگر باقی علاقوں کے لئے ایسا کوئی معاہدہ نہ تھا اور ان پر حملہ کر کے قبضہ کیا جا سکتا تھا۔

نومبر ۶۳۵ء کا ابتدائی (وسطِ رمضان ۱۴ھ) کا زمانہ تھا جب اسلامی فوج نے حمص سے حما کی طرف کوچ کیا، جہاں کے شہریوں نے شہر سے باہر آ کر مسلمانوں کا استقبال کیا اور شہر بخوشی ان کے حوالے کر دیا۔ اسلامی فوج برابر آگے بڑھتی رہی، اور یکے بعد دیگرے شیزر، افامیہ (جسے آج قلعہ المُریق کہتے ہیں) اور معرۃ حمص (اب معرۃ النعمان) کے شہروں نے پُرامن طور پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور جزیہ دینا قبول کر لیا (دیکھئے نقشہ نمبر ۲۸)۔ بعض جگہ تو مسلمانوں کا استقبال موسیقاروں نے کیا جو اِس بات کی علامت تھی کہ مسلمانوں کو خوش آمدید کہا جا رہا ہے۔ شام کے ان علاقوں میں پہلی دفعہ یہاں کے شہریوں نے بڑے پیمانے پر اِسلام قبول کیا۔ لوگوں کے اس قبولِ اسلام میں ابوعبیدہؓ کی شرافت اور شانِ کریمانہ

کا بڑا دخل تھا۔

اُس زمانے میں، جب مسلمان شیزر میں تھے، انہوں نے یہ خبر سُنی کہ رُومیوں کی تازہ دم فوجیں قنسّرین اور حمص کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اس طرح التوائے جنگ کے معاہدے کو رُومیوں نے توڑ دیا۔ کمک کی آمد سے قنسّرین اور حمص کے رُومیوں میں نئی جرأت پیدا ہوئی اور موسم سرما کی آمد سے ان کا دل اور بڑھا۔ انہیں یہ اطمینان ہوا کہ وہ اپنے قلعوں میں سردی سے محفوظ رہیں گے جبکہ مسلمان عربوں کا کھلی جگہ میں شام کی غیر مانوس شدید سردی سے سوائے خیموں کے کوئی بچاؤ نہ ہوگا، اور وہ اس سے بہت تکلیف اُٹھائیں گے۔ درحقیقت ہرقل نے حمص کے فوجی حاکم ہربیس کو لکھا تھا کہ "اِن لوگوں کی خوراک اونٹ کا گوشت ہے اور ان کا مشروب اس کا دودھ۔ وہ سردی برداشت نہیں کر سکتے۔ تم اُن سے ان ایام میں جنگ کرنا جب شدید سردی ہو، تاکہ موسم بہار تک ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے۔"[۱]

ابوعبیدہؓ نے سب سے پہلے حمص پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ اپنی عقبی فوج کو شمالی شام پر حملوں کے لئے فارغ کر لیں۔ بالآخر مسلمانوں نے خالدؓ اور جیش عراق کے پیچھے پیچھے حمص کا رُخ کیا۔ شہر کے پاس پہنچنے پر خالدؓ نے دیکھا کہ ایک طاقتور رُومی فوج ان کا راستہ روکے کھڑی ہے۔ مگر ان کے ایک فوری شدید حملے کی تاب نہ لا کر وہ اپنے قلعے میں واپس چلی گئی۔ یہ رُومی ہرقل کی اس ہدایت پر عمل کر رہے تھے کہ مسلمانوں سے ہر اس دن جنگ کی جائے جب سردی شدید ہو۔ مگر خالدؓ کے ساتھ اس پہلی ہی جھڑپ کے بعد سے انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ موسم سرما کو اپنا کام خود کر لینے دیا جائے۔ انہوں نے قلعے میں داخل ہو کر دروازے بند کئے ہی تھے کہ ابوعبیدہؓ بقیہ

---

[۱] طبری: جلد ۳، ص ۹۶-۹۷۔

فوج لئے وہاں پہنچے۔ انہوں نے فوج کو چار حصّوں میں تقسیم کر کے حمص کے چاروں دروازوں پر تعینات کر دیا۔

حمص کے لگ بھگ آدھ میل قطر کے گول سے شہر کے اردگرد ایک فصیل اور ایک کھائی بھی موجود تھی۔ قلعے کے اندر ایک پہاڑی پر ایک بالاحصار بھی بنا ہوا تھا۔ شہر کے باہر ایک سرسبز میدان تھا جس کے مغربی علاقے کی طرف دریائے عاصی (قدیم اُرندو) بہتا تھا۔[1]

ابو عبیدہؓ خود خالدؓ اور اُن کے رسالے کے ساتھ شمالی حصّے میں خیمہ زن ہوئے جہاں سے باب رستن بہت قریب تھا۔ حمص میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد (۱۵،۰۰۰) اور رُومیوں کی ۸۰۰۰ تھی۔ ابوعبیدہؓ نے محاصرے کا کل انتظام خالدؓ کے سپرد کر دیا تھا' اور اِس تمام کارروائی میں خالدؓ صحیح معنوں میں فوج کے سپہ سالار تھے۔ اب نومبر کا اخیر یا دسمبر کا آغاز تھا (شوال کا وسط) اور موسمِ سرما نے پُورے حمص کو کمبل کی طرح ڈھک لیا تھا۔

اس محاصرے کو بلا وقفے دو مہینے ہو گئے۔ روزانہ دونوں طرف سے تیروں کی

---

[1] جو دروازہ اب تک موجود ہے وہ جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اُسے "باب مَسدُود" کہتے ہیں۔ حمص آنے والے سیاح کو آج بھی باقی تین دروازوں کی جگہیں دکھائی جاتی ہیں۔ تدمُر (شمال مشرق) میں، دُریب (مشرق) میں اور ہُد (مغرب) میں لیکن اہل حمص نے باب رستن کا نام تو سُنا ہے لیکن مقام سے ناواقف ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ شمالی دیوار میں کہیں نہ کہیں واقع تھا۔ کیونکہ اس کا رُخ رستن کی طرف تھا جو حمۃ والی سڑک پر واقع ہے۔ قدیم مورخوں نے چاروں دروازوں میں سے ایک کو رستن لکھا ہے۔ اور ہم یہ نہیں جانتے کہ موجودہ چاروں میں سے جن کے نام اوپر لکھے ہیں، تب کونسا موجود نہیں تھا خندق کے نشانات کہیں کہیں موجود ہیں۔

بوچھاڑ ہوتی، مگر کوئی ایسا بڑا حملہ نہ ہوا جو کسی ایک کے حق میں فیصلہ کن ثابت ہوتا۔ رومیوں نے مسلمانوں کی ظاہری حالت سے خوش ہو کر یقین کر لیا کہ موسم سرما ہی اِن صحرانشینوں کو تباہ کرنے کو یا اس جگہ سے کسی گرم علاقے کی طرف دھکیل لیجانے کو کافی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو سردی سے کافی تکلیف پہنچی، مگر ایسی بھی نہیں جس سے رومیوں کی توقعات پوری ہو سکتیں۔ نہ ان کی دفاعی کارروائی پر کوئی اثر پڑا، نہ ان کے اس ارادے پر کہ ان کو بہرحال حمص پر قبضہ کرنا ہے، چاہے ان کو اس کے لئے کتنی ہی دیر تک انتظار کیوں نہ کرنا پڑے۔

فروری ۶۳۶ء کے وسط (محرم ۱۵ھ کے آغاز) میں حضرت عمرؓ نے حکمنامہ بھیجا کہ جیشِ عراق کو واپس عراق بھیج دیا جائے۔ اِس بات کا خالدؓ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جنگ قادسیہ عنقریب سعد بن ابی وقاص اور ایرانی رستم کے درمیان لڑی جانے والی تھی۔ اور حضرت عمرؓ مسلمانوں کو اُن ایرانیوں کے مقابلے میں کمک پہنچانا چاہتے تھے جو تعداد میں مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کے متعلق قطعی خاموشی اختیار کر لی تھی، اور ابو عبیدہؓ نے سوچا کہ غالباً حضرت عمرؓ یہ نہیں چاہتے کہ خالدؓ عراقی فوج کے ساتھ جائیں۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔

عراقی فوج کا حلیہ بہت کچھ بدل چکا تھا۔ پہلے اس میں تمام تر عرب ہی جنگجو تھے۔ مہاجر، انصار اور بدّو۔ لیکن اجنادین کی جنگ کے بعد خالدؓ نے اِس جیش سے اپنا متحرک رسالہ تیار کیا تھا اور اس کی وجہ سے جیشِ عراق میں خود جو عہدے خالی ہوئے اُن کو یمنی، حجازی اور عراق کے نومسلموں سے پُر کیا گیا زیادہ تر ربیعہ سے[1]۔ اسی لئے حمص کے محاصرے کے دوران خالدؓ کی قیادت میں ... ہم جنگجو جیشِ عراق کا رسالہ اور

---

[1] طبری: جلد ۳، ص۵۲

جیش عراق کے ۶۰۰۰ سپاہ تھے۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے جیش عراق کو جنوب کی طرف دومۃ الجندل کے راستے عراق کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ اِس فوج کے سالار ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص تھے، اور رہبری کا کام قعقعہ بن عمرو انجام دے رہے تھے۔ اس فوج کی جُدائی خالدؓ کے لئے ایک اُداس لمحہ تھا، اور خالدؓ نے بڑی دل گرفتگی کے عالم میں اپنے اُن ساتھیوں کو خدا حافظ کہا جو خالدؓ کی بڑی شاندار جنگوں کے ساتھی تھے۔ اب خالدؓ اپنے رسالے کے سوا کسی فوج کے سالار نہ تھے[1]

رُومیوں نے جیش عراق کو رخصت ہوتے دیکھا تو انہیں خیال ہوا کہ مسلمان سردی سے تنگ آ گئے ہیں اور جنوب کی طرف جا رہے ہیں۔ اِس سے محصُور فوج کی امید بندھی۔ لیکن جب کئی ہفتے گزر گئے اور مسلمانوں نے واپسی کے لئے کوئی حرکت نہ کی تو رُومیوں کو معلوم ہوا کہ ان کے مخالفین محاصرہ اُٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ بات مارچ ۶۳۶ء کے وسط (صفر ۱۵ھ کا آغاز) کی ہے، جبکہ سردی کا بدترین زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ اب رُومیوں کی یہ امید کہ مسلمان سردی کی وجہ سے بھاگ جائیں گے ختم ہو گئی۔ پھر ان کے پاس رسد بھی ختم ہو رہی تھی۔ ان کو اس کا بھی خیال تھا کہ بہار کے آغاز اور موسم کے بہتر ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کو تازہ کمک مل جائے گی اور وہ اور بھی زیادہ طاقتور ہو جائینگے۔

---

[1] عراقی فوج کی واپسی کے وقت کا تعین اختلافی مسئلہ ہے۔ اس کا تعلق جنگ قادسیہ سے ہے جس کا زمانہ قدیم مورخوں نے محرم ۱۴ھ اور محرم ۱۵ھ مقرر کیا ہے۔ یہ فوج اُس روز پہنچی جو جنگ کا آخری دن تھا اور جب لڑائی ختم ہو گئی تھی۔ صرف قعقعہ اپنے پیشرو دستے کے ساتھ دو دن پہلے پہنچ کر جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ میں جنگِ قادسیہ کا زمانہ محرم ۱۵ھ میں رکھتا ہوں اور اس کو اپنی ایک دوسری کتاب "تسخیر عراق" میں تفصیل سے بیان کروں گا۔

اس لئے کچھ کرنا تھا تو اب کرنا تھا۔ مقامی باشندے تو صرف امن کے خواہشمند تھے۔ لیکن ہربیس شہنشاہت کا ایک وفادار فرزند تھا، اور وہ جنگ میں شان وشوکت کا خواہاں تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ قلعے سے باہر نکل کر اچانک مُسلمانوں پر حملہ کرے گا اور اُن کو شکست دے گا۔ ہربیس کے اس فیصلہ کے ساتھ ہی تمام صورتِ حال ایک ایسے رُخ پر آ گئی کہ انجام سامنے تھا، اگرچہ وہ اس طرح کا انجام نہ تھا جو ہربیس کے دماغ میں تھا۔

ایک دن اچانک صبح کو باب رستن کھُلا اور ہربیس پانچ ہزار سپاہ کی قیادت کرتا ہوا اُن مُسلمانوں پر حملہ آور ہوا جو اِس دروازے کے سامنے موجود تھے اور جن کو ایسے حملے کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اس کے باوجود کہ مسلمانوں کا جو فوجی دستہ اس دروازے کے سامنے تھا سب سے زیادہ مضبوط تھا، حملہ اسقدر اچانک اور شدید کیا گیا کہ اس کے سپاہ کے پیر اُکھڑ گئے پیچھے ہٹ کر وہ جنگ کے لئے پھر منظم ہوئے، انھوں نے رُومیوں کے حملے کو روکا لیکن دباوُ اسقدر زیادہ تھا کہ اُن کی صفوں کے ٹوٹ جانے کا خطرہ نظر آ رہا تھا۔

اب ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا کہ وہ اِس صورتِ حال کو درست کریں۔ خالدؓ اپنے رسالے کو لیکر آگے بڑھے۔ اُنھوں نے اُن مسلمانوں کو اپنی قیادت میں لے لیا جن پر شدید دباوُ پڑ رہا تھا اور ان کو جنگ کے لئے پھر مرتب کیا۔ صبح کے ناگہانی ہنگامے نے مسلمانوں کو بددل کر دیا تھا۔ اور چونکہ پہلے ہی سردی سے بیحال تھے اِس لئے اِن کو سنبھلنے میں کچھ دیر لگی۔ لیکن جب اُنھوں نے خالدؓ کو اپنے درمیان دیکھا تو اُن کے حوصلے بڑھ گئے، اور انھوں نے رُومیوں سے برابر کی جنگ شروع کر دی۔ دوپہر تک یہی حالت رہی۔ اسکے بعد خالدؓ نے جارحانہ کارروائی شروع کر کے رُومیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا جب جا کر اُن کو پوری طرح پسپا کیا جا سکا۔ اس طرح ان کا ناگہانی حملہ ناکام ہو گیا اور وہ قلعے میں واپس چلے گئے۔ مگر مسلمانوں نے حمص کے بہادر رومی سپاہ اور اُن کے سالار ہربیس کو بہ نظرِ تحسین دیکھا۔

اگلے روز صبح کو ابو عبیدہؓ نے پھر فوجی مجلسِ مشاورت منعقد کی۔ مسلمان افسر بے تعلق سے نظر آرہے تھے اور اُن میں وہ جوش و خروش نہ تھا جو عموماً ہوا کرتا تھا۔ ابو عبیدہؓ نے پچھلے دن کے معرکے میں مسلمانوں کی کم ہمتی کا شکوہ کیا اور کہا کہ وہ اُنکی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھے۔ اس پر خالدؓ نے کہا کہ یہ رُومی اُن سب رُومیوں سے زیادہ بہادر تھے جن سے ان کا اب تک سابقہ پڑا تھا۔ ابو عبیدہؓ نے پوچھا" تب تم کیا مشورہ دیتے ہو، اے ابو سلیمان، اللہ تم پر رحم کرے؟" خالدؓ نے جواب دیا "اے سپہ سالار، کل صبح ہم کو اس قلعے سے روانہ ہو جانا چاہئیے اور .... "[1]

اگلے دن صبح سویرے رُومیوں نے حمص کے چاروں طرف مسلمانوں کے پڑاؤ میں ایک ہلچل سی دیکھی۔ خیمے اکھاڑے جا رہے تھے اور سامان کی گٹھڑیاں اونٹوں پر لادی جا رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی فوج نے جنوب کی طرف کوچ کر دیا اور اپنے پیچھے صرف چند چھوٹے فوجی دستے چھوڑے تاکہ وہ سامان کی روانگی، فوجیوں کے کنبوں اور گلّے کی دیکھ بھال کر سکیں۔ "لو چھٹکارا ملا۔ مسلمان محاصرہ ختم کر کے جنوب کی طرف جا رہے ہیں۔ موسمِ سرما نے آخر اپنا کام کر ہی دیا۔" یہ تھے وہ خیالات جو رُومیوں کو اِس نظارے سے خوش کر رہے تھے۔ لیکن ہربیس اس طرح کی جنگی واپسی سے خوش ہونے والوں میں نہ تھا۔ وہ فوجی اہمیت کے مواقع کو خوب پہچانتا تھا۔ اور ایک ایسا ہی موقعہ اس وقت موجود تھا۔ وہ فوراً پانچ ہزار رُومی سپاہیوں کو لے کر قلعے سے باہر آیا تاکہ مسلمانوں کا تعاقب کرے۔ قلعے سے باہر یہ جیسے ہی اسلامی پڑاؤ پر پہنچا اور چند مسلمان فوجیوں نے ان کو دیکھا تو وہ ششدر رہ گئے۔ بعض کی چیخیں نکل گئیں اور وہ خوفزدہ ہو کر جنوب کی طرف بھاگے، اور اپنے بیوی بچوں،

---

[1] واقدی: صـ ۱۰۳

مویشی اور سامان کو پیچھے چھوڑ دیا۔

ہربیس نے فیصلہ کیا کہ ان مسلمانوں کو فی الحال چھوڑ کے پہلے اُس مسلمان فوج کا پیچھا کیا جائے جو روانہ ہو چکی تھی۔ اُس نے اُن پر پیچھے سے حملہ کرنے کی غرض سے اپنی سوار فوج کے ساتھ تیزی سے پیچھا کیا اور حمص سے چند کوس کے فاصلے پر اسلامی فوج کو جالیا۔ ابھی اس کے سپاہ پسپا اسلامی فوج پر حملہ آور ہونے ہی والے تھے کہ مسلمانوں نے اچانک پلٹ کے ان پر شدید حملہ کر دیا۔ اس سے رومی ایسے بوکھلائے کہ بمشکل اپنے کو سنبھال پائے۔ مسلمانوں نے جیسے ہی رُومیوں پر حملہ شروع کیا، خالدؓ نے دو دستوں کو فوج سے جُدا ہونے کا حکم دیا اور وہ چکّر کاٹ کر پیچھے چلے گئے، رُومی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کچھ دستوں نے ان پر پیچھے سے بھی حملہ کر دیا ہے۔ خالدؓ نے یہ تجویز پہلے ہی مجلسِ مشاورت میں پیش کر دی تھی، اور اسلامی فوج نے اسے قبول کر لیا تھا۔ اب ان کا مشورہ بار آور ہو گیا تھا اور رومیوں کی فوج واقعی ایک آہنی حلقے میں پھنس گئی تھی۔ ہربیس کو ایک پادری کے الفاظ یاد آ گئے، جس نے اِس سے کہا تھا کہ "مسیح کی قسم مسلمان فوج کا یہاں سے جانا بھی ایک چال ہے، اس لئے کہ عرب کبھی اپنے جانور اور بیوی بچوں کو پیچھے نہیں چھوڑتے۔"[1] مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی، اور یہ سب کچھ سوچنا بے سُود تھا۔

مسلمانوں نے ان کو آہستہ آہستہ منظم انداز سے ہر طرف سے گھیر کے ان پر نیزوں اور تلواروں سے حملہ کیا۔ زمین پر رُومیوں کی نعشوں کا ڈھیر لگ گیا۔ ابتدا میں تو رومیوں نے بڑی جرأت سے بیباک درندوں کی طرح جنگ لڑی، لیکن جب اُن کے بہت سے آدمی مارے گئے تو وہ بددل اور مایوس ہو گئے۔ خالدؓ دائیں اور بائیں برابر تلوار سے حملہ کر کے اپنے تھوڑے سے ساتھیوں سمیت رُومی فوج کے قلب

---

[1] واقدی: صؔ ۱۰۴

پہنچنے کے لئے راستہ بنا رہے تھے۔ اور یہاں انہوں نے ہربیس کو دیکھا جو مصروفِ جنگ تھا اور لڑائی ختم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ خالدؓ نے اُس کا رُخ کیا، مگر اُس تک پہنچنے سے پہلے ایک بھاری بھرکم رُومی سالار بیچ میں آگیا۔ رومیوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ وُہ اگر یہاں سے بھاگ بھی نکلے تب بھی اُن کو کہیں امان نہیں ملے گی۔
عین اُس وقت جبکہ مسلمان گِھرے ہوئے رُومیوں پر حملے کر رہے تھے معاذ بن جبل ۵۰۰ سواروں کو لیکر حمص کی طرف دوڑ پڑے تاکہ بھاگنے والے رُومی دوبارہ قلعے میں داخل نہ ہوسکیں۔ مگر یہ جیسے ہی قلعے کے قریب پہنچے وہاں کے باشندوں اور اُن فوجیوں نے جو جلدی میں فوج کے ساتھ نہیں جا سکے تھے لپک کر قلعے کے دروازے بند کر لئے۔ معاذ بن جبل نے تمام دروازوں پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے تاکہ رُومی نہ اندر سے باہر آسکیں اور نہ واپس آنے والے رُومی اندر داخل ہوسکیں۔ اب مسلمانوں کا ڈیرہ قطعی محفوظ تھا
خالدؓ اُسی رُومی افسر سے جو چشم دید گواہوں کے بیان کے مطابق "شیر کی طرح دھاڑتا تھا"[1] ابھی تک دست و گریباں تھے۔ پہل کرنے والے بھی خالدؓ ہی تھے۔ مگر انہوں نے جب پُوری طاقت سے اُس پر تلوار چلائی جو فولادی ذرہ پہنے ہوئے تھا تو بجائے اُس کے خود کو کاٹنے کے خود تلوار ٹوٹ گئی اور خالدؓ کے ہاتھ میں صرف اُس کا دستہ رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ رُومی حملہ کرتا، خالدؓ آگے بڑھ کر اس کے لپٹ گئے اور اُنہوں نے ایک ایسی حرکت کی جو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہ آزمائی تھی اُنہوں نے اُس کو سینے کے گرد اپنی گرفت میں لے کر بھیچنا شروع کیا۔ اُس نے لاکھ ہاتھ پیر مارے مگر اُن کی گرفت سخت ہوتی گئی اور وہ اُن کے اِس شکنجے سے آزاد نہ ہو سکا۔ اُس کا دم گھٹنا شروع ہوگیا۔ آخر کار رُومی کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور

---

[1] ایضاً، صـ۱۰۲

اُن کے شکستہ کنارے اس کے گوشت میں پیوست ہو گئے۔ جب اُس کے جسم کی حرکت بند ہوگئی تو خالدؓ نے اپنی گرفت ڈھیلی چھوڑ دی، اور رُومی کا بے جان جسم زمین پر آ رہا۔

خالدؓ نے اپنے مخالف کو سچ مچ اپنے بازوؤں میں پیس کر رکھ دیا تھا۔[1] خالدؓ نے اسی رُومی افسر کی تلوار اُٹھائی اور اُس کی آواز پھر رن میں گونجنے لگی۔

جب خالدؓ نے واپسی کی چالباز تجویز پیش کی تھی، تو ابوعبیدہؓ کو یہ یقین دلایا تھا کہ "مسلمان رومیوں کے پرخچے اُڑا دیں گے اور اُن کی کمر توڑ دیں گے" اور وہ واقعی بڑی حد تک اس میں کامیاب ہو گئے۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ صرف ایک سو رُومی زندہ بچ کر نکل پائے۔[2] اِس کے خلاف مسلمانوں کے حمص کے پُورے حملے میں ۲۳۵ آدمی کام آئے۔

جیسے ہی یہ جھگڑا ختم ہوا، اسلامی فوج نے حمص واپس آکر پھر اس کا محاصرہ کر لیا۔ شہریوں میں اب جنگ کی مزید تاب نہیں تھی۔ وہ مشروط طور پر ہتھیار ڈالنا چاہتے تھے۔ ابوعبیدہؓ نے اُن کی یہ پیش کش قبول کر لی۔ یہ بات وسط مارچ ۶۳۶ء (آغازِ صفر ۱۵ھ) کی ہے۔ شہریوں نے فی کس ایک دینار کے حساب سے جزیہ ادا کر دیا اور حمص میں امن بحال ہو گیا۔ مسلمانوں نے نہ شہر کو لوٹا اور نہ کوئی نقصان پہنچایا۔

حمص کے ہتھیار ڈالنے کے بعد مسلمان ایک بار پھر شمالی علاقے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اِس دفعہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ پُورے شمالی شام پر جس میں حلب اور انطاکیہ شامل تھے۔ قبضہ کر لیں۔ وہ حماسے ہوتے ہوئے شیزر پہنچے۔

---

[1] ایضاً [2] واقدی: صفحہ ۱۰۴

یہاں رومیوں کا قافلہ قنسّرین کے لئے سامانِ خورد و نوش لے رہا تھا۔ اور ایک چھوٹا سا رومی فوجی دستہ تھا۔ خالدؓ سے سامنا ہوا اور انہوں نے اُن کو گرفتار کر لیا۔ جب اِن سے پوچھ گچھ کی گئی تو کئی باتیں معلوم ہوئیں اور اِن اطلاعات کی وجہ سے مسلمان آگے بڑھنے سے رُک گئے۔

مسلمانوں نے ہر اُس فوج کا مقابلہ کیا تھا جو ہرقل نے بھیجی اور ہر ایک کو شکست دی۔ انہوں نے تمام امدادی دستوں اور قلعہ بند فوجوں کو ہرایا اور سب ہی مسلمانوں کی اعلیٰ فوجی صلاحیت کے سامنے سرنگوں ہوئے۔ لیکن اس مرتبہ ہرقل کا منصوبہ تھا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک مہلک طوفان برپا کیا جائے، اور اگر مسلمانوں نے احتیاط سے کام نہ لیا ہوتا تو اس طوفان نے ان کی دھجیاں اُڑا کے صحرائے عرب میں بکھیر دئے ہوتے۔

شبِ یرموک

شام کے میدان جنگ کی نوعیت ایک ایسے اکھاڑے کی سی تھی جس میں مقابلہ کرنے والے مختلف سمتوں سے داخل ہوتے ہیں۔ ہر داخلے کے پار ایک وسیع خطہ تھا جو اس طرف سے داخل ہونے والے حریف کا اپنا علاقہ تھا۔ شام اور فلسطین کے مغرب میں بحیرۂ روم کا نیلا سمندر پھیلا ہوا تھا، جس کی حیثیت ایک "رومی جھیل" کی تھی۔ مشرق اور جنوب کی سمتوں میں صحرا تھا، جس پر عرب قدرت رکھتے تھے۔ بحیرۂ روم میں رومی بڑی آزادی سے، بغیر مسلمانوں کی مداخلت کے، اپنے جنگی جہازوں میں گھوم پھر سکتے تھے۔ اسی طرح مسلمان آزادی کے ساتھ، بغیر رومیوں کی مداخلت کے، اپنے اونٹوں پر ریگستان میں گھوم پھر سکتے تھے۔ نہ مسلمان پانی کے سمندر میں داخل ہونے کی جرأت کر سکتے تھے اور نہ رومی ریت کے سمندر میں۔ لیکن میدان کارزار کی مجموعی نوعیت ایسی تھی کہ طرفین اس میں اپنے اپنے فوجی جوڑ توڑ انجام دے سکتے تھے۔

پس اس رزم گاہ میں جنگ کرنے کے لئے موافق جگہ دونوں کو میسر تھی۔ دونوں اپنے سپاہ کو اس طرح منظم کر سکتے تھے کہ شکست کی صورت میں اپنی پناہ گاہ تک واپس جا سکیں، اور کامیابی کی صورت میں دشمن کو اس کے جائے پناہ تک پہنچنے سے پہلے برباد کر سکیں۔ مگر صورت حال رومیوں سے زیادہ مسلمانوں کے حق میں تھی، جو پسپا ہونے کی صورت میں صحرا کے کنارے تک باعزت طور پر بغیر کسی مالی اور ملکی نقصان کے پیچھے ہٹ سکتے تھے، جبکہ رومی ایسا کرنے سے اس لئے قاصر تھے کہ یہ ان کی شہنشاہی کا علاقہ تھا اور

ان کو اس کی مدافعت کرنی تھی۔ جو جنگی سہولت مسلمانوں کو اس طرح صحرا کے قریب جنگ کرنے میں حاصل تھی وہ ہرقل کے ذہن میں اس وقت موجود تھی جب وہ اپنی مہم کی سب سے بڑی کارروائی کی تیاری کر رہا تھا۔

ہرقل جب ۶۱۰ھ میں تخت نشین ہوا تب مشرقی شہنشاہی روم کی حالت ابتر تھی، اور اس کا علاقہ قسطنطنیہ کے اطراف اور یونان اور افریقہ کے چند حصوں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ شروع میں اسے بڑے کڑوے گھونٹ پینے پڑے، لیکن بعد میں اس کی تقدیر سنور گئی، اور تقریباً بیس سال کے عرصے میں اسے شہنشاہی کی کھوئی ہوئی شان و شوکت دوبارہ حاصل کر لی۔ اس نے شمال کے بربریوں کو، کاکیشیا کے ترکوں کو اور کسریٰ کی شہنشاہی کے نہایت مہذب ایرانیوں کو شکست دی۔ اور اس نے یہ کام صرف شدید جنگ ہی کے ذریعے نہیں کیا، بلکہ اس سے اہم تر، ماہرانہ حکمت حرب اور اعلیٰ تنظیم سے بھی انجام دیا۔ حکمت حرب میں ہرقل بڑا استاد تھا، اور اسی کی تنظیمی صلاحیت نے رومیوں کے لئے ایک ایسی شہنشاہی فوج کی تشکیل ممکن کر دی جو اپنے پھیلاؤ کے باوجود منظم تھی اور جس میں مغربی یورپ کے فرنگیوں سے لیکر جنوبی کاکیشیا کے آرمینیوں تک کوئی بارہ مختلف اقوام کے لوگ شامل تھے۔

اب ایک بار پھر ہرقل کو کڑوے گھونٹ پینے پڑ رہے تھے، اور ان کو مزید کڑوا اس حقیقت نے بنا دیا کہ اس نسل کے لوگوں نے ان کو نکلوایا جن کو رومی بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جن کو وہ اس قدر پس ماندہ اور مفلوک الحال سمجھتے تھے کہ ان سے شہنشاہی کے لئے کوئی جنگی خطرہ لاحق ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا مسلمانوں کے خلاف تمام جنگی چالیں، باوجود اپنی بے نقص حکمت کے، شکست کھا چکی تھیں۔

اجنادین کی پہلی ہی جنگ میں جب رومی فوجوں نے جمع ہو کر اسلامی فوج کے عقب پر حملہ کرنا چاہا تو وہ خالدؓ کے ہاتھوں تباہ ہو گئیں۔ ہرقل کی یہ کوشش کہ وہ مسلمانوں

کی کامیابی کو شام کے مضبوط دفاع کے ذریعے روک لے ناکام ہوگئی تھی، اور باوجود اس کے کہ اس نے محصور فوج کو تقویت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اس کی یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی کہ وہ بیسان کے مقام پر تازہ دم رومی فوج کو جمع کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دے۔ اس فوج کو شرجیلؓ نے پیٹ ڈالا تھا۔ دمشق کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے ناکام بنا دی تھی۔ اس کی دیگر مدافعانہ کوششیں بھی مسلمانوں کی یکے بعد دیگرے فتوحات سے پامال ہو چکی تھیں۔ مسلمان تقریباً پورے فلسطین، شام اور شمال میں حمص تک قابض ہو چکے تھے۔

ہرقل نے اب ایک شدید حتمی انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے طے کیا کہ ایک ایسی فوج تیار کی جائے جس کی مثال شام میں کبھی نہ دیکھی گئی ہو اور جس کے ساتھ مسلمانوں کو اس طرح جنگ میں اُلجھایا جائے کہ اس کی گرفت سے شاذ ہی کوئی بچ پائے۔ یہ منصوبہ شکست کو شاندار کامیابی میں تبدیل کرنے کی خاطر باندھا گیا۔

۶۳۵ء کے آخر میں، جب حمص کا محاصرہ جاری تھا، ہرقل نے اپنی اس عظیم کارروائی کے لئے تیاری شروع کر دی۔ شہنشاہی کے تمام علاقوں سے جیش جمع کئے گئے اور ان میں شہزادوں، امراء اور معززینِ کلیسا نے شرکت کی۔ مئی ۶۳۶ء تک ۱۵۰،۰۰۰ سپاہ کا لشکر جمع ہوگیا۔ اس کو پوری طرح مسلح کرنے کے بعد انطاکیہ کے علاقے میں اور شمالی شام کے بعض حصوں میں متعین کر دیا گیا۔ اس طاقتور لشکر میں روسی، سلافی، فرنگی، رومی، یونانی، جارجیا و آرمینیا کے باشندے اور عیسائی عرب شامل تھے[1]۔ اہلِ صلیب کی کوئی ایسی قوم نہ تھی جس نے اس لشکر کے لئے حملہ آوروں کے خلاف بطور عیسائی مجاہدوں کے جنگ کرنے کو جنگجو مہیا نہ کئے ہوں۔ اس لشکر کو پانچ فوجوں میں تقسیم

---

[1] واقدی: ص۱۰۰

کیا گیا۔ ہر فوج میں ۳۰،۰۰۰ سپاہ تھے۔ ان افواج کے سپہ سالار یہ تھے: ماہان، شاہ آرمینیا[1]۔ روسی شہزادہ قناطیر۔ جرجیر (گریگوری)۔ دیرجان۔ جبلہ بن ایہام شاہ غسان عربی ماہان خالص آرمینی فوج کا سپہ سالار تھا۔ جبلہ کے ماتحت خالص عیسائی عربوں کی فوج تھی۔ قناطیر کے ماتحت تمام روسی اور سلافی سپاہ تھے۔ بقیہ تمام یورپی دستے جرجیر اور دیرجان کے ماتحت تھے[2]۔ اس پورے شہنشاہی لشکر کا سپہ سالار اعلیٰ ماہان کو مقرر کیا گیا۔

اس وقت مسلمان چار فوجی گروہوں میں منقسم تھے: فلسطین میں عمروؓ بن العاصؓ، اردن میں شرجیلؓ، قیساریہ میں یزیدؓ، حمص اور شمالی علاقے میں خالدؓ اور ابوعبیدہؓ۔ اس منتشر حالت میں مسلمان ایسے بے بس تھے کہ ان کے ہر جیش پر اس طرح حملہ کیا جاسکتا تھا کہ اس کے لئے کامیاب جنگ لڑنے کا کوئی موقع نہ ہوتا۔ اور اس صورت حال سے ہرقل نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

قیساریہ کی فوج کی تعداد رومی بحریے کے ذریعے ۴۰،۰۰۰ سپاہ تک بڑھادی گئی، تاکہ یزید یہاں پھنسے رہیں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے حرکت نہ کرسکیں۔ باقی شہنشاہی لشکر کی کارروائی کے لئے مندرجہ ذیل ہدایات دی گئیں:

(ا) قناطیر ساحل کے ساتھ ساتھ بیروت تک جائے۔ پھر وہاں سے مغربی سمت میں دمشق کا رخ کرے اور ابوعبیدہؓ کا راستہ کاٹ دے۔

(ب) جبلہ حلب سے حما ہوتے ہوئے براہ راست حمص جائے اور مسلمانوں کی حمص کے علاقے میں سامنے کی رخ سے مزاحمت کرے۔ عرب عیسائی سب

---

[1] اس بادشاہ کا نام باھان بھی بتایا گیا ہے۔ [2] واقدی: ص ۱۰۶

سے پہلے مسلمان عربوں کا سامنا کریں، جو شاید حالات کے مطابق مناسب بھی تھا۔ ہرقل نے اس سلسلے میں جبلہ سے کہا تھا کہ "ہر جنس ہم جنس سے برباد ہوتی ہے، فولاد کو فولاد ہی کاٹتا ہے۔"[1]

(ج) دیرجان ساحل سمندر اور حلب کے درمیان چل کے مغرب کی طرف سے حمص پہنچے اور مسلمانوں کے بائیں بازو پر اس وقت حملہ کرے جب سامنے سے جبلہ کی فوج ان کو روکے ہوئے ہو۔

(د) جرجیر شمال مشرق سے حمص کی طرف بڑھے اور مسلمانوں کے دائیں بازو پر عین اس وقت حملہ کرے جب دیرجان بھی برسرپیکار ہو۔[2]

(ہ) ماہان کی فوج عیسائی عربوں کے عقب میں بڑھے اور موقعے کی مناسبت سے حرکت میں آنے کے لئے تیار رہے۔

اس طرح اسلامی فوج کو حمص میں اس سے کوئی دس گنا زیادہ فوج کا لقمہ اجل بنانے کا منصوبہ یوں بنایا گیا کہ اس پر ہر طرف سے حملہ ہو اور اس کے فرار کے تمام راستے کاٹ دیئے جائیں۔ (دیکھئے نقشہ ۱۹۔) یہ صورت حال خود خالدؓ کے بس کی بھی نہ ہوتی۔ حمص میں مسلمانوں کے خاتمے کے بعد کے لئے شہنشاہی لشکر کی ہدایات یہ تھیں کہ وہ جنوب کی طرف پیشقدمی کرے، جبکہ قیسار یہ کی قلعہ بند فوج ساحل کی طرف سے آگے بڑھے، اور رومی افواج اپنی بے پناہ طاقت، کو ہر اسلامی جیش کے خلاف یکے بعد دیگرے جنگوں میں مرکوز کر کے سب کو فنا کر دیں۔

---

[1] واقدی: ص ۱۰۶

[2] واقدی (ص ۱۰۲) جرجیر کا راستہ "عراق سے" بتاتا ہے۔ چونکہ عراق کا زیادہ تر حصہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا، اسکا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس نے وہ راستہ اختیار کیا جسکی میں نے نشاندہی کی ہے۔

تمام مملکت میں شہنشاہی لشکر کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔ سپہ سالاروں اور پادریوں نے سپاہ کو اپنے عقیدے کی مدافعت اور اپنی سرزمین اور اپنے لوگوں کو حملہ آوروں سے بچانے کی تلقین کی۔ اس طرح جون ۶۳۶ء میں شاہی افواج کو انطاکیہ اور شمالی شام سے ہرقل کے شاطر منصوبے کے مطابق روانہ کیا گیا۔

جب جبلہ کی فوج کے پیش رو دستے حمص پہنچے تو وہاں ان کو مسلمان نہیں ملے۔' قناطیر کی فوج نے مغرب کی طرف سے اس خوش فہمی کے ساتھ دمشق پر حملہ کیا کہ وہ یہاں اور شمال میں گھرے ہوئے مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ مگر دمشق میں ایک بھی مسلمان سپاہی موجود نہ تھا، اور نہ شمال میں۔ شکار ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

مسلمانوں کو پہلی مرتبہ شیزر میں رومی قیدیوں کے ذریعے ہرقل کی تیاریوں کا علم ہوا۔ مسلمانوں نے پورے ملک میں جاسوسی کا اتنا اچھا نظام قائم کر لیا تھا کہ' دشمن کی فوج کی کوئی بڑی حرکت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ دراصل خود رومی فوج میں مسلمانوں کے جاسوس موجود تھے۔ دن ہفتوں میں تبدیل ہوتے گئے اور مسلمانوں کو جو خفیہ اطلاعات جاسوسوں کے ذریعے ملتی رہیں ان کو باہم ملا کے انھوں نے صورت حال کا اندازہ لگا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابھی رومی افواج پوری طرح حرکت میں بھی نہیں آئیں تھیں کہ مسلمانوں کو ان کی تیاریوں اور ان کے عزائم کا پتا چل گیا۔ یہاں تک کہ قیساریہ کے لئے کمک اور اس کی نئی فوجی قوت کی بھی خبر ان کو مل گئی۔

مسلمان ان اطلاعات سے عجیب شش و پنج میں مبتلا تھے۔ ہر نئی اطلاع سابقہ اطلاع سے بدتر تھی۔ مایوسی بڑھ رہی تھی، لیکن خالدؓ کی بے خطا حربی حس نے یہ تاڑ لیا تھا کہ ہرقل کی چال کیا ہے اور حمص و شیزر میں اسلامی فوج کس قدر خطرے کی زد میں ہے۔ اس صورت حال کے مدنظر مصلحت اسی بات میں تھی کہ شمالی اور وسطی شام سے اور فلسطین سے بھی، جیوش واپس بلا کر اور انہیں مجتمع کر کے رومیوں کے ٹڈی دل لشکر

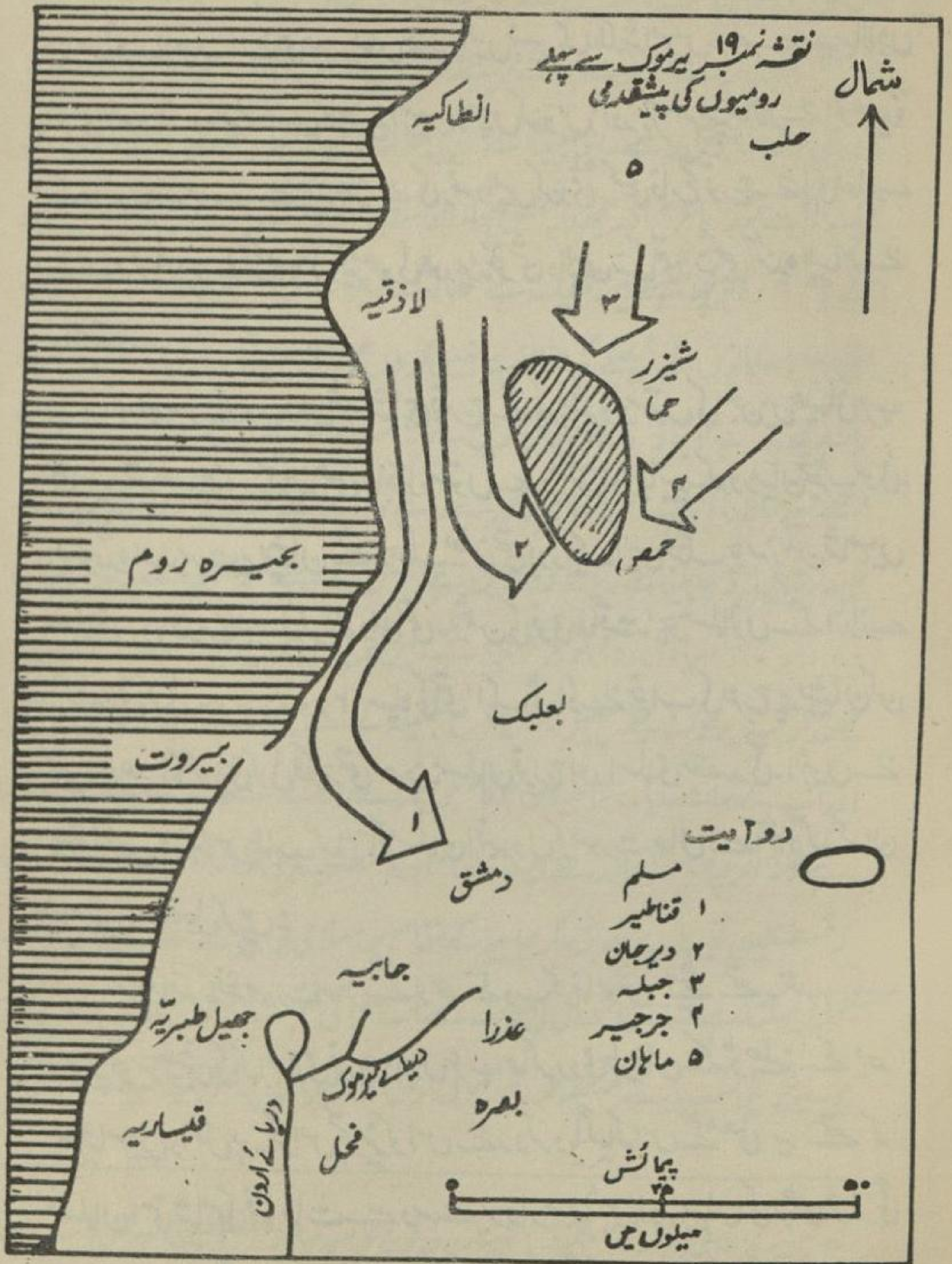
کے خلاف ایک متحدہ محاذ اپنے مہربان صحرائے قریب ہی قائم کیا جائے۔ خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کو یہی مشورہ دیا، اور انہوں نے بحیثیت سپہ سالار اعلیٰ کے اسے قبول کر لیا۔ اس کے مطابق انہوں نے فوج کو جابیہ کی طرف واپس ہٹنے کا حکم دے دیا۔ جابیہ میں شام، اردن اور فلسطین سے راستے آملتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شام میں سپہ سالار اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے شرجیلؓ، یزیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو حکمنامے بھیجے کہ وہ اپنے اپنے مقبوضات کو چھوڑ کر ان سے آملنے کو جابیہ پہنچ جائیں۔ اس سے پہلے کہ رومی افواج دمشق پہنچیں، ابو عبیدہؓ اور خالدؓ، یزیدؓ کے سپاہ سمیت جابیہ پہنچ گئے، اور باقی جیش ان سے آملنے کو روانہ ہو گئے۔ اسلامی افواج نے اس طرح اپنے آپ کو بڑے اطمینان سے موت کے منہ سے بچا لیا۔

ابو عبیدہؓ نے حمص سے کوچ کرتے وقت اہل حمص کے ساتھ جو قابل ستائش فیاضانہ سلوک کیا اس سے اس شریف اور بہادر سپہ سالار کے احساس عدل اور سچائی پر روشنی پڑتی ہے۔ حمص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے مقامی باشندوں سے جزیہ وصول کیا تھا، اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، غیر مسلموں سے یہ محصول لینے کا مطلب یہ تھا کہ ان کو فوجی خدمات سے معاف اور دشمنوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔ لیکن اب جبکہ مسلمان شہر کو چھوڑ رہے تھے، ابو عبیدہؓ نے ایک اجلاس بلایا اور یہ کہہ کر جزیے کی رقم واپس کر دی کہ "اب ہم آپ کی مدد اور حفاظت کرنے کے قابل نہیں رہے۔ آپ اپنے معاملات خود ہی سنبھالیں"۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ "آپ کا راج اور عدل ہم کو اس حالت ظلم و جبر سے زیادہ عزیز ہے جس میں ہم پہلے رہتے تھے"۔[1]

حمص کے یہودیوں نے مسلمانوں سے دوستی اور وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے

---

[1] بلاذری: صـ ۱۴۳۔



نقشہ نمبر ۱۹ یرموک سے پہلے
رومیوں کی پیشقدمی
شمال
حلب
انطاکیہ
لاذقیہ
شیزر
حما
حمص
بحیرہ روم
بعلبک
بیروت
دمشق
جابیہ
جھیل طبریہ
عذرا
دریائے یرموک
بصرہ
قیساریہ
دریائے اردن
فحل
رو آیت
مسلم
۱ قناطیر
۲ دیرجان
۳ جبلہ
۴ جرجیر
۵ ماہان
پیمائش
۵۰
۲۵
میلوں میں

قسم کھائی کہ ہرقل کے رومی افسر حمص میں سوائے طاقت کے بل پر ہرگز داخل نہیں ہو سکیں گے۔ ابو عبیدہؓ نے صرف اپنے ہی صوبے میں جزیہ واپس نہیں کیا بلکہ شام میں دوسرے سپہ سالاروں کو بھی حکم دیا کہ وہ غیر مسلموں کا جزیہ انہیں واپس کر دیں' اور ہر مسلم سپہ سالار نے ابو عبیدہؓ کے جابیہ روانہ ہونے سے پیشتر جزیے کی رقم واپس کر دی۔[1] کسی فاتح فوج نے باہمی معاہدے کے تحت کوئی چیز لے کر کبھی اس غیر معمولی طور پر، بخوشی واپس نہ کی تھی، نہ کبھی آئندہ ایسا ہونے والا تھا۔

۶۳۶ء کے وسط میں شہنشاہی فوج کے کچھ پیشرو دستوں کی، جن میں عیسائی عرب شامل تھے، مسلمانوں کے چند عقبی محافظ دستوں سے دمشق اور جابیہ کے درمیان جھڑپ ہوئی۔ ابو عبیدہؓ اب بہت پریشان تھے۔ جنگ یقینی تھی اور ایک ایسی جنگ جو سرزمین شام میں مسلمانوں کی تقدیر کا فیصلہ کرنے والی تھی۔ دشمن کی فوجی طاقت، جو مسلمانوں کے اندازے کے مطابق کوئی ۲,۰۰,۰۰۰ سپاہ کی تھی، ایک ڈراؤنے خواب کی طرح پریشان کن تھی۔ ابو عبیدہؓ کو اپنی کوئی فکر نہ تھی، صرف مسلمان فوج اور اسلامی مقصد کی۔ انہوں نے جنگی مجلس کا اجلاس طلب کیا، تاکہ مسلمان افسروں کو صورت حال سے آگاہ کر کے ان کا مشورہ حاصل کریں۔

تمام افسر مدنظر صورت حال کے بوجھ تلے دب کر خاموش بیٹھے تھے۔ تب ایک نے یہ تجویز پیش کی کہ اسلامی فوج واپس عرب جا کر رومی طوفان کے ڈھلنے کے بعد پھر شام میں داخل ہو۔ مگر اس تجویز کو اس لئے رد کر دیا گیا کہ اس کے معنی یہ تھے کہ مسلمان اپنی شام کی فتوحات سے دست بردار ہو جائیں اور یہاں کی اچھی زندگی کو ترک کر کے ریگستان کی مشکل اور فاقہ زدہ زندگی کو دوبارہ اختیار کر لیں۔ دوسرے

---

[1] ابو یوسف: ص ۱۳۹۔

لوگوں نے مشورہ دیا کہ "یہیں اور ابھی" جنگ لڑی جائے، کہ فتح دینے والا اللہ ہے۔ اس تجویز کی تقریباً سب افسروں نے حمایت کی۔ مجلس کا مزاج ضرر امنگ بالکل نہ تھا، بلکہ صرف لڑنے اور لڑتے ہوئے مرنے کا ایک پختہ عزم تھا۔ اس تمام بحث کے دوران خالدؓ خاموش رہے۔ ابوعبیدہؓ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا "اے ابوسلیمان! تم ایک جرأت مند، باعزم اور سمجھدار شخص ہو۔ ان سب باتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" "وہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک ہے" خالدؓ نے جواب دیا۔ "میری رائے کچھ اور ہے، لیکن میں مسلمانوں کے فیصلے کی مخالفت نہیں کروں گا۔" ابوعبیدہؓ نے کہا "اگر تمہاری رائے کچھ اور ہے تو بتاؤ، ہم اس پر عمل کریں گے۔" تب خالدؓ نے اپنی تجویز پیش کی: "سنیئے، اے سپہ سالار! اگر آپ اس مقام پر ٹھہرے رہے تو آپ اپنے خلاف دشمن کی مدد کریں گے۔ قیساریہ میں، جو جابیہ سے زیادہ دور نہیں ہے، ہرقل کے بیٹے قسطنطین کے زیر قیادت ۴۰,۰۰۰ سپاہ کی رومی فوج موجود ہے[1]۔ میں تو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ عذرا کو پیچھے چھوڑ کر آپ یرموک چلے چلیں۔ اس طرح خلیفہ کے لئے بھی کمک بھیجنا آسان ہو جائیگا، اور آپ کے سامنے ایک بڑا میدان ہوگا، جو ہمارے رسالے کے حملے کے لئے عین موزوں رہے گا[2]۔" اگرچہ صراحتاً خالدؓ نے ایسا نہ کہا، ان کا مطلب یہی تھا کہ اس بات کا خدشہ تھا کہ قسطنطین قیساریہ سے بڑھ کر جابیہ کے مقام پر اسلامی فوج کے عقب پر اس وقت حملہ کر سکتا ہے جب وہ شمال کی طرف سے آنے والی شہنشاہی فوج سے برسرپیکار ہو۔ یہ تجویز سب نے متفقہ طور پر قبول کر لی، اور پھر اس پر عمل کیا گیا۔ خالدؓ کو

---

[1] گبن کے مطابق (جلد ۵، ص۳۳۳) قیساریہ کی فوج کا سپہ سالار، قسطنطین، ہرقل کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

[2] واقدی: ص۱۰۹۔

۴۰۰۰ سواروں کے متحرک رسالے کے ساتھ بطور عقبی محافظ فوج کے پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ لیکن بجائے جابیہ میں ٹھہرے رہنے کے، انہوں نے آگے بڑھ کے جابیہ کی طرف آتی ہوئی رومی فوج کے پیش رو دستوں سے ٹکر لی، اور ان پر حملہ کر کے ان کو دمشق کی طرف دھکیل دیا۔ اس معرکے نے رومیوں کو محتاط بنا دیا، اور اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کی بازگشت میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہ کی۔ کچھ دن بعد خالدؓ بھی مرکزی فوج سے جا ملے۔

مسلمانوں نے جنوب مشرق کی طرف چند میل سفر کرنے کے بعد اس میدان کے مشرقی حصے میں ایک قطار میں ڈیرے ڈال دیئے جس کو ہم کسی بہتر نام سے موسوم نہ کر سکنے کی وجہ سے "میدان یرموک" کہہ سکتے ہیں۔ مسلم ڈیروں کے محل وقوع کا ہمیں علم نہیں، مگر اغلب ہے کہ وہ موجودہ نوا سے شیخ مسکین تک کی سیدھ کے جنوب میں اس طرح صف آرا تھے کہ ان کا رُخ شمال مغرب کی طرف تھا، اور وہ اس لئے شمال (محور جابیہ) سے اور شمال مغرب (قنطیرہ) سے بھی ہونے والے رومی حملے کے خلاف، دونوں سمت، پرے جما سکتے تھے۔ یہاں ابوعبیدہؓ کے ساتھ شرجیلؓ، عمرو بن العاصؓ اور یزید کی فوجیں آکر مل گئیں۔ جہاں مسلمان مقیم تھے وہاں سے مشرق کی طرف کچھ فاصلے پر لاوے کی پہاڑیاں، جن کا رُخ شمال سے عذرا کے مشرق کی طرف تھا، اور بصریٰ کے شمال اور مشرق میں جبل الدروز کی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

چند دن کے بعد رومی لشکر، ہلکے ہتھیاروں سے لیس عیسائی عربوں کو ہراول میں لئے، پیش قدمی کرتا ہوا میدان یرموک کی سرحدی اسلامی چوکیوں کے قریب آگیا۔ رومیوں کی بڑی فوج کے اصل راستے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، مگر معلوم یقیناً یہ ہوتا ہے کہ وہ شمال مغرب کی طرف سے آئے، کیونکہ رومیوں نے اپنا پڑاؤ وادیٔ الرقاد کے شمال میں ڈالا۔ (یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خالدؓ کے ساتھ محور جابیہ میں ہونے والی جھڑپ نے ان کو

راستہ تبدیل کرنے پر مائل کیا ہو۔) رومیوں کا محاذ ۱۸ میل لمبا تھا، اور اس کے اور اسلامی پڑاؤ کے درمیان یرموک کے میدان کا وسطی اور وسط مغربی حصہ پھیلا ہوا[1] تھا۔ رومیوں کی آمد اور ان کی مورچہ بندی کے بعد رومیوں کے حملے کا رُخ ظاہر ہوگیا، اور ابو عبیدہؓ نے یرموک سے جابیہ کے راستے تک پھیلے ہوئے محاذ کی مناسبت سے مسلمانوں کی صف آرائی کا بندوبست کیا۔ خالدؓ کے مشورے کے مطابق، فوج کی پشت عذرا کی طرف تھی اور ایک پہلو یرموک کے کنارے پر۔

اب دونوں فوجوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جم کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، جن میں مخالف فوج کی حرکات و سکنات کا جائزہ، منصوبوں کا بنانا، احکامات جاری کرنا اور اسلحہ کی جانچ پڑتال شامل تھے۔ مسلمانوں کو رومی فوج ٹڈی دل کی طرح پھیلی نظر آ رہی[2] تھی۔

ابھی رومیوں نے پوری طرح مورچے بھی قائم نہ کئے تھے کہ ہرقل کا بھیجا ہوا ایک ہرکارہ آرمینی سپہ سالار ماھان کے لئے یہ پیغام لے کر آیا کہ مسلمانوں سے اس وقت تک جنگ شروع نہ کی جائے جب تک پر امن مذاکرات کے تمام ذرائع آزما نہ لئے گئے ہوں۔ اس سلسلے میں ماہان کو یہ ہدایات دی گئی کہ عرب واپس لوٹنے اور دوبارہ شام کا رخ نہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں تو ان کو فیاضانہ شرائط پیش کی جائیں۔ لہٰذا ماہان نے اپنی فوج کے ایک سالار، جرجیر، کو مسلمانوں سے بات چیت کرنے کے لئے بھیجا۔ جرجیر سوار ہو کر مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف آیا، اور اس کے سامنے ٹھہر کر اس نے ابو عبیدہؓ سے تبادلۂ خیال کیا۔ رومی سالار نے یہ پیش کش

---

[1] واقدی (صفحہ ۱۰۹) کے مطابق رومیوں کا پڑاؤ جولان کے قریب تھا (جو وادی الرقاد اور طائبریس جھیل کے درمیان اور اس کے شمال کے علاقے میں واقع ہے) اور مخالف صفوں کے درمیان فاصلہ تقریباً ۱۱ میل تھا (تین فرسخ، جبکہ ایک فرسخ ۶۰۰۰ میٹر کے برابر ہوتا ہے۔)

[2] واقدی: صفحہ ۱۱۸۔

کی کہ مسلمان وہ تمام مال و متاع لے کر جا سکتے ہیں جو شام میں ان کے ہاتھ آیا، بشرطیکہ وہ شام پر پھر چڑھائی کرنے کے تمام ارادے ترک کر دیں۔ ابو عبیدہؓ نے جواب نفی میں دیا، اور رومی سالار خالی ہاتھ واپس آ گیا۔ اس کے بعد ماہان نے جبلہ کو اس امید میں بھیجا کہ وہ عرب ہونے کی وجہ سے شاید مسلمانوں کے شام سے چلے جانے کے سلسلے میں زیادہ کامیابی کے ساتھ گفتگو کر سکے۔ جبلہ نے مسلمانوں کو قائل کرنے کی پوری کوشش کی، مگر جرجیر کی طرح وہ بھی ناکام لوٹا۔ اب ماہان کو معلوم ہوا کہ جنگ ناگزیر ہے اور اسے ٹالنے کی کوئی سبیل نہیں۔ لہٰذا اس نے جبلہ کو اپنی بیشتر عرب فوج کے ساتھ مسلمانوں پر ایک تفتیشی حملہ کرنے کو آگے بھیجا۔ اس اقدام کا اصل مقصد جارحانہ کارروائی شروع کرنے سے زیادہ یہ تھا کہ ایک پُر زور قراولی پیش قدمی سے مسلم محاذ کی طاقت کا صحیح اندازہ لگایا جائے۔ اس کام کے لئے متحرک عیسائی عرب اپنے شہنشاہی لشکر کے زیادہ بھاری اسلحہ سے لیس ساتھیوں سے زیادہ موزوں تھے۔ یہ بات وسط جولائی ۶۳۶ء (مطابق وسط جمادی الآخر ۱۵ھ) کی ہے۔

جبلہ اپنے عربوں کو لے کر آگے بڑھا تو اس نے مسلمانوں کو جنگ کے لئے صف آرا پایا۔ نصرانی بڑی احتیاط سے اس امید میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا کہ مسلمانوں کے حتی الامکان قریب پہنچ کر ہی عام حملے کا حکم دیا جائے۔ لیکن اس سے قبل کہ جبلہ ایسا کوئی حکم دے سکتا، اس نے اپنے آپ کو اللہ کی تلوار کے تحت مسلم رسالے کے گروہوں کے حملے کا ہدف پایا۔ کچھ دیر کی نیم ہمت مدافعت کے بعد عیسائی عرب پسپا ہو گئے، اور ماہان کے اس اندیشے کو تقویت پہنچی کہ ان مسلمانوں سے جنگ کرنا کوئی آسان معاملہ نہ ہوگا۔

اس کے تقریباً ایک ماہ بعد تک میدان یرموک میں کوئی بڑی کارروائی نہیں ہوئی۔ اس تعطل کی وجوہ پر علم کی عدم موجودگی میں ہم یہی قیاس لگا سکتے ہیں کہ مسلمان اس قدر طاقتور نہیں تھے کہ وہ جارحانہ کارروائی شروع کرتے، اور رومی اس قدر جرأت مند نہیں تھے

کہ وہ خود ابتدا کرتے۔ بہر حال یہ وقفہ مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہوا، کیونکہ اسکے دوران مزید ۶۰۰۰ مجاہد آکر لشکر اسلام میں شامل ہوگئے۔ اس کمک میں اکثریت اہل یمن کی تھی۔ اب مسلمانوں کی کل فوج میں ۴۰,۰۰۰ جنگجو تھے، جن میں ۱۰۰۰ اصحاب رسول شامل تھے۔ اور ان ۱۰۰۰ اصحاب میں ۱۰۰ صحابی اسلام کی پہلی جنگ، غزوہ بدر کے نبرد آزما تھے۔ اس فوج میں معزز ترین شہری شریک تھے مثلاً زبیرؓ (رسول اللہ کے پھوپی زاد بھائی اور عشرۂ مبشرہ میں سے ایک)، ابو سفیان اور ان کی بیوی ہند۔

جب جبلہ کو پسپا ہوئے ایک مہینہ گزر گیا، تو ماہان کو خیال ہوا کہ وہ اب جارحانہ کارروائی کی ابتدا کرنے کے قابل ہوگیا ہے۔ مگر اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے پر امن تصفیے کی ایک اور کوشش کرلی جائے۔ اس دفعہ اس نے خود بات چیت کرنے کا تہیہ کیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ مسلمان کسی سفیر کو اس کے پاس بھیجیں۔ ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو چند سپاہ کے ہمراہ بھیج دیا۔ خالدؓ اور ماہان کی ملاقات رومی پڑاؤ میں ہوئی۔ مگر ان کی بات چیت کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا، چونکہ طرفین کے موقف اتنے سخت تھے کہ ان میں کسی تصفیے کی گنجائش نہ تھی۔ ماہان نے خالدؓ کو اپنی عظیم لشکری قوت سے ڈرانے کی کوشش کی، اور ساتھ ہی ایک خطیر رقم سب مسلمانوں اور مدینہ میں ان کے خلیفہ کے لئے پیش کی۔ لیکن خالدؓ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور انہوں نے حسب معمول تین متبادل چارۂ کار پیش کئے۔ اسلام، جزیہ یا تلوار۔ آرمینی سپہ سالار نے تلوار کو منتخب کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث مباحثے کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ دونوں سپہ سالار ایک دوسرے سے مرعوب ہوئے، اور مسلمان ماہان کو ایک ایسا عمدہ آدمی سمجھنے لگے جس میں بس ایک نقص، بقول ابو عبیدہؓ، یہ تھا کہ "اس کی عقل پر شیطان نے قبضہ کرلیا ہے"[1]۔

جب دونوں رہنما جدا ہوئے تو وہ یہ جان کے جدا ہوئے کہ اب پھر کوئی مذاکرات

---

[1] واقدی: صفحہ ۱۲۸۔

نہ ہوں گے۔ اب ایسا مقام آچکا تھا جہاں سے واپسی ممکن نہیں، اور دوسرے دن جنگ لازماً شروع ہونے والی تھی۔

بقیہ تمام دن طرفین نے جلد جلد بےچینی سے جنگ کی تیاری کرنے میں گزارا۔ منصوبوں کو آخری شکل دے کر احکامات جاری کئے گئے۔ جیوش اور دستوں کو اس طرح مرتّب کیا گیا کہ ہر ایک جنگ میں اپنے مقام سے واقف ہو۔ افسروں اور سپاہ نے اپنے اپنے بکتر و اسلحہ کو جانچا۔

دونوں طرف جوش و خروش سے فتح کی دعائیں مانگی گئیں۔ خدا سے التجا کی گئی کہ وہ سچّے اعتقاد کی مدد کرے۔ اور یقیناً ان دونوں نے ایک ہی خدا سے دعا مانگی۔ رومیوں کی طرف پادریوں نے صلیبیں لہرائیں اور سپاہیوں کو مسیح کے لئے مر مٹنے کی ترغیب دی۔ ہزاروں عیسائیوں نے موت کی قسم کھائی کہ وہ لڑتے ہوئے مریں گے اور دشمن سے نہ بھاگیں گے۔ ان میں سے بہتیرے اپنے قول کے پکے نکلے۔

فریقین کے درمیان میدان یرموک کا وہ حصّہ پھیلا ہوا تھا جو مغرب اور جنوب کی طرف گہری گھاٹیوں میں گھرا ہوا تھا۔ مغربی سمت میں عمیق وادئ الرّقاد تھی، جس کی ندی یاقوصہ کے مقام پر دریائے یرموک سے جا ملتی تھی۔ یہ ندی شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف بہتی ہوئی ۱۱ میل تک ایک گہرے کھڈ میں سے گزرتی تھی، جس کی ڈھلانٔ اس کے آخری حصے میں کچھ کم ہونے کے علاوہ، بہت شدید تھی۔ گھاٹی چند اور جگہوں پر بھی عبور کی جا سکتی تھی، لیکن اصل پار کرنے کی جگہ ندی کے ایک پایاب مقام پر تھی، جہاں کفر الماءٔ نامی گاؤں آج بھی موجود ہے۔ میدان جنگ کے جنوب میں دریائے یرموک کی گھاٹی جلّین سے شروع ہو کر ناک کی سیدھ میں ۱۵ میل تک بل کھاتی ہوئی جا کے وادئ الرّقاد سے آملتی تھی۔ اور آگے جا کر وہ طبریہ جھیل (بحر گلیلی) کے جنوب میں دریائے اُردن سے جا ملتی تھی۔ جلّین کے مقام پر ایک ندی، جس کو حریر کہا جاتا تھا، شمال

مشرق سے بہہ کر دریائے یرموک میں مل جاتی تھی۔ شمال کی سمت میں میدان یرموک میدان جنگ سے بہت آگے تک پھیلا ہوا تھا۔ اور مشرق کی جانب وہ وادیٔ الرقّاد سے ۳۰ میل دور تک عذرا کی پہاڑیوں کے دامن تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میدان کا مغربی اور وسطی حصّہ میدان کارزار تھا۔

میدان جنگ کی دو خصوصیات سب سے نمایاں تھیں۔ ایک وادیٔ الرقّاد اور دوسری دریائے یرموک کی گھاٹی۔ دونوں کے کھڈ ایک ایک ہزار فٹ گہرے تھے۔ اگرچہ ان گھاٹیوں کی تیز ڈھلان بذات خود ہی نقل و حرکت کی راہ میں کافی مشکل رکاوٹ تھی، اس کے علاوہ گھاٹیوں کے تقریباً تمام طول میں جگہ جگہ ایسی کھڑی چٹانیں تھیں جن کے پاس جانے سے ڈر لگتا تھا۔ کہیں یہ چٹانیں گھاٹی کی تہہ میں تھیں تو کہیں بالائی حصے میں اور کہیں بیچ بیچ۔ ان چٹانوں کی اونچائی سو دو سو فٹ کے درمیان تھی، اور ان کی ڈھلان تقریباً عمودی۔ جہاں دونوں گھاٹیاں ملتی تھیں وہاں ان کے کھڈ زیادہ عمیق اور ان کی چٹانیں زیادہ بلند تھیں۔ لہٰذا اس علاقے کو جلدی میں عبور کرنا ایک ہولناک مہم تھی۔

میدان یرموک کا صرف ایک اہم مصافیاتی پہلو تھا جو نقشوں پر جبل ثمین کے نام سے دکھایا گیا ہے۔ یہ موجودہ نوا کے گاؤں سے کوئی تین میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ نوا کے شمال مغرب میں جبل جابیہ بھی تھا، مگر یہ میدان جنگ سے باہر تھا اور اس کو جنگ میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔ لگ بھگ ۳۰۰ فٹ بلند جبل ثمین کا محل وقوع ایسا تھا کہ وہ اپنے اردگرد کے تمام علاقے پر حاوی تھا اور اس پر سے تمام میدان کو بخوبی مشاہدے میں رکھا جا سکتا تھا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جس کسی بھی سپہ سالار کو میدان کے اس حصے میں پہلے صف آرا ہونے کا موقع ملتا اس پہاڑی پر قبضہ جمانے میں کوتاہی نہ کرتا۔ جنگ کے باعث اس پہاڑی کا نام "جبل الجموعہ" پڑ گیا، کیونکہ مسلمان فوج کا ایک حصّہ اس پر مرکوز تھا۔ اس پہاڑی کے علاوہ میدان یرموک میں

کوئی اور سطح مرتفع نہیں تھی۔

میدان خود زیادہ تر ہموار تھا، حالانکہ شمال سے جنوب کی طرف اس کی ہلکی سی ڈھلان میں کچھ اونچ نیچ بھی تھی۔ ایک علاّن نامی ندی، جسکی جنگی نقطۂ نظر سے کافی اہمیت تھی، میدان میں جنوب کی طرف بہہ کر یرموک سے جاملتی تھی۔ اس کی آخری ۵ میل کی مسافت میں اس ندی سے بھی شدید ڈھلانوں کی گھاٹی بن گئی تھی، لیکن یہ دوسری بڑی گھاٹیوں کے قسم کی رکاوٹ پیش نہیں کرتی تھی۔ لہٰذا میدان پیدل اور سوار دونوں سپاہ کے جوڑ توڑ کے لئے مناسب تھا، اور علاّن کے جنوبی حصے کے علاوہ یہاں نقل و حرکت کی راہ میں کوئی مزاحمت نہ تھی۔

ماہان نے شہنشاہی لشکر کو علاّن سے ذرا آگے صف آرا کیا۔ اس نے اپنی چار باقاعدہ افواج کو ایک ۱۲ میل لمبے محاذ جنگ میں مرتب کیا، جو یرموک سے لیکر جابیہ کے جنوب تک پھیلا ہوا[1] تھا۔ محاذ کی دائیں طرف اس نے جرجیر کی فوج رکھی اور بائیں طرف قناطیر کی۔ قلب میں دیرجان کی فوج اور ماہان کی آرمینی فوج تھی، جن کی مشترک قیادت دیرجان کے ہاتھ میں تھی۔ رومیوں کے باقاعدہ رسالے کو چار برابر حصوں میں چاروں افواج کے درمیان اس طرح تقسیم کر کے منظم کیا گیا کہ محاذ کا سامنا پیدل سپاہ پر مشتمل تھا اور ان کے پیچھے بوقت ضرورت استعمال کے لئے رسالے

---

[1] موجودہ جغرافیائی اصلاحات کی روشنی میں رومیوں کا یہ محاذ نوا کے مقام سے ۲ میل دور مغرب میں شروع ہو کر جنوب، جنوب مغرب، سیل سے ذرا مغرب کی طرف آتا تھا، اور وہاں سے سہم الجولان ہوتا ہوا یرموک کے حیط سے آگے کے کنارے تک آتا تھا۔ ظاہر ہے متذکرہ بالا گاؤں اغلباً اس وقت موجود نہیں تھے، چونکہ اس جنگ کے حالات میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

تیار کھڑے تھے۔ صف اوّل کے آگے ماہان نے تمام ۱۲ میل کے محاذ پر جبلہ کے عیسائی عرب سواروں کو، جو گھوڑوں کے علاوہ اونٹوں پر بھی سوار تھے، کھڑا کیا۔ یہ عرب صف ایک آڑ کے طور پر صرف ہلکی جھڑپوں کے لئے رکھی گئی تھی، اور اس کی شدید جنگ میں شرکت کی صورت صرف ایسی حالت میں پیدا ہوتی کہ اس کے گروہ اپنے پیچھے کی فوج کے ساتھ مل کر اصل رن میں حصہ لینے لگتے۔ جرجیر کی میمنہ فوج کے ۳۰،۰۰۰ پیدل سپاہ کو سلاسل سے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا گیا[۱]۔ یہ زنجیریں دس دس آدمیوں کو ایک دوسرے سے باندھ دینے بھر کی تھیں، اور یہ اس بات کے ثبوت کے طور پر استعمال ہوتی تھیں کہ ان کو پہننے والے جنگجوؤں نے ناقابل شکست جرأت کے ساتھ وہیں مرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ مزید براں، ان زنجیروں کا ایک یہ بھی مقصد تھا کہ دشمن سواروں کی صف چیرنے کے مساعی سلاسلی صف سے ٹکرا کے رہ جائیں، جس کی تفصیل "جنگ سلاسل" کے باب میں دی جا چکی ہے۔ تمام کے تمام ۳۰،۰۰۰ پیادہ فوجیوں نے موت کی قسم کھائی تھی۔

اگرچہ شہنشاہی لشکر کا محاذ تقریباً اتنا ہی لمبا تھا جتنا مسلمانوں کا، اس کو یہ فوقیت حاصل تھی کہ اس کے پاس مسلمانوں سے چار گناہ زیادہ سپاہ تھے۔ ماہان نے تعداد میں اس برتری کا پورا فائدہ اس طرح اٹھایا کہ اس نے جبلہ کی ساری فوج کو قراول آڑ کے طور پر استعمال کر کے اپنی ٹھوس باقاعدہ صفوں میں بڑی گہرائی پیدا کر لی۔

---

[۱] اس سلسلے میں ایک گہری خندق کا بھی ذکر ملتا ہے، مگر میں نہ اس کی جگہ کا تعین کر سکتا ہوں نہ اسے کوئی خاص اہمیت دیتا ہوں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ رومیوں نے اپنی فوج کو اس کے آگے صف آرا کیا تھا، نہ کہ اس کے پیچھے۔ شاید یہ بھی پسپائی کو روکنے کی ایک ترکیب تھی!

رومی لشکر کے تمام محاذ میں سپاہ کے تیس تیس پرے تھے۔

اس شان سے صف بستہ تھا قیصر روم کا عظیم لشکر۔

جب خالدؓ ماہان سے گفتگو کر کے لوٹے تو انہوں نے ابو عبیدہؓ اور دوسرے سپاہ سالاروں کو مطلع کیا کہ اب مزید مذاکرت نہیں ہوں گے، کہ انجام تلوار سے طے ہوگا اور جنگ اگلے روز شروع ہو جائے گی۔ ابو عبیدہؓ نے حسب معمول اس خبر کو بھی مستقل مزاجی سے مشیت ایزدی سمجھ کر قبول کیا۔ بحیثیت سپہ سالار اعظم ان کو فوج کو جنگ کے لئے منظم کرنا تھا، اور اس کی کارروائی کی اپنی مصافیاتی فراست کے مطابق رہنمائی کرنا تھی۔ لیکن ان کی حربی صلاحیت بہت زیادہ اعلیٰ پائے کی نہ تھی، اور وہ خود اس حقیقت سے واقف تھے۔ خالدؓ بھی یہ جانتے تھے، اور زیادہ تر فوجی افسر بھی۔ ابو عبیدہؓ معقول قسم کی جنگ لڑ سکتے تھے، اور بطور ایک اچھے سمجھدار سپہ سالار کے، بدلتے ہوئے مصافیاتی حالات سے بھی نمٹ سکتے تھے۔ لیکن رومیوں کی چارگنا طاقت سے نمٹنے کے لئے ان کی معقولیت اور ان کی سوجھ بوجھ کافی نہ تھی۔ اس معرکے کے لئے اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ سپہ سالاری کی ضرورت تھی۔ خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ وہ اصل سپہ سالاری کے لئے اپنی خدمات پیش کریں۔

خالدؓ نے کہا "اے سپہ سالار اعظم، آپ تمام فوجی افسروں کو بلا بھیجیں اور ان سے کہیں کہ مجھے ان سے جو کچھ کہنا ہے وہ سن لیں۔"[1]

ابو عبیدہؓ بات کی تہہ کو پہنچ گئے۔ یہ طریقہ کار ان کی اپنی خواہش کے مطابق تھا۔ انہوں نے فوراً ایک افسر کو بھیجا کہ تمام جیوش اور دستوں کے سالاروں اور افسروں کو ان کے پاس بلا لائیں۔ افسر نے پابرکاب تمام سالاروں کے پاس جا کر پیغام پہنچایا کہ

---

[1] واقدی: ص ۱۲۹۔

"ابوعبیدہؓ حکم دیتے ہیں کہ آپ سب خالدؓ کی بات سنیں اور ان کی ہدایات پر عمل کریں"۔ افسروں نے اس بات کا مطلب سمجھ لیا، اور فوجی مرکز میں جمع ہو کر خالدؓ کے احکامات کو غور سے سنا، اس سلیقہ مند ترکیب سے فوج کی عملی سپہ سالاری خالدؓ کو منتقل ہو گئی۔ اور ہر ایک کو اس انتظام سے اطمینان ہوا۔

ابوعبیدہؓ برائے نام سپہ سالار رہنے کے علاوہ انتظامی امور کا انصرام کرتے رہے۔ نماز وہی پڑھاتے رہے اور سپہ سالاری کی دیگر جزویات سے بھی نمٹتے رہے۔ وہ ایسے احکامات بھی جاری کرتے جنکا خالدؓ کے منصوبوں اور احکامات سے کوئی تضاد نہ تھا، مگر جنگی مقاصد کے لئے خالدؓ ہی شام میں اسلامی فوج کے قائد تھے، اور جنگ کے اختتام تک اس قیادت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

خالدؓ نے فوراً جیوش کے پیادہ اور سوار دستوں کو از سرِ نو مرتب کیا۔ فوج میں کُل ۴۰,۰۰۰ آدمی تھے۔ ان میں سے ۱۰,۰۰۰ گھڑ سوار تھے۔ خالدؓ نے پیادہ فوج کو ۳۶ حصّوں میں ایسے تقسیم کیا کہ ہر ایک حصے میں ۸۰۰ سے ۹۰۰ تک سپاہ تھے۔ رسالے کے انہوں نے تین گھڑ سوار دستے ایسے بنائے کہ ہر ایک میں ۲۰۰۰ سوار تھے، اور باقی ۴۰۰۰ سوار انہوں نے ایک متحرک رسالے میں رکھے۔ پہلے تین سوار دستوں کے سالار قیس بن ہبیرہ، مسرہ بن مسروق اور عامر بن طفیل تھے۔ چاروں جیوش میں سے ہر ایک میں نو پیادہ دستے تھے جن کو دوبارہ خاندانی اور قبائلی بنیادوں پر تشکیل کیا گیا تھا، تاکہ ہر شخص اپنے شناسا ساتھی کے شانہ بشانہ لڑے۔

اسلامی فوج کو ایک ایسے ۱۱ میل لمبے محاذ پر صف آرا کیا گیا جو لگ بھگ رومی فوج کے محاذ کے مساوی تھا۔ اسلامی فوج کا میسرہ دریائے یرموک کے اس حصے کے قریب تھا جہاں سے کوئی ایک میل آگے گھاٹی شروع ہوتی تھی۔ اس کا میمنہ شاہراہ جابیہ کی جانب تھا۔ میسرہ پر یزید کا جیش تھا اور میمنہ پر عمرو بن العاصؓ کا۔ اور

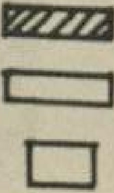
بازوؤں کے ان دونوں سالاران جیوش کو ایک ایک سوار دستہ ان کی قیادت کے سپرد کیا گیا۔ قلب میں ابو عبیدہؓ (بائیں) اور شرحبیلؓ (دائیں) کے جیش تھے۔ ابو عبیدہؓ کے دیگر فوجی افسروں میں عکرمہؓ بن ابوجہل اور عبدالرحمان بن خالدؓ شامل تھے۔ قلب کے پیچھے خالدؓ کا متحرک رسالہ اور ایک اور سوار دستہ خالدؓ کے احکامات کا منتظر تھا۔ خالدؓ کی کل معرکے کی رہنمائی میں مصروفیت کے دوران متحرک رسالے کی قیادت ضرارؓ کے ذمے تھی۔ ہر جیش نے مخبروں کی ایک قطار رومیوں پر نظر رکھنے کے لئے آگے بھیجی۔ (دونوں فوجوں کی صف بندی کے لئے نقشہ نمبر ۲ دیکھئے۔)

رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی صف بندی بہت ہلکی تھی، اور ان کی قطاریں صرف تین تین صفیں بن سکیں۔ مگر ان کے محاذ میں کوئی شگاف نہیں تھا۔ اور اس کی صفیں ایک مسلسل قطار میں اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ فوج میں جتنے بھی نیزے تھے سب صفِ اوّل کے سپاہ میں بانٹ دیئے گئے۔ جنگ میں یہ سپاہ اپنے لمبے نیزوں کو اس طرح استعمال کرنے کو تیار کھڑے تھے کہ دشمن ان کی خوفناک نوکوں کا مقابلہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ تیر انداز، جن کی بڑی تعداد یمنی تھی، اگلی صف میں بکھرے ہوئے کھڑے تھے۔ دشمن کے قریب پہنچتے ہی ان تیر اندازوں کو اپنے تیر چلا کر زیادہ سے زیادہ رومیوں کو ان کا نشانہ بنانا تھا۔ حملہ آوروں کے اور پاس آتے ہی ان کو نیزوں سے ہلاک کرنا تھا، اور تیسرے مرحلے میں سپاہ کو تلوار سونت کر رومیوں پر پل پڑنا تھا۔

میمنہ اور میسرہ کو اپنے سوار دستے بوقت ضرورت اس طرح سے استعمال کرنے تھے کہ اگر رومیوں کے ریلے کے سامنے انہیں پیچھے ہٹنا پڑ جائے تو وہ ان کے حملوں کے ذریعے اپنا محاذ بحال کریں۔ خالدؓ اپنے متحرک رسالے اور سوار دستے کے ساتھ دونوں قلبی جیوش کے لئے مقامی تحفّظ اور میمنہ و میسرہ کی جنگ میں مدد

نقشہ نمبر ۲۰ یرموک کی صورت حال





کے لئے فوجی تحفظ کے طور پر بھی ہمہ وقت موقعے سے بروئے کار آنے کو تیار تھے۔

دونوں مقابل فوجوں کے بازوؤں کی تنظیم یکساں تھی۔ ہر ایک کا جنوبی بازو یرموک پر تھا، اور اس پر پہلو اور پشت سے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کے شمالی بازو مگر کھلی جگہ میں تھے، اور ان پر مخالف فوج گھوم کر پیچھے سے یا پہلو سے حملہ کر سکتی تھی۔ دونوں فوجوں کے موقع و محل میں اگر کوئی اہم فرق تھا تو وہ ان کے عقب کی ہیئت میں تھا۔ اسلامی فوج کی پشت پر یرموک کے میدان کا مشرقی حصّہ تھا، جس کے سرے پر عذرا کی شکستہ پہاڑیاں اور جبل الدّروز تھے۔ پسپائی کی صورت میں مسلمان بحفاظت اس علاقے میں پیچھے ہٹ کر ناقابل شکست حیثیت اختیار کر سکتے تھے۔ رومی فوج کی پشت کے جنوبی حصے پر وادئ الرقّاد کی خطرناک گہری اور چٹانی گھاٹی تھی۔ پسپائی میں مانع آنے کے نقطۂ نظر سے رومی عقب کی یہ خصوصیت ٹھیک تھی، اور غالباً ان کو اور بے جگری سے لڑنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ لیکن شکست کی صورت میں، اگر ان کی شمالی راہ فرار بھی کٹ جاتی، تو رقّاد کی گھاٹی ان کے لئے موت کی گھاٹی ثابت ہو سکتی تھی۔ اس کے مقابل، رومی ایک چوہے دان میں چوہوں کی طرح پھنس جاتے۔ لیکن رومیوں کے ارادوں میں شکست کے امکان کی کوئی گنجائش نہ تھی!

جنگ کے لئے اپنا منصوبہ تیار کرتے وقت خالدؓ نے اس جغرافیائی صورت حال کو اچھی طرح مدنظر رکھا۔ ان کے منصوبے کے مطابق، ابتدا میں مسلمانوں کو اس وقت تک ایک دفاعی جنگ لڑنا تھی جب تک کہ رومی تھک کر چور نہ ہو جائیں اور ان کا زور نہ ٹوٹ جائے۔ تب مسلمانوں کو جارحانہ حملہ کر کے رومیوں کو وادئ الرقّاد کی طرف دھکیلنا تھا۔ پھر خوفناک گھاٹی کو ایک ایسے سندان کی طرح استعمال کرنا تھا جس پر مسلم ہتوڑا رومی لشکر کو پیس دے! کم از کم خالدؓ کا یہ منصوبہ تھا!

عورتوں اور بچوں کو عقبی فوج کے پیچھے خیموں کی ایک قطار میں رکھا گیا۔ ہر

دستے کے سپاہ کے پیچھے ان کے بیوی بچے کھڑے تھے[1]۔ ابوعبیدہؓ عورتوں کے ڈیروں کے درمیان گھومے پھرے، اور پھر ان کو مخاطب کر کے انہوں نے کہا "تم خیموں کے ڈنڈے اپنے ہاتھوں میں رکھو، اور پتھر جمع کر لو۔ اگر ہم جیتیں تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تم کسی مسلمان کو میدان سے بھاگتے دیکھو تو اس کے منہ پر ڈنڈا مارو، اس پر پتھر برساؤ، اور اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کے سامنے کر کے اس سے کہو کہ وہ اپنے بیوی بچوں اور اسلام کے واسطے لڑے[2]۔" عورتوں نے اس حکم کے مطابق تیاری کر لی۔

جب فوج اپنی صفوں میں جنگ کے لئے تیار ہو گئی تو خالدؓ، ابوعبیدہؓ اور دوسرے سپہ سالار، گھوڑوں پر سوار، سپاہ کے درمیان گھومے پھرے، اور انہوں نے افسروں اور جوانوں سے باتیں کیں۔ خالدؓ نے ہر دستے کو مخاطب کر کے ایک ہی نپی تلی تقریر کی۔ انہوں نے کہا "اے مسلمانو! وقتِ استقامت آ گیا ہے۔ بزدلی اور کمزوری ذلت کا باعث ہوتی ہیں۔ ثابت قدم کی اللہ مدد کرتا ہے۔ جو دلیری سے تلوار کی دھار کا سامنا کرے گا اس کی عزت کی جائے گی۔ اس کی جانبازی کی جزا اس کو خدا کے سامنے پہنچ کر ملے گی۔ یاد رکھو، اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو ثابت قدم رہتے ہیں[3]۔"

جب خالدؓ ایک دستے کے پاس سے گزرے تو ایک جوان نے کہا "رومی کتنے زیادہ اور ہم کتنے کم ہیں۔" خالدؓ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "رومی کتنے

۱؎ بعض راویوں کے مطابق گھر والوں کو کافی پیچھے ایک پہاڑی پر ٹھہرایا گیا۔ مگر جیسا کہ ہم آگے چل کر جنگ کی روش پر نظر ڈالتے ہوئے دیکھیں گے یہ ممکن نہیں ہے۔

۲؎ واقدی: ص ۱۲۹، ۱۳۰۔

۳؎ واقدی: ص ۱۳۷۔

تم اور ہم کتنے زیادہ ہیں! فوج کی قوت کا انحصار اس کی تعداد پر نہیں بلکہ اللہ کی مدد پر ہے۔ اور اس کی کمزوری اس میں ہے کہ اللہ اس کا ساتھ چھوڑ دے[1]۔"

فوج کے دیگر افسر اور اکابرین لوگوں کو جانبازی سے لڑنے کی تلقین کرتے ہوئے قرآنی آیات تلاوت کر رہے تھے، اور سب سے زیادہ یہ آیت: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (کتنی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ کی مرضی سے غالب آگئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے[2]۔) انہوں نے نارِ جہنم کا تذکرہ کیا اور جنت کی خوشیوں کا، اور رسول اللہؐ کے غزوات کی مثالیں پیش کیں۔ اور مزید ترغیب کے طور پر انہوں نے صحرائی زندگی کی تکالیف اور شام کی آسائش کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول کی!

اس رات بڑی گرمی اور امس رہی۔ یہ اگست ۶۳۶ء کا تیسرا ہفتہ (رجب ۱۵ھ کا دوسرا ہفتہ)[3] تھا۔ مسلمانوں نے تمام رات عبادت اور تلاوت قرآن میں گزاری، اور ایک دوسرے کو ان دو متبادل نعمتوں کی بشارت دی جن سے وہ فیضیاب ہو سکتے تھے۔ یا فتح اور زندگی یا شہادت اور جنت۔ نبیٔ کریمؐ نے غزوہ بدر کے بعد یہ روایت قائم کر دی تھی کہ آپ جنگ شروع ہونے سے پہلے سورۃ انفال کی تلاوت

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۹۴۔

[2] قرآن، سورۃ ۲: ۲۴۹۔

[3] اس جنگ کی تاریخ کے متعلق ابتدائی تذکروں میں صرف یہی حوالہ ملتا ہے کہ یہ ماہ رجب ۱۵ھ میں ہوئی۔ میں نے جنگ کے ہفتے کا جو تعین کیا ہے وہ ان واقعات کی تاریخوں سے حساب لگا کے کیا ہے جن کا ذکر اس باب میں کیا جا چکا ہے۔

فرماتے تھے۔ اور یرموک میں تمام رات اس سورۃ کی آیات کی تلاوت ہر اس جگہ سنائی دے رہی تھی جہاں مسلمان گروہوں میں یا تنہا بیٹھے تھے۔

تمام رات دونوں فوجوں میں الاؤ بھڑکتے رہے۔ اور ان کے شعلے میلوں تک جھلملاتے ستاروں کی طرح دیکھے جا سکتے تھے۔ لیکن ان کی روشنی میں جو لوگ بیٹھے تھے ان کے دلوں میں کوئی اجالا نہ تھا۔ جو کڑی آزمائش ان کی منتظر تھی اس کے خیال نے ان کے ذہن سے تمام خوشی خارج کر دی تھی۔ یہ بہادر مرد تھے۔ یہ جو کل کے منتظر تھے۔ یہ رومی اور عرب، یہ فرنگی اور ایشائی، یہ عیسائی اور مسلمان۔ یہ لوگ شیر تھے، عقاب تھے، گرگ تھے۔ لیکن وہ آخر کار انسان بھی تھے، اور وہ اپنے بیوی بچوں کے متعلق سوچ رہے تھے، جنکو وہ چند گھنٹوں بعد خیرباد کہنے والے تھے۔ شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

یہ تھی شب یرموک۔ اگلے دن اس صدی کی سب سے بڑی جنگ ہونے والی تھی، تاریخ کی ایک فیصلہ کن جنگ شاید ہلال و صلیب کے درمیان سب سے عظیم و مہیب جنگ۔

۳۵

الیرموک

صبح سویرے مسلم جیوش اپنے اپنے سالار کے پیچھے نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جیسے ہی نماز ختم ہوئی ہر آدمی اپنی مقررہ جگہ کی طرف دَوڑا۔ سورج نکلتے نکلتے دونوں فوجیں میدان یرموک کے بیچ میں ایک دوسرے سے کوئی میل بھر کے فاصلے پر جنگ کے لئے صف آرا ہوگئیں۔

طرفین کے محاذوں کا آمنا سامنا ہوا تو دونوں طرف حرکت بند ہوگئی اور خاموشی چھا گئی۔ سپاہ کو معلوم تھا کہ یہ جنگ فیصلہ کن ہے، اور اس کے خاتمے سے پہلے ایک نہ ایک فوج کا قلع قمع ہو جائے گا۔ مسلمان رومی لشکر کی صفوں کی شاندار ترتیب، اس کے لہراتے جھنڈوں اور اس کے سپاہ کے سروں سے بلند اُٹھی ہوئی صلیبوں کو متعجب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ رومی بالمقابل مسلم فوج کی طرف ایسے انداز سے دیکھ رہے تھے جس میں رعب کی صرف ایک جھلک سی تھی۔ ان کو اپنے اوپر اعتماد اس لئے تھا کہ اُنکی تعداد بہت بڑی تھی، مگر گذشتہ دو سال میں شام کے علاقے میں مسلمانوں کی جنگی صلاحیت نے رومیوں کے دلوں میں ان کا خاصا رعب بٹھا دیا تھا۔ چنانچہ رومیوں کی آنکھوں میں حذر کی جھلک بھی موجود تھی۔ اس طرح ایک گھنٹہ گزر گیا اور کسی نے جُنبش نہ کی۔ سپاہ ایسی جنگ کے آغاز کے منتظر تھے جو بقول قدیم راویوں کے "چنگاریوں سے شروع ہوکر بے تحاشا بھڑکتی ہوئی آگ کی کیفیت میں انجام کو پہنچی"۔[1]

---

[1] واقدی: ص ۱۳۳۔

تب رومی فوج کا ایک سالار جس کا نام جرجہ تھا رومی مرکز سے باہر آیا اور مسلمانوں کی طرف بڑھا۔ مسلمانوں کے مرکز سے کچھ فاصلہ پر رُک کر اُس نے بلند آواز میں خالدؓ کو پکارا۔ مسلمانوں کی طرف سے خالدؓ گھوڑے پر سوار آگے بڑھے۔ وہ اِس خیال سے خوش تھے کہ جنگ کا آغاز وہ ایک باہمی مقابلے سے کر پائیں گے، اور اس طرح باقی جنگ کی روش کی بنا ڈال سکیں گے۔

جب خالدؓ اس کے قریب پہنچے تو اُس نے تلوار کھینچنے کو ہاتھ نہ بڑھایا بلکہ ٹکٹکی باندھے خالدؓ کی طرف دیکھتا رہا۔ خالدؓ اس کے اتنے قریب آ گئے کہ گھوڑوں کی گردنیں ایک دوسرے سے مِل گئیں، لیکن جرجہ نے پھر بھی تلوار بے نیام نہ کی۔ پھر اُس نے عربی میں کہا "اے خالد! مجھے سچ سچ بتاؤ۔ دھوکہ نہ دینا۔ اِس لئے کہ آزاد جھوٹ نہیں بولتے اور شُرفا دھوکہ نہیں دیتے۔ کیا یہ سچ ہے کہ خدا نے آسمان سے ایک تلوار تمہارے پیغمبر کو بھیجی اور اُنہوں نے تم کو عطا کی اور جب کبھی تم اسے نیام سے باہر نکالتے ہو تمہارے دشمن کو شکست ہو جاتی ہے؟"

"نہیں" خالدؓ نے جواب دیا۔

"تو پھر تم کو سیف اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟"

خالدؓ نے جرجہ کو تمام قِصّہ سُنایا کہ اُن کو کس طرح رسول اللہؐ سے "سیف اللہ" کا خطاب مِلا۔ جرجہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے متفکر نگاہوں سے خالدؓ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "تم مجھ سے کیا مطالبہ کرتے ہو"؟

خالدؓ نے جواب دیا "شہادت دو کہ 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' اور ایمان لاؤ اس کلام پر جو اللہ نے اس پر نازل کیا۔

"اگر میں نے یہ نہ مانا تو؟"

"تو پھر جزیہ دو اور ہماری حفاظت میں رہو۔"

"اور اگر میں یہ بھی نہ مانوں تو؟"

"تو پھر تلوار ہے۔"

جرجہ نے چند لمحے خالدؓ کی بات پر غور کر کے پُوچھا "تمہارے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے جو آج کو تمہارے دین میں داخل ہوتا ہے؟"

"ہمارے ہاں صرف ایک ہی حیثیت ہے۔ سب برابر ہیں۔"

"تو میں تمہارے دین کو قبول کرتا ہوں[1]۔"

دونوں فوجوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ ان سپہ سالاروں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے، اور ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب خالدؓ نے اپنے گھوڑے کا رُخ موڑا اور مسلمان اور رُومی دونوں آہستہ آہستہ اسلامی فوج کی طرف چل دیئے۔ مسلم مرکز میں پہنچ کر جرجہ نے خالدؓ کے بعد کلمہ دہرایا: "لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ"۔

(چند گھنٹے بعد یہ نومسلم جرجہ بڑی بہادری سے اس دین کے لئے لڑنے والا تھا جسے اُس نے ابھی ابھی قبول کیا تھا اور اسی جنگ میں شہید ہونے والا تھا۔) اِس قبول اِسلام کے نیک فال پر جنگ کا آغاز ہوا۔

اب دونوں طرف کے جوانمردوں کے درمیان مبارزت طلبی کا دور شروع ہوا اور یہ دونوں فوجوں کی مرضی کے مطابق ہوا، کیونکہ اس سے عام جنگ کے لئے ایک طرح کی تیاری ہو جاتی تھی۔ اسلامی فوج سے درجنوں مُسلمان افسر اپنی اپنی صف سے آگے بڑھے۔ کچھ خالدؓ کے حکم سے باقی اپنی مرضی سے۔ یہ افسر الگ الگ ذاتی للکار دے کر ان رومی سورماؤں سے نبرد آزما ہوئے جو اپنی صفوں سے نکل کر سامنے آئے۔ یہ رومی تقریباً سب کے سب مارے گئے۔ اس دن کا سہرا عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کے سر رہا، جنہوں نے یکے بعد دیگرے پانچ رومی افسروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صـ ۵۹۵۔

یہ رو برو مقابلے تقریباً دوپہر تک جاری رہے۔ اُس کے بعد رومی سپہ سالارِ اعظم ماہان نے فیصلہ کیا کہ رومی ان سے کافی نقصان جھیل چکے ہیں اور اگر ان کا سلسلہ جاری رہا تو نہ صرف مزید رُومی افسروں کا صفایا ہو جائے گا، بلکہ اس سے پُوری فوج کے حوصلے بیٹھ جائیں گے۔ اسے خیال ہوا کہ عام جنگ میں اس کے لشکر کی تعداد کی قطعی برتری کا اثر اس کے حق میں ہوگا اور اس کی کامیابی کا امکان بڑھ جائے گا۔ لیکن وہ پھر بھی بجا طور پر محتاط رہا، اِس لئے کہ جنگ کے آغاز میں کسی غلط اقدام کا نتیجہ پُوری جنگ کے لئے دُور رس نتائج کا باعث ہو سکتا تھا۔ اُس نے طے کیا کہ پورے محاذ پر حملہ کیا جائے تاکہ ایک طرف تو اسے مسلم فوج کی طاقت کا اندازہ ہو جائے اور دوسری طرف اگر اس کا محاذ کہیں کمزور ثابت ہو تو وہ اس کو چیرتا ہوا نکل جائے۔

دوپہر کے وقت رومیوں کی دس اگلی صفوں نے، یعنی ان کی چاروں افواج کے ایک تہائی پیدل سپاہ نے میدانِ جنگ میں پیشقدمی کی۔ یہ انسانی سیلاب آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا، اور جیسے ہی یہ مُسلمان تیر اندازوں کی زد میں آیا انہوں نے شدت سے تیر برسائے اور کچھ رومیوں کو ڈھیر کر دیا۔ سیلابی فوج مگر آگے بڑھتی ہی رہی اور کچھ دیر بعد مسلم محاذ سے جا ٹکرائی۔ جلد ہی مسلمانوں نے اپنے خون آلود نیزوں کو ہاتھوں سے چھوڑ کر تلواریں سوت لیں، اور طرفین ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

لیکن رُومیوں کا حملہ مصمّم نہ تھا۔ اُن کے سپاہ، جن میں سے بیشتر ناتجربہ کار تھے، حملے کے زور کو برقرار نہ رکھ سکے، اور ساتھ ہی ساتھ سخت نبرد آزما مسلمانوں نے ان پر ایسے جوش وخروش سے وار کئے کہ رومی اور محتاط ہو گئے۔ اگرچہ میدان کارزار میں کہیں جنگ زیادہ گھمسان کی ہوئی اور کہیں کم، مجموعی طور پر اس دن کی لڑائی جم کر ہوئی مگر واجبی شدّت کی رہی۔ مُسلمان ثابت قدم رہے، اور ان رُومیوں نے اپنی پیدل فوج کو کمک نہیں پہنچائی۔ غروب آفتاب تک کارروائی ختم ہو گئی اور

دونوں فوجیں الگ ہو کر اپنے اپنے مورچوں پر واپس آگئیں۔ اس روز کی جنگ میں نقصان مقابلتاً کم ہوا، مگر رومیوں کا مسلمانوں سے زیادہ۔

رات امن سے گزری۔ مسلمان عورتوں نے اپنے اپنے آدمیوں کا بڑے فخر سے استقبال کیا، اور اپنے سر کی چادروں سے ان کے چہروں اور بازوؤں سے خون اور پسینہ صاف کیا۔ اُن کے ہتھیار صاف کئے۔ بیویوں نے اپنے شوہروں سے کہا "اے حبیب اللہ تجھ کو جنّت نصیب ہو۔"[1] اب مسلمانوں کا حوصلہ پہلے سے زیادہ بلند تھا، کیونکہ انہوں نے جتنا نقصان برداشت کیا تھا اس سے کہیں زیادہ دشمن کو پہنچایا تھا۔ رات کا بیشتر حصہ عبادت اور تلاوت میں گزارا گیا۔ لیکن رات کو بعض ایک بار مسلمانوں اور رومیوں میں کچھ جھڑپیں بھی اس وقت ہوئیں جب چند رومی ٹولیاں اپنے سپاہ کی نعشیں اُٹھانے دونوں فوجوں کے درمیان کے علاقے میں داخل ہوئیں۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس سے رات کے امن میں خلل پڑتا۔

ماہان نامراد رہا۔ اُس نے جنگی مشاورت کا اجلاس بُلایا اور اگلے روز کے لئے منصوبوں پر بحث کی گئی۔ اُس نے یہ سوچ کر کہ اگر فتح حاصل کرنی ہے تو کوئی دوسرا طریقۂ کار اختیار کرنا ہوگا، یہ طے کیا کہ مسلمانوں پر صبح سویرے سُورج کی پہلی کرن کے ساتھ اُس وقت حملہ کیا جائے جبکہ وہ ابھی جنگ کے لئے تیار نہ ہوئے ہوں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی طے پایا کہ حملہ زیادہ پُر زور کیا جائے، اور اس طرح کہ دو مرکزی افواج مسلم فوج کے قلب پر رکاوٹی حملہ کر کے اسے اُلجھائے رکھیں، جبکہ بیک وقت بازوؤں کی افواج بھاری دباؤ کے ایسے حملے کریں کہ وہ یا تو مسلم پہلوؤں کی افواج کو میدان جنگ سے باہر دھکیل دیں یا انہیں مرکز کی طرف گھیر لائیں۔ ماہان نے پورے میدان جنگ کی

---

[1] واقدی: ص ۱۳۳۔

نگرانی کے لئے اپنی فوج کے میمنہ کے پیچھے ایک اونچے ٹیلے پر ایک بڑا چوٹی دار خیمہ لگوایا تھا، جہاں سے سارا میدان نظر آتا تھا۔ ماہان اس جگہ اپنے دربار اور ۲۰۰۰ آرمینیوں کے محافظ دستے کے ساتھ براجمان ہوگیا، جبکہ اس کی بقیہ فوج صبح تڑکے کے ناگہانی حملے کی تیاری میں لگ گئی۔

عین فجر کی نماز کے دوران مسلمانوں نے نقاروں پر چوب پڑنے کی آواز سُنی۔ بیرونی چوکیوں سے پیغام رساں یہ خبر لئے دوڑے آئے کہ رومی حملہ کرنے والے ہیں۔ مُسلمان یقیناً بے خبری میں پکڑے گئے، لیکن خالدؓ نے رات ہی کو مرکزی محاذ کے آگے ایک مضبوط طلیعہ تعینات کر دیا تھا جسے رُومیوں کو روک کر مسلمانوں کے لئے اتنی مہلت فراہم کر دی کہ وہ زرہ پہن کر ہتھیار باندھ لیں اور رومی سیلاب کی زد میں آنے سے پہلے اپنا اپنا محاذ سنبھال لیں۔ مزید براں مسلمان رومیوں کی توقعات کے خلاف بہت پھرتی سے صف آرا ہو گئے۔ جنگ کے اس دوسرے دن جب دونوں فوجوں نے ٹکر کھائی تو سورج ابھی طلوع نہ ہوا تھا۔

مرکزی جیوش کی جنگ تقریباً تمام دن جاری رہی، مگر یہ مسلم محاذ کہیں ڈھیلا نہ پڑا۔ یہاں رومی بہر صورت زیادہ دباؤ اس لئے نہیں ڈال رہے تھے کہ وہ ان مسلم جیوش کو ایک محدود حملے کے ان کی جگہوں پر روکے رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مرکز اپنی جگہ برقرار رہا۔ لیکن بازوؤں کے جیوش کو، جن پر رُومی فوج کی سب سے شدید ضربیں پڑ رہی تھیں، جنگ کے اصل دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔

اِسلامی فوج کے میمنہ پر جس کے سالار عَمروؓ بن العاصؓ تھے، قناطیر کی فوج نے حملہ کیا، جس میں زیادہ تر سلافی قوم کے سپاہ تھے۔ مسلمانوں نے نہایت دلیری سے حملے کو روکا اور پسپا کر دیا۔ قناطیر نے دوبارہ تازہ دم سپاہ کے ساتھ حملہ کیا۔ مسلمانوں نے اسے پھر پسپا کر دیا۔ لیکن جب قناطیر نے تیسری دفعہ تازہ دم سپاہ کے ساتھ

حملہ کیا تو جھکے ہوئے مسلمانوں کی قوتِ مدافعت ٹوٹ گئی، اور ان کے جیش کا زیادہ تر حصّہ پڑاؤ کی طرف پسپا ہوا، جبکہ باقی حصّے نے قلب کا رُخ کیا، یعنی کہ شرجیل کے جیش کی طرف۔

جب جیش اس طرح قدرے بے ترتیبی سے پسپا ہونے لگا تو عمرو بن العاصؓ نے اپنے ۲۰۰۰ سواروں کے رسالے کو حکم دیا کہ جوابی حملہ کر کے رومیوں کو واپس دھکیل دیا جائے۔ رسالے نے جھپٹ کر اتنے جوش سے حملہ کیا کہ اس نے کچھ دیر کے لئے تو رومی پیش قدمی کو تھامے رکھا، لیکن پھر اس کو نہ روک سکا۔ رومیوں نے اس کے حملے کو دفع کر دیا، اور رسالے نے بھی میدان چھوڑ کر پڑاؤ کا رُخ کیا۔ جیسے ہی یہ سوار پیادہ سپاہ کے ہمراہ پڑاؤ کے قریب پہنچے تو انہوں نے خیموں کے ڈنڈوں اور پتھروں سے مسلح عورتوں کو اپنے خلاف صف آرا پایا۔ عورتوں نے چیخ کر کہا "اللہ اُن پر لعنت بھیجے جو دشمن سے بھاگتے ہیں۔" اور اپنے اپنے شوہر کو مخاطب کر کے انہوں نے کہا "اگر تم ہم کو اِن کافروں سے نہیں بچا سکتے تو تم ہمارے شوہر نہیں ہو۔" دوسری عورتوں نے دف بجا بجا کر یہ فی البدیہ گیت گایا:

ہائے وفادار عورت سے بھاگنے والو! ایسی
عورت سے جو حسین بھی ہے اور نیک بھی! اُسے
کافر کے لئے چھوڑ دینے والو،
بدذات، نفرت انگیز کافر کے لئے،
کہ وہ اسے اپنا بنا لے، بے حرمت کر دے، تباہ کر دے۔[1]

---

[1] واقدی: صفحہ ۱۴۰

پسپا ہونے والے مسلمانوں کو اِن عورتوں نے نہ صرف بُرا بھلا کہا بلکہ اُن کو مارا بھی!
پہلے ان پر پتھروں کی بوچھاڑ ہوئی، پھر عورتوں نے ان پر جھپٹ کر ان کو اور انکے گھوڑوں کو خیموں کے ڈنڈوں سے مارا پیٹا۔ اور یہ بے عزتی غیور جنگجو برداشت نہ کر پائے۔ اپنی درگت سے طیش کھا کے وہ بڑے غیض و غضب کی حالت میں پڑاؤ سے پھر کر قناطیر کی فوج کی طرف بڑھے۔ اِسی وقت عَمرو بن العاصؓ نے بھی اپنے جیش کے بیشتر حصے کے ساتھ دوسرا جوابی حملہ کر دیا تھا۔

مسلمانوں کے مَیسرے کی حالت اس سے ذرا ہی کم تشویشناک تھی۔ یہاں بھی رومیوں کا ابتدائی حملہ پسپا کر دیا گیا تھا، دوسرے حملے میں رومیوں نے یزید کے جیش کو چیر دیا۔ یہ حملہ آور فوج جرجیر کی تھی، جس کے سلاسل سے منسلک سپاہ اگرچہ مقابلتاً سست رفتار تھے تو ٹھوس بھی زیادہ تھے۔ یزید نے بھی اپنے رسالے کو جوابی حملے کا حکم دیا مگر رُومیوں نے اسے پسپا کر دیا۔ اور کچھ دیر کی سخت مزاحمت کے بعد یزید کے سپاہ بھی اپنے پڑاؤ کی طرف پسپا ہو گئے، جہاں عورتیں ہند اور خولہ کی رہنمائی میں ان کی منتظر تھیں۔ سب سے پہلا سوار جو مَیسرے سے پڑاؤ کی طرف واپس آیا اُبوسفیان تھا۔ اور سب سے پہلی عورت جو اُس سے ٹکرائی وہ کوئی اور نہیں، خود اس کی بیوی، ہند تھی! اُس نے ابوسفیان کے گھوڑے کے سر پر خیمے کا ڈنڈا مارا اور چیخ کر کہا "کِدھر کو اے ابن حرب؟ واپس جاؤ اور اپنی جُرأت کا مظاہرہ کر کہ شاید تیرے وہ گناہ معاف ہو جائیں جو تجھ سے رسُول اللہ کے خلاف سرزد ہوئے۔"

اُبوسفیان کو اپنی بیوی کے تُند مزاج کا کافی تجربہ تھا، اِس لئے وہ جلدی سے پلٹ کر واپس لوٹے۔ باقی سپاہ کی بیویوں نے بھی اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جو عَمرو بن العاصؓ کے فوجیوں کے ساتھ ان کی بیویوں نے کیا تھا۔ اس لئے یزید کے سپاہ جلد ہی میدان میں واپس آ گئے۔ عورتیں بھی دُور تک ساتھ گئیں، اور ایک

نے تو واقعی ایک رُومی سپاہ کو اپنی تلوار سے ہلاک کر دیا۔ جب یزید کی فوج جرجیر کی فوج سے پھر جا بھڑی تو ہند نے وہی نغمہ گانا شروع کیا جو اُس نے کبھی غزوۂ اُحد میں گایا تھا:

اے عبد الدار کے بیٹو!
ہمارے گھروں کے محافظو!
ہم دخترانِ شب ہیں۔
ہم تکیوں کے درمیان جنبش کرتے ہیں
نہایت لطافت و ملاحت سے۔
اگر تم آگے بڑھے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گے،
اگر تم پسپا ہوئے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے،
ایک بے مہر جدائی کے ساتھ۔[1]

ہند کے ایسے شوخ نغمے کے گانے کی موزونیت پر شاید کوئی اعتراض کرے، لیکن وہ تو اپنے کو ابھی اس کے لئے کافی جوان سمجھتی تھی۔ آخر کار تھی بھی تو وہ صرف پچاس برس کی، بس!

اب لگ بھگ دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ جب اِسلامی فوج کے مَیمنہ و مَیسرہ اپنی اپنی کٹھن جنگ لڑ رہے تھے تو خالدؓ اپنے مرکزی مقام سے تمام کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اب تک ان کی مدد کرنے کے سلسلے میں اس لئے کچھ نہیں کیا تھا کیونکہ وہ اپنے خاص مرکزی جیش کو اس وقت تک جنگ میں استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے جب تک کہ اس کی ضرورت قطعی نہ ہو جائے لیکن جب پسپا

---

[1] ایضاً ۔ ص ۱۴۱ ۔

ہونے والے جیوش لوٹ آئے تو خالدؓ نے اپنے بوقت ضرورت استعمال کیلئے محفوظ کئے ہوئے رسالے کو ان کی مدد کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا، تاکہ مسلم محاذ زیادہ سرعت سے بحال ہو جائے۔

انہوں نے سب سے پہلے میمنہ کی طرف مڑ کر اپنے متحرک طلیعہ اور رسالے کے ایک دستے کے ساتھ قناطیر کی فوج پر عین اس وقت حملہ کیا جب عمروؓ بن العاصؓ نے سامنے سے پھر جوابی حملہ کیا۔ جلدی ہی رومی دوطرفہ حملہ کی وجہ سے مڑ بڑا کے پیچھے ہٹے اور اپنے ابتدائی محاذ پر واپس آ گئے۔ اس طرح عمروؓ بن العاصؓ اپنی کھوئی ہوئی زمین پر پھر سے قابض ہو گئے، اور انہوں نے اپنے جیش کو اگلے معرکے کے واسطے از سر نو منظم کیا۔

جوں ہی میمنہ کی حیثیت بحال ہوئی، خالدؓ نے میسرے کا رخ کیا۔ اس وقت تک یزیدؓ نے رومیوں کو واپس دھکیلنے کے لئے جوابی حملہ شروع کر دیا تھا۔ خالدؓ نے ضرارؓ کو ایک سوار دستہ دے کر حکم دیا کہ وہ سامنے کی رخ سے دیرجان کی فوج پر حملہ کریں، تاکہ رومیوں کی توجہ بٹ جائے اور ان کو یہ اندیشہ ہو جائے کہ ان کے آگے بڑھے ہوئے میمنہ کی واپسی کا راستہ کٹ جائے گا۔ بقیہ خاص جیش سے خالدؓ نے جرجیر کی فوج پر حملہ کر دیا۔ (دیکھئے نقشہ ۲۱ -) یہاں بھی رومی مسلمانوں کے سامنے اور پہلو کے یکساتھ حملوں سے پسپا ہوئے، مگر وہ اپنے سلاسل کی وجہ سے آہستہ آہستہ ہی پیچھے ہٹ پائے۔

جب رومیوں کا میمنہ پیچھے ہٹ رہا تھا، تو ضرارؓ دیرجان کی فوج میں گھس آئے اور دیرجان تک پہنچ گئے، جو اپنے محافظوں کے درمیان کافی آگے کھڑا تھا۔ یہاں ضرارؓ نے دیرجان کو ہلاک کر دیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد ان پر دباؤ اتنا زیادہ ڈالا گیا کہ ان کو مسلم محاذ کی طرف واپس لوٹنا پڑا۔

غروب آفتاب سے پہلے رُومیوں کے میمنہ اور میسرہ کی فوجیں پیچھے دھکیلی جا چکی تھیں۔ سُورج غروب ہوتے وقت مرکزی فوجیں بھی الگ ہو کر اپنے اپنے مقام پر واپس آگئیں، اور اس طرح دونوں محاذوں کا محل وقوع وہی ہو گیا جو صبح کو رہا تھا۔ اگرچہ مسلمان ایک تشویشناک صورت حال سے دوچار ہوئے انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ مسلم میمنہ کو ان کے باقی جیوش سے زیادہ نقصان پہنچا، چونکہ اسی محاذ پر سب سے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ لیکن سارے دن کی جنگ کا کل نتیجہ کسی قدر مسلمانوں کے حق میں ہی رہا۔

رات آئی تو پھر امن سے گزری۔ عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے، کھانا پکانے، پانی لانے اور دیگر کاموں میں مصروف رہیں۔ مجموعی طور پر مسلمانوں کے حوصلے بلند تھے، کیونکہ اگرچہ رُومیوں نے ان پر اپنی پوری قوت سے حملہ کیا تھا، مسلمانوں نے اُن کو واپس دھکیل دیا تھا۔ جنگ کے اس دور میں مسلمانوں کا مقصد مدافعانہ تھا، اور ان کے جوابی حملے بھی کُل مدافعانہ کارروائی کے عنصر تھے۔

رومیوں کے پڑاؤ کا مزاج تلخ اور سخت ہو گیا۔ آج اُن کے ہزاروں سپاہی مارے گئے تھے، اور مسلمانوں نے نہ صرف رُومیوں کے میمنہ و مَیسرہ کے حملوں کو ان کی ابتدائی کامیابی کے بعد پسپا کر دیا تھا، بلکہ ان کی مرکزی فوج پر ضرارؓ کی قیادت میں حملہ بھی کر دیا تھا، جس میں انہوں نے اندر گھس کر اُن کے سالار کو قتل کر دیا۔ یہ اُن کا بہت بڑا نقصان تھا، چونکہ دیرجان ان کا ایک ممتاز اور معتبر سپہ سالار تھا۔ ماہان نے قُورین نامی ایک شخص کو اُس کی جگہ سپہ سالار مقرر کیا اور آرمینی فوج کی قیادت قناطیر کے سپرد کر دی، جو پہلے رُومی مَیسرے کا سپہ سالار تھا۔ یہ سب کچھ اس لئے ضروری تھا کہ رُومیوں کا قصد تھا کہ اگلے روز ہونے والی جنگ میں سب سے زیادہ دباؤ مُسلمانوں کے میمنہ اور مرکزی فوج کے دائیں پہلو پر ڈالا جائے۔

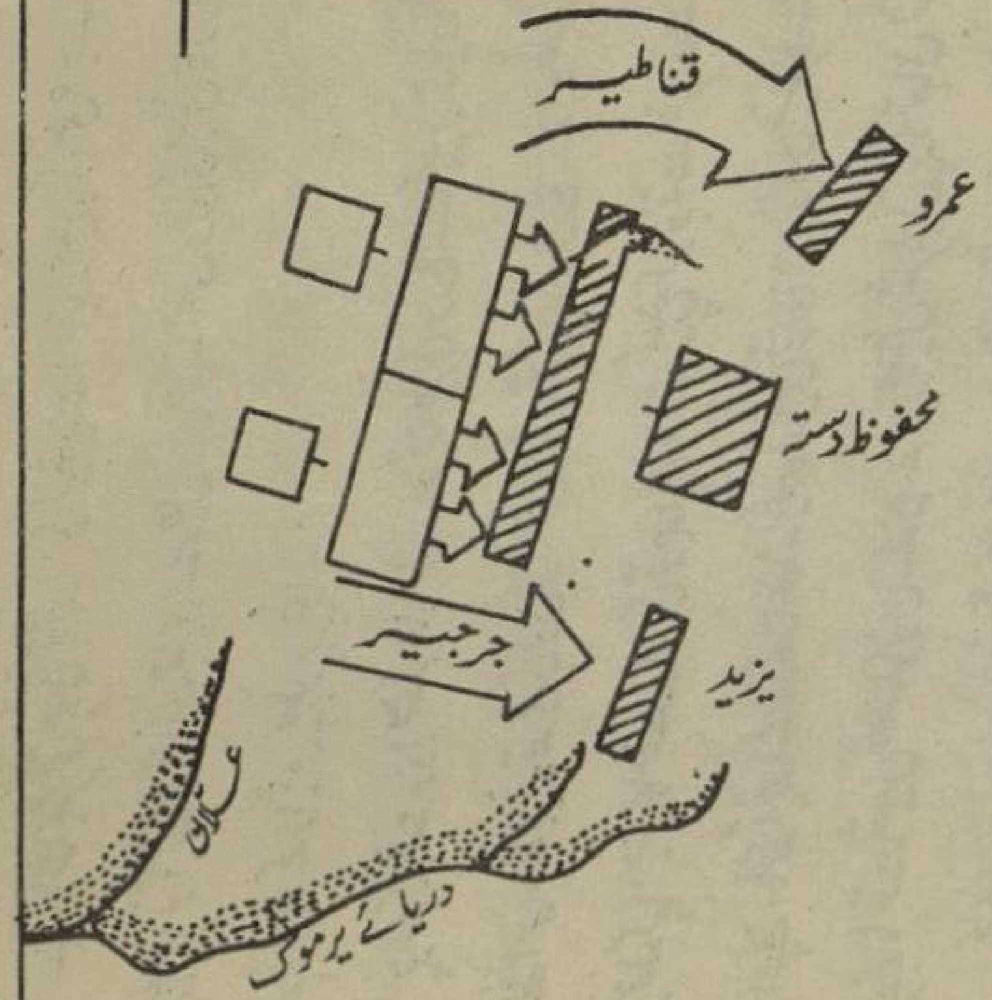
اب جنگ "چنگاریوں" کے مرحلے سے آگے بڑھ چکی تھی۔ اور حالانکہ اس نے ابھی "بے تحاشا بھڑکتی ہوئی آگ" کی کیفیت اختیار نہیں کی تھی، جب جنگ کا تیسرا دن شروع ہوا تو آگ خوفناک تیزی سے جل رہی تھی۔ اس دن کی جنگی کارروائی کا زیادہ تر بار مسلم فوج کے دائیں پہلو پر پڑا۔

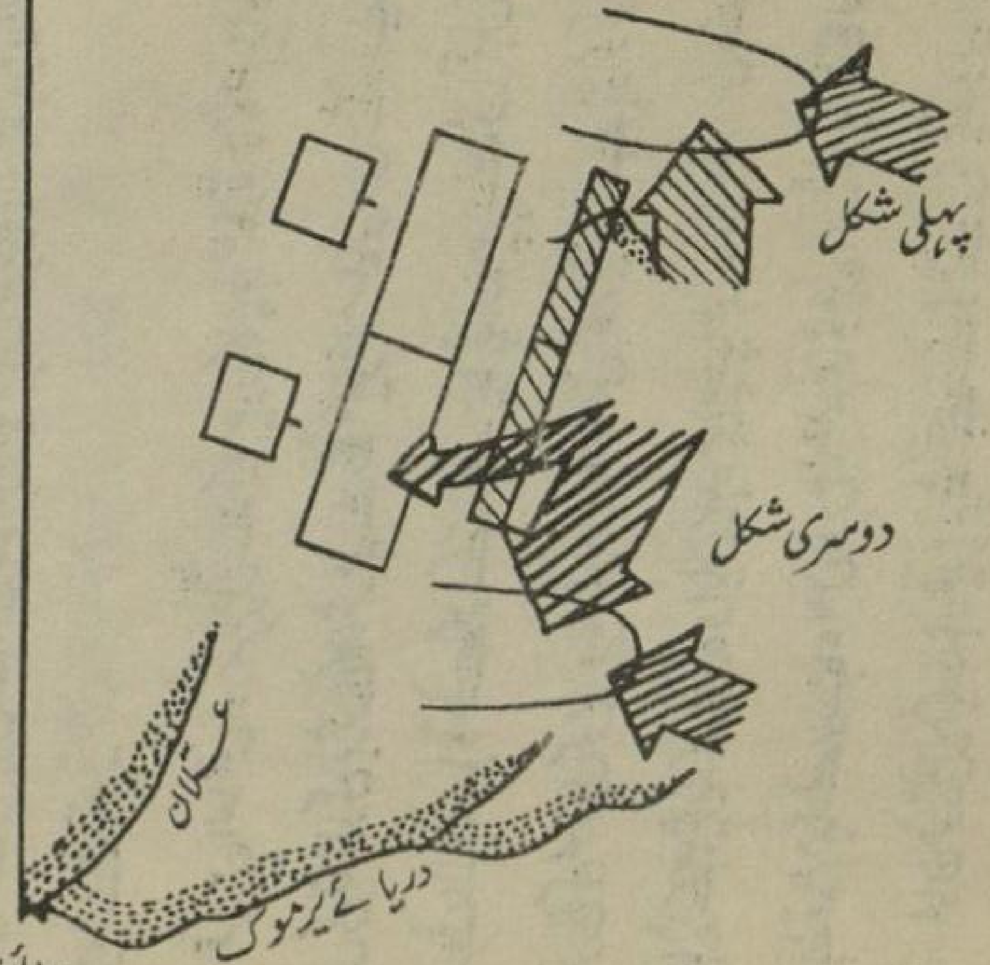
چونکہ گذشتہ روز لشکر سلاسل نے قناطیر کی فوج سے کہیں زیادہ نقصان جھیلا تھا، اس لئے اس نے پیش قدمی کی کوئی کوشش نہ کی۔ قورین کی فوج نے ابو عبیدہؓ کی فوج پر ایک محدود حملہ کیا، جس کا مقصد ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ کر بوقت ضرورت استعمال کے مسلم سپاہ کو اپنے ساتھ اُلجھائے رکھنا تھا۔ لیکن آرمینی فوج اور رومی میسرہ نے، جو اب دونوں قناطیر کے ماتحت تھیں، مسلمانوں کے میمنہ اور جیش شرجیلؓ پر انتہائی شدت سے حملہ کیا۔ اس حملے کو انہوں نے اس جگہ مرکوز کیا جہاں شرجیلؓ اور عمرو بن العاصؓ کے جیوش کے بازو ملتے تھے۔

عمرو بن العاصؓ اور شرجیلؓ نے رومیوں کا پہلا حملہ تو ناکام بنا دیا، مگر کچھ دیر بعد رومیوں کی تعداد کی برتری کا اثر ہونے لگا، کیونکہ مسلمان ان کے پے در پے حملوں کا مقابلہ صرف اپنے سپاہ سے کر سکتے تھے۔ چنانچہ دوپہر سے ذرا قبل قناطیر نے کئی جگہ اسلامی فوج کی صفوں کو چیر دیا۔ عمرو بن العاصؓ کا جیش اپنے پڑاؤ کی طرف پسپا ہو گیا، اور شرجیلؓ کے جیش کے محاذ کا دایاں پہلو بھی پسپا ہو گیا۔ البتہ اس کے بائیں پہلو کے سپاہ اپنے قدم جمائے رہے۔ اس طرح مسلم محاذ میں اب کئی جگہ شگاف پڑ گئے۔

مسلمان عورتیں ایک بار پھر اپنے خیمے کے ڈنڈوں، پتھروں اور تیز زبانوں کے ساتھ برسرِ پیکار آ گئیں۔ اور ایک بار پھر مسلمان ان سے پیچھا چھڑانے کو رومیوں کا سامنا کرنے کے لئے مڑے۔ ان مسلمانوں میں سے ایک نے بعد میں اپنے ساتھیوں سے کہا "رومیوں کا سامنا کرنا اِن عورتوں کا سامنا کرنے سے زیادہ آسان

نقشہ نمبر ۲۱ جنگِ یرموک - دوسرا دن





ہے[1]۔ جیوش کے زیادہ تر سپاہ نے مل کر ایک نیا محاذ مرتب کیا اور رومیوں کی مزید پیشقدمی کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ عمرو بن العاصؓ نے تو اپنی پیدل اور گھڑ سوار فوج سے اس سعی میں جارحانہ حملہ بھی کیا تاکہ رومیوں کی آگے بڑھی ہوئی فوج کو پیچھے دھکیل دیا جائے۔ مگر ان کو اس میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

اس مرحلے پر ایک مسلمان خاتون دوڑتی ہوئی خالدؓ کے پاس آئیں۔ انہیں اچانک ایک روشن جنگی تدبیر سوجھ گئی تھی جسے وہ خالدؓ تک پہنچانا چاہتی تھیں، کہ شاید انہیں خود اس کا خیال نہ آیا ہو! "اے ابن الولید" اُس عورت نے کہا " تم عرب کے بہترین جوانمردوں میں سے ہو۔ یہ یاد رکھو کہ لوگ اپنے قائدوں کے پیچھے ہی ڈٹتے ہیں۔ اگر قائد ثابت قدم رہیں تو وہ بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔ اگر قائد شکست کھا جائیں تو سب شکست کھا جاتے ہیں[2]"، خالدؓ نے نہایت شرافت سے اس مشورے کے لئے خاتون کا شکریہ ادا کیا اور ان کو یقین دلایا کہ مسلم فوج کے قائد رُومیوں سے نہیں ہاریں گے۔

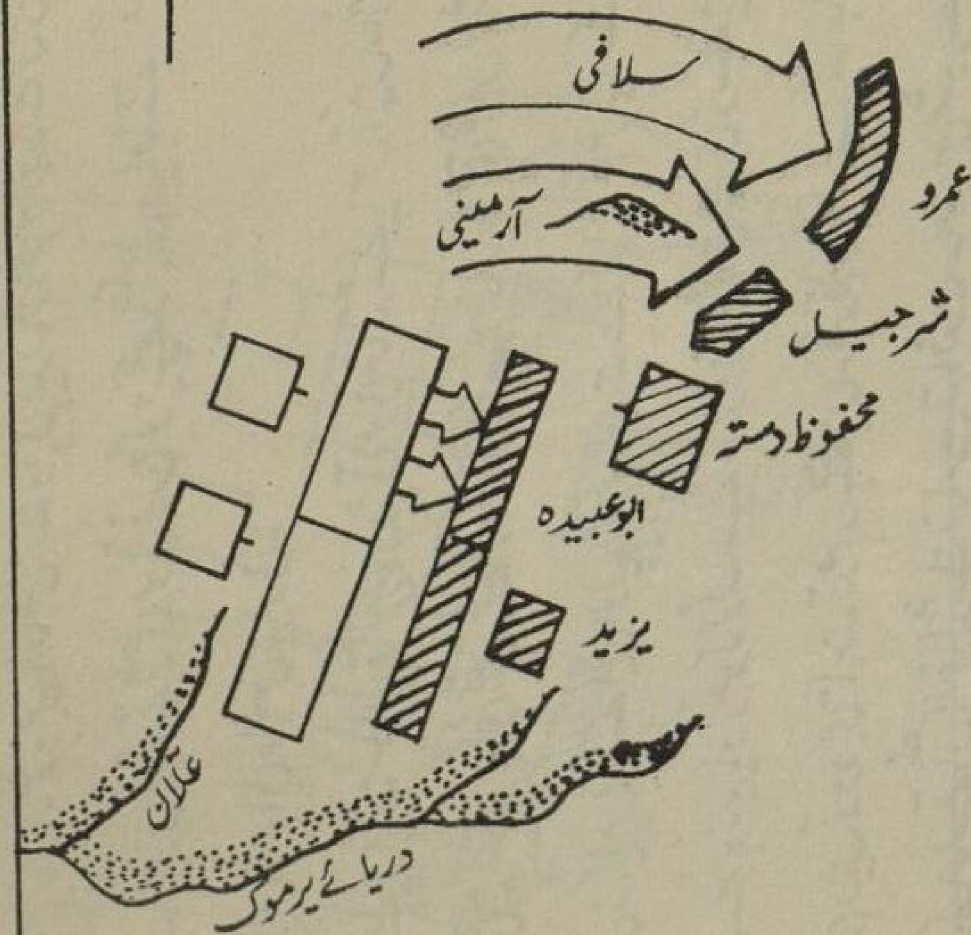
اب خالدؓ نے اپنے مخصوص تازہ دم رسالے کے ساتھ قناطیر کے دائیں پہلو پر حملہ کیا۔ عین اُسی وقت عمرو بن العاصؓ کے رسالے نے دائیں سے پیترا بدل کر قناطیر کی فوج کے بائیں پہلو پر حملہ کیا۔ عمرو بن العاصؓ اور شرجیلؓ کی پیدل فوج نے سامنے سے جوابی حملہ کیا۔ (دیکھئے نقشہ ۲۲۔) مگر اس دفعہ رُومی فوج نے جوابی حملے کا زیادہ ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور سینکڑوں مسلمان شہید ہو گئے۔ پھر بھی شام ہوتے ہوتے رُومی فوج کو اس کے ابتدائی محاذ تک واپس دھکیل دیا گیا اور صورت حال وہی

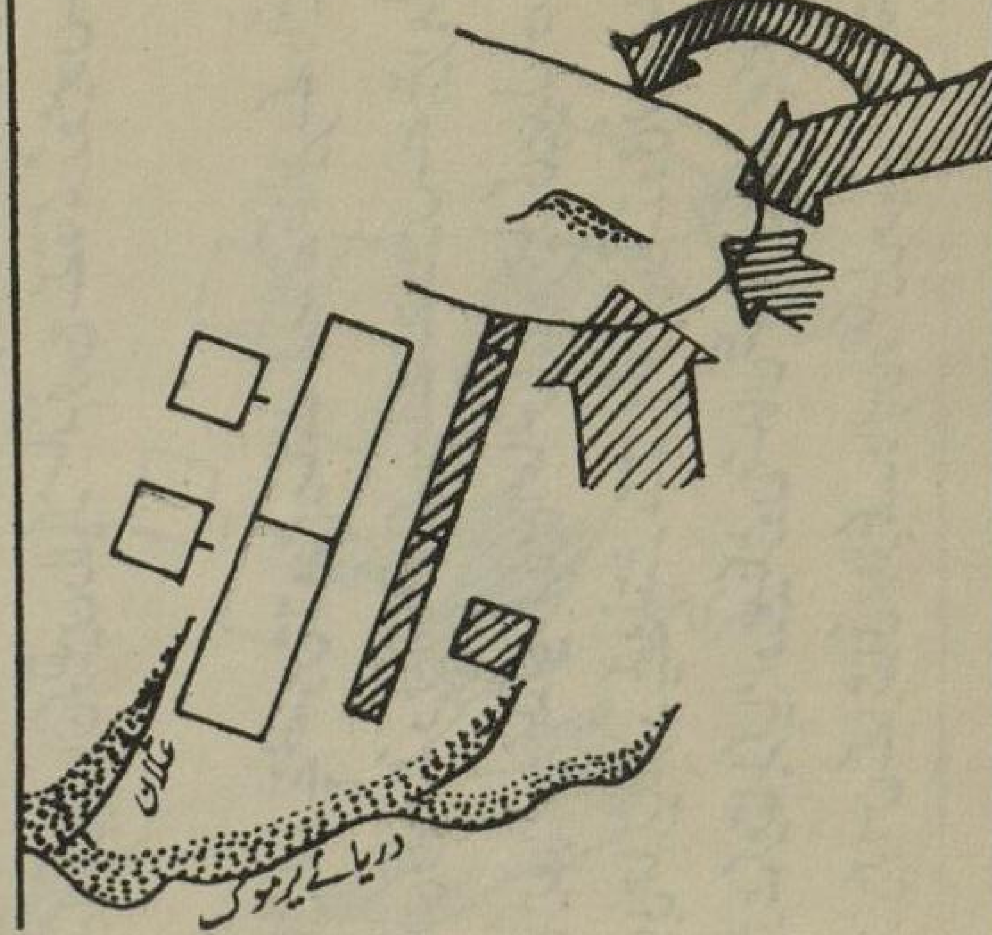
---

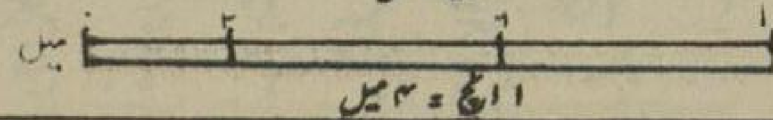
[1] ایضاً: ص۱۴۳۔

[2] ایضاً۔

نقشہ نمبر ۲۳ جنگ یرموک تیسرا دن







ہو گئی جو جنگ کے آغاز میں تھی۔

یہ دن گذشتہ دِن سے زیادہ سخت ثابت ہوا تھا۔ لیکن رُومیوں کا جانی نقصان مسلمانوں سے بہت زیادہ ہوا، اور تمام دن لڑنے کے بعد مسلمانوں کے حوصلے پہلے سے بھی زیادہ بلند تھے جبکہ رُومیوں کے حوصلے نے شدید چوٹ کھائی۔ اب رُومی شوریدہ حال ہوتے جا رہے تھے۔ بھاری جانی نقصان کے باوجود اُن کے تمام حملے ناکام ہو چکے تھے، اور ان کی حالت ابتدائے جنگ کے وقت سے ذرا بھی بہتر نہ تھی۔ ماہان نے اپنے افسروں کو سخت سُست کہا، اور انہوں نے اگلے دن بہتر کارگزاری کا وعدہ کیا۔ اگلا دن فی الواقعہ اِس جنگ کا سب سے فیصلہ کن دن ثابت ہونے والا تھا۔

خالدؓ اور ابو عبیدہؓ نے تمام رات پڑاؤ کا گشت لگانے میں گزاری، جس میں انہوں نے تھکے ہوئے سپاہ کے حوصلے بڑھائے اور زخمیوں سے باتیں کیں۔ اس جنگ میں کسی کے زخمی ہونے کا یہ مطلب نہ نکلتا تھا کہ اُسے فوج کے عقبی حصّہ میں بھیج دیا جائے۔ ایک مسلم کو صرف ایسی صورت میں جنگ سے مہلت کی کوئی توقع ہو سکتی تھی جب وہ بُری طرح زخمی ہو گیا ہو۔ معمولی زخم کا مطلب تھا کہ چند گھنٹے کے آرام کے بعد پھر محاذ کا رُخ کیا جائے۔

چوتھے روز جو صبح ہوئی اِس میں توقعات کے کھنچاؤ کا ماحول تھا۔ رُومیوں کو معلوم تھا کہ آج کا دن فیصلہ کُن ہے۔ کیونکہ اب ان کو مسلم فوج کو، جو اب تک تمام حملوں کا مقابلہ کرتی چلی آئی تھی، تباہ کر دینے کی سب سے بڑی سعی کرنا تھی۔ اِس دفعہ بھی حملے میں ناکامی کا مطلب یہی ہوتا کہ مزید جارحانہ کارروائی کی کوئی اور گنجائش نہ رہ جاتی۔ معاملہ اب یا پھر کبھی کا نہیں تھا۔

خالدؓ بھی اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ آج کی جنگ ایسے نازک مرحلے میں داخل ہو چکی تھی کہ اس میں کامیابی اور ناکامی کی علامتیں واضح ہو جانے والی

تھیں۔

اب تک ہزاروں رومی قتل ہو چکے تھے، اور صورت یہ تھی کہ اگر انہیں جانکاہ نقصان کے ساتھ پسپا کر دیا جائے تو غالباً وہ پھر جنگ میں پہل نہ کرسکیں۔ اور تب ان پر جوابی حملہ کیا جا سکتا تھا۔ مسلمانوں کی قوت بھی مگر کچھ ماند پڑ گئی تھی۔ صف اوّل کے تیراندازوں کو سب سے زیادہ جانی نقصان پہنچا تھا، اور ان میں سے اب کل ۲۰۰۰ جنگ کرنے قابل رہ گئے تھے۔ ان کو از سرِ نو چاروں جیوش میں پانچ پانچ سو فی جیش کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔

مزید براں، مسلمان سپاہ رومیوں سے زیادہ تھکے ہوئے اس لئے تھے کہ ان کی تعداد کم تھی، لیکن مسلم فوج میں حوصلے پھر بھی پہلے کبھی اتنے بلند نہ رہے تھے جتنے آج کے دن۔

خالدؓ کو سب سے زیادہ فکر اپنے میمنہ کا تھا۔ لیکن آن کو یہ اطمینان بھی تھا کہ میمنہ کی قیادت عمرو بن العاصؓ کے سپرد تھی، جن کا سپہ سالاری میں سوائے خالدؓ کے کوئی ثانی نہ تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے اس جنگ کی سب سے گھمسان کی لڑائی میں شریک رہنے تھے، اور یہی ان کے ساتھ آئندہ بھی ہونے والا تھا۔ بہرحال عمرو بن العاصؓ، جو عربوں میں سب سے تیز فہم ہونے کی شہرت رکھتے تھے، ہر رومی سالار پر بھاری تھے۔

ماہان نے اس دن کی کارروائی بھی پچھلے دن کی طرح اسلامی فوج کے دائیں بازو پر حملہ کر کے شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ مسلم محاذ کے اس حصّے کو پیچھے دھکیل کر اور اس کے بوقت ضرورت استعمال کے دستوں کو بھی یہاں اُلجھا کے، وہ پھر فوراً اپنی بقیہ فوج سے بائیں بازو پر حملہ کر دے۔ اس جنگی منصوبے کے مطابق قناطیر کی سلاوی اور آرمینی فوجیں عمرو بن العاصؓ

اور شرجیل کے جیش پر جھپٹیں۔ عمرو بن العاصؓ کو ایک بار پھر پیچھے دھکیل دیا گیا، مگر اتنی دور تک نہیں جتنا کہ گذشتہ روز۔ اس بار مسلمان اپنی عورتوں کے طیش کا سامنا کرنے کو تیار نہ تھے! اپنی اصل جگہ سے ذرا پیچھے ہٹ کر عمرو بن العاصؓ کے جیش نے سلافیوں کو روک لیا۔ یہاں جوڑ توڑ کے بجائے سیدھی سیدھی دست بدست لڑائی جاری ہو گئی جس میں شمشیر زن عمروؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے رومیوں سے زیادہ ضربیں لگا کر انہیں بہت نقصان پہنچایا۔

لیکن شرجیلؓ کے محاذ پر آرمینیوں نے مسلمانوں کی صفوں میں شگاف ڈال کر انہیں پیچھے ان کے پڑاؤ کی طرف دھکیل دیا۔ جبلہ کے عیسائی عرب آرمینیوں کی پوری مدد کر رہے تھے، اور اسلامی محاذ میں یہ مدخول سب سے خطرناک تھا۔ شرجیلؓ اس پیشقدمی کی رفتار کو کچھ آہستہ تو کر پائے لیکن اس کو ردّ نہیں کر سکے۔ جلد ہی ظاہر ہو گیا کہ یہ جیش کچھ زیادہ عرصے کے لئے ثابت قدم نہ رہ پائے گا۔ اس لئے اب وقت قریب آ گیا تھا کہ خالدؓ اسے بچانے کو اپنا رسالہ حرکت میں لائیں۔

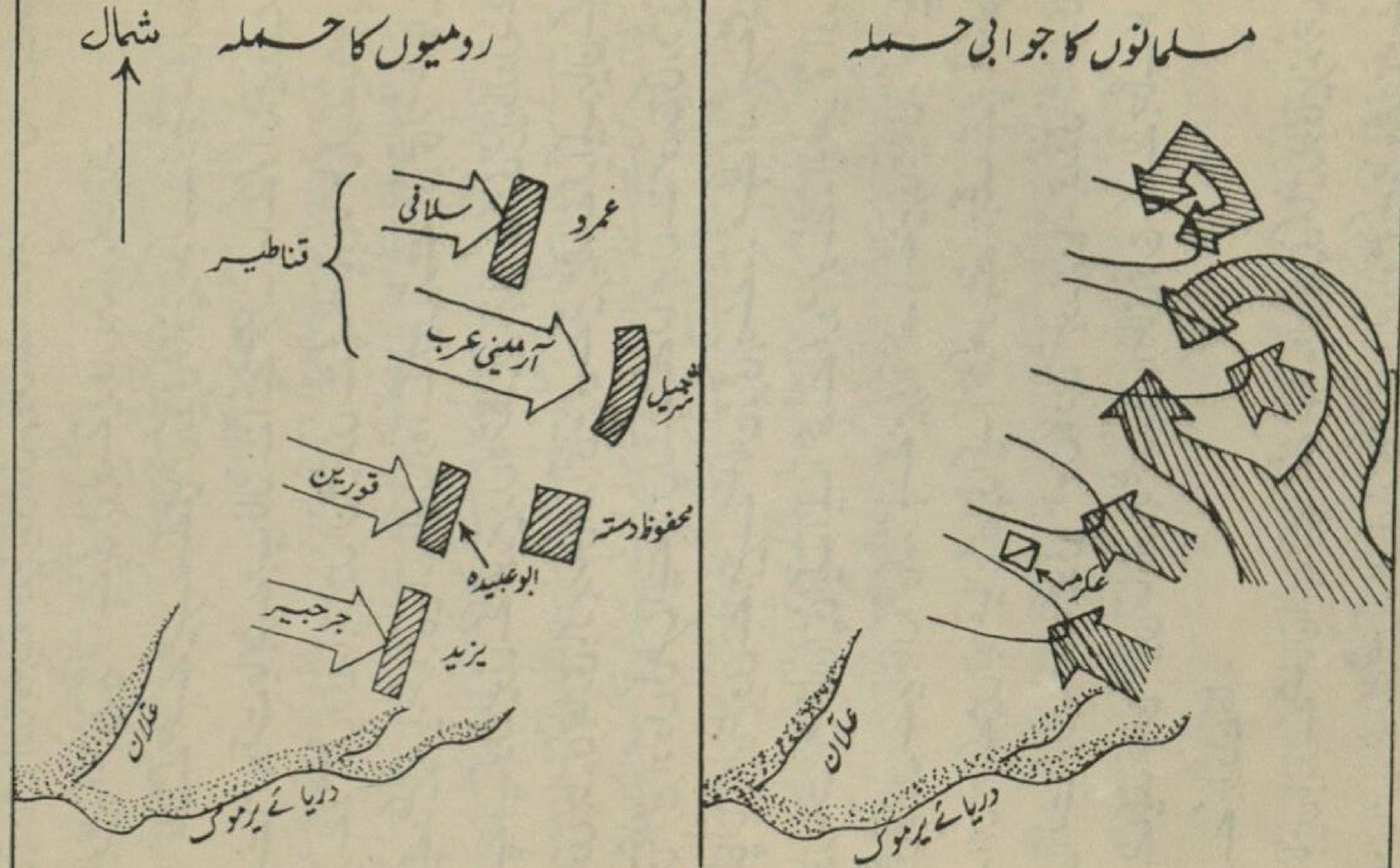
خالدؓ کو جس بات کا سب سے زیادہ اندیشہ تھا وہ یہ تھا کہ رومی ایک وسیع محاذ پر ایک بھاری حملہ نہ کر دیں۔ اس صورت میں اگر دشمن جگہ جگہ صفوں کو چیرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اسے واپس نہیں دھکیلا جا سکتا تھا، کیونکہ خالدؓ کا رسالہ بیک وقت ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دوسرے دن کی جنگ میں خالدؓ دونوں بازوؤں کی حالت اس لئے بحال کر پائے تھے کہ ان کو پہلے ایک اور پھر دوسرے دخول سے یکے بعد دیگرے نمٹنے کا موقع مل گیا۔ لیکن اگر رومی کئی جگہ بڑی قوت سے بڑھ آتے تو ان کو روکنا ممکن نہ رہتا۔ جب خالدؓ نے دیکھا کہ عمرو بن العاصؓ اور شرجیلؓ کے جیوش پر دشمن بھاری پڑ رہا ہے تو انہوں نے ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور یزید کو حکم دیا کہ وہ اپنے محاذ سے رومیوں پر حملہ کریں، تاکہ اس طرح پہل کر کے یہاں رومی حملے کے امکان کی پیش بندی

کردی جائے۔ چنانچہ یہ ایک تداری کارروائی تھی۔ دوپہر تک ابوعبیدہؓ اور یزیدؓ کے جیوش نے تورین اور جرجیر کی فوجوں کو اُلجھائے رکھا، اور جب شرجیلؓ کی حربی صورت حال نازک ہو چکی تو یہ دونوں جیش رومی محاذ کے دائیں بازو پر دباؤ ڈال رہے تھے۔

خالدؓ نے اب، اپنے میسرے کی طرف سے قدرے مطمئن ہو کر آرمینیوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے بوقت ضرورت استعمال کے رسالے کو دو مساوی جماعتوں میں تقسیم کیا۔ ایک کی قیادت انہوں نے قیس بن ہبیرہ کو سونپی اور دوسرے کی اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ اپنے سوار جوق کے ساتھ بڑی پھرتی سے شرجیلؓ کی فوج کے عقب سے چکر کاٹ کر اچانک آرمینیوں کے شمالی بازو پر حملہ آور ہوئے۔ اور اب آرمینیوں اور عیسائی عربوں کے خلاف ایک سہ شاخہ جوابی حملہ شروع ہو گیا۔ خالدؓ دائیں طرف سے، قیس بائیں طرف سے اور شرجیلؓ سامنے سے۔ (دیکھئے نقشہ ۲۳۔) میدان جنگ کے اس حصے میں اُس وقت مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا جب دشمن نے پوری قوت سے مزاحمت کی، اور یہ شدید لڑائی کئی گھنٹوں تک جاری رہی۔ لیکن آخرکار مسلم سوار اور پیدل افواج کی زبردست ضربوں سے آرمینیوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ اپنے پرانے محاذ کی طرف لوٹ آئے۔ اس کارروائی میں، جو تمام سہ پہر جاری رہی، عیسائی عربوں نے سب سے زیادہ نقصان جھیلا۔

جیسے ہی آرمینی پیچھے ہٹے، عمرو بن العاصؓ نے سلافیوں کو ان کے آگے بڑھے ہوئے محاذ سے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ اور اپنے بازو پر آرمینی سہارے سے محروم ہو کر اب سلافی بھی پیچھے ہٹے۔ شرجیلؓ اور عمرو بن العاصؓ کی حربی حالت اس طرح بحال ہو گئی۔ لیکن مسلم میمنہ کی یہ کارروائی شام سے پہلے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی۔ اور عین اُس وقت جب یہ پروان چڑھ رہی تھی، مسلمان میسرے پر اتنی ہی نازک اور اور بھی زیادہ شدید جنگ لڑی جا رہی تھی۔ اس دوسری کارروائی کو خاص طور پر

نقشہ نمبر ۲۳ جنگ یرموک چوتھا دن



خطرناک اس بات نے بنا دیا کہ کل بوقت ضرورت استعمال کی فوج میمنہ کی جنگ میں اُلجھی ہوئی تھی، اور ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کی کوئی مدد کرنے سے قاصر تھی۔ اس صورت حال میں ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کو اپنے ہی بل بوتے پر دار و مدار رکھنا پڑا۔

خالدؓ کے حکم سے میسرے کے جیش رُومی محاذ پر حملہ کرنے کو پیشقدمی کر کے اس سے اس وقت جا بھڑے جب خالدؓ نے اپنے متحرک رسالے کو آرمینیوں پر حملہ کرنے کو جنبش دی۔ ابتدا میں ان جیشوں نے کچھ کامیابی حاصل کر کے رُومیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ مگر ابھی یہ کارروائی زیادہ آگے نہیں بڑھنے پائی تھی کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو رُومیوں کے کٹھور تیروں کا شکار پایا۔ ہزاروں رُومی تیر اندازوں نے مسلمانوں پر ایسی بھاری باڑ برسائی اور اتنی تیزی سے تیر چلائے کہ ایک بیان کے مطابق ”تیر اولوں کی طرح ایسے برس رہے تھے کہ انہوں نے سورج کی روشنی کو چھپا لیا“۔[1] اِن تیروں سے بہتیرے مسلمان زخمی ہوئے۔ زخم ہلکے اور گہرے بھی لگے اور سات سو مسلمان اپنی ایک ایک آنکھ سے محروم ہو گئے۔ ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کی فوجوں سے یہ فغاں اُٹھی کہ ”ہائے میری آنکھ۔ ہائے میری بینائی“۔[2] کہا گیا ہے کہ اس معرکے میں ابو سفیان بھی اپنی ایک آنکھ کھو بیٹھے۔ جنگ کے چوتھے دن کی اس آفت کی وجہ سے وہ پھوٹی آنکھوں کا دن مشہور ہو گیا۔ جو رومی نشانہ بازی کے لئے ایک خراج تحسین تھا۔ اور بلا شبہ یہ دن اِسلامی فوج کے لئے جنگ کا سب سے بُرا دن تھا۔

بائیں بازو کے مسلمان اب پیچھے ہٹنے لگے۔ ان کی اپنی کمانیں رومی تیر اندازوں کے خلاف اس لئے بیکار تھیں کہ اِن کی مار بھی کم تھی اور تعداد بھی کم۔ مزید مجروح ہونے

---

[1] ایضاً: ص ۱۴۶-۱۴۸۔ [2] ایضاً: ص ۱۴۹۔

اور جانی نقصان اٹھانے سے بچنے کا ایک یہی ذریعہ تھا کہ رومی تیر اندازوں کی زد سے باہر نکلا جائے، اور ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ نے فوراً ایسا ہی کیا۔ جب طرفین الگ ہٹ آئے تو دونوں محاذ اپنی اپنی جگہ پر ساکت ہو گئے اور مسلمانوں نے سمجھداری سے دوبارہ آگے بڑھنے کی کوشش نہ کی۔ فی الحقیقت تیر کے زخموں اور پھوٹی آنکھوں کے باعث مسلمانوں میں کافی کچھ اضطراب برپا تھا۔

لیکن ماہان اور اس کے سالاروں، جرجیر اور قورین، نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے، اور انہوں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ان کی دو فوجیں اس ارادے کے ساتھ آگے بڑھیں کہ مسلمانوں پر حملہ ایسے میں کیا جائے کہ وہ اپنی پسپائی سے سنبھل نہ پائے ہوں۔ اب دونوں فوجیں ایک بار پھر ٹکرائیں۔ اس حملے سے مسلمان مزید پسپا ہو کر اپنے پہلے محاذ تک واپس ہٹ آئے۔ مگر یہاں رومیوں نے، یہ جانتے ہوئے کہ جنگ کا یہ دن فیصلہ کن ہوگا، اور زیادہ زور شور سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کے جیوش کو اس طرح کچھ دور اور پیچھے دھکیل دیا گیا۔ سوائے جوق عکرمہؓ کے جو ابو عبیدہؓ کے محاذ کے بائیں کنارے پر ثابت قدم رہا۔

نڈر عکرمہؓ نے پیچھے ہٹنا منظور نہ کیا اور اس کے بجائے اپنے سپاہ کو ان کے ساتھ موت کا عہد کرنے کی دعوت دی۔ یعنی کہ وہ لڑتے لڑتے مر مٹیں گے لیکن اپنی جگہ سے نہ ہلیں گے۔ اس دعوت کے جواب میں ان کے ۴۰۰ مردان کارزار نے فوراً عہد کیا، اور رومیوں پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے رومیوں کو نہ صرف اپنے محاذ پر دفع کر دیا، بلکہ ان کے قریب سے گزرنے والے دستوں پر بھی سخت جھپٹے مارے۔ اس محاذ سے مسلمان کبھی پیچھے نہ ہٹے۔ ان ۴۰۰ متعہد مجاہدوں میں سے ہر ایک یا تو شہید ہو گیا یا بُری طرح زخمی، لیکن انہوں نے اپنی تعداد

سے کہیں زیادہ رومیوں کا خاتمہ کر دیا۔ عکرمہؓ اور ان کے فرزند 'عمرو' کے مہلک زخم لگے۔

اس دفعہ ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کے جیوش پڑاؤ تک نہیں پہنچے۔ ان کو اسکی ضرورت نہ پڑی، کیونکہ عورتیں خود، اکثر تلوار ہاتھ میں لئے، لپک کر آگے بڑھیں اور اپنے مردوں سے جا ملیں۔ انہوں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ انجام جنگ کا انحصار موجودہ مرحلے پر ہے۔ وہ رومیوں کے لئے تلواریں اور خیموں کے ڈنڈے لئے آئیں اور مسلم زخمیوں اور پیاسوں کے لئے پانی۔ ان میں شامل خولہ اور زوجۂ زبیر اور اُمّ حکیم تھیں، جنہوں نے دوسری عورتوں سے پکار پکار کر کہا: " ان غیر مختنوں کے اعضا پر ضرب لگاؤ"۔ پھر عورتیں مسلم جیوش کے درمیان سے گزر کر صف اوّل تک اس ارادے کے ساتھ آگئیں کہ اس بار وہ اپنے مردوں کے آگے لڑیں گی۔ یہ واردات اس محاذ پر نقطۂ گریز ثابت ہوئی۔

مسلمانوں نے جب اپنی عورتوں کو شانہ بشانہ، اور بعض کو خود آگے بڑھ کر لڑتے دیکھا تو ان پر بھوت سوار ہو گیا۔ غیض و غضب سے بھرے، انہوں نے رومیوں پر اندھا دھند واروں کا ایسا حملہ شروع کیا جس میں اب نہ کوئی تدبیر تھی نہ کوئی سپہ سالاری بس ہر سپاہی فوق البشر زور لگا کر اپنی جنگ آپ لڑ رہا تھا۔ تلوار اور خنجر کے واروں سے ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کے جوانمردوں نے رومیوں کو پیچھے ریلنا شروع کیا، اور رومی غضبناک مسلمانوں کی خونخوار ضربوں کے سامنے تیزی سے پسپا ہونے لگے۔ (دیکھئے نقشہ ۲۳)

اس دن کی جنگ سہ پہر کے آخری حصے میں تمام محاذ پر اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی۔ اس وقت سب سپہ سالار بھی سپاہ کی طرح برسرِ پیکار تھے۔ اور ہر سالارِ جیش بہادروں کا سردار ہونے کی قابلیت ثابت کر رہا تھا۔ کئی رومی مسلمان عورتوں

لہ ایضاً، ص ۱۴۹۔ بلاذری کے مطابق (ص ۱۴۱) یہ الفاظ ہند نے ادا کئے تھے۔

کے ہاتھوں خاک میں مل گئے۔ خولہ نے ایک رومی جنگجو پر بڑھ کر حملہ کیا، مگر ان کا مدمقابل ان سے بہتر شمشیرزن نکلا، اور اس کی تلوار کی ضرب ان کے سر پر لگی تو وہ وہیں گر پڑیں اور ان کے بال خون سے سرخ ہو گئے۔ جب رومی پیچھے دھکیل دیئے گئے اور عورتوں نے خولہ کے بے حس و حرکت جسم کو دیکھا تو انہوں نے واویلا کیا اور ضرارؓ کو دیوانہ وار ڈھونڈنے لگیں کہ انہیں خبر کی جائے کہ اس کی پیاری بہن مرگئی۔ لیکن ضرارؓ شام تک ہاتھ نہیں آئے۔ اور جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں ان کی بہن پڑی تھیں تو وہ مسکرا کر اٹھ بیٹھیں۔ وہ درحقیقت صحیح وسالم تھیں!

جھٹ پٹا چھاتے چھاتے اس دن کی کارروائی ختم ہو گئی۔ دونوں فوجیں ایک بار پھر اپنے اپنے ابتدائی محاذ پر کھڑی تھیں۔ یہ دن بڑا وحشتناک گزرا تھا ایسا دن جس کو یرموک کے نبرد آزما کبھی نہ بھولنے والے تھے اور جس میں رومیوں کی فتح ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ بہتیرے رومیوں نے اپنی جانیں ایسی فتح کے لئے دیں جو آخر انکے نصیب میں نہ تھی۔ سب سے زیادہ تباہ کن نقصان مردانِ سلاسل، آرمینیوں اور عیسائی عربوں نے جھیلا۔ مسلمانوں کا بھی گذشتہ دنوں سے زیادہ نقصان ہوا، اور ان کے مجروحین کی تعداد زخمی نہ ہونے والوں سے زیادہ تھی۔ لیکن ایک فخر و اطمینان کی تابانی ان کے دلوں کو گرما رہی تھی۔ خاص طور سے خالدؓ کے دل کو، جو جانتے تھے کہ بحران گزر چکا ہے۔ جنگ کا پانسا پلٹ چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ "پھوٹی آنکھوں کے دن" کا تذکرہ ختم کیا جائے، اس کا ایک اور حادثہ بیان کرنے کو رہ گیا ہے۔ ہوا یہ کہ شرجیل کے محاذ پر جنگ کے ایک وقفے کے دوران خالدؓ اچانک سخت پریشان نظر آئے اور ان کے سپاہ کو اس پر بہت تعجب ہوا، کیونکہ انہوں نے اس طرح مضطرب کبھی نہ دیکھا تھا۔ لیکن معاملہ ان کی سمجھ میں اس وقت فوراً آ گیا جب خالدؓ نے حکم دیا کہ ان کی سرخ ٹوپی کو تلاش

کیا جائے، جو میدانِ جنگ میں کہیں گر گئی تھی۔ ٹوپی کو جھٹ پٹ تلاش کیا گیا اور جب وہ مل گئی تو خالدؓ نے بے حد شکر ادا کیا۔ چند لوگ ایسے بھی تھے جن کو اس ٹوپی کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ اُنہوں نے خالدؓ سے پوچھا کہ اِس ٹوپی میں کیا خاص بات تھی۔ تب خالدؓ نے ان کو سُرخ ٹوپی کا قصّہ سنایا:

"جب رسول اللہؐ نے حجتہ الوداع کے موقعے پر اپنے سر کے بال منڈوائے تو میں نے اُن میں سے کچھ بال اُٹھا لئے۔ انہوں نے پوچھا کہ 'خالد، تم اِن کا کیا کرو گے؟' تو میں نے عرض کیا 'یا رسول اللہؐ میں اِن بالوں کے ذریعے دشمن سے لڑتے وقت تقویت حاصل کروں گا' اُنہوں نے فرمایا تم اُس وقت تک کامیاب رہو گے جب تک یہ تمہارے ساتھ ہیں۔ میں نے یہ بال اپنی ٹوپی میں بُنوا لئے اور میری آج تک کسی ایسے دشمن سے مُٹھ بھیڑ نہیں ہوئی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے زیر نہ ہوا ہو۔"[1]

یہ تھی خالدؓ کی سُرخ ٹوپی کی کہانی، جو ان کی واحد ایسی ملکیت تھی جس سے وہ کبھی جدا نہ ہوتے تھے۔

اندھیرا چھا چکا تھا جب خالدؓ خون آلود زمین پر ابو عبیدہؓ کے محاذ کے سرے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے ایک زانو پر اُن کے بھتیجے اور عزیز چہیتے دوست عکرمہؓ کا سر رکھا تھا، اور دُوسرے زانو پر عکرمہ کے فرزند، عَمرو کا سر تھا۔ باپ بیٹے کے جسموں سے زندگی تیزی سے رُخصت ہو رہی تھی۔ خالدؓ وقتاً فوقتاً اپنی

---

[1] واقدی۔ صہ ۱۵۱۔ بعض مورخین مگر اس روایت اور حدیث کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

اُنگلیاں پانی کے ایک پیالے میں ڈبو کر اُن کے نیم وا لبوں میں پانی ٹپکاتے اور کہتے "کیا ابن حنظمہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم شہید نہیں ہوئے؟"[1] اس طرح عکرمہ اور ان کے بیٹے اللہ کی تلوار کے محبوب بازوؤں میں فوت ہو گئے۔ اور وہ شخص جو برسوں اسلام کا سخت دشمن رہا تھا آخر کار جام شہادت پی کر نجات پا گیا۔ اِس "پھوٹی آنکھوں کے دن" کی کامرانی کا سہرا عکرمہ بن ابوجہل کے سر رہا، ایسے دن کی کامرانی کا جس کی مثال مسلمان ارض شام میں پھر کبھی نہ دیکھنے والے تھے۔

رات امن سے گزری یعنی کہ اگر ایسے تھکے ماندے اور مجروح لوگوں کے لئے کوئی چین ہو سکتا ہے جنہوں نے اپنے جسموں کو وہ قوت اور برداشت کے کارنامے کر دکھانے کو مجبور کیا تھا جن کے لئے کبھی جسم انسانی وضع ہی نہیں کئے گئے تھے۔ معمولاً ابو عبیدہؓ کسی سالار کو رات کے لئے نگراں افسر نامزد کرتے، جس کا فرض یہ ہوتا تھا کہ وہ پہروں اور چوکیوں کا گشت لگا کر پاسبانوں کی چوکسی پر رکھے۔ لیکن اس رات کو سب سالار خود اسقدر تھکے ہوئے تھے کہ ابو عبیدہؓ جیسے شفیق اور بامروت آدمی کے لئے اُن میں سے کسی کو رات کے اس دقت طلب فریضے کے لئے متعین کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کو اپنے ذمے لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے چند صحابیوں کے ساتھ رات کا گشت شروع کیا۔ لیکن انہوں نے جلد ہی دیکھ لیا کہ وہ بیکار کو فکرمند ہوئے تھے۔ جہاں سے بھی وہ گزرتے وہ اپنے سالاروں کو جاگتے، گھوڑے پر سوار اِدھر اُدھر جا کر سنتریوں اور مجروحین سے باتیں کرتے پاتے۔ زبیرؓ اپنی بیوی کے ہمراہ، جو خود بھی گھوڑے پر سوار تھیں، گشت لگا رہے تھے!

جنگ کے پانچویں دن دونوں فوجیں پھر اپنے اپنے محاذ پر صف آرا ہو گئیں۔

---

[1] طبری: جلد ۲، صـ۵۹۷۔ حنظمہ! حضرت عمرؓ کی والدہ تھیں، اور "ہم" سے خالدؓ کی مراد بنی مخزوم تھی۔

انہیں محاذوں پر جہاں سے انہوں نے پچھلے دن جنگ شروع کی تھی۔ مگر آج کے دن نہ سپاہ اتنے سیدھے کھڑے تھے نہ ان میں کل سا رعب داب تھا۔ ہر غیر مجروح کے برابر ایک مجروح کھڑا تھا۔ بعض تو بمشکل کھڑے ہو پا رہے تھے، مگر کھڑے وہ بہر نوع رہے۔ رُومی محاذ میں حرکت کے علامات کا پتا لگانے کو خالدؓ نے اس کی طرف غور سے دل میں یہ سوال لئے دیکھا کہ وہ دوبارہ حملہ کرنے والے تو نہیں ہیں۔ لیکن حرکت کے کوئی آثار نہ تھے۔ کم از کم گھنٹے دو گھنٹے کے لئے کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ پھر ایک شخص رُومی مرکز سے باہر نکلا۔ یہ ماہان کا ایلچی تھا جو مزید مذاکرات کے لئے چند روز کی عارضی صُلح کی ایک تجویز لے کر مسلمانوں کے پاس آیا۔ ابُوعبیدہؓ اس تجویز کو قبول کرنے پر قریب قریب آمادہ ہو گئے، مگر خالدؓ نے ان کو روک لیا۔ خالدؓ کے اصرار پر ابُوعبیدہؓ نے ایلچی کو نفی میں جواب دے کے یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ "ہم اِس معاملے کو جلد ختم کرنا چاہتے ہیں۔"[1]

اب خالدؓ کو معلوم ہو گیا کہ ان کا قیاس صحیح تھا۔ رُومی اب جنگ کے خواہاں نہ رہے تھے۔ باقی دن، جو بلا حادثے کے گزرا، خالدؓ جوابی حملے کی تیاری کے لئے احکامات جاری کرنے اور فوج کی تنظیم میں کچھ ترمیم کرنے میں مصروف رہے۔ تمام سوار دستوں کو یکجا کر کے انہوں نے ایک زور دار سوار قوت مرتب کی جس کا قلب جرّار متحرک رسالہ تھا۔ اِس گھڑسوار جمیعت کی مجموعی قوّت اب کوئی آٹھ ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔

اگلے دن انتقام کی تلوار یرموک کے میدان پر چمکنے والی تھی۔

جنگ کے چھٹے روز کی صبح روشن اور شفاف طلوع ہوئی۔ یہ اگست ۶۳۶ء

---

[1] واقدی : صفحہ ۱۵۳۔

کا چوتھا (رجب ۱۵ ھ کا تیسرا) ہفتہ تھا۔ صبح کی خاموشی اُس طوفان کشت و خوں کا کوئی پتا نہیں دے رہی تھی جو اس دن برپا ہونے والا تھا۔ مسلمان اب کچھ ستائے تھے، اور اپنے تائد کے جارحانہ عزائم سے آگاہ اور ان کے منصوبوں سے بھی کچھ واقف وہ آغاز جنگ کا بےچینی سے منتظر تھے۔ اس دن کی امیدوں نے "چھوٹی آنکھوں کے دن" کی ہولناک یادوں کو زائل کر دیا تھا۔ ان کے سامنے رُومی لشکر کی متردّد صفیں پھیلی ہوئی تھیں جن میں امید تو زور پر نہ تھی لیکن لڑنے کا دم بہت کچھ باقی تھا۔

جبل الدرُوز کے دھندلے افق پر سورج طلوع ہوا لشکر سلاسل کا سپہ سالار، جرجیر، گھوڑے پر سوار رومی قلب سے آگے بڑھا۔ وہ اپنے محاذ کو چھوڑ کر اس طرف مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کرنے کا منصوبہ اس امید میں باندھ کر آیا تھا کہ اس سے تمام مسلم سپاہ کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ جب وہ مسلم قلب کے قریب پہنچا تو وہ یہ للکار کے مبارز طلب ہوا کہ "وہ آئے تو عربوں کا سالار اعظم آئے"۔[1]

ابو عبیدہؓ فوراً آگے بڑھنے کو تیار ہوئے۔ خالدؓ اور اوروں نے اُن کو روکنا چاہا، کیونکہ جرجیر بڑا ماہر اور زورآور جنگجو مشہور تھا۔ اور لگتا بھی تھا۔ سب کا خیال تھا کہ اگر خالدؓ للکار کے جواب میں جائیں تو زیادہ مناسب ہوگا، مگر ابو عبیدہؓ مُصر تھے۔ انہوں نے فوج کا علم خالدؓ کے حوالے کرتے ہوئے کہا، "اگر میں واپس نہ آؤں تو تم فوج کی قیادت کرنا، اس وقت تک جب تک کہ خلیفہ معاملے کو طے کر دیں۔ یہ کہہ کر وہ مبارز طلب کا مقابلہ کرنے کو آگے بڑھے۔[2]

دونوں سپہ سالار اپنے گھوڑوں پر سوار، تلوار ہاتھ میں لئے بھڑے اور انکی تبرد آزمائی شروع ہو گئی۔ دونوں بلا کے شمشیر زن تھے اور انہوں نے ناظرین کو اپنے واروں اور

---

[1] ایضاً، ص۱۵۳ - [2] ایضاً، ص۱۵۳ -

داؤں پیتروں کی سنسنی خیز شمشیر زنی سے حیرت میں ڈال دیا۔ رومی اور مسلمان دونوں سانس روکے کھڑے تھے۔ پھر چند منٹ مزید مبارزت کے بعد جرجیر نے پیچھے ہٹ کر اپنا گھوڑا موڑا اور فرار ہونے لگا۔ اسلامی صفوں میں سے خوشی کے نعرے بلند ہوئے کہ رومی بظاہر شکست کھا گیا تھا لیکن ابو عبیدہؓ اس خوشی میں شریک نہ تھے۔ انہوں نے پسپا رومی پر اپنی نظریں گاڑ کے اپنے گھوڑے کو اس کے تعاقب میں سرپٹ دوڑایا۔

جرجیر بمشکل چند سو قدم گیا ہوگا کہ ابو عبیدہؓ نے اُسے جا لیا۔ اب جرجیر، جس نے قصداً اپنے گھوڑے کی رفتار ایسی رکھی تھی کہ مسلم سالار اس کے برابر آ پائے، پھرتی سے پلٹا اور ابو عبیدہؓ پر تلوار تول کے حملہ آور ہوا۔ اُس کے ظاہری فرار میں دراصل یہ چال تھی کہ وہ اس طرح اپنے حریف پر ایسے میں حملہ کر سکے جب وہ ہوشیار نہ ہو۔ مگر ابو عبیدہؓ بھی تو کوئی اناڑی نہ تھے، بلکہ انہیں شمشیر زنی کے اتنے داؤں پیچ آتے تھے کہ جرجیر کو ان کا اندازہ تک نہ تھا۔ جرجیر نے تلوار بلند ضرور کی لیکن اس سے آگے اس کا وار نہ بڑھ پایا۔ ابو عبیدہؓ کا جوابی وار پہلے ہی اس کی گردن کی جڑ پر جا لگا اور رومی ہاتھ سے تلوار چھوڑ کر زمین پر آ رہا۔ کچھ دیر ابو عبیدہؓ اپنے گھوڑے پر خاموش بیٹھے رُومی سپہ سالار کے وسیع قد و قامت کو دیکھ کر متعجب رہے۔ پھر رومی سالار کے جڑاؤ اور مُرصّع بکتر و اسلحہ کو وہیں چھوڑ کر، جن کو اس نے دنیاوی ساز و سامان کی طرف سے اپنی عادی بے نیازی کے مطابق نظر انداز کیا، یہ درویش سپاہی مڑا اور پا برکاب مسلم محاذ کی طرف لوٹا۔

ابو عبیدہؓ کی واپسی پر خالدؓ اپنا گھوڑا دوڑا کر اُس رسالے میں شامل ہونے چلے گئے جو عَمرو بن العاصؓ کی فوج کے پیچھے تعینات تھی۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے رُومیوں پر عام حملے کا حکم دے دیا، اور پُورا اسلامی محاذ مانند سیلاب آگے بڑھا۔ مسلم قلب اور میسرہ اپنے اپنے محاذ پر رومیوں سے جا بھڑا، مگر انہوں نے اپنے

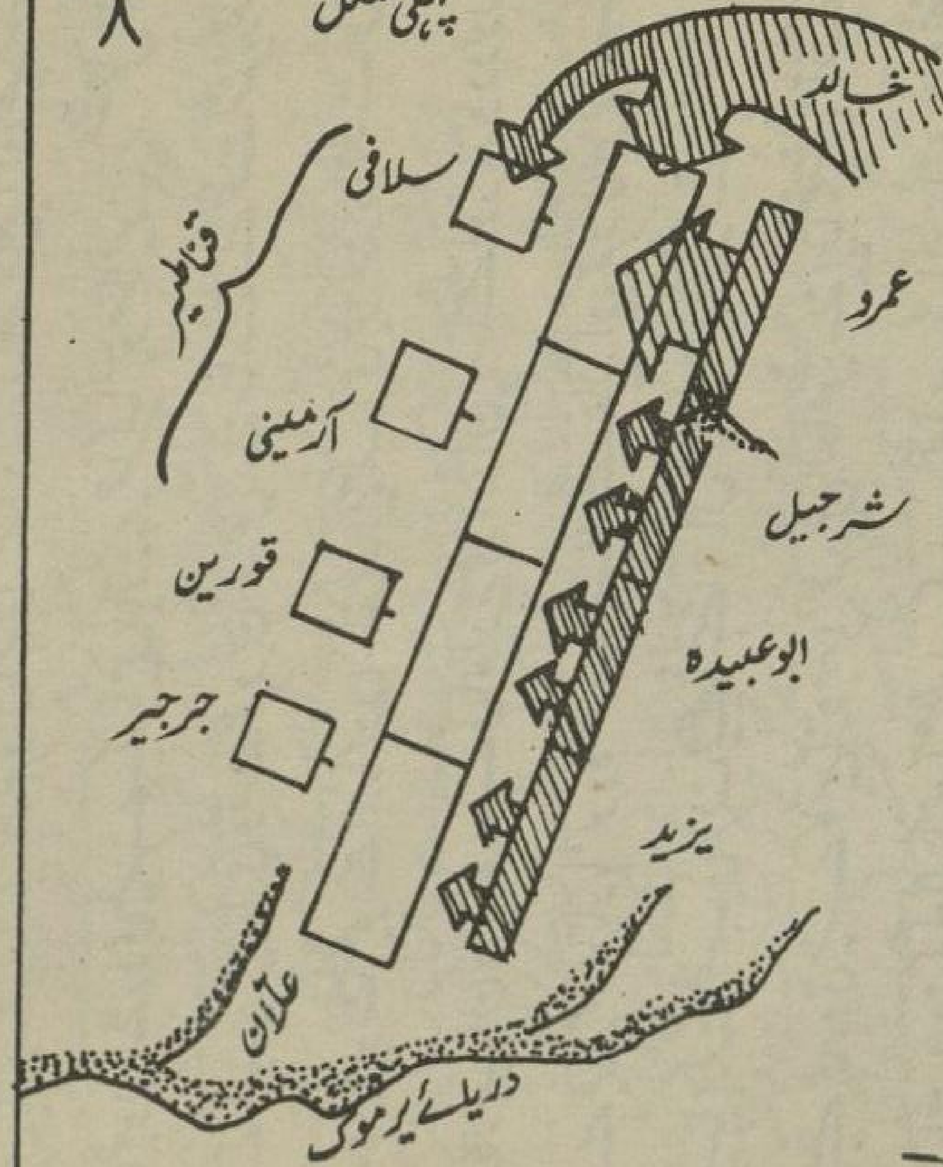
حملے میں زیادہ دباؤ نہیں ڈالا۔ دائیں طرف مسلم رسالہ پوئیا جا کے، چکر کاٹتا ہوا، رومی میسرے کے بائیں بازو پر آ پہنچا۔ یہاں سے خالدؓ نے رسالے کا ایک دستہ الگ کر کے رومی بائیں بازو کے رسالے سے نبرد آزما ہو کر اسے روکے رکھنے کو بھیجا، اور بقیہ رسالے کے ساتھ انہوں نے رومی میسرے کے بائیں بازو پر حملہ کیا، جو سلافیوں پر مشتمل تھا اور جس کے قلب پر عین اسی وقت عَمرو بن العاصؓ نے سامنے سے سخت شدید حملہ کر دیا۔ سلافی جیوٹ جنگجو تھے اور انہوں نے کچھ دیر تک اپنی جراٴتمند مدافعت کی۔ لیکن آخر کار جب ان کو اپنے رسالے کی امداد نہ ملی، اور ان پر سامنے اور بازو دونوں جانب سے برابر حملہ ہوتا رہا، تو وہ مغلوب ہونے لگے۔ خالدؓ اور عمروؓ کی ضربوں کے سامنے پسپا ہو کر وہ قلب کی طرف پیچھے ہٹے، جہاں آرمینی صف آرا تھے۔

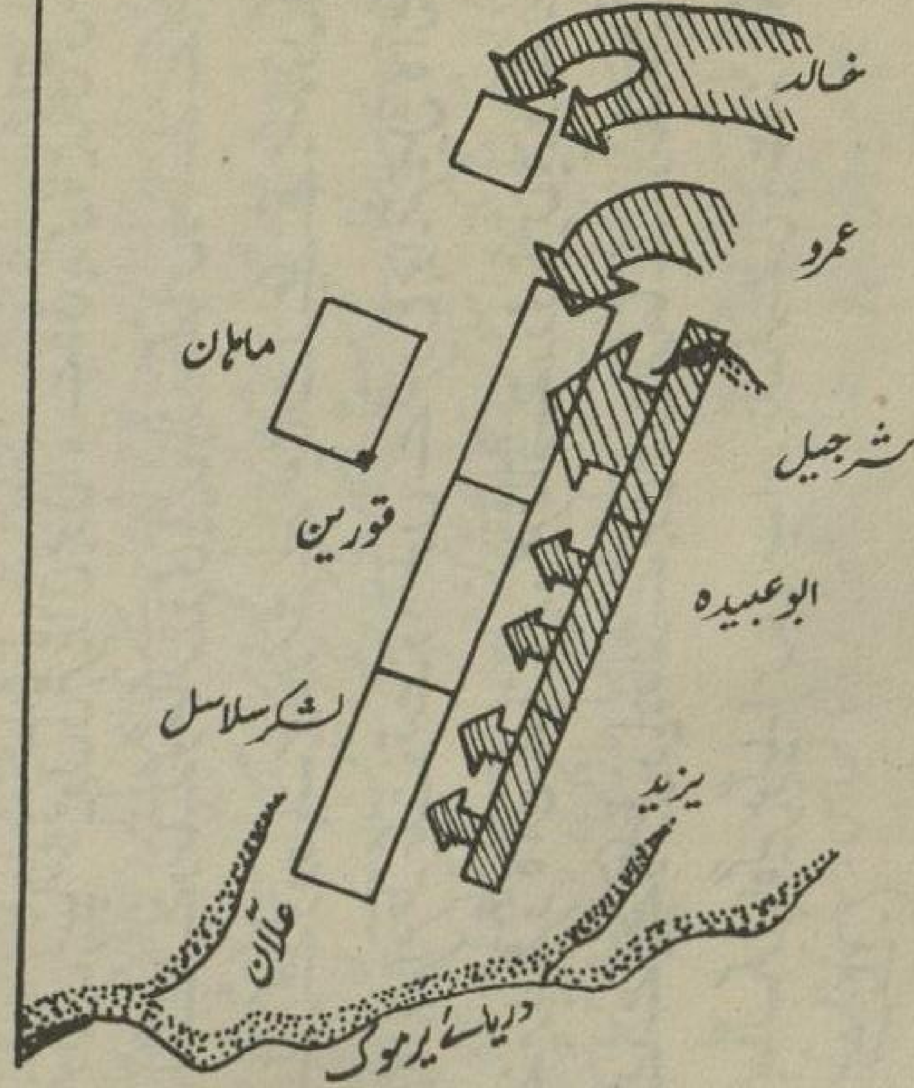
جیسے ہی رومی میسرے کا شیرازہ بکھرا، عَمرو بن العاصؓ نے اپنا جیش آگے بڑھا کے بائیں طرف کو گھما کر اُسے آرمینیوں کے اب کھلے ہوئے بائیں بازو سے جا بھڑایا جس کی صفوں میں پسپا سلافیوں کی ہڑبڑائی ہوئی آمد سے کافی بدنظمی پھیل گئی تھی۔ اسی دوران خالدؓ نے اپنے رسالے کو گھما کر رومی بائیں بازو کے اس رسالے سے بھڑا دیا جسے روکے رکھنے کو وہ ایک سوار دستہ پہلے تعینات کر چکے تھے۔ مُسلمانوں کی جارحانہ کارروائی کا دوسرا مرحلہ بیک وقت دو حملوں سے شروع ہوا۔ شرجیلؓ کا آرمینیوں کے سامنے پر اور عمروؓ کا ان کے بازو پر۔ پھر خالدؓ نے رومی بائیں بازو کے رسالے پر حملہ کر کے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ خالدؓ سے بُری طرح مار کھا کے یہ رسالہ سرپٹ شمال کی طرف بھاگ کر پناہ گیر ہو گیا۔ اس میں اب اور جنگ کرنے کی ہمت نہ رہ گئی تھی۔

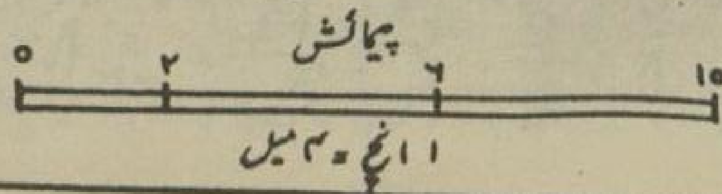
(دیکھئے نقشہ ۲۴۔)

خالدؓ کے منصوبے کی وضاحت یہاں نہیں کی جائے گی، چونکہ جنگ کے بیان کے دوران یہ آپ ہی آپ قاری پر واضح ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن خالدؓ کے

نقشہ نمبر ۲۴ جنگ یرموک۔ چھٹا دن





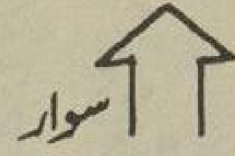


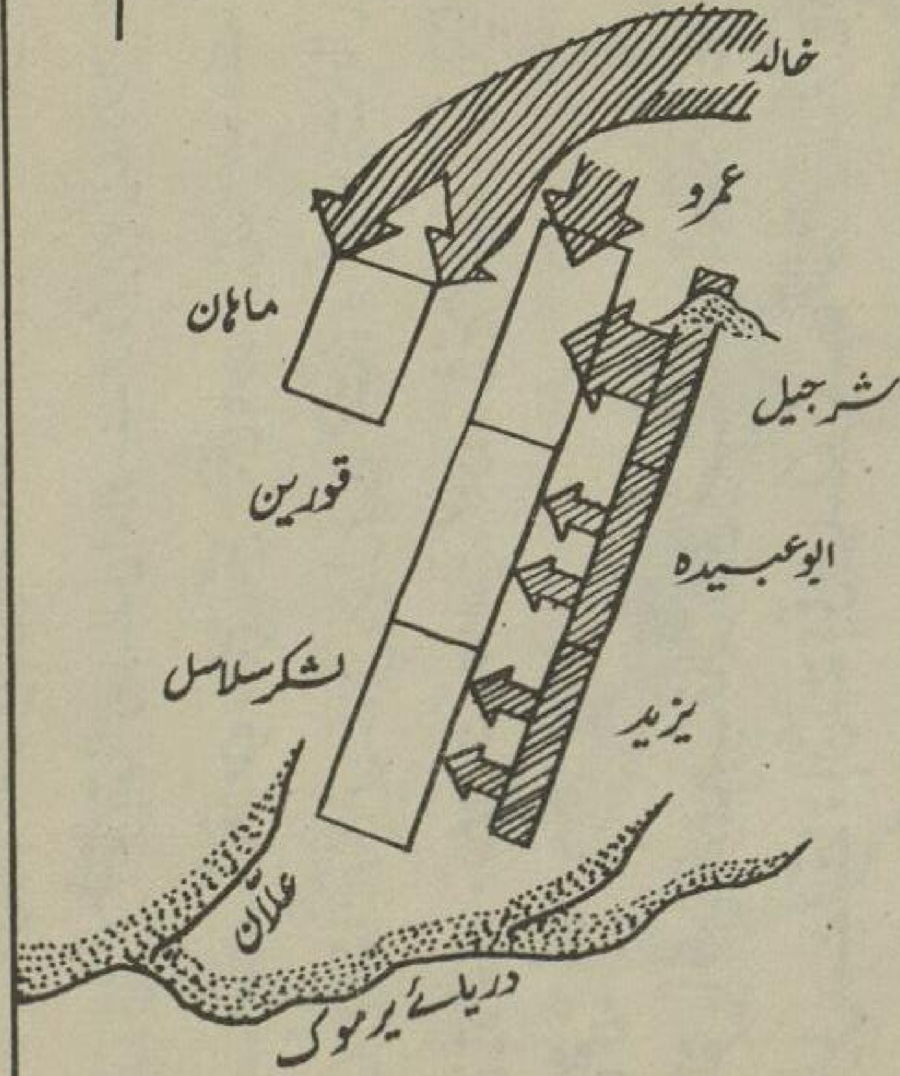
دشمن رسالے کے متعلق ارادہ ایک ایسی بات ہے جس کا خاص ذکر ضروری ہے۔ ان کا عزم یہ تھا کہ رومی رسالے کو میدان جنگ سے بھگا دیا جائے، تاکہ پیدل سپاہ، جن پر بیشتر رومی لشکر مشتمل تھا، رسالے کی امداد سے محروم ہو جائیں اور اس طرح بازو اور عقب سے حملے کے خلاف بے بس۔ تیز رو جنگی کارروائی میں سب سے اہم کردار رسالے کا ہوتا تھا، اور اس کے بغیر پیدل فوج سخت ناموافق صورت حال سے دوچار ہو جاتی، چونکہ وہ سریع حرکت سے اپنے محاذ کا رُخ تیزی سے بدل کر اپنا بچاؤ نہیں کر سکتی تھی۔

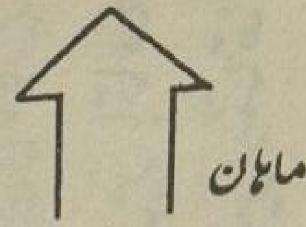
تقریباً اُسی وقت جب خالدؓ رومی میسرے کے رسالے کو میدان جنگ سے باہر دھکیل رہے تھے، ماہان نے باقی رسالے کو ایک طاقتور متحرک فوج کی شکل میں رومی قلب کے پیچھے مرکوز کر کے جوابی حملے سے اپنا محاذ بحال کرنے کی تیاری کر لی۔ لیکن اس سے پہلے کہ یہ مجتمع رومی رسالہ کوئی کارروائی شروع کر پاتا، مسلم رسالے نے خود اس پر سامنے اور بازو سے حملہ کر دیا۔ کچھ دیر تو بے باک ماہان کی للکار پر لبیک کہہ کر رومی مردانہ وار لڑے، مگر اس طرح کی سیّال صورت حال میں باقاعدہ بھاری بھر کم رومی رسالہ خالدؓ کے ہلکے، تیز رفتار گھڑ سواروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، جو حسب مرضی حملہ کرنے، ہٹ آنے اور پینترا بدل کر پھر حملہ کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ آخر کار جب اس رومی رسالے کو بقا کا کوئی اور راستہ نظر نہ آیا تو وہ بھی شمال کی طرف بھاگ کھڑا ہوا، اور احتجاج کرتے ہوئے ماہان کو ریلے میں اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ اس طرح رومی رسالے نے پیدل فوج کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا۔ ماہان کے ساتھ تقریباً ۴۰۰۰۰ سوار سپاہ فرار ہوئے، جن میں سے کچھ تو باقاعدہ رومی رسالے کے سپاہ تھے اور باقی جبلہ بن الایہم کے متحرک عیسائی عرب۔

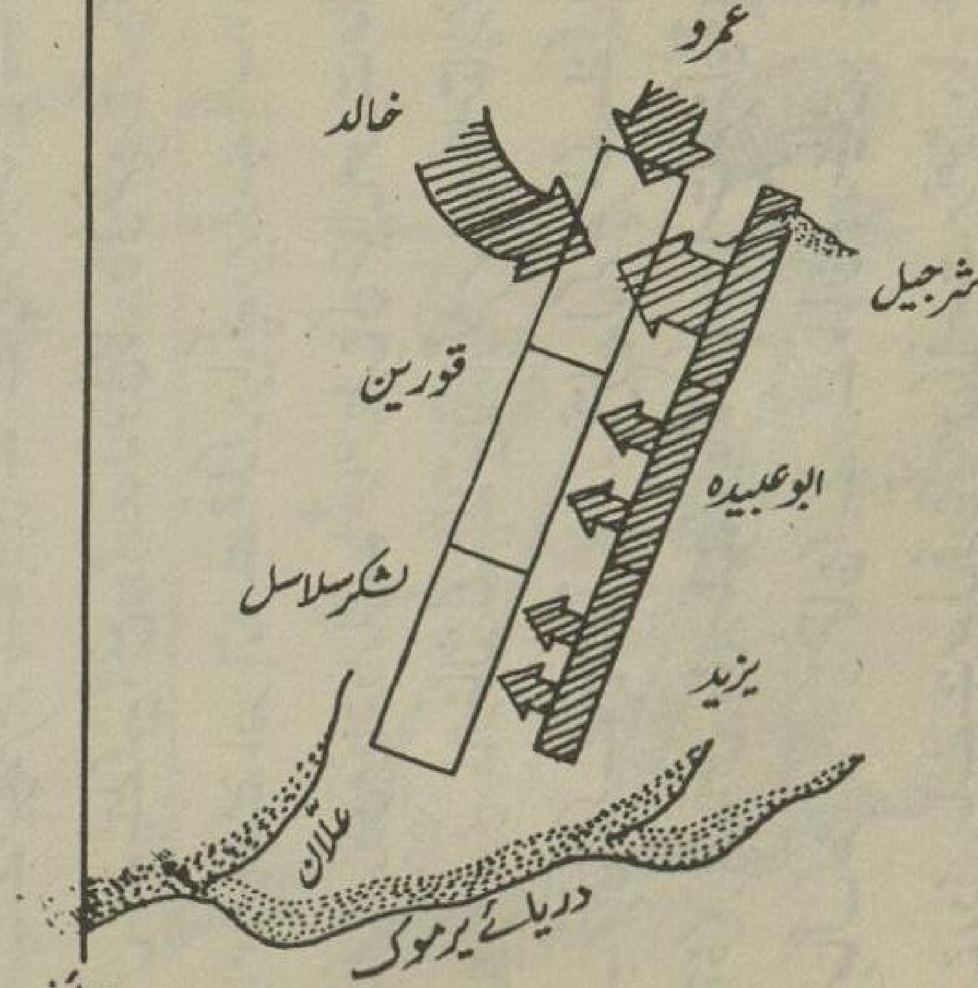
اس صبح کی رسالوں کی کارروائی میں ضرارؓ کا کہیں پتا نہ تھا۔ مسلمانوں کو جب

نقشہ نمبر ۲۵ جنگ یرموک ۔ چھٹا دن ۲









نیم برہنہ جنگجو کی جانی پہچانی شکل ایسے معرکے میں کہیں نظر نہ آئی جو ان کے مزاج کے عین مطابق تھی تو ان کو تعجب ہوا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ وہ ہیں کہاں، اور خالدؓ انہیں بتانے کو تیار نہ تھے!

اس دوران میں آرمینی بڑی مضبوطی سے عمروؓ بن العاصؓ اور شرجیلؓ کی ان کو کچلنے کی کوششوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ان مسلم جیوش نے کچھ پیشقدمی تو کی تھی، مگر زیادہ نہیں۔ اور یہ بات قابل فہم ہے، چونکہ آرمینی درحقیقت بڑے بہادر جنگجو تھے۔ ابو عبیدہؓ اور یزید بھی رومیوں پر اپنے محاذ سے حملے کر رہے تھے (اگرچہ ان دونوں کی کارروائی کی اہمیت فی الحال ضمنی تھی، یعنی یہ ابھی صرف امتناعی کارروائی تھی) اور ان کو تورین کی فوج اور لشکر سلاسل روکے ہوئے تھے۔ اس مرحلے پر خالدؓ نے، جو کل رومی رسالے کو میدان سے بھگا چکے تھے، آرمینیوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ (دیکھئے نقشہ ۲۵۔) سہ طرفہ حملے کے سامنے آرمینیوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور وہ اپنا محاذ چھوڑ کر جنوب۔ مغرب کی طرف بھاگ لئے، جس سمت میں ان کے فرار کا واحد راستہ تھا۔ ان کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا اور اچنبھا بھی کہ مسلم رسالہ ان کی راہ فرار میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال رہا ہے، اگرچہ وہ آسانی سے ایسا کر سکتا تھا۔ چنانچہ آرمینی اُسی سمت میں روانہ ہو لئے جہاں انہیں سلامتی نظر آئی۔ مگر اُن کو یہ نہ معلوم تھا کہ خالدؓ کی مرضی تھی کہ وہ یہی راہ اختیار کریں!

جب آرمینی فوج بھی پسپا ہو کے قناطیر کی سلاسی فوج کے پس ماندگان کے ساتھ مل کر ایک بے نظم مجمع کی شکل میں وادئی الرقاد کی طرف فرار ہوئی، تو بقیہ رومی افواج کو اپنی صورت حال کی مایوسی کا اندازہ ہو گیا۔ ان کے عقب اور بازو حملے کے خلاف بے سپر تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی پسپا ہونا شروع کر دیا لیکن انہوں نے منظم اور مترتب انداز سے مغرب کا رُخ کیا۔ اس مرتبہ بھی خالدؓ نے رومی نقل و

حرکت میں خلل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہ کی۔

سورج ابھی اپنی بلندی پر نہیں پہنچا تھا کہ رُومی پیدل فوج پُوری طرح پسپا ہوگئی۔ اس کا کچھ حصّہ تو بے قابو ہو کر بھاگا، مگر بقیہ نے منظم بازگشت کی۔ دونوں نے وادی الرّقاد کا رخ کیا۔ پسپا رُومی فوجوں کے پیچھے مسلم جیوش، نئی چھوٹے محاذوں کی قطاروں میں، آگے بڑھے۔ مسلم رسالہ رومی فوج کے شمال کی طرف روانہ ہوا، تاکہ کوئی رُومی اُس طرف سے فرار نہ ہو پائے۔ تاہم اس سے پہلے کہ یہ راہِ فرار بالکل بند کی جا سکے، ہزاروں آرمینی اور رسلائی آخر نکل ہی بھاگے۔ اِس طرح مسلمانوں نے قیصر کے شکست خوردہ لشکر کو گھیرنا شروع کیا۔

جب رُومی فرار ہوئے تو اُن کی خواہش صرف یہ تھی کہ اُن کے اور اسلامی فوج کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ حائل کر دیا جائے۔ اُن کو یہ معلوم تھا کہ شمال کی طرف فرار کا راستہ مسلم رسالے نے بند کر رکھا ہے۔ لیکن ابھی ایک اور راہِ فرار وہاں دستیاب تھی جہاں رقّاد کو ایک پایاب مقام پر ایک اچھی سڑک پار کرتی تھی۔ اِس پایاب مقام کی طرف افسروں نے اپنے سپاہ کی رہنمائی کی۔ جب رومی ہراول یہاں پہنچا تو اس نے فوراً گھاٹی کی مشرقی ڈھلان پر سے بعجلت اُتر کر ندی کو پار کرنا شروع کیا۔ یہاں مشرقی ڈھلان اسقدر خراب نہ تھی جسقدر کہ اور جگہ۔ لیکن مغربی ڈھلان بہت تیز تھی اور اوپر سڑک کے دونوں طرف تقریباً عمودی ہو جاتی تھی، جس سے یہاں راستہ اتنا تنگ ہو جاتا تھا کہ اس پر چند دلیر آدمی ایک فوج کو روک سکتے تھے۔

میدانِ یرموک سے بچ نکلنے کی خوشی میں اِن لوگوں نے افسروں کی رہنمائی میں گھاٹی کے مغربی کنارے کی سڑک پر اوپر چڑھنا شروع کیا۔ جب وہ اوپر پہنچنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ مُسلمانوں کا ایک فوجی دستہ تلواریں سُونتے اُن کے سروں پہ کھڑا ہے۔ جو اپنی کمر سے اوپر برہنہ تھا!

خالدؓ نے پہلے ہی رات کے وقت متحرک رسالے کے ۵۰۰ سواروں کو ضرارؓ کی سرکردگی میں رومی میسرے کے گرد لمبا چکر لگا کر وادی الرقاد کے پیچھے اس مقام پر پہنچنے کو بھیج دیا جہاں سے وہ گھاٹی کے پرلے کنارے پر دشمن کا راستہ روک سکیں۔ ایک عیسائی عرب' ابو جوئید کی راہنمائی کی مدد کے ساتھ ضرارؓ نے یہ نقل و حرکت بڑی خوبی سے انجام دی۔ رومیوں نے تو اس دور افتادہ رقاد کو پار کرنے والی سڑک کو کسی خاص فوجی اہمیت کا حامل نہ سمجھا' مگر ان کی لاعلمی میں ضرارؓ نے مغربی کنارے پر قبضہ جما کے اپنے سپاہ کو پایاب راستے کے قریب چھپا لیا۔ اور اب ضرارؓ مغربی گھاٹی کی بلندی پر سے کھڑے ہوئے ان تھکے ہارے' ہانپتے ہوئے رومیوں کی طرف نیچے دیکھ رہے تھے۔ (دیکھئے نقشہ ۲۶۔)

جلدی ہی رومیوں پر پتھروں کی ایک بوچھاڑ نازل ہوئی۔ اُن میں سے چند ایک کسی نہ کسی طرح اوپر چڑھ آئے مگر ان کو فوراً تہ تیغ کر دیا گیا۔ اپنے آپ کو سنگباری کی زد میں پا کر سامنے والے اپنے پیچھے والوں پر اور وہ اپنے پیچھے والوں پر گرے۔ جب ضرارؓ نے اُن پر حملہ کیا تو وہ پھسلتے' چیختے چلاتے' لڑھکتے اور بل کھاتے گھاٹی کی تہہ تک آرہے۔

وہ رومی جو ابھی تک مشرقی کنارے پر تھے اپنے پیشرو دستے کے ہولناک انجام کو دیکھ کر رک گئے۔ بلا شبہ اب یہ راہ فرار بھی ان پر بند ہو گئی تھی۔ وہ ضرارؓ کو اُن کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتے تھے' کیونکہ گھاٹی کو پار کرنے کا راستہ اتنا تنگ تھا کہ اس پر بھاری تعداد میں یورش کرنا یا کوئی اور جوڑ توڑ بھی ممکن نہ تھا۔ اس لئے رومیوں نے مجبوراً پلٹ کر مشرق کی طرف سے متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی۔ جو رومی سپہ سالار بچ رہے تھے انہوں نے بجلد اپنے سپاہ کو مدافعت کے لئے ایسے مرتب کیا کہ ان کی پشت وادی الرقاد کی طرف تھی اور ان کا دایاں بازو

دریائے یرموک کے کنارے پر تھا۔ وہ اب دو آفتوں کے درمیان پھنسے ہوئے تھے۔ ایک طرف گھاٹی کا کھڈ اور دوسری طرف مسلم فوج، اور ان کے لئے یہ فیصلہ مشکل تھا کہ ان دونوں میں کون آفت زیادہ مہلک تھی!

اِس جنگ کے چھٹے دن سہ پہر کے ڈھلتے ڈھلتے مسلمانوں کے حملے کا آخری دور شروع ہوا۔ (دیکھئے نقشہ ۲۷) اب میدان یرموک کے اس گوشے میں رُومیوں کی صِرف ایک تہائی بچی کھچی فوج مجتمع تھی۔ ان کے مقابل مسلمانوں کی فوج ایک منضبط نیم دائرے میں ایسے صف آرا تھی کہ پیدل فوج مشرق کی طرف تھی اور گھڑسوار فوج شمال کی طرف۔ اجتماعی مسلم نفری یہاں ۳۰،۰۰۰ سے کم تھی۔ اب فوجی تدبیروں اور جوڑ توڑ کا وقت گزر چکا تھا۔ سپہ سالار کی مہارت نے مسلم سپاہ کے لئے ان کے موافق جنگ کا بہترین موقع فراہم کر دیا تھا، اور اب اس کو لڑ کر جیتنا ان کا کام تھا۔ سپہ سالار بھی تلوار سوت کے عام سپاہ کی طرح جنگجو بن گئے، جب صحرا کے شیروں نے اپنا آخری حملہ شروع کیا۔

حملہ آور شمشیر علم کئے اور نیزے تولے اپنے سامنے کے حواس باختہ رومی اجتماع پر ٹوٹ پڑے۔ بعض جگہ تو رُومی اس طرح ٹھسے ہوئے تھے کہ ان کیلئے ہتھیار ٹھیک سے چلانے کے لئے کافی جگہ نہ تھی۔ مگر ان کی پہلی صف جان توڑ، اگرچہ بے سود، جرأتمندی سے جنگ کا رُخ بدلنے کو لڑی۔ جلد ہی اس کے تمام سپاہ مارے گئے۔ پھر اگلی صف کا خاتمہ ہو گیا اور اس سے اگلی کا اور مسلمان آگے بڑھتے رہے۔ تلوار سے کاٹتے چھلنتے، خنجر اور نیزے سے گھونپتے بھونکتے۔ خاک و دُھول اور گھبراہٹ میں خود رومی، رُومیوں سے ٹکرا گئے، اور جو کافی چُست نہ تھے گِر گِرا اپنے ساتھیوں کے پیروں تلے روند کر بڑی اذیت میں مرے۔ ضرارؓ کے گروہ کو ساتھ لے کر، مسلم رسالے نے اب رُومیوں کو مزید

ایسے کونے کی طرف دھکیل دیا جہاں ان کے لئے حرکت کی قطعاً کوئی آزادی نہ رہ گئی۔ اب خالدؓ کے سواروں نے دم شکستہ مدافعین کو گھوڑوں کے گھٹنوں اور سموں سے نیچے گرانا شروع کیا۔ رومیوں کی چیخیں مسلمانوں کے نعروں کے ساتھ مدغم ہو رہی تھیں۔ جب مدافعت کا بالکل خاتمہ ہوا اور جنگ ایک مقتل اور خوفناک خواب پریشان میں تبدیل ہو گئی۔ رومی آخری مرتبہ ہار کر بے ترتیب بھاگے۔ جن لوگوں نے رک کر لڑنا بھی چاہا انہیں خود ان کے ساتھی گھسیٹ لے گئے۔ خصوصاً لشکر سلاسل میں دس دس سپاہ کے جتھے ایک ساتھ ہی اپنے جگہوں سے ہل پائے اور ایک ساتھ ہی مرے۔

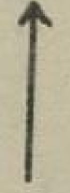
وحشت زدہ جانوروں کی طرح دوڑتا ہوا رومی ہجوم گھاٹی کے کھڈ کے قریب آ پہنچا۔ تہہ کی طرف دیکھنے سے لرزہ اُٹھتا تھا، مگر مسلمانوں کا خونخوار حملہ بھی اتنا ہی خوفناک تھا۔ اُن سپاہ نے جو پیچھے آرہے تھے آگے والوں کو گھاٹی کے کنارے سے نیچے دھکیل دیا، اور آخر رومی قطار در قطار عمیق کھڈ میں گرنے لگے۔ اُن میں سے بعض کی خون خشک کر دینے والی چیخیں اس وقت تک سنائی دیتی رہیں جب تک کہ وہ تہہ سے نہیں جا ٹکرائے۔ اوروں کی چیخیں اُسی وقت بند ہو گئیں جب وہ نوکیلی چٹانوں سے ٹکرا کر راستے ہی میں مر گئے، اور ان کے جسم بے ہنگم خون آلود لوتھڑوں کی شکل میں آگے نیچے تک گرتے چلے گئے۔

اندھیرا ہونے لگا تو کسی رومی میں کوئی حس و حرکت نہ رہ گئی تھی۔ "بے تحاشا بھڑکتی ہوئی آگ" کا دن تمام ہوا۔ خالدؓ کی سب سے بڑی جنگ، اختتام کو پہنچی۔[1] اگلے روز صبح سویرے، جب اسلامی فوج اپنے شہیدوں کو دفنانے اور

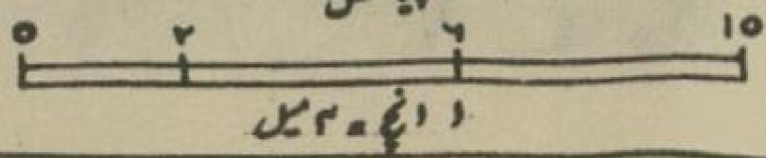
---

[1] اس جنگ کی دو بنیادی باتوں کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ بعض فوجوں کی صحیح تعداد اور جنگ کا صحیح مقام۔ تفصیل کیلئے ضمیمہ ب میں نوٹ ۱۳ اور ۱۴ ملاحظہ کیجئے۔

رومیوں کا فرار



نقشہ نمبر ۲۶ جنگِ یرموک - چھٹا دن ۔۳



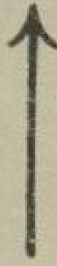
مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھی، خالدؓ رسالے کو لیکر دمشق کی طرف اس امید میں روانہ ہو گئے کہ وہ ماہان کو جالیں گے۔ رومی سپہ سالارِ اعظم، جو اپنی فوج کی تباہی سے دل شکستہ تھا اور جس کو اس کا ذرا بھی گمان نہ تھا کہ مسلمان اسکا پیچھا کرنے کی کوشش کریں گے، بلا عجلت سفر کر رہا تھا۔ خالدؓ نے ان رومیوں کو دمشق کے قریب آلیا، اور فوراً ان کے چنڈاول پر حملہ کر دیا۔ ماہان تیزی سے عقب کی طرف آیا تاکہ وہ چنڈاول کی کارروائی کی نگرانی کر سکے، اور اس مقام پر شہنشاہی لشکر کا سپہ سالارِ اعظم، آرمینیہ کا بادشاہ، ایک مسلمان سوار کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے مرنے کے کچھ ہی دیر بعد رومی رسالہ مختلف جتھوں میں بٹ کر شمال اور مغرب کی طرف گھوڑے سرپٹ دوڑاتا خالدؓ کے چنگل سے بچ نکلا۔

اہلِ دمشق خالدؓ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے، انہوں نے خالدؓ کو وہ یاد دلایا جو اُن سے دو سال قبل شہر کو ان کے حوالے کرتے وقت کیا گیا تھا، اور خالدؓ نے اُن کو یقین دلایا کہ وہ اب بھی اس کے تحفظ کے حق دار تھے۔ اگلے روز خالدؓ میدان یرموک میں پھر مسلم فوج سے جا ملے۔

جنگِ یرموک مشرقی رُومی شہنشاہی کی سب سے تباہ کن شکست تھی، اور اس کے ساتھ ہی شام کی سرزمین پر رُومی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اگلے مہینے ہرقل کو انطاکیہ سے رخصت ہو کر خشکی کے راستے قُسطنطنیہ پہنچنا تھا۔ جب وہ شام اور اس جگہ جسے عرب "روم" کہتے تھے کی سرحد پر پہنچا تو اُس نے غمزدہ دل سے رنجیدہ لہجے میں کہا " اے سرزمین شام، تجھے سلام اور الوداع اُس کی طرف سے جو تجھ سے رخصت ہو رہا ہے۔ اب آئندہ رُومی تیری طرف صرف خوف میں لوٹ سکیں گے۔ آہ، کتنا اچھا ملک میں دشمن کے حوالے کئے جا رہا ہوں۔"[1]

---

[1] طبری: جلد ۳، ص۱۰۰ ۔ بلاذری: ص۱۴۲ ۔


شمال
نقشہ نمبر ۲۷ جنگ یرموک چھٹا دن ؁
آخری شکل
سوار
گھاٹ
وادی الرقاد
پیدل فوج
دریائے یرموک
پیمائش
۱ انچ = ۱ میل

جنگی کارروائی کے ایک نمونے کے حساب سے جنگِ یرموک میں کئی مختلف قسم کے جوڑ توڑ اور حربی تدبیریں استعمال کی گئیں۔ مثلاً سامنے کی مٹ بھیڑ، سامنے سے مقابل فوج میں مدخول، جوابی حملہ اور دفع، پہلو کا حملہ، عقبی حملہ، اور بازو کے گرد چکر کاٹ کر اس کے پہلو پر حملہ۔ خالدؓ کا یہ منصوبہ کہ جب تک دشمن کی فوج تھک کے چور نہ ہو جائے مدافعانہ جنگ لڑی جائے بڑے قابل ستائش انداز میں تکمیل کو پہنچا۔ چار دن تک جو مدافعانہ جنگ لڑی گئی اس میں خالدؓ کا ہر جارحانہ حملہ بھی مدافعت ہی کے توازن کو برقرار رکھنے کے لئے محدود حربی تدبیر کے طور پر کیا گیا۔ صرف جب اُن کو یقین ہو گیا کہ اب رومیوں کی فوج بُری طرح شکستہ ہے اور جارحانہ حملے کے قابل نہیں رہی، تو جنگ کے آخری دن انہوں نے اصل جارحانہ حملہ کیا۔ اُس دن اُنہوں نے رومیوں کو ایک پہلو سے پیچھے دھکیلنا صرف اسوقت شروع کیا جب اُنہوں نے رومی رسالے کو پیدل فوج سے علیحدہ کر کے پیادہ سپاہ کو بے بس کر لیا تھا۔ پھر انہوں نے پیدل فوج کو وادی الرّقاد اور دریائے یرموک کے درمیان کے کونے میں دھکیل دیا تھا، جہاں گھاٹی کو پار کرنے کے مقام پر اُنہوں نے ضرارؓ کو پہلے سے تعینات کر دیا تھا تاکہ کوئی رومی بچ کر نہ جا پائے۔ پھر انہوں نے رومیوں پر آخری اور تباہ کن حملہ کیا۔ وادی الرّقاد کی کسوٹی پر مسلم ہتھوڑے کی ضرب سے رومی فوج کی طاقت سُرمہ بن کر رہ گئی۔

ہمیں یہ معلوم ہے کہ اِس جنگ میں ۴۰۰۰ مسلمان مارے گئے، اور ایسے چند ہی لوگ ہوں گے جو زخمی نہ ہوئے ہوں۔ لیکن رومیوں کے جانی نقصان کی اطلاعات مختلف ہیں۔ واقدی کا اندازہ تو ناقابلِ یقین حد تک بڑھا ہوا ہے۔ طبری نے ایک جگہ رومی متوفین کی تعداد ۱۲۰,۰۰۰ بتائی ہے[1]، لیکن دوسری جگہ ابن اسحٰق

---

[1] طبری: جلد ۲، صفحہ ۵۹۶۔

کے حوالے سے ۷۰،۰۰۰ ہے۔[1] بلاذری نے بھی اُن کی تعداد ۷۰،۰۰۰ بتائی ہے۔[2] یہ آخری تعداد کچھ معقول معلوم ہوتی ہے، رُومی فوج کا کوئی ۴۵ فی صد حصہ ان ۷۰،۰۰۰ میں سے آدھے میدانِ جنگ میں اور آدھے گھاٹی کے کھڈ میں گِر کر مرے۔ لگ بھگ ۸۰،۰۰۰ رُومی فرار ہو گئے۔ اُن میں بیشتر گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار تھے۔ اِن میں وہ بھی شامل تھے جو مسلمانوں کا گھیرا پڑنے سے پہلے ہی فرار ہو گئے۔ کئی ایک شاید وادی الرّقاد کو ایسے مقامات پر پار کرنے میں بھی کامیاب ہوئے جہاں گھاٹی اتنی عمودی اور چٹانی نہیں تھی۔

جنگِ یرموک اِسلام کی ایک شاندار فتح تھی۔ اور میدانِ یرموک اور وادی الرّقاد نے اس بات کی کافی اگرچہ دہشتناک شہادت مہیا کی۔ رُومیوں کی ہزاروں نعشیں میدان میں اور گھاٹی کی تہہ میں، الگ الگ اور ڈھیروں میں بکھری پڑی تھیں۔ ہلاکت کے سب سے سنگین علامات وہاں تھے جہاں میدان کے ایک کونے اور گھاٹی میں انسانی نعشوں کا پشتہ لگ گیا تھا۔ شکستہ، بریدہ اور مسخ جسم ہر طرف عجب عجب شکلوں اور آسنوں میں پڑے تھے۔ خون میں لت پت نعشیں جن کے اعضا غائب تھے خُون آلود زمین پر بکھری ہوئی تھیں، اور اُن کی بے نُور آنکھیں موت کی ابدیت کو تک رہی تھیں۔ ہزاروں رُومی ٹوٹی ہوئی تلواریں ہاتھ میں لئے، خاک پر پڑے اپنی اُس قسم کے سچے تھے جو انہوں نے آغازِ جنگ میں کھائی تھی۔ اور سپاہیوں کی نعشوں میں ملی جلی بے شمار پادریوں کی نعشیں بھی تھیں جو اب تک صلیب کو مضبوطی سے پکڑے ہوئی تھیں۔ سڑتی ہوئی نعشوں سے کراہت انگیز تعفّن نے پھیل کر میدانِ یرموک کی فضا کو پراگندہ کر دیا۔

---

[1] ایضاً: جلد ۳، ص ۷۵۔ [2] بلاذری: ص ۱۴۱

ایک وسیع اور فوق البشر جنگ لڑی جا چکی تھی۔ ایک عظیم اور مہیب فتح حاصل کی جا چکی تھی۔

تکمیلِ فتح

یرموک کے بعد بچی کھچی رُومی فوج نے بعجلت شمالی شام اور بحیرۂ روم کے ساحل کے شمالی حصّے کی طرف بازگشت کی۔ جو شکست خوردہ سپاہِ روم یرموک کی ہولناک ہلاکت سے بچ نکلے وہ فی الوقت مزید جنگ کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ اور کچھ ایسا ہی حال فاتح مجاہدینِ اسلام کا تھا کہ ان میں مزید جنگ کی سکت نہ تھی۔ ابو عبیدہؓ نے ایک دستے کو دمشق پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا، اور خود بقیہ فوج کے ساتھ جابیہ میں ایک مہینے مقیم رہے۔ اِس عرصے میں لوگوں نے آرام کیا، مالِ غنیمت جمع کر کے جانچ پڑتال کے بعد تقسیم کیا گیا، اور زخمیوں کو صحت مند ہونے کی مہلت ملی۔ انتظامی امور کے سلسلے میں بہت کچھ کام کرنے کو تھا اور اس نے سپہ سالاروں کو مصروف رکھا۔

اکتوبر ۶۳۶ء کے اوائل میں (مطابق اواخرِ شعبان ۱۵ھ) ابو عبیدہؓ نے فوجی مجلسِ مشاورت کا ایک اجلاس بلایا تاکہ مستقبل کے منصوبوں پر بحث کی جائے۔ اگلی منزل مقصود کے سلسلے میں قیساریہ اور بیت المقدس کے متعلق آراء میں اختلاف تھا۔ ابو عبیدہؓ دونوں شہروں کی اہمیت سے واقف تھے۔ اور یہی دونوں شہر تھے جنہوں نے اب تک مسلمانوں کی تمام قبضہ کرنے کی کوششوں کو ناکام کئے رکھا تھا۔ جب وہ ان کے درمیان فیصلہ نہ کر سکے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ وہ ہدایات بھیجیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کو فتح کریں۔ ابو عبیدہؓ جابیہ سے

فوج لے کر بیت المقدس کی طرف، خالدؓ اور اُن کے متحرک رسالے کو ہراول میں لئے، روانہ ہو گئے۔ مسلمان لگ بھگ ابتدائی نومبر میں بیت المقدس کے قریب پہنچے تو رومی محافظ فوج قلعہ بند شہر کے اندر پناہ گزیں ہو گئی۔

چار مہینے تک محاصرہ متواتر جاری رہا۔ تب دارالمقدس کے بطریق نے، جس کا نام سُوفرونیاس تھا، ہتھیار ڈالنے اور جزیہ دینے کی پیشکش کی، مگر اِس شرط پر کہ خلیفۃ المسلمین خود آ کر اِس معاہدے پر دستخط کریں اور ان سے قبول اطاعت وصول کریں۔ جب مسلمانوں کو بطریق کی یہ شرائط معلوم ہوئیں تو شرجیلؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ حضرت عمرؓ کے مدینے سے اتنی دور آنے کا انتظار کرنے کے بجائے خالدؓ کو خلیفہ کے بھیس میں بھیج دیا جائے۔ خالدؓ اور عمرؓ میں کافی کچھ مشابہت تھی[۱] اور چونکہ بیت المقدس کے باشندوں کی حضرت عمرؓ سے واقفیت صرف بیانات کی بنا پر تھی اس لئے عین ممکن تھا کہ وہ ان کے بدل کو عمرؓ ہی سمجھیں۔ مسلمان کہہ سکتے تھے کہ خلیفہ تو پہلے سے یہاں موجود ہیں اور یہ لیجئے، وہ آ رہے ہیں! اگلے روز صبح کو بطریق کو خلیفہ کے موجود ہونے کی اطلاع دی گئی۔ خالدؓ نے، حضرت عمرؓ کے طریقے کے مطابق، سستے کپڑے کی بالکل سادہ پوشاک پہنی، اور گھوڑے پر بیٹھ کے بطریق سے مذاکرات کے لئے قلعے کی طرف آئے۔ مگر بات نہیں بنی۔ ایک تو خالدؓ بہت مشہور تھے دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ بیت المقدس کے بعض عرب عیسائی مدینہ ہو آئے تھے اور وہاں خالدؓ اور عمرؓ دونوں کو دیکھ چکنے کی وجہ سے ان میں تمیز کر سکتے تھے۔ مزید براں بطریق کو یہ بھی خیال آیا ہو گا کہ خلیفہ جیسی بڑی ہستی یوں موقع پر ایکاایکی کیسے نازل ہو گئی۔ بہرحال جلدی ہی اِس چال کا بھید کھل گیا اور بطریق نے مذاکرات سے انکار کر دیا۔ جب خالدؓ نے اِس

---

[۱] واقدی: ص ۱۶۲۔ اِصفہانی: جلد ۱۵، ص ۱۲، ۵۶۔

ناکامیابی کی اطلاع دی، تو ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا، اور اُن کو بیت المقدس آنے اور اِس شہر کے سُقوط کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ چند مصاحبوں کے ساتھ مدینے سے شام روانہ ہوئے تو یہ بعد میں شام کی طرف کے کل چار سفروں میں پہلا ثابت ہوا۔

حضرت عمرؓ پہلے جابیہ آئے، جہاں ابو عبیدہؓ، خالدؓ اور یزید نے ایک بدرقہ کے ساتھ آکر ان کا استقبال کیا۔ عمرو بن العاصؓ کو محاصرہ کرنے والی اسلامی فوج کی قیادت سپرد کر کے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ خالدؓ اور یزید نہایت شاندار ریشمی اور زربفت پوشاک میں ملبوس، شوخ زین وساز سے آراستہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اِن کو اِس حال میں دیکھتے ہی حضرت عمرؓ آگ بگولا ہو گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے سے اُتر کر زمین سے مٹھی بھر کنکر اُٹھائے اور اِن کو ان دو ناگوار گزرنے والے سپہ سالاروں کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "تم کو شرم نہیں آتی کہ تم مجھ سے اِس حلیے میں ملنے آئے ہو! ابھی صرف دو سال ہوئے ہیں کہ تم لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا مِلا ہے۔ پھٹکار ہو اُس اِفراط پر جس نے تم کو اِس حال تک پہنچا دیا ہے۔ واللہ، اگر تم دو سال تک بھی خوشحال رہنے کے بعد ایسا کرتے تو میں تم کو سبکدوش کر کے دوسروں کو تمہاری جگہ مقرر کرتا۔"[1]

حضرت عمرؓ بالکل سادے، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح وہ رسول اللہ کے زمانے میں پہنتے تھے۔ خلیفہ بننے سے ان کی فقیرانہ روش اور ناز ونعمت سے پاک زندگی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ بدستور تعیش اور شان وشوکت سے نفرت کرتے رہے۔

خالدؓ اور یزیدؓ نے اپنی سبکی سے سنبھل کر جلدی سے اپنی عبائیں کھولیں اور

---

[1] طبری۔ جلد ۳، ص۱۰۳۔

انہیں دکھایا کہ وہ ان کے نیچے بکتر اور ہتھیار پہنے تھے۔" اے امیرالمومنین!" انہوں نے چلاکر کہا" یہ کپڑے تو بس لبادے ہیں۔ ویسے ہم بدستور مُسلح ہیں[1]"۔ حضرت عمرؓ اس جواب سے نرم پڑ گئے۔ اس کے بعد ابوعبیدہؓ، جو حسب معمول سادے لباس میں ملبوس تھے، آگے بڑھے، اور خلیفہ اور سپہ سالارِ اعظم نے معانقہ کیا۔

جابیہ سے حضرت عمرؓ، اپنے سپہ سالاروں اور بدرقہ کے ساتھ بیت المقدس روانہ ہو گئے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی بیت المقدس میں آمد مسلم سپاہ کے لئے ایک بڑا واقعہ تھا، اور اُنہوں نے امیرالمومنین کو دیکھ کر خوشیاں منائیں۔

اگلے روز دوپہر کے وقت حضرت عمرؓ صحابۂ کرام کے ایک بڑے گروہ کے ساتھ بیٹھے مختلف امور کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ عصر کی نماز کا وقت قریب تھا۔ حضرت بلالؓ حبشی بھی موجود تھے۔ بلالؓ نے، جن کا ذکر اس کتاب کے دوسرے باب میں کیا جا چکا ہے، اِسلام کے ابتدائی زمانے میں غیر مُسلم قریش کے ہاتھوں بہت اذیتیں برداشت کی تھیں، لیکن وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے تھے۔ جب ۲ھ میں نماز کے لئے اذان دینے کا آغاز ہوا تو رسول اللہ نے اِن کو مؤذن مقرر کیا اور اُس کے بعد مدینے میں روزانہ پانچ مرتبہ بلالؓ کی پُرزور اور خوش الحان آواز مومنین کو نماز کی طرف متوجہ کرتی سُنی جاتی تھی۔ جیسے جیسے سال گزرتے گئے بلالؓ ایک بلند پایہ خدا رسیدہ انسان کی حیثیت سے اُبھرے اور ان کا شمار رسُول اللہ کے سب سے عزیز اور معزز صحابہ میں ہونے لگا۔ لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلالؓ نے خاموشی اختیار کر لی، اور انہوں نے پھر اذان نہ دی۔

اِس موقعے پر کچھ صحابہ کو یہ خیال آیا کہ بیت المقدس کی فتح اتنی اہمیت رکھتی ہے

---

[1] ایضاً: جلد ۳، ص ۱۰۳۔

کہ شاید بلالؓ اس کے مدّ نظر اپنی خاموشی توڑ دیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ وہ بلالؓ کو کم سے کم اس موقع پر اذان دینے کو راضی کریں۔ حضرت عمرؓ نے بلالؓ کی طرف دیکھ کر کہا "اے بلالؓ، صحابہ رسول اللہ چاہتے ہیں کہ تم ایک بار پھر اذان دیکر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد دلاؤ۔"[1] چند لمحوں کے لئے بلالؓ اپنے خیالوں میں گُم رہے۔ پھر انہوں نے صحابہ کے پرشوق چہروں کی طرف دیکھا اور اُن ہزاروں مُسلم سپاہ کی طرف جو باجماعت نماز کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ تب وہ کھڑے ہو گئے۔ بلالؓ پھر اذان دینے والے تھے!

اِس عظیم مؤذن کی جلیل آواز لوگوں کے کثیر ہجوم پر چھا گئی اور انہوں نے جیسے ہی اذان کا پہلا کلمہ "اللہ اکبر" زبان سے ادا کیا مسلمانوں کے دلوں میں اپنے حبیب محمدؐ کی یاد تازہ ہو گئی اور ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور جب بلالؓ نے "محمدؐ الرسول اللہ" کی آواز بلند کی تو سُننے والوں سے نہ رہا گیا اور وہ رونے لگے۔

اگلے روز معاہدہ لکھا گیا۔[2] اس پر مسلمانوں کی طرف سے خلیفہ عمرؓ نے دستخط کیے۔ اور بطور گواہ کے خالدؓ عمرو بن العاصؓ عبدالرحمن بن عوفؓ اور معاویہؓ نے دستخط کئے۔ بیت المقدس نے خلیفہ کی اطاعت قبول کر لی اور اس کا امن و امان واپس لوٹ آیا۔ یہ بات اپریل ۶۳۷ء (ربیع الاوّل ۱۶ھ) واقع ہوئی۔ بیت المقدس میں دس دن قیام کرنے کے بعد خلیفہ مدینے واپس آ گئے۔

خلیفہ کی ہدایات کے بموجب یزیدؓ نے قیساریہ جاکر دوبارہ اس بندرگاہ کا محاصرہ کیا۔ عمرو بن العاصؓ اور شرجیلؓ فلسطین اور اردن پر از سرِ نو قبضہ کرنے کو

---

[1] واقدی: ص ۱۶۵۔ [2] بعض روایتوں کے مطابق اس معاہدے پر جابیہ میں دستخط بطریق کے نمائندوں کے ساتھ کئے گئے تھے۔ اور بقول ان کے، حضرت عمرؓ نے معاہدے پر دستخط کے بعد بیت المقدس جاکر شہر کی سپردگی قبول کی تھی۔

روانہ ہو گئے، اور یہ کام اس سال کے ختم ہوتے ہوتے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا لیکن قیساریہ ۶۴۰ء (۱۹ھ) میں جا کے فتح ہوا، جب وہاں کی محافظ فوج نے معاویہؓ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ ۱۷۰۰۰ سپاہ کے ساتھ بیت المقدس سے شمالی شام کا تمام علاقہ فتح کرنے کو روانہ ہو گئے۔

ابو عبیدہؓ نے دمشق کی طرف کوچ کیا، جو اب مسلمانوں کے قبضے میں تھا، اور وہاں سے حمص گئے، جہاں اُن کی واپسی کا خیر مقدم کیا گیا۔ اُن کی اگلی منزل قنسرین تھی۔ یہاں جاتے وقت خالدؓ اور اُن کا متحرک طلیعہ ہراول میں تھے۔ چند دن میں متحرک طلیعہ حاضر پہنچ گیا، جو قنسرین سے تین میل مشرق کی طرف تھا[1]، اور یہاں رُومیوں نے اس پر زور دار حملہ کر دیا۔

اِس مقام پر رُومی فوج کا سپہ سالار منیاس تھا ایک مُمتاز سپاہی جس کے آدمیوں کے دلوں میں اس کی عزت و محبت تھی۔ منیاس جانتا تھا کہ اگر وہ قنسرین میں رُکا رہا تو مسلمان اس کا محاصرہ کر لیں گے، اور اسے آخر کار ہتھیار ڈالنے ہی پڑیں گے، کیونکہ فی الحال شہنشاہ سے کسی مدد کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اِس لئے اُس نے شہر سے باہر کافی آگے نکل کر مسلمانوں کے ہراول پر اس ارادے سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا کہ اس کو بقیہ فوج کے پہنچنے سے پہلے شکست دے دی جائے۔ اس منصوبے کے تحت منیاس نے حاضر کے مقام تک بڑھ کر متحرک طلیعہ پر حملہ کر دیا۔ اس کی فوج کی تعداد معلوم نہیں۔ یا تو اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ ہراول میں خالدؓ موجود ہیں، یا اسے خالدؓ کے متعلق سُنی ہوئی باتوں پر مبالغے کا گمان تھا۔

خالدؓ کے لئے اپنے رسالے کو جنگ کے لئے ترتیب دینا منٹوں کا کام تھا،

---

[1] حاضر اب بھی ایک بڑے کاشتکار گاؤں کی شکل میں موجود ہے۔

اور جلد ہی حاظِر میں گھمسان کا رن پڑ گیا۔ اس شدید جنگ کا آغاز ہی ہوا تھا کہ مِنیاس مارا گیا۔ جب اُس کے مرنے کی خبر اس کے سپاہ میں پھیلی تو وہ غصّے سے آپے میں نہ رہے اور انہوں نے اپنے محبوب قائد کی موت کا انتقام لینے کو خونخوار حملہ کر دیا۔ لیکن وہ اس زمانے کی بہترین جنگجو جمیعت سے نبرد آزما تھے۔ اُن کے انتقام کی خواہش ان کی تباہی کا باعث ہوئی" اور حاظر کی جنگ میں ایک بھی رُومی زندہ نہیں بچا[1] متحرک طلیعہ نے اس فتح کو اپنی دوسری فتوحات کی طرح اپنی پیش قدمی کی ایک معمولی کارروائی کے طور پر انجام دیا۔

جیسے ہی جنگ ختم ہوئی حاظر کے باشندے خالدؓ کے خیر مقدم کو شہر سے باہر آئے، اور انہوں نے خالدؓ سے التجا کی کہ وہ عرب تھے اور ان سے لڑنے کی کوئی خواہش نہ رکھتے تھے۔ خالدؓ نے اُن کی اطاعت کو تسلیم کر لیا اور قنسرین کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب حضرت عمرؓ کو حاظر کی جنگ کی خبر ملی تو انہوں نے خالدؓ کی نایاب اختراعی فوجی قابلیت کی داد دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور انہوں نے بیساختہ کہا کہ "خالدؓ کو سپہ سالاری قدرت سے ورثے میں ملی ہے۔ اللہ ابوبکرؓ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ وہ مجھ سے بہتر آدم شناس تھے[2]"

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے پہلی بار اعتراف کیا کہ شاید انہوں نے خالدؓ کے متعلق صحیح رائے قائم نہ کی تھی۔

قنسرین میں رُومی محافظ فوج کے اُن سپاہ نے جن کو مِنیاس اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا۔ جیسے ہی خالدؓ وہاں پہنچے، انہوں نے محافظین کو یہ پیغام بھیجا: "اگر تم بادلوں میں رہتے ہوتے تو بھی تم سے جنگ کے لئے اللہ یا تو ہم کو تم تک

---

[1] طبری: جلد ۳، صـ ۹۸
[2] ۔ ایضاً

اوپر پہنچا دیتا یا تم کو ہم تک پہنچے[1] تب اہل قنسرین نے بلا مزید تاخیر کے خالدؓ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جنگ حاضر اور سقوطِ قنسرین لگ بھگ جون ۶۳۷ء (جمادی الاوّل ۱۶ھ) کے زمانے میں پیش آئے۔

اب ابوعبیدہؓ قنسرین میں خالدؓ سے آملے، اور پوری فوج حلب کی طرف روانہ ہوگئی، جہاں ایک طاقتور رومی فوج یوقنّہ نامی سپہ سالار کی قیادت میں قلعے کی محافظ تھی۔ یہ سپہ سالار بھی، قنسرین کے سپہ سالار کا انداز فکر اختیار کرتے ہوئے، مسلمانوں سے کھلے میدان میں ٹکر لینے کو شہر سے باہر نکلا، اور اس سے ۶ میل کے فاصلے پر متحرک طلیعہ سے جا بھڑا۔ یہاں ایک خونی جنگ ہوئی جس میں رومیوں نے شکست کھائی۔ یوقنّہ نے مگر اب اپنا سبق سیکھ لیا تھا، اور وہ جلدی سے واپس قلعے کے اندر چلا آیا حلب میں ایک بڑا فصیل بند شہر تھا اور اس کے باہر ایک پہاڑی پر ایک مقابلۃً چھوٹا مگر تقریباً ناقابل تسخیر قلعہ جس کی چوڑان کوئی آدھ میل کی تھی اور جس کے گرد ایک چوڑی کھائی بھی تھی مسلمانوں نے آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یوقنّہ بہت بہادر سپہ سالار تھا اور اس نے محاصرہ ختم کرنے کو کئی زغند لگائے، لیکن اسے ہر مرتبہ منہہ کی کھانی پڑی۔ کئی دن کے دوران یہ تجربہ بار بار جھیل کے رومیوں نے فیصلہ کیا کہ قلعے میں پناہ گزیں رہ کر ہرقل کی طرف سے حسب امکان کمک کا انتظار کیا جائے۔ مگر ہرقل کوئی بھی کمک نہ بھیج سکا، اور آخر کار چار مہینے کے بعد رومیوں نے شرائط کے ساتھ اکتوبر ۶۳۷ء میں ہتھیار ڈال دیئے۔ محافظ فوج کے سپاہ کو اجازت دے دی گئی کہ وہ امن و امان سے رخصت ہو جائیں۔ لیکن یوقنّہ نہیں گیا۔ اُس نے اسلام قبول کر کے اِسلامی جھنڈے تلے لڑنا پسند کیا۔ اور حقیقتاً اگلے چند ہفتوں میں اُس نے اپنے آپ کو ایک انتہائی

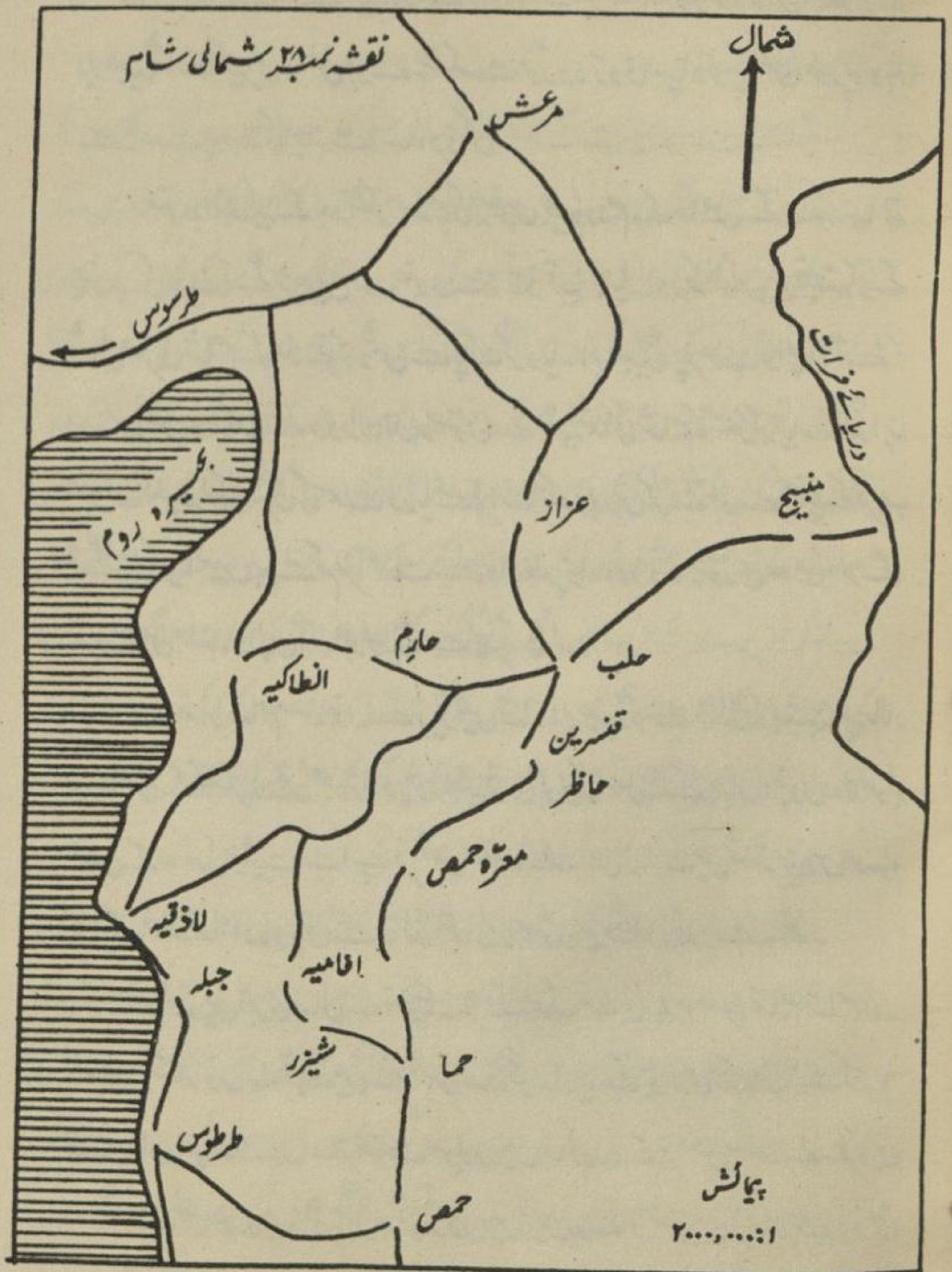
---

[1] طبری: جلد ۳، ص ۹۸

قابل اور وفادار افسر ثابت کیا اور وہ کئی ایک مسلم سپہ سالاروں کے ماتحت جانبازی سے لڑا۔

حلب کے فتح ہوتے ہی ابو عبیدہؓ نے مالک بن اشتر کی قیادت میں ایک جوق عزاز پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ یہ جگہ "روم" جانے والے راستے پر واقع تھی۔ عرب جس علاقے کو "روم" کہتے تھے وہ اب موجودہ ترکی کا وہ جنوبی علاقہ ہے جو جبل الطرسوس کے مشرق میں واقع ہے۔ مالک نے یوقنّہ کی امداد کے ساتھ عزاز پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر وہاں کے مقامی باشندوں سے ایک معاہدہ کر کے وہ واپس حلب آگئے۔ عزاز کی تسخیر اس بات کا یقین کر لینے کو ضروری تھی کہ حلب کے شمال میں کوئی بڑی رومی افواج نہیں رہ گئی ہیں جو وہاں سے ایسے وقت میں مسلمانوں کے پہلو اور عقب پر حملہ کرنے کے قابل ہوں جب وہ اپنی اگلی مہم میں مصروف ہوں۔ جیسے ہی مالک بن اشتر واپس آئے، ابو عبیدہؓ نے انطاکیہ کو فتح کرنے کو مغرب کی طرف کوچ کر دیا۔ (دیکھئے نقشہ ۲۸)

اسلامی لشکر حارم ہوتا ہوا مشرق کی طرف سے انطاکیہ پہنچا۔ شہر سے ۱۲ میل اِدھر مَحرُوبہ کے قریب ایک لوہے کا پُل تھا جو دریائے اورنیٹیز (جسے اب نہر الآسی کہتے ہیں) پر پھیلا ہوا تھا۔ یہاں مسلمانوں کا پھر ایک طاقتور رومی لشکر سے سامنا ہوا جو انطاکیہ کی حفاظت کر رہا تھا، اور ایک بڑی جنگ لڑی گئی جس کی تفصیلات قلمبند نہیں کی گئی ہیں۔ بہر حال ابو عبیدہؓ نے رومیوں کو بری طرح ہرایا، اور خالدؓ نے اپنے متحرک رسالے کے ساتھ اس معرکے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ سوائے اجنادین اور یرموک کے، مہم شام کے دوران رومیوں کا جانی نقصان یہاں سب سے زیادہ بتایا جاتا ہے۔ رومی فوج کے پس ماندگان بے ترتیبی سے شہر کی طرف بھاگ لئے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور کچھ ہی دن بعد شام کے اِس



نقشہ نمبر ۲۸ شمالی شام
شمال
مرعش
طرسوس
دریائے فرات
بحیرہ روم
عزاز
منبج
حارم
حلب
انطاکیہ
قنسرین
حاظر
معرۃ حمص
لاذقیہ
جبلہ
افامیہ
شیزر
حما
طرطوس
حمص
پیمائش
۱:۲۰۰۰،۰۰۰

سب سے بڑے شہر نے، جو مشرقی شہنشاہی روم کے ایشائی علاقے کا صدر مقام تھا، مسلمانوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ ۳۰ اکتوبر ۶۳۷ء (۵ شوال ۱۶ھ) کو ابو عبیدہؓ انطاکیہ میں داخل ہوئے۔ شکست خوردہ رومی سپاہ کو پُرامن طور پر وہاں سے رخصت ہونے کی اجازت دے دی گئی۔

سقوطِ انطاکیہ کے بعد لشکرِ اسلام کی صفیں بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف آگے بڑھیں اور انہوں نے لاذقیہ، جبلہ اور طرطوس پر قبضہ کر کے شمال مغربی شام کے علاقے کو دشمن سے پاک کر دیا۔ ابو عبیدہؓ پھر حلب واپس آئے، اور اس نقل و حرکت کے دوران ان دستوں نے بقیہ شمالی شام کو مسخر کر لیا۔ خالدؓ اپنا متحرک طلیعہ لیکر مشرق کی سمت دریائے فرات تک یورش کرتے ہوئے منبج کے قریب آ گئے، لیکن انہیں بہت کم مزاحمت سے واسطہ پڑا۔ اور وہ جنوری ۶۳۸ء کے شروع میں حلب واپس آ کر ابو عبیدہؓ سے پھر آ ملے۔

اب سارا شام مسلمانوں کے زیر نگیں تھا۔ ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو بحیثیت سپہ سالار اور عامل کے قنسرین میں چھوڑا اور خود بقیہ فوج کو لیکر حمص آ گئے جہاں انہوں نے صوبۂ حمص کے حاکم کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھالے۔ اس زمانے میں قنسرین اس صوبے کا ایک حصہ تھا، اور وہاں سے خالدؓ شمالی راستوں پر نگاہ رکھ رہے تھے۔

سولھویں ہجری سال کے آخر تک (لگ بھگ مطابق ۶۳۷ء) تمام شام اور فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں تھے، سوائے قیساریہ کے جو ابھی تک مزاحمت کر رہا تھا۔ مسلمان سپہ سالاروں نے مختلف صوبوں میں حاکموں کے فرائض سنبھالے۔ عمرو بن العاصؓ نے فلسطین میں، شرجیلؓ نے اردن میں، یزید نے دمشق میں (حالانکہ وہ وقتی طور پر قیساریہ میں برسرِ پیکار تھے) اور ابو عبیدہؓ نے حمص میں۔ خالدؓ کا عہدہ ابو عبیدہؓ کے ماتحت عاملِ قنسرین کی حیثیت سے ان سب سے کچھ کم تھا۔ امن کی یہ صورتِ حال

چند مہینے ۶۳۸ء کے موسم گرما کے بیچ تک قائم رہی، جب شمالی علاقۂ شام پر پھر جنگ کے بادل امنڈ آئے۔ اس دفعہ جزیرے کے عیسائی عرب جنگ کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔

شام میں رومی حیثیت کی بحالی کے لئے جنگی کارروائی اب ہرقل کے بس کی بات نہ رہ گئی تھی۔ بلکہ وہ تو اب اِس پریشانی میں مبتلا تھا کہ اُس کی شہنشاہی کے بقیہ حصّے کو کس طرح بچایا جائے، جو یرموک اور انطاکیہ میں اُس کی فوجوں کی بربادی کے بعد مسلمانوں کے حملے کی زد میں آگیا تھا۔ اُس کے پاس اب کم ہی ایسے فوجی وسائل رہ گئے تھے جن سے وہ اپنی مملکت کی مدافعت ایسی فوج کے خلاف کرسکتا جو فتح سے فتح کی طرف کوچ کرتی چلی آرہی تھی۔ وہ اپنے دفاعی انتظامات کی تکمیل کے لئے مہلت مسلمانوں کو شام میں مشغول رکھ کر ہی حاصل کرسکتا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ مہلت حاصل کرنے کو جزیرے کے عرب عیسائیوں کو اُکسا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا۔ چونکہ ان کا اس سے مذہبی بندھنوں کا رشتہ تھا، وہ اس کے کہنے میں آگئے، اور ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوکر، دریائے فرات کو پار کرکے، مشرق کی طرف سے شمالی علاقۂ شام پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

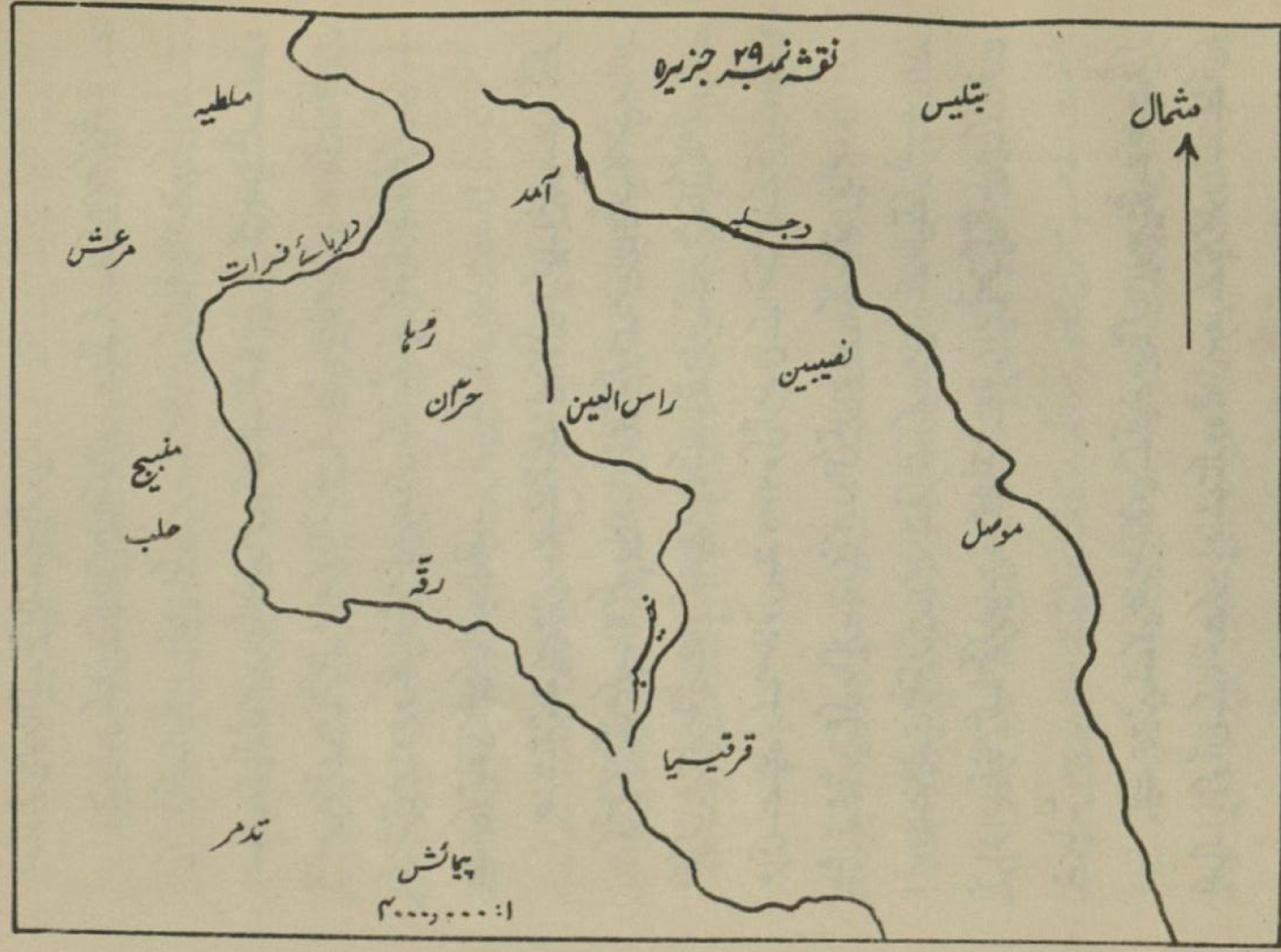
مخبروں نے ابوعبیدہؓ کو جزیرے میں ہونے والی تیاریوں سے آگاہ کیا۔ جونہی مخالف عربوں نے پیش قدمی شروع کی ابوعبیدہؓ نے صورت حال پر تبادلۂ خیال کے لئے فوجی مجلسِ مشاورت کا اجلاس منعقد کیا۔ خالدؓ کی رائے یہ تھی کہ تمام شہروں کی فوجوں کو جمع کرکے ایک فوج بنالی جائے اور کُھلے میدان میں عیسائی عربوں سے جنگ کی جائے۔ باقی سپہ سالاروں کی مگر رائے یہ تھی کہ حمص میں رہ کر دفاعی جنگ لڑی جائے۔ ابوعبیدہؓ نے اکثریت کی رائے کا ساتھ دیا اور قنسرین سے متحرک رسالے اور دیگر فوجوں کو شمالی شام کے ان علاقوں سے جہاں وہ مقیم تھیں جمع کیا۔ اس طرح

سے اپنی فوج کو حمص میں یکجا کر کے انہوں نے حضرت عمرؓ کو بھی موجودہ صورتِ حال سے مُطّلع کر دیا۔

حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ اس غیر تربیت یافتہ فوج سے جو اب ان سے ٹکر لینے آ رہی تھی بہ آسانی نمٹ سکیں گے، لیکن انہوں نے پھر بھی احتیاطاً ان کو کمک بھیجنے کا فیصلہ بھی کیا۔ اور یہ کیا انہوں نے نہایت غیر معمولی انداز میں۔ انہوں نے سعد بن ابی وقّاص کو، جو عراق میں سپہ سالار تھے، لکھ کر ہدایت کی کہ وہ تین فوجی جوق جزیرے روانہ کر دیں۔ ایک کو سُہیل بن عَدی کے تحت رقّا کی طرف، دوسرے کو عبداللہ بن عتبہ کے تحت نصیبین کی طرف، اور تیسرے کو ایاز بن غنم کے تحت ان دونوں کے درمیان کے علاقے کی طرف۔ (دیکھئے نقشہ نمبر ۲۹۔) اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے یہ بھی حکم دیا کہ قعقاع بن عمرو کے تحت ۴۰۰۰ سپاہ کو عراق سے دریائے فرات کے راستے، ابوعبیدہؓ کی فوج کو مزید کمک پہنچانے کے لئے بھیجا جائے۔

عیسائی عرب جب حمص پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کو شہر میں بحفاظت قلعہ بند پایا، اور انہیں اور کچھ نہ سوجھی تو وہ شہر کا محاصرہ کر کے بیٹھ رہے۔ لیکن ابھی محاصرہ شروع ہی ہوا تھا کہ جزیرے سے قاصد یہ اطلاع لئے دوڑے آئے کہ مسلمانوں کے تین دستے عراق سے جزیرے کی طرف آ رہے ہیں۔ اب عیسائی عربوں کو احساس ہوا کہ وہ عجب مضحکہ خیز صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ اِدھر وہ ہرقل کی مشکل آسان کرنے میں لگے ہوئے تھے اور اُدھر ان کا اپنا علاقہ دوسری سمت سے آگے بڑھتی ہوئی مسلم افواج کے خلاف بے دفاع تھا۔ چنانچہ انہوں نے محاصرہ اٹھا کر جلدی سے واپس جزیرے کا رُخ کیا، جس کے علاوہ کوئی اور معقول چارہ بھی نہ تھا۔ قعقاع عیسائی عربوں کی واپسی کے تین دن بعد حمص پہنچے۔

جیسے ہی عراق کے تین مسلم دستوں کو عیسائی عربوں کی واپسی کی خبر ملی، انہوں نے سعد بن ابی وقّاص سے مزید ہدایات ملنے تک اپنی پیش قدمی روک دی، چونکہ ان کا


نقشه نمبر ۲۹ جزیره
شمال
بتلیس
ملطیه
مرعش
دریای فرات
آمد
دجله
رها
حران
منبج
حلب
راس العین
نصیبین
موصل
رقه
قرقیسیا
تدمر
پیمائش

مقصد تو حاصل ہو چکا تھا۔ اس ستھری بالواسطہ تدبیر حرب سے حضرت عمرؓ نے جزیرے کی حملہ آور فوج کو بنا ایک تیر چلائے پسپا کر دیا۔

جزیرے کے عربوں کی شام میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ناکام کوشش نے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن اس نے مسلمانوں کو برافروختہ ضرور کیا اور انہیں احساس دلایا کہ شام پر ان کا قبضہ اس وقت تک محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ متصل علاقوں میں شرکش عناصر کا خاتمہ نہیں کر لیتے۔ یہ عناصر جزیرے اور جبل الطرسوس کے مشرق میں موجود تھے، اور شام کی سرحدوں کے آگے ایک محفوظ خطہ قائم کرنے کے لئے ان کو تباہ یا مطیع کرنا ضروری تھا۔

حضرت عمرؓ نے پہلے جزیرے سے نمٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے سعدؓ کو اس کی تسخیر کا انتظام کرنے کا حکم دیا اور ایاز بن غنم کو اس میدانِ جنگ کا سپہ سالار مقرر کیا۔ چنانچہ سعدؓ نے ایاز کو اپنے سپاہ کے ساتھ جزیرے پر چڑھائی کا حکم دیا، اور عراق سے چلے ہوئے مسلمانوں نے ۶۳۸ء کی گرمیوں کے اختتام کے قریب دوبارہ پیش قدمی شروع کی۔ ایاز نے اپنی کارروائی تین جوقوں کے ساتھ انجام دی، اور انہوں نے چند ہی ہفتوں میں دجلہ اور فرات کے درمیان کے علاقے کو نصیبین اور رُہا (اب عرفا) تک مسخر کر لیا۔ (دیکھئے نقشہ ۲۹۔) اس تسخیر کی تکمیل میں کوئی خون نہ بہا[1]

جیسے ہی جزیرے کا یہ حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا، ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایاز کو اُن کے ماتحت کر دیا جائے تاکہ وہ شمالی سرحد کے پار حملوں کے لئے اُن کو

---

[1] بعض راویوں نے جزیرے میں کافی کچھ لڑائی کا ذکر کیا ہے، لیکن زیادہ تر ابتدائی مورخین کے مطابق یہ ایک پُرامن تسخیر تھی۔

کام میں لاسکیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ درخواست منظور کرلی، اور ایاز عراق سے جزیرے آئی ہوئی مسلم فوج کے ایک حصّے کے ساتھ حمص روانہ ہو گئے۔

اسی سال کے موسمِ خزاں میں ابو عبیدہؓ نے شمالی شام کے رومی علاقوں پر طرسوس تک دھاول کے لئے کئی جوق روانہ کئے، جن میں سے دو خالدؓ اور ایاز کے زیر قیادت تھے۔ خالدؓ کی منزل مَرعَش تھی، جہاں پہنچ کر انہوں نے فصیل بند شہر کا محاصرہ کرلیا۔ جس میں ایک رومی محافظ فوج موجود تھی۔ اب تو رومیوں کا یہ حال ہوگیا تھا کہ خالدؓ کی موجودگی ہی ان کو خوفزدہ کردیتی تھی۔ کچھ دن کے بعد رومیوں نے اِس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ شہری اور فوجی امان میں رہیں گے۔ لیکن مال و دولت مسلمان جتنا چاہیں لے سکتے تھے، اور مسلمانوں نے لیا بھی خوب۔ خالدؓ مرعش سے ایسے مالِ غنیمت سے لدے پھندے قنسرین واپس آئے جس کی مثال اس سے پہلے شاذ ہی دیکھنے میں آئی تھی۔ واقعی اتنا مال ہاتھ آیا تھا کہ اس سے اس مہم کے تمام سپاہی زندگی بھر کے لئے دولت مند ہو گئے۔

اگر خالدؓ میں جوانی کے دوران کفایت شعاری کی عادت پڑ گئی ہوتی تو وہ اپنے زمانے کے امیر ترین آدمی بن گئے ہوتے۔ اس زمانے کا دستور تھا کہ نبرد آزمائی میں جو جنگجو جیتتا تھا وہ شکست خوردہ کی تمام ملکیت پر قبضہ کرنے کا مستحق ہوتا تھا، اور یہ استحقاق اس کے غنیمت کے حسبِ معمول حصّے سے الگ ہوتا تھا۔ خالدؓ نے اسلامی فوج میں سب سے زیادہ مبارزتیں لڑی اور جیتی تھیں، اور ان کا مقابلہ کرنے والے عموماً سپہ سالار تھے، جو مقابلتاً مالدار تھے، خاص طور سے فارسی اور رومی سالار، جو اپنی پوشاک میں سونے اور جواہرات کے زیور استعمال کرتے تھے۔ اِس طرح خالدؓ کے ہاتھوں میں دوسروں کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ دولت آئی، مگر وہ ریت کی طرح اُن کی انگلیوں کے درمیان سے بہہ گئی۔ وہ خوش حال زندگی بسر کرتے تھے اور بڑی سخاوت سے پیسے خرچ

کرتے۔ اُن کے پاس ایک جنگ میں جو مال آتا وہ اگلی تک ختم ہو جاتا۔ خالدؓ نے غلاموں کا ایک بڑا جلو اکٹھا کر لیا تھا۔ انہوں نے کئی شادیاں کی تھیں اور ان کی اولاد کی تعداد درجنوں کی تھی، اور اس لئے اُن کی گھرداری خرچ بہت کافی تھا۔ پھر یہ بھی خالدؓ کا ایک طریقہ تھا کہ ہر جنگ کے بعد جو سپاہی بہادری سے لڑتے تھے ان کا انتخاب کر کے خالدؓ خود اپنی جیب سے بھی اُن کو تحائف عطا کرتے تھے۔ یہ بات فقیر مَنش اور کفایت شعار خلیفہ کو بھی معلوم تھی، جو اِسے فیّاضی نہیں اصراف سمجھتے تھے[1]

خالدؓ کی مَرعش سے واپسی پر یہی کچھ ہوا۔ اُنہوں نے دل کھول کر اپنے سپاہ کو تحائف دیئے۔ اور اب اِسلامی لشکر میں چند ایسے بے اصول لوگ اُبھر آئے تھے جو کامراں سالاروں کے پاس آکر ان کی تعریف میں قصیدے پڑھتے اور شاہانہ تحائف وصول کرتے۔ ایسا ہی ایک شخص اَشعَث بن قیس تھا جو بنو کِندا کا سردار تھا۔ اور جس کا ذکر اِس کتاب کے حصہ دوم میں کیا جا چکا ہے (یہ وہ شخص تھا جس نے یمن میں مُرتدین کی مُہم میں اپنے قبیلے کی قیادت کی تھی اور پھر عین موقعے پر اپنے پیروؤں کو فریب دے کر اپنی جان بچائی تھی!) اشعث ایک بڑا شاعر تھا۔ یہ خالدؓ سے مِلنے قنسرین آیا، اور وہاں اس نے عظیم فاتح کی شان میں ایک نفیس قصیدہ پڑھا۔ اس کے صلے میں خالدؓ نے اُسے ۱۰،۰۰۰ درہم دیئے۔ پندرہ دن کے اندر اندر حضرت عمرؓ کے جاسوسوں نے ان کو اس واقعے کی خبر دی۔ عمرؓ برافروختہ ہو گئے۔ اب، انہوں نے سوچا، حد ہو گئی ہے!

اشعث کو کیا خبر تھی کہ جب وہ اپنے نفیس اشعار پڑھ رہا تھا تو وہ دراصل خالدؓ کی فوجی زندگی کی قبر کھود رہا تھا۔

---

[1] خالدؓ کی وہ آمدنی جو اُن کو مالِ غنیمت کے حصے کے طور پر یا کسی نبرد آزمائی سے ہوتی تھی اُن کی تنخواہ کا حصہ نہیں تھی، جو ایک سالار جیش کیلئے سات ہزار سے نو ہزار درہم سالانہ تک تھی۔ (دیکھئے ابو یوسف: ط۴۶)

سپہ گری کو سلام

مرعش کی مہم سے کچھ پہلے خالدؓ نے ایک خاص غسل کیا۔ اور جس طرح خالدؓ ہر کام عمدگی سے کرتے تھے وہ نہاتے بھی نفاست سے تھے۔ ان کے پاس ایک ایسی چیز تھی جس کی تیاری میں الکوحل کا آمیزہ استعمال ہوتا تھا اور جسے جسم پر ملنے سے آرام ملتا تھا۔ خالدؓ نے اسکی خوب مالش کر کے اپنے غسل کا لطف اُٹھایا' اور اس سے وہ تازہ دم اور دمکتے ہوئے نکلے۔

چند ہفتوں کے بعد اُن کو خلیفہ کا ایک خط ملا جس میں یہ لکھا تھا: "میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ تم نے اپنے جسم کی مالش شراب سے کی ہے۔ اللہ نے شراب کے جوہر اور اس کی آمیزش دونوں کو حرام کیا ہے' جیسے اس نے ہر گناہ کے جوہر اور آمیزش کو حرام کیا ہے۔ اس نے شراب کی چھوت نہ صرف پینے میں بلکہ غسل میں بھی حرام کی ہے۔ شراب کو اپنے جسم سے نہ لگنے دو' کیونکہ یہ نجس شئے ہے۔"[1]

خالدؓ یہ خط پڑھ کر حیران رہ گئے کہ اسلام کی شراب پر پابندی کے مفہوم کو یہ وسعت دی جا رہی ہے۔ تمام صحابیوں کی طرح خالدؓ بھی قرآن سے بخوبی واقف تھے اور اور جانتے تھے کہ شراب کے بارے میں قرآنی آیات صرف اس کے پینے سے تعلق رکھتے تھے' اور نشہ آور مشروب پر پابندی کا مقصد مدہوشی اور الکوحلیت کو دُور

---

[1] طبری: جلد ۳' ص۱۶۶۔

کرنا تھا۔ قرآن میں الکوحل آمیز تیلوں اور مرہموں کے بیرونی استعمال کے متعلق کوئی ہدایت نہ تھی۔ خالدؓ نے حضرت عمرؓ کو جواب لکھا اور اس میں اپنے مادّے کی تیاری کی تفصیل لکھی کہ کس طرح اس میں الکوحلی آمیزہ ملانے کے بعد اسے جوش دے کر صاف کیا جاتا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ "ہم اس کے جوہر کو ایسا مار دیتے ہیں کہ وہ آبِ غسل کی طرح رہ جاتا ہے۔ بلا الکوحل"۔ [1]

قرآن کی اُن آیات کی تفسیر کے معاملے میں جو شراب سے متعلق ہیں حضرت عمرؓ کا استدلال کچھ زیادہ مضبوط نہ تھا۔ لہٰذا اُنہوں نے خالدؓ کو یہ لکھنے پر اکتفا کیا: "مجھے ڈر ہے کہ مُغیرہؓ [2] کا گھرانا غلط کاریوں سے پُر ہے۔ اللہ تم کو اِس کی وجہ سے برباد نہ کرے"۔ [3] یہاں بات اس سے آگے نہ بڑھی۔ ہم کو نہیں معلوم کہ خالدؓ نے پھر کبھی ایسا غُسل کیا یا نہیں، غالباً نہ ہی کیا ہوگا لیکن یہ بات واضح ہے کہ حاظر کی جنگ کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے دل میں خالدؓ کے لئے جو نیک خواہی پیدا ہوئی تھی وہ اس بات سے مٹ گئی کہ خالدؓ نے ان کے الکوحل کے ساتھ تیار کی ہوئی چیزوں کے بیرونی استعمال کے بارے میں خیالات کی تردید کی۔

مرعش کی تسخیر کے جلد بعد ۶۳۸ء (۱۷ھ) کے موسمِ خزاں میں حضرت عمرؓ کو اشعث کے قصیدہ پڑھنے اور خالدؓ کے ۱۰،۰۰۰ درہم انعام دینے کی اطلاع ملی۔ یہ بات خلیفہ کی برداشت سے باہر تھی۔ عمرؓ نے سوچا کہ بس یہ تو حد ہوگئی! انہوں نے فوراً ابو عبیدہؓ کو ایک خط لکھا: "خالدؓ کو برسرِ جماعت لاؤ۔ اُس کی دستار سے اُس کے ہاتھ باندھو اور اُس کے سر سے ٹوپی اُتار دو۔ اُس سے پوچھو کہ اس

---

[1] ایضاً۔

[2] مُغیرہ خالدؓ کے دادا کا نام ہے۔ [3] طبری: جلد ۳، صـــ ۱۶۷۔

نے اشعث کو کہاں سے پیسے دیئے . . . اپنی جیب سے یا مہم کے مالِ غنیمت میں سے۔ اگر وہ اقرار کرے کہ مالِ غنیمت میں سے دیا ہے تو اُس نے خیانت کی ہے۔ اور اگر اُس کا دعویٰ یہ ہو کہ اُس نے اپنی جیب سے دیئے تو یہ اسراف ہے۔ دونوں صورتوں میں اسے معزول کر دو اور خود اُس کے فرائض سنبھال لو۔"[1]

یہ کوئی معمولی خط نہیں تھا۔ اگرچہ حضرت عمرؓ نے مُلزم کے لئے جو طریقہ کار تجویز کیا تھا وہ عربوں کا عام دستور تھا، اِس معاملے میں جس پر الزام تھا وہ کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ اور خلیفہ کی ہدایت کو کوئی بلند مرتبہ صحابی ہی سرانجام دے سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بلالِؓ مؤذن کو اِس کام کے لئے منتخب کیا۔ انہوں نے بلالؓ کو اپنا خط دیا، خالدؓ سے برتاؤ کا طریقہ سمجھایا اور پوری رفتار کے ساتھ حمص پہنچنے کا حکم دیا۔

بلالؓ نے حمص پہنچ کر خط ابوعبیدہؓ کے حوالے کیا، جو اس کو پڑھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی تلوار کے ساتھ کیونکر کیا جا سکتا ہے، لیکن خلیفہ کے احکامات کی اطاعت ضروری تھی، اور ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو بلا بھیجا۔

خالدؓ قنسرین سے روانہ ہوئے تو اُن کو اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا کوئی وہم و گمان تک نہ تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ اُن کو کسی جنگی مجلسِ مشاورت کے لئے بلایا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ روم کے خلاف کوئی اور مہم سر کرنا ہو یا پھر بازنطینی سلطنت کے خلاف بڑے پیمانے پر حملہ کرنے کا ارادہ ہو۔ وہ تو مزید جنگوں اور مزید فخر و مباہات کے دلدادہ تھے۔ حمص پہنچتے ہی وہ سیدھے ابوعبیدہؓ کے گھر گئے اور یہاں پہلی مرتبہ ان کو ابوعبیدہؓ کے بلاوے کا مقصد معلوم

---

[1] ایضاً : ص ۱۶۷

ہوا۔ سپہ سالارِ اعظم نے مختصر طور پر ان کے خلاف حضرت عمرؓ کے الزام کی وضاحت کی، اور اُن سے پُوچھا کہ کیا ان کو اپنے جُرم کا اقرار ہے۔ خالدؓ ابُو عبیدہؓ کے بیان سے ہکا بکا رہ گئے۔ ان کے نزدیک یہ نہ کوئی معمولی سوال تھا نہ کوئی معمولی الزام، بلکہ اُن کے پُرانے مخالف عمرؓ بن الخطّاب کی اُن کو برباد کرنے کی کوشش۔ خالدؓ نے جواب دینے کے لئے اپنی بہن سے مشورے کے لئے مہلت مانگی اور ابُو عبیدہؓ اس پر رضامند ہو گئے۔

خالدؓ اپنی بہن فاطمہؓ کے گھر گئے، جو حمص ہی میں رہتی تھیں، اور اُن کو تمام بات بتلا کر مشورہ مانگا۔ فاطمہؓ نے اُن کے شبہات کی تصدیق کی اور کہا "خدا کی قسم عمرؓ تم سے کبھی خوش نہیں ہو سکتے۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے کہ کسی طرح تم کسی غلطی کا اعتراف کر لو تاکہ وہ تم کو فوج سے نکال دیں۔"[1] خالدؓ نے کہا "تم ٹھیک کہتی ہو۔" اُنھوں نے اپنی بہن کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ابُو عبیدہؓ کے پاس واپس آکر اُن کو مطلع کیا کہ وہ کوئی اعتراف جرم کرنے کو تیّار نہیں ہیں۔ اس کے بعد دونوں سپہ سالار چُپ چاپ ایک جگہ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں مسلمان بڑی تعداد میں جمع تھے، جن میں سے اکثر خالدؓ سے مصافحہ کرنے کو آگے بڑھے۔ ایک سرے پر ایک اونچا چبوترہ بنا ہوا تھا، اور اس پر خالدؓ اور ابوعبیدہؓ مجمع کی طرف رُخ کئے ہوئے بیٹھ گئے۔ ابوعبیدہؓ کے ایک طرف بلال حبشیؓ بیٹھے تھے۔ چند لمحے تک مکمّل خاموشی رہی۔ نہ مسلمانوں کو اِس مجلس کا مقصد معلوم تھا، نہ خالدؓ کو۔ اُنھوں نے اپنے ذہن میں اِس اجلاس کا رشتہ حضرت عمرؓ کے الزام سے نہیں جوڑا تھا۔ کیونکہ اُن کے تو خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان پر علانیہ مقدمہ چلایا جائے گا۔

---

[1] ایضاً: جلد ۲، صفحہ ۶۲۴۔ یعقوبی کی تاریخ: جلد ۲، صفحہ ۱۴۰۔

حضرت بلالؓ نے سوالیہ نظروں سے ابو عبیدہؓ کی طرف دیکھا، لیکن ابو عبیدہؓ نے منہ موڑ لیا۔ انہوں نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل اس حد تک کر لی تھی جو انکے نزدیک ضروری تھی۔

اگر خالدؓ جیسے آدمی کی، جس نے نئی اسلامی مملکت کے لئے ایسی خدمات انجام دیں تھیں جو کسی اور سپہ سالار نے نہ دیں تھیں، برسرِ عام بے عزتی ہونی ہی تھی تو وہ، ابو عبیدہؓ، کم سے کم اس میں کوئی حصہ لینے کو تیار نہ تھے۔ بلالؓ جو چاہیں خود کریں۔

بلالؓ نے ابو عبیدہؓ کے احتراز کو سمجھ لیا۔ وہ خالدؓ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور اُن سے اسقدر بلند آواز میں مخاطب ہوئے جسے ساری مجلس سُن سکے:
"اے خالدؓ تم نے اشعث کو ۱۰،۰۰۰ درہم اپنی جیب سے دیئے یا مالِ غنیمت سے"؟

خالدؓ نے دنگ ہو کر خاموشی سے بلالؓ کی طرف دیکھا۔ ان کو اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔

بلالؓ نے پھر اپنا سوال دُہرایا۔ لیکن خالدؓ اپنی زندگی میں پہلی دفعہ حیرت سے لاجواب تھے۔ جب ایک لمحہ اور گزر گیا اور خالدؓ نے کوئی جواب نہ دیا تو بلالؓ اُن کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے "یہ امیر المومنین کا حکم ہے"۔ اُنہوں نے خالدؓ کی پگڑی اور ٹوپی سر سے اُتاری اور پیٹھ کے پیچھے پگڑی سے ان کے ہاتھ باندھ دیئے پھر خلیفہ کے قاصد نے سوال کیا "تم کیا کہتے ہو؟ اپنی جیب سے یا مالِ غنیمت سے؟"
اب جا کے خالدؓ کی زبان کُھلی تو اُنہوں نے احتجاجاً کہا "نہیں! اپنی جیب سے۔"

جب بلالؓ نے یہ الفاظ سُنے تو اُنہوں نے خالدؓ کے ہاتھ کھول دیئے، خالدؓ کی ٹوپی اُن کے سر پر واپس رکھ دی، اور خود اپنے ہاتھ سے خالدؓ کی پگڑی باندھی اور کہا "ہم اپنے حکمرانوں کی بات سُنتے ہیں اور مانتے ہیں۔ ہم اُن کی عزت

کرتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر بلالؓ اپنی جگہ واپس جا کر بیٹھ گئے۔

کچھ لمحے مجلس میں سناٹا رہا۔ ابو عبیدہؓ اور بلالؓ فرش کو تکتے رہے۔ پھر خالدؓ جن پر اب بھی اپنے حادثے کا اثر تھا، اپنی جگہ سے اُٹھے۔ ان کو اپنے مقدمے کے نتیجے کا علم نہ تھا کہ وہ برخاست کر دئے گئے ہیں یا بدستور اپنے جیش کے سالار ہیں۔ ابو عبیدہؓ جیسے بھلے آدمی کو وہ ان سے سوالات پوچھ کر مضطرب نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس لئے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کے قنسرین روانہ ہو گئے۔

بلالؓ نے مدینے واپس آکر حضرت عمرؓ کو پوری کارروائی سے مُطلع کیا۔ خلیفہ کو اب ابو عبیدہؓ کے خط سے اس بات کی تصدیق کا انتظار تھا کہ انہوں نے خالدؓ کو قنسرین میں سپہ سالاری سے معزول کر دیا ہے۔ مگر جب ایک ہفتہ اور گزر گیا اور ایسا کوئی خط موصول نہیں ہوا تو حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ ابو عبیدہؓ خالدؓ کو اُن کی برطرفی کی اِطّلاع دینے میں ٹال مٹول کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ خالدؓ کی برطرفی کے معاملے کو وہ بذاتِ خود نمٹائیں گے۔ اُنہوں نے خالدؓ کو لکھا کہ وہ مدینہ آکر اُن سے ملیں۔

حضرت عمرؓ کا خط پا کر خالدؓ نے حمص آ کے ابو عبیدہؓ سے پوچھا کہ اُن کی حیثیت کی کیا صورت ہے۔ سپہ سالارِ اعظم نے بتایا کہ اُن کو خلیفہ کے حُکم سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ خالدؓ نے کہا "اللہ آپ پر رحم کرے! آپ نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟ آپ نے مجھ سے ایسی بات چھپائی جو مجھے آج سے پہلے معلوم ہو جانی چاہیئے تھی۔" ابو عبیدہؓ کی نظروں میں بڑا دُکھ تھا۔ اور اُن کے لہجہ میں بے حد محبت اور رواداری تھی جب اُنہوں نے جواب دیا کہ "واللہ، میں جانتا تھا کہ اِس سے تم کو دُکھ ہو گا، اور اگر میرے بس

---

[1] طبری: جلد ۳ صـ ۱۶۷۔

میں ہوتا تو میں تم کو کبھی دُکھ نہ ہونے دیتا"۔[1]

خالدؓ نے قنسرین واپس جا کر متحرک رسالے کو جمع کیا اور اُن سورماؤں کو مخاطب کیا جن کو انہوں نے یکے بعد دیگرے شاندار فتوحات اور عظمتوں سے رُوشناس کرایا تھا، اور جنہوں نے پوری وفاداری اور پورے یقین کے ساتھ ان کی پیروی کی تھی۔ انہوں نے اُن کو بتایا کہ اُن کو سپہ سالاری سے برطرف کر دیا گیا ہے اور اب وہ خلیفہ کی ہدایت کے مطابق مدینے جا رہے ہیں۔ انہوں نے متحرک رسالے کو خیرباد کہا۔ مردان کارزار کی اس جماعت کو جس نے خالدؓ کے ماتحت کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ قنسرین سے وہ پھر ایک بار حمص آئے، سب کو خدا حافظ کہا اور مدینے روانہ ہو گئے۔ وہ مدینے اِس طرح نہیں جا رہے تھے جیسے ایک سرخ رو سالار جنگ سے اپنے وطن واپس آتا ہے اور اسے حکومت سے اعزازات حاصل ہوتے ہیں، بلکہ ایک ایسے شخص کی طرح جو خوار تھا۔

خالدؓ مدینے پہنچے تو سیدھے حضرت عمرؓ کے گھر گئے۔ لیکن عمرؓ ان کو گلی ہی میں مِل گئے۔ جب یہ دونوں طاقتور آدمی ایک دوسرے کے قریب آئے، ایک اپنے وقت کا سب سے بڑا حکمران اور دوسرا اپنے وقت کا سب سے بڑا سپاہی، تو دونوں میں سے کسی کے چہرہ پر بھی خوف کے آثار نہیں تھے۔ عمرؓ نے گفتگو میں پہل کی۔ اُنھوں نے خالدؓ کی فتوحات کے اعتراف کے طور پر فی البدیہ چند اشعار کہے:

تم نے وہ کام کیا ہے جو کوئی اور آدمی نہ کر سکا،
مگر یہ کام انسان نہیں کرتے بلکہ اللہ کرتا ہے[2]

جواب میں خالدؓ نے کہا "تم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے میں اُسکے

---

[1] طبری: جلد ۳، صـ۱۶۷۔ [2] ایضاً: صـ۱۶۸۔

لئے مسلمانوں سے احتجاج کرتا ہوں۔ واللہ، اے عمرؓ، تم نے میرے ساتھ ناانصافی کی ہے۔"

عمرؓ نے پوچھا "یہ سب دولت کہاں سے آئی؟"

خالدؓ نے کہا کہ مالِ غنیمت میں میرا حصہ ۶۰,۰۰۰ درہم ہے۔ اگر میری ملکیت کی قیمت اِس سے زیادہ ہو تو بقیہ تم لے سکتے ہو۔"[1]

حضرت عمرؓ نے اُن کی تمام ملکیت کا جائزہ لیا تو قیمت کا اندازہ ۸۰,۰۰۰ درہم نکلا، اور انہوں نے ۲۰,۰۰۰ درہم کی ملکیت ضبط کر لی۔

جب یہ سب کچھ ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے خالدؓ سے کہا "اے خالدؓ، واللہ تم میری نظر میں قابلِ احترام ہو اور تم مجھے عزیز ہو۔ اور آج کے بعد تم کو مجھ سے کسی شکایت کا موقعہ نہیں ملے گا۔"[2] یہ بات محض اصولی تھی، اِس لئے کہ اب اِس سے زیادہ وہ خالدؓ کا کر بھی کیا سکتے تھے۔

چند روز کے بعد خالدؓ مدینے سے قنسرین کی طرف لوٹے اور پھر کبھی عرب واپس نہ آئے۔ ابھی اُن کو روانہ ہوئے کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ مدینے کے لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس آ کر اُن سے درخواست کی کہ خالدؓ کی جائیداد خالدؓ کو لوٹا دی جائے۔ اِس کے جواب میں عمرؓ نے کہا "میں اُس چیز کے معاملے میں کوئی سودے بازی نہیں کرتا جو اللہ کی ہے یا مسلمانوں کی ہے۔"[3] لیکن طبری کی روایت کے مطابق اِس کے بعد عمرؓ کے دِل سے خالدؓ کے خلاف کدورت نکل گئی۔

بہت جلد حضرت عمرؓ پر یہ بات عیاں ہو گئی کہ خالدؓ کے خلاف اُن کا برتاؤ مسلمانوں

---

[1] ایضاً: ص ۱۶۸۔ [2] طبری: جلد ۳، ص ۱۶۷۔ [3] ایضاً۔

کو ناگوار گزر رہا تھا۔ یہ کھلم کھلا کہا جانے لگا تھا کہ خالدؓ کو اپنی مصیبت صرف عمرؓ کے ذاتی بغض و عناد کی وجہ سے جھیلنا پڑی تھی۔ حضرت عمرؓ کے اِس فعل کی مذمت اِسقدر عام ہوئی اور پھیلی کہ خلیفہ کو اپنے سپہ سالاروں اور ناظموں کو یہ لکھنا پڑا :

"میں نے خالدؓ کو نہ اپنی ذاتی ناراضگی کی وجہ سے علیحدہ کیا اور نہ ہی اُن کی کسی بے ایمانی کی وجہ سے۔ بلکہ صرف اِس وجہ سے کہ لوگ اُن کے بہت زیادہ مدّاح تھے اور گمراہ ہو رہے تھے۔ مجھے خوف تھا کہ لوگ اُن پر تکیہ کرنے لگیں گے[1]۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ سمجھ لیں کہ اللہ ہی سب کچھ کرتا ہے اور ملک میں کوئی فتنہ نہیں ہونا چاہیئے۔"[2]

دیکھا جائے تو حضرت عمرؓ نے نادانستہ خالدؓ کی وہ تعریف کی ہے جس سے زیادہ کسی سپہ سالار کی تعریف ممکن نہیں۔ اور نہ ہی وہ اس سے زیادہ داد و تحسین حاصل کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں لوگ اُسے دیوتا کی سی حیثیت دینے لگے تھے۔ مگر خالدؓ قنسرین برگشتہ خاطر واپس لوٹے۔ وہ شخص جو فاتح ارتداد اور فاتحِ عراق و شام تھا ایسے واپس آیا جیسے وہ کوئی نہ ہو۔ بس معزول اور خوار۔ جب اُن کی بیوی نے دروازے پر اُن کو خوش آمدید کہا تو انھوں نے جواب دیا "عمرؓ نے مجھے اُس وقت تک شام میں مقرر کئے رکھا جب تک کہ یہ علاقہ گندم اور شہد نہ بن گیا۔ پھر اس نے مجھے برخواست کر دیا۔"[3]

خالدؓ کے مہم جوئی کے دن ختم ہو گئے۔ سیف اللہ۔ اللہ کی وہ تلوار کہ جو کُفّار کے خلاف بے نیام ہوئی تھی اور جسے ابوبکرؓ نے نیام میں واپس کرنے سے اِنکار کیا تھا عمرؓ نے اُسے آخر کار نیام میں ڈال دیا۔

اب اس داستان میں بہت کم کہنے کو رہ گیا ہے۔ معزولی کے بعد خالدؓ پورے

---

[1] طبری : یعنی فتح کے لئے خدا پر بھروسہ کرنے کے بجائے۔

[2] طبری : جلد ۳، صفحہ ۱۶۷۔ [3] ایضاً : جلد ۳، صفحہ ۱۰۹۔ بلاذری : صفحہ ۴۲۷۔

چار برس بھی زندہ نہ رہے اور یہ برس بھی خوشگوار نہ تھے۔ جہاں تک مالی حالت کا تعلق ہے وہ مفلس تو نہیں تھے، مگر تنگ دست ضرور تھے۔ ۱۵ھ میں عمرؓ نے شعبۂ وظائف کا اجرا کیا جس سے تمام مسلمانوں کو ان کے اسلامی معاشرے میں مقام اور جنگی خدمات کے مطابق وظیفے دئے گئے۔ ان تمام لوگوں کو جنہوں نے صُلح حدیبیہ کے بعد اور ارتداد سے قبل اسلام قبول کیا ۳۰۰۰ درہم سالانہ کا وظیفہ دیا گیا، اور اِس زمرے میں خالدؓ بھی شامل تھے۔ اس رقم کے ساتھ ایک آدمی اور اس کا کنبہ میانہ روی سے گزارا کر سکتے تھے، مگر خالدؓ جیسے امیرزادے اور ذرا سی بات پر خوش ہو کر ہزاروں درہم دے دینے والے شخص کے لئے اس رقم میں کم ہی گنجائش تھی۔ وہ اپنے کُنبے کو حمص لے گئے، جہاں اُنہوں نے ایک مکان خریدا اور وظیفے دار کی کنارہ کش زندگی بسر کرنے لگے۔

اُن کی برطرفی اُن کے لئے ایک ضرب کاری تھی۔ لیکن کچھ اس طرح جیسے ایک صدمہ ناکافی تھا مدینہ سے حمص آنے کے بعد انہیں کئی اور صدمے جھیلنے پڑے، جن سے وہ اس طاعون کی وبا کے دوران دوچار ہوئے جو ان کی مدینے سے واپسی کے کچھ ہی عرصے بعد نازل ہوئی۔ اس میں ان کے سب سے محبوب دوست اور عزیز و اقارب فوت ہو گئے۔

طاعون کا آغاز بزمانۂ محرّم یا صفر ۱۸ھ (جنوری یا فروری ۶۳۹ء میں فلسطین کے قصبے عمواس سے ہوا، اور پھر یہ وبا بڑی تیزی سے شام اور فلسطین میں پھیل گئی۔ عیسائی اور مسلم دونوں اس کی زد میں آ کر ہلاک ہو گئے۔ خلیفہ کو شام میں اس وبا سے دوچار مسلمانوں کے بارے میں شدید تشویش ہوئی، خصوصاً ابو عبیدہؓ کے متعلق، اور انہوں نے "امین ملت" کو محفوظ رکھنے کی خاطر انہیں مدینے آنے کی دعوت دی۔ لیکن ابو عبیدہؓ کو عمرؓ کے خط سے یہ احساس ہو گیا کہ

خلیفہ اُن کو مدینے لاکر اس وقت تک وہیں روکے رکھیں گے جب تک کہ طاعون کا زور نہ ٹوٹ جائے۔ اور جس شخص نے اپنے سپاہ کو جنگ کی شدّت میں کبھی نہ چھوڑا وہ انہیں طاعون کی وبا میں کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ انہوں نے مدینے آنے سے انکار کر دیا اور اپنے سپاہ کے ساتھ وفا کی قیمت انہوں نے اپنی جان سے ادا کی۔

عمواس میں طاعون سے ہزاروں مسلمان انتقال کر گئے، اور ان میں سب سے شریف اور بہترین لوگ شامل تھے۔ ابو عبیدہؓ، شرجیلؓ، یزیدؓ، ضرارؓ، سب خالدؓ کے عزیز دوست۔ مگر اُن کے صدمے یہیں ختم نہ ہوئے، طاعون میں اُن کے چالیس فرزند فوت ہو گئے۔ اور اس تباہی کے تقریباً وہ سب شکار ہو گئے جو خالدؓ کے چہیتے تھے، اور جو اُن کی گوشہ نشین زندگی میں باعثِ راحت و سُرور ہو سکتے تھے۔ ہم صرف اُن تین بیٹوں کے نام جانتے ہیں جو خالدؓ کے بعد زندہ رہے: سلیمان جو مصر کی جنگ کے آخری دور میں شہید ہوئے، مُہاجر جو جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اور عبدالرّحمان جو بالغ عمر تک زندہ رہے اور جن میں معلوم ہوتا ہے، اپنے باپ کی سی جنگی صلاحیت موجود تھی۔ لیکن وہ بھی معاویہ کے عہدِ خلافت میں ایک زہر دینے والے کے ہاتھوں ۴۶ھ میں بے وقت مر گئے۔ لکھا گیا ہے کہ اِن کے قتل میں معاویہ کا ہاتھ تھا، جو سیف اللہ کے بیٹے کی شہرت سے خائف تھے اور حسد کرتے تھے[۱]۔ بعد میں عبدالرّحمن کے فرزند کے ہاتھوں یہ قاتل مارا گیا۔ یہ بات ہمارے علم میں نہیں ہے کہ خالدؓ کی کتنی لڑکیاں تھیں، لیکن مَردوں میں اُن کی نسل اُن کے پوتے، خالدؓ بن عبدالرّحمان بن خالدؓ، پر ختم ہو گئی۔

فوجوں کے ابتدائی تین سپہ سالاروں کی موت کے بعد عمرو بن العاصؓ نے

---

[۱] طبری: جلد ۴، صـ۱۷۱ - اصفہانی: جلد ۱۵، صـ۱۲-۱۳۔

فوج کی قیادت سنبھالی، اور فوراً تمام فوج کو شام اور فلسطین کی پہاڑیوں میں منتشر کر دیا۔ اِس طرح وہ فوج کی بڑی تعداد کو بچالے گئے مگر اس وقت تک ۲۵،۰۰۰ مسلمان طاعون کا شکار ہو چکے تھے۔ ابھی طاعون ختم نہیں ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ نے ایاز بن غنم کو شمالی شام کا اور معاویہ کو دمشق اور اردن کا فوجی حاکم مقرر کیا۔ عمرو بن العاص فلسطین کے حاکم رہے۔

جب حضرت ابو بکرؓ اِرتداد کے خلاف منصوبہ بندی کر رہے تو انہوں نے تمام جیوش کے سالار مقرر کرنے کے سلسلے میں عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا تھا۔ خلیفہ نے کہا تھا کہ "اے عمرو، تم جانچنے کے معاملے میں عربوں میں سب سے ہوشیار ہو۔ بتاؤ خالدؓ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟" عمرو نے جواب دیا "وہ جنگ کا استاد ہے، موت کا دوست ہے، اُس میں شیر کی جھپٹ اور بلی کا صبر ہے۔"[1]

مگر خالدؓ کے مزاج کیلئے بلّی کے صبر کی مثال زندگی کے اِس دور میں کافی نہیں تھی۔ اس لئے کہ بلّی کے لئے جو چیز صبر کرنے کو ممکن اور قابل برداشت بناتی ہے اس میں شکار کو ہڑپ کرنے کا امکان موجود ہوتا ہے، اور اگر بلّی کے لئے شکار کا امکان نہ ہو تو وہ بھی صبر نہ کر پائے۔ خالدؓ کے لئے کوئی مواقع نہ رہ گئے، کوئی ایسی بات نہ رہ گئی تھی جس کی خاطر صبر کیا جائے۔ وہ نہ کوئی نئی جنگ لڑ سکتے تھے، نہ کوئی نیا دشمن قتل کر سکتے تھے۔ اپنی بے بس گوشہ نشینی میں وہ اپنے ساتھیوں اور بیٹوں کی موت کا سوگ مناتے رہے۔

اسلامی فتوحات جاری رہیں۔ ۱۸ھ میں طاعون کے بعد ایاز نے پھر جزیرے

---

[1] تاریخ یعقوبی: جلد ۲، ص ۱۲۹۔

پر چڑھائی کی اور اگلے سال کے اختتام تک انہوں نے کئی جنگوں کے بعد اسے شمال میں شمشاط، آمِد (اب، دیار بکر) اور تبلیس تک مسخر کرلیا۔ انہوں نے ایک کامیاب دھاوا ملاطیہ تک بھی کیا (دیکھئے نقشہ نمبر ۲۹) خالدؓ کے معزولی کے وقت مشرقی محاذ سے جو خبریں آرہی تھیں وہ بھی اتنی ہی سنسنی خیز تھیں۔ سَعد بن ابی وقاص نے موجودہ عراق کا بہت سا حصہ اور موجودہ جنوب مغربی ایران کے کچھ حصے فتح کرلئے تھے۔ اہواز، تستر اور سُوس۔ بعد میں اِس محاذ پر مزید پیشقدمیاں کی گئیں، حالانکہ طاقتور فارسیوں کے خلاف بڑی فیصلہ کن جنگیں خالدؓ کی وفات کے بعد لڑی گئیں۔ قیساریہ نے آخر کار ۶۴۰ء (۱۹ھ) میں مسلمانوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور ۲۰ھ میں عمرو بن العاصؓ نے مِصر پر حملہ کرکے اس کے شمال مشرقی حصے پر قبضہ کرلیا۔

تمام مسلمانوں کی طرح خالدؓ بھی اسلامی فتوحات پر خوش ہوتے رہے، لیکن ہر فتح اُن کو یہ یاد بھی دلاتی رہی کہ وہ جنگ میں شریک نہ تھے۔ جو خبریں اُن کو حمص میں موصول ہوئیں وہ خوشگوار تلخیاں تھیں۔ اُن کی حالت اس پکّے عاشق کی سی تھی جس کی محبوبہ اس کے سامنے موجود ہو مگر وہ اُس کی طرف بڑھنے کے قابل نہ ہو۔ اور یوں اپنی زندگی کے آخری دن اُس شخص نے گزارے جس کے متعلق گبن اپنی کتاب "زوالِ شہنشاہی رُوم" (ڈیکلائن اینڈ فال آف دی ہولی رومن ایمپائر) میں کہتا ہے: "عرب جنگجوؤں میں سب سے غضبناک اور کامیاب۔"[1]

---

[1] کچھ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خالدؓ نے ایاز کے تحت جزیرے میں جنگ کی تھی، لیکن زیادہ تر ابتدائی مورخین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کے انتقال کے بعد انہوں نے کسی کی ماتحتی میں جنگ نہیں کی۔ میں دوسرے بیان کو صحیح سمجھتا ہوں۔

خوش بختی سے عمرؓ اور خالدؓ کے درمیان تعلقات پہلے سے بہتر ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ اب پہلے کی طرح سخت گیر، جلد باز اور تند مزاج نہ رہ گئے تھے۔ خلافت کی ذمّے داریوں نے اُن کو نرم خو اور متحمل مزاج بنا دیا تھا۔ اگرچہ وہ اب بھی درشت، اور زاہد تھے، وہ اوروں پر ایسا بوجھ کبھی نہیں ڈالتے تھے جسے وہ خود بھی نہ اُٹھاتے ہوں۔ وہ طاقتوروں کے ساتھ سخت تھے، کمزوروں پر مہربان، بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ سخی۔ وہ غریبوں کے ساتھ بیٹھتے تھے اور اکثر راتیں مسجد کی سیڑھیوں پر سو کر گزار دیتے تھے۔ راتوں کو مدینے کی گلیوں میں کوڑا لئے پھرتے تھے، اور عمرؓ کے کوڑے سے لوگ اوروں کی تلواروں سے زیادہ ڈرتے تھے۔ اُن کی خوراک جَو کی نمکین روٹی، خشک کھجوریں اور زیتون کا تیل تھا۔ اور وہ اپنے کنبے کے لئے بہتر نان نفقہ کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اُن کا لباس بالکل معمولی کپڑے کا ہوتا تھا، اور اس میں بھی کئی کئی پیوند ہوتے۔ ان کا کامل انصاف کرنے کا عزم ایسا تھا کہ ایک موقعے پر انہوں نے اپنے بیٹے کے شراب پینے پر کوڑے لگوائے تھے۔

خالدؓ کو اب اپنے فرصت کے اوقات میں غور و خوص کا موقع ملا تو انہیں اپنے پرانے حریف کی بہت سی نیکیاں اور قابلِ رشک خوبیاں نظر آنے لگیں، اور انہوں نے اسے معاف کر دیا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک ملاقاتی سے کہا "سب تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں کہ جس نے ابو بکرؓ کو ہم سے لے لیا۔ وہ مجھے عمرؓ سے زیادہ عزیز تھے۔ اور سب تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جس نے عمرؓ کو مقرر کیا۔ پہلے مجھے ان سے بغض تھا، مگر اب میں انہیں پسند کرنے لگا ہوں"[1]۔

---

[1] طبری: جلد ۲، ص ۵۹۸۔

یہ اتنی زبردست تبدیلی تھی کہ جب خالدؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا وارث قرار دے کر اپنا چھوڑا ہوا سب کچھ ان کے سپرد کر گئے۔ وقت کے علاج نے تمام زخم مُندمل کر دیئے تھے۔

خالدؓ اپنا زیادہ تر وقت اپنی جنگوں کو یاد کرنے میں گذارتے تھے، جیسے کہ سب بوڑھے سپاہی کیا کرتے ہیں۔ وہ اُن جنگوں اور ذاتی مقابلوں کی یاد تازہ کرتے تھے جن میں انہوں نے دنیا کے عظیم ترین بہادروں کو دعوتِ مبارزت دی تھی اور اُن کو خاک میں مِلا دیا تھا۔ اُن کو قدرتی طور پر اپنی کامیابیوں پر فخر تھا۔ لیکن خالدؓ کے ذہن میں کوئی غرور یا تکبر نہ تھا۔ وہ اپنی کامیابیوں کو اللہ تعالیٰ کی امداد سمجھتے تھے اور اپنی اس ٹوپی کا اثر سمجھتے تھے جس میں انہوں نے رسول اللہ کے موئے مبارک لگا رکھے تھے۔ اور جس وقت وہ اپنی جنگوں کو یاد کرنے میں مشغول نہ ہوتے تو وہ اپنے ساتھی سپہ سالاروں کی یادیں تازہ کرتے۔ ابوعبیدہؓ، شرجیلؓ، یزیدؓ، عَمرو بن العاصؓ کی، اور اپنے ایسے جرأتمند سورماؤں کی بھی جیسے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، رافع بن عُمیرؓ اور بے مثل ضرار بن الازورؓ جن کے مہارتِ حرب اور جرأت کے کارنامے خود اُن کے اپنے کارناموں کی طرح تاریخ کے صفحات پر درخشاں رہنے والے تھے۔ بہرحال اُن کو تاریخ میں خود اپنے مقام کا وہ اندازہ نہ تھا جو ہم کو اب ہے۔

خالدؓ تاریخ کے سب سے ہمہ دان قسم کے سپاہی تھے۔ ایک سچے فوق البشری مہارت کے سپاہی۔ ان کی حکمتِ حرب کی نگاہ چنگیز خان اور نپولین جیسی تھی، ان کی تدبیر حرب کی مہارت تیمور لنگ اور فیریڈرک اعظم جیسی، اور ان کی ذاتی طاقت اور سپاہ گری فارس کے مثالی پہلوان رستم جیسی۔ ہم کو کوئی ایسی دوسری شخصیت نہیں ملتی جس میں اتنی مختلف قوتیں بیک وقت موجود ہوں۔ خالدؓ دنیا

کے اُن دو عظیم ترین سپہ سالاروں میں سے ایک تھے جن کو کبھی شکست کا سامنا نہیں ہوا۔ دوسرا شخص چنگیز خاں تھا، لیکن چنگیز خاں بھی خالدؓ کی طرح کا سورما جنگجو نہ تھا، اگرچہ ان کی فتوحات دنیا کے کہیں زیادہ وسیع علاقے پر پھیلی تھیں۔ خالدؓ کی حربی حکمت اور تدبیر کی عظیم صلاحیت کے ساتھ ان کے طریقۂ کار کی شدید تند خوئی ملی ہوئی تھی۔ اُس کے خیال میں جنگ صرف فتح کا سیدھا سادھا راستہ نہ تھا، بلکہ ایک ایسا عمل بھی جس سے دشمن کا قطعی طور پر قلع قمع کر دیا جائے۔ جنگی جوڑ توڑ دشمن کی مکمل تباہی کا محض ایک آلۂ کار تھا۔

خالدؓ وہ تنہا شخص تھے جنھوں نے رسول اللہؐ کو کسی میدان میں شکست دی تو غزوہ احد میں۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے عرب سے باہر کے علاقوں کو فتح کیا۔ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے دو عظیم سلطنتوں کو یکے بعد دیگرے نیچا دکھایا۔ ان کی تمام جنگیں فوجی رہنمائی کا درس لئے ہوئے ہیں خصوصاً جنگِ اُحد، کاظمہ، دلجہ، مُضیخ، اجنادین اور یرموک۔ ان کی سب سے عمدہ جنگ دَلجہ کی تھی اور سب سے عظیم یرُموک کی۔

خالدؓ بنیادی طور پر ایک سپاہی تھے جنھوں نے جن علاقوں کو فتح کیا ان کا انھوں نے انتظام بھی سنبھالا مگر یہ انھوں نے ایک ایسے اعلیٰ سپہ سالار کے روزمرّہ کے فرائض کے طور پر انجام دیا۔ ان کو علاقے صرف فتح ہی نہیں کرنے تھے بلکہ ان پر بطور فوجی حاکم کے حکومت بھی کرنی تھی۔ ان کے منصوبوں اور جوڑ توڑ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ارفع فوجی ذہن کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لیکن ثقافت یا علم و ادب کی طرف ان کا کوئی مَیلان نہ تھا۔ خالدؓ ایک خالِص، بے میل، بے آمیزش، بے نقص سپاہی تھے۔ یہ ان کا مُقدّر تھا کہ وہ عظیم جنگیں لڑیں اور دشمن کو نیست و نابُود کر دیں۔ (کہ حملہ کریں، قتل کریں اور مسخر کریں۔) ان کی یہ تقدیر اُس وقت بروئے کار آئی جب اسلام کے عروج کے ساتھ ساتھ عرب علاقوں میں جہاد کا آغاز ہوا۔ اور ان کی یہ

تقدیر چمک اُٹھی جب اُنھوں نے نئے مذہب کو قبول کر کے اپنے آپ کو رسُول اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ خالدؓ جدھر جاتے دشمن اُن کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے جیسے انہیں اُن کی بدبختی نے خالدؓ کی تلوار کے سامنے دھکیل دیا ہو۔ جہاں سے بھی خالدؓ گزرتے وہاں وہ اپنے پیچھے جلیل فتوحات کی ایک قطار چھوڑتے چلے جاتے۔ جنگِ اُحد سے اُن کی برطرفی تک ۱۵ برس میں انہوں نے ۴۱ بڑی جنگیں لڑیں (جن میں چھوٹی موٹی جھڑپیں شامل نہیں ہیں) اور اِن معرکوں میں سے ۳۵ آخری سات برسوں میں مرکوز ہیں۔ وہ ایک معرکہ بھی نہیں ہارے! یہ تھے خالدؓ ناقابل مزاحمت اور کامل فاتح۔

یہ قیاس آرائی بڑی دلچسپ ہے کہ اگر خالدؓ سپہ سالار رہتے اور شام میں مسلم فوج بازنطینی سلطنت کو فتح کرنے کے لئے حملہ کرتی تو کیا ہوتا۔ جب خالدؓ نے کبھی کوئی جنگ نہیں ہاری تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمام ایشیائے کوچک کو فتح کرتے ہوئے بحرِ اسود اور باسفورس تک پہنچ جاتے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ سترھویں ہجری تک خالدؓ کی مہمات کے دور کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد تاریخ کے اکھاڑے میں نئے کھلاڑی نمودار ہوئے۔

ایاز بن غنم کا ۶۴۱ء میں انتقال ہوگیا۔ اِسی سال بلالؓ مؤذن بھی رحلت فرما گئے اور اسی سال خالدؓ کا شکست خوردہ دشمن، رومی شہنشاہ ہرقل مرگیا۔ اور اس کے اگلے سال خود خالدؓ کے جانے کی باری تھی۔

خالدؓ ۶۴۲ء (۲۱ ہجری) میں بیمار پڑے۔ اُن کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔ ہمیں اُن کی بیماری کی نوعیت کے متعلق کچھ نہیں معلوم، مگر اُن کی علالت طویل تھی۔ اور اُس نے اُن کی طاقت زائل کر دی۔ اُن تمام چست چاق چوبند لوگوں کی طرح جن پر اچانک بے کاری اور کنارہ کشی مسلّط کر دی جاتی ہے۔ خالدؓ کی صحت اور جسمانی

قوت سرعت سے زائل ہونے لگے۔ اُن کی آخری بیماری ان کی برداشت سے باہر ثابت ہوئی، اور خالدؓ کا بسترِ مرض بسترِ مرگ بن گیا۔ وہ چارپائی سے لگ گئے۔ وہ اپنی اِس تقدیر سے بڑے بیزار اور اِس بات سے بیقرار تھے کہ وہ مردِ کارزار کیطرح موت کا استقبال نہ کر پائے اور تقدیر نے اُن سے شہادت کی عظمت چھین لی - یہ جانتے ہوئے کہ موت قریب ہے، ان کو اس کا بستر میں انتظار سخت ناگوار گزرا۔

اُن کی وفات سے کچھ دن پہلے ان کا ایک دوست اُن سے ملنے آیا اور اُن کی چارپائی کے پاس بیٹھ گیا۔ خالدؓ نے اپنی دائیں ٹانگ پر سے کپڑا ہٹا کر اُس سے پُوچھا کہ "کیا تم کو میری ٹانگ پر کہیں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نظر آتی ہے کہ جہاں کسی نیزے، تلوار یا تیر کے زخم کا نشان نہ ہو"؟

اُس نے ٹانگ کو غور سے دیکھ کر کہا کہ واقعی ایسی کوئی جگہ نہ تھی۔ اِسی طرح خالدؓ نے اسے اپنی بائیں ٹانگ دکھائی اور اپنا سوال دُہرایا۔ اور دوست نے پھر یہی جواب دیا کہ واقعی دو زخموں کے درمیان بڑے سے بڑا فاصلہ بھی ایک بالشت سے کم تھا۔

پھر خالدؓ نے اپنا دایاں بازو اُٹھا کر دکھایا اور بعد ازیں بایاں، اور پہلے کیطرح کے معائنے کا وہی پہلا نتیجہ برآمد ہوا۔ اُس کے بعد خالدؓ نے اپنے شاندار سینے کو، جس کے پٹھے اب ڈھل چکے تھے، عریاں کر کے اپنا سوال دُہرایا، اور دوست حیران رہ گیا کہ کوئی ایسا شخص بھلا کس طرح زندہ رہ سکتا ہے جس کے جسم پر اتنے زخم آئے ہوں۔ دوست نے پھر اقرار کیا کہ اُسے ایک بالشت سے زیادہ کوئی جگہ نظر نہیں آئی کہ جہاں زخم کے نشان موجود نہ ہوں۔

خالدؓ نے اپنی بات واضح کر لی تھی۔ انہوں نے بے صبری سے پُوچھا "کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے سینکڑوں جنگوں میں شہادت کو تلاش کیا۔ پھر میں کیوں

جنگ میں نہ مر سکا؟"

دوست نے جواب دیا "تم جنگ میں نہیں مر سکتے تھے"

"کیوں نہیں" خالدؓ نے پوچھا۔

دوست نے کہا " اے خالدؓ تم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب رسول اللہؐ نے تم کو "اللہ کی تلوار" کا خطاب دیا تو دراصل اِس بات کی پیشینگوئی کی تھی کہ تم جنگ میں نہیں مارے جاؤ گے۔ اور اگر تم کسی کافر کے ہاتھ سے مارے جاتے تو اِس کا یہ مطلب ہوتا کہ ایک دشمنِ خدا نے اللہ کی تلوار توڑ دی۔ اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔"

خالدؓ خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن کا دوست رخصت ہوا۔ دوست کی دلیل خالدؓ کی سمجھ میں آگئی، مگر ان کا دل اب بھی جنگ میں شہادت کا پیاسا رہا۔ کیوں، آخر کیوں اِن کے لئے اللہ کی راہ میں مرنا ممکن نہ ہوا۔

جس دن خالدؓ کا انتقال ہوا اُس دن اُن کی ملکیت اُن کے ہتھیاروں، ایک گھوڑے اور ایک وفادار غلام حمام کے علاوہ کچھ بھی نہ تھی۔ وہ اپنی زندگی کے آخری دن اکیلے اپنے بستر پر پڑے رہے۔ صرف حمام غم کو ضبط کئے اپنے باوقار آقا کے پاس بیٹھا تھا۔ جب سائے بڑھ گئے تو خالدؓ نے اپنی تمام روحانی اذیت کو ایک فقرے میں ڈھال دیا: "میں ایسے مر رہا ہوں جیسے ایک اونٹ مرتا ہے۔ میں بستر پر شرمناک موت مر رہا ہوں۔ بزدلوں کی آنکھیں نیند میں بند نہیں ہوتیں۔"[1]

اِس طرح خالدؓ بن الولید، سیف اللہ نے انتقال فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو۔

خالدؓ کی موت کی خبر سے مدینے میں کہرام مچ گیا۔ عورتیں آہ و بکا کرتی

---

[1] ابن قتیبہ، صـ۲۶۷۔

اور ماتم کرتی ہوئی بنی مخزوم کی عورتوں کے پیچھے پیچھے گلیوں میں نکل آئیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ افسوسناک خبر بھی سنی اور گریہ وزاری کی آواز بھی۔ ان کو بے حد غصّہ آیا۔ اُنہوں نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن یہ اعلان کر دیا تھا کہ کسی مسلمان کے مرنے پر ماتم نہیں کیا جائے گا۔ اور حضرت عمرؓ کے اس نقطۂ نظر میں منطق کا یہ استدلال تھا کہ آخر ہم اُن لوگوں کے لئے کیوں روئیں جن کو جنت نصیب ہو جائے۔ وہ فِردوسِ راحت کہ جس کا اللہ نے مومنین سے وعدہ کیا ہے۔ حضرت عمرؓ اِس فیصلے کو اکثر کوڑے کے زور پر منوایا۔[1]

جب عمرؓ نے ماتم کی آوازیں سُنیں تو وہ اپنے کمرے کے فرش سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنا دُرّا اُٹھا کر دروازے کا رُخ کیا کہ وہ اپنے حُکم کی خلاف ورزی نہیں ہونے دیں گے۔ ماتم فوراً بند ہونا چاہئے۔ وہ دروازے تک پہنچ گئے، مگر وہاں وہ رُک کر سوچ میں پڑ گئے۔ چند لمحے خلیفہ دروازے میں خاموش خیالات میں غرق کھڑے رہے۔ یہ موت بہرحال کوئی معمولی موت نہیں تھی۔ یہ خالدؓ بن الولید کی موت تھی۔ اور پھر انہوں نے برابر کے مکان سے وہ گریہ وزاری کی آواز سُنی جو اُن کی اپنی بیٹی حفصہؓ کا گھر تھا جو رسُول اللہ کی بیوہ تھیں اور مرنے والے جنگجو کا سوگ منا رہی تھیں۔[2]

عُمرؓ واپس ہو گئے۔ انہوں نے اپنے دُرّے کو لٹکا دیا اور دوبارہ بیٹھ کر طے کیا کہ وہ اِس معاملے کو مستثنیٰ قرار دیں گے۔ "بنی مخزوم کی عورتوں کو ابوسلیمان کا ماتم کر لینے دو اِس لئے کہ وہ جھوٹ نہیں کہہ رہی ہیں" خلیفہ نے کہا۔ "رونے والے ابوسلیمان جیسے شخص پر روتے ہیں۔"

---

[1] طبری: جلد ۲۔ ص ۶۱۴ ۔ [2] تاریخِ یعقوبی: جلد ۲، ص ۱۵۷ ۔

حمص میں شاہراہِ حما کی دائیں طرف ایک بڑا اور محنت سے سینچا ہوا باغ پھیلا ہوا ہے، جس میں گھاس کے تختوں کے درمیان آرائشی درخت اور پھولوں کی کیاریاں اور ریگ بند ندیاں بھی ہیں۔ باغ کے آخری کنارے پر ایک مسجد ہے جس کا نام "مسجدِ خالدؓ بن الولید" ہے۔ یہ بڑی رعب دار مسجد ہے، جس کے دو بڑے مینار شمال مغربی اور شمال مشرقی کونوں پر کھڑے ہیں۔ مسجد کا صحن کشادہ ہے، تقریباً پچاس مربع گز۔ اِس کے فرش پر قالین بچھے ہوئے ہیں۔ اور اُس کی چھت چار بڑے جسیم ستونوں پر قائم ہے۔ چھت کے چاروں کونوں پر چار گنبد ہیں، مگر سب سے بلند گنبد درمیان میں ہے جس سے کافی اونچائی سے کئی جھاڑ فانوس زنجیروں سے آویزاں ہیں۔ اِس مسجد کے شمال مغربی کونے میں خالدؓ کا مزار ہے۔

ابوسلیمان کی آخری آرام گاہ۔

وہاں جانے والا باغ سے ہوتا ہوا مسجد کے احاطے سے گزرتا ہے۔ اپنے جوتے اُتار لیتا ہے اور محرابوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ جیسے ہی وہ داخل ہوتا ہے وہ اپنے دائیں ہاتھ پر خالدؓ کا مزار پاتا ہے۔ اصل قبر ایک دلکش گنبد والی سنگ مرمر کی ایسی عمارت سے ڈھکی ہوئی ہے کہ وہ بڑی مسجد میں ایک چھوٹی مسجد لگتی ہے۔ آنے والا چاہے تو فاتحہ پڑھتا ہے اور پھر اُس شخص کے تصور میں کھو جاتا ہے جو کبھی "اللہ کی تلوار" کہلاتا تھا۔

اور اگر ادھر آنے والا شخص خالدؓ کے جنگی کارناموں سے کچھ واقفیت رکھتا ہے تو وہ اپنی قوت متخیلہ کو باگ دیتا ہے اور اُس کے ذہن میں خالدؓ کے حملوں کی تصاویر گھومنے پھرنے لگتی ہیں۔ اسے ایسے لگتا ہے جیسے گھڑسواروں کی ایک سیاہ قطار زمین کی ایک ڈھلان کے پیچھے سے نمودار ہو کر رومی سپاہ کے ایک دستے پر جھپٹ رہی ہے۔ سواروں کے لبادے پیچھے ہوا میں لہرا رہے ہیں،

اور اُن کے گھوڑوں کے سُم بے رحمی سے زمین کو پیٹ رہے ہیں۔ کچھ کے ہاتھ میں نیزے ہیں۔ باقی تلواریں سُوتے ہوئے ہیں۔ رُومی اس دھاوے کے راستے میں کھڑے آتی ہوئی آفت کے نظارے سے کانپ رہے ہیں۔ کیونکہ وہ متحرک طلیعہ کی زد میں کھڑے ہیں جس کا جو مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا پھر اس کی داستان سُنانے کو زندہ نہیں رہتا۔ حملہ آور گھڑسواروں کی صف سیدھی نہیں، اس لئے کہ ایسی دیوانہ وار تیز رفتار کے ساتھ صفیں سیدھی نہیں رکھی جا سکتیں۔ اُن میں سے ہر شخص اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ کر کافروں سے پہلے ٹکرانے کو بیقرار ہے۔ سوائے اپنے سالار کے وہ سب سے آگے رہنا چاہتا ہے، چونکہ کوئی بھی اس سالار سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

سالار اپنے گھوڑے کو تمام مسلمانوں سے آگے دوڑاتا ہے۔ اس کے کاندھے چوڑے چکلے ہیں۔ گٹھے ہوئے مضبوط جسم کا آدمی ہے۔ وہ بہترین عرب گھوڑے پر اس طرح سوار ہے جیسے وہ خود گھوڑے کا ایک حصّہ ہے۔ اُس کے عمامے کا شملہ اور اس کی قبا پیچھے ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ اور ہوا سے اُس کی مان منھور ڈاڑھی سینے سے لگ گئی ہے۔ اُس کی تیز آنکھیں شدّت جذبات سے چمک رہی ہیں، جو جنگ، خون اور فتح یا شہادت کی عظمت کا وعدہ لئے ہوئے ہیں۔ اسکا زرہ بکتر اور اُس کے لمبے نیزے کی فولادی اَنی دھوپ میں چمک رہے ہیں۔ جوشیلے گھوڑے کے سُموں سے زمین کپکپا رہی ہے۔ غالباً اُس کے ساتھ ساتھ جو سوار موجود ہے وہ کمر سے اوپر کچھ پہنے ہوئے نہیں ہے۔

یہاں آنے والا یہ سب کچھ اپنی چشمِ تصوّر سے دیکھتا ہے اور گوشِ تصوّر سے وہ اُس شور کو سُنتا ہے جو متحرّک رسالہ کے رومیوں پر حملہ کرنے سے اور فولاد کے ٹکرانے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ اللہ اکبر کا نعرہ ایسے سُنتا ہے جیسے وہ اہلِ ایمان کے حلقوم سے نکلا ہو اور ہوا کا سینہ چیر گیا ہو۔ اور اسی بڑھتے ہوئے

شور میں وہ سپہ سالار کی للکار سنتا ہے:

انا فارس الضمدید
انا خالد بن الولید
انا سیف اللہ

ضمیمہ الف: کتابیات

۱۔ ابنِ حشام: سیرۃ النبوی ۔ قاہرہ ۔ ۱۹۵۵ء

۲۔ واقدی: مغاذی رسول اللہ: قاہرہ ۔ ۱۹۴۸ء

〃 : فتوح الشام: قاہرہ ۔ ۱۹۵۴ء

۳۔ ابنِ سعد: طبقات الکبریٰ ۔ قاہرہ ۔ ۱۹۳۹ء

۴۔ ابنِ قطیبہ: المعارف ۔ قاہرہ ۔ ۱۹۶۰ء

۵۔ لیعقوبی: تاریخ الیعقوبی ۔ بیروت ۔ ۱۹۶۰ء

〃 : البلدان ۔ لیڈن ۔ ۱۸۹۲ء

۶۔ بلاذری: فتوح البلدان ۔ قاہرہ ۔ ۱۹۵۹ء

۷۔ دِناوری: اخبار الطوال: قاہرہ ۔ ۱۹۶۰ء

۸۔ طبری: تاریخ الامم والملوک: قاہرہ ۔ ۱۹۳۹ء

۹۔ مسعودی: مروجُ الذّہب: قاہرہ ۔ ۱۹۵۸ء

〃 : التبنیہ والاشرف: قاہرہ ۔ ۱۹۳۸ء

۱۰۔ ابنِ رُستہ: علاقون نفیسہ: لیڈن ۔ ۱۸۹۲ء

۱۱۔ اصفہانی: اَلاَغنیٰ: قاہرہ ۔ ۱۹۰۵ء

۱۲۔ یاقوت: موجم البلدان ۔ تہران ۔ ۱۹۶۵ء

۱۳۔ ابو یوسف: کتاب الخزج ۔ قاہرہ ۔ ۱۹۶۲ء

۱۴۔ ایڈورڈ گبن: "رومی سلطنت کا انحطاط و زوال" ۔ لندن ۔ ۱۹۵۴ء

۱۵۔ الواموسل: "وسطیٰ فراط" ۔ نیویارک ۔ ۱۹۲۷ء

ضمیمہ ب : یادداشتیں

یادداشت ۱ : خالدؓ کی عمر

خالدؓ کی عمر کے بارے میں تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ باب اوّل میں بیان کردہ کشتی کے مقابلے سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ خالدؓ حضرت عمرؓ کے ہم عمر تھے۔ ان دونوں کی عمروں میں ایک یا دو سال کا فرق ہو سکتا ہے لیکن اِس کتاب میں ہم نے یہی فرض کیا ہے کہ ان دونوں کی عمریں ایک تھیں۔

حضرت عمرؓ کی عمر کے بارے میں بھی لوگوں میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ آپ کے انتقال کے وقت مختلف لوگوں نے آپ کی عمر ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۶۰، ۶۱ اور ۶۳ بتائی ہے۔ آپ کی صحیح عمر کے بارے میں صرف طبری کی تاریخ (جلد سوم صفحہ ۲۶۸) سے پتہ چلتا ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ معرکہ فجار سے چار سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ اس واقعہ کا سنہ واقعہ فیل کے ۲۰ سال بعد سمجھا جاتا ہے۔ اِس طرح انتقال کے وقت (ذوالحجہ ۲۳ھ) حضرت عمرؓ کی عمر ساٹھ سال تھی۔

یادداشت ۲ : عشرہ مبشرہ

وہ دس آدمی جن کو انتقال سے پہلے رسول اللہ صلعم نے بتا دیا تھا کہ وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ میں نے عشرۃ المبشرین کا ترجمہ عشرۂ مبشرہ کیا ہے۔ دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اُن کے نام یہ ہیں :-

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ (۲) حضرت ابوبکرؓ (۳) حضرت عثمانؓ
(۴) زبیرؓ بن العوّام (۵) عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۶) سعدؓ بن ابی وقاص
(۷) طلحہؓ بن عبیداللہ (۸) ابوعبیدہؓ بن الجرّاح (۹) سعیدؓ بن زید (۱۰) حضرت عمرؓ

فہرست اُس ترتیب سے ہے جس ترتیب سے وہ مسلمان ہوئے۔ اور بھی لوگ تھے جو ان میں سے کچھ لوگوں سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے (مثلاً زید بن حارثہ جو دوسرے مرد تھے جو مسلمان ہوئے) لیکن یہ لوگ عشرۂ مبشرہ میں شامل نہیں۔

یادداشت ۳: خالدؓ اور یمن

قدیم مورخین نے بعض ماخذوں کا حوالہ دیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خالدؓ کو یمن کے صوبے میں اسلام پھیلانے کے لئے بھی بھیجا گیا تھا لیکن انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور رسول اللہ صلعم نے اس کے بعد حضرت علیؑ کی سرکردگی میں خالدؓ کو بھیجا اور حضرت علیؑ نے کامیابی سے یمن میں اسلام پھیلایا۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت علیؑ یمن گئے تھے اور یمنیوں کو مسلمان بنایا لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ اُن سے پہلے خالدؓ کو یمن بھیجا گیا تھا۔ یمن میں اسلام پھیلانے کا کام خالدؓ جیسے تازہ ایمان لانے والے کے لئے اُن کی بساط سے بڑھ کر تھا۔ اس کے لئے حضرت علیؑ جیسے بلند پایہ صحابی کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ جیسے لکھا گیا ہے اگر خالدؓ کو یمن میں کامیابی نہیں ہوئی تھی تو ضروری تھا کہ انہوں نے وہاں خوں ریزی کی ہوتی مگر ہم جانتے ہیں کہ یمن میں خالدؓ کے ہاتھوں کوئی خوں ریزی بالکل نہیں ہوئی۔ اور آخری بات یہ کہ خالدؓ نجران سے جنوری ۶۳۲ء میں واپس آئے (ابنِ ہشام جلد دوئم صفحہ ۵۹۴) جبکہ حضرت علیؑ دسمبر ۶۳۱ء میں یمن روانہ ہوئے (ابن سعد صفحہ ۶۸۷) اس لئے خالدؓ کے یمن جانے کی بات صحیح نہیں ہو سکتی۔

غالباً نجران کی یمن سے قربت کی وجہ سے بعض وقائع نگاروں نے خالدؓ کی نجران روانگی کو یمن جانے کی فرضی داستان کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔

یادداشت ۴: مرتدین کے ساتھ معرکوں کی تاریخیں

ہمیں حضرت ابوبکرؓ کے "ذوقصہ" کے مقام پر گیارہ جیش کے تیار کرنے اور اس سے پہلے کے واقعات کی تقریباً صحیح تاریخیں معلوم ہیں۔ اس کے بعد میں قدیم مورخین نے کوئی تاریخیں نہیں دی ہیں۔

مگر ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ سارا معرکہ گیارھویں ہجری کے آخر تک مکمل ہو چکا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ سردیوں کے شروع میں لڑی گئی تھی (سردی شروع ہو گئی ہے" ۔ طبری جلد دوئم صفحہ ۵۱۸)۔ ہمیں مختلف لڑائیوں اور دیگر واقعات کا تاریخ وار تسلسل بھی معلوم ہے اور ایسے شواہد موجود ہیں کہ جنگ "د" کے لئے جنگ "ج" کے خاتمہ پر کمک بھیجی گئی وغیرہ۔

اِن معلومات سے میں نے اپنی فوجی تربیت اور تجربہ کی بناء پر مختلف بیان کردہ واقعات کی تاریخیں اندازاً معلوم کی ہیں۔ مثلاً ایک فوج کو مقام ا سے ب تک پہنچنے میں اتنا وقت لگے گا۔ جنگ کے لئے تیاری کرنے میں اتنا عرصہ لگے گا اور ایک جنگ کے بعد دوسرا معرکہ شروع کرنے سے قبل انتظامی امور کی تکمیل کے لئے اتنا وقت لگے گا۔

چونکہ اِس قسم کے اندازے کُلی طور پر درست نہیں ہو سکتے اس لئے گیارہ جیش کی تیاری کے بعد کی تمام تاریخیں میں نے دنوں کی بجائے ہفتوں کے حساب سے دی ہیں۔ اس پر بھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے لیکن ایک آدھ ہفتہ سے زیادہ کی نہیں!

یادداشت ۵: عراق پر حملہ کا منصوبہ

قدیم مورخوں نے بعض ماخذوں کا حوالہ دیا ہے جن میں عراق پر حملہ کا خلیفہ کا ایک اور منصوبہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ منصوبہ یہ ہے:۔

(الف) حضرتِ ابوبکرؓ نے دو جرنیلوں کو عراق میں داخل ہونے کا حکم دیا۔

خالدؓ نیچے اُبلاؔ کے راستے اور ایاز بن غنم اوپر سے مُضَیّح کی طرف سے۔
اُس وقت ایاز شمالی عرب میں نبّاج اور حجاز کے درمیان کسی مقام پر تھے۔

(ب) حیرا وہ منزل تھی جو دونوں جرنیلوں کو بتائی گئی تھی۔ اور اِن دونوں میں سے جو بھی پہلے حیرا پہنچے گا وہ سپہ سالار بن جائے گا اور دوسرا اُس کے ماتحت خدمت انجام دے گا۔

(ج) سپہ سالار حیرا کے مستقر کی حفاظت کے لئے ضروری فوج وہاں چھوڑ کر باقی فوج کے ساتھ ایرانیوں سے جنگ کے لئے شاہی پایۂ تخت طیسفون (Ctesiphon) روانہ ہو جائے گا۔

میں اِس منصوبہ کو حسبِ ذیل وجوہات کی بناء پر رَد کرتا ہوں:۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ دفعِ اِرتداد کی تمام بڑی جنگوں کے سلسلے میں خالدؓ پر مکمّل انحصار کرتے تھے اس نئے معرکے کا منصوبہ اس طرح نہیں بنا سکتے جس میں وہ خالدؓ کو ایاز بن غنم جیسے غیر آزمودہ جرنیل کی کمان میں دے دیتے جو کسی بھی صورت سے خالدؓ کے ہم پلّہ نہ تھے۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ فوجوں کو اکٹھا رکھنے کے اصول کو مانتے تھے جیسا کہ مرتدوں سے جنگ کے اُن کے منصوبہ سے ظاہر ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے اِس اصول سے انحراف کر کے وہاں موجود فوج کو دو حصّوں میں بانٹ دیتے اور دور دراز کے دو ایسے علاقوں میں جھونک دیتے جہاں سے وہ ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں! دو طرفہ حملہ جو بعض دفعہ اچھا اور مفید ہو سکتا ہے اِس موقع پر بہت بڑی غلطی ہوتا جبکہ دشمن اِس قدر مضبوط اور اپنے ملک کی سرحدوں کے اندر لڑ رہا تھا۔ مسلمان اگر دو فوجوں میں بٹ کر لڑتے تو ہر طرح سے شکست کھاتے!

(۳) اگر یہ بیان درست ہوتا اور واقعی طیسفون (Ctesephon) کی فتح ہی حملہ کی اصل وجہ ہوتی تو خالدؓ نے ضرور اس پر حملہ کر دیا ہوتا۔ اصل میں ہمیں طبری سے پتہ چلتا ہے کہ اس معرکہ کے آخر میں خالدؓ طیسفون پر حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن خلیفہ کی نامنظوری کے ڈر سے باز رہے۔ اور اس بات کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا کہ حضرت ابوبکرؓ نے طیسفون پر حملہ کا مبیّنہ حکم کبھی ملتوی کیا ہو یا پھر اس کے بارے میں خالدؓ کی یاد دہانی کرائی ہو۔

(۴) واقعہ یہ ہے کہ ایاز دوٗمتہ الجندل کے مقام پر پھنس گئے تھے اور خالدؓ نے انہیں بچایا تھا۔ اگر ان کا مقصد اوپر سے عراق ہی جانا ہوتا تو پھر انہیں ایک ایسے مقام پر جو ان کی منزل سے بہت دور تھا اتنی شدید لڑائیاں مول لینے کی کیا ضرورت تھی خصوصاً جبکہ دوسرے اور بہتر راستے ان کے مقصد کے حصول کے لئے موجود تھے۔

ایاز بن غنم کی کمان میں ایک فوج ضرور تھی لیکن اس کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔ اُن کا مقصود غالباً دوٗمتہ الجندل کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا ارادہ بعد میں انہیں خالدؓ کی مدد کے لئے عراق بھیجنے کا ہو جیسا کہ دوٗمتہ الجندل کے بعد وہ خالدؓ کے ساتھ عراق گئے بھی اور اُن کے ماتحت خدمات انجام دیں۔

یادداشت ۶: دریا کی جنگ

اس جنگ کا تذکرہ خالصتاً طبری سے لیا گیا ہے لیکن طبری اس جنگ کا جائے وقوع مذار بتاتا ہے اور اس کو مذار اور دریا (ثنّی) دونوں کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ بلاذری (صفحہ ۲۴۳) بھی مذار کے مقام پر ایک جنگ کا ذکر کرتا ہے

لیکن ابنِ اسحاق اور واقدی کاظمہ۔ اُبلّہ۔ مذار کے علاقہ میں کسی معرکہ کا تذکرہ نہیں کرتے۔

یاقوت (جلد چہارم صفحہ ۴۶۸) کے مطابق مذار، بصرہ سے چار دن کی مسافت پر واسط کے راستے میں واقع تھا (واسط کی بنیاد ۸۳ھ میں رکھی گئی تھی) اور "کانے دجلہ" کے کنارے پر تھا۔ اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مذار موجودہ ازیر کی جگہ دجلہ کے دائیں کنارے پر آباد تھا۔ ازیر اصل میں بصرہ سے ۸ میل دور واقع ہے اور اِس لحاظ سے یہی مذار کا صحیح محلِ وقوع بنتا ہے۔

لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مذار دریائے معقل کی جو کہ کافی بڑا ہے دوسری جانب کوئی ۷۰ میل پر واقع ہے اور دریائے فرات کے اس پار کوئی ۲۵ میل دور۔ اس لئے دریاؤں کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کا باضابطہ انتظام کئے بغیر یہاں تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اور ہمیں خالدؓ کے مذار جانے کے لئے کسی دریا کو عبور کرنے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ تمام مسلمان فوج کے دریا عبور کرنے کے لئے کشتیوں کی فراہمی کا اگر انتظام کیا جاتا تو مورخین اسے نظر انداز نہ کرتے اور معرکۂ الیّس کے بعد خالدؓ کے کشتیاں استعمال کرنے کے واقعہ کی طرح وقائع نگار فرات عبور کرنے کا واقعہ بھی ضرور درج کرتے۔

میرا خیال ہے کہ خالدؓ نے دریائے معقل کو کبھی عبور نہیں کیا۔ کوئی بھی عرب سپہ سالار (خصوصاً اُس زمانے کا) ایک بڑے دریا کو عبور کر کے زیادہ آگے نکلنے اور ایک بڑی مزاحمت کو اپنے اور صحرا کے درمیان حائل ہونے دینے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا جبکہ دشمن کی طاقتور فوجوں کو عقب سے حملہ کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔ اِس بات کا خدشہ یوں اور بھی بڑھ جاتا ہے کہ مقابلہ مہیب ایرانی شہنشاہیت سے تھا۔ خالدؓ اور ان کے بعد کے دیگر عرب سپہ سالاروں کی صحرائی جنگی چال یہی ہوتی تھی کہ صحرا کے کنارے سے قریب رہا جائے۔ اس کے علاوہ چونکہ خالدؓ کی منزل حیرا تھی اِس لئے

اُن کے اِس راہ سے ہٹ کر وسطِ عراق میں جانے کے لئے دریائے معقل اور فرات کو عبور کرنے والی بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ لہٰذا میری رائے میں یہ جنگ صرف "دریا کی جنگ" تھی اور مذار کی جنگ نہیں تھی۔ میرے اندازہ کے مطابق اس جنگ کا محلِ وقوع دریائے معقل ہے (گو کہ قدیم مورخین نے خاص طور سے اِس دریا کا ذکر نہیں کیا ہے) کیونکہ وہی پہلا بڑا دریا تھا جو عراق میں خالدؓ کے راستے میں آیا۔ اِس کے علاوہ کوئی اور بڑا دریا اس علاقہ میں نہیں ملتا۔

یادداشت ۷ : خَنافِس کا محلِ وقوع وغیرہ

خَنافِس، حسید، مفیخ، ثِنی اور ضمیل کے محلِ وقوع کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ اِن معرکوں کے جغرافیہ کی دوبارہ ترتیب میں غلطی کا امکان ہے۔ ان کے محلِ وقوع کے بارے میں تاریخ میں حسب ذیل اشارے مِلتے ہیں:۔

خَنافِس :۔ بقولِ یاقوت (جلد دوئم صفحہ ۴۷۳) یہ جگہ انبار کے قریب بردآن کے مضافات میں واقع ہے۔ موسِل (Musil) اپنی کتاب کے ایک حصّہ میں (صفحہ ۳۰۹) خیال ظاہر کرتا ہے کہ یہ فرات کے مغرب میں واقع تھا لیکن کسی اور جگہ لکھتا ہے کہ بغداد کے بالائی حصّہ میں ۵ میل دور موجودہ کاظمین کے مقام پر واقع تھا اور بردآن کے بارے میں لکھتا ہے کہ بغداد سے ۴ فرسخ دُور ایک ضلع تھا۔

تاریخ طِبری اور جغرافیائی علامات کی بناء پر میں اس کو یقینی طور پر فرات کے مغرب میں سمجھتا ہوں (گو کہ اس کے صحیح محلِ وقوع کے بارے میں یہ ایک اندازہ ہی ہے)

(الف) طِبری لکھتا ہے (جلد دوئم صفحہ ۵۸۰) کہ خالدؓ حیرہ آسے خَنافِس

کے راستہ روانہ ہوئے اور عین التمر کے مقام پر قعقاع اور ابو لیلا کو جا لیا۔ اگر خنافس دریائے فرات کے مشرق میں ہوتا تو عین التمر کے راستہ میں پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(ب) ۱۳ھ میں مثنیٰؓ نے بغداد اور خنافس پر الیس کی طرف سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا (طبری جلد دوئم صفحات ۶۶۵-۶۶۶) تو راستہ بتلانے والوں نے بتایا کہ دونوں مقامات میں کچھ دنوں کے سفر کی مسافت ہے اور خنافس جلدی سے پہنچا جا سکتا ہے۔ مثنیٰؓ خشکی کے راستہ خنافس پہنچے اور وہاں سے انبار کی طرف بڑھے۔ اس لئے اگر خنافس، کاظمین کے مقام پر یا اُس کے قریب ہوتا تو پھر بغداد سے کچھ دنوں کی مسافت پر نہ ہوتا اور نہ ہی خشکی کے راستے یہاں پہنچا جا سکتا تھا!

میں برداَن اور وادی الغدف کو ایک ہی سمجھتا ہوں اس لئے کہ اس کو وادی البرداَن بھی کہا جاتا تھا جو عین التمر کے شمال میں ۲۵ میل تک چلی گئی ہے۔ اگر برداَن نام کی کوئی جگہ تھی بھی تو اب موجود نہیں۔ لیکن وادی سے اس کے جغرافیائی محلِ وقوع کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اِس بات کی تصدیق طبری کے بیان سے ہو جاتی ہے (جلد دوئم صفحہ ۵۸۱) کہ عین التمر سے مضیح کوچ کرتے ہوئے خالدؓ برداَن سے گزرے۔ میں نے خنافس کا محلِ وقوع وادی سے تھوڑا سا شمال کی جانب رکھا ہے۔

حصید:۔ یاقوت (جلد دوئم صفحہ ۲۸۱) اس کو کوفہ اور شام کے درمیان ایک چھوٹی سی وادی بتاتا ہے۔ اس لئے یہ ضرور فرات کے مغرب میں تھی لیکن خنافس کے مشرق میں ہوگی جب ہی مہبوذان (Mahbuzan) اس طرف پسپا ہوا تھا۔ اگر خنافس مشرق میں ہوتا تو مہبوذان طیسفون کی طرف پسپا ہوتا اور مضیح نہ جاتا۔ مؤسِل (Mussil) بھی حصید کو فرات کے مغرب میں بتاتا ہے لیکن اس کا صحیح

محلِ وقوع غیر یقینی ہے۔

مضیخ :۔ یاقوت (جلد چہارم صفحہ ۵۶۰) اس جگہ کو نجد میں وادی الجریب کے کنارے ایک پہاڑی بتاتا ہے جو ربیعہ کے علاقہ میں ہے۔ ربیعہ کا تعلق عراق کے تغلب گروہ کے کنبے سے تھا (نجد کے معنی اونچی سطح مرتفع کے ہیں اور یہ وہ نجد نہیں جو ملک عرب میں ہے) طبری (جلد دوئم صفحہ ۵۸۰) اس جگہ کو حوران اور قلت کے درمیان بتاتا ہے۔ موسل (صفحہ ۳۰۳) اس کو عین الارنب کے مقام پر بتاتا ہے جو کہ حیرا سے ۲۷۰ کیلومیٹر پر انبار کے ۱۱۵ کیلومیٹر شمال مغرب میں اور اقلات حوران کے ۷۵ کیلومیٹر جنوبی جنوب مشرق میں ہے۔ عین الارنب کا صحیح محلِ وقوع اب موجودہ حیط کے ۲۵ میل مغرب میں ہے۔ مَیں کسی اور نشان دہی کی غیر موجودگی میں اسی کو مضیخ مانتا ہوں۔

ثنی اور ضمیل :۔ یاقوت اور طبری دونوں (اور موسل جو اِس معاملہ میں یاقوت سے متفق ہے) ان جگہوں کے تعین کے سلسلے میں حقیقت سے بہت دُور ہیں۔ یاقوت (جلد اوّل صفحہ ۹۳۷) ثنی کو رِسافہ کے مشرق میں اور ضمیل کو بشر کے نزدیک اور رِسافہ اور فرات کے مشرق میں بتاتا ہے۔ طبری (جلد دوئم صفحہ ۵۸۲) بھی انہیں رِسافہ کے مشرق میں بتاتا ہے۔ رسافہ، شام میں پالمیرا کے شمالی شمال مشرق اور فرات سے ۱۵ میل جنوب میں واقع ہے۔ موسل (صفحہ ۳۱۲) ان جنگی میدانوں کا محلِ وقوع بصری سلسلۂ کوہ کے دامن میں بتاتا ہے جو پالمیرا کے شمال مشرق میں چلا گیا ہے اور اُس کے خیال میں بشر، بصری ہی کا دوسرا نام ہے۔

مجھے مقامات کے اس تعین سے اختلاف ہے۔ یہ بات بعید از قیاس نظر آتی ہے کہ خالدؓ صرف دو عرب فوجوں کے اجتماعات کو توڑنے کے لئے قریباً ۶ ہفتے کا چکر کاٹ کر اپنی فوج کو مضیخ سے ۲۵۰ میل دور (اور اپنے مستقر حیرا سے کوئی

۴۰۰ میل دور) لے جاتے جبکہ اُن کا اس سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ابنِ حیا سلسلۂ کوہ اور رسافہ دونوں شام میں کافی اندر واقع تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خالدؓ نے خلیفہ کے احکام کی خلاف ورزی کی ہو جن کے تحت انہیں صرف عراق میں معرکہ آرائی کی اجازت تھی۔

میں نے ضمیل کا پتہ لگا لیا۔ یہ بعض نقشوں میں وادی ضمیل کے کنارے پر عین التمر سے ۲۵ میل شمال مغرب میں ایک ویرانہ کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ ۱:۱۰ لاکھ کے پیمانہ والے نقشہ میں (سروے ڈیپارٹمنٹ۔ دفترِ جنگ و وزارتِ ہوائی فوج۔ لندن ۱۹۶۲ء) اس کو (Thumail) کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ اور یہ اس جگہ کا سمجھ میں آنے والا محلِ وقوع ہے۔ ثنی اس جگہ اور مضیح کے درمیان واقع ہوگا اور میں نے نقشہ نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں اس کو ضمیل سے ۲۵ میل شمال مغرب میں دکھایا ہے (اس میں چند میلوں کی غلطی ہوسکتی ہے لیکن زیادہ کی نہیں) یہ ممکن ہے کہ کوئی اور رسافہ مغربی عراق میں کہیں ہو اور اس صورت میں یاقوت اور طبری نے جو حوالے دیئے ہیں وہ درست ہوسکتے ہیں۔

یادداشت ۸: عراق کے معرکوں کی تاریخیں

قدیم تذکروں میں کچھ جنگوں کی تاریخوں کا ذکر ملتا ہے اور کچھ کا نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ خالدؓ کی یمامہ سے روانگی اور کاظمہ کی جنگ محرم میں ہوئی۔ ولجہ، الیس اور دریا کی جنگیں صفر میں ہوئیں۔ حیرا ربیع الاوّل میں فتح ہوا۔ ہمیں خالدؓ کے فراز پہنچنے کی تاریخ اندازاً اور فراز کی جنگ کی صحیح تاریخ بھی معلوم ہے۔

باقی ماندہ جنگوں میں انبار سے لے کر ضمیل تک کی لڑائیوں کی تاریخیں نہیں دی گئی ہیں۔ ارتداد کی جنگ کی تاریخوں کا اندازہ میں نے اپنی فوجی رائے کے لحاظ سے لگایا ہے۔ اور چونکہ یہ صرف تخمینہ ہے اس لئے بجائے دنوں کے میں نے ہفتوں میں ان تاریخوں کو دیا ہے۔

یادداشت ۹ : اونٹ اور پانی

قدیم مورخین نے اس معرکے کے بارے میں لکھا ہے کہ کس طرح سے اونٹوں کو خوب پانی پلا کر اُن کے پیٹوں میں پانی جمع کرا دیا گیا تھا اور پھر راستے میں روزانہ چند اونٹ ذبح کر کے اُن کے پیٹ میں کا پانی گھوڑوں کے لئے استعمال کیا گیا۔

یہ ایک پرانی داستان ہے اور حیرت ہے کہ لوگ ابھی تک اس کو سچ سمجھتے ہیں۔ اصل میں اونٹ کے جسم کے کسی بھی حصہ میں پانی کا ذخیرہ نہیں ہوتا۔ بات صرف یہ ہے کہ اونٹ کے پٹھوں کے ریشوں میں دوسرے جانوروں کی بہ نسبت پانی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور اسی لئے اونٹ بغیر پانی پئے دوسرے جانوروں کے مقابلے میں زیادہ دن گزار سکتا ہے اور اس کا جسم خشک نہیں ہو جاتا۔ یہ کہاوت کہ اونٹ کے پیٹ میں پانی کا ذخیرہ ہوتا ہے جسے سوار اپنی جان بچانے کے لئے استعمال کر سکتا ہے بس ایک کہانی ہی ہے!

یادداشت ۱۰ : خطرناک سفر کا راستہ

آج کل کے بعض ادیبوں نے خالدؓ کے کوچ کا راستہ جنوبی یعنی دوٗمتہ الجندل کے راستے بتایا ہے۔ اس بیان کی رُو سے خالدؓ نے حیرؔا سے دوٗمتہ الجندل اور وہاں سے قراقرِ (اس نام کی جگہ دوٗمتہ الجندل سے ۷۰ میل شمال مغرب میں موجود ہے) کوچ کیا۔ وہاں سے انھوں نے انجانے صحرا میں سے گزر کر وہ خطرناک پیش قدمی کی اور مشرقی شام پہنچے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض قدیم لکھنے والوں نے دوٗمتہ الجندل کا ذکر کیا ہے۔ بلاذری، دوٗمتہ الجندل کو اَرَکؔ کے بعد کی اور تدمر سے بالکل پہلے کی منزل بتاتا ہے جو کہ بالکل ناممکن ہے۔ طبری ایک ماخذ کا حوالہ دیتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خالدؓ حیرؔا سے دوٗمتہ الجندل کے راستے قراقِر گئے لیکن وہ کوچ کے بارے میں اپنے خود کے بیان میں دوٗمتہ الجندل کا قطعیؔ ذکر نہیں کرتا۔ واقدی اور یعقوبی دونوں

اِس راستے کے متعلق تذکروں میں دوُمتہ الجندل اور قراقر کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔

دراصل بعض قدیم تذکرہ نگاروں نے اِس کوُچ کے واقعات کو خالدؓ کے دوُمتہ الجندل کے حملوں سے خلط ملط کر دیا ہے جو اِس کتاب کے باب سوم میں بیان کئے گئے ہیں۔ اِن لوگوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اِس کوچ کے دوران خالدؓ نے دوُمتہ الجندل کی تسخیر کی جو غلط ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو جو ہدایات دی تھیں اُن کی عملی شرط یہ تھی کہ خالدؓ تیزی سے کوچ کریں۔ اگر دوُمتہ الجندل کے راستہ جاتے تو خالدؓ یہ شرط پوری نہ کر سکتے۔ کیونکہ ادھر سے پیشقدمی میں کافی وقت لگتا۔ اور اگر مان لیں کہ وہ دوُمتہ الجندل گئے تھے تو پھر وہاں سے انہوں نے کاروان کا سیدھا راستہ جو شام کو جاتا ہے وہ کیوں نہیں اختیار کیا اور کیوں نہ اسلامی فوجوں سے جا ملے جو بصرہ اور جابیہ کے علاقہ میں تعینات تھیں؟ اِس راستہ پر اُنہیں کسی دشمن کا سامنا بھی نہ ہوتا جس کے خدشہ کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اِس صورت میں وہ ایک نامعلوم اور بے آب وگیاہ صحراسے جو اصل کارواں کے راستہ سے صرف ۲۰ یا ۳۰ میل مشرق میں تھا گزر کر ساری فوج کی تباہی کا خطرہ کیوں مول لیتے؟ اور پھر وہ کیوں اسلامی فوج سے دامن بچا کر (جس سے رابطہ پیدا کر کے اُس کو اپنی کمان میں لینا تھا) مشرقی شام کے دشمن علاقہ میں جاتے اور پھر وہاں سے دوبارہ لڑتے ہوئے واپس آکر مسلمان فوجوں سے ملتے؟ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی!

اِس کے علاوہ طبری (جلد دوئم صفحہ ۶۰۱) اور بلاذری (صفحہ ۱۱۸) دونوں کی روُ سے خالدؓ نے حیرا سے قراقر کی جانب صندوُدہ اور مصیّح کے راستہ کوچ کیا۔ یہ دونوں جگہیں حیرا کے شمال مغرب میں واقع ہیں اور مصیّح سے ان کا فاصلہ ۲۰۰ میل ہے۔ بلاوجہ خالدؓ یہ اضافی فاصلہ حیرا سے شمال مغرب کی طرف کیوں کرتے

اور پھر دومۃ الجندل جانے کے لئے جنوب کی طرف مڑتے! یہ اور بھی سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے!

اس راستہ کا صحیح خاکہ واقدی اور یعقوبی نے دیا ہے۔ طبری نے بھی سوائے اس سرسری حوالہ کے جو اُس نے دومۃ الجندل کے راستے جانے کے بارے میں دیا ہے یہی خاکہ دیا ہے۔ وُہی راستہ جو سب نے بیان کیا ہے یعنی عراق سے سیدھا شام جانے والا راستہ قریب ترین تھا اور خالدؓ کے مشرقی شام میں بعد کے معرکے جو شام میں داخلے کے بعد واقع ہوئے صرف اسی راستہ سے کوچ کرنے کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہو سکتے تھے۔ دراصل مندرجہ ذیل باتوں سے اِسی راستہ کی نشاندہی ہوتی ہے :۔

(ا) خالدؓ کا رومی فوجوں کی مزاحمت کا خدشہ (طبری جلد دوم صفحہ ۶۰۳)

(ب) واقدی کا خالدؓ کے "سماوا کے خطہ" سے گزرنے کا ذکر جو بادیات الشام (صحرائے شام) میں ہے اور اس میں مغربی عراق اور جنوب مشرقی شام کے علاقے شامل ہیں۔ (واقدی صفحہ ۱۴)

(ج) طبری کا بیان کہ جب خالدؓ نے پیشقدمی ختم کی تو اُن کے عقب میں روم کی سرحدیں اور رومی فوج تھی جس کا رُخ عراق کی جانب تھا۔

(د) مثنیٰ کا خالدؓ کے ساتھ قُراقِر تک جانا جو اُن کے لئے ناممکن ہوتا اگر وہ عرب کی شمال مغربی سرحد جیسے دور افتادہ مقام پر ہوتے۔

تاریخی تذکروں سے یہ تو ممکن ہے کہ خالدؓ کے راستہ کا ایک عام خاکہ سا تیار کیا جا سکے لیکن کوئی بھی یقینی طور پر نہیں بتا سکتا کہ خالدؓ نے کون سا راستہ اختیار کیا۔ جو راستہ میں نے یہاں دیا ہے وہ ویسے تو ٹھیک ہو سکتا ہے لیکن اس میں کئی میل کا فرق بھی ہو سکتا ہے۔ جن نشانات کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے اُن کی تفصیل یہ ہے :۔

اَرَک ابھی تک شام میں پالمیرا سے ۲۰ میل مشرقی شمال مشرق میں موجود ہے۔

سُوَیٰ - اَرَک سے ایک دن کی مسافت پر تھا اور سُوَیٰ سے پانی کا چشمہ ایک دن کی مسافت پر تھا۔ اِس طرح سے پانی کا چشمہ اَرَک سے کوئی ۵۰ میل پر تھا اور اس لحاظ سے اس کا محلِ وقوع موجودہ بہرِ وارد کے پاس بنتا ہے۔ قُراقِر اس چشمہ سے کوئی ۵ دن کی مسافت پر تھا یعنی کوئی ۱۰۰ اور ۱۵۰ میل کے درمیان ہوا۔ اِس سے ہمیں ایک ایسی پٹّی مِل جاتی ہے جس پر قُراقِر واقع تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ قُراقِر کا آج وجود نہیں اور نہ ہی کسی کو اس کا پتہ ہے لیکن یاقوتؔ (جلد چہارم صفحہ ۹۸) کے مطابق یہ ایک وادی تھی اور سماوا میں بنی کلب کے پانی بھرنے کی جگہ تھی۔ اور سماوا کا علاقہ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے صحرائے شام کا حصّہ ہے۔ اس وجہ سے یہ جگہ قُراقِر یقینی طور پر شمال مغربی عربستان کی بجائے مغربی عراق میں واقع تھی۔

مغربی عراق میں کئی قدیم شہروں اور قلعوں کے کھنڈرات اب بھی باقی ہیں، جنہیں عراق کے آثارِ قدیمہ کے ایک نقشہ پر صاف طور پر دکھایا گیا ہے جسے عراق کی نوادرات کے ڈائریکٹر جنرل کے محکمہ نے تیار کیا ہے۔ مفتیح کے مغرب میں تعر الخبار، قعر آمج اور قعرِ مہیور واقع ہیں اور آخر الذکر مفتیح سے ۱۲۰ میل پر ہے۔ گو کہ اِن کھنڈرات کا تعلق پارتھینؔ عہد سے ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں کافی عرصہ تک یہ کاروانوں کو پانی پلانے کی جگہوں کے طور پر موجود رہے۔ "خطرناک سفر" سے پہلے خالدؓ کی پیشقدمی اِسی راستہ سے ہوئی ہوگی اور میرے اندازہ کے مطابق قُراقِر یا تو مہیور میں یا اُس کے قریب ہوگا جو وادیٔ حوران میں واقع ہے۔ یہ جگہ چشمہ سے ۱۲۰ میل پر ہے جو کہ اُس زمانہ کے لحاظ سے ۵ دن کی مسافت کے برابر بنتا ہے۔

یادداشت ۱۱: مرج الصّفر کی جنگ

اپنے تذکرہ میں واقدی، مرج الصّفر کی لڑائی کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ یعقوبی (جلد دوئم صفحہ ۱۳۹) اور بلاذری (صفحہ ۱۲۵) اِس لڑائی کے بارے میں لکھتے ہیں

کہ یہ دمشق کی فتح سے پہلے لڑی گئی تھی۔

عجیب بات یہ ہے کہ واقدی دمشق کے دو محاصروں کا ذکر کرتا ہے جس میں سے پہلا کچھ دنوں کے بعد ختم کر دیا گیا جبکہ باقی تمام مورخین صرف ایک ہی کامیاب محاصرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ واقدی کے مطابق (صفحہ ۱۸) خالدؓ بصرہ کی لڑائی کے بعد شمال مشرق سے دمشق پہنچے اور اذازیر اور کلُس سے لڑائی کے بعد جو اُن سے مقابلہ کے لئے دمشق کے باہر میدان میں نکل آئے تھے دمشق پر حملہ کیا (صفحہ ۲۱) لیکن فوری بعد یہ محاصرہ اُٹھا لیا اور وردان کی لڑائی کے لئے اجنادین کی طرف کُوچ کیا۔

واقدی کے اس بیان کو گبن قبول کرتا ہے لیکن فی الحقیقت یہ قابلِ قبول نظر نہیں آتا۔ خلیفہ نے جو کام خالدؓ کے سپرد کیا تھا وہ بہ سُرعت شام کی اسلامی فوجوں کی کمان سنبھال کر رومیوں سے جنگ کرنا تھا (جن کا اجنادین میں خطرناک اجتماع ہو رہا تھا) اس کے پیشِ نظر یہ بیان بعید از قیاس نظر آتا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں کہ خالدؓ پہلے شمال مشرق سے دمشق پہنچتے مرج راحت پر حملہ کرتے اور دمشق کو چھوڑ کر بصرہ پہنچتے اور اُسے فتح کر کے پھر دوبارہ شمال مشرق سے دمشق پہنچ کر اذازیر اور کلُس سے مقابلہ کے بعد شہر کا محاصرہ کرتے اور پھر محاصرہ اُٹھا کر آگے اجنادین کُوچ کر جاتے!

لیکن واقدی نے جو واقعات اذازیر اور کلوس سے لڑائی کے بیان کئے ہیں وہ سچے اور درست ہیں۔ یہ واقعات پیش آئے تھے اس لئے میں نے یہ فرض کیا ہے کہ یہ واقعات دمشق کے واحد محاصرہ سے پہلے پیش آئے تھے اور یہی مرج الصفر کی لڑائی تھی۔

یادداشت ۱۲: دمشق کی فتح کی تاریخ

بہت سے قدیم اور تقریباً سارے ہی بعد کے مورخین نے سقوطِ دمشق کی تاریخ

رجب ۱۴ھ ہجری (ستمبر ۶۳۵ء) بتائی ہے۔ قدیم مورخین میں واقدی وہ واحد شخص ہے جس نے اِس کو ایک سال قبل یعنی رجب ۱۳ھ ہجری بتایا ہے اور میں اسی کو درست سمجھتا ہوں۔ قدیم تذکروں میں اس بات کے کئی اشارے ملتے ہیں جن میں سے اکثر حضرت ابوبکرؓ کی وفات سے متعلق ہیں جو ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ ہجری کو یعنی فتح دمشق اور حضرت عمرؓ کے خالدؓ کو فوج کی کمان سے برطرف کرنے سے ایک ماہ قبل واقع ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے جس خط کے ذریعہ ابوعبیدہؓ کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا وہ انہیں اس وقت مِلا جبکہ ایک بڑی جنگ لڑی جا رہی تھی اور ابوعبیدہؓ نے یہ اطلاع خالدؓ کو اُس وقت تک نہیں دی تھی جب تک کہ جنگ میں فتح نہیں حاصل ہو گئی تھی۔ یہ اجنادین کی جنگ نہیں ہو سکتی جو جمادی الاوّل ۱۳ھ میں لڑی گئی، (اِس تاریخ پر سب کو اتفاق ہے) کچھ مورخین نے بعض حوالوں کا ذکر کیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یاقوسہ میں پیش آیا تھا لیکن یہ بھی درست نہیں ہو سکتا کیونکہ یاقوسہ میں تو صرف ایک دن کی مختصر لڑائی ہوئی تھی۔ بعض وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ یرموک کی جنگ ۱۳ھ میں ہوئی اُن کا کہنا ہے کہ ابوعبیدہؓ کو خط اِس جنگ کے دوران ملا تھا۔ یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ یرموک کی جنگ ۱۵ھ میں لڑی گئی۔

سب ہی قدیم مورخین نے کسی نہ کسی ماخذ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ کو یہ خط اُس وقت ملا جب مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور انہوں نے یہ خط خالدؓ کو اُس وقت تک نہیں دیا جب تک کہ شہر فتح نہیں ہو گیا۔ میرے خیال میں یہ بات درست ہے اور اس کی رُو سے سقوطِ دمشق رجب ۱۴ھ میں نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مسلمان فوجوں کی کمان کی تبدیلی کی اطلاع کو پورے ایک

سال تک پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ میں نے فرض کیا ہے یہ خبر صرف چند ہفتے، زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ پوشیدہ رکھی گئی ہوگی!

دمشق والوں سے معاہدہ پر خالدؓ نے مسلمانوں کے سپہ سالار کی حیثیت سے اور ابو عبیدہؓ کی موجودگی میں دستخط کئے تھے۔ اس سے ایک صدی بعد واقدی نے خود اس معاہدہ کو دیکھا تھا۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کمان چھن جانے کے ایک سال بعد خالدؓ نے اس معاہدہ پر دستخط کئے ہوں اور اصل سپہ سالار ابو عبیدہؓ صرف بطورِ گواہ موجود ہوں!

واقدی کے مطابق (صفحہ ۶۲) مسلمانوں سے حضرت عمرؓ کے حق میں بیعت دمشق میں ۳ رشعبان ۱۳ھ کو اُس وقت لی گئی جب دمشق کی محاصرہ ختم ہو گیا" اور یہ واقعہ خالدؓ کی معرکۂ مرج الدیباج سے واپسی پر ہوا جو دمشق کی فتح کے بعد سَر ہوا۔

ایک اور نکتہ:۔ ہر ایک مورخ نے لکھا ہے کہ فحل کی لڑائی ذی قعد ۱۳ھ میں ہوئی اور تمام مورخین نے اُن ماخذوں کا حوالہ دیا ہے جن میں لکھا گیا ہے کہ یہ لڑائی دمشق کی فتح کے بعد واقع ہوئی۔

جہاں تک کہ دمشق کے محاصرہ کی مدت کا تعلق ہے اس میں مورخین کو اختلاف ہے۔ مختلف لوگوں نے اسے ایک سال، چھ ماہ، چار ماہ، اور ۷۰ دن تحریر کیا ہے میرا اندازہ ایک ماہ کا ہے۔ یہ محاصرہ بہت زیادہ لمبی مدت کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہرقل (Heraclius) اپنی گھری ہوئی فوج کو نکالنے کی ایک سے زیادہ مرتبہ کوشش کرتا۔ ہرقل جس نے ذی قعد ۱۳ ہجری میں فحل کی جنگ کے لئے ایک اور زبردست فوج تیار کر لی تھی اگر محاصرہ اُس وقت تک طول کھینچتا تو وہ اِس طرح کی فوج دمشق کے بچاؤ کے لئے ضرور استعمال کرتا۔ بہر صورت اِتنی

بڑی فوج اور کثیر آبادی کے خورد و نوش کا انتظام تین مہینے کے اُس لمبے محاصرہ کے دوران جو اجنادین کی جنگ اور اس محاصرہ کے درمیان حائل تھا' نا ممکن تھا۔ اِس سلسلے میں بھی واقدی کا بیان سب سے زیادہ معتبر ہے :۔

اِن سب باتوں کے پیشِ نظر ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دمشق ۲۰ رجب ۱۳ھ کے لگ بھگ ایک مہینے کے محاصرے کے بعد فتح ہوا۔

یادداشت ۱۳ : یرموک - فریقین کی فوجی طاقت

یرموک کی جنگ میں دونوں طرف کی فوجی طاقت کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے ایسے موقعوں پر اپنی طاقت کو اصل طاقت سے کم اور دشمن کی طاقت کو اس کی اصل طاقت سے زیادہ بتایا جاتا ہے

پہلے ہم رومی فوج کی تعداد کو لیتے ہیں۔ مسلمان مورخین کا اندازہ اس کے بارے میں یہ ہے :۔

(الف) طبری ایک جگہ (جلد دوئم صفحہ ۵۹۸ پر جہاں اس جنگ کا اصل حال بیان کرتا ہے) اس کی تعداد دو لاکھ بتاتا ہے۔ ایک اور جگہ (جلد سوئم صفحہ ۷۴) ابن اسحاق کی روایت کا حوالہ دیتا ہے کہ اس کی تعداد ایک لاکھ تھی جس میں بارہ ہزار آرمینی اور بارہ ہزار عیسائی عرب شامل تھے۔

(ب) بلاذری (صفحہ ۱۴۰) رومی فوج کی تعداد دو لاکھ بتاتا ہے۔

(ج) واقدی (صفحہ ۱۰۷) مبالغہ آمیزی سے اِس تعداد کو بے انتہا بڑھا کر بتاتا ہے لیکن زنجیروں میں جکڑی ہوئی فوج کی تعداد (۳۰ ہزار۔ صفحہ ۱۳۹) کا اندازہ واجبی معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک کہ مغربی ادیبوں کا تعلق ہے گبن (جلد پنجم صفحہ ۳۲۵) قدیم بازنطینی ماخذوں سے مواد لے کر رومی فوج کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار بہ شمول ۶۰ ہزار عیسائی

عربوں کے بتاتا ہے۔

دونوں طرف سے صریح مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے لیکن مغربی ادیبوں کی طرف سے کم کیونکہ بازنطینیوں کو اپنے مدمقابل کی بہ نسبت اپنی تعداد کا زیادہ صحیح علم ہوگا۔ اس لئے ہمیں دو لاکھ کی تعداد کو غلط قرار دینا پڑے گا۔ اتنی بڑی فوج کو ایک میدانِ جنگ میں جمع کرنا اور پھر اس فوج کی نقل و حرکت، کھانے پینے کے انتظام اور اجتماع کا مسئلہ اس وقت کے نسبتاً ابتدائی مواصلات کو دیکھتے ہوئے اس قدر مشکل ہے کہ کوئی بھی فوجی افسر جس کے ذمہ عملے کا یہ سارا انتظام سونپا گیا ہو سوائے استعفیٰ دینے کے اور کچھ نہ کر سکتا! یہ بات ایک عام آدمی کی بہ نسبت ایک تربیت یافتہ فوجی دماغ کے لئے زیادہ واضح ہوگی۔

مغربی ادیبوں کی طرف سے بھی رومیوں کی فوج کی تعداد کو گھٹا کر بتانے کی کوشش کی جاتی ہے خصوصاً یورپی فوجوں کے حصّے کو! یہ غالباً کچھ نسلی تفاخر کی بنا پر ہوگا۔ یہ کہنا کہ فوج کے عرب حصّے کی تعداد ۶۰ ہزار تھی انتہائی مہمل بات ہے۔ صرف شام کے عربوں کے لئے اتنی بڑی فوج کا مہیا کرنا ناممکن تھا جبکہ پوری اسلامی سلطنت جس میں عربستان، یمن، عراق، اور خلیج کی ریاستیں شامل تھیں صرف ۴۰ ہزار کی فوج مہیا کرنے کے قابل تھی۔ اس لئے اس کا مقصد عربوں کو موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ گبن عیسائی عربوں کی تعداد فوج کا ۴۰ فیصد بتاتا ہے۔!

دونوں طرف سے مبالغہ آمیزی کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ رومیوں کی فوج ایک لاکھ پچاس ہزار نفری پر مشتمل تھی۔ یہ بتانا ناممکن ہے کہ فوج کے مختلف بازوؤں کی صحیح تعداد کیا تھی لیکن باوثوق اعداد و شمار کی غیر موجودگی کے باعث میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یرموک میں رومی فوج کے پانچوں بازوؤں میں سے ہر ایک میں (جس میں

جبلہ کی عیسائی عرب فوج شامل ہے) کُل فوج کا پانچواں حصّہ موجود تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ اِس اندازہ میں غلطی کا امکان ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کی فوج کی تعداد کا تعلق ہے طبری ایک جگہ (جلد دوئم صفحہ ۵۹۳) اس کی تعداد ۴۰ ہزار اور اس کے علاوہ ۶ ہزار "محفوظ" فوج بتاتا ہے۔ ایک اور جگہ (جلد سوئم صفحہ ۷۴) ابنِ اسحاق کی روایت سے نقل کرتا ہے کہ رومیوں کی ایک لاکھ فوج کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد ۲۴ ہزار تھی۔ بلاذری (صفحہ ۱۴۱) ابنِ اسحاق سے متفق ہے لیکن واقدی (صفحہ ۱۴۴) مسلمانوں کی تعداد ۴۱ ہزار بتاتا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں کی تعداد واقدی کے اندازہ سے زیادہ تھی اور بلاذری اور ابنِ اسحاق کے بیان کو خیال میں رکھتے ہوئے میں نے مسلمانوں کی تعداد ۴۰ ہزار بتائی ہے یعنی طبری کی دی ہوئی تعداد "محفوظ" فوج کو نکال کر۔ اِس طرح ایک مسلمان کے مقابلہ میں چار مخالفین کا تناسب بنتا ہے۔

یادداشت ۱۴: جنگِ یرموک

قدیم مورخین نے یہ نہیں بتایا کہ یرموک کی جنگ ٹھیک ٹھیک کس مقام پر ہوئی جس کی وجہ سے بعد کے لکھنے والوں میں اِس بات پر تنازعہ پایا جاتا ہے۔ بعض نے خود دریائے یرموک کو جنگ کا محاذ بتایا ہے۔ بعضوں نے اس کو دریائے یرموک کے قدرے جنوب میں بتایا ہے اور بعضوں نے اس کو دریائے یرموک کے مشرق میں بتایا ہے!

ہم باری باری سے ان نظریات کو لیتے ہیں:۔

دریائے یرموک کے پار کر کے کوئی بھی جنگ نہیں لڑی جاسکتی تھی۔ میں نے جس کھائی کا تذکرہ کیا ہے اُس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ہر کسی دیکھنے والے کو میرے بیان پر یقین آجائے گا۔ گھڑسوار فوج گھاٹی کو عبور ہی نہیں کرسکتی اور پیدل فوج کی

حرکت بھی صرف ایک ایک کر کے عمودی چٹان کے کناروں سے چکر کاٹ کر ہو سکتی ہے۔

اِس لئے یہ تو خارج از بحث ہے۔

دریا کے جنوب میں اتنے بڑے پیمانے کی جنگ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ علاقہ نوکیلی چٹانوں اور اس سے ملحقہ ڈھلواں وادیوں پر مشتمل ہے جو یرموکؔ تک چلی گئی ہیں اور اس علاقہ میں کسی چھوٹے معرکہ یا معمولی جھڑپوں کے سوائے کسی اور چیز کی گنجائش نہیں۔ اور یہ جگہ وہ نہیں ہو سکتی جس کو خالدؔؓ نے "ایسا میدان جو گھڑسوار فوج کی یلغار کے لئے مناسب تھا" بیان کیا۔ اس کے علاوہ اگر جنگ یرموکؔ کے جنوب میں لڑی جاتی تو رومی فوج وادی الرّقادؔ کی بجائے یرموک کی طرف پسپا ہوتی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔

رہا یرموکؔ کے مشرق میں جنگ کا سوال تو یہاں کا علاقہ ایک بڑی جنگ کے لئے موزوں تو ہے کیونکہ یہ درعاؔ کے شمال میں ایک کھلے میدان پر مشتمل ہے لیکن قدیم تذکروں میں کہیں بھی اِس بات کا اشارہ نہیں ملتا کہ جنگ یہاں لڑی گئی تھی۔ بلکہ فی الحقیقت اِس کے برخلاف اشارے ملتے ہیں کیونکہ جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے یہ اشارہ اُس میدان کے جغرافیہ کے حق میں ہیں جسے میں نے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں وادی الرّقادؔ دریائے یرموکؔ کے مشرقی میدان سے بہت دور واقع ہے (اُس جگہ سے ۲۰ میل سے زیادہ دور جہاں رومیؔ فوج کا بایاں بازو ہوگا) اور خالدؔؓ کے لئے صرف ایک دن کی جوابی کاروائی میں یہ ممکن نہ ہوتا کہ رومی فوج کے بائیں بازو کو موڑ کر میدان میں ڈٹی ہوئی فوج کو شکست دے دیتے اور اسے وادی الرّقادؔ میں پسپا کر کے اُس کا صفایا کرتے!

اب میں نے جس میدانِ جنگ کا نقشہ بنایا ہے اُس کے حق میں مندرجہ ذیل صاف شواہد موجود ہیں:۔

(ل) خالدؓ کا ابوعبیدہؓ کو مشورہ جو انہوں نے مان لیا تھا کہ عذرا نام کی جگہ کو اپنے عقب میں رکھیں یعنی تقریباً مغرب کی طرف رُخ رکھیں۔

(ب) ابوعبیدہؓ نے میدان سنبھالنے کے بعد حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ان کی فوج دریائے یرموک پر جولان کے قریب متعین ہے (واقدی صفحہ ۱۱۸)

(ج) رومیوں کے پڑاؤ کی صورت جولان کے قریب جو کہ وادی رقاد، جھیل طبریہ، اور شمالی علاقہ کے درمیان ہے اور یہ مسلمانوں کے پڑاؤ سے ۱۱ میل پر تھا۔ اِس طرح مسلمانوں کا پڑاؤ جس جگہ میں نے جنگ کا خط کھینچا ہے اُس سے تھوڑا سا مشرق کی جانب ہوا۔

(د) موجودہ نوا کے ۳ میل جنوب مغرب میں ثمین نام کی جو پہاڑی تھی وہ اب جموعہ کی پہاڑی (جمع ہونے کی) کہلاتی ہے کیونکہ مقامی روایت کے مطابق اس پر خالدؓ کی فوج کا ایک حصّہ جمع ہوا تھا۔ یہ میدانِ جنگ کے بارے میں صاف اشارہ ہے کیونکہ اکثر عرب ممالک میں اس قسم کی روائتیں باپ سے بیٹے کو زمانۂ قدیم سے بالکل درست منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔

(ہ) جس طرح کی فوجی نقل وحرکت ایک دن کے جوابی حملہ کے دوران کی گئی اور جو وادی الرقاد میں جاکر ختم ہوئی وہ اتنے وقت اور فاصلہ میں صرف یرموک کے میدان کے وسطی یا مغربی وسطی حصّہ سے ہی ممکن تھی۔

(و) میدانِ جنگ مزید مشرق کی جانب اِس لئے نہیں ہوسکتا کہ ایسی صورت میں مسلمان یرموک پر نہ ہوتے جو جبلین سے شروع ہوتا ہے جس کے عقب میں مَیں نے مسلمان فوجوں کا بایاں بازو دکھایا ہے۔ اِس کے علاوہ ضرار نے جس طرح جنگ کے آخری دن سے ایک رات قبل اپنی فوج کو دشمن کی فوج کے اطراف گھیرے کی شکل میں پھیلا دیا تھا وہ ممکن نہ ہوتا اگر مسلمان فوج ۲ میل اور دُور ہوتی۔

اِس وجہ سے میدانِ جنگ کا نقشہ کم و بیش ویسا ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ یرموک پر
اِس کتاب کے باب میں بتایا گیا ہے۔ اِس میں ایک آدھ میل سے زیادہ کی غلطی نہیں ہو سکتی
لیکن جموعہ کی پہاڑی یقیناً مسلمانوں کے قبضہ میں تھی۔

اشاریہ مقامات

(الف)

(م)

(ن)

(و)

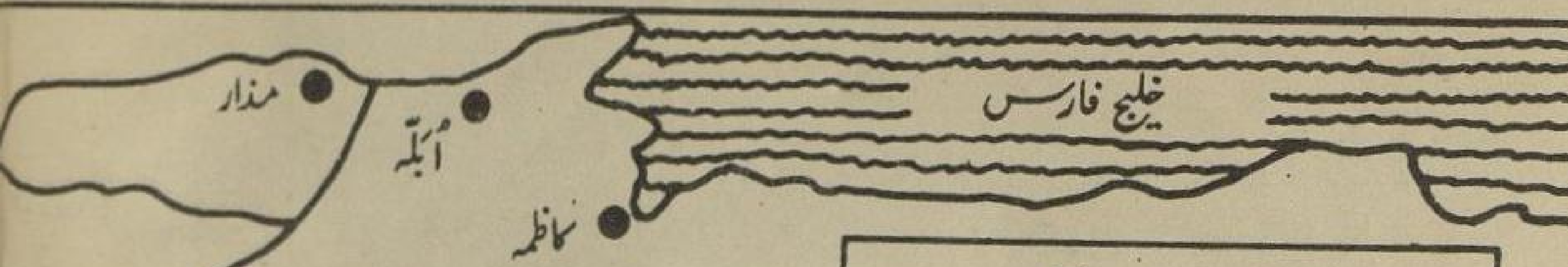
(ھ)

(ی)

اشاریہ شخصیات

(و)

(ہ)



وہ علاقے
جہاں
خالد نے معرکے سَر کئے

یمامہ

نِبّاج

عرب

بُزاخہ

نقرہ

تَیما

خیبر

مدینہ

بدّر

طائف

مکّہ

بحیرۂ احمر


دجلہ
موصل
نُصیبین
آمد
انبار
ملطیہ
رُہا
فرات
مرعش
حَلَب
تومَر
انطاکیہ
شام
شیزر
حمص
لاذقیہ
دمشق
بیروت
بصرہ
فحل
عکا
عمان
یروشلم
مَوتہ
ماہان
غزّہ
بحیرۂ روم
اَیلہ
مقنا

تاریخ تحریر: مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۱ء بمطابق ۱۲ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی مطبوعات

۱ آزادیٔ موہوم	ذوالفقار علی بھٹو	مجلد	۲۰ روپے
		غیر مجلد	۷ روپے
۲ ارسطو سے ایلیٹ تک	ڈاکٹر جمیل جالبی	مجلد	۸۰ روپے
۳ یہ بچہ کس کا بچہ ہے (نظم)	ابن انشا		۱ روپیہ
۴ پنجابی لوک داستانیں	شفیع عقیل		۳۵ روپے
۵ خاندان اور برادری کی نشو و نما	ڈاکٹر مہرالنساء احمد		۶۰ روپے
۶ شاد باد منزل مراد	ماجد صدیقی		۶ روپے
۷ جمالیات (قرآن حکیم کی روشنی میں)	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر		زیر طبع
۸ فلسفے کے بنیادی مسائل	قاضی قیصر الاسلام		"
۹ چند تعلیمی تصورات	پروفیسر شبیر علی کاظمی		"
۱۰ نئے تعلیمی تقاضے	پروفیسر محمد عثمان		"



سرورق: شجیع کاظمی

قیمت: ۵۰ روپے